



امداد الاحکام

امداد الفتاویٰ کا شملہ جو ۱۳۴۰ھ کے بعد کے فتاویٰ پر مشتمل ہے

تالیف

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ

زیر نگرانی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

مکتبہ نذاریۃ العلم و مرکز کراچی

فہرست مضامین "امداد الاحکام" جلد دوم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
			کتاب الزکوٰۃ
۱۳	رقم دیدے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ نوٹ سے زکوٰۃ ادا کر نیکا حکم۔	۱	پیشگی زکوٰۃ اگر زائد ادا کر دی جائے تو اس کا حکم۔
۱۴	حکم زکوٰۃ بر منافع کارخانہ۔	۲	وکیل زکوٰۃ کا زکوٰۃ کی رقم میں خیانت کرنا۔
۱۵	امانت زکوٰۃ بطور قرض دینے کا حکم۔	۳	مسافر کو زادِ راہ کے واسطے زکوٰۃ دی اگر وہ مسافر بعد میں واپس کرے تو کیا زکوٰۃ ادا ہو جائیگی؟
۱۶	ختم سال پر جتنی رقم ہو سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی دین محیط مانع وجوب زکوٰۃ ہے۔	۴	مدیون بدین مہر پر وجوب زکوٰۃ کا حکم۔
۱۷	پروڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا مسئلہ۔	۵	مال مخلوط باحرام پر وجوب زکوٰۃ کا حکم۔
۱۸	نابالغ کے نکاح میں والدین نے زوجہ کو زیور چڑھایا، بلوغ کے بعد والدین نے کہا کہ زیور ہم تمہیں ہیہ کر چکے ہیں، تو اس پر زکوٰۃ کب سے واجب ہوگی؟	۶	حکم ادار زکوٰۃ بصورت سپردگی وکیل۔
۱۹	کیا موٹر پر زکوٰۃ ہے؟	۷	ادار زکوٰۃ بلفظ قرض اور اس میں رجوع کی ایک صورت کا حکم۔
۲۰	بیوی صاحب نصاب ہو تو زکوٰۃ و قربانی اسی پر واجب ہوگی۔	۸	زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس مال سے کوئی تجارت نہیں کی تو دوسرے سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟
۲۱	زکوٰۃ یکمشت کے بجائے سال بھر میں تھوڑی تھوڑی ادا کرنا۔	۹	بذریعہ نوٹ زکوٰۃ ادا کر نیکا حکم۔
۲۲	بذریعہ منی آرڈر زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟	۱۰	کیا منی آرڈر کے ذریعہ زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟
۲۳	مقدار فرض سے زائد زکوٰۃ ادا کی تو وہ آئندہ سال زکوٰۃ میں محسوب ہو سکتی ہے یا نہیں؟	۱۱	ایک شخص پر کئی سالوں کی زکوٰۃ واجب تھی، بعد میں مال ضائع ہو گیا، تو سنین گزشتہ کی زکوٰۃ اس پر واجب رہے گی یا نہیں؟
		۱۲	ایک شخص اللہ واسطے محتاج کو زکوٰۃ کی نیت سے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۵	زمین عشری اور خراج کی تعریف، اور بعض زمینوں کے عشری یا خراج ہونے کی تحقیق	۲۲	نصاب زکوٰۃ کی تحقیق۔
۲۷	انگریزی حکومت کو مالگذاری دینے سے عشر ادا نہ ہوگا۔	۲۳	مسئلہ وجوب زکوٰۃ۔
۲۸	ارض حربی میں عشر و خراج کا واجب نہ ہونا۔	۲۴	پراویڈنٹ فنڈ پر وجوب زکوٰۃ کا مسئلہ۔
۳۸	ہندوستان کی زمینوں پر عشر واجب ہے یا کیا ہے۔	۲۵	بینک کا دیوالہ نکل جائے تو اس میں جمع کردہ روپے پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ہے۔
۳۹	وجوب عشر و خراج کی ایک صورت کا حکم۔	۲۶	مسئلہ وجوب زکوٰۃ۔
۳۹	حکومت کے لگان سے عشر ادا نہیں ہوتا۔	۲۷	مہر مؤجل مانع وجوب زکوٰۃ ہے یا نہیں ہے۔
۳۹	کچی فصل کی کٹائی میں عشر ہے یا نہیں ہے۔	۲۸	قرض پر وجوب زکوٰۃ کی ایک صورت کا حکم۔
	باب صدقۃ الفطر	۲۸	مثل سوال مذکور۔
۳۹	صدقۃ فطر کی ادائیگی میں دوسرے شہر کے بھاؤ کا اعتبار نہیں۔	۲۹	اگر اپنے مال کے ساتھ زکوٰۃ کا مال بھی چوری ہو گیا، تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں ہے۔
۳۹	صدقۃ فطر میں غیر منصوص چیزوں میں قیمت کا اعتبار ہے۔	۳۰	حکم وجوب زکوٰۃ در زیورات۔
۴۰	چاول اور دھان سے صدقۃ فطر ادا کرنا حکم۔	۳۱	مسئلہ زکوٰۃ۔
۴۰	صدقۃ فطر میں موضع مال کی قیمت کا اعتبار ہوگا، یا صدقہ ادا کر نیکی جگہ کا ہے۔	۳۱	قرض ہر حال میں مانع وجوب زکوٰۃ ہے۔
۴۱	صدقۃ فطر کئی مسکینوں کو دینا۔	۳۲	مسودہ زکوٰۃ بل کے بارے میں ایک استفتاء
۴۱	غیر منصوص اشیاء میں صدقۃ فطر ادا کرنا طریقہ۔		باب زکوٰۃ مال التجارۃ
۴۲	وزن صاع کی تحقیق۔	۳۱	کتب تجارت میں زکوٰۃ کا حکم
۴۳	فطرہ اور جہم قربانی کی قیمت میں تملیک شرط ہے۔		باب صدقۃ السوائم
۴۳	تحقیق مدار صدقہ۔	۳۲	بکریوں کی زکوٰۃ کا حکم۔
۴۴	غیر منصوص اشیاء میں قیمت کا اعتبار ہے۔	۳۳	علوفہ اور تجارتی مواشی پر وجوب زکوٰۃ کا حکم۔
۴۵	صدقۃ فطر وصول کر نیکی غرض سے کمیٹیاں قائم کرنا۔		باب العشر و الخراج
		۳۵	مسجد کی زمین پر عشر کا حکم۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۹	بغیر اجازتِ مز کی غیر مصرف میں زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم۔		باب المصارف
۹۰	مدارسِ عربیہ میں زکوٰۃ دینے کے متعلق ایک استفتاء مشتمل برچند سوالات۔	۲۵	سو بیگمہ زمین کے مالک کا عیالدار ہونے کی صورت میں زکوٰۃ لینا۔
۹۵	مال و صیت بالتصدق سے اغنیاء کو دینا۔	۲۶	تراویح سنا نوالے کو اجرت میں دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔
۹۶	صاحبِ نصاب کے لئے زکوٰۃ، صدقہ فطر وغیرہ لینے کا حکم۔	۲۷	بیوی، شوہر، باپ اور بیٹے کو صدقہ و نذر دینا جائز نہیں۔
	کچنی کے شیرز کی زکوٰۃ	۲۸	زکوٰۃ کے رقبہ سے ضیافت کر کے فقیریوں کو کھانا کھلانا۔
۹۷	جس کا صرف باپ سید ہوا اس کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟	۲۹	کافر کو زکوٰۃ و دیگر صدقات واجبہ دینے کے متعلق "بہشتی زیور" کے مسئلہ پر شبہ کا جواب۔
	کتاب الصوم	۳۰	اپنے لڑکے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔
۹۸	افطار میں جلدی کرنا۔	۳۱	جس پر قربانی واجب ہو، زکوٰۃ واجب نہ ہو، وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے؟
۱۰۰	حکم صوم یوم الشک	۳۲	ایضاً ایضاً ایضاً
۱۰۳	مسجد میں افطار کرنا جائز ہے یا نہیں؟	۵۰	الاحتیاط اللازم فی التصدق علیٰ بنی ہاشم۔
	ایضاً ایضاً ایضاً	۵۵	رسالہ رفع التثبیک فی دفع الزکوٰۃ بالتملیک۔
۱۰۴	تفصیل الآثار فی تعجیل الافطار۔	۸۳	مبلغین کی تنخواہ میں زکوٰۃ صرف کرنا۔
۱۰۸	نیتِ معلق سے صوم مستحق نہیں ہوتا۔	۸۶	اولویت صرف زکوٰۃ ببلدے کمال موجود باشد۔
۱۰۹	سحری کے وقت طلوع فجر سے قبل اذان دینے کا حکم۔	۸۷	والپسی زکوٰۃ کی ایک صورت کا حکم۔
۱۱۰	حکم افطار قبل از اذان۔	۸۸	وکیل نے زکوٰۃ کی رقم ہاشمی کو دیدی تو وکیل پر ضمان لازم آئیگا یا نہیں؟
	فصل فی رویۃ الہلال	۸۹	ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۴	کیا اگر بتی کا دھواں حلق میں جانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے ؟	۱۱۰	رویتِ ہلال کی شہادت عید کے دن طلوع آفتاب سے قبل مل جائے تو کیا حکم ہے ؟
	فصل فی القضاء والکفارة	۱۱۲	کیا خط اور تار کے ذریعہ رویتِ ہلال کی خبر معتبر ہے ؟
۱۳۵	مسافر روزہ افطار کر لے تو کفارہ نہیں۔	۱۱۳	تحقیق رویتِ ہلال در حالتِ غیم و قبول شہادت وغیرہ
۱۳۶	کفارہ میں بہت بوڑھے کو کھلانا جائز ہے۔	۱۱۷	رویتِ ہلال اور صوم یوم الشک کے بارے میں ایک استفتاء۔
۱۳۶	حکم نیتِ کفارہ رمضان بالتعلیق۔	۱۱۹	شعبان کے تیس دن پورے ہونے پر چاند نظر نہ آئے تو کیا حکم ہے ؟
۱۳۷	کفارہ صوم میں رمضان کا توسط مبطل متابع ہے۔	۱۲۰	رویتِ ہلال کے متعلق ایک استفتاء۔
۱۳۷	نذر روزے اگر کسی عذر کی وجہ سے نہ رکھ سکے تو کتنا کفارہ ہوگا ؟	۱۲۱	خط اور ٹیلیفون کے ذریعہ رویتِ ہلال کی خبر کا حکم۔
۱۳۷	استفتاء متعلق کفارہ صوم۔	۱۲۲	رویتِ ہلال کے متعلق سرکاری فتاویٰ کا حکم۔
	فصل فی الاعذار المبیحة للإفطار	۱۲۳	ثبوت رویت کے بارے میں۔
۱۳۸	فصل کی کٹائی کے لئے روزہ افطار کر نیکا حکم۔	۱۲۵	ٹیلیفون کے ذریعہ رویتِ ہلال کی خبر کا اعتبار ہے یا نہیں ؟
۱۳۹	عذر کی بنا پر افطار کر نیوالے کو افطار کا اعلان نہیں چاہیئے ؟		فصل فیما یفسد الصوم ما یکرہ للصائم
۱۴۰	عورت کو حالتِ روزہ میں حیض آجائے تو کھا پی سکتی ہے یا نہیں ؟	۱۲۸	روزہ کی حالت میں سفوفِ تمباکو منہ میں رکھنا۔
	معذور کے لئے افطار کا حکم۔	۱۳۰	ادخال مہتہائے بوا سیری بید مبلولہ در صوم۔
	فصل فی صوم النذر والقضاء	۱۳۰	طاغوتی ٹیکہ لگوانا مفسدِ صوم ہے یا نہیں ؟
۱۴۱	قضا روزے رکھنے والا اگر مطلق قضا کرے رمضان کی نیت کرے تو کیا حکم ہے ؟	۱۳۳	بعد افطار اندام نہانی دوار کھی جو بحالتِ صوم باقی رہی تو کیا حکم ہے ؟
		۱۳۴	طاغوتی ٹیکہ اور فصد لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔
			صوم معذور کا حکم۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	کتاب الحج !		باب الاعتکاف
	فصل فمین یفرض علیہ الحج		
۱۵۱	صاحب استطاعت معذور شخص کے حج کا حکم۔	۱۴۱	معتکف کیلئے مسجد میں رتھ صادر کرنیکا حکم۔
۱۵۲	جس کے پاس صرف جائیداد ہو اس پر وجوب حج کا حکم۔	۱۴۲	معتکف کیلئے خارج مسجد نماز ادا کرنیکا حکم۔
۱۵۳	تعمیر مکان سے حج فرض مقدم ہے	۱۴۳	معتکف حاجت ضروریہ سے نکلنے کے بعد کیا غسل جمعہ کر سکتا ہے ؟
۱۵۴	جسکا ذریعہ آمدنی صرف جائیداد ہو تو کیا اس پر حج فرض ہے ؟	۱۴۴	گاوؤں میں اعتکاف کر نیوالے کیلئے نماز جمعہ کا حکم۔
۱۵۵	ایضاً ایضاً ایضاً	۱۴۵	کسی عذر کی بنا پر اعتکاف نہ کرنیکا حکم۔
۱۵۶	اولاد ادا پر قرض کا وعدہ کرے تو مدیون باپ کو حج پر جانا جائز ہے ۔	۱۴۶	سحری کھانے کے بعد کئی کرنے کے لئے معتکف کا مسجد سے نکلنا۔
۱۵۷	مہر مہر مانع وجوب حج نہیں ہے ۔	۱۴۷	جو حجرہ جزو مسجد نہ ہو اس میں اعتکاف باطل ہے ۔
۱۵۸	عورت لے پالک لڑکے یا ہمسایہ عورتوں کے ساتھ حج پر نہیں جاسکتی ۔	۱۴۸	کیا معتکف اذان دینے کے لئے مسجد سے باہر جاسکتا ہے ؟
۱۵۹	مسئلہ وجوب حج علی الفور اور کیا بعد وجوب حج وہ رقم حوائج ضروریہ میں صرف کرنا جائز ہے ۔	۱۴۹	معتکف مسجد میں جہاں چاہے اٹھ بیٹھ سکتا ہے ۔
۱۶۰	ادائے حج سے قبل زیارت روضہ اقدس کا حکم ۔	۱۵۰	معتکف کے بارے میں متعدد سوالات پر مشتمل ایک استفتاء ۔
۱۶۱	کیا ہندو سے روپیہ قرض لیکر حج کرنا بہتر ہے ؟	۱۵۱	عشرہ اخیر کامل کا اعتکاف سنت مؤکدہ ہے ۔
۱۶۲	جس نے حج فرض ہونے سے پہلے کر لیا تو کیا فرض ادا ہو جائے گا ؟	۱۵۲	معتکف کے متعلق متعدد سوالات پر مشتمل ایک اور استفتاء ۔
۱۶۳	کیا حجام سفر میں اپنا پیشہ اختیار کر سکتا ہے ؟	۱۵۳	مثل استفتاء مذکور ۔
		۱۵۴	اعتکاف میں مسجد کی خدمت کرنا ۔
		۱۵۵	اعتکاف میں ورزش کرنا اور خط لکھنا ۔
		۱۵۶	جسکو حج کا عارضہ ہو کیا وہ مسجد میں اعتکاف کر سکتا ہے ؟

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۷۴	رفض احرام حج سے ایک دم اور ایک حج لازم ہوگا یا دو دم اور دو حج؟	۱۶۰	بارہویں کی رمی زوال سے پہلے جائز نہیں۔
۱۷۶	احرام میں ازار بدن جائز ہے۔	۱۶۱	کیا بارہویں کو بعد مغرب طواف زیارت ہو سکتا ہے؟
۱۷۷	احرام میں ہمیانی باندھنے کا حکم۔	۱۶۲	حج فرض ہونیکے بعد اس میں تاخیر کرنا جائز نہیں۔
۱۷۸	مخطورات احرام کا ارتکاب عمدًا کرے اور دم و صدقہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو کیا حکم ہے؟	۱۶۳	کسی نے راستہ کھدوش ہونیکے وجہ سے حج نہ کیا پھر مال خرچ ہو گیا تو کیا حکم ہے۔
۱۷۹	عورت حالت احرام سے چہرہ کس چیز سے ڈھانپے؟	۱۶۴	جس روپیے سے زکوٰۃ نہیں نکالی اس سے اور قرض کے روپیے حج کرنا۔
۱۸۰	حالت احرام میں عورت کو مردانہ جوتا پہننا کیسا ہے؟	۱۶۵	بدون عذر رمی میں نیابت کا حکم۔
۱۸۱	مکہ جانے کا ارادہ نہ ہو تو میقات سے احرام باندھنے کا حکم۔	۱۶۶	کیا بیت اللہ دیکھنے سے بچہ پر حج فرض ہو جاتا ہے؟
۱۸۲	محرم عینک لگا سکتا ہے یا نہیں؟	۱۶۷	ملازمت ختم ہونیکے خوف سے حج میں تاخیر کرنا۔
	فصل فی القرآن والتمتع	۱۶۸	صاحب جائیداد وسیع کے پاس نقد روپیہ نہ ہو تو کیا ہندوسے سودی قرص لیکر حج کر سکتا ہے؟
	آفاقی جدہ سے احرام باندھ کر عمرہ کر کے مدینہ چلا جائے تو واپسی میں قرآن یا تمتع کر سکتا ہے یا نہیں؟	۱۶۹	اشہرج میں حج سے پہلے مدینہ جانا جائز ہے۔
	فصل فی الوصیۃ بالحد والحدود		فصل فی الاحرام وما ہو محذور فیہ
	واجب الحد عن الغیر	۱۷۰	محرم یا حلال کا حدود حرم کے اندر شکار لانے کے متعلق غنیۃ اور زبده کی عبارتوں میں تعارض کی تحقیق۔
۱۸۳	حج بدل کرنیوالے کیلئے تمتع کا حکم۔	۱۷۱	احرام میں اعذار متعدد کیوجہ سے مختلف سلعے ہوئے کپڑے پہننے سے کفارہ واحد واجب ہوگا یا متعدد؟
۱۸۴	ایصال النحر فی مسائل الحج عن الغیر۔		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	کتاب النکاح	۱۸۸	والدین کی طرف سے حج بدل کرنا جبکہ انہوں نے وصیت نہ کی ہو۔
۲۰۱	دولہانے وقت نکاح صرف اکھڑ لٹہ کہا تو کیا حکم ہے؟	۱۸۹	حج بدل کرنے والے کے پاس خرچ نہ رہے اور وہ قرض لے تو کیا حکم ہے؟
۲۰۲	منگنی کے وقت کا ایجاب و قبول ایک قسم کا وعدہ ہے۔	۱۹۰	اجنبی کے مال سے بغیر وصیت و اذن ورثہ حج بدل کی ایک صورت۔
۲۰۳	منگنی میں اولیا برطرفین کا ایجاب و قبول ایک قسم کا وعدہ ہے۔	۱۹۱	متعلق حج بدل۔
۲۰۴	نکاح بیوہ کا حکم۔	۱۹۲	مامور اپنی جائے قیام سے حج کرے تو کیا حج آمر کا صحیح ہو جائے گا؟
۲۰۵	زنا سے حاملہ کے نکاح کا حکم۔	۱۹۳	حج بدل میں واپسی شرط نہیں۔
۲۰۶	سنی عورت کا شیعہ کے ساتھ نکاح کا حکم۔	۱۹۴	ایضاً ایضاً۔
۲۰۷	اس شرط کیساتھ نکاح کرنا کہ بیوی شوہر کے وطن سے باہر نہیں جائیگی۔	۱۹۵	معذور کے حج بدل کرانہی ایک صورت کا حکم۔
۲۰۸	حلالہ کے بعد نکاح کا حکم جبکہ محلل منکر و طہی ہو۔	۱۹۶	حج بدل اور ضمان مامور کی ایک صورت کا حکم۔
۲۰۹	منگنی کے وقت ایجاب و قبول کا حکم۔	۱۹۷	جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کے حج بدل کرنے کا حکم۔
۲۱۰	مشرک عورت کو جبراً مسلمان کر کے اس سے نکاح کرنا۔	۱۹۸	سفر حج سے عاجز ہونے کی صورت میں حج بدل کرانے کا حکم۔
۲۱۱	حکم نکاح سنیہ بارافضی۔	۱۹۹	حج بدل کی ایک صورت کا حکم۔
۲۱۲	جو زوج اول سے اپنا مطلقہ ہونا بیان کرے اس سے نکاح کرنا۔		جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اسکے حج بدل کا حکم۔
۲۱۳	اس شرط پر نکاح کرنا کہ پانچ سال یہاں رہنا ہوگا		
۲۱۴	مطلقہ ثلاثہ کا بغیر حلالہ کے نکاح کرنا حکم۔		
۲۱۵	نوسلمہ محسنہ کو دارالاسلام میں لاکر نکاح کرنا حکم۔		
			بحری اور ہوائی جہازوں پر سفر اور متعلق احکام
			ہوائی جہازوں میں وقف عرفہ اور طواف کعبہ کا حکم۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۸	چار بیویوں میں سے ایک کا انتقال ہو جائے	۲۱۹	زنا سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔
"	تو دوسری عورت سے فوراً نکاح جائز ہے۔	"	مطلقہ ثلاث نے مرتد ہو کر کافر سے نکاح
"	لوندی سے کراہت نکاح کی وجہ۔	"	کر لیا اگر اس نے طلاق دی تو کیا مسلمان ہونے
"	عورت مجلس نکاح میں موجود ہو تو شاہدوں	"	کے بعد وہ زوج اول کیلئے حلال ہو گئی۔
"	کو نام وغیرہ بتانا ضروری نہیں۔	۲۲۰	حکم نکاح بالکتابت۔
۲۳۹	دلی کی طرف اضافت کی ایک صورت کا حکم۔	۲۲۱	رافضی کے ساتھ سنی لڑکی کی نکاح کے بعض
۲۴۰	مسئلہ نکاح۔	"	صورتوں کی تفصیل۔
فصل فی المحرمات		۲۲۶	بوقت نکاح غلطی سے دوسری لڑکی کا نام
		"	بتا دیا تو کیا حکم ہے۔
۲۴۲	عمانی اور چچی سے نکاح جائز ہے۔	۲۲۷	کیا بیوہ یا مطلقہ پر والد کے حکم سے نکاح
"	ولد زانی کے مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کی ایک	"	ثانی فرض ہو جاتا ہے۔
"	صورت کا حکم۔	"	جواز نکاح بالکتابت کی ایک صورت۔
۲۴۴	بھتیجی کی بیوہ سے نکاح جائز ہے۔	۲۲۸	احکام وطی زوجہ صغیرہ۔
۲۴۵	جمع بین الاختین کے متعلق ایک استفطار۔	۲۳۰	بصیفہ حال قبول کافی ہے یا نہیں؟
"	دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔	"	بوقت نکاح لڑکی نام سننے میں لڑکے کو
۲۴۶	زانی کی اولاد کا نکاح فرغ مزنیہ سے جائز ہے۔	"	اشتباہ ہو گیا مگر وہ لڑکی کو جانتا ہے۔
۲۴۷	ایضاً	۲۳۱	نکاح کو مخفی رکھنا گناہ ہے۔
"	سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے۔	۲۳۲	زنا سے نکاح فاسد نہیں ہوتا
"	کیا بیوی کے انتقال کے فوراً بعد سالی سے	۲۳۳	اجنبی عورت اور مرد یہ کہیں کہ ہمارے نکاح
"	نکاح جائز ہے؟	"	میں کوئی شرعی امر مانع نہیں تو کیا قاضی
۲۴۸	سوتیلی والدہ کی بہن سے نکاح جائز ہے۔	"	انکا نکاح کرا سکتا ہے؟
۲۴۹	اپنے بیٹے کی سالی سے نکاح جائز ہے۔	۲۳۴	استفطار ضمیمہ سابق۔
"	ماں کے شوہر کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔	۲۳۷	نکاح ستری کی تعریف اور اس کا حکم۔
۲۵۰	سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے۔	"	حرہ عورت کو خریدنا اور اپنے ساتھ اسکا نکاح کرنا۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۷۶	نکاح معتدہ -	۲۵۰	بیوی کے انتقال کے بعد فوراً سالی سے نکاح جائز ہے۔
۲۷۷	نومسلمہ سے قبل از انقضائے عدت نکاح کا حکم۔	۲۵۱	سالی کی سوتیلی ماں محرمات میں داخل نہیں ہے۔
۲۷۸	حکم نکاح بین الرضیعین -	۲۵۲	حکم نکاح دختر پیرخت عینیہ علاقہ و اجاقہ -
۲۷۹	نومسلمہ سے قبل از انقضائے عدت نکاح جائز نہیں۔	۲۵۳	مزنہ کے لڑکے سے زانی کی لڑکی کے نکاح کا حکم۔
۲۸۰	دورانِ عدت نکاح کی خاص صورت کا حکم۔	۲۵۴	باپ کی رضیہ سے نکاح جائز ہے۔
۲۸۱	ایضاً	۲۵۵	رضیہ مزنہ سے نکاح حرام ہے۔
۲۸۲	ایضاً	۲۵۶	حکم نکاح کتابیہ -
۲۸۳	اقرار نامہ کے خلاف ورزی کی صورت میں	۲۵۷	پھوپھی، بھتیجی ایک نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔
۲۸۴	بیوی کے نکاح ثانی کی ایک صورت -		
	فصل فی الاولیاء والا کفاء		فصل فی الانکحة الفاسدة
۲۸۵	نابالغہ کا نکاح چچا نے کر دیا اور ماں ناراض ہے۔	۲۵۵	شوہر قید ہو تو زوجہ کا نکاح ثانی کرنا باطل ہے۔
۲۸۶	والدین کی رضامندی سے نکاح ہو تو لڑکی کو خیالِ بلوغ نہیں ہے۔	۲۵۶	غیر کی منکوحہ سے نکاح باطل اور اسکی اولاد حرامی ہے۔
۲۸۷	ولی بعد نکاح کر دے اور ولی اقرب سکوت اختیار کرے تو کیا حکم ہے۔	۲۵۷	زوجہ عین کا بغیر طلاق کے نکاح ثانی کرنا باطل ہے۔
۲۸۸	احکام کفارت اور نسب مرد میں معتبر ہے یا عورت میں؟	۲۵۸	زوجہ کی موجودگی میں اسکی بھانجی سے نکاح فاسد ہے۔
۲۸۹	جہاں سیدہ کا نکاح غیر سیدہ کے ساتھ عار سمجھا جاتا ہو وہاں یہ دونوں کفو نہیں ہیں۔	۲۵۹	غیر کی منکوحہ سے نکاح کرنا اور اس سے اولاد ہونا۔
۲۹۰	دھوکہ سے غیر کفو میں نکاح کا حکم۔	۲۶۰	عورت کا عدت و فوات میں نکاح کرنا اور شرائط متارکہ۔
۲۹۱	مسلمان کسندہ کی ولایت سے نابالغہ نومسلمہ کے نکاح کا حکم۔	۲۶۱	مزنہ کی بیٹی سے نکاح کا حکم اور طریق متارکت۔
۲۹۲	چودہ سال کی عمر میں لڑکی کا دعویٰ بلوغ اور باپ کا غیر کفو میں بلا اجازت نکاح کرنا۔	۲۶۲	باپ نے نابالغہ کا نکاح کیا، بعد میں معلوم ہوا شوہر شرابی ہے۔
۲۹۳		۲۶۳	عدت و فوات میں نکاح کرنے اور چھ ماہ بعد تجدید نکاح کرنے کا حکم۔
۲۹۴		۲۶۴	نکاح باطل و فاسد کی تعریف اور مزید چند صورتوں کا حکم۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۱۵	ولی نے نابالغ کا حق نکاح ماں کو دیا، ماں نے نکاح کر دیا یا پھر ولی نے بھی کسی اور سے نکاح کر دیا۔	۲۹۸	حکم تولیت نکاح یتیم۔
۳۱۶	بالغہ بدین اذن ولی کفو میں مہر مثل سے کم پر اپنا نکاح کرے تو نکاح صحیح ہو گا یا نہیں۔	۲۹۹	گوئی نے اشارہ سے اذن دیکر نابالغ لڑکی کا نکاح کر دیا تو کیا حکم ہے؟
۳۱۹	نکاح بالغہ کی ایک صورت کا حکم۔	۳۰۰	صورت ولایت نکاح و جائیداد نابالغان۔
۳۲۲	باپ نے ایک جگہ نکاح کی وصیت کی تو ولی دوسری جگہ نکاح کر سکتا ہے؟	۳۰۱	کفارت کا اعتبار مرد کی جانب سے ہے۔
۳۲۶	باپ بالغہ کا نکاح اس کے اذن سے غیر کفو میں کر دے تو نکاح ہو جائیگا۔	۳۰۲	بالغہ حرہ کا نکاح بلا اجازت اسکے باپ کے کر دیا۔
۳۲۳	ولی خود نابالغ سے نکاح کرے تو کس کی ولایت سے نکاح ہو گا۔	۳۰۳	ماموں اور خالوں نے بالغہ کا نکاح بلا اسکی اجازت کے کر دیا تو کیا نکاح ہو جائیگا۔
۳۲۶	دھوکہ سے غیر کفو میں نکاح ہو گیا تو فسخ نکاح کا حق ہو گا۔	۳۰۶	باپ کا لڑکی کے نکاح پر روپیہ طلب کرنا کیا اسکی رضامندی کی دلیل ہے۔
۳۲۷	بیان الحق والصواب فی مسئلۃ الکفۃۃ بالانساب۔	۳۰۷	قاضی ولی کی غیر موجودگی میں نابالغ لڑکے اور لڑکی کا ایجاب و قبول کر دے تو کیا حکم ہے۔
باب الوکالۃ بالنکاح !		۳۰۸	ماں کی ولایت سے نابالغ کے نکاح کی ایک صورت۔
		۳۰۹	ماموں نے نابالغ بھائی کی موجودگی میں نابالغہ کا نکاح کر دیا۔
۳۵۰	ولی نے بوقت نکاح عورت کے نام میں غلطی کر دی تو نکاح نہیں ہوا۔	۳۱۱	جس گوئی بہری لڑکی کا کوئی ولی نہ ہو اس کا نکاح کس طرح کیا جائے۔
۳۵۱	مقتدہ نے کسی کو وکیل بنایا، جب اس نے نکاح کروا دیا تو کسی اور سے خود نکاح کر لیا۔	۳۱۳	اب وجد کے کیئے ہوئے نکاح صغیر میں خیابو غ نہ ہونے کی دلیل۔
۳۵۲	غیر ولی کی اجازت طلب کرنے پر بالغہ کا سکوت اذن سمجھا جائیگا یا نہیں؟	۳۱۴	نابالغہ لڑکی کا غیر کفو میں بلا اجازت اولیاء نکاح باطل ہے۔
۳۵۴	حکم با ایجاب وکیل بالفاظ اذن دادہ است۔	۳۱۵	باپ نے نابالغہ لڑکی کا نکاح کیا بعد میں معلوم ہوا کہ لڑکا شرابی اور فاسق ہے۔
			ولایت نکاح میں حقیقی بہن ماموں اور خیاں بھائی سے مقدم ہے۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۴۴	سقوط مہر کے متعلق "بیان القرآن" کی ایک عبارت کی تشریح۔		فصل فی الجہاز والمہر
۳۴۵	عورت مہر کا وہ پیکہ کس کام میں لاسکتی ہے۔	۳۵۲	زوجہ کے مہر میں مہرِ اضافہ کرنا۔
	مہر مثل کے بارے میں۔	۳۵۵	ناقابلِ جماع عورت کے مہر کا حکم۔
	فصل فی القسم عند تعدد الازواج	۳۵۶	ولی صغیرہ کے معاف کرنے سے مہر ساقط نہیں ہوتا
۳۴۷	دن میں بیویوں کے درمیان عدل کرنا واجب نہیں	۳۵۷	مطالبہ مہر کو واسطے ڈگری کرنا جائز ہے یا نہیں۔
	بیویوں کے درمیان عدل کرنے کے معنی اور		الزیادۃ فی مہر احدی الزوجتین بعد العقد صل
	فقہاء کے کلام پر ایک اشکال کا جواب۔	۳۶۲	توجب تسویۃ الاخری فیہا ام لا؟
	مسائل متفرقہ متعلقہ نکاح		رضاعی بہن سے لاعلمی میں نکاح ہو جائے تو
۳۴۷	حضرت حسینؑ اور حضرت شہر بانو کے نکاح کی تحقیق۔		اس کے مہر کا حکم۔
۳۴۸	بیوی پر گھر کا کام اور روٹی پکانا واجب ہے یا نہیں؟	۳۶۳	مہر کو یکمشت ادا کیا جائے یا قسط وار۔
۳۴۹	نومسلہ اگر بت خانہ جا کر افعالِ شرکیہ کرے تو	۳۶۴	حکم منع المرأة نفسها عن زوجها بقبض المعجل۔
	مسلمان ہے یا نہیں۔	۳۶۵	صحیح مہر معلوم نہ ہو اور وارث کے دعویٰ پر
	سالی سے زنا کرنے سے بیوی حرام نہیں ہوتی۔		گواہ نہ ہو تو مہر مثل پر فیصلہ ہوگا۔
۳۸۰	شوہر اپنی بیوی کو والدین کے گھر سے جبراً	۳۶۶	جس کی مہر ادا کرنے کی نیت نہ ہو تو کیا اس
	لا سکتا ہے۔		کی اولاد کو ولدا الحرام کہہ سکتے ہیں۔
۳۸۱	بیوی سے کتنی مدت تک نہ ملنے کی اجازت ہے۔		مجلس نکاح میں زیادت مہر کے لئے دوبارہ
	کیا عورت کا مرد پر حق ہے کہ وہ اسے رات کو		نکاح پڑھا گیا تو کونسا مہر واجب ہوگا۔
	اپنے بستر پر لٹائے۔	۳۶۸	جو عورت جماع کے قابل نہ ہو اسکے مہر کا حکم۔
	خریدی ہوئی آزاد عورت بغیر صلح و طہی کا حکم۔	۳۷۰	ایضاً
۳۸۲	کیا بدون ادائیگی مہر محجل بیوی سے مجامعت	۳۷۱	جہیز وغیرہ دینے کا حکم۔
	درست ہے۔	۳۷۲	ادائیگی مہر میں میاں بیوی کے درمیان بعض شرائط
			کا حکم۔
		۳۷۳	مہر مثل کی تحقیق نہ ہو سکے تو کس مہر پر فیصلہ کیا جائے۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۰۶	حکم طلاق بلفظ "اگر گئے نزد تو کلام دروغ گویم تا بعد نکاح زوجہ ام سے طلاق خواہد شد۔"	۳۸۲	بیوی کے بعض حقوق کی وضاحت۔
۴۰۷	اگر تو اپنے باپ سے ملے گی یا اپنے باپ کے گھر جائیگی تو تجھ پر طلاق، اور عورت باپ کے مرنے کے بعد اس کے گھر گئی۔		کتاب الطلاق
۴۰۸	اگر تو چاند جیسی حسینہ نہیں تو تجھے تین طلاق کہنے سے طلاق نہیں ہوگی۔		باب ایقاع الطلاق
۴۰۹	بطور وظیفہ صیغہ طلاق کہنے سے قضاء طلاق ہو جاتی ہے۔	۳۸۴	بیوی کو کہا کہ میں نے تجھے صاف دل سے چھوڑ دیا ہے۔
۴۱۰	حکم طلاق ہازل۔	۳۸۵	"ہم تم کو طلاق دیدیں گے" کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔
۴۱۲	طلاق کی ایک صورت کا حکم۔	۳۸۶	انتہائی غصہ کی حالت میں طلاق دی تو کیا حکم ہے۔
۴۱۳	طلاق اور رجعت کی ایک صورت کا حکم۔	۳۸۷	شوہر نے طلاق دی مگر یاد نہیں کر دیا یا تین۔
۴۱۵	طلاق کے ساتھ انشاء اللہ ما شاء اللہ کہنا۔	۳۸۷	صیغہ مضارع سے طلاق دینے کا حکم۔
۴۱۶	طلاق کا مطالبہ کرنے پر شوہر نے کہا "طلاق ہی سی ہے"۔	۳۸۸	"طلاق دادم" کہنے کے بعد طلاق بائن دی۔
۴۱۷	مسئلہ طلاق۔	۳۸۹	عصار سے تین لکیریں کھینچیں اور کہا "ایک دو تین میرے گھر سے چلی جا"۔
۴۱۸	طلاق اور مطلقہ وغیرہ الفاظ سے بیوی کو طلاق کرنا۔	۳۹۱	کا بین نامہ کے مطابق طلاق واقع ہو جائیگا حکم۔
۴۱۹	طلاق کے مطالبہ پر شوہر نے کہا جادی، جادی، جادی، اسکی بیوی کہتی ہے کہ تین مرتبہ یہ لفظ کہا۔	۳۹۲	زوج طلاق کا منکر ہے اور ایک مرد و ایک عورت طلاق کے گواہ ہیں۔
۴۲۱	بوقت نکاح یہ طے ہوا کہ شوہر کے کہیں اور چلے جائیگو تین طلاق سمجھا جائے گا اس کے بعد شوہر چلا گیا تو کیا حکم ہے؟	۳۹۵	ازالة الاطلاق عن اضافة الطلاق۔
۴۲۲	بیوی کا نام بدل کر طلاق دینا۔	۴۰۲	تفصیل الجواب۔
۴۲۳	حکم طلاق بلفظ طلاق ہی سمجھو۔	۴۰۳	طلاق کے بارے میں زوجین میں اختلاف ہو تو عورت کے قول کا اعتبار ہے۔
		۴۰۶	کا بین نامہ میں لکھا کہ دوسرا عقد کروں تو اس پر ایک دو تین طلاق ہو جائیگی پھر اسکی خلاق و زری کی مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت نہیں الٰہ کہنے سے طلاق نہیں ہوتی۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۵۳	فصل فی الطلاق بالکنایات	۲۳۳	تحقیق مسئلہ ہدم بزبان عربی۔
۲۵۳	اُس کی ماں کو کہہ دینا کہ دوسری شادی کرے	۲۳۸	شوہر نے کہا کہ خدا کی قسم تیرے ہاتھ کا کھانا کھاؤں
۲۵۴	ہم اس کو نہیں چاہتے "کنایہ کے حکم میں ہے۔		تو اپنی ماں سے زنا کروں، اور پھر اس کے ہاتھ
۲۵۴	بیوی کو کہا "تم کو حرام کیا۔"		کا کھانا کھایا۔
۲۵۵	شوہر کی نیت کے مطابق ایک طلاق بائن یا	۲۴۰	وقوع طلاق کیلئے الفاظ طلاق کا تلفظ شرط ہے۔
	تین طلاق کا واقع ہونا۔		حکم طلاق مدہوش وغیرہ۔
۲۵۶	شوہر نے کہا "میں تم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں۔"		فصل فی الطلاق الصریح
۲۵۷	میرا اس عورت پر کچھ دعویٰ نہیں، شوہر نے کہا۔	۲۴۲	طلاق صریح میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔
۲۵۸	میں تیرا روادار نہیں، نہ تو میری کچھ لگتی ہے نہ	۲۴۳	لفظ "چھوڑی" سے بغیر نیت کے بھی طلاق صریح
	میں تیرا کچھ۔		واقع ہو جائیگی۔
۲۵۹	طلاق بلفظ "جائناح کر" و تفصیل حکم کنایات	۲۴۴	"جاتھے طلاق دیا میں" شوہر نے کئی بار کہا تو
	دیا نہ وقفہ۔		کیا حکم ہے۔
۲۶۱	تیرے ساتھ جماع کروں تو ماں بہن سے		شوہر نے دو مرتبہ کہا "میں نے تجھے آزاد کر دیا
	جماع کروں۔ میں نے تجھ کو چھوڑ دیا، تیرا میرا		تو میری بہن ہے۔"
	کچھ تعلق نہیں۔	۲۴۵	"جاتھے کو چھوڑ دیا" استقبال کی نیت سے
۲۶۲	شوہر نے بیوی سے کہا "تجھ کو میری طرف سے		کہنے کا حکم۔
	جواب ہے۔"	۲۴۶	تجھے لفظ کیا، آزاد کیا کے الفاظ سے وقوع
۲۶۳	لفظ "صاف جواب ہے" کہنے کا حکم۔		طلاق کا حکم۔
۲۶۴	لفظ حرام سے بلا نیت طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔	۲۴۸	عمر و نے پوچھا کہ بیوی چھوڑ دی، زید نے جواب
۲۶۴	وہ میری زوجیت سے باہر ہے، وہ میرے		دیا چھوڑ دی۔
	سے مرگئی میں اس سے مرگیا۔	۲۴۹	دو طلاق صریح دینے کے بعد شوہر نے کہا کہ فضل
۲۶۵	تجھ سے کوئی سروکار نہیں، نہ میں شوہر نہ تو زوجہ		کی لڑکی کو طلاق بائن دیا تو کئی طلاقیں ہوئیں۔
	کہنے کا حکم۔	۲۵۰	حکم طلاق بلفظ ہشتم اورا۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۹۱	تفویض معلق میں عورت کو وقوع طلاق کا اختیار	۴۶۵	”رائڈ کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں“ بلا نیت طلاق کہا۔
۴۹۳	مجلس وقوع شرط یا مجلس علم بالوقوع تک ہے۔	۴۶۷	لفظ ”آزاد ہو“ کے کئی یہ ہونے اور نہ ہونے کی تحقیق۔
۴۹۳	نکاح کے بعد عورتوں کو پیش آنی والے مصائب کا سہل علاج۔	۴۷۱	کنایات میں اگر نیت میں شک ہو تو طلاق نہیں ہوگی۔
۴۹۵	فصل فی تعلیق الطلاق	۴۷۲	مکرہ نے فرار عن الطلاق کی نیت سے کہا
۴۹۵	اگر تو اس گھر میں آئی تو تجھے سات طلاق ہیں	۴۷۲	”تلا ہے، تلا ہے، تلا ہے“
۴۹۶	تعلیق طلاق کی ایک خاص صورت اور اس کا حکم۔	۴۷۳	میں نے ہنرہ کو اجازت دی ہے کہ جس سے چاہے نکاح کر لے، مجھ کو کچھ غرض نہیں۔
۴۹۷	تعلیق طلاق کی ایک صورت۔	۴۷۴	حکم بعض الفاظ کنایہ۔
۴۹۸	اگر اس گھر میں جاؤ گی تو طلاق ہو جاؤ گی۔	۴۷۵	طلاق بائن کی ایک صورت کا حکم۔
۵۰۰	اگر تو اس بات کا تذکرہ کسی سے کری گی تو تجھ پر تین طلاق، اور پھر خود تذکرہ کر نیکی اجازت دیدی۔	۴۷۹	دو طلاق صریح کے بعد ایک طلاق بائن دینا۔
۵۰۱	اگر اپنے بچہ کو فلاں جگہ پانچ سال تک روانہ کروں تو اس کی ماں پر تین طلاق، پھر بچہ کو خود وہاں لے گیا۔	۴۸۰	طلاق بالکتابت کی ایک صورت۔
۵۰۳	اگر تو فلاں سے بات کرے تو تجھ پر تین طلاق، اور بوقت ضرورت اجازت دینے کا خیال تھا	۴۸۱	فصل فی تفویض الطلاق
۵۰۹	پھر اجازت دیدی۔	۴۸۱	تفویض طلاق کی ایک صورت اور اس کا حکم۔
۵۰۹	حالتِ اکراہ میں تعلیق طلاق کا حکم۔	۴۸۲	تفویض طلاق میں مجلس علم میں طلاق واقع کرنا شرط ہے۔
۵۱۰	اگر تو زبان درازی کری گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا	۴۸۴	ایضاً ایضاً ایضاً
۵۱۱	اور کچھ نیت نہیں کی۔	۴۸۵	ایضاً ایضاً ایضاً
۵۱۱	اگر تو نہ آؤ گی تو تین طلاق کہنے کا حکم۔	۴۸۷	ایضاً ایضاً ایضاً
۵۱۱	اگر کسی ایک شرط کی خلاف ورزی کی تو وہ بمنزلہ طلاق بائن متصور ہوگی۔	۴۸۸	تفویض طلاق کی ایک صورت۔
		۴۸۹	اپنے باپ کو وکیل بالطلاق بنایا، باپ نے اس کے سسر کو اختیار دیدیا تو کیا حکم ہے۔
			اگر میں کسی شرط کے خلاف کروں تو ہم کو تین طلاق دینے کے لئے اپنا اختیار زوجہ کو سہرو کیا۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۳۴	بیوی کو تین طلاقیں معلق کرنے کا یقین ہے اور شوہر کو عدد میں شک ہے تو کیا حکم ہے۔	۵۱۳	تعلیق طلاق کی ایک صورت۔
۵۳۵	تعلیق طلاق با دار دین کی ایک صورت کا حکم۔	۵۱۵	لفظ طلاق واقع خواہ شد سے تعلیق پر شبہ کا جواب۔
۵۳۶	تعلیق طلاق کی ایک صورت۔	۵۱۶	تمہارے سوا کسی سے نکاح کروں تو اسکو طلاق ہوگی، کہنے کا حکم۔
۵۳۸	کا بین نامہ میں لکھا کہ اگر آپ کی زندگی میں دوسرا نکاح کروں تو وہ عورتیں (۱)، (۲)، (۳) طلاق ہوئیں، اگر دوسرے نکاح کی ضرورت ہوتی تو آپ اور آپ کے اولیاء سے علیحدہ علیحدہ اذن لے کر کروں گا۔	۵۱۷	تعلیق طلاق کی ایک صورت۔
۵۴۲	ازداد سے یمن باطل ہوتی ہے، تعلیق باطل نہیں ہوتی۔	۵۲۰	اگر فلاں کام کروں تو میں جو نکاح کروں اور جب کروں، جس سے اسے تین طلاق، پھر وہ کام کر لیا تو کس حیلہ سے نکاح کرے۔
۵۴۳	تعلیق طلاق کا ایک مسئلہ۔	۵۲۳	طلاق معلق کے بارے میں ایک فتویٰ۔
۵۵۰	سسر نے داماد سے لکھوایا کہ اگر تو میرے حکم اور مرضی کے بغیر گھر سے نکلے گا تو میری لڑکی کو تین طلاق، پھر لڑکا مظالم سے تنگ کر بلا اذن نکل گیا۔	۵۲۴	نکاح سے قبل کا بین نامہ میں لکھ دیا کہ اگر تمہارے زندہ رہنے کی حالت میں نکاح کروں تو دوسری مطلقہ ثلاثہ ہو جائیگی، پھر بیوی کو طلاق دے کر دوسرا نکاح کر لیا۔
۵۵۱	نکاح سے قبل کا بین نامہ میں لکھا کہ نکاح قائم رہتے ہوئے اگر بلا اجازت تمہاری دوسرا نکاح کریں تو اسکو طلاق، پھر ایسا کر لیا۔	۵۲۶	تعلیق کے بعد تنجیہ طلاق کا حکم۔
۵۵۳	طلاق معلق سے بچنے کا حیلہ۔	۵۲۷	تعلیق طلاق کی ایک خاص صورت کا حکم۔
۵۵۵	حکم تعلیق طلاق زوجہ ثانیہ بحیثیت زوجہ اولیٰ۔	۵۳۰	اگر فلاں کام نہ کروں تو مجھ پر زن طلاق ہے، کہنے کا حکم۔
۵۵۶	شوہر نے واپسی زیور کی رضا مندی پر طلاق معلق کی، بیوی کی رضا مندی کے بعد شوہر نے طلاق لکھوادی، لیکن بیوی نے زیورات نہیں دیئے۔	۵۳۱	بیوی کے ہاتھ کے پکائے ہوئے کھانے کیساتھ تعلیق طلاق کی ایک صورت۔
		۵۳۲	طلاق معلق بلفظ "اگر" میں مرتبہ واحد سے یمن منحل ہو جاتی ہے۔
		۵۳۳	وقوع شرط میں تردد ہو تو طلاق نہ ہوگی۔
			اگر یہ فعل کروں گا تو جو عورت نکاح میں لاؤں گا مجھ پر طلاق ہے۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۹۰	شوہر نے تین مرتبہ کہا، اگر مجھے مارنے کا اختیار نہیں تو میں نے طلاق دی۔	۵۵۹	فصل فی طلاق المریض و البصی و لکرن الخ
۵۹۱	طلاق بائن کے بعد تین صریح طلاق اس سے ملحق ہوگی۔	۵۵۹	اللوح المنقوش فی حکم طلاق المدھوش۔
۵۹۳	حکم طلاق ثلاث نابالغہ غیر مدخولہ۔	۵۶۵	عقل زائل ہونے کی صورت میں طلاق نہیں ہوتی۔
۵۹۴	ایک دو تین طلاق کہنے کا حکم۔	۵۶۶	نابالغ کی طلاق کا حکم۔
۵۹۶	دو بیویوں کو کہا "دونوں کو ایک دو تین طلاق دی ہوں۔"	۵۶۷	نابالغ نہ خود طلاق دے سکتا ہے، نہ اس کا ولی۔
۵۹۷	طلاق مغلطہ کی ایک صورت۔	۵۶۸	حکم تفسیق زوجہ نابالغ۔
۵۹۸	ایک دوسہ طلاق ہستی سے کتنی طلاقیں ہونگی۔	۵۷۰	فصل فی الطلاق الثلاث و احکامہ
۵۹۹	طلاق مغلطہ کی ایک صورت کا حکم۔	۵۷۰	مطلقہ ثلاثہ کا حکم۔
۶۰۱	دو بیویوں کو مخاطب کر کے کہا، شمار ایک طلاق، دو طلاق، سہ طلاق دادم۔	۵۷۱	ایک وقت میں تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہو گئیں۔
۶۰۲	مذکرہ طلاق میں کہا، ایک دو تین تو طلاق مغلطہ ہو جائیگی۔	۵۷۱	متعدد الفاظ کنا یہ استعمال کرنے کے بعد ایک طلاق صریح دی تو تین طلاقیں ہو گئیں۔
۶۰۳	دو بیویوں کو کہا "اللہ کا حکم شمار سہ طلاق دادم" تم دونوں کو تین طلاق دیدی کہنے کا حکم۔	۵۷۳	یکبارگی تین طلاق دینے کے حکم کی تحقیق اور اعتراضات کا جواب۔
۶۰۴	مطلقہ ثلاث کے ارتداد سے طلاق کا حکم باطل نہیں ہوگا۔	۵۸۵	لفظ طلاق تین بار کہنے سے طلاق مغلطہ ہو گئی۔
۶۰۵	والدہ سے کہا "ماں تیری بہو کو تین طلاق" تو طلاق مغلطہ ہوگی۔	۵۸۶	"جا تجھ کو طلاق دی میں نے"، پھر کہا "تجھ کو دو طلاق دی"
۶۰۶	میں اس کو چھوڑ چکا، وہ میری بیوی نہیں ہے مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں، وہ میری طرف سے آزاد ہے، کہنے کا حکم۔	۵۸۷	حکم طلاق ثلاث بدون اضافت۔
		۵۸۷	تجھ کو آزاد کی اور طلاق دی، تو چلی جا کہنے کا حکم۔
		۵۸۸	تجھ کو قطعاً چھوڑ دیا، تو میری بیوی گری سے نکل گئی اور تم کو قطعاً بائیکاٹ کر دیا ہے۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۹۹	زوجہ مجنون کا حکم۔	۶۱۲	”طلاق دی“ تین مرتبہ کہا تو باتفاق ائمہ اربعہ طلاق مغلطہ ہو جائیگی۔
۷۰۰	زوجہ مفقود کے نکاح ثانی کی ایک صورت کا حکم۔	۶۱۵	حکم الدیانتہ للاناث اذا سمعن من الازواج الطلقات الثلاث۔
۷۰۱	زوجہ مفقود کے نکاح ثانی اور واپسی مفقود کی ایک صورت۔	۶۷۶	فصل فی الخلع و احکام الطلاق علی ما
۷۰۲	زوجہ مجنون کا حکم۔	۶۷۶	والدین کے کہنے سے عورت خلع لے سکتی ہے یا نہیں بشرط معافی مہر طلاق کی ایک صورت۔
۷۰۳	جس کا شوہر غائب ہو اور نفقہ نہ بھیجتا ہو اس کا نکاح فسخ کرنا۔	۶۷۷	شوہر اپنے والد کو وکیل بالخلع بنا کر خلع کرے تو کیا حکم ہے۔
۷۰۹	حکم زوجہ محبوس بجس دوام۔	۶۷۹	رسالہ قطع اللہاج فی بعض احکام الخلع و الطلاق و تعدد الازواج۔
۷۱۰	زوجہ مفقود کے لئے چار سال کی مدت انتظار بعد رفع الی المحاکم سے شمار ہوگی۔	۶۹۰	فصل فی فسخ النکاح عند کون الزوج مفقوداً او عیناً او متعیناً فی النفقة او مجنوناً
۷۱۱	حکم زوجہ مجنون مفقود۔	۶۹۰	زوجہ مجنون کا حکم۔
۷۱۵	حکم زوجہ مجنون مفقود۔	۶۹۱	ایضاً ایضاً
۷۱۷	حکم زوجہ مجنون مفقود۔	۶۹۱	زوجہ عین کا حکم اور اسکی عدت و مہر کا بیان
۷۲۰	تحقیق مذہب مالک در زوجہ مفقود و رسالہ ”غایۃ المقصود فی نہایۃ المفقود“	۶۹۳	مفقود الخیر پر حکم بالموت کیلئے فضا ر قاضی شرط
۷۵۸	حکم زوجہ مجنون۔	۶۹۵	ایضاً ایضاً
۷۵۹	ایضاً ایضاً	۶۹۷	زوجہ عین کا حکم۔
۷۶۱	فصل فی احکام الحرمة المصاہرة		
۷۶۱	سوتیلی ماں کے مس کر نیکا حکم		
۷۶۳	خسر کا اپنی بہو سے زنا کرنے کا حکم۔		
۷۶۵	حرمت مصاہرت میں نفی شہوت کی تحقیق اور مس بالمشہوت کا حکم۔		
۷۶۸	بیٹی سے زنا کیا تو بیوی حرام ہو جائے گی۔		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۹۳	حسن المحاضرة فی تحقیق بعض شرائط حرمت المصاهرة	۷۹۹	حرمت مصاہرت کی ایک صورت کے متعلق مدرسہ
۸۱۰	حکم حرمت مصاہرت از تقبیل فم و معانقہ۔		سہارنپور و خانقاہ امدادیہ کے دو مختلف فتویٰ۔
	فصل فی ارتداد الزوجین و احدهما	۷۷۲	شوہر اس اقرار کے بعد کہ اس کے باپ نے اسکی بیوی سے زنا کیا ہے، انکار کرے اور عورت بھی مدعیہ نہ بناو۔
۸۱۲	عورت کا "من شریعت تو نخواستیم" کہنے کا حکم اور تین طلاق کے بعد ارتداد کا حکم۔	۷۷۳	خسر نے شہوت کے ساتھ بہو کا ہاتھ پکڑا تو وہ اپنے شوہر پر حرام ہو جائیگی۔
۸۱۴	حکم نکاح مرتدہ کہ بعد ازاں اسلام آوردہ۔	۷۷۴	حرمت مصاہرت کے متعلق ایک استفتار۔
۸۱۶	عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا۔	۷۷۸	مصاہرت کی ایک خاص صورت کا حکم۔
	فصل فی الطہار والایلاء واللعان	۷۸۱	حدیث سے حرمت مصاہرت بالزنا کا ثبوت۔
۸۱۸	شوہر نے کہا اگر تیرے ساتھ جینا کروں تو تیرے پیٹ سے پیدا ہوئے سر پکا کر کے۔	۷۸۳	جب تک مس بالہوت نہ ہو موجب حرمت نہیں۔
	"تمہارے گھر جاؤں تو ماں کے گھر جاؤں" کہنے کا حکم۔	۷۸۴	منہ یا رخسار پر بوسہ لیا تو انکار شہوت معتبر نہیں۔
	باب العدة	۷۸۵	مساحت موجب حرمت مصاہرت ہے یا نہیں۔
۸۱۹	نوسلمہ کی عدت کا حکم۔		صل یجوز للمحنفی الافتار بقول الشافعی فی مسئلۃ المصاهرة أم لا۔
۸۲۰	حاملہ کی عدت مطلقاً وضع حمل ہے۔	۷۸۶	عورت دو گواہوں کی شہادت کے ساتھ دعویٰ کرے کہ خسر نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے، اور شوہر تصدیق نہ کرے۔
۸۲۱	زوجہ عنین مطلقہ غیر مدخولہ پر بوجہ خلوت صحیحہ عدت لازم ہے۔	۷۸۷	بیوی کی سوتیلی ماں سے زنا کیا تو بیوی حرام نہیں ہوگی۔
۸۲۲	مسئلہ ممتدة الطهر۔	۷۸۸	وطی ربیبہ بیوی کا حرام ہونا۔
۸۲۳	رضاع کی وجہ سے حیض بند ہو تو عدت کس طرح شمار ہوگی۔		حرمت مصاہرت کے متعلق چند سوالوں پر مشتمل ایک استفتار۔
۸۲۴	خلع کی عدت کتنی ہے۔	۷۹۰	مسئلہ مصاہرت۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۲۱	بدون لعان کے نسب مستفی نہیں ہو سکتا۔	۸۲۵	وجوبِ عدت ثبوتِ نسب کے تابع ہے۔
"	داشتہ کی اولاد کا ثابتِ النسب نہ ہونا۔	"	مطلقہ ثلاث بعد از حلالہ مرتد ہو گئی تو مسلمان ہونے کے بعد زوجِ اول سے بدونِ عدت نکاح جائز نہیں۔
۸۲۲	زوجِ ثالث کے طلاق دینے کے بعد انفقارِ عدت سے قبل زوجِ اول نے وطی کی اور حمل ٹھہر گیا تو یہ حمل کس سے تصور ہوگا۔	۸۲۶	زنا کی عدت نہیں ہے۔
۸۲۳	کتاب الرضاع	۸۲۶	فصل فی الحداد
۸۲۴	مسئلہ رضاعت کی ایک صورت۔	"	بغرض دفعِ غم معتدہ وفات گھر سے نکلنا درست ہے یا نہیں۔
"	جس نے دودھ پیا ہے وہی حرام ہو گیا یا سب رضاعت کی ایک صورت اور اس کا حکم۔	۸۲۷	حکم خروجِ معتدہ وفات از خانہ شوہر بعد از ضرورت نفقہ کے علاوہ دیگر ضروریات کے لئے معتدہ وفات کا گھر سے نکلنا۔
"	ایضاً	۸۲۸	شوہر کے انتقال کے وقت ایک بیوی دوسری کے گھر میں بغرض عیادت مقیم ہو تو عدت کہاں گزارے۔
۸۲۵	رضاعی خالہ سے نکاح حرام ہے۔		
"	تنہا مرضعہ کی شہادت سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔		
۸۲۸	رضاعت کی ایک صورت۔		
۸۵۰	تحقیق اختلاف روایات در باب ثبوتِ رضاع	۸۳۰	باب ثبوت النسب و مدۃ الحمل
۸۵۱	مدتِ رضاعت کے بعد دودھ پلانے کا اعتبار نہیں۔	۸۳۰	حکم نکاح زن مطلقہ کہ حاملہ شد و بیان نسب ولید آں۔
۸۵۲	مسئلہ رضاعت۔	۸۳۲	اکثر مدتِ حمل پر شبہ اور اس کا جواب۔
۸۵۳	بیٹے کی اختِ رضاعیہ سے نکاح جائز ہے۔	۸۳۴	زوج کی وفات کے دو سال بعد اور نکاحِ ثانی سے اقل مدتِ حمل سے بچہ پیدا ہوا۔
"	پستان سے دودھ گر کر آٹے میں مل گیا تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں۔	۸۳۸	حکم نفی نسب بتمہتِ زنا۔
۸۵۴	رضاع کے متعلق ایک مفصل فتویٰ	"	ثبوتِ نسب کی ایک صورت کا حکم۔
۸۶۲	مسئلہ رضاعت۔		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	کتاب النفقات	۸۶۲	رضاعی بھتیجی سے نکاح حرام ہے۔
	فصل فی نفقۃ الزوجۃ وسکناھا	۸۶۳	تنہا مرضعہ کی شہادت ثبوت رضاعت کے لئے کافی نہیں۔
۸۸۰	زوجہ شوہر کی اجازت کے بغیر اسکا مال خرچ نہیں کر سکتی۔	۸۶۴	رضاعت کا ایک مسئلہ۔
	ناشرہ عورت اپنے نان و نفقہ اور مہر کا مطالبہ کرے۔	۸۶۵	مسئلہ رضاعت۔
۸۸۱	عورت شوہر کے ساتھ سفر میں جانے سے انکار کر دے تب بھی نفقہ واجب ہے۔	۸۶۶	دو سال سے بڑے بچہ کو دودھ پلانے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔
۸۸۳	ناشرہ مطلقہ کے نان و نفقہ کا شوہر کے ذمہ واجب نہ ہونا۔		باب الحضانۃ
۸۸۴	زوجہ اور والدین میں نا اتفاقی کی صورت میں والدین سے علیحدہ رہنا۔	۸۶۷	نابالغ کے حق ولایت میں دادی، ہمشیرہ اور پھوپھی زاد بھائی میں کون مقدم ہے۔
	حکم نفقہ ناشرہ اور کن امور میں زوج کی اطاعت واجب ہے۔	۸۶۸	حق حضانت اور ولایت نکاح کا ایک مسئلہ۔
۸۸۵	زوجہ کے والدین اور اقارب سے ملنے کی مدت اور اس عرصہ کے نفقہ کا حکم۔	۸۶۹	احکام حضانت اور یتیم کے مال میں حاضنہ کے تصرف کا حکم۔
۸۸۷	ایسی دو بیویوں کے نفقہ کا حکم جن میں ایک کی اولاد زیادہ ہو۔	۸۷۰	بچہ کے غیر محرم سے حاضنہ کا نکاح سقط حق حضانت ہے۔
	فصل فی نفقۃ الاولاد والاباء والامہات	۸۷۱	سات سال کے لڑکے کی پرورش کا حق ولی عصبہ کو ہے۔
۸۸۹	دوسرے شوہر پر بیوی کی پہلی اولاد کی نفقہ شریعاً واجب نہیں۔	۸۷۲	بالغ ہونے تک لڑکیوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے۔
		۸۷۳	باپ، ماں کی خالہ، دادا، دادی میں کون حق بالحضانت ہے۔
		۸۷۴	حاضنہ ایام حضانہ میں ضرر کی ہوئی رقم کہاں سے لے۔
		۸۷۵	مالدار صغیر بیٹے کے کھانے میں سے ایندھن کے عوض باپ کو کھانا جائز ہے یا نہیں۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۹۵	چچا کے ذمہ بھتیجے کے نفقہ کا حکم۔	۸۸۹	ما جتند باپ کا نفقہ غنی اولاد کے ذمہ واجب ہے۔
۸۹۶	یتیم کے مال سے اسکے معلم کو تنخواہ وغیرہ دینا۔	۸۸۹	رسالہ "خیر الارشاد فی العدل بین الاولاد"
۸۹۷	حکم نفقہ ذوی الارحام۔		فصل فی نفقہ ذوی الارحام
	فہرست ختم شد	۸۹۵	بہن کے مصارف نکاح باپ اور دوسرے
	"امداد الاحکام" جلد ثانی		بھائیوں سے لے سکتا ہے یا نہیں۔



امداد الاحکام جلد دوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کتاب الزکوٰۃ

سوال (۱) اگر پیشگی زکوٰۃ غلطی سے زائد ادا کر دی جائے تو اسے آئندہ کیجائے تو اس کا حکم
سالوں میں محسوب کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً دس ہزار کی مالیت کا اندازہ کر کے سال حال اور ایک سال آئندہ کی زکوٰۃ ادا کر دی، اور بعد میں حساب کے جانچ کرنے سے معلوم ہو کہ اصل مالیت آٹھ ہی ہزار کی ہے، تو یہ جو دو ہزار سال حال اور دو ہزار سال آئندہ کی جملہ چار ہزار کی زکوٰۃ غلطی سے پیشگی ادا ہو گئی ہے یہ اس کے بعد کے سال میں وضع کی جاسکتی ہو؟
الجواب: وضع کی جاسکتی ہے، قال فی العالمکبریۃ: رجل له اربع مائة درهم فظن ان عنده خمسمائة فادى زکوة خمسمائة ثم علم فله ان يحسب الزیادة للسنة الثانية اه (ص ۱۱۳ ج ۱) ۲۶ ربیع الثانی شمس ۴۰۔

سوال (۲) ایک شخص کو وکیل بنایا کہ وہ رقم زکوٰۃ اپنی ماں کو لے جا کر رقم میں خیانت کرنا
دیدے، اس نے درمیان میں خیانت کی، کہ کچھ رقم خود صرف کر ڈالی، اور کچھ اپنی ماں کو دیدی وہ شخص خود بھی مصرف زکوٰۃ ہے، مگر اس کو وکیل بنایا گیا تھا مالک نہیں بنایا گیا تھا اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا بقدر خیانت پھر ادا کرنا پڑے گی؟

الجواب: اگر وکیل خود بھی فقیر ہے جب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، البتہ جس قدر اس نے اپنی ماں کو دیدیا ہے اس قدر زکوٰۃ ادا ہو گئی، باقی کا ضمان وکیل سے لے سکتے ہیں، قال فی الدر: ولو خلط زکوٰۃ موکلیه ضمن ولوکیل ان یدفع لولده الفقیر وزوجته (الفقیر) لانفسه الا اذا قال ربما ضعتها حيث شئت اه قال فی الشامیة: وهذا حیث لو یأمره بالدفع، اذ لو خالف ففیه قولان اه (ص ۱۲ ج ۲) ۲۶ ربیع الثانی شمس ۴۰۔

سوال (۳) ایک مسافر کہ جس نے بطور قرض زاد راہ مانگا مگر میں نے یہ کہہ کر دیا کہ یہ قرض نہیں ہے تم واپس کرنا اور بہ نیت زکوٰۃ اُسے دیدیا اور وہ بحالت قیام بھی مصروف زکوٰۃ ہے، اب وہ روپیہ واپس کرنا چاہتا ہے، اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں؟
الجواب، ادا ہوگئی۔

(بقیہ سوال) اگر ادا ہوگئی تو اس کا واپس کیا ہو اور وہ یہ کیا کیا جائے؟
الجواب؛ بہتر یہ ہے کہ وہ روپیہ واپس نہ لیا جائے، اور اگر لے لیا ہے تو افضل یہ ہے کہ اس کو صدقہ کر دیا جائے، اور اگر خود بھی رکھ لیں تو جائز ہے۔

دلیل الجواب؛ ما ذکرہ فی الدر بقولہ وتسقط الزکوٰۃ عن موهوب لہ فی نصاب مرجوع فیہ مطلقا سواء رجع بقضاء أو غیر بعد الحول لورود الاستحقاق علی عین الموهوب ولذا الرجوع بعد ہلاکہ قید بہ زای بقولہ عن موهوب لہ، لانتہ لان زکوٰۃ علی الواهب اتفاقا لعدم الملك اھ قال الشامی بقولہ اتفاقا لعدم الملك لان ملك الواهب انقطع بالہبۃ وأشار بقولہ اتفاقا لئلی ان فی سقوطہا عن الموهوب لہ خلافا لان زفر یقول بعد مہ ان رجع الواهب بلا قضاء لانتہ لما بطل ملكہ باختیارہ صار ذلک کھبۃ جدیدۃ وکستہ ملک، قلنا بل ہو غیر مختار لانتہ لو امتنع عن الرد اجبر بالقضاء فصار کانتہ ہلک، شرح درر البحار ۱۸، ص ۵۹ ج ۲، قلت واما فی الصورة المستولۃ فلا شک فی کون رد الموهوب لہ ہبۃ جدیدۃ لانتہ لا جبر علیہ من الواهب فیسقط الزکوٰۃ عن الواهب قطعاً لانتہ ینبغی للواهب ان لا یقبل هذا الرد لما ورد فی الصحیح عن عمر رضی اللہ عنہ انتہ حمل رجلاً علی فرس فی سبیل اللہ ثم راہ یباع فی السوق فاراد شراۃ فنہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک وقال لا تعد فی صدقتک اھ، واللہ اعلم۔
 ۲۰ رمضان سنہ ۱۴۲۸ھ

سوال (۴) اگر کسی کے ذمہ اب تک دین مہربانی ہے تو اس پر احکام دین زکوٰۃ کا حکم نصاب عائد ہوتے ہیں یا نہیں، دریاں حالیکہ علاقے دین مہر سے زیادہ مالیت کے موجود ہوں؟

الجواب: احکام نصاب دو قسم کے ہیں، ایک وجوب زکوٰۃ، دوسری جواز اخذ مال زکوٰۃ، وجوب زکوٰۃ تو محض علاقہ کے موجود ہونے سے نہیں ہوتا، جب تک چاندی یا سونا بقدر نصاب موجود نہ ہو، اور اس پر حولان حول نہ ہو، یا مال تجارت نہ ہو، ہاں علاقے کی پیداوار پر عشر ہوگا اگر یہ خود کاشت کرتا ہے، پس اگر اس شخص کے پاس چاندی یا سونا یا مال تجارت بقدر نصاب فاضل از حوائج اصلیه ضروریہ موجود ہو، اور اس پر سال بھی گزر جائے، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور دین مہر وجوب زکوٰۃ سے اس وقت مانع ہے جبکہ اس رقم کو دین مہر میں ادا کرنے کی نیت ہو، اور اگر مہر میں ادا کرنے کی نیت نہیں تو زکوٰۃ واجب ہوگی، اور صورت اول میں بھی قدر مالیت مہر سے زائد رقم میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر وہ نصاب کو پہنچ جائے، اور زکوٰۃ لینے کا جواز اس وقت ہے جبکہ زمین کی آمدنی اس کے اہل و عیال کے نفقہ قوت کو سال بھر کے لئے کافی نہ ہوتی ہو مگر سوال کرنا جائز نہیں، کوئی خود دیدے تو لینا جائز ہوگا، اور اگر آمدنی نفقہ سالانہ کے لئے کافی ہے تو زکوٰۃ کار و پیہ لینا اس شخص کو جائز نہیں، اسی طرح صدقہ فطر و حرم قربانی کا حکم ہے، قال فی العالمگیریۃ ولو کان لہ ضیعۃ تساوی ثلاثۃ الاف ولا تخرج ما یکفی لہ ولعیالہ اختلافوا فیہ قال محمد بن مقاتل: یجوز لہ اخذ الزکوٰۃ ام (ص ۱۲۲ ج ۱) وفیہ ذکر البزدوی فی شرح الجامع الکبیر قال مشائخنا رحمہم اللہ فی رجل علیہ مہر مؤجل لامرأته وهو لا یرید اداءہ لا یجعل نفعاً من الزکوٰۃ لعدم المطالبۃ بہ عادیۃ وانہ حسن ایضاً ہکذا فی جوہر لفتاویٰ ام (ص ۱۱۱ ج ۱) - ۲۵ شعبان ۱۳۲۲ھ -

سوال (۵) ایک شخص ہر چکودس ہزار روپے سالانہ آمدنی تو جائز مال مخلوط بالحرام پر وجوب زکوٰۃ کا حکم مثلاً زمین کے اناج وغیرہ سے اور یا پنچزار سالانہ مشکوک ذرائع سے، مثلاً لاٹری و جوا و گھوڑ دوڑ کے انعام و رشوت سے آتا ہے، تو کیا یہ شخص اگر اپنے نوکروں کو تنخواہ دے گا، تو ملازم لوگوں کی آمدنی جائز ہے یا کہ نہیں، اور زکوٰۃ اس کو دس ہزار روپے پر دینا چاہئے یا کہ پندرہ ہزار پر، جس میں کہ یا پنچزار مشکوک رقم ہے؟

الجواب: گھوڑ دوڑ کے انعام میں جو رقم اس کو ملتی ہے اس کو تو مطلقاً حرام نہیں کہا جاسکتا، بلکہ اس کی بعض صورتیں حلال بھی ہیں، البتہ جوا اور سود و رشوت سے جو رقم آتی ہے وہ حرام ہے، اور اس کو اگر جائز آمدنی سے مخلوط نہیں کرتا تو اس پر زکوٰۃ

نہیں بلکہ اصلی مالوں کو واپس کرنا لازم ہے، اور اگر حلال آمدنی سے اُس کو مخلوط کر دیا ہے اور دونوں میں تمیز نہیں ہو سکتی تو زکوٰۃ مجموعہ پر فرض ہوگی، اور اصل مالوں کو مال کا واپس کرنا بھی لازم ہے، اور ملازموں کو اس حرام آمدنی سے عدم خلط کی حالت میں تو تنخواہ لینا جائز نہیں اور حلال آمدنی کے ساتھ خلط کی صورت میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔

قال فی الدرر ولو خلط السلطان المال المعصوم بسالہ ملکہ فتجب فیہ الزکوٰۃ ویورث عنہ لان الخلط استہلاک اذا لم یکن تمییزہ الخ قال الشامی قولہ بسالہ متعلق بخلط واما لو خلطہ بمغصوب اخر فلا زکوٰۃ فیہ کما ینکرہ فی قولہ کما لو کان الکل خبیثا ام (ص ۳۹ ج ۲) قلت ظہر بذلک انتہ لا یملک شیئا بخلط مال القمار والربو اما لم یخلط بسالہ و قال فی قاضی خان ان کان غالب مال المہدی من الحلال لا بأس بان یقبل المہدیة ویاکل مالہ یمتہن عنده انتہ حرام لان اموال الناس لا تخلو عن قلیل حرام فیعتبر الغالب کما مر فی ص ۱۸ من ہذا الجزء والملقب بالقال المضبوط رتمة الکلام علی الجواب، فی حکم المال المخلوط، قال فی الدرر و جاز اخذ دین علی کافر من ثمن خمر لصحة بیعہ بخلاف دین علی المسلم لبطلانہ الا اذا وکل ذمیًا ببیعہ فیجوز عنده خلافا لہما و علی ہذا الروا مسلم و ترک ثمن خمر باعہ مسلم لا یحل لورثتہ کما بسطہ الزلیعی، و فی الاشباہ: الحرمۃ تنتقل مع العلم الا للوارث الا اذا علم رتبہ قلت و مر فی البیع الفاسد لکن فی المجتبی مات وکسبہ حرام فالامیراث حلال ثم رمز و قال لاننا اخذ بہذہ الروایۃ ام قال الشامی تحت قولہ کما بسطہ الزلیعی الخ حیث قال لانتہ کالمغصوب و قال فی النہایۃ قال بعض مشائخنا کسب المغنیۃ کالمغصوب لم یحل اخذہ و علی ہذا قالوا لومات الرجل وکسبہ من بیع الباذق او الظلم او اخذہ البرشوة یتورع الورثۃ ولا یأخذون منه شیئا وهو اولی بہم ویرد ونہا علی اربابہا ان عرفوہم والا تصدقوا بہا لان سبیل الکسب الخبیث التصدق اذا تعدد الرد علی صاحبہ ام وتحت قولہ فی الاشباہ الخ قال الشیخ عبد الوہاب الشعرانی فی کتاب المنن

وَمَا نَقُلُ عَنْ بَعْضِ الْحَنْفِيَّةِ مِنْ أَنَّ الْحَرَامَ لَا يَتَعَدَّى إِلَى ذِمَّتَيْنِ سَأَلَتْ عَنْهُ
الشَّهَابُ بْنُ الشَّالِبِيِّ (الْحَنْفِي) فَقَالَ هُوَ مَحْمُولٌ عَلَى مَا إِذَا لَمْ يَعْلَمْ بِذَلِكَ أَمَّا
مَنْ رَأَى الْمَكَّاسَ يَأْخُذُ مِنْ أَحَدِ شَيْئَيْنِ مِنَ الْمَكْسِ ثُمَّ يَعْطِيهِ الْآخَرَ ثُمَّ يَأْخُذُهُ
مِنْ ذَلِكَ الْآخَرِ فَهُوَ حَرَامٌ أَمْ وَفِي الذِّمَّةِ خَيْرٌ سَأَلَ أَبُو جَعْفَرٍ عَنْ أَكْتِسَابِ مَالِهِ
مِنْ أَمْرِ السُّلْطَانِ وَالْغَرَامَاتِ الْمَحْرُمَةِ وَغَيْرِ ذَلِكَ هَلْ يَحِلُّ لِمَنْ عَرَفَ ذَلِكَ
أَنْ يَأْكُلَ مِنْ طَعَامِهِ قَالَ أَحِبَّ إِلَى فِي دِينِهِ أَنْ لَا يَأْكُلَ وَيُسَعِّدَ حُكْمًا أَنْ لَا يَكُنْ
غَضَبًا وَرِشْوَةً أَمْ وَفِي الْخَانِيَّةِ امْرَأَةٌ زَوْجَهَا فِي أَرْضِ الْجَوْرِ إِذَا أَكَلَتْ مِنْ طَعَامِ
ذَلِكَ وَلَمْ يَكُنْ عَيْنُهُ غَضَبًا أَوْ اشْتَرَى طَعَامًا أَوْ كِسُوَّةً مِنْ مَالِ أَصْلِهِ لَيْسَ بِطَيِّبٍ
فَهِيَ فِي سَعَةِ مِنْ ذَلِكَ وَالْأَشْمُ عَلَى الزَّوْجِ أَمْ حَمَوِيٌّ تَحْتَ قَوْلِهِ وَهُوَ حَرَامٌ مُطْلَقًا
عَلَى الْوَرِثَةِ الْخَمِيَّةِ سَوَاءٌ عَلِمُوا أَرِيَابَهُ أَوْ لَا فَإِنْ عَلِمُوا أَرِيَابَهُ رَدُّهُ عَلَيْهِمْ وَالْأَتَّصِدُّ قَوْلَهُ مَنَاهُ
النَّفَاعُ مِنَ الزَّيْلَعِيِّ أَقُولُ وَلَا يَشْكُلُ ذَلِكَ بِمَا قَدْ مَنَاهُ النَّفَاعُ مِنَ الذِّمَّةِ الْخَيْرَةِ وَالْخَانِيَّةِ
لَا أَنَّ الطَّعَامَ أَوْ الْكِسُوَّةَ لَيْسَ عَيْنُ الْمَالِ الْحَرَامِ فَانَّهُ إِذَا اشْتَرَى بِهِ شَيْئًا يَحِلُّ
أَكْلُهُ عَلَى تَفْصِيلٍ تَقْدِمُ فِي كِتَابِ الْغَضَبِ بِخِلَافِ مَا تَرَكَهُ مِيرَاثًا فَانَّهُ عَيْنُ
الْمَالِ الْحَرَامِ وَأَنْ مَلَكَهُ بِالْقَبْضِ وَالْخِلَاطِ عِنْدَ الْإِمَامِ فَانَّهُ لَا يَحِلُّ لَهُ التَّصَرُّفُ
فِيهِ قَبْلَ إِدَاءِ ضَمَانِهِ وَكَذَلِكَ الْوَارِثَةُ فِي الدِّيَانَةِ لَا الْحُكْمُ فَلَا يَجُوزُ لَوْصِلُ لِقَاءِ
التَّصَدِّقِ بِهِ وَيُضْمِنُهُ الْقَاصِرُ إِذَا بَلَغَ تَأْمَلْ أَمْ رَصَ ٣٨٠ ج ٥) وَفِي الدَّرَجَةِ
فِي بَابِ الْغَضَبِ فَإِنْ غَضِبَ وَغَيَّرَ الْمَغْضُوبُ فَنَالَ اسْمَهُ وَأَعْظَمَ مُنَافَعَهُ
أَيُّ أَكْثَرِ مَقَاصِدِهِ أَوْ اخْتَلَطَ الْمَغْضُوبُ بِسَلَكِ الْغَاصِبِ بِحَيْثُ يَمْتَنِعُ
أَمْتِيَا زَكَاةً كَاخْتِلَاطِ بَرَّةٍ بِبَرَّةٍ أَوْ يَسْكُنُ بِحُجْرٍ كَبِيرَةٍ بِشَعِيرَةٍ ضَمْنَهُ وَمَلَكَ بَلَاءَ
اتِّفَاعٍ قَبْلَ إِدَاءِ ضَمَانِهِ أَيْ رِضَا مَا لَكَه بَادَاءً أَوْ إِبْرَاءً أَوْ تَضْمِينَ قَاضٍ وَ
الْقِيَاسُ حَلُّهُ وَهُوَ رَوَايَةُ فَلَوْ غَضِبَ طَعَامًا فَمَضَغَهُ حَتَّى صَارَ مُسْتَهْلَكًا
يَبْتَلَعُهُ حَلَالًا فِي رَوَايَةٍ وَحَرَامًا عَلَى الْعَتَمَةِ حَسْمًا مَادَّةَ الْفُسَادِ أَمْ قَالَ الشَّامِيُّ

عَنْ قُلْتِ هَذَا مَبْنًى عَلَى قَوْلِهِمَا لَا عَلَى قَوْلِهِ كَمَا يَظْهَرُ ١٢ عَمَّ قُلْتِ نَعَمْ لِيَفْتَى بِالْحَرَمَةِ فِي حَقِّ الْغَاصِبِ
وَهُوَ كَالْحَسْمِ مَادَّةَ الْفُسَادِ وَأَمَّا فِي حَقِّ غَيْرِهِ فَالْإِفْتَاءُ بِالْحَلِّ أَرْفَقُ لَدُنْ فَعِ الْحُجْرُ كَمَا سَأَلْتِ ١٢

تحت قوله وهو رواية الخ جعلها في الخلاصة وغيرها قول الامام والاستحسان
قولهما في البزازية وكان الامام نجم الدين النسي يكران يكون هذا قول
الامام ويقول اجمع المحققون من اصحابنا انه لا يملكه الا باحدى الامور
الثلاثة وقالوا جميعا الفتوى على قولهما اه قلت ما قاله المحققون مخالفت
لعامة المتون كما مر فتدبر ثم رأيت بعضهم نقل ان العلامة قاسم
تعقبه اه (ص ۱۸۷ ج ۵) قلت وقد ذكر الشامي قبل ذلك في (ص ۱۸۶ ج ۵)
وما افاده كلام المصنف من ان الملك في المغصوب ثابت قبل
اداء الضمان وانما المتوقف على اداء الضمان الحل هو ما في عامة المتون اه
ثم رد على صاحب النوازل في توقيفه الملك ايضا عليه وفي الدر في باب
البيع الفاسد الحرام ينتقل فلو دخل بامان واخذ مال حربي بلا رضاه و
اخرجه اليه ملك وصح بيعه لكن لا يطيب له ولا للمشتري منه بخلاف
البيع الفاسد فانه لا يطيب له لفساد عقده ويطيب للمشتري منه لصحة
عقده وفي حظر الاشباه الحرمه تتعدى مع العلم بها الا في حق الوارث
وقيده في الظهيرية بان لا يعلم ارباب الاموال وسنحققه ثم اه
قال الشامي وفي منية المفتي مات رجل ويعلم وارثه ان اياه كان يكسب
من حيث لا يحل ولكن لا يعلم الطالب بعينه ليرد عليه حل له الارث
والافضل ان يتوزع ويتصدق بنية خصماء ابيه اه وكذا لا يحل اذا علم
عين الغصب مثلا وان لم يعلم مالكه لهما في البزازية اخذ مورثه
رشوة او ظلما ان علم ذلك بعينه لا يحل له اخذه والاقله اخذه حكما
اما في الديانة فيتصدق به بنية ارضاء الخصماء اه والحاصل انه
ان علم ارباب الاموال وجب رد عليهم والا فان علم عين الحرام
لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه وان كان مالا مختلطا مجتمعا من
الحرام ولا يعلم اربابه ولا شيئا منه بعينه حل له حكما والاحسن ديانة
به اي بالاداء والابراء او تضمين قاض قلت ومقتضاه ان لا يجب على الخاط
الزكوة بعد الخلط وقد صرح اصحاب المتون بخلافه كما ذكرناه ۱۲ منه

التزوة عنه اه (ص ٢٠١ ج ٢) قلت ومفاده ان الحرمة انما تنعدي الى الغير اذا علم شيئاً بعينه حراماً وعلم ربه والا فيحل له اخذه والتورع التزوة عنه وهذا هو الذي قلته في المختلط ويؤيده ما في قاضي خان ان كان غالب مال المهدى حلالاً لا بأس بان يقبل الهدية ويأكل ما لم يتبين عنده انه حرام لان اموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فيعتبر الغالب اه قيل ليس فيه تصريح بالخلط قلت قوله لان اموال الناس لا تخلو عن قليل حرام يشعر بالخلط والالقال لان احداً لا يخلو عن كسب حرام وايضاً فالحكم يدور مع العلة وهي في المسئلة المذكورة دفع الحرج ولا يخفى كثرة اختلاط اموال الناس بقليل حرام وفي الافتاء بحرمة اخذها حرج عظيم فيعتبر الغالب مطلقاً سواء كان قليل الحرام مخلوطاً او غير مخلوط وفي الدرر ولو خلط السلطان المال المعصوم بماله ملكه فتجب الزكوة فيه ويورث عنه لان الخلط استهلاك اذا لم يكن تمييزه عند ابي حنيفة وقوله ارفق اذ قل ما يخلو مال عن غصب اه (ص ٢٠٩ ج ٢) قلت وفيه دلالة على انتفاء الحرمة عن الاخذ اذا خلط المال المختلط بالحرام بحيث لا يمكن تمييزه والا لافراق بالناس مع بقاء الحرمة وفي المهدية: ولا يجوز قبول هدية امراء الجور لان الغالب في مالهم الحرمة الا اذا علم ان اكثر ماله حلال بان كان صاحب زرع او تجارة فلا بأس به لان اموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فالمعتبر الغالب وكذا اكل طعامهم كذا في الاختيار (ص ٢٢٨ ج ٢) وحمل على غير المخلوط بعيد وكيف يقال ان مقتضاه ان اموال الناس الغير المخلوطة لا تخلو عن قليل حرام اي والمخلوطة تخلو عنه كلا فان التفسير بهذا المعنى لا يقبله احد، وفيه ايضا قال الفقيه ابو الليث: اختلف الناس في اخذ الجائزة من السلطان قال بعضهم يجوز ما لم يعلم انه يعطيه من حرام قال محمد بن بويه ناخذ ما لم يعرف شيئاً حراماً بعينه وهو قول ابي حنيفة واصحابه كذا في الظهيرية وفيه ايضا ولا ينبغي للناس ان يأكلوا من اطعمة الظلمة لتقبيح الامر عليهم وزجرهم عما يرتكبون وان كان يحل كذا في الغرائب اه وفيه ايضا لو ان فقيراً ياخذ جائزة السلطان

مع علمه ان السلطان يأخذها غصباً يحل له قال ان خلط ذلك بدراهم اخرى فانه لا بأس به وان دفع عين المصوب من غير خلط لم يجز قال الفقيه و هذا الجواب خرج على قياس قول ابي حنيفة لان من اصله ان الدراهم المصوبة من اناس متى خلط البعض بالبعض فقد ملكها الغاصب ووجب عليه مثل ما غصب وقال لا يملك تلك الدراهم وهي على ملك صاحبها فلا يحل له الاخذ كذا في الحاوي ام (ص ۲۲۸ ج ۱)۔

وحاصل الكلام ان خلط دراهم الغير بماله بحيث لا يمكن التمييز بينهما سبب الملك عند الامام فيملك الغاصب ولا يحل له الانتفاع بهما قبل الضمان بالامور الثلاثة في رواية ويحل قبله في رواية والمعتمد في حق الغاصب الافتاء بالرواية الاولى اى لا يجوز له الانتفاع بهما قبل الاداء واما في حق الغير فينبغي الافتاء له بالحل والجواز في قبول الهدية واكل الطعام والبيع والشراء معه اذا كان غالب ماله حلالاً ولم يعرف شيئاً بعينه حراماً لان اموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فالمعتبر الغالب وفي الافتاء بخلاف ذلك حرج عظيم على الامّة والخرج مدفوع والمتورّع ما جوره والله تعالى اعلم۔
حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه ۸ ج ۲ ۲۵۵ھ

احقر اشرف علی جوہان روایات کے مجموعہ سے سمجھا ہی جس سے سب روایات عملاً جمع ہو جاتی ہیں یہ ہے کہ حرام غیر مخلوط تو یقیناً حرام ہے، اور اس میں جہاں حل کا حکم کیا گیا ہے، مراد اس سے حرمت خاصہ کی نفی ہے، یعنی جو حرمت ملک غیر ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، اور نفی خاص سے نفی عام لازم نہیں، اور مخلوط میں یہ تفصیل ہے کہ جہاں خلط یقینی نہ ہو، محض بناء برعادة عامہ مظنون ہو وہاں غالب کا اعتبار ہے، اور جہاں خلط یقینی ہو وہاں خالط کے لئے تو مطلقاً حرام ہے، گو حرام قلیل ہو، اور غیر خالط کے لئے اگر وہ غیر مضطر ہے یعنی بچ سکتا ہے بدون حرج، غلبہ حلال کے وقت قضاء حلال اور دیانۃ حرام ہے، اور مضطر کے لئے جو بچنے سے حرج میں داخل ہو جائے غلبہ حلال کے وقت گنجائش ہی دیانۃ بھی۔

۹ ج ۲ ۲۵۵ھ

سوال (۶) کیا زکوٰۃ دینے والا جب زکوٰۃ کاروپہ کسی شخص کو تقسیم کرنے کے واسطے دیدے یا بذریعہ منی آرڈر وغیرہ کے بھیج دے، پھر بھی وہ اس بات کا ذمہ دار رہتا ہے کہ جس شخص کو روپیہ تقسیم کرنے کو دیا ہے وہ اس کو مستحق لوگوں کو دے گا، اور جائز مصرف میں صرف کرے گا؟

الجواب: قاعدہ یہ ہے کہ محض وکیل کو دیدینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، جب تک کہ وکیل اس کو مستحقین میں صرف نہ کر دے، پس اگر وکیل ثقہ، معتبر، دیندار ہے جس پر اطمینان ہے کہ وہ مستحقین ہی میں صرف کرے گا، غیر مستحقین کو نہ دے گا، اس وکیل کو رقم دیکر مؤکل اپنے کو فرض زکوٰۃ سے سبکدوش سمجھ سکتا ہے، ہاں اگر بعد میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ وکیل نے مستحقین کو نہیں دیا بلکہ غیر مستحقین کو دیا ہے، اور وکیل بھی دیتے وقت اُن کو غیر مستحق جانتا تھا، تو اس صورت میں مؤکل کو زکوٰۃ دوبارہ دینا پڑے گی، لیکن جب وکیل معتبر دیندار ثقہ ہے تو مؤکل کے ذمہ یہ تحقیق واجب نہیں، ہاں اگر بعد میں خود معلوم ہو جائے کہ وکیل نے بے موقع صرف کیا، تو اب آئندہ اس وکیل کو ثقہ نہ سمجھے اور گزشتہ زکوٰۃ جو اس نے بے موقع صرف کی ہے دوبارہ ادا کرے، واللہ اعلم۔ ۲ رجب ۱۳۵۷ھ

سوال (۷) زید نے عمرو سے کہا کہ میں دس روپے قرض رجوع کی ایک صورت کا حکم دو، ہم چند روز میں ادا کر دیں گے، عمرو نے خیال کیا بچا رہے زید غریب ہی، اور مستحق زکوٰۃ ہے مگر غیرت مانع ہو رہی ہے، اس نے دس روپے زکوٰۃ کے دیدیئے، زکوٰۃ کی نیت سے اور برتی الذمہ ہو گیا، مگر سوال یہ ہے کہ زید بعد میں اگر دس روپے لا کر عمرو کو دے کہ لو بہائی آپ کے دس روپے، تو عمرو کو لینے جائز ہیں، یا نہیں؟ (جبکہ یہ بھی خطرہ ہو کہ اگر نہ لوں گا تو زید بگڑے گا، اور کہی گا کہ کیا تم نے ہمیں ایسا گمان کیا تھا اور کوئی سبیل بھی زید کے سمجھانے کی نہ ہو) اور اگر جائز ہے تو پھر اس دس روپے کو اور کسی غریب مستحق زکوٰۃ کو دینے ضروری ہوں گے یا کہ عمرو کو اپنے کام میں لانے جائز ہیں؟

الجواب: اگر زید نے عمرو کو روپے دیتے ہوئے یہ کہہ دیا تھا کہ یہ روپیہ قرض مت سمجھنا، بلکہ تمہاری ملک ہیں تم کو ویسے ہی بہتہ بلا قرض دیتا ہوں (گویہ نہ کہا ہو کہ زکوٰۃ دیتا ہوں) تب تو زید پر سے زکوٰۃ ساقط ہو گئی، اور اس صورت میں عمرو اگر اس کو دس روپے دے گا تو یہ بہتہ مستأنف ہوگا، اس کا لینا جائز ہے، مگر خلاف اولیٰ ہے،

اور لے لینے کے بعد صدقہ کر دینا بہتر ہے احترازاً عن صورة العود فی الصدقة، اور اگر زید نے عمرو سے اس کے سوالِ قرض کے بعد یہ نہیں کہا کہ یہ روپیہ قرض نہیں بلکہ ہبہ ہیں تو زکوٰۃ بوجہ نیتِ زکوٰۃ کے اس صورت میں بھی ادا ہو گئی، لیکن اس رقم کو عمرو سے واپس لینا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ بالکل عود فی الصدقہ ہے، عمرو اس رقم کو اپنے اوپر قرض سمجھ کر واپس کر رہا ہے، اور زید کی نیت قرض دینے کی نہ تھی، تو اب زید کو اس کی واپسی کا کچھ حق نہیں بخلاف صورتِ اولیٰ کے کہ وہاں عمرو کو بوقتِ عطا یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ رقم قرض نہیں، پس صورتِ ثانیہ میں اگر زید نے اس رقم کو واپس لے لیا تو لازم ہے کہ اس کو بکھری حیلہ سے عمرو ہی کو واپس کر دے، ورنہ ادا زکوٰۃ میں شبہ رہے گا، قال فی الشامیۃ تحت قول الدر و شرط صحۃ ادائہا نية مقارنة له ای للاداء مانصہ اشار الی انہ لا اعتبار للتسمیۃ فلو ستماها هبة او قرضاً تجزیہ علی الاصح اھ (ص ۱۶ ج ۲)، قلت ای وراعی مع تسمیۃ قرضاً حقیقۃ معنی التصدق بالنیہ ولم یرجع علی الفقیر اما لورجہ علیہ بما اذی فالحکم عدم جواز الرجوع لاخذہ ملک الغیر وشبهة عدم سقوط الزکوٰۃ عنہ لورجہ علی الفقیر، واللہ تعالیٰ اعلم۔

قال الشامی فی مسئلۃ تصادق الدائع والمدیون علی ان لادین علیہ یستردہ الدافع و لیس للمدیون ان يأخذہ زیلعی اھ ثم قال ناقلًا عن النہج: ان اطلاق مسئلۃ التصادق محمول علی ما اذا کان الوفاء بغیر امر المدیون اما لو کان بامرہ فینبغی ان یرجع علی المدیون الخ قال وهو ملخص من کلام الفتح لکن قول فینبغی ان یرجع علی المدیون لیس فی عبارة الفتح وهو سبق قلنا لان هذا اذا لم یؤبال دفع الزکوٰۃ کما قد مناه و الکلام الآن فیما اذا نواھا و حینئذ لا رجوع له ای للدافع علی احد لوقوعه زکوٰۃ اھ (ص ۱۰۰ ج ۲)۔

<p>سوال (۸) زکوٰۃ جس مال کی دیدی گئی ہے اور اس مال سے کوئی تجارت وغیرہ نہیں کی وہ بدستور موجود ہے تو اب دو سکر سال یا آئندہ اس مال پر کیا پھر زکوٰۃ دی جاوے گی یا نہیں؟</p>	<p>زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس مال سے کوئی تجارت نہیں کی ویسا ہی پڑا رہا تو دو سکر سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟</p>
---	--

الجواب؛ جب تک یہ رقم مقدارِ نصاب یا اس سے زائد رہے گی اس وقت تک

ہر سال اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، ہاں جب زکوٰۃ ادا کرتے کرتے مقدار نصاب سے کم رہ جائے پھر سال پورا ہونے سے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، مگر یہ کہ سال پورا ہونے سے پہلے کچھ اور رقم اس میں مل کر نصاب کامل ہو جائے، تو پھر زکوٰۃ واجب ہوگی، دَعَا ہذا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ رذی الحجہ ۱۴۲۳ھ

بذریعہ نوٹ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم | سوال (۹) بدون سیم و زغالص کے نوٹ اور گھٹ کی اکتی دونی چوٹی اور تانبہ کے پیسہ سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب؛ چونکہ نوٹ مال نہیں ہے بلکہ سند ہر مال کی اور محض حوالہ ہے، یعنی سرکار کے جو ذمہ جو قرضہ ہے اس کے وصول کرنیکا، اور زکوٰۃ مال کی تملیک سے ادا ہوتی ہے، بدون تملیک مال ادا نہیں ہوتی، اور فقط وصول قرض کا وکیل بنانے سے وکیل مالک نہیں ہو جاتا، بلکہ جب وصول کر لے اور قبضہ کر لے اس وقت مالک ہوتا ہے، اس لئے نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، لیکن جسکو زکوٰۃ میں نوٹ دیئے گئے ہیں اگر وہ اُن کے بدلے میں کسی سے روپیہ وغیرہ لے لے تو ادا ہو جائے گی، اور اگر اس نے یعنی جس کو زکوٰۃ میں نوٹ دیئے گئے تھے کسی کو قرض یا ادائیگی قرض میں نوٹ ہی دیدیئے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی،

فی تنویر الابصار متن الدر المختار ہی تملیک جزء مال عینہ الشارع الخ اور بعد توکیل بالقبض قبض دین سے ادا زکوٰۃ کی روایت صفحہ آئندہ میں درج ہے، باقی اکتی دونی وغیرہ سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، کیونکہ زکوٰۃ خلاف جنس سے ادا کرنا جائز ہے جس چیز پر زکوٰۃ واجب ہے اس کی قیمت کا چالیسواں حصہ ان سکوں سے دیدیا جاوے، کما فی الشامی ص ۴۴، تحت قول الدر (والمعتبر وزنهما اداء وجوباً) واجمعوا علی انہ لو ادا دی من خلاف جنسہ اعتبرت القيمة، واللہ اعلم، احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۶ اشوال ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفاعنہ ۱۶ اشوال ۱۴۲۳ھ

کیا منی آرڈر کے ذریعہ | سوال (۱۰) ڈاکخانہ کے ذریعہ زکوٰۃ کا روپیہ کسی مستحق کے پاس زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟ بھیجنے کی صورت میں جو روپیہ ڈاک خانہ میں داخل کیا جاتا ہے، وہ روپیہ مستحق کو نہیں ملتا بلکہ اس کے عوض میں دوسرا روپیہ ملتا ہے تو اس طرح پر زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب؛ فی الدر المختار (تملیک الدین ممن لیس علیہ الدین

باطل (آ) فی ثلاث حوالہ و وصیۃ و راذ اسلظہ ای سلط المملک غیر المدیون
(علی قبضہ) ای الدین (فیصح حینئذ ومنہ ما لو و هیت من ابنہا ما علی
ابیہ فالعتمد الصلحۃ للتسلیط و قال الشامی تحت (قوله علی قبضہ) و
حینئذ یصیر وکیلا فی القبض عن الامر ثم اصیلا فی القبض لنفسہ و مقتضا
صلحۃ عزلہ عن التسلیط قبل القبض و اذا قبض بدل الدراہم و نانیہ صحیح
لانہ صار الحق للمروہوب لہ فملک لا استبدال و اذا نوى فی ذلک التصدیق
بالزکوٰۃ اجزاء کمافی الاشباہ (شامی ۳۳ ص ۷۹۵)۔

اس میں تصریح ہے کہ اگر کسی شخص کو اپنا قرض وصول کرنے کے لئے کہہ دیا جاوے
تو وہ شخص وکیل بالقبض ہو جاتا ہے، اور جب وہ وصول کرے گا تو موکل کی طرف وکیل
اور اپنی طرف سے اکیل ہو کر وصول کرے گا، اور اگر وہ درہم کی جگہ دینار وصول کرے
تب بھی صحیح ہے پس جب ڈاک خانہ داخل شدہ روپے کو بعینہ نہیں پہنچاتا تو وہ اس
کے ذمہ قرض ہو جاتا ہے، اور مرسل الیہ وکیل عن الامر اور اکیل عن نفسہ ہونے کی حیثیت
سے اس کو وصول کرتا ہے، تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے اور زکوٰۃ کی نیت روانگی منی آرڈر
کے وقت کر چکا تھا، اس لئے زکوٰۃ ادا ہو گئی، دوبارہ یعنی وقت قبض نیت ادا ہو گئی زکوٰۃ
کی ضرورت نہیں ہے، (کما ہو مصرح فی قوله و اذا نوى من ذلک التصدیق بالزکوٰۃ اجزاء)
واللہ اعلم، البتہ اگر ڈاک خانہ سے مرسل الیہ کو نوٹ وصول ہوئے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی،
بلکہ ان کے بدلہ میں روپیہ وغیرہ جب کسی سے لے گا تب ادا ہوگی، کما مر فی الجواب عن السؤال
الاول، احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۶ سوال ۳۳۳، الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۱۶ سوال ۳۳۳
ایک شخص پر کئی سالوں کی زکوٰۃ واجب تھی | سوال (۱۱) ایک شخص کے ذمہ پر کئی سال کی
بعد میں مال ضائع ہو کر وہ مقروض ہو گیا، زکوٰۃ ادا کرنی واجب تھی، اس شخص نے اپنے مال
توسنیں گزشتہ کی زکوٰۃ اس پر واجب ہو گئی یا نہیں۔ کو جس کی زکوٰۃ واجب تھی تجارت میں لگایا، تجارت
میں نقصان ہوا یعنی خسارہ آیا، اور تجارت کے باعث وہ مقروض ہو گیا، تو اس صورت
میں اس شخص کے ذمہ سے زکوٰۃ معاف ہو گئی یا واجب رہی؟ بہشتی زیور کے تیسرے حصہ
میں زکوٰۃ کے بیان میں اس طرح لکھا ہے، کسی کے مال پر پورا سال گزر گیا، لیکن ابھی زکوٰۃ
نہیں نکالی تھی کہ سارا مال چوری ہو گیا، یا اور کسی طرح جاتا رہا، تو زکوٰۃ بھی معاف ہو گئی،

زکوٰۃ کے بیان کے ختم کے دو مسئلوں سے پیشتر یہ مسئلہ ہے۔

الجواب: فی الدر المختار والتوی بعد القرض والاعارة واستبدال مال التجارة بمال التجارة هلاك ويعتبر مال التجارة والسائمة بالسائمة استهلاك وفي الشامي تحت قوله (ويعتبر مال التجارة الخ) تتمه وحكم النفود مثل مال التجارة ففي الفتح رجل له الف حال حولها فاشترى بها عبدًا للتجارة فمات او عروضا للتجارة فهلك بطلت عنه زکوٰۃ الالف ولو كان العبد للخدمة لم تسقط بموته وتماثله فيه (ص ۳۳ ج ۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں (یعنی جبکہ ایسے مال کو تجارت میں لگایا جس میں زکوٰۃ واجب تھی، اور اس تجارت میں خسارہ ہوا تو) زکوٰۃ ساقط ہو گئی، البتہ اگر تجارت میں بیع و شراء غبن فاحش کے ساتھ کی ہو تو غبن کی مقدار ساقط نہ ہوگی، لکن فی الشامی (صفحہ مذکورہ) عن البدائع وان حابی بمال يتغابن فيه ضمن قدر زکوٰۃ المحاباة الخ

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ، ۲۶ رجب ۱۲۸۴ھ، الجواب صحیح، نظراً لحد غفاعة ۲۹ رجب ۱۲۸۴ھ
ایک شخص اللہ واسطے محتاج کو ماہانہ رقم دیتا ہے | سوال (۱۲) ایک محتاج شخص کو عمر پانچ روپیہ شعبان اور رمضان کے مہینہ میں، اگر زکوٰۃ کی نیت کے رقم دید تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں
عمر پر دس روپیہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، ماہ

شعبان و رمضان شریف میں پانچ روپے دیتے وقت ادائیگی زکوٰۃ کی نیت کر لیتا ہے، کیا اس صورت سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب: ہاں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، زکوٰۃ دینے کے لئے یہ زبان سے کہنا ضروری نہیں، کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے، واللہ اعلم، ۱۱ شعبان ۱۲۸۵ھ۔

نوٹ سے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم | سوال (۱۳) ۱۰ زکوٰۃ یا عشر ادا کرنے کے لئے نوٹ اگر فقیر کو دیا جائے تو زکوٰۃ یا عشر ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

۱۰، اگر نوٹ زکوٰۃ میں دینا جائز نہیں تو جو لاعلمی کی وجہ سے زکوٰۃ میں نوٹ دینا چاہے ہیں جن کی تعداد بھی معلوم اور یاد نہیں اس کا کیا حکم ہے؟ وہ زکوٰۃ یا عشر ادا ہوا یا نہیں؟
الجواب: اصل یہ ہے کہ نوٹ خود مال نہیں ہے، بلکہ سند مال ہے، اس لئے اس کے دینے سے زکوٰۃ اس وقت تک ادا نہ ہوگی جب تک فقیر اس کو بھنا کر اس کی رسم پر

قبضہ نہ کرے یا اس سے کوئی شے خرید کر اس شے پر قبضہ نہ کر لے، اگر اس نوٹ کو بھٹا کر روپیہ پر قبضہ نہ کیا اور نہ اس سے کوئی شے خرید کر قبضہ میں کی بلکہ بعینہ وہی نوٹ کسی کو اپنے قرضہ میں دیدیا یا نوٹ اس کے پاس سے گم ہو گیا، یا وہ اس نے کسی کو ہبہ کر دیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیونکہ فقیر کے قبضہ میں مال نہیں پہنچا۔

۲۔ گزشتہ کے متعلق دو صورتیں ہیں، ایک تو تحقیق: کہ جس قدر بدون تعب شدید کے تحقیق ہو سکے، دریافت کر کے معلوم کیا جائے کہ جن لوگوں کو زکوٰۃ میں نوٹ دیا گیا تھا انہوں نے اس کو کس طرح صرف کیا، دوسرے تحریمی کہ جس مقدار کے متعلق تحقیق دشوار ہو اس کے متعلق یہ سوچا جائے کہ عادتاً اتنے آدمیوں میں جن کو ہم نے نوٹ دیتے ہیں ایسے آدمی کتنے ہوں گے جنہوں نے نوٹ کو ہم سے لیتے ہی اپنے قرضہ میں دیدیا ہوگا، یا صرفہ کر دیا ہوگا، یا کسی کو ہبہ کر دیا ہوگا، اس کو سوچا جائے، اندازہ سے اگر کوئی مقدار ذہن میں آئے تو جو مقدار رائج اور غالب ہو اس کے موافق زکوٰۃ کا اعادہ کر دیا جائے، اور اس انداز میں اپنی

دو چار احباب سے امداد لینے کا مضائقہ نہیں، واللہ اعلم، ۱۲ رمضان شریف ۱۴۲۵ھ
حکم زکوٰۃ بر منافع کارخانہ | سوال (۱۴) میرے یہاں جو کارخانہ ہے اس میں ہڈی کی پسائی ہوتی ہے، اور چھٹی سے آٹا پیسا جاتا ہے، ہڈی کی فروختگی پر اور چھٹی کی پسائی پر زکوٰۃ پوری قیمت ہڈی اور پوری قیمت چھٹی کی پسائی پر ہوگی یا قیمت خرید ہڈی اور خرچہ تیل اور تنخواہ ملازماں وغیرہ کل اخراجات مجری ہو کر منافع پر ہوگی؟ جواب مطلع فرمایا جائے خاکسار حسین علی خان

الجواب: ہڈی کی فروختگی پر زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ختم سال سے پہلے واجب نہیں ہوتی، حوالانِ حول (سال تمام) ہونے پر واجب ہوتی ہے، پس سال تمام ہونے کے بعد دیکھا جائے کہ اس وقت کتنا مال جو د ہے، اور کتنی رقم موجود اور کتنے لوگوں کے ذمہ چرٹھی ہوتی ہے، پس ختم سال پر جتنی ہڈی موجود ہو اور جتنی رقم باقی ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، اور اس کا چالیسواں حصہ نکال دیا جائے، اور درمیان سال میں جتنی رقم تنخواہ ملازماں اور صرفہ تیل وغیرہ میں خرچ ہو چکی یا جو اپنی ذاتی ضرورت میں صرف ہوئی یا قرضہ میں دی گئی اُس پر زکوٰۃ نہیں، زکوٰۃ صرف اُس سرمایہ پر ہے جو اُس دن موجود ہو جس دن سال ختم ہوا، اور اس کے ساتھ وہ رقم بھی ملائی جائے گی جو کارخانہ کے منافع سے جمع ہو یا خریداروں کے ذمہ قرض ہو، اور پسائی آٹا میں چونکہ آناج وغلہ

دوسروں کا ہوتا ہے، اپنا سرمایہ نہیں ہوتا، اس میں زکوٰۃ کی صورت یہ ہے کہ ختم سال پر پسائی آٹا کی جو رقم موجود ہو یا پسوانے والوں کے ذمہ ہو اس کا چالیسواں حصہ نکال دیا جائے اور جو رقم خرچ ہو گئی اس پر زکوٰۃ نہیں۔

یہ جواب حضرت مولانا کا فرمودہ ہے، والسلام۔ ۱۷ رجب ۱۳۶۶ھ

امانت زکوٰۃ بطور قرض دینے کا حکم [سوال (۱۵) زید کے پاس بکر کے زکوٰۃ کے روپے ہیں، اور اس کو زکوٰۃ کی ادائیگی کا وکیل بنایا ہے، چنانچہ حسب موقع و محل اس زکوٰۃ کی امانت کو فقراء و مساکین پر تقسیم کرتا ہے، اور کبھی کوئی حاجت مند اگر قرض مانگتا ہے تو قرض کی نیت سے اس کو دیدیتا ہے، اور واپسی پر پھر اس روپیہ کو زکوٰۃ کے مد میں رکھ دیتا ہے، اور اس قرض کے ثواب کو بھی بکر کو بخش دیتا ہے، چونکہ زید کو معلوم ہے کہ بکر میرے اس تصرف کو بخوشی اجازت دیدے گا، اس لئے ایسا کرتا ہے، تو ایسی صورت میں یہ تصرف اقراض زکوٰۃ کے روپے میں جائز ہے یا نہیں، یا صریحی اجازت کی ضرورت ہوگی؟ ایسے تصرف کے بعد تدارک کی کیا صورت ہوگی، آیا بکر کو اطلاع دینا کافی ہوگا؟

الجواب؛ زکوٰۃ کی رقم بمذکور قرض استعمال کرنا چونکہ غرض منہی کے خلاف ہے اس لئے اس کا ایک ثمرہ تو یہ ہوگا کہ در صورت صیاع رقم کے وکیل قرض دینے کی صورت میں اس رقم کا ضامن ہوگا، اور اگر وہ قرض نہ دیتا بلکہ اس رقم کو بجنسہ محفوظ رکھتا ضامن نہ ہوتا، دوسرے اس میں احتیاط کے بھی خلاف ہے، کہ بدون صریح اجازت مؤکل کے اس کے خلاف تصرف کیا جائے، پس لازم ہے کہ وکیل ماضی و مستقبل دونوں کے متعلق مؤکل کو اطلاع کرے، اور اجازت حاصل کرے، اور جب بکر کو معلوم ہے کہ زید اس کے اس تصرف کو بخوشی قبول کرے گا تو اطلاع کرنے میں کیا حرج ہے، واللہ اعلم، ۱۲ شعبان ۱۳۶۶ھ

سوال (۱۶) بندہ صاحب نصاب تمام سال رہا، اور بندہ زکوٰۃ کا ختم سال پر جتنی رقم ہو [سوال (۱۶) بندہ صاحب نصاب تمام سال رہا، اور بندہ زکوٰۃ کا سب زکوٰۃ واجب ہوگی حساب ہر سال ۲۸ شعبان کو کرتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ بندہ نے

اپنی زمین اجارہ پر ۸ ذیقعدہ میں بعوض مبلغ ۵۰۰ پانچ سو روپے دی اور یہ وعدہ جانبین سے ہوا کہ فصل کٹنے کے بعد یعنی آئندہ ذیقعدہ میں مبلغ ۵۰۰ روپے دوں گا، کیونکہ ہمارے یہاں اسی طرح اجارہ پر دیتے ہیں، اس مدت سے قبل نہ میں مانگ سکتا ہوں نہ وہ دیتا ہے اب جبکہ بندہ ۲۸ شعبان کو زکوٰۃ کا حساب کرے گا، تو جس قدر روپیہ زیور ہوئے اس کے

ساتھ اجارہ کی اجرت کے روپے پانچ سو کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟
الجواب؛ ختم سال پر زکوٰۃ اسی رقم کی واجب ہوتی ہے جو ختم سال پر اُس شخص کے پاس ہو، اور دین قوی پر زکوٰۃ واجب ہے، مگر بعد وصول کم از کم چالیس درہم کے ادا واجب ہوتی ہے، اور دین متوجّل جس کی اجل ختم سال سے متجاوز ہی اس کے مطالبہ کا قبل از اجل حق نہیں، نہ اُس پر قبضہ ہے، اس لئے وہ اس رقم کے ساتھ شمار کرنا واجب نہیں، جس کی زکوٰۃ ختم سال پر واجب الادا ہے، لیکن اس رقم کی زکوٰۃ بھی قبل وصول دیدی جاوے تو ادا ہو جائے گی، اور اسی میں سہولت ہے، ورنہ بعد وصول کے ادا کرنا واجب ہے۔
 ۲۰ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ

سوال (۱۷) میری جائیداد تقریباً ڈیڑھ ہزار کی ہے، اس پر بارہ سو روپے قرضہ ہے، اور جائیداد میں اپنی دخلی رہن کر چکا ہوں، اس کا منافع مجھے کچھ نہیں ملتا، اور سود بھی دینا نہیں پڑتا، میرے پاس تقریباً چار سو ساڑھے چار سو روپیہ کاریور طلائی و نقرئی ہے، ایسی صورت میں مجھ پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟
الجواب؛ صورت مسئلہ میں قرض کی وجہ سے زیور پر زکوٰۃ واجب نہیں،
 قال فی الدر مع الشامیۃ یصرف الدّین اولا الی مال الزکوٰۃ لا الی غیرہ ولو من جنس الدّین خلا فالزفر ۱۵ واللہ اعلم ۲۵ رشوال ۱۴۲۸ھ

سوال (۱۸) زید محکمہ تعلیم میں ملازم ہے، اس کے ایک نابالغ لڑکی ہے، جس کی ماں مرچکی ہے، زید نے مرتے وقت لڑکی کی ماں سے ہر معاف نہ کرایا تھا، بعد میں حساب کر کے جملہ حقداروں کو مہر دیا گیا، چونکہ لڑکی کے حصہ کا ہسر زیادہ تھا اور زید کی طاقت سے باہر تھا، کہ ایک دم سے ادا کر سکے، لہذا اس نے ایک ماہوار رقم کے ذریعہ سے ادا کرنے کا ارادہ کیا، پھر یہ خیال کر کے کہ روپے کی کافی حفاظت نہ ہو سکے گی اس نے اپنی تنخواہ سے پراویڈنٹ فنڈ کٹوانا شروع کر دیا، یعنی وہ ماہوار رقم جو سرکار ہر ماہ میں تنخواہ سے کاٹ لیتی ہے، اور اس پر سود دیتی ہے، اور سرکاریں لکھ دیا کہ اگر زید کی موت واقع ہو جائے تو یہ کل رقم جو جمع ہو زید کی لڑکی کو دی جائے، اور اگر لڑکی اُس وقت بھی نابالغ ہو تو ولی کے ذریعہ سے دی جاوے، چنانچہ اب وہ رقم ماہ بہ ماہ جمع ہوتے ہوتے ایک خاصی تعداد میں ہو چکی ہے، مگر ابھی بہت دنوں تک اسی طرح

جمع ہونا چاہئے، تین سال سے یہ رقم جمع ہو رہی ہے، اور سود اور اصل دونوں مل کر اس میں ماہ بہ ماہ اضافہ ہو رہا ہے، اب تک کچھ خیال نہ کیا گیا، مگر اب یکایک خیال آیا کہ زکوٰۃ نہیں دی گئی، لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ زکوٰۃ اس مال پر واجب ہے یا نہیں، اور یہ کہ اصل ہی پر زکوٰۃ ہوگی یا سود اور اصل دونوں پر، اگر زکوٰۃ واجب ہو تو اس کا طریقہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ آئندہ جو رقم ماہوار جمع ہوئی ہے اس میں سے زکوٰۃ بہرے کا رتہ نکال کر زکوٰۃ ادا کر دی جائے اور بقیہ جمع کر دیا جائے، کیونکہ جو روپیہ جمع ہو چکا ہے اس میں سے واپس ملنا فی الحال بہت مشکل ہے، یا اگر کوئی اور طریقہ ادائیگی کا ہو تو اس سے مطلع کیا جائے، زید یہ بھی سمجھتا ہے کہ جو کچھ اصل روپیہ جمع ہو رہا ہے اتنا ہی مہر کے قرضہ سے وضع ہو رہا ہے، باقی جو سود ملتا ہے وہ نابالغہ کے مال پر ہے، اور مہر کے قرضہ میں وضع نہیں ہو سکتا، کیا زید کا یہ خیال صحیح ہے، جواب با صواب سے مطلع فرمایا جاوے؟

الجواب: صورت مسئلہ میں یہ رقم ابھی زید کی ملک میں نہیں آئی، اس لئے بھی ادارہ زکوٰۃ واجب نہیں، ہاں یہ رقم چونکہ گورنمنٹ کے ذمہ دین ہے، اور یہ دین ضعیف ہے اس لئے ادارہ زکوٰۃ بعد قبض مال و تحولان تحول کے واجب ہوگا، ہاں اگر مال پر زید نے اپنی زندگی ہی میں قبضہ کر لیا اور وقت قبضہ کے اس کے پاس پہلے سے نصاب موجود ہو تو اس کے ساتھ ملا کر سب کی زکوٰۃ دیدے، یعنی جس وقت نصاب سابق کا سال پورا ہو اسی وقت اس رقم کی بھی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، اور اگر زندگی میں قبضہ نہ ہوا تو زید کے ذمہ اس کے متعلق وصیت کرنا لازم نہیں اور نہ وارث کے ذمہ گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ہے،

قال الشامی مقتضى ما مر من ان الدين القوي والمتوسط لا يجب اداء

زكوته الا بعد القبض ان المورث لو مات بعد سنين قبل قبضه لا يلزمه

الا يصداء باخراج الزكوة عند قبضه لانه لم يجب عليه الاداء في حياته

راى فكان كما اذا مات قبل الحول (۱۲) ولا على المورث ايضا لانه لا يملك

الا بعد موت مورثه فابتداء حوله من وقت الموت وفيه ايضا عن المحيط

ان اجرة دار التجارة او عبد التجارة على الرواية الاولى من الدين الضعيف لان المنفعة

ليست بمال حقيقة فصار كالمهر، وعلى ظاهر الرواية من المتوسط لان

المنافع مال حقيقة لكنها ليست بمحل لوجوب الزكوة لانها لا تصلح

نصاباً اذ لا تبقى سنة) ووقع في البحر عن الفتح انه كالقوى في صحيح الرواية
ثم رأيت في الواو البجية التصريح بان فيه ثلاث روايات (ص ۵۸ و ۵۹ و ۶۰)
قلت: وهذا انما هو في اجرة دار التجارة وعبد التجارة واما اجرة الحر
فينبغي ان تكون كالمهر بلا خلاف لان منافع الحر ليست بمالي حقيقة وعلى هذا
فهو من الضعيف لا تجب فيه الاداء الا بعد القبض وحولان الحول
والله اعلم -

تمت؛ اور اس رقم میں جو بطور فنڈ کے وضع کرائی گئی ہے بعد وصول کے صرف
اصل تنخواہ پر زکوٰۃ واجب ہے، اور سود کی رقم کو بتمامہ صدقہ کر دیا جائے، اور یہ تصدق
زید پر واجب ہے، لڑکی پر واجب نہیں، جبکہ اس کے قرض میں اصل اور سود کو ملا کر
دیا جائے، فقط۔ ۴ ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ

سوال (۱۹) زید نابالغ کا نکاح ہوا، اس کے
والدین نے بیوی کو زیور چڑھایا، بعد ۶ زید بالغ
ہوا اور بلوغت سے دس بارہ سال کے بعد والدین
سے یہ کہا کہ میں علیحدہ ہوتا ہوں، اور یہ زیور جو تم نے
میری زوجہ کو دیا تھا واپس لیلو، والدین نے کہا کہ
نابالغ کے نکاح میں والدین نے زوجہ کو زیور
چڑھایا، بلوغ کے دس بارہ سال بعد والدین
نے کہا کہ زیور ہم تمہیں ہیہ کر چکے ہیں تو اس پر
زکوٰۃ کب سے واجب ہوگی، زمانہ بلوغ سے یا
علم بالہبہ سے

یہ زیور تو ہم تمہیں ہیہ کر چکے ہیں، چڑھانے کے ہی وقت سے، مگر زید کو اس ہیہ کا علم نہ
تھا، صورت ہذا میں زید پر زکوٰۃ اس وقت سے ہے کہ جب سے اُسے ہیہ کا علم ہوا ہے، یا
اُس وقت سے جبکہ والدین نے زیور چڑھایا ہے، اور بے علمی کے زمانے کی قربانی کی قضاء
یا نہیں، زید کے والدین اپنے مال سے کبھی کبھی زید کی طرف سے قربانی کرتے تھے، اگر زید پر
قربانی واجب ہوئی ہو تو یہ قربانی جو والدین زید کی طرف سے کرتے تھے زید کی قضاء قربانی
میں محرم ہو سکتی ہے یا نہیں، اگر قربانی واجب ہوئی تو ہر سال کتنے دام نکالنے چاہئیں؟
الجواب؛ زید پر اس زیور کی زکوٰۃ وقت بلوغ سے ہے، زمانہ قبل بلوغ کی زکوٰۃ
واجب نہیں، اور وہ بھی اس شرط پر واجب ہے کہ زید والدین کے قول کو سچا سمجھتا ہو اور
اگر گمان غالب یہ ہو کہ اس وقت انھوں نے مجھے شرمایا اور کسی وجہ سے یہ بات کہہ دی
ہے تو زید پر اس زیور کی زکوٰۃ اُس وقت سے واجب ہے جس وقت سے اس کو ہیہ کا علم ہوا،

خدا سے معاملہ ہی، اس لئے زید بلا وجہ والدین پر بدگمانی نہ کرے، ہاں اگر واقعی کسی وجہ سے گمان غالب ان کے قول کے خلاف ہو جاوے تو گمان غالب پر عمل کرنا جائز ہے، اور یہی حکم تفصیل کے ساتھ قربانی کا ہے، اور قربانی کی قضا متوسط بکری کی قیمت صدقہ کرنے سے ہوتی ہے، ہمارے یہاں تو پانچ چھ روپے متوسط بکری کی قیمت ہے، زید اپنے یہاں کانر خ بھی دیکھ لے، اگر اس کے یہاں اس سے کم یا زائد ہو تو اسی جگہ کانر خ معتبر ہے، پس ہر سال کی طرف سے ایک متوسط بکری کی قیمت مساکین و غرباء کو صدقہ کر دی جائے، اور صدقہ میں اپنے خاندان کے غرباء کو مقدم کرنا چاہئے، نانا، نانی، دادا دادی، باپ، ماں، اولاد، میاں بیوی کے سوا اور سب قرابت داروں کو زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز ہے، واللہ اعلم، ۱۲ رمضان ۱۳۸۷ھ

موٹر اگر تجارت کے لئے نہ ہو اس پر زکوٰۃ نہیں، سوال (۲۰) زید کے پاس تعدادی چارہ ہزار روپے البتہ اس سے حاصل شدہ کرایہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی نقد ہے، جس میں اس نے دو ہزار دے کر مبلغ

چارہ ہزار روپے کا موٹر کرایہ پر چلانے کے واسطے خرید کیا، اور کمپنی کا دو ہزار روپیہ اس پر قرض رہا، خریدنے کے بعد پانچ مہینہ موٹر چلا اور بذریعہ کرایہ مبلغ پانچ سو روپیہ وصول ہوا، اب زید کا زکوٰۃ نکلنے کا سال پورا ہو گیا، اور حال یہ ہے کہ زید دو ہزار روپے موٹر کی قیمت میں دے چکا ہے اور دو ہزار نقد پاس موجود ہیں، مگر وہی ہزار کمپنی کا قرض دار ہی اور مبلغ پانچ سو روپے منافع موٹر کا موجود ہی، تو اب کمپنی کے قرض کو جدا کر کے صرف پانچ سو روپے جو منافع موٹر کے ہیں ان کی زکوٰۃ ادا کرے، یا دو ہزار جو گھر میں ہیں ان کو بھی ملا کر زکوٰۃ دے، یا اس منافع اور ان دو ہزار کو جو گھر میں ہیں اور ان دو ہزار کو جو قیمت موٹر میں دے چکا محل ساڑھے چارہ ہزار کی زکوٰۃ نکالے، ہر سہ صورت میں کون صورت اختیار کرے، اور یہ موٹر مال تجارت مانا جائے گا یا آلہ تجارت؟ بیٹو اتوجروا، فقط۔

الجواب: زید کے ذمہ صرف پانچ سو روپے کی زکوٰۃ واجب ہے، جو منافع میں وصول ہوئے، موٹر پر، اور دو ہزار جمع پر زکوٰۃ واجب نہیں، یہ موٹر مال تجارت نہیں بلکہ مثل مکان کرایہ کے ہے، ولا زکوٰۃ فیہ الا فی المنافع، اور دو ہزار جمع فاضل عن الدین نہیں، فلا زکوٰۃ فیہ ایضاً، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۳ رمضان ۱۳۸۷ھ

بیوی صاحب نصاب ہو تو زکوٰۃ و قربانی اسی پر واجب ہوگی، شوہر پر سوال (۲۱) کسی عورت واجب نہیں اور یہ کہ بیوی کو شوہر کی خدمت کا معاونہ لینا جائز نہیں کوہر کے عوض سوتو لے

چاندی یا سونے کے زیورات ملے، اس کے سوا اور کچھ مال اس کے پاس نہیں، اب اس پر زکوٰۃ و قربانی واجب ہے تو کیونکر ادا کرے، کیا زیورات بیچ کر دے گی یا اس کے شوہر کو اپنی بیوی کی طرف سے ادا کرنا لازم ہوگا، کیونکہ عورت مرد کے لئے ایک تو کرنی کا کام بھی انجام دیتی ہے، لیکن اجرت کے لئے کوئی عقد نہیں، یوں ہی شوہر کی رضا جوئی کے لئے اپنی غیر متعلق کام تک کو بھی انجام دیتی ہے، اس صورت میں اگر شوہر اپنی بیوی کی طرف سے زکوٰۃ یا قربانی نہ دے تو مواخذہ عورت پر ہوگا یا مرد پر؟

الجواب؛ زکوٰۃ و قربانی عورت پر واجب ہے، اس کی طرف سے مرد پر ادا کرنا واجب نہیں، اور عورت کو شوہر سے اپنی خدمت کا معاوضہ لینا بھی جائز نہیں، کیوں کہ خدمت زوج طاعت ہے اور طاعت کی اجرت لینا حرام ہے، الا ما استثناه الفقہاء، للضرورة البتہ عورت اپنے ہر کار زوج سے مطالبہ کر سکتی ہے، اگر مرد مہر بھی نہ دے تو عورت زیورہ جیکر زکوٰۃ و قربانی ادا کرے، فقط۔ ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۸۶ھ

سوال (۲۲) زید صاحب نصاب ہے، اور بجائے سال تمام پر زکوٰۃ یکمشت کے بجائے سال بھر میں تھوڑی تھوڑی ادا کرنا حساب کر کے کل رقم زکوٰۃ یکمشت ادا کرنے کے دوران سال میں اپنی سہولت کے لئے وقتاً فوقتاً تھوڑی تھوڑی رقم علی الحساب شروع سال سے ادا کرتا رہتا ہے، ختم سال پر حساب سے اگر کمی رہتی ہے تو اس کو پورا کر دیتا ہے، اور اگر زیادتی ہو جاتی ہے تو اس کو آئندہ سال کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں درج کر لیتا ہے، اور ختم سال پر حساب کے وقت اس پچھلی زیادتی کو اس سال کی ادائیگی میں شمار کر لیتا ہے، اسی طرح آئندہ بھی، دریافت طلب یہ ہے کہ یہ عمل شرعاً جائز ہے یا نہیں اور زکوٰۃ ادا ہوتی یا نہیں؟

الجواب؛ یہ صورت بھی جائز ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ سال تمام پر اس سال کی کل زائد زکوٰۃ ادا کر دی جائے، کیونکہ موت و حیات کا اعتبار نہیں، اگر مرض موت میں مبتلا ہو گیا تو وہ رقم جو زکوٰۃ کے لئے الگ رکھی ہو درشہ کی ملک ہو جائے گی، پھر وہ کیا خبر دیں یا نہ دیں۔

۲۰ جمادی الاول ۱۳۸۶ھ

سوال (۲۳) زکوٰۃ بذریعہ منی آرڈر ارسال کرنے میں بڑی دشواری ہوتی ہے، کہ ڈاک خانہ اس کا پابند نہیں ہے کہ وہاں روپیہ ہی ادا کرے بلکہ اکثر نوٹ ہی ادا کئے جاتے ہیں، اور نوٹ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اگر قواعد فقہیہ سے

قطع نظر کر کے منشاء شارع پر نظر کی جائے تو نوٹ سے زکوٰۃ علیٰ وجہ الکمال ادا ہونا چاہی، ایک تو اس لئے کہ نوٹ میں بھی اغیار مساکین حاصل ہے، بلکہ بعض اعتبارات سے یہ روپیہ سے بھی انفع ہے، روپیہ میں تو کھر اکھوٹا بھی ہے، اور پھر کھرے میں آواز بے آواز اور آواز دار میں گھسا اور بے گھسا بھی دیکھا جاتا ہے، اور نوٹ پھٹا چٹا میلا کچھلا ہر طرح کا آسانی سے چل جاتا ہے، پھر جس شخص نے نوٹ ہی پائے ہوں یا حوالانِ حول کے وقت اُس کے پاس نوٹ ہی ہوں تو وہ اور بھی زیادہ اس کا مستحق ہے کہ نوٹوں میں سے نوٹ ہی زکوٰۃ میں دیدے۔

الْجَوَابُ مِنْ حَضْرَتِ حَکِیْمِ الْأُمَّتِ مَدْفِیْضِهِمْ؛ نفس کے ہوتے ہوئے ہم لوگوں کا قیاس کافی نہیں، اور پھر قیاس بھی حقیقی قیاس نہیں، جس میں علت جامعہ سے حکم متعدی ہوتا ہو یہاں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حکمت ہے، اور حکمت حکم کا تعدیہ نہیں ہوتا، وجہ یہ کہ حکمت حکم پر مرتب ہوتی ہے، اور علت پر حکم مرتب ہوتا ہے، سو اول حکم کا تحقق ہونا چاہئے، اس میں حکمتیں نکالی جاسکتی ہیں، اور حکم ہے زکوٰۃ کا، اور زکوٰۃ کا محل مال ہے اور نوٹ مال نہیں سند مال ہے، اور منی آرڈر سے ادا ہونے کی صورت یہ صورت ہے کہ کسی اور شخص کے پاس بھیج دے کہ وہ اُس کے روپے بھٹنا کر مسکین کو دیدے، فقط۔

اس کے بعد اُن کا دوسرا خط آیا جس کا جواب جامع امداد الاحکام نے تحریر

فرمایا جو مع جواب کے ذیل میں مذکور ہے :-

خط

دراصل ابتلائے عام کی وجہ سے حیلہ کی ضرورت ہے، بذریعہ منی آرڈر دوسرے کے نام سے بھیجنے میں اول تو مسکین کی دل شکنی اور اس دوسرے شخص کی بددیانتی کا احتمال ہے، سوائے اس کے کہ روپے کا پارسل کیا جائے، دوسرے اگر زکوٰۃ اس طرح ادا ہو سکتی ہے کہ زید نے ایک رقعہ عمر کو لکھ دیا کہ حامل ہذا کو اتنا روپیہ ہمارے حساب میں دیدیا جاوے، اور اسے یہ ہدایت کی کہ تم ہمارے جس ایجنٹ یا وکیل یا نمائندہ کو چاہو یہ رقعہ دکھلا کے اتنے روپے لے لینا اور زید نے اپنی جگہ پر یہ نیت کر لی کہ جو کچھ دلار ہا ہوں یہ زکوٰۃ ہے، اگر اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے تو پھر نوٹ بھی اسی طرح کی سند حوالہ ہے، اب اسی نوٹ سے وہ مسکین جو روپیہ وصول کرے وہ زکوٰۃ ہے یا جو دوسری اشیا حاصل کریں وہ بھی زکوٰۃ ہیں، یہ نوٹ خود زکوٰۃ نہیں ہے۔

الجواب من جامع امداد الاحکام؛ آپ نے جو صورت بیان کی ہے اس میں بھی محض رقم دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، جب تک وہ شخص کسی ایجنٹ سے روپیہ وصول نہ کرے، اور اگر ایجنٹ نے اس کو روپے نہ دیئے، بلکہ کاغذ ہی دیدیا کہ فلاں سے لے لو جب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، جب تک وہ روپیہ وصول نہ کرے، اور اگر فقیر نے تاجر کا رقم کسی کو اپنے قرض میں دیدیا کہ تم فلاں ایجنٹ سے اپنا قرض یہ رقم دکھلا کر وصول کر لو تو زکوٰۃ بالکل ادا نہ ہوگی، پس یہ صورت مسئلہ نوٹ کے خلاف حکم نہیں رکھتی، بلکہ جو احکام اس کے ہیں وہی اس کے ہیں، اور نوٹ سے زکوٰۃ کا ادا نہ ہونا صرف اس صورت میں ہے جبکہ فقیر بعینہ اس نوٹ کو اپنے قرض میں دیدے یا ہبہ کر دے، یا اس سے چوری ہو جائے یا چھوڑ کر مر جائے، اور اگر اس کے روپے وصول کر کے اپنے قبضہ میں لائے، یا اس سے سودا خرید کر اپنی ملک میں لے آئے، تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، پس دشواری کچھ نہیں، صرف اتنی ضرورت ہے کہ مرسل الیہ کو کوپن میں تنبیہ کر دی جائے کہ پوسٹ میں سے نوٹ نہ لے، اور اگر لے تو نوٹ کو بعینہ اپنے قرض وغیرہ میں نہ دے، بلکہ روپیہ حاصل کر کے قرض ادا کرے، یا جمع رکھے۔

سوال (۲۳) یہ امر دریافت طلب ہے کہ مقدار فرض سے زائد زکوٰۃ ادا کی تو وہ آئندہ سال زکوٰۃ میں محسوب ہو سکتی ہے یا نہیں کہ دوران سال میں وقتاً فوقتاً زکوٰۃ تقسیم کی جاتی ہے، اور سال تمام پر حساب پورا کر دیا جاتا ہے، اگر زکوٰۃ اس سال مقدار فرض سے زائد تقسیم ہو جائے تو اس زائد رقم تقسیم شدہ کو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں مجرئی و محسوب کر دیا جائے یا نہیں؟

الجواب؛ مقدار واجب زائد جو رقم زکوٰۃ میں دی گئی ہے وہ آئندہ سال کی زکوٰۃ میں محسوب ہو سکتی ہے، کما فی الشامی ص ۲۲ ج ۲: وفي الزكاة الجية لو كانت عنده اربع مائة درهم فاذا زكاة خمسمائة ظاهراً انما كان له ان يحسب الزيادة للسنة الثانية لانه امكن ان تجعل الزيادة تعيلاً
احقر عبد الكريم عفی عنه ۲۴ صفر ۱۴۲۵ھ . الجواب صحیح ظفر احمد ۲۵ صفر ۱۴۲۵ھ .

نصاب زکوٰۃ کی تحقیق | سوال (۲۵) صاحب زکوٰۃ فریضہ کس کو کہتے ہیں، اور اس پر کب زکوٰۃ کا حکم دیا جائے گا، کہتے ہیں کہ اگر اس کے پاس دو سو درہم ہوں تو اس کو

نصاب کہتے ہیں اور اس پر پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہے، لیکن یہ یقینی نہیں معلوم ہوا کہ درہم کی کیا قیمت ہے، پھر بعض علماء سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۹ یا ۴۰ یا ۵۰ یا ۵۲ ہو یا اس قدر کی چاندی ہو تو صاحب نصاب ہے، اور پھر ایک روپیہ چار آنہ زکوٰۃ واجب ہے، سکہ مروجہ سے ایک روپیہ چار آنہ ہے، اور درہموں سے پانچ درہم، نہ معلوم درہم سکہ مروجہ انگریزی سے کتنے بھر ہوتا ہے، اور اختلاف مابین علماء کرام میں کیوں ہے، صحیح قول بالآخر مفتی بہ کون ہے، حساب سے الگ الگ کر کے صورت بتلائی جائے، جو کہ ذہن نشین علی الفور ہو، ایسا ہی سونے کے بارے میں جب دریافت کیا جاتا ہے، کہ سونے پر کس قدر زکوٰۃ واجب ہے؟ تو جواب دیا جاتا ہے کہ بیس مثقال سونے پر نصف مثقال، پھر عدم فہم پر فرماتے ہیں کہ سات مثقال دس درہم کا ہوتا ہے، بلکہ دوسری جگہ ہے کہ فی کل اربعة مثاقیل قیراطان، لہذا دونوں شقوں کو لکھ دیا جائے کہ پہلی صورت سے کیا مراد ہے؟ اور ثانی سے کیا، وجہ اختلاف کیا ہے؟ حساب کی صورت میں ملا کر تحریر فرمائیے کہ بیس مثقال انگریزی تول کے حساب سے کس قدر ہوگا اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ بیس مثقال ساڑھے سات تول کا وزن ہوتا ہے، اور اس میں ۲ ماشہ اڑھائی رتی زکوٰۃ نکلتا ہے یہ کس حساب کی بنا پر ہے، خلاصہ حساب صحیح صحیح تحریر فرما کر ممنون و مشکور فرمایا جائے، نیز یہ بھی تحریر کیجئے کہ جتنا وزن زکوٰۃ کا سونا نکلے بعینہ وہی سونا مخروجہ زکوٰۃ دیا جائے یا اس کی قیمت دی جائے؟ مدلل اور مصرح جواب تحریر فرمایا جائے؟

بینو باللیل وتوحسروا عند اللہ الاجرا الجزل من جناب رب الجلیل۔

الجواب؛ حساب مذکورہ بالا کی رو سے صاحب مظاہر حق وغیرہ علماء کرام کے نزدیک چاندی کا نصاب باؤن تولہ چھ ماشہ ہی ہمارے اکابر اسی پر فتویٰ دیتے ہیں، دوسرے اقوال کی بناء وہی اختلاف فی الوزن ہے۔

نوٹ (۱)۔ سونے چاندی میں وزن کا اعتبار ہے، قیمت معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ ہر زمانہ میں بدلتی رہتی ہے، البتہ وزن کے اعتبار سے حساب کر کے پھر اس کی قیمت وقتیہ ادا کر دے تو یہ جائز ہے۔

نوٹ (۲)۔ قول فقہار فی کل اربعة مثاقیل قیراطان، محض تمثیل کے طور پر ہے،

۱۔ صحیح حساب سے ایک روپیہ پانچ آنہ ہو ہیں ۱۲ محیب۔ ۲۔ صحیح یہ ہے کہ ۲ ماشہ ۲ رتی زکوٰۃ نکلتی ہے ۱۲ محیب۔

یا بیس مثقال سے زائد کا حساب ہے، اس سے یہ مقصود نہیں کہ فقط چار مثقال میں زکوٰۃ واجب ہے۔ کتبہ الاحقر عبد الکریم، ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۸ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ، ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۸ھ

مسئلہ وجوب زکوٰۃ سوال (۲۶) فرض کیا زید کے پاس سو روپے ہیں، اس نے سال کے آخر میں جب یہ دیکھا کہ یہ سو روپے اس کے خرچ سے بچ رہا ہے، تو اس نے ڈھائی روپے زکوٰۃ دیدی، لیکن یہی ساڑھے ستانوے روپے جو اسی سو روپے میں ڈھائی روپے زکوٰۃ دینے کے بعد بچا ہے پھر سال تمام کے اخراجات کے بعد بچ گیا تو کیا اس ساڑھے ستانوے روپے کی بھی زکوٰۃ دی جاوے یا وہی اڑھائی روپے جو سو روپے کی زکوٰۃ تھا، اس رقم کے لئے کافی تھا، غرض یہ ہے کہ وہی سو روپے کی رقم رکھی ہے، نہ اس میں شامل کوئی رقم کی گئی، نہ اس میں سے کوئی رقم لی، اس کی زکوٰۃ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب؛ دو روپے آٹھ آنہ تو ایک سال کی زکوٰۃ ہے، دوسرے سال اگر یہ روپے رہ گیا تو اس کی زکوٰۃ دوبارہ دینی پڑے گی، اسی طرح آئندہ بھی ہر سال موجودہ رقم کا چالیسواں حصہ دینا چاہئے جب تک کہ مقدار نصاب رہی، اور جب مقدار نصاب نہ رہی تب واجب نہ رہے گی۔ احقر عبد الکریم عفی عنہ، ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۸ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ، ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۸ھ

پراڈیٹنٹ فنڈ پر وجوب زکوٰۃ کا مسئلہ سوال (۲۷) زید سرکاری ملازم ہے، اس کی تنخواہ سے بیس روپے ماہوار سرکار کاٹ لیا کرتی ہے، وہ رقم اس کی جو بیس روپے ماہوار سرکار میں جمع ہو رہی ہے بعد نیشن یکشت سرکار ادا کر دے گی، تو ایسی رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہے؟

الجواب؛ صورت مسئلہ میں زکوٰۃ اس وقت واجب نہیں، بلکہ یہ رقم جب اس کے قبضہ میں آجائے اور حوالہ نکل ہو جائے تو — زکوٰۃ واجب ہوگی، قال قاضی خان: اذا اجردها او عبدها بمائتي درهم لا تجب الزکوٰۃ ما لم يحل الحول بعد

نعمہ اور اگر اس پر اس رقم کے آنے سے پہلے بھی زکوٰۃ واجب ہو تو اس رقم کے وصول ہونے کے بعد جب پہلے مال کا سال تمام ہو اسی وقت اس سب رقم کی زکوٰۃ بھی اس کے ساتھ دی جاتے ۱۲

القبض وفي قول إلى حنيفة فان كانت الدار والعبد للتجارة وقبض أربعين درهماً بعد العول كان عليه درهم بحكم العول الماضي قبل القبض الخ (ص ۱۳۱) قلت واذا لم يكن عليه زکوٰۃ في اجرة الدار والعبد الا اذا كانا للتجارة فاجرة نفسه أولى فان الحر ليس بمال - احقر عبد الكريم عفی عنه ، ارجمادی الاولی س ۳۸۰
الجواب صحیح ، ظفر احمد عفاعنه ، ارجمادی الاولی س ۳۸۰ .

سوال (۲۸) زید نے کچھ روپیہ بنک میں جمع کیا،
روپے پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں | بنک کا دیوالہ نکل گیا، بنک سے روپیہ ملنے کی امید بھی ہے، اور اسی قدر ناامیدی بھی، کیونکہ پتہ نہیں کہ روپیہ ملے بھی کہ نہ ملے، یا کچھ ملے اور کچھ نہ ملے، ایسی صورت میں کیا جمع کنندہ پر زکوٰۃ واجب ہے؟

الجواب: اس روپے کی زکوٰۃ واجب رہے گی، مگر سردست ادا کرنا لازم نہیں بلکہ عہد دس روپے آٹھ آنہ کی وصولی کے بعد وصول شدہ رقم کی سب گزشتہ برسوں کے متعلق زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی، احقر عبد الكريم عفی عنه ، ارجمادی الاولی س ۳۸۰
الجواب صحیح ، ظفر احمد عفاعنه ، ارجمادی الاولی س ۳۸۰ .

مسئلہ وجوب زکوٰۃ | سوال (۲۹) زید کے پاس دس ہزار روپے کی مالیت کی زمین ہے، اور اس زمین کا کچھ حصہ بھوض یا پنجرار زمین ہے، اور شخص مذکور کے پاس پانچ سو روپے کی مالیت کا زیور ہے، آیا اس زیور پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: اس زیور پر زکوٰۃ واجب ہے، عبد الكريم عفاعنه ، ج ۲ س ۳۸۰
الجواب صحیح ، ظفر احمد عفاعنه ، ارجمادی الثانیہ س ۳۸۰ .

سوال (۳۰) زید کے پاس پانچ سو روپے کا زیور ہے،
ہر مؤجل مانع وجوب زکوٰۃ ہی یا نہیں | اور ایک ہزار روپیہ اس کی زوجہ کا ہر اس کے ذمہ واجب الادا ہے، آیا اس زیور پر مرد کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب: اگر باوجود ہر مؤجل ہونے کے یہ شخص فی الحال ادا کرنے کی فکر میں ہے تب تو اس زیور پر زکوٰۃ واجب نہیں، ورنہ واجب ہے، کما فی العالمگیریۃ و ذکر الیئودی فی شرح الجامع الصغیر قال مشائخنا فی رجل علیہ دین مؤجل لا مراۃ و هو لا یریدہ اداعہ (ای فی الحال) لا یجعل مانعاً من الزکوٰۃ لعدم المطالبة فی

العادة أنه حسن أيضاً هكذافي جواهر الفتاوى فقط - عبدالكريم عفاعنه ر ج ۲۸
الجواب صحيح ، ظفرا حمد عفاعنه ، رجمادی الثانية ۲۸

فرض پر وجوب زکوٰۃ کی | سوال (۳۱) کسی کے پاس کچھ روپیہ تھا جس پر وہ زکوٰۃ نکالا کرتا تھا۔
ایک صورت کا حکم | اب وہ روپیہ دوسرے شخص کو قرض دیدیا، اب وہ مقروض کہتا ہے

کہ مجھ سے نقد روپیہ نہیں ادا ہو سکتا، بلکہ اس کے عوض کچھ جائیداد مجھ سے لکھا لو اور اس کو
بھی ادائیگی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، ایسی صورت میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب؛ اس صورت میں دیون منکر تو نہیں ہی بلکہ قرض کا مقر ہے، اور
جائیداد رقم قرض کے عوض دینے کو تیار ہے، اس لئے قرض دینے والے کے ذمہ سے سین ماہ
کی زکوٰۃ ساقط نہیں، ہاں جب جائیداد لے لے گا تو آئندہ زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

واستبدال مال التجارة بمال التجارة هلاك وبغير مال التجارة استهلاك،
قال الشامي تشمل ما لو استبدل بعوض مالمس بمال اصلا او بعوض هو
مال لكنه ليس بمال الزکوٰۃ بأن باعه بعد الخدمة او ثياب البذلة فيضمن
الزکوٰۃ في ذلك كله لانه استهلاك ام رشامی ۳۳ ج ۲)۔

مثل سوال مذکور | سوال (۳۲) کسی شخص کے ذمہ کچھ روپیہ باقی ہے، اور وہ کہتا ہے
کہ ایک دم روپیہ نہیں ادا ہو سکتا ہی، بلکہ دفعہ دفعہ ادا کریں گے، اور دفعہ دفعہ کرنے سے
روپیہ اس قدر نہیں ہوتا ہے کہ جس کی زکوٰۃ فرض ہے، بلکہ کل روپیہ جو اس کے ذمہ ہی بکشت
ادا کرنے سے زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے، تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب؛ جب اس قرض میں سے گیارہ روپے چار آنہ وصول ہوں خواہ یکمشت
یا تدریجاً تو اس گیارہ روپے چار آنہ کی زکوٰۃ یعنی چالیسواں حصہ دینا واجب ہوگا، اور جتنے
برسوں کے بعد وصول ہوا ہو سب کی طرف سے اس گیارہ روپے چار آنہ کی زکوٰۃ واجب ہے،
اس کے بعد پھر جب کبھی گیارہ روپے چار آنہ وصول ہوں تو اس کا بھی یہی حکم ہے، جب تک
پورے گیارہ روپے چار آنے پر قبضہ نہ ہو اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں، قال الشامي
فاذا قبض ذلك كله او اربعين درهما منه باقتطاع ذلك من اجرة الدار تجب
زکوٰۃ لما منى من السنين والناس عنه غافلون (ص ۵۶ ج ۲) کتبہ الاحقر عبدالکريم
عفی عنہ ۲۵ رجب ۱۲۸۵۔ الجواب صحيح ، ظفرا حمد عفاعنه ۵ شعبان ۱۲۸۵۔

زکوٰۃ کی رقم اور دیگر سامان دینے کی نیت سے علیحدہ رکھا تھا، مگر اپنے مال کے ساتھ زکوٰۃ کا مال بھی چوری ہو گیا تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں

سوال (۳۳) زید نے اپنے مال کی زکوٰۃ نکالی، اور اس زکوٰۃ کے پیسے سے کچھ تو مستحقین زکوٰۃ پر خرچ کیا، اور کچھ کپڑے مستحقین کے واسطے خرید کر رکھ لئے، اور پھر

بھی کچھ نقد باقی رہ گئے تھے کہ اس کے ہاں چوری ہوئی، چوری میں زکوٰۃ کے پیسے اور کپڑے اور اس کا اپنا مال بھی چوری ہو گیا، سوال یہ کہ زکوٰۃ سے سبکدوش ہوایا نہیں، اگر نہیں تو کس طریقہ سے ادا کرے، بینا بالصلوات توجروا بالثواب ؟

الجواب ؛ اگر فقط وہ مال چوری ہوتا جو کہ زکوٰۃ کی نیت سے الگ رکھا ہوا تھا تب تو زکوٰۃ سے سبکدوش نہ ہوتی، لیکن جب دوسرا مال بھی چوری ہو گیا ہے تو اس مال مسروقہ کی زکوٰۃ معاف ہو گئی ہے، البتہ اگر کچھ مال صاحب واقعہ کے پاس باقی رہ گیا ہو تو اس باقی کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے، کما فی الدر المختار ولا ینخرج عن العمدۃ بالعلل بل بالاحادیث للفقہاء وقال الشامی فلو ضاعت لا تسقط عنه الزکوٰۃ الخ (ص ۱۸ ج ۲) ولانی ہالک بعد وجوبها ومنع الساعی فی الاصح لتعلقها بالعين لا بالذمۃ وان هلك سقط حفظه فقط والله اعلم ۱۲ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

الحکم وجوب زکوٰۃ در زیورات | سوال (۳۴) کسی عورت کے پاس دو سو تولہ کے زیورات ہیں، اس کے ہاتھ پیرکان اور گھٹے میں مدام باون تولہ سے زائد رہتا ہے، اور یہ اس کی ضرورت میں سے ہے، اس کو پورے زیورات کی زکوٰۃ دینی ہوگی، یا ما بقیہ زیور کی دینی ہوگی کتاب جوالازم فی فقہائے فرامیئے؟ آپ کی اصلاح تحریر ادا ہوگا۔

الجواب ؛ اس عورت کے تمام زیورات پر زکوٰۃ واجب ہی، اُن پر بھی جو رکھے ہتھ ہیں اور اُن پر بھی جو استعمال میں رہتے ہیں، صرح بہ فی الدر وغیرہ من المتون و الشروح، والله تعالیٰ اعلم۔ ، ردیقعہ سنہ ۱۳۷۵ھ

مسئلہ زکوٰۃ | سوال (۳۵) گورنمنٹ نے بعض فوجی پنشنر اشخاص کو مریعہ جات رارضی جو ہر کے پانی سے سیراب ہو، بطور عطیہ کے عطا کئے ہیں، جن پر مطالبہ مال آبیانہ ششماہی لگتا رہتا ہے، علاوہ ازیں یہ شرط پھرائی گئی کہ عرصہ پانچ سال تک بمع معاملہ کچھ رقم بطور مالکانہ ادا کرنی پڑے گی، اس وقت معینہ کے بعد مبلغ گیارہ صد روپیہ قیمت فی مربعہ ادا کیے ہر شخص مالک مریعہ بن سکتا ہے، اور وہ مالکانہ بند ہو جائیگا اور ساتھ یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ مالک نہیں بننا چاہتا تو مالکانہ

بستور ادا کرتا ہے، حیرت انگیز نہیں لی جائیگی، اب شخص کے پاس قیمت مربعہ قبل از عطیہ موجود ہے اور اس نے اس قیمت سے رکھی ہوئی ہے کہ قیمت مربعہ ادا کر کے مالک مربعہ بنوں گا اس پر بعد گزرنے سال کے زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: ہاں اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ وہ قرض سے فارغ ہے، گورنمنٹ کی رقم اس پر قرض نہیں، جبکہ یہ خود مختار ہے کہ اس رقبہ کا مالک بنے یا نہ بنے اور اس زمین کو خریدے یا نہ خریدے، تو عقد کا تحقق نہ ہوا، اور نہ ثمن اس کے ذمہ لازم ہوا، واللہ اعلم۔
۱۰۔ از ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ

قرض بہر حال میں مانع وجوب زکوٰۃ ہے | سوال (۳۶) ایک شخص نے چار ہزار روپے میں ایک زمین خریدی، جس کی ادا اس قسطوں میں قرار پائی ہے، ایک قسط وہ ادا کر چکا اور زمین پر قابض ہو گیا، دوسری قسط کے لئے ملا ۲۵ روپیہ اس کے پاس رکھا ہے، جس پر حوالان حول ہو چکا ہے، تو اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں، اور زمین کا قرض مانع وجوب زکوٰۃ ہے یا نہیں؟
الجواب: اس رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں، قرض بہر حال مانع وجوب زکوٰۃ ہے، خواہ زمین کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے، اور خواہ اس کی ادا بالاقساط مشروط ہو یا بلا اقساط، واللہ اعلم، ۳۔ از ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ۔

مسودہ زکوٰۃ بل کے بارے میں ایک استفتاء | سوال (۳۷) حضرت حکیم الامتہ دام مجدہم کی خدمت میں ایک سوال اس مضمون کا آیا تھا کہ تنظیم زکوٰۃ کے لئے مرکزی اسمبلی میں زکوٰۃ بل پیش کرنے کا ارادہ ہے جس کا مسودہ ارسال خدمت ہے، شرعی نقطہ نظر سے اس مسودے کے متعلق جو رائے ہو اس سے مطلع فرمایا جائے، اس کا جواب حضرت کے ایمان سے یہ دیا گیا۔

الجواب: کرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مسودہ زکوٰۃ بل دیکھا گیا، آپ کی نیت کے نیک ہونے اور خیر خواہی پر مبنی ہونے میں شبہ نہیں، مگر ہم اس بل کی تائید سے بوجہ چند معذوریں:-
الف: کافر گورنمنٹ کے ذریعہ سے شرائع اسلام کی ترقی جب طلب کی جاتی ہے بجاتے ترقی کے تنزل ہی ہوتا ہے، وقف بل، اور خلع بل کی نظائر سامنے ہیں، کہ ان دونوں بجاتے فائدہ کے شرعی حیثیت سے نقصان ہی ہوا۔

ب؛ چونکہ قانون کا پاس کرنا صرف مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اکثریت کے ہاتھ میں ہے، اس لئے جس صورت سے بل پیش کیا جاتا ہے اس سے بدتر صورت میں پاس ہوتا ہے، چنانچہ خلع بل جس صورت سے پاس ہوا ہے وہ سب کے سامنے ہے کہ حاکم مسلم کی شرط جو اس بل کی جان تھی حذف کر دی گئی، اور سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ خود مسلمان ہی بوجہ جہل کے مخالف ہو جاتے ہیں، اور احکام شرع میں رائے زنی کرتے ہیں، کہ اس قید کی کیا ضرورت ہے؟ ج؛ اموال باطنہ کی زکوٰۃ میں خلیفۃ المسلمین و امیر المؤمنین کو بھی جبر کا حق نہیں، یہ بل ان میں بھی جبر کا حق دیتا ہے۔

د؛ اموال ظاہرہ میں خلیفہ و امام کو حق جبر ضرور حاصل ہے، مگر اس کو عشر یا ربع عشر سے زیادہ مسلمانوں سے وصول کرنے کا حق نہیں، یہاں کافر حکومت پہلے ہی سے زمینوں پر لگان اور تجارتوں پر ٹیکس وصول کر رہی ہے، اور اب کانگریسی حکومت رات دن مسلمانوں کو پیسنے کی فکر میں لگی ہوئی ہے، اگر اس کو عشر اور ربع عشر کے وصول کا حق بھی دیدیا گیا اور اس کی تشخیص بھی اس کے ہی ہاتھ میں رکھی گئی، جیسا کہ بل میں ظاہر کیا گیا ہے تو مسلم مزارعین اور مسلم تجارت پر وہ جتنا بار ڈالیں گے ظاہر ہے۔

ه؛ زکوٰۃ کی رقوم میں سے د فی صد گورنمنٹ کے عاملین کے لئے رکھا گیا ہے جس میں کچھ تصریح نہیں کہ وہ عاملین مسلمان ہی ہوں گے، یا مسلم و غیر مسلم دونوں ہو سکتے ہیں، شق ثانی میں یہ حصہ زکوٰۃ کا غیر مصرف میں جائے گا۔

و؛ زکوٰۃ کا ۲۰ فی صد دیگر اغراض کے لئے رکھا گیا ہے اس کی کوئی تصریح نہیں کی گئی، کہ کن مصارف میں صرف ہوگا، صرف کرنے والے مسلمان بھی ہوں گے تو مسائل سے ناواقف ہوں گے نہ معلوم کہاں کہاں صرف کریں اور مسلمانوں کی زکوٰۃ برباد ہو، اس طرح ۱۰ فی صد بطور سرمایہ محفوظ رکھا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ زکوٰۃ دینے والوں کی پوری زکوٰۃ ہر سال ادا نہ ہوگی، بلکہ اس کا کچھ ادلے رہ جائے گا۔

ز؛ افسر شخص کا مسلم ہونا تو بل میں مصرح ہے، مگر اس کے فیصلہ کی اپیل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے یہاں رکھی گئی ہے، جس کا مسلم ہونا شرط نہیں کیا گیا، اگر وہ غیر مسلم ہو تو اس کے فیصلہ سے زکوٰۃ کا جو حشر ہوگا ظاہر ہے۔

ح؛ انجمنوں کے اور رائن کے بیت المال کے معائنہ کے لئے جوائن سپکٹر اور ان انسپکٹروں کے

تقرر کا اختیار گورنمنٹ کو دیا گیا ہے، اس میں بھی یہ تصریح نہیں کہ وہ انسپکٹر مسلم ہوں گے یا غیر مسلم بھی ہو سکتے ہیں، شق ثانی میں اُن کی خواہ جو زکوٰۃ کی مدد سے دی جائے گی، وہ محض برتا ہوگی، اور کافروں کو مسلمانوں کی زکوٰۃ اور بیت المال پر جو حق تصرف ہوگا وہ جدا رہا، اس آئندہ جو کچھ خرابیاں پیدا ہوں گی وہ احکام وقت کے حالات سے باخبر طبقہ پر مخفی نہیں۔

ط؛ وزیر اوقاف اور افسر شخص اگر نام کا مسلمان ہو اور عقیدہ قادیانی یا اور کسی فرقہ کا ہو اور جو عامہ مسلمین کے نزدیک مسلمان نہیں بلکہ مرتد ہی، اور پورے مسائل سے سب ہی ناداقت ہوں گے، تو اس کے برائے نام اسلام سے بجائے نفع کے ضرر کا اندیشہ ہی، اس خطرہ سے حفاظت کی کیا سبیل ہے؟

ی؛ خلیفہ اسلام جو عالمین کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر کرتا ہے، چونکہ خلیفہ تمام مسلمانوں کا نائب ہی جن میں فقراء بھی داخل ہیں تو خلیفہ یا اس کے عالمین کے ہاتھ میں زکوٰۃ پہنچنے ہی ارباب اموال کے ذمہ سے ادا ہو جاتی ہے، گویا فقراء کے ہاتھ میں پہنچتی مگر حاکم غیر مسلم یعنی غیر مسلم گورنمنٹ کا شرعی حکم نہیں اس کے یا اس کے عالمین کے قبضہ میں زکوٰۃ پہنچنے سے فوراً ادا ہونا شرعاً باطل ہے، پس اگر کوئی شخص زکوٰۃ ادا کر کے مر گیا، اور اس کی زکوٰۃ ابھی تک مصروف میں صرف نہ ہوئی تھی تو وہ رقم ورثہ کی طرف منتقل ہو کر ترکہ میں داخل ہوگی، اور اس کو مصارف زکوٰۃ میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا، اس کا کوئی حل اس بل میں نہیں۔

الغرض جب تک باقاعدہ اسلامی حکومت نہ ہو زکوٰۃ کا انتظام غیر مسلم حکومت کے ذریعہ سے نہیں کیا جاسکتا، اس کی واحد صورت یہی ہے کہ گورنمنٹ مسلمانوں کو اجازت دے کہ وہ اپنا ایک حاکم مسلم مقرر کر لیں جس پر گورنمنٹ کا ویسا ہی اقتدار ہو جیسا والیان ریاست پر ہوتا ہے، اندرونی نظم و نسق میں وہ بالکل آزاد ہو، پھر حاکم مسلم زکوٰۃ کو قاعدہ شرعیہ کے موافق وصول کرے تو یہ صورت جائز ہے۔

آپ نے اس بل کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے ہندوؤں کے کھاتہ پن کا تذکرہ کیا ہے، مگر ہندوؤں کا کھاتہ پن گورنمنٹ کے قانون کی طاقت سے نہیں چل رہا بلکہ خود ہندوؤں کی قومی طاقت سے چل رہا ہے، اگر مسلمان بھی اپنے یہاں کوئی خیراتی فنڈ ایسا قائم

کریں جو قومی طاقت سے چلے تو یہ ایک مفید صورت ہوگی، اور ہم خوشی کے ساتھ اس کی تائید کریں گے۔

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں اس وقت دن فی صد زکوٰۃ دینے والے ہوں گے مگر غالباً یہی اوسط نماز پڑھنے والوں کا ہے، تو کیا کل کو نماز کے لئے بھی کوئی قانون بنوایا جائے گا، اور غالباً جج کرنے والے تو اس سے بھی بہت کم ہوں گے، تو کیا جج کیواسطہ قانون بنوایا جائے گا؟ اگر نہیں تو زکوٰۃ ہی کے لئے قانون بنوانے کی کیا ضرورت ہے؟ دراصل ضرورت اس کی ہے کہ مسلمانوں کو احکام دین سے واقف کیا جائے، مذہبی تعلیم کو عام طور سے رواج دیا جائے، تبلیغ کی طرف پوری توجہ کی جائے، مسلمانوں کو نماز اور زکوٰۃ، روزہ اور حج اور تمام احکام کی ضرورت سے مطلع کیا جائے، ایسی انجمنیں قائم کی جائیں جن کا فریضہ تبلیغ احکام ہو، جن کا کام مسلمانوں میں مذہبی روح پیدا کرنا ہو، جس دن قوم میں مذہبی بیداری پیدا ہو جائے گی وہ ہندوؤں کے کھاتہ پُٹن سے بہتر نظام قائم کرے گی، اور اگر مذہب اور احکام مذہب سے یہی غفلت رہی جو اس وقت ہے تو زکوٰۃ بل بھی کچھ مفید نہ ہوگا، بلکہ بجائے مصارفِ خیر کے گورنمنٹ کا عملہ اور افسر شخص یا وزیر اوقاف کا خاندان اس بیت المال کو رقمہ تر سمجھ کر ہضم کر جائے گا، اور مسلمان دیکھنے کے دیکھتے رہ جائیں گے، جس چیز کی ضرورت ہو کہ مسلمانوں کو حقیقی معنی میں مسلمان بنایا جائے، اور اس کی سہل صورت یہ تھی کہ مسلمانوں کا ادباً طبقہ جو علمی اور مالی اعتبار سے بڑا ہے وہ دین کی طرف توجہ کرتا، خود دیندار بنتا اور دوسروں کے لئے نمونہ ہوتا، جس سے اعلیٰ درجہ کی تنظیم ہو جاتی، اس سے تو سب دُور بھاگتے ہیں اور بجائے اس کے اپنی عبارات تک گورنمنٹ کے ہاتھ میں دیتے جا رہے ہیں جس کا انجام نہایت ہی خراب ہے، ظفر احمد والسلام۔

باب زکوٰۃ مال التجارۃ

کتاب تجارت میں زکوٰۃ کا حکم [سوال (۱) میں نے دو سو پچپن روپے خرچ کر کے ۱۵۵۵ کتاب چھپوائیں اور فروخت کے لئے دکان دار کے پاس رکھ دیں (ابھی) میرے ہاتھ میں رتھ پیسہ کچھ بھی نہیں) ختم سال پر مجھ کو ۴۵۵ روپے ملیں گے، پھر وہی ۴۵۵ روپے بھی دوسری بار کتاب چھاپنے میں خرچ کیا جائے گا، میرا کچھ اور مال متاع نہیں ہے، پس مجھ پر زکوٰۃ واجب

ہے یا نہیں؟

الجواب: آپ پر زکوٰۃ واجب ہے اور مال تجارت کی زکوٰۃ کے لئے روپیہ پیسہ ہاتھ میں ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ مال تجارت کا موجود ہونا اور اس پر سال گزرنا شرط ہے، پس جب وہ ۱۰۰۰ کتابیں آپ کے پاس موجود ہیں، اور ان پر سال گزر گیا تو ابھی ایک ہزار میں سے ۲۵ عدد کتابیں زکوٰۃ میں نکال دی جائیں، یا ۲۵ کتابوں کی قیمت دیدی جائے جو آسان ہو اور النفع للفقراء ہو، واللہ اعلم، ۱۲ رمضان ۱۴۲۵ھ۔

بَابُ صَدَقَةِ السَّوَامِ

سوال (۱): ایک شخص زمین کے پاس کچھ بکریاں بھی ہیں، سرکاری اور زمیندار کی زمین میں ان کے خزانے کا حکم کیا نہیں؟

الجواب: بکریاں اگر چالیس یا اس سے زیادہ ہوں تو سال گزر جانے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر بکریاں محض کھانے کے واسطے نہیں پالتا بلکہ اصل مقصود مال کا بڑھانا ہے، گو طبعاً کبھی کبھی لیتا ہو جس کا مفصل بیان کتب فقہ میں موجود ہے، خواہ وہ اپنی زمین میں چراتا ہو یا سرکاری زمین میں یا زمیندار کی زمین میں، سب صورتیں برابر ہیں، البتہ اگر چالیس سے کم ہوں تو زکوٰۃ واجب نہیں۔

سوال ۲: ایک شخص کے پاس بکریاں ہیں، دوسو، مگر زمین نہیں، ایک انگل، سرکاری زمین میں یا زمینداروں کی زمین میں چرا کر لاتا ہے، بازار میں دودھ بیچ کر گذر کرتا ہے، اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: سرکاری اور زمیندار کی زمین میں چرانا درست ہے، بشرطیکہ کھیتوں اور درختوں کا نقصان نہ کرے، خود رو دکھاس یا پتے چراتے، اور جس شخص کے پاس دوسو بکریاں ہیں اور وہ دودھ بیچ کر گذر کرتا ہے اس کا مقصود بکریوں کے پالنے سے کیا ہے، آیا صرف دودھ بیچنے ہی کے واسطے بکریاں پالتا ہے، یا مقصود مال کا بڑھانا ہے، اور بکریوں سے بچے لینا اور تبعاً دودھ سے بھی نفع حاصل کر لیتا ہے، ان دونوں باتوں میں سے جو مقصود ہو اس کو واضح لکھا جائے تو جواب دیا جائے گا۔

سوال ۳: چند زمیندار آپس میں ایک دوسرے کی زمین میں ڈنگر بکریاں چرا لیتے ہیں آپس کی رضامندی سے عام رواج سے یہ کیسا ہے؟

الجواب: جائز ہے، بشرطیکہ کھیتوں اور درختوں کا نقصان نہ کرے، ۱۸، رمضان ۱۳۲۲ھ
 علوٰۃ اور تجارتی مویشی پر سوال (۲) زید کے پاس ایک سو علوفہ بھینسیں ہیں، جن کا دودھ
 وجوب زکوٰۃ کا حکم فروخت کرتا رہتا ہے، اور جب کبھی ان بھینسوں میں سے کسی بھینس
 کا دودھ کم ہو جاتا ہے تو معا بھینس کا خسارہ برداشت کرتے ہوئے اگر چار سو کی بھی ہو تب
 بھی ایک سو یا کچھ کم و بیش سے قصابوں کو فروخت کر دی جاتی ہے، اور فوراً اگر اس کی جگہ پر
 دوسری بھینس خرید کر کے ایک سو کی تعداد پوری کر لی جاتی ہے، چھ یا سات ماہ کے بعد
 ہر ایک بھینس کا دودھ کم ہو جانا لایم ہے، اور دودھ کم ہونے پر اسے فروخت کر دیتا
 اور اس کے قائم مقام دوسری رکھ چھوڑنا بھی ضروری ہے، غرض کہ کامل سال کسی بھینس پر
 بھی نہیں گزرتا، بلکہ مرقومہ بالا صورت سے فروخت ہوتی رہتی ہیں اور نئی آتی رہتی ہیں۔
 زید روزانہ اپنا حساب اس طور سے کرتا رہتا ہے کہ روزانہ جس قدر آمدنی ہوتی ہے اس
 میں سے خرچ شدہ رقم کے علاوہ ہر ایک بھینس کے عوض میں ایک روپیہ کا تیار ہوتا ہے،
 اور اسی ایک روپے کے عوض میں بھینس کو روزانہ ایک روپیہ کم قیمت کی سمجھا رہتا ہے، مثلاً
 ایک روز دودھ مال ۵ روپیہ کا فروخت ہوا تو ان میں سے سو خرچ کے نکال دیتے
 اور ایک سو روپے ہر ایک بھینس کی قیمت میں سے ایک ایک کاٹا ہوا الگ خرچ میں لیا گیا تو گویا
 کل مال روپے خرچ ہو کر ۵۰ سالم بچے، ان کو اس روز کا نفع تصور کرتے ہوئے حساب میں
 لاتا ہے، اور بھینس کی قیمت میں سے کم کرنے کی مثال یہ ہے کہ مثلاً تین سو روپے کی ایک بھینس
 دودھ فروخت کرنے کے لئے آج خرید کی، تو آج ہی سے اس کی قیمت میں سے ایک روپیہ
 کم کرتے ہوئے وہ بھینس مال ۱۹۹ کی تصور کی گئی، علیٰ ہذا القیاس ایک روپیہ روزانہ اس
 کی قیمت میں سے کم سمجھا رہا، حتیٰ کہ دو سو دنوں کے بعد دو سو روپے کم تصور کرتے ہوئے بھینس
 صرف ۵ روپے کی تصور کی گئی، اور دودھ کم ہونے پر ۵ روپے میں قصاب کو فروخت کی گئی
 اور اپنے دل کو طفل تسلی کے طور پر یوں سمجھا لیا کہ ڈھائی سو کی بھینس گویا ڈھائی سو ہی میں
 فروخت کی گئی، اب جو اس کی جگہ پر نئی بھینس خریدی جائے گی اس کے لئے پچاس روپے تو
 یہ بھینس کی قیمت کے وصول شدہ موجود ہیں، اور دو سو ایک ایک روپیہ روزانہ قیمت میں

کم کئے ہوئے اور آمد میں سے کاٹ کر خرچ میں لئے ہوئے موجود ہیں، تو اس صورت سے کاٹنے سے کیا علوفہ بھینس تجارت کی بن جاتی ہے؟ بینوا، توجروا۔

ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ دودھ فروخت کرنے کی وجہ سے یہ کُل علوفہ بھینس مال تجارت بن چکیں، فلہذا ان پر زکوٰۃ واجب ہے، حالانکہ متون میں سے کسی کتاب سے بھی علوفہ پر زکوٰۃ ثابت نہیں ہے، بلکہ تمام میں نفی موجود ہے، صاحب درمختار وجوب زکوٰۃ کے لئے نیت تجارت کو شرط قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، ولا فی الحوامل وعلوفۃ ما تکن العلوفۃ للتجارۃ، جلد دوم۔

صاحب ہدایہ علوفہ پر عدم وجوب زکوٰۃ کی علت بایں طور تحریر فرماتے ہیں کہ لان فی العلوفۃ تراکما الثؤنۃ، صورت مسئلہ میں تو ہجوم مؤنت و نفقات کا یہ عالم ہے کہ طویلہ کا کرایہ الگ دیا جاتا ہے اور بھینسوں کی خدمت کے لئے جو نوکر رکھے جاتے ہیں ان کو تنخواہیں الگ دی جاتی ہیں، اور دونوں وقت صبح و شام بھینسوں کو چارہ بانٹا الگ دیا جاتا ہے، فقہاء نے چوپاؤں میں علت وجوب زکوٰۃ نمونہ کو قرار دی ہے، کہ نما خواہ حقیقۃً ہو خواہ حکماً، لیکن زید کی نیت اپنی موجودہ بھینسوں کے متعلق بھی اور آئندہ جو خرید کرے گا ان کے بارے میں بھی یہ ہوتی ہے کہ جب کبھی کسی بھینس کا دودھ کم ہو جائے گا تو خسارہ برداشت کرتے ہوئے چارٹو کی بھینس بھی سویا سوا سو تک قصابوں کو فروخت کر ڈالوں گا، تو اس صورت میں بایں طور نیت کرنے سے نہ مانہ تو حقیقی پایا گیا، اور نہ حکمی، پھر کیا یہ نیت وجوب زکوٰۃ کے لئے مؤثر ثابت ہوگی یا لغو جائے گی؟

حضرت مولانا مولوی مفتی محمد حسین صاحب صدر المدرس مدرسہ راندیر تحریر فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں زکوٰۃ واجب نہیں، درمختار کی یہ عبارت اس کے لئے شاہد ہے کہ ولو فی التجارۃ بعد العقد او اشترى شیئاً للفقیرۃ ناریاً بانہ ان وجد ریحاً باع لان زکوٰۃ علیہ، جلد دوم قبیل باب السائمتہ۔

لیکن مولوی صاحب موصوف اسے تسلیم نہیں کرتے، براہ کرم ان تمام امور کو مد نظر رکھتے ہوئے جواب مع حوالہ کتب محقق مدلل تحریر فرماتے ہوئے عند اللہ ماجور ہوں۔
سوال ۷، جوہرۃ نیرہ مطبوعہ خیرہ جلد اول صفحہ ۱۲۰ میں سائمتہ کے متعلق قولہ والسائمتہ الخ کے تحت میں درج ہے کہ لان اصحاب السوائمت قد لا یجدون بدامن

ان یعلفوا سوانئهم فی بعض الاوقات فیجعل الاقل تابعاً للاکثر ثم هذا الذی ذکره من الاسامة فی حق ایجاب زکوٰۃ السوانئ انما یتضح ان لو كانت الاسامة للذر والنسل اما اذا كانت للتجارة او للحمل والركوب فلا تجب فیها الزکوٰۃ اصلاً، یہ عبارت کسی اور کتاب میں نہیں ہے، لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ عبارت صحیح ہے یا غلط؟ بینوا توجسروا۔

الجواب وهو الموفق للصواب؛ یہ بات تو ظاہر ہے کہ جب وہ بھینسیں علوفہ میں تو ان پر زکوٰۃ سوانئ واجب نہیں، اور درمختار کی عبارت دلائل العوامل وعلوفہ میں زکوٰۃ سوانئ ہی کی نفی ہے، ونیز جوہرہ نیزہ کی عبارت مرقومہ بالا یعنی اما اذا كانت للتجارة او للحمل والركوب فلا تجب فیها الزکوٰۃ اصلاً، میں زکوٰۃ سوانئ ہی کی نفی ہے، اور درمختار کی عبارت مذکورہ ولو نوى التجارة بعد العقد الخ سے معلوم ہوا کہ اگر فروخت کرنے کا حتی قصد نہیں ہے تو علوفہ میں زکوٰۃ تجارت بھی واجب نہیں۔

اب رہی یہ بات کہ زید کی نیت مذکورہ فی السؤال حتی نیت ہی یا نہیں اور دودھ فروخت کرنا بھی تجارت مواشی ہے یا نہیں، سو بظاہر یہ نیت بیع مواشی کی حتی نہیں اور نہ تجارت لبن کو تجارت مواشی کہہ سکتے ہیں، لہذا زکوٰۃ تجارت ان بھینسوں پر نہ ہوگی، واللہ اعلم
عبدالکریم عفی عنہ۔ ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

باب عشر الخراج

مسجد کی زمین پر عشر کا حکم | سوال (۱) کیا وقف زمین متعلق مسجد پر عشر ہے؟
الجواب؛ زمین وقف متعلق مسجد پر بھی عشر ہے، قال فی العالمگیریہ وکذا ملک الارض لیس بشرط للوجوب لوجوبہ فی الاسراضی الموقوفة ام (ص ۱۹۱ ج ۱)۔
۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ۔

زمین عشری اور خراجی کی تعریف | سوال (۲) ما زمین عشری کی تعریف کیا ہے اور زمین خراجی کس کو کہتے ہیں، اور دوسرے سوال میں جو جزئیات مرقوم ہیں وہ عشری ہیں یا خراجی؟
علا؛ لاخراج بازیافتی اس زمین کو کہتے ہیں جو نصاریٰ کے تسلط کے قبل لاخراج تھی،

اور اس میں خزانہ وغیرہ دینا نہیں پڑتا تھا، جب اُن کا غلبہ ہوا اور مالک زمین لاخراج ہو گیا کوئی ثبوت نہ دے سکا تو سرکار نے کچھ خزانہ و ٹیکس معسر کر کے مالک زمین کو وہ زمین واپس کر دی ہے ۴، نیا باد اس زمین کو کہتے ہیں جس کو رعایا نے گورنمنٹ سے میعاد ہی اجازت لیکر آباد کیا، اور جو خزانہ سرکار نے اس پر معسر کیا وہ ادا کرتا ہے، اور جب میعاد اجازت ختم ہو جاتی ہے گورنمنٹ خزانہ وغیرہ بڑھا دیتی ہے، اگر وہ لوگ زیادتی کو قبول کریں تو زمین ان کے پاس بحال رہتی ہے، ورنہ جو اس پر راضی ہو اس کو دیدیتے ہیں۔

۵۔ طرفہ دوسری قسم کی زمین والوں سے سرکار نے بوجہ ضرورت کے ایک روپیہ خزانہ کے مقابلہ میں دس روپے لیکر انھیں قاعی بندوبستی دیا، اور اُن سے وعدہ کیا کہ میں اُس زمین کو تم لوگوں سے لے کر دوسروں کو نہ دوں گا۔

۶۔ در رعایتی اس زمین کو کہتے ہیں جس کو زمینداروں نے سرکار سے خزانہ پر بندوبستی کر کے رعایا کو میعاد بندوبستی دیا بعض سے کچھ نذر وغیرہ لے کر بعض کو یوں ہی مثلاً ۹ سال کے لئے بندوبستی دیا اور ان سے وعدہ کیا میں یہ زمین تم لوگوں سے واپس نہ کروں گا، لیکن زمیندار اگر ان سے واپس کرنا چاہیں رعایا کو رکھنے کی کچھ قدرت نہیں۔

۷۔ زمین خراجی میں جو غلہ ایک سال کی خوردپوش سے زائد پیدا ہوتا ہو اس کی زکوٰۃ دینا واجب ہے یا نہیں، بر تقدیر اول اس کا حکم مال تجارت کی طرح ہے یا نہیں ؟

الجواب : (۱) الارض العشرية مافتحها المسلمون عنوة وقسموها بين الغانمين او اسلم اهلها برضاهم واقروا عليها ولم يملكها كافر منذ فتحوها الى الان، والخراجية مافتحوها صلحا واقرا اهلها عليها او كانت عشريه فملكها كافر في وقت۔

(۲) یہ زمین عشری ہے، (۳) یہ زمین خراجی ہے (۴) یہ بھی خراجی ہے، (۵) اگر وہ زمین پہلے سے مسلمانوں ہی کے قبضہ میں تھی تو عشری اور اگر کسی وقت بعد قبضہ اہل اسلام کے کسی کافر کی ملک میں آچکی ہے تو خراجی ہے، اور اگر مسلمانوں کے قبضہ میں اس وقت ہے اور پہلے کسی کافر کے قبضہ میں آنا معلوم نہیں تب بھی عشری ہے، (۶) زمین خراجی یا عشری کی پیداوار زائد میں کوۃ نہیں البتہ پیداوار کو فروخت کر کے جو رقم جمع کی جاوے، اگر وہ ضرورتاً اصل سے ضائع ہو تو بعد حوالان حوال کے اس میں زکوٰۃ ہوگی۔ ۸ رجب ۱۴۲۵ھ۔

انگریزی حکومت کو مالگزاری سوال (۳) زمینداری میں یہ ہے کہ چالیسواں حصہ غلہ سے زکوٰۃ دینے سے عشر ادا نہ ہوگا دیا جاتا ہے، عشر نہیں دیا جاتا ہے، صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ جب کہ اس زمین کی مالگزاری (جیسا کہ اس زمانہ میں ہے) اگر نہ دی جاوے اُس وقت عشر ہوگا، اس وقت زمین کی ہم گورنمنٹ کو مالگزاری دیتے ہیں، تو اس وقت میں عشر یا چالیسواں حصہ ساقط ہو جانا چاہئے، کچھ زکوٰۃ نہ آنا چاہئے؟

الجواب؛ انگریزوں کو مالگزاری دینے سے عشر ادا نہ ہوگا، اگر زمین عشری ہے تو عشر کا ادا کرنا لازم ہے، زمین کی پیراوار میں زکوٰۃ نہیں بلکہ عشر ہی واجب ہے، ۸ رجب ۱۳۸۷ھ۔ ارض حربی میں عشر و خراج کا واجب نہ ہونا سوال (۴) ایک شخص کے پاس ہزار بیگہ زمین ہے، اور چھ آنہ بیگہ سرکار میں بھرتا ہے، باقی پھر کچھ کاشت کرتا ہے، کچھ دوسرے لوگوں کو عہدہ بیگہ مال لے کر دیتا ہے، وہ اس میں کھیتی کرتے ہیں، کچھ تہائی چوتھائی حصہ بٹائی پر دیتا ہے، وہ لوگ کاشت کرتے ہیں، اگر نہر کا پانی دیتے ہیں تو اس کا الگ مال دیتے ہیں، کنویں کا دیتے ہیں تو خود دیتے ہیں، بعض بارش کے پانی سے کھیتی کرتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ جس کی زمین ہے وہ کیا زکوٰۃ نکالے یا نہیں، اور نکالے تو کس قدر نکالے، دسواں یا بیسواں یا چالیسواں، روپیہ سے یا جنس سے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ انگریزی میں جو زمیندار ہیں اُن پر زکوٰۃ فرض نہیں، یہ مسئلہ کیسے ہے اور جو لوگ دوسرے زمیندار کی زمین لے کر کھیتی بیچتے ہیں، بتفصیل مذکور الصدر تو ان پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس قدر اور روپیہ سے یا جنس سے؟

الجواب؛ قال فی رد المحتار تحت قول الدر فی تعریف الرکاز وجدہ مسلم او ذہبی فی ارض خراجیۃ او عشریۃ ما نصہ قال فی فتح القدیر قید بالخراجیۃ والعشریۃ لیخرج الذارفانہ لا شیء فیہا لکن ورد علیہ الارض التي لا وظیفۃ فیہا کالمفاز اذ یقتضی اَنہ لا شیء فی الماخوذ منها و لیس کذلک فالصواب ان لا یجعل ذلک لقصد الاحتراز و اقول یمکن الجواب بان المراد بالعشریۃ والخراجیۃ ما تکرر وظیفۃ ہما العشر والخراج سواء کانت بید احداء، ولا تشمل المفازۃ وغیرہا بدلیل ما قد مناه عن الخانیۃ من ارض الجبل عشریۃ فیکون المراد الاحتراز بہما عن دار الحرب و یدل علیہ اَنہ فی متن در البجار عبر بعدن غیر الحرب فعلم ان المراد معدن ارضنا ولہذا قال القہستانی بعد قوله فی ارض خراج او عشر

الاخصر فی ارضنا سوا و كانت جبلاً او سهلاً مواتاً او ملکاً واحترز به عن داره وارضه وارض الحرب ام ثم رأيت عين ما قلته فی شرح الشيخ اسمعيل حيث قال ويحمل ان يكون احترازاً عما وجد فی دار الحرب فان ارضها ليست ارض خراج او عشر ام (ص ۲ ج ۲) و فی العالمگیریه ثم هذه الدار رای دار الاسلام (۱۲) اذا صارت دار الحرب لو افتحها الامام ثم جاء اهلها قبل القسمة اخذوها بخير شي وبعد القسمة بالقيمة ولو افتحها الامام عادت الى الحكم الاول الخراجي يصير خراجياً والعشرى يصير عشرى ام (ص ۱۲ ج ۲) قلت فيه دلالة على ان ارض الاسلام اذا صارت دار الحرب لا تبقى خراجية ولا عشرية دل عليه قوله عادت الى الحكم الاول فافهم۔

ان عبارات کا مقتضی یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان کی زمین نہ خراجی ہے نہ عشری پس زمیندار پر زمین کی پیداوار میں کچھ واجب ہے، نہ کاشتکار پر و ایضاً نویدہ فی رد المحتار (ص ۳۸۷) تحت قول الدر کما یمنع لو وضع علیہ رای علی الحربی المستامن، الخراج بان الزم به واخذ منه عند حلول وقته لان خراج الارض کخراج الراس ام ونصہ: ای فی انه اذا التزمه صار ملتزماً المقام فی دارنا، بحرام، دل علی اختصاص الخراج بدارنا کالجزیة، قال الشامی ناقلاً عن السخسی ولا یتروک ان یرجع الی داره لان خراج الارض لا یجب الا علی من هو من اهل دار الاسلام ام (ص ۳۸۷ ج ۳) ۱۸ رمضان ۱۲۲۲ھ۔

ہندوستان کی زمینوں پر سوال (۵) اس ملک کی پیداوار پر عشر واجب ہے یا نہیں؟
 عشر واجب ہے یا کیا الجواب: روایات فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دار الحرب میں عشر واجب نہیں، لیکن اس ملک کے دار الحرب ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ عشر دیا جاوے، واللہ اعلم، احقر عبدالکریم عفا اللہ عنہ ۸ رجب ۱۲۲۲ھ
 الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۸ ربیع الثانی ۱۲۲۲ھ۔

دوب عشر و خراج کی سوال (۶) بندہ کے یہاں ۲۰ شعبان کو دس بنیں من روئی پک کر ایک صورت کا حکم آئی اور نصف سے زائد ابھی کھیت میں کچی ہے، وہ ۲۰ رمضان تک تمام آجائے گی، تو ۲۸ شعبان کو اگر زکوٰۃ کا حساب لگائے تو اس روئی پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، یا

اس کی قیمت کا اندازہ کر کے دینا واجب ہی یا نہیں، اور اگر زکوٰۃ واجب ہوگی تو جس قدر مکان میں آگئی اسی قدر پر واجب ہوگی یا جو کچی ہے اس پر بھی دینا ہوگا؟

الجواب، یہ روٹی تجارتی ہے، یا تجارتی نہیں، اگر اپنی زمین کی پیداوار ہے تو اس پر حوالان حول واجب نہیں، بلکہ جب پیداوار حاصل ہو جائے اسی وقت عشر یا خراج واجب ہے، اگر زمین عشری ہو یا خراجی، اور اگر تجارتی ہو تو سوال واضح لکھا جائے، ۲۰ رمضان ۱۴۲۸ھ۔

سوال (۷) ہمارے علاقہ کی زمین صرف بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہے حکومت کے لگان سے عشر ادا نہیں ہوتا کوئی نہر وغیرہ نہیں، لہذا گورنمنٹ کی طرف سے آبیانہ وغیرہ کچھ نہیں لگتا

صرف مطالبہ مال یعنی زر لگان بحساب مقررہ گورنمنٹ ہر شش ماہی لگ جاتا ہے، کیا یہ زر لگان عشر میں سے منہا کر لیا جاسکتا ہے، یا عشر پورا الگ دیا جائے اور گورنمنٹ کو مطالبہ الگ؟

الجواب، گورنمنٹ کے زر لگان سے عشر نہیں ادا ہو سکتا، ۱۰۸ ذیقعدہ ۱۴۲۸ھ۔

سوال (۸) ہمارے یہاں بہت فصل کچی کاٹی جاتی ہے، مثلاً جوار، کچی فصل کی کٹائی میں عشر ہے یا نہیں

نخود وغیرہ اور دانہ ان سے نہیں حاصل ہوتا، ایسی سبز کاٹی ہوئی فصل پر عشر ہے یا نہیں؟

الجواب، امام صاحب کے نزدیک اس پر بھی عشر ہے، جتنا کاٹا جائے اس کا دسواں حصہ نکال دیا جائے، ۱۰ ذیقعدہ ۱۴۲۸ھ۔

بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ

سوال (۱) جہاں گھوٹ نہ ملے اور آٹا نہایت گراں قیمت ہو صدقہ فطر کی ادائیگی میں دوسرے شہر کے بھاؤ کا اعتبار نہیں تو اگر دوسرا کسی اور شہر کے گھوٹ کے بھاؤ سے صدقہ فطر ادا کرے تو جائز ہوگا یا نہ؟

الجواب، دوسرے شہر کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا، اگر گھوٹ نہ ملے تو ایک صاع جو کی قیمت ادا کر دے، اور اگر کچھ نہ ملے تو تجارت سے پوچھے کہ اگر یہاں گھوٹ اس وقت ہوتا تو اس کا کیا بھاؤ ہوتا، اس کے حساب سے قیمت ادا کرے، واللہ اعلم، ۲۲ رمضان ۱۴۲۸ھ۔

سوال (۲) چاول فطرہ میں گھوٹ جو کی قیمت کے حساب سے صدقہ فطر غیر منصوص چیزوں میں قیمت کا اعتبار ہے مقدار کا نہیں دیا جائے گا یا ہر ایک کی مقدار مشروع کے حساب سے دیا جائے

سوال (۳) چاول فطرہ میں گھوٹ جو کی قیمت کے حساب سے صدقہ فطر غیر منصوص چیزوں میں قیمت کا اعتبار ہے مقدار کا نہیں دیا جائے گا یا ہر ایک کی مقدار مشروع کے حساب سے دیا جائے

چاول کا اصل کہیں ہی یا نہیں؟ فقط۔

الجواب؛ فطرہ میں چاول دینا جائز ہے، مگر وزن اس کا مقرر نہیں، بلکہ نصف صاع گندم کی جو قیمت ہو اتنی قیمت کے چاول دیوے یا قیمت ہی دیدے، کما فی الدر المختار ص ۱۲۲ ج ۲ ومالم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة فقط۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۰، سوال ۲۳۳ الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۰، سوال ۲۳۳۔

چاول اور دھان سے صدقہ | سوال (۳) ہمارے ملک بنگالہ میں گیہوں نہیں ہے، دھان ہے، فطر ادا کرنے کا حکم اور چاول ہے، اگر کسی نے روزہ کا فطرہ چاول سے یا دھان سے ادا کرنا چاہا تو ادا کر سکتا ہے یا نہیں، اور اگر ادا کر سکتا ہے تو کس طور پر حساب لگانا پڑے گا، گیہوں چار آنہ سیر اور چاول پونے تین آنہ سیر اور دھان دو آنہ سیر ہے، امید قوی ہو کہ ابدال آباد کے لئے ایک خلاصہ حکم فرما کر اطمینان فرمادیں؟

الجواب؛ نصف صاع گندم وغیرہ یا ایک صاع جو وغیرہ کی جو قیمت ہو اس قیمت کے جتنے چاول یا دھان آتے ہوں اتنے دیتے جاویں، فی الدر المختار مع الشامی ج ۲ ص ۱۲۲: ومالم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة اه احقر عبد الکریم عفی عنہ۔ الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۱، سوال ۲۳۳۔

صدقہ فطر میں موضع مال کی قیمت کا اعتبار | سوال (۴) ایک آدمی تھانہ بھون میں رہتا ہے، ہوگا یا صدقہ ادا کرنے کی جگہ کا اور یہاں کے گیہوں سیر چھ آنہ کر کے خرید کرتا ہے،

اور شہر تر آباد میں تاجر لوگ گیہوں چار آنہ کر کے خرید کرتا ہے، اس تقدیر پر جو آدمی تھانہ بھون کا رہنے والا ہے وہ اگر مراد آباد کے بھاؤ سے فطرہ ادا کرے تو ادا ہوگا یا نہیں، یا تھانہ بھون کے بھاؤ سے دینا ہوگا؟

الجواب؛ قیمت صدقہ فطر میں قیاس علی الزکوٰۃ کا مقتضی تو یہ ہے کہ موضع مال کی قیمت کا اعتبار ہو قال فی الدر یقوم فی البدن الذی فیہ المال ولو فی مغازة ففی اقرب المواضع الیہ اه (ص ۳۵ ج ۲) وفيه ايضا صدقة الفطر كالزکوٰۃ فی المصارف وفي كل حال الا فی جواز الدفع الی الذمی وعدم سقوطها بهلاك المال وقد مر اه (ص ۱۲ ج ۲) اور اس فرق پر نظر کی جائے کہ زکوٰۃ کا سبب وجوب مال ہے، اس لئے موضع مال معتبر ہوا، اور صدقہ فطر کا سبب وجوب اس ہے تو اس کا مقتضایہ ہو کہ صدقہ فطر

میں اُس جگہ کی قیمت کا اعتبار کیا جاوے جہاں متصدق وقت اداۓ صدقہ فطر کے موجود ہے،
والثانی راجح عندي نظراً الى العلة ولم اراه صريحاً في راجح، والله اعلم، ۲۴ رجب ۱۳۵۵ھ۔

ایک شخص ایک مسکین کو صدقہ فطر دے | سوال (۵) فتاویٰ امدادیہ میں ہے: وجاز دفع کل شخص
یا کئی مسکینوں کو دینا بھی جائز ہے | فطرته الى مسکین علی المذهب کما جاز دفع صدقہ

جماعة الى مسکین واحد بلا خلاف، اور عالمگیریہ جلد اول کتاب الزکوٰۃ میں ہے کہ
ويجب دفع صدقة فطر كل شخص الى مسکین واحد حتى لو فرقه على مسکینين او

اکثر لم يجز ويجوز دفع ما يجب على الجماعة الى مسکین واحد کذا في التبيين
ص ۱۲۴ ج ۱، پس ان دونوں قول میں کس کا قول مرتجح ہے، اور کس پر عمل کرے، اذلہ شریعہ
سے ارشاد فرماویں؟

الجواب؛ قال في الذر وجاز دفع كل شخص فطرته الى مسکین او مسکین
على ما عليه اکثر و به جزم في الولو الجبة والخانية والبدائع والمحيط وتبعهم
الزيلعي في الظهار من غير ذكر خلاف وصححه في البرهان فكان هو المذهب
كتفريق الزکوٰۃ والامر في حديث اغتوهم للشرب فيفيد الاولوية كما دفع
صدق جماعة الى مسکین واحد بلا خلاف يعتد به اه ص ۲۵ ج ۲۔

اس سے معلوم ہوا کہ فتاویٰ امدادیہ میں جو لکھا ہے وہی صحیح ہے، اور عالمگیریہ میں جو ایک
شخص کا صدقہ فطر ایک ہی مسکین کو دینا واجب اور تفریق کو غیر جائز لکھا ہے وہ قول ضعیف ہے
مبنی ہے، ہاں عمل میں اولیٰ وہی ہے جو عالمگیریہ میں ہے، گو اس کے خلاف بھی جائز ہے، واللہ اعلم۔
۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳۵۶ھ۔

سوال (۶) دیں دیار برہما زراعت گندم نیست،
جس جگہ گندم اور دوسری منصوص اشیاء | اگر بعض گندم قیمتش دادہ شود، پس قیمت گندم
موجود نہ ہوں وہاں صدقہ فطر ادا کرنا مکلف ہے | اگر بعض گندم قیمتش دادہ شود، پس قیمت گندم
وغیرہ منصوص علیہ کرام جا کردہ صدقہ فطر دادہ شود، از روئے ہر بانی رفع اشتباه فرمایند؟
الجواب؛ والمعتبر في الزکوٰۃ مکان المال وفي الوصیة مکان الموصی وفي
الفطرة مکان المؤدی عند محتمد وهو الاصح "در بل صرح في النهاية والعناية
بأنه ظاهر التروایة هو المذهب کما في البحر، شامی (ص ۱۱۲ ج ۲) وفي الدر
الضاو لو في مقارنة في اقرب الا مصار اليه، فتح (ص ۳۵ ج ۲)۔

جس شہر میں گندم نہ ہو اگر وہاں جو (شعیر) موجود ہو یا اور کوئی منصوص تو صدقہ فطر ایک صاع جو کی یاد دوسرے منصوص کی قیمت سے ادا کیا جائے، اگر گندم اور جو وغیرہ منصوص نہ ہوں تو اس شہر سے قریب تر شہر جو ایسا ہو جس میں گندم و جو موجود ہوں تو اس قریب تر شہر میں نصف صاع گندم یا ایک صاع جو کی قیمت جو کچھ ہو اس سے صدقہ فطر ادا کیا جائے، واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ

وزن صاع کی تحقیق | سوال (۷) صدقہ فطر جو کہ ہر شخص کے ذمہ نصف صاع گہیوں یا ایک صاع جو وغیرہ واجب بتلایا جاتا ہے، مگر یہ یقینی نہیں بتلایا جاتا کہ نصف صاع یا ایک صاع انگریزی تول کے حساب سے جو کہ انٹی تولہ کا ہوتا ہے، کیا ہونا چاہئے؟ بعض کہتے ہیں کہ احثا کے نزدیک ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے، مگر یہ معلوم نہیں کہ رطل کتنے وزن کا ہوتا ہے، اور کیا قیمت رکھتا ہے؟ بعض کا قول ہے کہ صاع انگریزی تول کے حساب سے ساڑھے تین سیر یا تین سیر دس چھٹانک کا ہوتا ہے، اور نصف صاع ایک سیر تیرہ چھٹانک یا ساڑھے بارہ چھٹانک یا ساڑھے نو چھٹانک یا دو سیر سچتہ بتاتے ہیں، اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ صاع اور نصف صاع کو حساب کی شکل میں لاکر بالتفصیل تحریر فرمایا جاوے تاکہ یقینی طور پر صاع اور نصف صاع کی بابت معلوم ہو جاوے کہ وہ انٹی تولہ کے حساب سے کتنے کا ہوتا ہے، بیٹو!

الجواب: درمختار میں صاع کا وزن ایک ہزار چالیس درہم لکھا ہے، اور درہم کے بارے میں اختلاف ہے، لیکن شرح وقایہ میں دس درہم کو سات مثقال کے برابر لکھا ہے اور مثقال کا صحیح وزن بقول غیاث اللغات ۲۰ ماشہ ہے، پس درہم ۳ ماشہ ۱۶ ارتی کا ہوا، رمظاہر حق میں بھی درہم کا یہی وزن لیا ہے اور صاع دو سو تہتر تولہ کا ہوا، جیسا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نے اپنی بیاض میں درج کر دیا ہے، اب اُن کے سیر ہر شخص اپنی اپنی علاقہ کے مطابق کر سکتا ہے، انٹی کے حساب سے نصف صاع پونے دو سیر کا ہوتا ہے، اور ہمارے علمائے کرام کا یہی قول ہے، مگر احتیاطاً پورے دو سیر ادا کرنے کے لئے فرمادیا کرتے ہیں، انٹی پر عمل کرنا چاہئے، اور دوسرے اقوال جو صاع کے متعلق ہیں ان کی بناء درہم کے وزن

۷ خاص کر اس وجہ سے کہ مذکور وزن ماش یا مسور کا ہی یعنی جس برتن میں دو سو تہتر تولہ مسور سماتی ہو اس میں گہیوں بھر کر دینا چاہئے اور ظاہر ہے کہ گہیوں کا وزن اور ماش و مسور کا وزن متفاوت ہے، ۸

۹ و نیز گہیوں خود ہلکی و بھاری ہوتی ہے، پس احتیاطاً دو سیر میں ہو تاکہ یقیناً صدقہ فطر ادا ہو جاوے ۱۲ منہ

میں اور خود صاع کے وزن میں کہ وہ کتنے درہم کا ہے) اختلاف ہوتا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔
فائدہ عظیمہ: حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے پاس ایک مدتھا جس کی سند
 حضرت زید بن ثابتؓ تک مسلسل ہے کہ حضرت زیدؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سے ناپ کر
 وہ منہ بنایا تھا، اُس منہ کو حضرت مولانا تھانوی مدظلہم العالی نے دو مرتبہ بھر کر وزن کیا تو انہی
 کے سیر سے پونے دو سیر ہوا تھا، جو حساب مذکورہ بالا کے مطابق ہے، والحمد للہ علیٰ ذلک جداً
 کثیراً کثیراً۔

نوٹ:، نصف صاع ۶ ماشہ، ۳۶ تولہ کا ہوا، اور چونکہ روپیہ ۱۱ ماشہ کا ہوتا ہے،
 اس واسطے ۲ رتی ۸ ماشہ تولہ کا اضافہ کر کے روپیوں کے حساب سے نصف صاع ۲ رتی ۲ ماشہ
 ۱۲ روپیہ بھر ہوتا ہے، کتبہ الاحقر عبدالکریم، ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ۔
 الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ۔

فطرہ اور حرم قربانی کی قیمت | سوال (۸) میرے محلہ والے لوگ اکثر قرضدار ہیں اور بعض
 میں تملیک شرط ہے | تو انگریز نہیں ہیں، اس لئے چاہتا ہوں کہ اپنے محلہ کی قربانیوں کے
 چمڑے اور روزوں کے فطرے ایک جگہ جمع کر کے ایک تحویل بنا کے اس کے روپے سے
 محلہ والوں کو نفع پہنچاؤں، خواہ نسبتاً بیع کے طریقہ پر خواہ قرض حسنہ کی روش پر تاکہ
 محلہ والے لوگ سودی قرض سے بچیں، شرعاً یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟
الجواب: یہ صورت جائز نہیں ہے، کیونکہ حرم قربانی کی قیمت اور صدقہ فطر کا
 بطور تملیک دینا ضروری ہے، اور صورت مذکورہ فی السؤال میں تملیک مفقود ہے، مک
 لا یخفی، واللہ اعلم، احقر عبدالکریم عفا عنہ، ۱۵ رمضان ۱۳۸۷ھ۔
 الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔

تحقیق مقدار صدقہ فطر | سوال (۹) مقدار صدقہ فطر بحساب بنگالہ کہ از دو از دہ ماشہ
 تولہ و از پنج تولہ چھٹانک و از شانزدہ چھٹانک یا ہشتاد تولہ سیر باشد چیست؟
الجواب: تقدیرش موقوف بر تحقیق صاع است، لما روی عن النبی صلی اللہ
 علیہ وسلم اذ و اصدقاکم الخ و در ان اختلاف کثیر است، لیکن بقول فقہائے محققین وزن
 صاع ۱۰۴۰ درم است، رکذا فی الدر المختار وغیرہ، و دہ درم از اہنا وزن ہفت مثقال
 رکذا فی الدر و شرح الوقایہ وغیرہما، و مثقال بقول صحیح چہار و نیم ماشہ (رکذا فی الغیاث)

پس از ۵۴۰ ادرم مبلغ ۳۲۷۶ ماشہ و بحساب مسئول از یک صاع ۲۷۳ تولہ باشد، چنانچہ در بیاض یعقوبی و مظاہر حق ہمیں حساب موجود است) و صدقہ فطر نصف صاع از گندم یک سیر و یازدہ چھٹانک یک تولہ شش ماشہ گردید (بوقتیکہ تولہ بوزن بارہ ماشہ گرفته شود) (چنانچہ در بیاض یعقوبی و مظاہر حق ہمیں حساب موجود است) لیکن علماء کرام یک سیر و یازدہ چھٹانک بلکہ برائے مزید احتیاط دو سیر ہم فرمودہ اند، واللہ اعلم و علمہ اتم واحکم، احقر عبدالکریم عفی عنہ، ۲۵/ شوال المکرم ۱۳۸۷ھ، الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ۔

غیر منصوص اشیاء سے صدقہ فطر ادا کرنے میں قیمت کا اعتبار ہر مقدار کا نہیں

سوال (۱۰) آفتاب دولت سراج ملکت جناب حکیم الامت دام ظلہ - السلام علیکم، بعد تمنائے قدسوس عرض خدمت اقدس یہ ہے کہ فدوی کو بوجہ کم علمی ذیل کے مسئلوں میں نہایت شک پیدا ہوا، لہذا امید واثق ہے کہ جواب بالمراد عطا فرما کر قلاح دارین بخشیں گے۔

۱۔ صدقہ فطر گیہوں اور جو وغیرہ کے علاوہ چاول جو ہمالیے ملک میں خاص غلہ ہر سال بسال انگریزی تول سے ڈھائی سیر بمقابل نصف صاع دینے سے ادا ہو گا یا نہ، یا ہندوستان سے گیہوں کا بھاؤ سال بسال دریافت کر کے اس کی قیمت کے مقابل جتنے سیر چاول آئے دینا ہو گا، یہاں کے بعض عالم یہ بتاتے ہیں کہ جس ملک میں جس غلہ کا زیادہ تر رواج ہے، اسی سے اوقات بسری ہوتی ہے، مذکورہ بالا مقدار پر دینے سے ادا ہو گا، اگر ہو یہ ہمالیے مذہب میں ہے یا نہ، مگر یہاں کی اصلی خوراک صرف چاول ہے۔

الجواب؛ قال فی التذکرۃ فی الفطرۃ مکان المؤتمدی عند محمد وهو الاصح ۱۴۸ وفيه ايضا وما لم ينص عليه كذرة ونخيل يعتبر فيه القيمة ام (ص ۱۲۲ ج ۲) جس ملک میں چاول کا رواج زیادہ ہو وہاں چاول کا نصف صاع ادا کرنے سے صدقہ فطر ادا نہ ہو گا، بلکہ نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا ایک صاع چھواریہ کی قیمت ادا کرنے سے صدقہ فطر ادا ہو گا، اور گیہوں کی ہندوستانی قیمت سال بہ سال معلوم کرنا معتبر نہیں، بلکہ بنگال ہی میں نصف صاع گیہوں کی جو قیمت ہو اس کا لحاظ لازم ہو گا پس یا تو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا ایک صاع چھواریہ ادا کیا جائے، یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت نقد یا اس قیمت کے برابر چاول ادا کئے جائیں۔

سوال ۱۱، کتاب صدقہ فطر میں جو ایک صاع مذکور ہے چاول اس کے مقابل

میں دو چند دینے سے انگریزی تول سے اس کی مقدار کتنی ہوگی؟

الجواب: اس سوال کی حاجت کیا ہے، نصف صاع کا وزن پونے دو سیر ہے، انشی کے سیر سے اس کا دو چند خود معلوم کر لیا جائے، لیکن اگر ایک صاع چاول بھی نصف صاع گیہوں کی یا ایک صاع جو و چھوڑہ کی قیمت کو نہ پہنچے تو صدقہ فطر ادا نہ ہوگا، ذلیقہ صدقہ فطر وصول کرنے کی غرض | سوال (۱۱) بعض لوگ کوشش کر رہے ہیں کہ جا بجا کمیٹیاں سے کمیٹیاں قائم کرنا قائم کر کے لوگوں سے صدقہ الفطر وصول کریں، اور اس کی

تقسیم کا انتظام کمیٹیاں کریں، آیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: آجکل کمیٹیوں کی جو حالت ہے اس سے یہ امید نہیں کہ صدقہ الفطر کو صحیح طور پر مصارف میں صرف کیا جائے گا، نیز یہ بھی اندیشہ ہے کہ کمیٹی والے مسلمانوں سے صدقہ الفطر جبراً وصول کریں گے، حالانکہ اس میں جبر کا کسی کو حق نہیں، اس لئے یہ صورت درست نہیں، ہر شخص جہاں چاہے اور جس کو چاہے اپنا صدقہ دے، یہی بہتر ہے، واللہ اعلم بالصواب
ظفر احمد عفا عنہ ۲۴ ج ۲۸۵، الجواب عن الصواب، اشرف علی عفی عنہ ۲۹ ج ۲۸۵

باب المصارف

سوال (۱۲) زید غریب مسکین ہے، مگر اس کی دختر ہونے کی صورت میں زکوٰۃ لینے کا حکم

مرحومہ کا زہر مثلاً ہزار دو ہزار روپے زید کے داماد کے ذمہ واجب ہے، جو کہ نالاش کرنے پر ممکن ہے وصول ہو جائیں اور ممکن ہے وصول نہ ہو سکیں مگر زید کا عزم نالاش کر کے وصول کرنے کا ہی معاف کرنے کا نہیں ہے۔

اور ایسے ہی بکرمفلس خستہ حال عیال دار ہے مگر اس کے نام ایک موضع ویران شدہ میں آراضی زرعی ہزار بیگہ ہے، جو کہ موضع ویران ہو جانے سے محض بیکار پڑی ہے، کچھ آمد نہیں، البتہ فروخت کرے تو کئی ہزار مل سکتے ہیں، تو ایسے دونوں شخصوں کو زکوٰۃ کا مال شرعاً جائز ہے یا نہیں، جواب باصواب معہ دستخط مرحمت فرمادیں؟

الجواب: صورت مسئلہ میں ان دونوں شخصوں کو زکوٰۃ لینا جائز ہے، مگر جس کے پاس افتادہ زمین ہے اس کو لازم ہے کہ اس کو فروخت کرنے کی کوشش کرے، اور جب تک خریدار نہ پیدا ہو زکوٰۃ کا مال لے سکتا ہے، قال فی الدائمہ مالوکان مالہ مؤجلًا او

علی غائب او معسر او بیاخذ ولولہ بنیتہ فی الاصح ام قال الشامی وفي الفتح دفع الی فقیرة لہا دین مہر علی زوجها یبلغ نصابا وهو موسر بحیث لو طلبت اعطاها لا یجوز وان کان لا یعطى لو طلبت جازا م ص ۹۹ ج ۲ ذکر فی الفتاوی فی من لا حوانیت ودور للغلۃ لکن غلتها لا تکفیه ولعیالہ انه فقیر ویحل لہ اخذ الصدقة عند محمد وعند ابی یوسف لا یحل ام ص ۱۰۳ ج ۲ شامی و لو کان لہ ضیعة تساوی ثلاثۃ الاف ولا یتخرج ما ینکفی لہ ولعیالہ اختلفوا فیہ قال محمد بن مقاتل یجوز لہ اخذ الزکوٰۃ عالمگیریہ ص ۲۲ ج ۱، ۲، ۳۔

تراویح سنائے والے کو اجرت میں | سوال (۲) میرے ملک میں بعض حافظ بعض مسجدوں میں رقم دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی | اجرت تراویح میں ستر آن سناتے ہیں، اور بعض کو بختم کے للہ وغیرہ کہہ کر دیتے ہیں، ایسے ملک میں جو حافظ اجرت و شبہ اجرت کو ناجائز بتاتے ہیں اگر اس کو مصلیوں نے صدقہ فطر و زکوٰۃ کہہ کر کچھ روپیہ پسیدیں، لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جو حافظ اجرت پر قرآن سناتے ہیں ان کو زکوٰۃ و فطرہ دینے سے واجب ذمہ سے ساقط نہ ہوگا، کیونکہ مال زکوٰۃ و فطرہ کا تصدق و تملیک مجانا ضروری ہے، اور یہاں اجرت میں دیا گیا، البتہ جو حافظ باجرت نہیں سناتے، بلکہ اجرت و شبہ اجرت کو ناجائز سمجھتے ہیں اگر وہ فقیر ہوں صاحب نصاب نہ ہوں ان کو زکوٰۃ و فطرہ کا روپیہ دینا جائز ہے، مگر یہ تصریح کر دینی چاہئے کہ یہ تم کو اجرت میں نہیں دیا گیا نہ تمہارا کچھ حق تھا، محض غریب سمجھ کر دیا گیا ہے، نیز جب ان حفاظ کے پاس قدر نصاب رقم جمع ہو جاوے اس کے بعد ان کو زکوٰۃ و فطرہ نہ دیا جاوے، ورنہ واجب ادا نہ ہوگا، الا ان یكون مدیوناً بقدر ما یحیط بہ مالہ فیصح فاہم، ۳ شعبان ۱۳۵۴ھ۔

بیوی، شوہر، باپ، بیٹے کو | سوال (۳) معروض اینکہ حضور فیض گنجور دریں دیار مسئلہ مذکور صدقہ و نذر دینا جائز نہیں | اختلاف افتاد، ولہذا بخدمت حضور عرض کنم تاکہ از ہنگام تنایع بہ خیر و دحق ظہور شود اقتداء ہنگام بر راتے حضورند، جناب از روی ہر بانی مسلمہ مرقومہ الذیل را بیان فرمودہ فیصلہ کنند کہ اگر زوج محتاج باشد زوجہ صدقہ و نذر خود را داون جائز است یا نہ، یا بالعکس، اگر پدر محتاج باشد پدر خود را صدقہ و نذر داون جائز است یا نہ یا بالعکس مسئلہ نذر فتاویٰ عزیزی از مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی جلد دوم صفحہ ۱۰۶

مرقوم است و مجموعہ فتاویٰ جلد دوم ص ۲۹۹ و جلد سوم ص ۲۳ از مولانا عبدالحی صاحب مرقوم است و بہشتی زیور حصہ سوم ص ۶۳ مرقوم است لیکن ہنگنان را ازین کتب مسئلہ مذکور با تصریح در فہم نمی آید لاجرم بخدمت حضور عرض نمایم، زیادہ والسلام۔

الجواب: فی العالمگیریۃ (ص ۱۲۱ ج ۱) ولایدفع الی اصلہ وان علا وفعہ وان سفل کذا فی الکافی ولایدفع الی امرأۃ لا اشتراک فی المنافع عاۃ ولا تدفع المرأة الی زوجها عند الی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کذا فی الہدایۃ وھکذا فی الدر وقال الشامی تحت قول الذر مصرف الزکوٰۃ الخ وھو مصرف لصدقة الفطر والكفارة والتذرو غیر ذلك من الصدقات الواجبة كما فی القہستانی، پس زوج و زوجہ و پدر و پسر را صدقہ نذر دادن جائز نیست، فقط

کتبہ عبدالکریم عفی عنہ ۸ جمادی الاول ۱۳۲۴م **الجواب صحیح** ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔
 زکوٰۃ کے روپیہ سے ضیافت کر کے | سوال (۴) زکوٰۃ کے روپے سے اگر ضیافت کر کے فقیروں کو کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی | کو کھلا دیوے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: فقیروں کو کھانا کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، البتہ اگر ان کو کھانا بطور ملک دید یا جاوے تو ادا ہو جاوے گی، کما فی الشامی (ص ۳ ج ۲) فلو اطعم یتیمًا نادیًا للزکوٰۃ لایجزیہ الا اذا دفع الیہ المطعوم کتبہ الاحقر عبدالکریم ۸ جمادی الاولی ۱۳۲۴م۔

کافر کو زکوٰۃ و دیگر صدقات واجبہ دینے کے متعلق | سوال (۵) بہشتی زیور مدتل و مکمل جلد سوم بہشتی زیور کے مسئلہ پر شبہ کا جواب | صفحہ ۲۴ مسئلہ نمبر ۸ میں بحوالہ در مختار ص ۶ ج ۲

مرقوم ہے کہ زکوٰۃ کا پلینہ کسی کافر کو دینا درست نہیں، مسلمان ہی کو دیوے، اور زکوٰۃ اور عشر اور صدقہ فطر اور نذر اور کفارہ کے سوا اور خیرات کا کافر کو بھی دینا درست ہے، در مختار میں دیکھا گیا تو یہ عبارت ملتی ہے۔

وجاز دفع غیرھا و غیر العشر والخارج الیہ ای الذمی ولو واجبا کذا در وکفارة و فطرة خلافاً للثانی و بقوله یفتی حاوی القدسی، اور شامی میں خلافاً للثانی کے تحت مرقوم ہے، حیث قال ان دفع سائر الصدقات الواجبة الیہ

عہ بقدر اس کھانے کے قیمت کے خواہ اس کی تیاری میں لاگت کم لگی ہو یا زیادہ ۱۲ از حفہ مولانا ظلم العالی۔

لا يجوز اعتبارا بالزکوٰۃ وصريح في الهداية وغيرها بان هذا رواية عن الثاني و
ظاهرة ان قوله المشهور كقولهما اور بقوله يفتي کے تحت میں ہے الذي في حاشية
الرملي عن الحاوي وبقوله ناخذ قلت ولكن كلام الهداية وغيرها يفيد ترجيح
قولهما وعليه المتن، ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف سے صرف ایک روایت
ہے کہ نذر و كفارة و دیگر صدقات واجبہ کافر کو دینا جائز نہیں ہے، مگر طرفین کے نزدیک اور خود
امام ابو یوسف کے نزدیک جیسا کہ دیہور وایت عنہ سے ظاہر ہے، زکوٰۃ کے علاوہ باقی تمام صدقات
واجبہ اور نافلہ کا دینا جائز ہے۔

اور بہشتی زیور کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ و صدقات واجبہ کے سوا کا دینا
جائز ہے، اور صدقات واجبہ نہیں دے سکتا، اب شبہ یہ ہو رہا ہے کہ متون اور طرفین رحمہما اللہ
کے خلاف بہشتی زیور میں کیوں درج ہوا، کیا کوئی دوسری دلیل ان سب دلائل پر فوقیت رکھنے
والی موجود ہے، اگر موجود تھی تو کیوں نہیں درج فرمائی گئی، اور اگر نہیں موجود ہے تو یہ دلائل
کیوں نظر انداز کر دیئے گئے، امید کہ شافی جواب سے تشفی بخشی جاوے؟

الجواب؛ چونکہ امام ابو یوسف کی وہ روایت مفتی بہ ہے جس میں نذر و كفارة کو زکوٰۃ
کے حکم میں داخل کیا ہے، چنانچہ سوال میں بقوله يفتي وبقوله ناخذ خود نقل کیا ہے، پس اس بناء
پر بہشتی زیور میں نذر و كفارة کو زکوٰۃ کے ساتھ درج کیا ہے، باقی یہ بات کہ متون کے خلاف
کیوں لکھا، اس کا جواب یہ ہے کہ متون کے خلاف اگر فتویٰ کی تصریح موجود ہو تو فتوے پر
عمل کیا جاوے گا، کما فی الشامی (ص ۴۲، ج ۱) اما لذكر مسئلة في المتن ولم يصحوا
بتصحيحها بل صرحوا بتصحيح مقابليها فقد افاد العلامة قاسم ترجيح الثاني
لانه تصحيح صريح وما في المتن تصحيح التزامي والتصحيح الصريح مقدم
على التصحيح الالتزامي، اور ہم کو فقہاء کی تصریح کے بعد وجہ تلاش کرنے کی چنداں ضرورت
نہیں، لیکن ان کی تصریح بالفتویٰ کے بعد اس کے کہنے کی جرأت ہو سکتی ہے، کہ امام ابو یوسف کی
روایت میں احتیاط ہی اس لئے وہی مفتی بہ ہے، کافر کو نذر وغیرہ دے کر ادا ہونا محتمل ہے، کما
ہو الظاہر، بلکہ ہندوستان میں تو طرفین کے قول کو لے کر بھی نذر وغیرہ صدقات واجبہ نہ دینا
چاہتے، کیونکہ طرفین کے نزدیک بھی ہر کافر کو دینا جائز نہیں، بلکہ ذمی کی قید ہے، جیسا کہ سوال
کی عبارت میں موجود ہے، و نیز در مختار ہی میں عبارت مذکورہ فی السؤال کے بعد ہے: واما

واما الحربی ولو مستامًا فجميع الصدقات لا تجوز له اتفاقا بحر عن الغایہ
 (شامی ص ۱۰۸ ج ۲) اور ہندوستان کے کفار کا ذمی ہونا مختلف فیہ ہے، ہاں اسخ لی
 واللہ اعلم بالصواب، کتبہ الاحقر عبد الکریم ۶ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ۔

زکوٰۃ اپنے لڑکے کو دینے سے ادا نہیں ہوتی | سوال (۶) خالدا اپنے مال کی زکوٰۃ خود نکالتا ہے اس
 زکوٰۃ کا پیسہ سے اپنے لڑکے کے لئے کتابیں خرید دیتا ہے، آیا یہ زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں، اور یہ
 لڑکا حقیقی اور شامل حال ہی، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، کیونکہ اولاد والدین و زوجین
 زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہیں، واللہ اعلم، ۲۱ شعبان ۱۴۲۵ھ۔

جس شخص پر قربانی واجب ہو مگر زکوٰۃ | سوال (۷) بندہ کے اسباب مکان کی رو سے قربانی تو
 واجب ہو وہ زکوٰۃ لے سکتا ہی یا نہیں واجب ہی، اور بوجہ نہ جمع ہونے روپیہ کے زکوٰۃ واجب

نہیں، اب میرے پاس جاڑے کا لحات نہیں ہے، جو کچھ روپیہ حساب کا ہی وہ اگر لحات میں
 خرچ کیا جاوے تو ضروری خرچ میں تنگی ہوگی، اب مدرسہ میں جو لحات زکوٰۃ آنے ہیں بندہ کو
 لینا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: جو شخص صاحب نصاب زکوٰۃ نہ ہو مگر صاحب نصاب صدقۃ الفطر و
 قربانی ہو اس کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں، قال فی الدر فی بیان نصاب صدقۃ الفطر و
 بہ ای بھذا النصاب تسرم الصدقة كما مر وتجب الاضحية ام رص، ۱۱ ج ۲
 قال الشامی قوله نحرمة الصدقة ای الواجبة اما التافلة قاشما یحرم علیہ
 سوالہا و اذا کان النصاب لمن کو مستغنی ما بعاجتہ فلا تحرم علیہ الصدقة
 ولا یجب بہ ما بعدہا ام قلت ولكن السؤال یفید فراغ النصاب عن العاجۃ
 لقول السائل انه ممن تجب علیہ الاضحية وهي لا تجب الا علی الذی
 عندہ نصاب غیر نام فارغ عن العاجۃ الاصلیة فلا یجوز للسائل ان یاخذ
 مال الزکوٰۃ، واللہ اعلم، ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ۔

ایضاً ایضاً ایضاً | سوال (۸) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، گذارش ہے کہ
 بندہ پر بوجہ اسباب مکان کے اضحیہ اور صدقۃ الفطر تو واجب ہے، لیکن بوجہ نہ ہونے نصاب
 نامی کے زکوٰۃ واجب نہیں، اور اس وقت مسافری کی حالت میں دفعیہ جاڑے کے واسطے

لحات کی ضرورت ہو، اور اگر اپنے پاس سے خرچ دے کر تیار کر لیا جاوے تو آئندہ ضروری خرچوں میں تنگی کا احتمال ہے، پس اس صورت میں مدرسہ میں جو لحات ہمد زکوٰۃ آتے ہیں، بندہ کو لینا جائز ہوگا، والسلام،

الجواب؛ ہاں اس صورت میں بوجہ ابن اسبیل ہونے کے آپ کو زکوٰۃ کی چیز لینا جائز ہے، لیکن سوال کرنا جائز نہیں، بدون سوال کے مل جائے تو جائز ہے، اور اگر مال زکوٰۃ تقسیم کرنے والا یہ کہو کہ جسکو حاجت ہو وہ درخواست پیش کرے خواہ آپ سے کہے یا عام طور پر خاندان والوں سے کیا جائے تو اس صورت میں حاجت کی اطلاع کرنا سوال میں داخل نہیں۔ پس اطلاع کر دینا جائز ہے، واللہ اعلم، ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ۔

الاحتیاط اللازم فی التصدق علی بنی ہاشم | السؤال (۹) ما قولکم دام ظلتکم فی رجل زائدیر، والقول الخاتم فی حرمة الزکوٰۃ علی بنی ہاشم | اعطى زکوٰۃ ماله سنین عدیدة لبني هاشم عارفاً اياهم وهويظن انهم من مصارف الزکوٰۃ فهل يجب عليه ان يعيد ما دفعه اليهم بعد ما علم انه لا يجوز لهم دفع الزکوٰۃ ام كيف الامر وهل ترون دفع الزکوٰۃ الى بنی هاشم فی زماننا هذا بناء على رواية ابي عصمة رحمه الله؟ فانه لا يخفى على سيادتكم الحالة البائسة التي نزلت بالمسلمين عامة وبنی هاشم خاصة بالديار الهندية والناس لا يكادون ان يتوجهوا اليهم بما يسد فاقتهم بيد ان البعض ممن يخاف الله سبحانه تكاد نفسه ان تسمح بدفع بعض الصدقات الواجبة هذا والله الفضل والمنة ولرسول ثم لكم۔

الجواب عن مسألة الصدقة على بنی هاشم

اقول لا يخفى على فضيلتكم ان مذہب ائمتنا الثلاثة تحريم الصدقة على بنی هاشم مطلقاً فريضتها وانما كانت بطريق الهدية والهبة كما ذكره الطحاوي في شرح الآثار وقواه بالدلائل العقلية والنظرية ثم قال فلما حرم على بنی هاشم اخذ الصدقات المفروضات حرم عليهم اخذ الصدقات غير المفروضات هذا هو المنظر في هذا الباب وهو قول ابي حنيفة وابي يوسف ومحمد رحمهم الله رص (۳۰ ج ۱) قال المحقق ابن الميمون في الفتح

وهو راي تحريم الصدقة عليهم مطلقاً ۱۲ منه) الموافق للعمومات فوجب اعتبارها فلا يدفع اليهم النافلة الاعلى وجه الهبة مع الادب وخفض الجناح تكملة لاهل بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم (ص ۲۱۲ ج ۲) ولكن المشائخ توسعوا في ذلك وقالوا لجواز النافلة لهم واجابوا عن العمومات بانها وان كانت عامة لفظاً كقوله صلى الله عليه وسلم انا آل محمد لا ناكل الصدقة وفي رواية انا اهل بيت قد نهيتم ان ناكل الصدقة وفي لفظ ان آل محمد لا يحل لهم الصدقة ولكنها مخصوصة معنى بدليل ما اخرجه مسلم من رواية عبد المطلب بن ربيعة مرفوعاً ان هذا الصدقات انما هي اوساخ الناس وانها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد الحديث ففيه ما يشعر بعلّة حرمة الصدقة عليهم وهي كونها من اوساخ الناس والمال ليس بنجس وانما يتدنس خلافاً للقياس باسقاط الفرض ضرورة انه صار مطهراً بالنص وهو قوله تعالى خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها لا يقال ان الصدقة النافلة مطهرة ايضاً لا نقول لا دليل على كونها مطهرة بل يجوز ان تكون محسنة مزية مجلية والتحسين والتزيين والجلاء معلة بعد التطهير فلا يلزم منه دنس ما يحصل به ذلك فيبقى ما رواه على ما يقتضيه القياس من الطهارة الاصلية فان الثابت خلاف القياس يقتصر على مورد النص وهو قوله من اوساخ الناس ورد في المكتوبة خاصة كما هو ظاهر حديث عبد المطلب بن ربيعة فيجوز ما سوى الزكاة ونحوها من الواجبات لبني هاشم وهذه التسعة التي وسع بها المشائخ على بني هاشم هي غاية ما يصار اليه ولا يتصور عندنا الزيادة عنه ويرد عليه ان حرمة الصدقة على بني هاشم كحرمتها على النبي صلى الله عليه وسلم سواء بسواء كما هو ظاهر لنصوص وليس فيها ما يفيد الفرق ولا يخفى انها كانت محرمة على النبي صلى الله عليه وسلم مطلقاً يدل عليه حديث سلمان انه اتى النبي صلى الله عليه وسلم بصدقة حين قدم المدينة فردّها عليه وقال انا لا ناكل الصدقة وكان سلمان عبد ممن لا يجب عليه الزكاة وقد صحّ انه صلى الله عليه وسلم اذا علم بشئ انه صدقة امسك عنه مطلقاً ولم يسئل انه صدقة من زكاة او غير ذلك فتأمل ۱۲ ظ

عليه وأما ما رواه أبو عصمة عن الإمام وأشار إليه الطحاوي أينما أنه يجوز دفع سائر الصدقات إليهم في زمانه لأن عوضها وهو خمس الخمس لم يصل إليهم الخ كما في رد المحتار (ص ۱۰۶ ج ۲) فهو ضعيف رواية ودراية لا يجوز الأخذ به أصلاً أما ضعفه رواية فلان أبا عصمة ضعيف رواه ابن المبارك وغيره بالكذب والوضع وأما ضعفه دراية فلان مبناه على كون خمس الخمس لبني هاشم عوضاً عن تحريم الصدقة عليهم فإن قال الإمام بالترجي قلنا هذا تعليل ببعض النص فإن حديث عبد المطلب بن ربيعة عن مسلم دال على أن علة التحريم كون الصدقات من أوساخ الناس وإن قاله بالتص فلا بد له من نص يدل على كون ذلك عوضاً عن هذا ولم يرد نص صحيح بذلك أصلاً فيما علمناه وأما اللفظ الذي رواه صاحب الهداية أنه صلى الله عليه وسلم قال يا بني هاشم إن الله تعالى حرم عليكم غسالة الناس وأوساخهم وعوضكم منها بخمس الخمس فغريب جداً كما صرح به الزيلعي وإنما الصحيح ما أخرجه مسلم بلفظ أن هذه الصدقات إنما هي أوساخ الناس وإنما لا تجعل لمحمد ولا لآل محمد وليس فيه ما زاده في الهداية من قوله وعوضكم منها بخمس الخمس نعم قد رواه الطبراني بطريق حسن عن عكرمة عن ابن عباس وفي آخره فقال لهما صلى الله عليه وسلم أنه لا يجعل لكم أهل البيت من الصدقات شيئاً وإن لكم في خمس الخمس ما يغنيكم انتهى كما في نصب الراية (ص ۲۱۸ ج ۱) ولكن ليس فيه دلالة على كون خمس الخمس لبني هاشم عوضاً عن تحريم الصدقات عليهم بل يحتمل أن يكون قوله إن لكم في خمس الخمس ما يغنيكم تسليّة لهما ومعناه أنه لا حاجة لكم إلى الصدقات الآن لأن لكم في خمس الخمس ما يغنيكم ولا يجب عموم التسليّة ولا بقاءها على حالها دائماً بل يجوز أن يسلي واحد بشئ وآخر بشئ وإن يكون التسليّة في زمان بشئ وفي زمان آخر بشئ الآخر وذلك لأن التسليّة لا تكون علة للحكم بل المقصود منها حرض المخاطب على الامتثال وتقوية قلبه لذلك كما لا يخفى.

وإن سلمنا كونه دالاً على معنى التعويض فنقول لفظ الطبراني هذا لم يصح سنده لأن حنشا متروك ولا يروى عن عكرمة مولى ابن عباس أحد غيره

من یلقب بحلش کما لا یخفی علی من مارس الاسانید، واسمه حسین بن قیس ابو
 علی الرحبی (تقریب) وروی ابن ابی شیبۃ فی مصنفه حدیثا وکیع ثنا شریک عن
 خصیف عن مجاهد قال کان آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم لا تحل لهم الصدقة
 فجعل لهم خمس لخمس ورواه الطبری فی تفسیره ثنا ابن وکیع به (سنداً اومتناً)
 کما فی نصب الراية وفيه تأیید للفظ الهدایة فانه مشعر بكون خمس لخمس
 عوضاً عن تحريم الصدقة عليهم ولکنه موقوف علی مجاهد و فی سندہ خصیفنا و
 هو صدوق شیء الحفظ خلط بأخره ولقاتل ان یقول ان حدیث مثله حسن فی الذر
 الثانية وهو صالح للاحتجاج به والاعتذار عن وقفه ممکن بان معناه مما لا یدر
 بالرائی واذ روى التابعی ما لا یدر بالرائی کان فی حکم المرسل المرفوع وهو حجة
 عند الحنفیة. تأمل ویرد علیہ ان الاحتجاج بقول مجاهد یقتضی ان یرد علیهم
 ذری القربی وهو خمس الخمس باقیاً، ویجب علی الامام ان یصرف خمس لخمس
 من الغنمة علی بنی ہاشم وهذا انما هو قول الشافعی دون ابی حنيفة فعندنا یقسم
 الخمس علی ثلثه اسهم سهم للیتامی وسهم للمساکین وسهم لابن السبیل یحل
 فقراء ذوی القربی فیهم ولا بدفع الی اغنیائهم كما صرح به فی الهدایة (ص ۵۵۶ ج)
 وليس لهم خمس لخمس عندنا متعینا ولو کان ذلك عوضاً عن تحريم الصدقات
 علیهم لوجب صرفه الیهم وذلك یقتضی تخمیس القسمة لا تثلیثه وهذا خلا
 المشهور من مذهب ابی حنيفة وصاحبه کما لا یخفی علی من مارس لفقهه واذا
 کان كذلك فالقول باباحة صرف الصدقات الی بنی ہاشم لعدم وصول خمس
 الخمس الیهم انما یصح لمن قال تبیین حقهم فی خمس لخمس فی حياة النبی
 صلی اللہ علیہ وسلم وبعد وفاته كما قال ابن عباس واخذ به الشافعی واما
 من قال ان خمس الخمس لم یکن لبنی ہاشم لا فی حياة النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 ولا بعد مماته وانما ذکر الله ذوی القربی فی الآية مع الیتامی والمساکین،
 بحال فقرهم وحاجتهم فادخلهم مع الفقراء والمساکین وقدّم فقرهم
 ومساکینهم علی فقرهم غیرهم فلا یخرج لهم سهم من الغنمة علی حد قبل
 سهم الفقراء والمساکین یکفیرهم ویقدمون علی غیرهم من الفقراء كما مذ ابی حنيفة

واصحابه فلا يجوز له القول باباحة صرف الصدقات الى بنى هاشم الا ان
لعدم وصول خمس اليهم ولا يصح منه القول بذلك ابدًا لانه لا يقول
بحقهم في خمس لخمس فافهم والله تعالى اعلم هذا ما عندنا ولا يخفى ان الأصل
في المذهب هو الصحيح رواية دراية ولا يجوز الافتاء بالضعيف مع العلم بضعفه
وبعد ذلك فاللزام على الرجل المسئول عنه إعادة زكوة هذه السنين التي انفق
زكوتها على بنى هاشم عارفاً اياهم ووطنه انهم من مصارف الزكوة باطل فعليه
ان يعيد زكوتها وان لم يستطع ذلك لعدم المال فليعدها بحيلة الاسترداد
من الفقير والاستيها ب منه وهي لا تخفى على مثلكم وانما ما ذكرتم من الحالة
البائسة التي نزلت بالمسامين فهي لا تختص ببني هاشم منهم بل تعبرهم وغيرهم
ولو اجمنا لهم الحرام لاجل ذلك فليذهب الربوا والرشوة لغيرهم ايضا لاجل هذه
الحالة البائسة ولا يجترى على ذلك احد، والسلام -

فان قيل قال في البحر عن الحاوي القدسي وعن ابى يوسف ان الخمس
يصرف لذوي القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل وبه نأخذ ام فهذا
يقتضى ان الفتوى على الصرف الى الاقرباء الاغنياء فليحفظ ام (رس ۹۱ ج ۵)
وهذا ايّ رواية الى عسمة ويدين مع الايراد الذي اورد قبل علم الاستدلال
باشتر مجاهد بانه يقتضى تخميس الخمس لا تثليثه وهذا خلاف مذهب
ابى حنيفة واصحابه وانما هو مذهب الشافعي الخ فان ما رواه الحاوي القدسي
عن ابى يوسف يدل على بقاء التخميس في مذهب الحنفية ايضا ولو كان ذلك
خلاف المشهور فليؤخذ به للضرورة

قلت هذا لا يجدى

شيئا فان ما رواه الحاوي يفيد كون خمس لخمس حقاً لبني هاشم كلهم غنيهم
وفقيرهم فلو كان تحريم الصدقة عوضاً عنه كما يفيد اشتر مجاهد للزم جواز
الصدقة على اغنياءهم ايضا اذ لم يصل اليهم خمس الخمس ولم يقل به احد
ولو امعنت النظر لعرفت ان رواية ابى يوسف هذه تفيد تحريم الصدقة

علی بنی ہاشم مطلقاً لکن ہذا لہ علی ان حقہم فی خمس لخمس باق و اثر مجاہد
قد افاد ان علة التشريع في تحريم الصدقة علی بنی ہاشم کو تہم قد عوضوا ہما
بخمس الخمس فمادام هذا التشريع باقياً كان الحكم باقياً ولا یعدم الابانعداً
التشريع واما یظلم الولاة وضعہم بنی ہاشم عن حقہم فلا یعدم الحكم به اصلاً
فان من اراد احکاماً انما هو علی التشريع وعلته لا علی افعال الولاة والامراء فاذا
كان الشارع قد شرع تحريم الصدقة علی ذوی القربی بعلّة تفویضه خمس الخمس
لہم عنده ووضعه حقہم فيه وجب ان یبقی حکم التحريم ببقاء حکم هذا التفویض
لہم وهذا ظاهر جداً، ومبنى هذا الجواب علی تسلیم ان اثر مجاہد يدل علی
ان كون خمس لخمس لبنی ہاشم علة لتحريم الصدقة علیہم ولقائل ان یقول
ان اثر مجاہد فيه بیان حکمة هذا التشريع لا علة والعلّة انما هی كون الصدقة
من اوساخ الناس وهي المنصوصة فی کلام الشارع والحکم انما یدور مع العلل
دون الحكم والله تعالی اعلم، ۱۲ صفر ۱۳۴۷ھ

رسالہ رفع التثکبک فی دفع الزکوٰۃ بالتملیک | سوال (۱۰) بسم الله الرحمن الرحيم
مذاکرہ در مصارف زکوٰۃ | الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام

علی رسولہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، اما بعد واضح ہو کہ دینی ضروریات
روز بروز بڑھتی جاتی ہیں، اور ان میں سے اکثر کے لئے آمدنیوں کی قلت ہوتی ہے، اور شرعاً
آجکل زکوٰۃ کے سوا کوئی ایسی مد نظر نہیں آتی جس کے ترک پر وعید شدید شرعی سنائی جائے،
اور اس زکوٰۃ میں حضرات فقہائے کرام نے تملیک کی شرط لگائی ہے، جس کی وجہ سے مساجد،
مدارس دینی، تبلیغ و اشاعت اسلام اور تصلیف و تالیف کتب دینیہ کے بہتیرے کام رک جاتے
ہیں یا جیسے چلنے کی ضرورت ہو ویسے چلنے نہیں پاتے، کیونکہ ان پر مال زکوٰۃ، فطرہ اور حرم قربانی
خرچ نہیں کئے جاسکتے، اس لئے کہ امور مذکورہ میں تملیک نہیں ہو سکتی، اور ان مذکورہ میں
تملیک جاری کرنا ہو تو حیلہ کی تلاش کرنا پڑتی ہے، جس کا ثبوت آیات و احادیث اور اقوال
سلف سے نہیں ملتا ہے، پس امور مذکورہ کا اجراء یا تو صدقات غیر واجبہ سے کیا جاوے،
جن کے نہ دینے سے مسلمان و عید کے مستحق نہیں ہو سکتے، یا آیات و احادیث کے عموم ہی سے کیوں
نہ ہو، ان امور مذکورہ کو مصارف زکوٰۃ میں داخل کیا جائے۔

مسئلہ بالا کے متعلق ایک عرصہ دراز سے بلکہ زمانہ طالب علمی سے خلجان رہا، اور حضرات شیوخ کرامؒ کے افادات سے کچھ کچھ منزل مقصد کا نشان نظر آ رہا تھا، بالآخر دو چار سال کے عرصہ میں بعض معزز و محترم خیر خواہ حضرات اس مسئلہ کو چھیڑتے رہے، جس پر فاضل محقق عالی جناب مولانا محمد عبدالوہاب صدر مدرس جامعہ دارالسلام عمر آباد نے آیت ”فی سبیل اللہ“ کی تعمیم اور چند احادیث سے استدلال فرما کر امور مذکورہ کو مصارفِ زکوٰۃ میں شامل فرمایا، مولانا محدث کی تحریر سے خاکسار کے خیالات میں امید و جرات پیدا ہوئی، جس کے بعد خاکسار بغرض استفادہ اپنے ناچیز منتشر خیالات کو حضرات رہنمایانِ دین کی خدمات میں پیش کرتا ہے، جن کے متعلق امید کہ آنحضرات اپنے اپنے تنقیدانہ و تحقیقانہ افادات سے ممنون فرمائیں گے، اِنَّمَا سِئَالُ الْعَنِ السُّؤَالُ۔

جمع حضرات علمائے کرام پر یہ امر بخوبی روشن ہے کہ امت محمدیہ کے پاس مصارفِ زکوٰۃ کی دلیل آیت عظیمہ ذیل ہے:-

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهِمَا وَالْمُؤْتَفَقِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

”صدقے صرف فقیروں کے لئے ہیں اور محتاجوں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو صدقہ پر کام کرتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جن کی تالیف قبول کی جاوے، اور غلاموں کے آزاد کرنے اور قرضداروں کے قرض ادا کرنے اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کی مدد میں خرچ کئے جاویں، خداوند پاک کی جانب سے یہ حکم ہے، اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔“

(۱) للفقراء کا لام جمیع سلف صالحین کے پاس تملیک کے لئے ہر یا نہ ؟ تفاسیر و شروح حدیث کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرف بھی ائمہ کرام کی ایک جماعت گئی ہے کہ لام اس آیت میں تملیک کے لئے نہیں ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے شرح بخاری میں یہ رقم فرمایا ہے کہ:-

”لام“ فقراء کے شرع میں مصرف بیان کے لئے ہو تملیک کے لئے نہیں۔“

ان اللام فی قولہ تم للفقراء
لبیان المصروف لا للتملیک ام

اور علامہ سیوطیؒ نے اتقان کی کتاب الادوات میں لام کے متعدد معنی جو پندرہ سے زیادہ ہوں گے بیان کئے ہیں، اُن میں سے صرف لام تعلیل کے متعلق حقیقی یا مجازی معنی ہونے کا اختلاف اہل لسان سے ذکر کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ باقی معانی حقیقی ہیں۔ اصول فقہ کی کتاب "حصول المامول من علم الاصول" مطبوعہ مصر میں لام کے بائیس معنی ذکر کئے ہیں، جن میں سے ہر ایک کی مثال قرآن پاک سے دی گئی ہے۔

اور کتب نحو میں عموماً اور شرح جامی میں خصوصاً یوں مرقوم ہے:-

اللّٰم للاختصاص بملکیتہ	لّام اختصاص کے لئے آتا ہے خواہ ملکیت
او بغیر ملکیتہ	کے طور پر ہو یا بلا ملکیت کے

امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر میں پہلے چار مصرفوں میں لام کے آنے اور بعد کے چار مصرفوں میں فی کے آنے کا فرق یوں بیان فرمایا ہے کہ پہلے چار مصرف والوں کو اپنے حاصل کردہ مال زکوٰۃ میں مالکانہ تصرف کا اختیار ہے اور پچھلے چار مصرف والوں کو اپنے حسب منشاء تصرف کا اختیار نہیں، پس لام سے تملیک کی شرط اجتہادی محتمل چیز ہوتی نہ کہ قطعی اور منصوص۔ (۲) فی سبیل اللہ کے معنی میں تعین اور اس تعین پر اجماع ہوا ہے یا نہ؟ اگر تعین اور اس پر اجماع ہو چکا ہے تو کتب فقہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شافعیہ کے پاس اختیار مجاہدین کو مال زکوٰۃ سے دے سکتے ہیں، اور یہ امر حنفیہ کے پاس ناجائز ہے، اور امام ابو یوسفؒ ناچار مجاہدین کو ہی مال کی زکوٰۃ دینے کی اجازت دیتے ہیں، اور امام محمدؒ ناچار حاجیوں کو بھی مال زکوٰۃ سے دیکر حج کرانے کی اجازت اس لفظ فی سبیل اللہ سے نکالتے ہیں۔

اتنے مختلف اقوال کے بعد اگر کوئی یہ کہے کہ ان اقوال و مذاہب کے سوا نیا قول گویا اجماع کے مرکب کا خرق ہے، اس لئے وہ نیا قول ناجائز قرار دیا جائے، تو یہ عرض ہے کہ جن لوگوں نے اس مقام میں اجماع کا ذکر فرمایا ہے وہ اصولی اصطلاحی اجماع نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اجماع امت کا لفظ اس مقام میں کسی نے ذکر کیا ہو، دیکھنے میں نہیں آیا، بلکہ اجماع الجہود لکھا ہے، اجماع اور جمہور کی اضافت خود اصولی اصطلاحی اجماع ہونے سے انکار کرتی ہے۔

علاوہ بریں امام قفال نے بعض ائمہ سے عام مصارف خیر حبیبہ کہ امور مذکورہ اوقات وغیرہ کو فی سبیل اللہ کے معنی میں نقل فرمایا ہے جسکو امام رازیؒ، علامہ بیضاویؒ اور صاحب خازن نے اپنی اپنی تفسیروں میں بیان فرمایا اور سب کے الفاظ قریب قریب حسب ذیل ہیں:-

وقال بعضهم ان للفظ عام فلا يجوز
قصر على الغزاة فقط ولهذا اُجاز
بعض الفقهاء صرف سهم سبيل
الله الى جميع وجوه الخير من
تكفين الموتى وبناء الجسور الحصون
وعماره المساجد وغير ذلك وقال
لان قول نعم وفي سبيل الله عام
في الكل فلا يختص بصنف دون

غیره، ام

اور کہا بعض علماء نے کہ لفظ عام اس کو مراد
مجاہدین پر قصر کرنا جائز نہیں، اسی لئے بعض
فقہائے کرام نے ”سبیل اللہ“ کا حصہ سب
نیک کام مثلاً تکفین موتی، پلوں اور قلعوں
اور مساجد وغیرہ کے بنانے میں خرچ کرنے
کو جائز رکھا، اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان
”فی سبیل اللہ“ سب نیک کاموں کو شامل ہے،
صرف ایک جماعت کے ساتھ خاص کرنا نہیں
چاہئے،

اور شرح وقایہ کے حاشیہ عمدة الرعاہ میں حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ نے
مصارف زکوٰۃ کے مقام میں فقہ کی کتاب بدائع سے نقل فرمایا ہے کہ:-

وذكر في البدائع انه يشمل جميع
القرب،

”فی سبیل اللہ کا لفظ جمیع نیک مصروفوں
کو شامل ہے“

(۳) امام بخاریؒ اپنی جامع صحیح بخاریؒ کے ”باب العرض فی الزکوٰۃ میں ابو ہریرہؓ سے
ابن جمیل، خالد بن ولیدؓ اور حضرت عباسؓ کے منع زکوٰۃ کی توجیہ وانی حدیث نقل فرماتے ہیں
اور اسی روایت کو باب والغارمین فی سبیل اللہ میں مکرر لائے ہیں، امام بخاریؒ کا مدعا
امام ابن حجرؒ نے فتح الباری میں یوں ذکر فرمایا ہے:-

واستدل البخاری بقصة خالد
على مشروعية تجييس الحيوان
والسلاح وان الوقف يجوز
بقاؤه تحت يد محتبسة على
جواز اخراج العروض في الزكاة،

”امام بخاریؒ نے حضرت خالدؓ کے قصہ سے
جانوروں اور ہتھیاروں کے وقف کرنے اور
وقف کی ہوئی چیزوں کا وقف کی نگرانی میں
رہنے اور زکوٰۃ میں نقد کے عوض متاع کے
دینے پر دلیل پکڑی ہے (بہ طور مال زکوٰۃ
وقف میں دیا گیا،

پس شروح بخاریؒ سے معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ نے خالدؓ کے واقعہ وقف کو زکوٰۃ میں
شمار فرمایا، اور آیت ”فی سبیل اللہ“ میں تملیک کو غیر ضروری سمجھا جو حضرات احناف کرام

کے خلاف ہے، اور وقف منقول کو بھی جائز سمجھا، اور یہ امر فقہائے کوفہ کے مخالف ہے، اور زکوٰۃ میں نقد کے عوض متاع دینا ثابت کیا، جو فقہائے حنفیہ کے موافق ہے، جس کو مولانا حافظ احمد علی صاحب حنفی محدث بہار پوری "محشی صحیح بخاری" نے اپنے حاشیہ بخاری میں یوں رقم فرمایا ہے:-

<p>”علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ ہمارے حضرات نے زکوٰۃ میں قیمتوں یعنی متاع کو دینا جائز کہا، اور اس پر اس حدیث سے دلیل پکڑی، اور اسی لئے ابن رشید نے کہا کہ بخاریؒ نے اس مسئلہ میں حنفیہ کی موافقت کی، حالانکہ وہ اُن کے اکثر مسائل میں مخالف کرتے ہیں، علامہ کرمانیؒ نے فرمایا کہ اس حدیث میں منقولات کے وقف کی اجازت</p>	<p>قال العینی احبہ اصحابنا فی جواز دفع القيم فی الزکوٰۃ ولہذا قال ابن رشید وافق البخاری فی هذا المسئلة الحنفیۃ مع کثرة مخالفتہ لہم، قال الکرمانی: وفيہ دلیل علی صحة وقف المنقول وبہ قالت الامۃ باہوا الا بعض الکوفیین،</p>
--	--

ثابت ہوتی ہے جس کی قائل بعض اہل کوفہ کے سوا ساری امت ہے۔“

الحاصل امام بخاریؒ کے استدلال کے جواب میں کوئی آیت یا حدیث صریح حضرات مانعین پیش فرما سکتے ہیں؟ رہی مانعین کے احتمالات وہ مجوزین کے پاس ناشی عن الدلیل نہ ہوں، اور مجوزین کی تجویز اُن کے احتمالات کی بہ نسبت واضح ترین اور اقرب الی الدلیل ہو تو امام بخاریؒ کے استدلال کا قطعی اور تشفی بخش جواب کیا ہوگا؟

مذکورہ بالا معروفہ پیش کرنے کے بعد مجوزین کا مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آیت مصارف میں سے سات حصہ خاص خاص افراد یا جماعتوں پر خرچ کئے جائیں، اور ایک حصہ عام مصارف خیر کے لئے رکھ دیا جاوے تاکہ آٹھویں مصرف میں سہولت کے ساتھ امور مذکورہ ادا کئے جائیں، ورنہ تبرعات اور تطوعات اختیاری امور میں جن پر جبر و اکراہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ کرنے والوں پر وعید بھی نہیں ہوتی، اور بنا بر مساجد و مدارس دینی اور مصارف تبلیغ وغیرہ خدا نخواستہ بالکل متروک کئے جائیں گے۔

چونکہ زمانہ موجودہ میں یہ مسئلہ ہمتا مسائل میں سے ہے، لہذا بغرض استفادہ یہ امر بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بوقت شدت حاجت حضرات فقہائے کرام نے بھی

اپنے امام کے خلاف دوسرے امام کے فتوے پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے، چنانچہ اجرت تعلیم قرآن کی بابت صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ اجرت علی تعلیم القرآن جائز نہیں، مگر متاخرین نے بوجہ ضرورت اجازت دی ہے، تاکہ تعلیم قرآن محسوم نہ ہو، اور اسی طرح مفقود الزوج کے نکاح کا مسئلہ معروف بین العلماء ہے۔

انہی امور کو مد نظر رکھ کر حضرت شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے حجۃ اللہ الباقی میں گویا امام بخاریؒ کا مسلک اختیار فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ہے:-

وعن ابی الاسحاق حبلنا اللہ صلی علی اہل الصدقة للحجۃ و فی الصیح واما خالد فانکم تظلمون خالداً وقد احتبس ادرعہ واعتدہ فی سبیل اللہ وفیہ شیئان یوازن یعطى مکان شیء شیئاً اذا کان النفع للفقراء وان الحبس مجزئ عن الصدقة قلت وعلی هذا فالحصص فی قولہ انما الصدقات اضافی بالنسبة الی ما طلبہ المنافقون فی صرہا فیما یشتہون علی یقتضیہ سیاق الاية والشر فی ذلك ان الحاجبا غیر محصورة و لیس فی بیت المال فی البلاد الخالصة للمسلمین غیر الزکوٰۃ کثیر مال فلا بد من تسعة لتکفی نوائب المدینة واللہ اعلم۔

”ابوالاسحاقؒ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صدقہ (زکوٰۃ) کے اونٹوں پر حج کے لئے سوار کرایا، اور صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم خالد پر ظلم کرتے ہو، جو اس کے زکوٰۃ طلب کرتے ہو، حالانکہ اس نے بکتر اور تھیا رائد کی راہ میں وقف کئے ہیں اس حدیث سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں ایک تو ایک چیز کے عوض دوسری چیز زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں، جبکہ دوسری چیز فقراء کے لئے زیادہ نافع ہو اور یہ کہ وقف صدقہ زکوٰۃ کے بدلے کافی ہے، میں کہتا ہوں یعنی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں حصر فرمان حندا وندی انما الصدقات کے جملہ میں اضافی ہے، منافقوں کے مطلب کے مقابلہ میں کہ وہ چاہتے تھے کہ ان کی خواہشوں کے مطابق زکوٰۃ

کی رقم بجا خرچ کی جاوے، جیسا کہ آیت کی روانی کا مقتضایہ، اور زکوٰۃ کے مصرف میں وقف کو داخل کرنے میں راز یہ ہے کہ ضروریات بے شمار ہیں، اور مسلمانوں کے خالص شہر و

میں زکوٰۃ کے سوا کوئی معتد بہ مد نہیں ہوتی، لہذا ضرور ہوا کہ مصرفت زکوٰۃ میں وسعت ہو، جو کافی حاجات ہو، جیسا کہ آیت کے نزول کے موقع پر مدینہ مسلمان کا خالص شہر تھا ^{اعلم}۔

الجواب؛ بسم الله الرحمن الرحيم، الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى، لاسيما على سيدنا النبي محمد الذي قد افلح من به اقتفى، وبسننه وسنته خلفائه المهديين المجتهدين اقتدى وبها اكتفى، ومن احشأ في امره وشرعه ما ليس منه واتبع هواه فقد خاب وخسر وظلم نفسه وجفا، صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه رؤس اهل الوفاء وافضل الخلق بعد الانبياء وسادات اهل الصفاء،

اما بعد، اس سوال کے جواب میں سب سے پہلے میں اُن دلائل کو ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں جن کی بناء پر ائمہ مجتہدین نے زکوٰۃ کی تعریف میں تملیک فقیر کی قید بڑھائی، اور بدون اُس کے عدم ادا زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے۔

مَبْحَثُ اَوَّلُ دَرَدٍ لَا عِلَّ رَكْنِيَّتِ تَمْلِيكَ بَرَاءَةِ زَكَاةٍ؛

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز کے حکم کے ساتھ جہاں بھی زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے وہاں لفظ ایتاء اختیار فرمایا ہے، اَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ، وَالَّذِي الْمَالُ عَلَى حَبْتِهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنُ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ اِلَىٰ قَوْلِهِ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتِيْنَ الزَّكَاةَ وَقَوْلِهِ رِجَالٌ لَا تُلْهِيْهُمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَغَيْرَهَا مِنَ الْآيَاتِ اور لفظ ایتاء کے معنی اعطاء یعنی تملیک کے ہیں، صاحب بدائع فرماتے ہیں: وقد امر الله تعالى الملاك بايتاء الزكاة لقوله عز وجل وَآتُوا الزكاة والاياء هو التملك (ص ۳۹ ج ۲) (ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے مالکان (اموال) کو ایتاء زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے، اور ایتاء کے معنی مالک بنادینا ہے، وفي الحديث المشهور بنى الاسلام على خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله واقام الصلوة وايتاء الزكاة الحديث اخرجه الشيخان والجماعة۔

(۲) مصارف زکوٰۃ کے متعلق جو آیت عظیمہ ہر اس میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو صدقات سے تعبیر فرمایا ہے، اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِيْنِ الآية اور صدقہ اور تصدق

بھی تمہیک کو چاہتا ہو، صاحب بدائع فرماتے ہیں؛ ولذا سمي الله تعالى الزكوة صدقة بقوله
 إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالصَّدَقَاتُ تَمْلِكُ أَمْ (ص ۳۹ ج ۲) اور شرح سیر کبیر للامام
 محمد بن الحسن میں ہے لَانْ هَذَا جَعَلَ ثَلَاثَ مَالٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَلَى وَجْهِ الصَّدَقَةِ وَالصَّدَقَةُ
 تَمْلِكُ مِنْ أَهْلِ الْحَاجَةِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ أَمْ (ص ۲۲۲ ج ۲)
 اور محمد بن حسن رحمہ اللہ امام عربیت ہیں، اُن کا قول لغت میں حجت ہو، اسی شرح سیر کبیر
 میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول وقف منقول کے بارہ میں جو ذکر کیا ہے اس سے بھی یہ معلوم ہوتا
 ہے کہ صدقہ کے معنی تمہیک ہیں، فاما ابو حنیفہ رحمہ اللہ فانه كان لا يجوز الوقف
 والعبس في حالة الحيوة فلا يجوز عنده اذا اوصى بعد موته الا ما كان له اصل في
 الشريعة والوصية بالقلّة لها اصل في الشريعة فانه لو اوصى بان يصرف غلّة
 بستانه على الفقير فذلك جائز لما يقع فيه من التملك فذلك حبس الاراضى
 والعبد والدان يكون غلتهما في سبيل الله يجوز لان فيه معنى التملك لان
 الغلّة يتصدق بها على اهل الحاجة ممن يغزو فتصير ملكا لمن يأخذها يبيع
 بما يشاء فاما ما ليس فيه معنى التملك ولكن فيه انتفاع بالعين نحو مسكني
 الدار وركوب الفرس وقرأة المصحف ولبس السلاح وخدمة العبيد الا
 في جوارحه في الشرع اذا وقع لا قوام مجهولين والمعنى في ذلك انه اذا لم يكن فيه
 تملك العين لم يكن صدقة أَمْ (ص ۲۶۳ ج ۲)۔

اس میں صاف تصریح ہے کہ شریعت میں صدقہ بدون تمہیک عین کے کوئی اصل نہیں
 نیز اس سے پہلے امام ابو یوسفؒ کا قول وقف منقول میں اس طرح مذکور ہے؛
 وكان ابو يوسف يقول القياس ان لا يجوز وقف الاراضى لما فيه من
 تعطيل الملك ولا تملك من احد الا ان الشرع عطل ملكنا عن المساجد
 لقربة تعلقت بها عائد نفعها اليها من حيث الثواب فجوزنا في مثله في
 وقف الاراضى لانها من جنس المساجد فانما تبقى وعائد نفعها كالمساجد،
 فاما الاموال المنقولة ما وجد نافعها قربة اوجبها الله تعالى الاقربة تقع
 بتملك الفقير فذلك لا يجوز ايجاب القربة من العبد الا على وجه التملك
 اذا ايجاب العبد معتبرا بايجاب الله تعالى، اس میں صاف تصریح ہے کہ کوئی قرۃ

مالیہ واجبہ منقولات میں بدون تملیک فقیر کے شریعت میں نہیں، اور امام ابو یوسفؒ کے اس دعویٰ میں کوئی کلام نہیں کر سکتا، نہ کسی کو کلام ہے، اور جو لوگ وقف منقول کو جائز کرتے ہیں وہ اس کے جواب میں صرف یوں کہیں گے کہ قربتِ نافلہ تو شریعت میں بدون تملیک کے واقع ہے، پس ایجابِ قربت من العبد کے لئے قربتِ نافلہ کی نظر کافی ہے، قربت واجبہ کے مثل ہونا لازم نہیں، بہر حال امام ابو یوسفؒ کا یہ ارشاد کہ کوئی قربت مالیہ واجبہ منقولات میں شرعاً بدون تملیک فقیر نہیں ہے، اس بات کو بتلا رہا ہے کہ صدقہ کے معنی تملیک کے ہیں۔

اور کشاف اصطلاحات الفنون میں ہے الصدقة بفتح تین من الصدق سمي بها عطية يراد بها المثوبة لا التكرمة (لان بها يظهروا صدقة في العبودية) كما في جامع الرموز (ص ۸۵) اس میں صدقہ کی تفسیر عطیہ سے کی ہے، اور عطیہ میں تملیک ظاہر ہے، کیونکہ عطیہ وہیہ لغۃً متحد ہیں، اسی لئے فقہاء نے فرمایا ہے، الصدقة كالهبّة فلا تجوز الا مقبوضة، كذا في الدر۔

(۳) حدیث مشہور قصہ بعث معاذ الی الیمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: فان هم اطاعوا لك بذلک فاجبرهم ان الله قد فرض عليهم صدقة تؤخذ من اغنياءهم فتوزع على فقرائهم، الحدیث رواه الشيخان وغيرهما، (ترجمہ) ”اگر وہ لوگ اس بارہ میں (یعنی نماز کی فرضیت کے بارہ میں) تمہاری اطاعت کر لیں تو اس کے بعد ان کو خبر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے، جو ان کے اغنیاء سے لیا جائے گا، پھر ان کے فقراء پر واپس کیا جائے گا، یہ حدیث بھی اس بات کو بتلاتی ہے کہ زکوٰۃ تملیک فقیر ہی کے لئے موضوع ہے۔

اور اسی کے مثل حدیث ضمام بن ثعلبہ میں وارد ہے: قال انشدني الله الله امرني ان تأخذ هذه الصدقة من اغنيائنا فتقسمها في فقرائنا قال اللهم نعم، الحدیث رواه الشيخان وغيرهما وهو مشهور ايضا،

(ترجمہ) ”ضمام بن ثعلبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی عرض کیا کہ میں آپ کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ امر فرمایا ہے کہ آپ یہ صدقہ ہمارے اغنیاء سے لیں، پھر اس کو ہمارے فقراء میں تقسیم فرمادیں؟ حضور نے فرمایا بخدا ہاں (اللہ تعالیٰ ہی نے مجھ کو یہ حکم دیا ہے) یہ حدیث بھی بتلا رہی ہے کہ زکوٰۃ فقراء

میں تقسیم کرنے کے موضوع ہے، اور یہ تقسیم بطور تملیک ہی کے ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

(۴) تعریف زکوٰۃ میں شرعاً تملیک فقیر بالاتفاق معتبر ہے، قال الحافظ فی الفتح قال ابن العربی وتعریفہا فی الشرع اعطاء جزء من النصاب الحولی الی فقیر ونحوہ غیر ہاشمی ولا مطلبی ثم لہا رکن وهو الاخلاص وشرط هو السبب وهو مملک النصاب الحولی وشرط من تجب علیہ وهو العقل والبلوغ والحریۃ الخ قال الحافظ وهو جید لکن فی شرط من تجب علیہ اختلاف ام (ص ۲۰۰ ج ۳)، قلت: قد لعل علی ان ما سواہ متفق علیہ عند الكل، یہ عبارت صاف بتلارہی ہے کہ زکوٰۃ کی تعریف میں تملیک فقیر اتفاقاً معتبر ہے۔

کشاف اصطلاحات الفنون (ص ۲۲۳) میں ہے: انہما فی اللغة التوال حاصل من بركة الله تعالى وفي الشريعة قدر معين من النصاب الحولی يخرجہ الحر المسلم المكلف لله تعالى الی الفقیر المسلم الغیر ہاشمی ولا لسلوۃ مع قطع المنفعة عنه من کل وجه وفي جامع الرموز ان الزکوٰۃ فی الشریعۃ القدی الذی يخرجہ الی الفقیر وفي الکرمانی انہما فی القدر مجاز شرعاً فانہما یتابع ذلک القدر وقولہ المحققون کما فی المضمرات انتہی ویؤیدہ انہا توصف بالوجوب وهو من صفات الافعال ویؤید الاقل قوله تعالى واقوا الزکوٰۃ اذ یتاء الایتاء محال والاظهر ان الزکوٰۃ فی الشرع یجی بکلا المعنیین کذا فی البرجندی ام، اس میں زکوٰۃ کے شرعاً دو معنی بیان کئے ہیں، اور دونوں میں تملیک فقیر معتبر ہے، جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

(۵) مال زکوٰۃ کو ایسے مواقع میں صرف کرنا جن میں تملیک نہ ہو، بالاتفاق ائمہ مذاہب وجامع جملہ مجتہدین جائز نہیں، رحمۃ اللہ فی اختلاف الائمہ میں تصریح ہے: واتفقوا علی منع الانحراج لبناء مسجد او تکفین میت ام (ص ۲۵)

(توجہ) اور علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ زکوٰۃ بنائے مسجد اور کفن میت میں صرف کرنا ممنوع ہے، اور یہ اتفاق صرف ائمہ اربعہ ہی کا نہیں، بلکہ جملہ ائمہ مجتہدین کا اتفاق ہے، مثل اوزاعی ومکحول وسفیان ثوری وحسن بصری وغیرہم، کیونکہ صاحب رحمۃ اللہ نے مقدمہ کتاب میں اس کی تصریح کی ہے کہ جس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہو اور

کسی دوسرے کا اختلاف ہو تو میں مخالف کا قول بھی نقل کروں گا، تاکہ مسئلہ کا اختلافی ہونا معلوم ہو جائے، اور یہاں کسی کا اختلاف نقل نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں تمام مجتہدین کا اتفاق ہے، وھذا نصہ اذا كان في المسئلة خلاف لاحد من الائمة الاربعة اکتفیت بذلك ولا اذکر من خالف فیہا من غیرہم فان لم یکن احد منهم خالف فی تلك المسئلة وكان فیہا خلاف لغيرہم احتجت الی ذکر المخالف لیظہر ان فی المسئلة خلافاً ص ۲۳۱-۲۳۲۔

مبحث دوم؛ سائل کے جواب سے پہلے میں اس کو بھی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ آیت انما الصدقات للفقراء میں حصر حقیقی مقصود ہے کہ زکوٰۃ مفروضہ کے مصارف ہی مصارف ثانیہ ہیں ان کے سوا مصارف زکوٰۃ کوئی نہیں۔
دلائل ملاحظہ ہوں:-

زیاد بن حارث صدیقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے بیعت ہوا، پھر ایک شخص آیا اور کہا یا رسول اللہ مجھ کو صدقہ دے (مال) میں سے دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صدقات کے بارے میں رسول کے فیصلہ پر راضی ہوئے نہ کسی اور کے، یہاں تک کہ اس کا فیصلہ خود ہی فرمایا ہے، اور صدقہ کو آٹھ حصوں پر تقسیم کیا، پس اگر تو ان آٹھ حصوں میں سے کسی حصہ میں داخل ہو تو میں تجھے کو دینے لگا

(۱) عن زیاد بن الحارث الصدیقی قال اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبایعته فاتی رجل فقال اعطنی من الصدقة فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لم یر بحکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات حتی حکم فیہا ہو فجزئھا ثمانیۃ اجزاء فان کنت من تلك الاجزاء لا عطیتک، رواہ ابوداؤد وسکت عنه وسندہ حسن،

(اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے)؛

یہ حدیث صاف تصریح کر رہی ہے کہ صرف اموال زکوٰۃ اپنی مصارف ثانیہ میں منحصر ہے، ان کے سوا اور کسی مصارف میں صرف نہیں کی جاسکتی، اور اس کے بعد کسی دلیل کے

ہیں

ع فی عبد الرحمن بن زیاد بن النعمان الفریقی وثقة غیر واحد یکلم فیہ بعضہم و مشکوٰۃ حسن الحدیث وقد حسن الترمذی

بیان کی حاجت نہیں، مگر تاہم اور دلائل بھی ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۲) امام رازیؒ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں المسئلة الاولى، قوله انما الصدقات للفقراء الآية تدل على انه لاحق في الصدقات لاحد الا لهذه الاصناف الثمانية و ذلك مجمع عليه وايضا لفظة انما تفيد الحصر ويدل عليه وجوه ثم ذكرها واطال (ص ۴۵۹ ج ۲)۔

تفسیر کبیر ہی میں ص ۴۶۲ ج ۲ میں ہے اتفقوا على ان مال الزکوٰۃ لا يخرج عن هذه الثمانية واختلفوا انه هل يجوز وضعه في بعض الاصناف فقط وقد سبق ذكر الدلائل المسئلة ثانيا، اس میں صاف تصریح ہے کہ مال زکوٰۃ کا ان مضاف ثمانیہ میں منحصر ہونا متفق علیہ اجماعی مسئلہ ہے۔

(۳) صاحب کشافؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں انما الصدقات للفقراء قصر لجنس الصدقات على الاصناف المحدودة وانها مختصة بها لا تتجاوزها الى غيرها كانه قيل انما هي لهم لا لغيرهم ونحو قولك انما الخلافة لقرش ترمي لا تعد اھم ولا تكون لغيرهم اھ (ص ۳۸ ج ۲) اس میں بھی صاف تصریح ہے کہ آیت کا مقصود و مطلب یہ ہے کہ جنس صدقات اصناف ثمانیہ پر مقتصر اور انہی میں منحصر ہے، ان کے سوا دوسروں کو صدقہ، زکوٰۃ نہیں دیا جاسکتا، اور صاحب کشافؒ امام عربیت ہیں، ان کی تفسیر معانی عربیت میں حجت ہے۔

مَبْحَث سوم فی سبیل اللہ کے معنی میں؛ چونکہ سائل نے فی سبیل اللہ کے معنی میں تعیم کی کوشش کی ہے، اس لئے اس پر بھی گفتگو لازم ہے، اس میں کچھ شبہ نہیں کہ لغت لفظ فی سبیل اللہ ہر طاعت کو عام ہے، مگر اصطلاح قرآن و حدیث میں غزات و مجاہدین کے ساتھ مخصوص ہے، مفسرین کا اس پر اتفاق ہے۔

(۱) امام رازیؒ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں، الصنف السابع قوله تعالى وفي سبيل الله، قال المفسرون يعني الغزاة اھ (ص ۴۶۳ ج ۲) المفسرون جمع معرف باللام ہے جو عموم کے لئے موضوع ہے، مطلب یہ ہے کہ تمام مفسرین نے فی سبیل اللہ کی تفسیر غزاة سے کی ہے۔

(۲) امام حافظ انام علامہ طبریؒ نے بھی فی سبیل اللہ کی تفسیر یہی کی ہے اور فرمایا ہے

کہ اہل تفسیر کا یہی قول ہے۔

وهذا نصه واما قوله في سبيل الله فانه يعني وفي النفقة في نصرة دين الله
وطريقته وشريعته التي شرعها لعباده بقتال اعداءه وهو غزوا لكفار وبالذي
قلنا في ذلك قال اهل التاويل ذكر من قال ذلك حدثنى يونس انا ابن وهب
قال قال ابن زيد في قوله وفي سبيل الله قال الغازي في سبيل الله ام (مصحف ۱۱۲)

ثم سرد احاديث عديدة۔

اہل علم جانتے ہیں کہ امام ابن جریر طبریؒ اپنی تفسیر میں ہر آیت کے تحت میں علماء قرآن
وائئمہ تفسیر کے مختلف اقوال بکثرت بیان کرتے ہیں، اور اختلاف نقل کرنے کے بعد کسی ایک
معنی کو ترجیح دیا کرتے ہیں، لیکن فی سبیل اللہ کی تفسیر میں انھوں نے بجز غزو کفار کے کچھ نہیں
بیان کیا، اور حصر کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے وبالذی قلنا فی ذلك قال اهل التاويل
فان تقديم ما حقه التأخير يفيد الحصر فتقديم الجار والمجرور في قوله وبالذی
قلنا افاد انهم لم يقولوا بخير ذلك اصلا، کہ جو تفسیر ہم نے کی ہوائئمہ تفسیر نے بھی صرف
یہی تفسیر کی ہے، اس سے یہ بات روشن ہو کہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے، اور اگر کسی کا اختلاف
منقول ہے تو وہ ائمہ تفسیر میں سے نہیں ہے، بلکہ علماء حدیث وفقہ میں سے ہوگا۔

اور درمنثور میں جو ابن ابی شیبہ و ابن المنذر کے حوالہ سے ابن عباسؓ کا (جو ائمہ تفسیر میں
سے ہیں) یہ قول مذکور ہے: انه كان لا يرى بأسا ان يعطى الرجل من زكوته في الحج الخ
(ص ۱۵۲ ج ۳) اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ابن عباسؓ نے فی سبیل اللہ کی تفسیر بمعنی عام کی
اور حج میں زکوٰۃ دینا اس لئے جائز سمجھا ہے کہ ان کے نزدیک حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے
بلکہ ممکن ہے کہ انھوں نے حاج کو ابن سبیل میں داخل کر کے زکوٰۃ سے اس کی امداد کو جائز سمجھا ہے
جیسا کہ مدوّنہ میں مالکؒ سے منقول ہے کہ انھوں نے حاج منقطع کو ابن سبیل میں داخل کر کے
مستحق زکوٰۃ قرار دیا، وهذا نصه قال مالك يعطى من الزكاة ابن السبيل وان كان
غنيا في بلدة قلت فالحاج المنقطع به فقال قال مالك هو ابن السبيل يعطى
من الزكاة ام (ص ۲۵۰ ج ۱)۔

اس توجیہ سے میرا مقصود یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کی تفسیر میں ائمہ تفسیر کا اس پر اتفاق ہے
کہ مراد غازی ہے، مفسرین سے اس کا اختلاف منقول نہیں، بلکہ سب اس پر متفق ہیں کہ ابن عباسؓ

سے جو منقول ہو وہ اس کے خلاف میں نص نہیں۔

(۳) علامہ امام ابو بکر بن عسری نے احکام القرآن میں امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ مجھے اس میں کسی اختلاف کا علم نہیں ہے کہ فی سبیل اللہ سے آیت صدقات میں صرف غزوہ جہاد مراد ہے، اس کے بعد امام ابن عسریؒ نے احمدؒ واسحقؒ سے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک سبیل اللہ صرف حج ہے، پھر یہ کہا کہ ان کا صحیح قول یہ ہے کہ حج بھی غزوہ کے ساتھ سبیل اللہ میں داخل ہے اس پر امام ابن عسریؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول قانون شریعت کو توڑتا اور قیاس کی لڑی کو بکھرتا اور مضبوط گروہ کو کھولتا ہے، اور ہرگز کسی اثر میں یہ وارد نہیں ہوا کہ زکوٰۃ حج میں دی جائے، وھذا نصہ قولہ فی سبیل اللہ قال مالکؒ سبیل اللہ کثیرۃ ولكنی لا اعلم خلافا فی ان المراد بسبیل اللہ ہهنا الغزو من جملة سبیل اللہ الا ما یؤثر عن احمدؒ واسحقؒ فانھما قالا انتہ الحج والذی یصح عندی من قولھما انت الحج من جملة السبیل مع الغزو لا تھ طریق برفاعطی منه باسم السبیل وھذا یحل عقد الباب ویخرم قانون الشریعة وینثر سلك النظر وما جاء قط باعطاء الزکوٰۃ فی الحج اثرام (ص ۳۹۶ ج ۱)۔

امام مالکؒ کا لا اعلم خلافاً فرمانا اس امر کی دلیل ہو کہ سلف صالح اور مشائخ و معاصرین مالکؒ کا طبقہ اس پر متفق تھا کہ فی سبیل اللہ سے مراد غزوات ہیں، اور اصولی قاعدہ ہے کہ اجماع لاحق خلاف سابق کو رفع کر دیتا ہے، اور خلاف لاحق اجماع سابق کو منقوض نہیں کر سکتا، پس اگر صحابہؓ میں سے کسی نے (مثلاً عبداللہ بن عمرؓ) حج کو فی سبیل اللہ میں داخل کیا ہو تو

اس جملہ شرطیہ کے ساتھ اس کو اس لئے تعبیر کیا گیا کہ عبد اللہ بن عمرؓ وغیرہ سے جو فی سبیل اللہ میں ادخال حج منقول ہے وہ آیت زکوٰۃ کی تفسیر میں نہیں بلکہ وصیت کے باب میں ہے، کہ ایک شخص نے اپنے مال کے متعلق وصیت کی کہ اس کو سبیل اللہ میں صرف کیا جائے تو عبد اللہ بن عمرؓ نے حج میں اس کے صرف کو جائز کہا اور فرمایا کہ یہ بھی سبیل اللہ میں سے ہے، کما فی شرح التیسر، ص ۲۴۵، اور وصیت کا مبنیٰ عرف عام پر ہے، ممکن ہے عرف عام میں سبیل اللہ حج کو عام ہو، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عرف شرع میں بھی سبیل اللہ حج کو عام ہو، اور آیت قرآن کی تفسیر عرف شرع کیساتھ لازم ہے عرف عام کیساتھ صحیح نہیں، پس عبد اللہ بن عمرؓ وغیرہ کے اس قول سے آیت مصارف میں فی سبیل اللہ کی تفسیر میں حج کو داخل کرنا صحیح نہیں، اس لئے امام ابن عربیؒ نے احمدؒ واسحقؒ کے قول کو خاتم قانون شریعت کہا، اور درختار میں محمدؒ کے قول کو قیل سے تعبیر کیا ہے جو

ضعف بردال ہے ۱۲ منہ

اجماع مابعد سے یہ اختلاف مرتفع ہو جائے گا، اور اس اجماع کو اختلاف لاحق منقوض نہیں کر سکتا۔

(۴) احمد واسحق اور اسی طرح امام محمد بن حسن نے جو فی سبیل اللہ کی تفسیر میں حج کو داخل کیا ہے ہر چند کہ یہ قول ضعیف ہے، اور بقول امام ابن حجر بن عسکری حرم قانون شریعت ہے مگر اُن کا بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حج میں زکوٰۃ کا مال بدون تملیک کے دیدیا جائے، کیونکہ باتفاق ائمہ مجتہدین ادا زکوٰۃ میں تملیک بشرط ہی، کما تر، بلکہ اُن کا مطلب یہ ہے کہ حاج منقطع کو بطور تملیک کے مال زکوٰۃ دینا جائز ہے، کیونکہ وہ بھی فی سبیل اللہ کا فرد ہے، شرح سیر کبیر میں امام محمدؒ کا قول مذکور ہے وان اعطاها لحاجا منقطعاً علی وجه الصدقة علیہ جازاً، اس میں لفظ اعطاء اور علی وجه الصدقة معنی تملیک میں صریح ہے، مگر اسی کے ساتھ امام محمدؒ کو یہ بھی تسلیم ہے کہ فی سبیل اللہ کا اطلاق اصل میں معنی جہاد وغزوہ ہی کے لئے ہے، چنانچہ شرح سیر ہی میں ہے لان کل خیر طاعة وان کان فی سبیل اللہ وکن

مطلقہ يستعمل فی الغزو والجهاد قال اللہ تعالیٰ قاتلوا فی سبیل اللہ والمراد منه الجهاد ام (ص ۲۲۲ ج ۲) اگر کوئی شخص اپنے ثلث مال کے متعلق وصیت کرے کہ اس کو سبیل اللہ میں صرف کیا جائے تو محمدؐ فرماتے ہیں کہ اس کو محتاج غازی پر صرف کیا جائے ہی افضل ہے، گو حاج منقطع پر بھی صرف کرنا اُن کے نزدیک جائز ہے، شرح سیر میں ہے: ولکن الافضل ان يعطى المحتاج الذى يخرج فی سبیل اللہ لما بینا ان سبیل اللہ اذا اطلق يراد به الغزو والجهاد دون غیرہ فكان صریحاً الیہ اولی الیہ ام (ص ۲۲۵ ج ۲) جب وصیت کے باب میں محمدؐ کا یہ قول ہے حالانکہ اس کا مبنی عرف عام پر ہے نہ عرف شرع پر تو زکوٰۃ کے بارہ میں آیت مصارف کے جملہ فی سبیل اللہ کی تفسیر تو غازی کے ساتھ یقیناً لازم ہے، کیونکہ عرف شرع میں فی سبیل اللہ کا اطلاق جہاد وغزوہ ہی کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ مفسرین کے اتفاق اور امام مالکؒ کے قول لا اعلم فی ذلک خلافاً سے ظاہر ہے، یہ گفتگو بطور تقسیم کلام کے تھی، اصل مقصود اس مقام پر یہ ہے کہ جن ائمہ مجتہدین نے فی سبیل اللہ میں حج کو داخل کیا ہے، اُن کی مراد یہ ہی کہ حاج منقطع کو مال زکوٰۃ بطور تملیک کے دیا جائے، بہر حال اس تعمیم کا اثر شرط تملیک پر اصلاً عائد نہیں۔ (۵) اسی طرح صاحب بدائع نے جو فی سبیل اللہ میں تمام قرب کو داخل کیا ہے انکی

مراد بھی یہی ہے کہ بطور تملیک کے ہر مشغول قربت کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، یہ مراد نہیں کہ بغیر تملیک کے بھی صرف زکوٰۃ جائز ہے، چنانچہ اُن کے الفاظ ملاحظہ ہوں: و اما قوله تعالى وفي سبيل الله عبارة عن جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله و سبيل الخيرات اذا كان محتاجاً (ص ۴۵ ج ۳) اس میں قول کل من سعى في طاعة الله صاف بتلارہا ہے کہ صاحب بدائع کی مراد سبیل اللہ کے محوم جمیع قرب سے یہ ہے کہ اس میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو مشغول طاعت اور محتاج ہوں، اور یقیناً اُن پر جو کچھ صرف ہوگا تملیک ہوگا، پس اس سے یہ سمجھنا کہ صاحب بدائع فی سبیل اللہ میں تکفین موتی و بناء مساجد وغیرہ کو بھی داخل کرتے ہیں، بالکل غلط ہے، کیونکہ صاحب بدائع نے اس سے پہلے تملیک کے رکن زکوٰۃ ہونے کی تصریح کی ہے، اور اس پر یہ حکم متفرع کیا ہے کہ بناء مساجد و رباطات و سقایات و اصلاح قناطر و تکفین موتی وغیرہ میں صرف زکوٰۃ بوجہ عدم تملیک کے جائز نہیں و هذا انقضاء فركن الزکوٰۃ هو اخراج جزء من النصاب الى الله تعالى وتسليم ذلك اليه بقطع المالك يد عنه بتمليكه من الفقير وتسليمه اليه او الى يد من هو نائب عنه وهو المصدق الى ان قال وعلى هذا يخرج صرف الزکوٰۃ الى وجوه البر من بناء المسجد والرباطات والسقایات و اصلاح القناطر و تکفین الموتى و دفعهم انهم لا يجوز لانهم لم يوجد التمليك اصلاحاً ۳۹ ج ۲

ان اباحت ثلاثه سے فراغت کے بعد میں سائل کے دلائل پر توجہ کرتا ہوں:

(۱) سائل نے سب سے پہلے للفقراء کے لام میں بحث کی ہے، کہ یہ لام ملک کے لئے ہے یا نہ؟ پھر حافظ ابن حجر کا قول فتح الباری سے نقل کیا ہے ان اللام في قوله تعالى للفقراء المصروف لا للتمليك ام، اس بحث کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک کی شرط اسی پر موقوف ہے کہ لام للفقراء میں ملک کے لئے ہے، اور اس میں اختلاف ہے، لہذا زکوٰۃ میں قید تملیک بھی مختلف فیہ ہوگی، مگر اس سے ہر شخص کو جو فقہ

اس مقام پر یہ بات قابل تنبیہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے یہ قول اپنی طرف سے بیان نہیں کیا، بلکہ امام حسن بصریؒ کے قول کی توجیہ میں بیان فرمایا ہے، پوری عبارت یہ ہے وفيه مضمير منه الى ان اللام في قوله للفقراء لبيان المصروف لا للتمليك فلو صرف الزکوٰۃ في صنف واحد كفي ام، پس نقل میں سائل نے مسامحت کی ہے جس سے اہل علم کو احتراز لازم ہے ۱۲ منہ

سے مناسبت رکھتا ہو، سائل کے تصور نظر پر تعجب ہوگا، کیا سائل کو معلوم نہیں کہ ائمہ حنفیہ زکوٰۃ میں تملیک کو رکن کہتے ہیں، اور اس کے ساتھ ہی وہ لام للفقراء کو ملک کے لئے نہیں مانتے اور حافظ ابن حجر کا قول حنفیہ کے عین موافق ہے، ہدایہ میں ہے فہذہ جہات الزکوٰۃ فللما لک ان یدفع الی کل واحد منهم ولہ ان یقتصر علی صنف واحد وقال الشافعی لا یجوز الا ان یصرف الی ثلاثة من کل صنف لان الاضافة بحرف اللام للاستحقاق ولنا ان الاضافة لبيان انهم مصارف لا لاثبات الاستحقاق الی ان قال ولا یبني بہا مسجد ولا یکفن بہا میت لانعدام التملیک وهو الرکن ام، اس میں صاف تصریح ہے کہ لام للفقراء حنفیہ کے نزدیک بیان مصارف کے لئے ہے، استحقاق و ملک کے لئے نہیں، مگر پھر بھی وہ تملیک کو زکوٰۃ میں رکن قرار دیتے ہیں، اس سے صاف معلوم ہوا کہ شرط تملیک کی دلیل لام للفقراء نہیں بلکہ اس کے علاوہ ہے، جس کا مفصل بیان مبحث اول میں گذر چکا، پس سائل کا لام میں گفتگو کرنا محض فضول و لاطائل ہے۔

(۲) اس کے بعد سائل نے فی سبیل اللہ کے معنی میں بحث کی ہے، کہ اس کے معنی میں تعین اور اس تعین پر اجماع ہوا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب مبحث سوم سے بخوبی واضح ہو چکا ہے، کہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے، اور امام مالک کے زمانہ تک اس میں اختلاف نہ تھا، کہ فی سبیل اللہ سے مراد غازی ہیں، اختلاف ان کے بعد حادث ہوا، اور علامہ اہل بیت نے اس قول کو کافی سبیل اللہ میں حج بھی داخل ہے تمام قانون شریعت اور ضعیف کچھ رد کر دیا ہے اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ فی سبیل اللہ میں حج اور جمیع قرب داخل ہیں تو ائمہ مجتہدین میں کسی کا یہ قول ہرگز نہیں کہ حج یا جمیع قرب میں بدون تملیک کے زکوٰۃ کا دینا جائز ہے، بلکہ جو لوگ حج کو اس میں داخل کرتے ہیں یا جمیع قرب کو عام کہتے ہیں وہ تملیک کی شرط کو ضروری کہتے ہیں، ائمہ اربعہ اور جمیع مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے کہ تملیک رکن زکوٰۃ ہے، محمدؐ نے حج کو فی سبیل اللہ میں داخل کرتے ہیں اس کی تصریح کی ہے کہ حاج منقطع کو تملیک کے طور پر صدقہ دیا جائے، صاحب بدائع نے جمیع قرب کو فی سبیل اللہ میں شامل کیا ہے، مگر تملیک کی شرط کو بار بار ذکر کرتے ہیں، پس یہ بحث بھی سائل کو کچھ مفید نہیں، کیونکہ فی سبیل اللہ کا عموم شرط تملیک کی نفی نہیں کرتا، ہاں سائل نے تفسیر کبیر و بیضاوی اور خازن کے حوالہ سے بعض فقہاء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ سہم سبیل اللہ کو تمام وجوہ خیر مثل تکفین موتی و بناء جیسور و عمارت مساجد وغیرہ میں صرف کرنا جائز ہے،

کیونکہ لفظ سبیل اللہ سب کا ہے اور یہ قول البتہ بظاہر شرط تملیک کی نفی کر رہا ہے اگر سبیل اللہ سے مراد ہم زکوٰۃ ہے مگر یہ قول لغویاً بطل ہے، کیونکہ عرفِ شرع میں فی سبیل اللہ جہاد و غزوہ کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ اوپر گزر چکا، اور امام ابو بکر ابن العربی نے جب احمد واسحق کے اس قول کو کہ حج فی سبیل اللہ میں داخل ہے حارمِ قانونِ شریعت اور ناشرِ سلکِ منظر کہہ دیا، حالانکہ حج کو جہاد سے شرعاً مناسبت بھی ہے، کیونکہ حدیث میں عورتوں کے لئے وارد ہے جہاد کن الحج کہ تمہارا جہاد حج ہے، تو یہ قول حارمِ قانونِ شریعت کیونکر نہ ہوگا، جس میں حج کے سوا جمیع وجوہ خیر کو سبیل اللہ میں داخل کیا گیا ہے، پھر یہ کچھ معلوم نہیں کہ یہ بعض فقہاء کون ہیں؟ مقلد ہیں یا مجتہد یا اہل ظاہر ہیں سے ہیں؟ اور جب تک قائل معلوم نہ ہو اس وقت تک کوئی قول مسموع نہیں ہو سکتا، اَنّ

هَذَا لَامْرَدَيْنِ فَانْظُرْ وَاعْمَنْ تَاْخُذْ وَنَ دِيْنَكُمْ وَلَوْلَا اَلْاِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ، بحثِ اوّل میں شرط تملیک کی دلیل میں نصِ قرآنی و احادیث مشہورہ و اجماع مجتہدین مذکور ہوئے، اس کے مقابلہ میں قول مجہول کیونکر مسموع ہو سکتا ہے! فقہ میں محض قال بعض الفقہاء یا قال بعضهم سے کام نہیں چل سکتا، جب تک قائل معلوم نہ ہو جیسا حدیث میں روایت مجہول معتبر نہیں اس سے زیادہ فقہ میں مجہول کا قول قابل اعتبار نہیں قائم۔

علاوہ ازیں یہ کہ سائل نے تفاسیر کو غور سے دیکھا ہوتا تو اس کو معلوم ہو جاتا کہ اَنَّمَا الصَّدَقَاتُ کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہوا ہے، کہ اس سے صرف زکوٰۃ واجبہ مراد ہے یا اس میں صدقاتِ نافلہ بھی داخل ہیں، بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ اس میں صدقاتِ نافلہ بھی داخل ہیں، تو ممکن ہے کہ یہ بعض فقہاء جو فی سبیل اللہ میں جمیع وجوہ خیر کو داخل کرتے ہیں وہی ہوں، جو اَنَّمَا الصَّدَقَاتُ میں صدقاتِ نافلہ کو بھی داخل کرتے ہیں اور چونکہ بالاتفاق صدقاتِ نافلہ کا صرف کرنا جمیع وجوہ خیر میں جائز ہے، مثل تکفینِ موتی و بناء مساجد و بناء حصون وغیرہ کے، اس لئے وہ اس طرف مضطرب ہوئے کہ فی سبیل اللہ کو عام کہیں، مگر اس تعمیم کا حاصل صرف یہ ہوگا کہ صدقاتِ نافلہ کا جمیع وجوہ خیر میں صرف کرنا جائز ہے، نہ یہ کہ زکوٰۃ واجبہ بھی بدون تملیک کے تمام وجوہ خیر میں صرف ہو سکتی ہے، تفسیرِ کبیر ملاحظہ ہو، اَنَّهُوَ اَعْلٰی اَنْ قَوْلَهُ تَعَالٰی اَنَّمَا الصَّدَقَاتُ دَخَلَ فِيْهِ الزَّكٰوٰةُ الْوَاجِبَةُ لِاَنَّ الزَّكٰوٰةَ الْوَاجِبَةَ مَسْمُوْمَةٌ بِالصَّدَقَةِ قَالَ

عہ اور ظاہر ہے کہ مقلد و اہل ظاہر کا خلاف کسی درجہ میں معتبر نہیں ۱۳ منہ

تَعَالَى خُنْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَيْسَ فِيْمَادُونَ خَمْسَةَ أَوْ سِتِّ صَدَقَةٍ وَاخْتَلَفُوا فِي أَنَّهُ هَلْ تَدْخُلُ فِيهِ الصَّدَقَةُ النَّافِلَةُ فَمِنْهُمْ مَنْ قَالَ تَدْخُلُ فِيهَا لَأَنَّ لَفْظَ الصَّدَقَةِ مُتَعَمِّصٌ بِالنَّافِلَةِ فَإِذَا دَخَلْنَا فِيهِ الزَّكَاةُ الْوَاجِبَةُ فَلَا أَقْلَ مِنْ أَنْ تَدْخُلَ فِيهَا الصَّدَقَةُ الْمُنْدُوبَةُ وَتَكُونَ الْفَاعِلَةُ أَنْ مَصَارِفَ جَمِيعِ الصَّدَقَاتِ لَيْسَ إِلَّا هُوَ لِأَنَّ (ص ۲۶۲ ج ۲)

(۳) اس کے بعد سائل نے امام بخاریؒ کے ایک ترجمہ الباب کے استدلال کیا ہے کہ امام بخاریؒ زکوٰۃ میں تملیک کو واجب نہیں سمجھتے، اور مانعین سے امام بخاریؒ کے استدلال کے جواب میں آیت یا حدیث صریح کا مطالبہ کیا ہے اور قطعی و تشفی بخش جواب مانگا ہے،

مگر میں کہتا ہوں کہ پہلے سائل امام بخاریؒ کا صریح قول تو دکھلائے اس کے بعد ہی اس کے جواب کے لئے آیت یا حدیث صریح و قطعی و تشفی بخش جواب کا مطالبہ کرے، امام بخاریؒ نے صراحتاً کہیں یہ نہیں کہا کہ زکوٰۃ میں تملیک شرط نہیں، انھوں نے تو صرف ایک ترجمہ الباب قائم کیا ہے، باب العروض فی الزکوٰۃ، جس کے معنی ہیں کہ زکوٰۃ میں متاع و اسباب کا دینا بھی (بجائے نقد کے) جائز ہے یا نہیں، پھر اس باب کے تحت میں چند احادیث لائے ہیں، اب اس ترجمہ کو اور ان احادیث کو ملا کر جو کچھ مطلب نکالا جائے گا وہ صراحتاً امام بخاریؒ کا قول نہ ہوگا، بلکہ شارحین کا قول ہوگا، کیونکہ یہ بات اہل علم پر ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ کے تراجم ابواب کی مطابقت احادیث باب سے بہت دقیق ہوتی ہے اور بہت جگہ مطابقت ظاہر میں کچھ نہیں معلوم ہوتی، امام بخاریؒ کے تراجم ابواب چیتان سے کم نہیں جن کی تطبیق احادیث پر جا بجا نہایت دشوار اور دقیق ہوتی ہے، تو ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ترجمہ الباب اور احادیث باب میں تطبیق دیتے ہوئے جو وجوہ مختلفہ شارحین بیان کرتے ہیں ان سے امام بخاریؒ کا مذہب کیونکر متعین ہو سکتا ہے، اور اس کو جزماً امام بخاریؒ کا قول کیونکر کہا جاسکتا ہے۔

اب سنتے، اس مقام پر ترجمہ الباب یہ قائم کیا گیا ہے، باب العروض فی الزکوٰۃ، اور اس کے تحت میں حضرت خالدؓ کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے واما خالد فقد احتبس أدراعه واعتدہ فی سبیل اللہ کہ جب حضرت خالدؓ سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا گیا اور انھوں نے زکوٰۃ نہ دی اور حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ خالد نے تو اپنی زرہیں اور سامان سب کا سب اللہ کے راستہ میں وقف کر دیا ہے۔
 شارحین نے ترجمہ کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت میں مختلف وجوہ اور متعدد تاویلیں ذکر
 کی ہیں، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: مطابقتہ للترجمة من حيث ان ادراع خالد و
 اعتده من العرض ولولا انه وقفهما لا عطا هاتين وجه الزکوٰۃ، اولما صح
 منه صرفهما في سبيل الله دخلا في احد مصارف الزکوٰۃ الثمانية المذكورة
 في قوله تعالى انما الصدقات للفقراء فلم يبق عليه شيء اھ (ص ۳۹۶ ج ۴)
 (ترجمہ) حدیث کی مطابقت ترجمۃ الباب سے اس طرح ہے کہ حضرت خالدؓ کی زرہیں اور
 سامان عروض کی قسم سے تھا، اور اگر وہ اُن کو وقف نہ کر چکے تو زکوٰۃ میں اپنی کو دیتے،
 (معلوم ہوا کہ زکوٰۃ میں عروض کا دینا جائز ہے) یا یہ کہ جب حضرت خالدؓ کا زرہ اور سامان
 کو سبیل اللہ میں صرف کرنا صحیح ہو گیا، تو یہ سامان مصارف زکوٰۃ کے ایک مصرف میں داخل
 ہو گیا، جو آیت صدقات میں مذکور ہیں تو اب اُن کے ذمہ کچھ نہیں رہا، اھ۔

اس میں توجیہ اول توحفیہ اور جمہور ائمہ کے موافق ہے، اس سے شرط تملیک کا ابطال
 لازم نہیں آتا، ہاں توجیہ ثانی سے شبہ ہو سکتا ہے کہ وقف ہی سے بدون تملیک کے زکوٰۃ
 ادا ہو گئی، مگر علامہ عینیؒ کا یہ مطلب ہرگز نہیں، بلکہ اُن کا مطلب یہ ہے کہ زرہ اور سامان
 حرب کو سبیل اللہ میں وقف کر دینے سے زکوٰۃ ساقط ہو گئی، کیونکہ مال موقوف محل زکوٰۃ
 نہیں، جیسا کہ صفحہ ۳۹۶ ج ۴ میں تصریح کے ساتھ علامہ عینیؒ نے حدیث خالدؓ کی شرح
 میں فرمایا ہے وفيه اسقاط الزکوٰۃ عن الاموال اھ، کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم
 ہوا کہ اموال موقوفہ سے زکوٰۃ ساقط کر دی جاتی ہے، اور یہ بات حنفیہ کے موافق ہے کہ

اس مقام پر یہ بات قابل تنبیہ ہے کہ سائل نے سوال میں یہ ظاہر کیا ہے کہ قصہ خالدؓ سے بخاری نے زکوٰۃ میں
 نقد کے عوض متاع دینا ثابت کیا جو فقہائے حنفیہ کے موافق ہے، اس کے بعد سائل نے مولانا احمد علی صاحبؒ
 محشی بخاری کی عبارت نقل کی ہے، جس سے دیکھنے والوں کو یہ دھوکہ ہو گا کہ حنفیہ نے بھی حدیث خالدؓ سے وہی
 سمجھا ہے جو بزرگ سائل امام بخاریؒ نے سمجھا کہ حضرت خالدؓ نے زرہ بکتر کو زکوٰۃ میں نکالا اور ان کو بدون تملیک
 کے وقف کر دیا، حالانکہ حنفیہ نے ادا بر عرض و ادا بر قیمت فی الزکوٰۃ کا مسئلہ صرف حدیث خالدؓ سے مستنبط نہیں
 کیا، بلکہ دراصل حدیث معاذ و انسؓ سے مستنبط کیا ہے، اور جو عبارت دفع قیم فی الزکوٰۃ کے متعلق سائل
 نے حاشیہ بخاری سے نقل کی ہے وہ حاشیہ مولانا احمد علی صاحبؒ نے حدیث معاذؓ پر تحریر کیا ہے، نہ حدیث
 خالدؓ پر اور علامہ عینیؒ نے بھی اس مسئلہ کو اولاً ص ۳۹۸ ج ۴ میں حدیث معاذ و حدیث انسؓ ہی کے تحت میں
 بیان کیا ہے، سائل کو ایسی صریح مساحت سے احتراز کلی لازم تھا، ۱۲ منہ

مال وقف منقول میں زکوٰۃ واجب نہیں، جبکہ حوالانِ حول سے پہلے وقف کر دیا گیا ہو اور حضرت خالدؓ نے حوالانِ حول سے پہلے ہی اپنا سامان وقف کر دیا تھا، کیونکہ جب انھوں نے مصدق سے انکار کر دیا (جو حوالانِ حول پر زکوٰۃ وصول کیا کرتا ہے) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صیغہ ماضی کے ساتھ فرمایا کہ خالدؓ تو اپنا سامانِ حرب وقف کر چکے ہیں، تم مطالبہ زکوٰۃ پر ان پر ظلم کرتے ہو (اور وقف قبل حوالانِ حول کی بحث عنقریب مفصل آئے گی)۔

اور ایک توجیہ حافظ ابن حجرؒ نے کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے قصہ خالدؓ سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ زکوٰۃ کے مال کو ہتھیار و آلاتِ حرب کی خرید میں لگانا اور جہاد میں ان سے مدد کرنا جائز ہے، اس بنا پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو اس امر کی اجازت دی کہ وہ اپنے اس حبس کو زکوٰۃ واجبہ کے حساب میں لگالیں (۱۸ ج ۲۶۲)۔ یہ توجیہ البتہ ظاہر میں شرطِ تملیک کے غیر ضروری ہونے میں مبنی ہے، گو تاویل کے ساتھ اس کو بھی علامہ عینیؒ کی تاویل ثانی کی طرف راجع کیا جاسکتا ہے۔

اور ایک توجیہ جمہور نے کی ہے انہ لوکان قوی باخواجهما عن ملکہ الزکوٰۃ عن ماله لان احد الاصناف سبیل اللہ وہم المجاہدون وھذا یقولہ من یجیز اخراج القیم فی الزکوٰۃ کالحنفیۃ ومن یجیز التعجیل کالشافعیۃ ذکرہ الحافظ فی الفتح (ص ۲۶۲ ج ۳) کہ حضرت خالدؓ نے ان زریروں وغیرہ کو اپنی ملک سے نکالتے ہوئے اپنے مال کی زکوٰۃ کی نیت کی تھی، کیونکہ سبیل اللہ یعنی مجاہدین بھی زکوٰۃ کا ایک مصرف ہے، اور یہ توجیہ لوگ کرتے ہیں جو زکوٰۃ میں قیمت کا ادا کرنا جائز سمجھتے ہیں، جیسے حنفیہ اور زکوٰۃ پیشگی ادا کرنا جائز سمجھتے ہیں، جیسے شافعیہ ام، اس توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ حضرت خالدؓ نے زکوٰۃ میں زریروں وغیرہ نکالی اور ان کو جہاد کے واسطے رکھ چھوڑا کہ ضرورت کے وقت مجاہدین کو دیدی جائیں گی، اس توجیہ میں اخراج عن الملک سے مراد عزل ہے، اور حبس سے مراد حبس لغوی ہے، وقف مراد نہیں، کیونکہ حنفیہ و شافعیہ کے مذہب پر یہی صورت منطبق ہو سکتی ہے، اور حافظ نے اس کو حنفیہ و شافعیہ کی طرف منسوب کیا ہے، پس ان کے مذہب پر انطباق لازم ہے، علامہ عینیؒ کی عبارت حافظ کی عبارت سے زیادہ واضح ہے، انھوں نے اس میں اتنا اور زیادہ کیلئے قصر فیہا فی الحال کسر فیہا فی المال ام کہ زکوٰۃ کا اس وقت صرف کرنا اور بعد میں صرف کرنا برابر ہے، اس کا وہی مطلب ہے کہ حضرت خالدؓ نے ان

اشیاء کو زکوٰۃ کی نیت سے الگ کر کے آئندہ مجاہدین پر صرف کرنے کے لئے روک لیا تھا۔
ایک توجیہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے شرح تراجم بخاری میں بیان فرمائی ہے۔
واستدلال المؤلف بقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم وأما خالد الخ استدلال
ببعض محتملاته بان یقال معناه انه اشتري بمال الزکوٰۃ الادراع والاعبد
فوقفها فی سبیل اللہ فقد سقطت زکوٰۃه وأما لو حصل الکلام علی معان
آخر فلا یدل علی الترجمة ام (ص ۱۱۰)۔

مؤلف کا قصہ خالدؓ سے استدلال بعض معانی محتملہ سے استدلال ہے، کہ یوں کہا جائے
کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت خالدؓ نے مال زکوٰۃ سے زرہیں اور غلام خرید کر کے ان کو
سبیل اللہ میں وقف کر دیا ہے، اس لئے ان پر سے زکوٰۃ ساقط ہو گئی، اور اگر کلام کو دوسرے
معنی پر محمول کیا گیا تو ترجمہ پر دلالت نہ ہوگی۔

میں کہتا ہوں اس کا حاصل وہی ہے جو علامہ عینی کی توجیہ ثانی کا حاصل ہے، کہ خالدؓ
نے حولان حول سے پہلے زکوٰۃ کے مال سے آلات حرب خرید کر کے وقف کر دیئے ہیں اس لئے
زکوٰۃ ساقط ہو گئی، اور اس کو حنفیہ تسلیم کرتے ہیں، جبکہ تمام حول پر نصاب کامل باقی نہ رہا،
ایک توجیہ ہمارے بعض مشائخ حدیث نے یہ کی ہے کہ امام بخاریؒ نے زکوٰۃ کو وقف پر
قیاس کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ جب عروض کا وقف جائز ہے (جو کہ صدقہ کی ایک قسم
ہے) تو زکوٰۃ میں بھی عروض کا دینا جائز ہے، کیونکہ زکوٰۃ بھی صدقہ ہی ہے، جب صدقہ
ہونے میں دونوں مساوی ہیں تو عروض کے ساتھ جواز تعلق میں بھی دونوں مساوی ہونگے،
اور یہ توجیہ ہمارے نزدیک تمام توجیہات سے اقرب ہے، کیونکہ بقیہ توجیہات کی بناءً محض
احتمالی امور پر ہے، مثلاً یہ کہ حضرت خالدؓ نے سلاح و اعتماد وغیرہ کو زکوٰۃ میں محسوب کر کے
وقف کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس حساب کو جائز رکھا۔

یا حضرت خالدؓ نے مال زکوٰۃ سے ان اشیاء کو خرید کر وقف کیا تھا، اور ظاہر ہے کہ
الفاظ حدیث میں ان احتمالات پر کوئی دلیل و قرینہ قائم نہیں، نہ حضرت خالدؓ کے حساب
مگانے پر نہ حضورؐ کی اجازت حساب پر، نہ حضرت خالدؓ کے شرار و بیع پر، حدیث کا مدلول
تو صرف اس قدر ہے کہ مصدق نے حضرت خالدؓ سے زکوٰۃ مانگی انھوں نے دینے سے انکار کیا،
مصدق نے حضورؐ سے شکایت کی، حضورؐ نے حضرت خالدؓ کی طرف سے یہ عذر بیان کیا

کہ وہ تو اپنا سامان حرب زرہ و غلام و سامان وغیرہ سبیل اللہ میں وقف کر چکے ہیں، تم اُن پر مطالبۂ زکوٰۃ سے ظلم کرتے ہو، اس مدلول سے ظاہر صرف اس قدر ہے کہ مصدق نے حضرت خالدؓ کے سامان حرب کو بمقدار کثیر دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ تجارتی مال ہے کیونکہ استعمالی اسباب اتنا زیادہ نہیں ہوتا، اور اس کثرت کی دلیل حدیث میں صیغہ جمع ادراع و اعتداعید ہے (اس لئے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا، حضورؐ نے بتلادیا کہ وہ تو اس کو وقف کر چکے ہیں، اس سے امام بخاریؒ نے یہ استدلال کیا کہ جب عروض کا وقف جائز ہے تو زکوٰۃ میں بھی عروض کا دینا جائز ہے۔

امام شوکانیؒ نیل الاوطار میں فرماتے ہیں: ومعنی ذلك انهم طلبوا من خالد زکوٰۃ اعتاده ظناً منهم انها للتجارة (ای لکثرتها ۱۲) وان الزکوٰۃ فيها واجبة فقال لهم لان زکوٰۃ فيها على فقالوا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان خالداً منع الزکوٰۃ فقال انکم تظلمونه لانه حبسها ووقفها في سبيل الله تعالى قبل الحول عليها فلا زکوٰۃ فيها ۱۵ (ص ۳۷۳-۳۷۴)۔

اب اتنی توجہ کے بعد یہ دعویٰ کرنا کہ امام بخاریؒ کی مراد وہی توجہ ہے جو حافظ ابن حجرؒ نے بیان کی ہے دعویٰ بلا دلیل ہے، اور اس پر یہ تفریح کرنا کہ امام بخاریؒ کا اس قصہ خالدؓ کے ذکر سے یہ مقصود ہے کہ ادا بر زکوٰۃ میں تملیک شرط نہیں بنار الفاسد علی الفاسد۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ امام بخاریؒ کا یہ مقصود ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن کا مذہب بھی یہی ہے، کہ زکوٰۃ میں تملیک شرط نہیں، کیونکہ محدثین اپنی کتابوں میں مختلف احادیث مختلف تراجم کے ساتھ بیان کرتے ہیں، اور ان کا مذہب ان میں سے ایک ہوتا ہے، جیسا کہ ترمذی و نسائی نے باب القراءة خلف الامام، والرخصة فی ترک القراءة خلف الامام منع کیا ہے، اور دونوں ان کا مذہب نہیں، اسی طرح ممکن ہے کہ امام بخاریؒ نے اس ترجمہ و حدیث سے اس بات پر تنبیہ کی ہو، کہ حدیث خالدؓ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ زکوٰۃ وقف سے بھی ادا ہو سکتی ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام بخاریؒ کا مذہب یہی ہے۔

اب رہا یہ کہ حدیث خالدؓ سے یہ مطلب قطعی طور پر حاصل ہوتا ہے یا بطور احتمال کے، تو اس کو شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے واضح کر دیا کہ یہ استدلال بعض محتملات سے

استدلال ہے، اور اصولی قاعدہ ہر اذاجار الاحتمال بطل الاستدلال، کہ احتمال کے ساتھ استدلال باطل ہے، پھر یہ احتمال اُن دلائل صریحہ کے مقابلہ میں کیا وقعت رکھ سکتا ہے جو بحث اول میں تملیک کی ضرورت پر نصوص قرآنیہ و احادیث مشہورہ و اجماع مجتہدین سے بیان کئے گئے ہیں؟

تیسرے ہم یہ کہتے ہیں کہ بعد تسلیم اگر مان لیا جائے کہ امام بخاری کا مذہب وہی ہے جو سائل نے سمجھا ہے تو اس کے بعد وہ یہ ثابت کرے کہ امام بخاری مقلد ہیں، یا مجتہد، اگر مقلد ہیں تو مجتہدین کے اقوال کو چھوڑ کر مقلد کا قول لینا کب جائز ہے؟ خصوصاً جبکہ اُن کا استدلال بھی بوجہ استدلال بالاحتمال ہونے کے باطل ہو، اور اگر مجتہد ہیں تو اُن کا قول ائمہ مجتہدین سابقین کے خلاف ہے، اور اجماع سابق کو خلاف لاحق منقوض نہیں کر سکتا، بلکہ خلاف لاحق خود باطل ہے۔

اور کوئی یہ کہے کہ گو حافظ ابن حجرؒ کی توجیہ سے امام بخاریؒ کا مذہب متعین نہیں ہو سکتا مگر خود حافظؒ کے نزدیک تو اس توجیہ کا صحیح ہونا معلوم ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حافظ کا مذہب وہی ہے جو اس توجیہ میں مذکور ہے، کیونکہ شارح کا کام صرف یہ ہے کہ مؤلف کتاب کے قول کی شرح کر دے خواہ وہ شرح شارح کے موافق ہو یا مخالف، اور جب اس سے حافظ کا مذہب متعین نہ ہوا تو اس کا اخذ کرنا جائز نہیں، کیونکہ جس قول کے خلاف خود قاتل کا مذہب ہو وہ قول قاتل ہی کے نزدیک باطل ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ امام شافعیؒ کے مقلد ہیں، اس لئے یہ توجیہ حافظ کا مذہب ہرگز نہیں، بلکہ اُن کے مذہب کے خلاف اور ان کے نزدیک باطل ہے، نیز اس میں وہ جوابات بھی جاری ہیں جو امام بخاریؒ کے مقلد و مجتہد ہونے کی صورت میں اوپر مذکور ہوئے ہیں۔

اس کے بعد سائل نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت حجۃ اللہ البالغہ سے

اس مقام پر یہ امر قابل تنبیہ ہے کہ سائل نے عبارت حجۃ اللہ البالغہ کے ترجمہ میں غلطی کی ہے، کیونکہ ترجمہ میں یہ جملہ ”جیسا کہ آیت کے نزول کے موقع پر مدینہ مسلمانوں کا خالص شہر تھا“ نہ معلوم کس جملہ کا ترجمہ ہے، اور اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ مترجم نے لتکفی لوائب المدینہ میں المدینہ سے شہر مدینہ مراد لیا ہے، اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے، یہاں لوائب المدینہ سے حوادث البلد مراد ہے، جو ہر بلد کو عام ہے ۱۲ منہ

نقل کی ہے، جس میں شاہ صاحب کا یہ قول ہے کہ حدیث خالدؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف زکوٰۃ کی جانب سے کافی ہے، اور یہ کہ آیت صدقات میں حصر اضافی ہے، اور یہ کہ مصارف زکوٰۃ میں توسیع کی ضرورت ہے الخ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے خود شرح تراجم و ابواب میں تصریح کر دی ہے کہ حدیث خالدؓ میں مختلف احتمالات ہیں، اور امام بخاریؒ کا استدلال حدیث خالدؓ سے بطور احتمال کے مانور ہے اور محتمل سے استدلال باطل ہے، اس لئے شاہ صاحب کا یہ استدلال ساقط ہے، اگر ان کی مراد وہی ہے جو سائل نے اس سے سمجھی ہے، نیز آیت میں حصر کو اضافی کہنا بھی حدیث و اجماع کے خلاف ہے، جس کا مبحث دوم میں ذکر ہو چکا۔

دوسرے شاہ صاحب نے شرح تراجم میں جو توجیہ بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مال زکوٰۃ کے وقف کرنے سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے، اور حجۃ اللہ البالغہ میں یہ کہا ہے کہ وقف زکوٰۃ کی طرف سے کافی ہے، دونوں میں اختلاف ہے، اور ایک شخص کے مختلف اقوال میں جمع یا ترجیح لازم ہے، پس اول یہ ثابت کرنا چاہئے کہ ان دونوں میں سے مقدم و مؤخر کونسا ہے، اگر یہ ثابت نہ ہو سکے تو جمع نہ ہو سکے کی صورت میں دونوں ساقط ہیں، اور اس کے قول سے احتجاج و استدلال نہیں ہو سکتا، خصوصاً جبکہ حضرت شاہ صاحبؒ خود مقلد ہیں، اور ان کا رتبہ امام بخاریؒ اور حافظ ابن حجرؒ سے بھی پیچھے ہے، تو ان کا قول ائمہ مجتہدین کے خلاف مسموع نہیں ہو سکتا۔

نیز حضرت شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں صدقات کی تقسیم اولاً اس طرح

کی ہے: والبلاذ الخاصة بالمسلمین عمدة ما يتخلص فيها من المال نوعان بازاء نوعین من المصروف، نوع هو المال الذی زالت عنه ید مالکھ کتکت المیت لا وارث له وضوال من البهائم لا مالک لہا واللقطة

اس سائل نے شاہ صاحبؒ کی عبارت کا یہ جملہ بھی نقل کیا ہے وعن ابی الاس حملنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی اہل الصدقة للجمع ام اس سے معلوم نہیں سائل کو کیا ثابت کرنا مقصود ہے، اگر یہ مقصود ہے کہ فی سبیل اللہ غزاة کے ساتھ خاص نہیں بلکہ حج بھی اس میں داخل ہے تو اس کو یہ ثابت کرنا لازم ہے کہ یہ اونٹ جن پر حجاج کو سوار کیا گیا سہم سبیل اللہ کے تھے، سہم ابن سبیل کے نہ تھے، اور اگر مقصود ہے کہ یہ اونٹ زکوٰۃ کے بدون تملیک کے بطور وقف کے استعمال کئے گئے تو اس کو نفی تملیک پر دلیل قائم کرنا چاہئے، کیونکہ لفظ حملنا تملیک سے آبی نہیں بلکہ تملیک کے ساتھ بھی اطلاق ہوتا ہے ۱۲۰

اخذها اعوان بیت المال وعرفت فلم يعرف لمن هي ومن حقه ان يصرف الى
المنافع المشتركة التي مما ليس فيها تمليك لاحد ككبرى الانهار وبناء القناطر
والمساجد وحفر الابار والعيون وامثال ذلك ونوع هو صدقات المسلمين
جمعت في بيت المال ومن حقه ان يصرف الى ما فيه تمليك لاحد وفي
ذلك قوله تعالى انما الصدقات للفقراء والآية (ص ۳۳ و ۳۴ ج ۲)۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کے بلا در خاصہ میں دو قسم کے اموال دو قسم کے مصرف
کے مقابلہ میں ہیں، ایک قسم کا مال تو وہ ہے جس پر سے مالک کا قبضہ زائل ہو گیا، جیسے لاواری
ترک، گم شدہ جانور اور لقطہ وغیرہ، اس کا مصرف تو منافع مشترکہ ہیں جن میں تملیک
کسی کی نہیں ہوتی، جیسے بنار، مساجد و قناطر اور نہریں اور کنواں اور چشمہ کھودنا وغیرہ۔
اور ایک نوع اموال کی وہ ہے جو مسلمانوں کے صدقات سے بیت المال میں جمع ہوتی
ہے، اس کا حق یہ ہے کہ ایسے مصرف میں صرف ہو جس میں کسی کی تملیک ہو، اور آیت
انما الصدقات للفقراء اسی قسم کے اموال کے متعلق ہے، ام

اس عبارت کے سیاق سے ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے
اس میں قانون شرعی کی ترجمانی کی گئی ہے، کیونکہ اس سے پہلے یہ جملہ ہے فجعل النبی
صلی اللہ علیہ وسلم لكل من هذين سنة وجعل الجباية بحسب المصارف
اور اخیر میں فرمایا ہے کہ اموال کی نوع ثانی کا حق یہ ہے کہ ایسے مصرف میں صرف ہو جس میں
کسی کی تملیک ہو، پھر فرمایا کہ آیت انما الصدقات اسی قسم کے اموال کے متعلق ہے،
اس سے صاف عیاں ہے کہ اس مقام پر شاہ صاحب نے اموال و مصارف کی جو تقسیم کی
ہے وہ ان کے نزدیک شرعی تقسیم ہے، محض اجتہادی نہیں، کیونکہ خدا و رسول کی طرف
شاہ صاحب نے اس کو منسوب کیا ہے، پس جب حضرت شاہ صاحب کے نزدیک اموال کی
نوع ثانی کے لئے شرعاً تملیک کا ضروری ہونا متحقق ہے تو اب ان کے آئندہ کلام کو جو محض
استدلالی کلام ہے ایسے معنی پر محمول کرنا جس سے تملیک کا ابطال ہوتا ہو ان کے کلام
کو مختل کرنا اور آخر کلامہ بنیقض اولہ کا مصداق بنانا ہے، پس لازم ہے کہ آخر کلام کی
ایسی توجیہ کی جائے جس سے پہلے کلام کا ابطال نہ ہو، اور وہ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب
کا مقصود آخر کلام سے یہ ہے کہ مال زکوٰۃ کا وقف قبل حولان حائل جائز ہونا چاہئے،

اس میں گفتگو کی ضرورت ہوتی ۱۲۸

عہ اور چونکہ اس میں بظاہر ابطال زکوٰۃ اور فرار عن الزکوٰۃ ہے، جس کو بعض فقہاء نے جائز نہیں سمجھا، اس لئے شاہ صاحب

اور اس سے زکوٰۃ ساقط ہو جانا چاہیے، تاکہ زکوٰۃ کے اموال میں وسعت ہو جائے، اور اس صورت میں حصر کو اضافی ان صدقات کے لحاظ سے کہا گیا جو باعتبار اصل کے اموال زکوٰۃ تھے، اور باعتبار انتہاء کے اموال زکوٰۃ نہیں رہے، ولا کلام فیہ، اس صورت میں کلام میں تعارض نہ رہے گا، اور حاصل یہ ہوگا کہ مال زکوٰۃ کو قبل حولان حول دوسری نوع کی طرف منتقل کر دینا جائز ہے، اور ہم حضرت خالدؓ کے واقعہ کی تاویل میں علامہ شوکانیؒ سے بعینہ یہی نقل کر چکے ہیں کہ انھوں نے قبل حولان حول اپنی ادراغ و اعتاد کو وقف کر دیا تھا، اور حضرت شاہ صاحبؒ کا حجتہ اللہ البالغہ میں الحبس بجزی عن الصدقة فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ وقف قبل حول سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے، اس صورت میں شرح تراجم کی عبارت اور حجتہ اللہ البالغہ کی اول و آخر عبارت میں تعارض نہیں ہے گا، اور اجزاء عنہ کا بمعنی سقوط مستعمل ہونا اہل علم پر مخفی نہیں، محاورات فقہاء میں اس کے نظائر ملیں گے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ بہر حال شاہ صاحبؒ کے مرتبہ عالیہ پر نظر کر کے اُن کے کلام کی یہ توجیہ کر دی گئی ورنہ ان کا کلام واضح بھی ہوتا جب بھی ائمہ کے مقابلہ میں کسی درجہ میں حجت نہ تھا، اور متعارض کلام تو کسی کے مقابلہ میں بھی کافی نہیں۔

وهذا وقت ايفاء ما وعدناه سابقا من البحث في كون الوقت قبل الحول مسقطاً للزكاة ودليله ما في الدر ولا زكاة في هالك بعد وجوبها بخلاف المستهلك بعد الحول لوجود التعدي منه اه قال الشامي اما قبله لو استهلكه قبل تمام الحول فلا زكاة عليه لعدم الشرط واذا فعله حيلة لدفع الوجوب قال ابو يوسف لا يكره لانه امتناع عن الوجوب لا ابطال حق الغير وفي المحيط انه الاصح وقال محمد يكره واختاره الشيخ حميد الدين الفخر لان فيه اضرازا بالفقراء وابطال حقهم ما لا اهر (ص ۳۲ ج ۲)۔

قلت ووقف مال الزكاة استهلاكه فيسقط الزكاة ان كان قبل الحول ولا يسقطها بعده فافهم۔

قلمہ (۱) سائل نے شروع سوال میں یہ ظاہر کیا ہے کہ مال زکوٰۃ، فطرہ، اور حرم قربانی (یعنی اس کی قیمت) کو بہت سے مصارف میں بدوین تملیک کے صرف کرنے کی آجکل ضرورت ہی، اور تملیک جاری کرنا ہو تو حیلہ تلاش کرنا پڑتا ہے جس کا

ثبوت آیات و احادیث و اقوال سلف سے نہیں ملتا ہے الخ اس قول میں سائل نے فقہاء حنفیہ پر درپردہ اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے حیلہ تملیک ایسا بیان کیا ہے جو شریعت میں کچھ اصل نہیں رکھتا، افسوس سائل کو پہلے کسی فقہی کتاب میں دلیل تلاش کرنے کی مشقت تو برداشت کرنا چاہئے تھی، اس کے بعد ہی یہ بات قلم سے نکالنا زیبا تھی، اس حیلہ کی دلیل تو سائل کو امام بخاری ہی سے معلوم ہو جاتی، جن کے قول مبہم و متشابہ کی تقلید کا اس کو بہت شوق ہو رہا ہے، امام بخاریؒ نے حدیث بریرہؓ کو تقریباً چالیس مقام سے زیادہ میں اعادہ کیا ہے، اور اس سے مسائل کثیرہ مستنبط کئے ہیں، منجملہ اُن کے ایک یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ اگر فقیر کو صدقہ دیا جائے، پھر فقیر وہ صدقہ غنی کو دیدے تو غنی کے لئے جائز ہے، لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم وھولھا صدقۃ ولنا منھا ہدیۃ (ملاحظہ ہو بخاری، ص ۲۰۲ ج ۱) باب اذا تحولت الصدقۃ یہی اصل اُس حیلہ کی ہے جو حنفیہ نے تملیک زکوٰۃ میں بیان کیا ہے۔

نیز ابو داؤد و ابن ماجہ اور حاکم نے ابو سعید خدریؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لَغْنَى إِلَّا لَخَمْسَةِ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا وَلِغَاظٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ غَنِيٍّ اشْتَرَاَهَا بِسَالٍ أَوْ فَقِيرٍ تَصَدَّقَ عَلَيْهِ فَاهْدَى لَغْنَى أَوْ غَارِمٍ وَقَالَ الْحَاكِمُ صَرِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ كَذَا فِي الْعُمْدَةِ لِلْعَيْنِ (ص ۳۹۲ ج ۲)۔

اس میں اوفقیہ تصدق علیہ فاهدی لغنی، اس حیلہ کی دلیل ہے جو تملیک زکوٰۃ میں فقہاء نے بیان کیا ہے، اس کا حاصل یہی تو ہے کہ زکوٰۃ فقیر کو دی جاتی ہے پھر وہ اپنی طرف سے غنی کو یا مدرسہ و مسجد میں دیدیتا ہے۔

(۲) اشکل علی البعض عدولہ تعالیٰ عن اللام الی فی قولہ وفی الزقائب و الغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل وعسی ان یتوہم منہ لبعض الفقہاء

عہ یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہو کہ آیت صدقات میں فی سبیل اللہ سے مراد غزاۃ ہیں، درنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سبیل اللہ کو غازی کے ساتھ مقید نہ فرماتے، اس قید ہی کی وجہ سے شراح حدیث نے اُن روایات کی جن میں فی سبیل اللہ مطلق ہے، غازی کے ساتھ تفسیر کی ہے، ملاحظہ ہو تمیل الادطار باب فی سبیل اللہ وابن السبیل ۱۲ منہ

ان ظاہرہ یقتضیٰ ان ہولاء الاربعۃ لایملکون ما یعطون من الصدقات
کالاوائل وان لایکون سهم سبیل اللہ کلہ مقصوراً علی الغزاة بل ینفق
منہ فیہم شیء والباقی فی مصرف اخر فنقول قال صاحب الکشاف انہ تعالیٰ
انما عدل عن اللام الی فی فی الاربعۃ الاخیرۃ للایذان بانہم ارسخ فی
استحقاق التصدق علیہم من سبق ذکرہ لان فی اللوعاء فنیۃ علی انہم
احقاء بان توضع فیہم الصدقات ویجعلوا مظنۃ لہا ومصباً لہا۔

مبلغین کی تنخواہ میں زکوٰۃ صرف کرنا | سوال (۱۱) مبلغین کی تنخواہ میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا
ضمیمہ سوال مذکور جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ مصارفِ ثمانیہ میں وفی سبیل اللہ جو ایک مصرف ہر اس میں
طلبہ علم اور مبلغین احکام اسلام اور واعظین مسلمانان اور فتنہ ارتداد سے روکنے
والے اور حفاظت اسلام کرنے والے سب داخل ہیں، ان سب کو زکوٰۃ کار و پیہ دنیا
خواہ متفرق غیر معین طریق پر دیں یا ماہانہ مقرر کر کے دیں درست ہے، اور زکوٰۃ ادا
ہو جاوے گی بشرطیکہ وہ نصاب کے مالک نہ ہوں، کہا فتاویٰ شامی جلد ۲ صفحہ ۶۳
رمصری میں وقد قال فی البدائع فی سبیل اللہ جمیع القرب فیدخل فیہ کل
من سعى فی طاعة الله وسبیل الخیرات اذا کان محتاجاً لہ

اور کہا تفسیر مظہری ص ۱۵ سورۃ توبہ میں قلت ولما کان الفقر ماخوذاً من جمیع
الاصناف فالاولیٰ ان لا یخص سبیل اللہ بالحب ولا بالغزو بل یترك اعم
منہما ومن سائر الابواب الخیر فمن انفق ماله فی طلبۃ العلم صدق اللہ
انفق فی سبیل اللہ الخ البتہ جو مصارف دیگر تبلیغ اسلام کے ہیں، مثلاً ڈاک تار،
طباعت و کاغذات وغیرہ، ان میں زکوٰۃ کار و پیہ خرچ نہیں ہو سکتا، کہ کسی کی ملک
میں نہیں آتا، البتہ کسی غریب یا غیر مالک نصاب زکوٰۃ کی ملک پہلے کر دیں، اور اس سے
ان کاموں میں خرچ کر دیں تو یہ صورت ہو سکتی ہے، کیونکہ زکوٰۃ میں مالک بنادینا شرط ہے
بعض اشخاص مہتممین مدارس کے پاس زکوٰۃ کار و پیہ بھیج دیتے ہیں، اُن کی غرض یہ ہوتی
ہے کہ مہتمم صاحب محتاجین کو تقسیم کر کے اس کا مالک بنادیں، اور جو مہتمم کسی مدرسہ کا یا
کسی نیک کام کا منتظم زکوٰۃ کے روپے مرسلہ کو طلبہ یا غیر طلبہ غیر مالک نصاب کی

بلکہ میں اس روپے کو نہیں کرے گا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، واللہ اعلم وعلہ التم۔

الجواب من الخانقہ الامدادیہ کھانہ بھون؛ یہ جواب مذکورہ بالا جس میں زکوٰۃ کی رقم کو معاوضہ تبلیغ وغیرہ میں دینا بھی جائز کیا ہے، صحیح نہیں، اور جس عبارت سے استدلال کیا ہے اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام قرب طاعاً داخل ہیں، رہا یہ کہ ادائے زکوٰۃ کے لئے محل صرف کاقربت و طاعت ہونا کافی ہے، اس کے سوا کچھ شرط نہیں، یہ اس عبارت سے مفہوم نہیں ہوتا، بدائع میں تملیک (بلاعوض) کی قید خود مصرح ہے، اور اس کو رکن اداء زکوٰۃ قرار دیا ہے، اور یہی مطلب تفسیر مظہری کا ہے، کہ طلبۃ العلم پر اتفاق کرنا اتفاق فی سبیل اللہ میں داخل ہے، یعنی جبکہ یہ اتفاق بطریق تملیک بلا عوض کے ہو، ومن اراد البسط فی الدلائل فلیراجع رسالتنا رفع التشکک فی دفع الزکوٰۃ بالتملیک“

قال فی البدائع رکن الزکوٰۃ هو اخراج جزء من النصاب الی اللہ تعالیٰ وتسليم ذلك الیہ لقطع المالك یدہ عنه بتملیک الفقیر وتسليمه الیہ اوالی ید من ہونا عجب عنہ والملک للفقیر یثبت من اللہ تعالیٰ وصاحب المال نائب عن اللہ تعالیٰ فی التملیک والتسليم الی الفقیر یدلیل قولہ تعالیٰ الم یعلموا ان اللہ هو یقبل التوبۃ عن عبادہ ویأخذ الصدقات وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصدقة تقع فی ید الرحمن وقد امر اللہ تعالیٰ بایتاء الزکوٰۃ والایتاء هو التملیک ولذا سمي اللہ تعالیٰ الزکوٰۃ صدقة بقوله انما الصدقات للفقراء والتصدق تملیک ولان الزکوٰۃ عبادۃ والعبادۃ اخلاص العمل بکلیتہ للہ تعالیٰ ویكون معنی القرۃ فی الاخراج الی اللہ تعالیٰ بابطال ملکہ عنہ لا فی التملیک من الفقیر بل التملیک من اللہ تعالیٰ حقیقۃ وصاحب المال نائب عن اللہ تعالیٰ ص ۳۹ ج ۲، قلت و الاخراج الی اللہ تعالیٰ یقتضی ان یكون التملیک فی الزکوٰۃ بلا عوض وان کان بعوض لم یکن اخراجاً الی اللہ ولم تکن صدقة ولا عبادۃ کما لا یخفی فان الصدقة انما هی تملیک العین من الفقیر مجباً قال فی الدرر والصدقة کالہبۃ بجامع التبرع لان المقصود فیہا الثواب لا العوض ص ۹۶ ج ۲۔

(۲) قال فی البدل الخ واما العاملون علیہا فہم الذین نصبہم الامام لجباية الصدقات واختلف فیما یعطون قال اصحابنا یعطیہم الامام کفايتہم منہا وقال الشافعی یعطیہم الثمن لنا ان ما یتحققہ العامل انما یتحققہ بطریق العمالة لا بطریق الزکوٰۃ بدلیل اتہ یعطى وان کان غنیاً بالاجماع ولو کان صدقة لما حلت للغنی دل انہ انما یتحققہ بعملہ لکن علی سبیل الکفاية لا علی سبیل الاجرة، لان الاجرة مجہولہ لان قدر الکفاية له ولا عوانہ مجہول غیر معلوم وجمالة احد البدلین يمنع جواز الاجارة فدل ان الاستحقاق لیس علی سبیل الاجرة بل علی طریق الکفاية له ام (ص ۲۲ ج ۲)۔

اس عبارت سے امور ذیل مستفاد ہوتے ہیں: (۱) عاملین زکوٰۃ کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ اجرت نہیں بلکہ نفقہ ہے، جیسے زوجہ کا نفقہ زوج پر بوجہ حبس کے لازم ہوتا ہے یا مضارب کا نفقہ مال مضارب میں ہوتا ہے۔

(۲) امام شافعی اس کو زکوٰۃ ہی قرار دیتے ہیں۔

(۳) عاملین وہ ہیں جن کو امام نے زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے کے لئے مقرر کیا ہو، اس کے بعد ظاہر ہے کہ مبلغ یا چنرہ وصول کرنے والوں کو عاملین میں داخل نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ وہ امام کے مقرر کردہ نہیں، اور ان کو زکوٰۃ و صدقات میں سے نہ تنخواہ دی جاسکتی ہے نہ نفقہ، کیونکہ یہ لوگ نہ عاملین میں داخل ہیں نہ ان پر ان کو قیاس کیا جاسکتا ہے، کیونکہ خود عاملین کو زکوٰۃ سے حق عمالت دینا خلاف قیاس نص سے ثابت ہوا ہے، اور خلاف قیاس کا تعدیہ نہیں ہو سکتا، رہا یہ کہ ان لوگوں کو یہ تنخواہ زکوٰۃ سے بوجہ سبیل اللہ کے مصداق ہونے کے ہے، اس کا جواب اوپر گزر چکا، کہ جو لوگ فی سبیل اللہ کے مصداق ہیں ان کو زکوٰۃ تملیک بلا عوض کے طور پر دی جائے گی، معاوضہ کی صورت میں نہیں دی جاسکتی۔

قال فی الدار ودفعہ المعلن لخليفته ان کان بعیث يعمل له لو لم یعط۔
صح والالا، ص ۱۱۳ ج ۲ ومثل ذلك فی کتب الفقہ کثیر، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظفر احمد عفاعنہ ۲۳ شوال ۱۴۰۰ھ

بیشک مبلغ وغیرہ کی تنخواہ میں زکوٰۃ کی رقم وغیرہ خرچ کرنا جائز نہیں، اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اور خرچ کرنے والے پر ضمان آتا ہے، زکوٰۃ کا مصرف زکوٰۃ کو مفت بلا کسی

معاوضہ کے دینا ایسا امر ہے کہ ہمیں اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں، نہ آئندہ کسی کے اختلاف کی توقع، واللہ اعلم، احقر عبد الکریم عفی عنہ ۲۲، شوال ۱۴۲۸ھ۔

وقال الامام ناصر الدين المالكي وثم سر آخر هو اظهر واقرب وذلك ان الاصناف الاربعة الاوائل ملاك لما عساه يدفع اليهم وانما يأخذونه ملكا فكان دخول اللام لا ثقتا بهم واما الاربعة الاواخر فلا يملكون ما يصرف نحوهم بل ولا يصرف اليهم ولكن في مصالح تتعلق بهم فالمال الذي يصرف في الرقاب انما يتناوله السادة المكاتبون وكذلك الغارمون انما يصرف نصيبهم لارباب ديونهم تخليصا لذمهم لالهم واما سبيل الله فواضح فيه ذلك واما ابن السبيل فكأنه كان مندرجا في سبيل الله وانما افرده بالذكر تنبيها على خصوصيته ام اى فاقه ايضا لا يملك ما يعطاه بل يصرفه في الزاد والزاحلة معا فليس نصيبهم مصر وفا الى ايدى يهم حتى يعبر عن ذلك باللام المشعرة بملكهم لما يصرف نحوهم وانما هم محال لهذا الصرف فقط وايضا فتوهم ان لا يكون سهم سبيل الله مصر وفا الى الغزاة كله بلفظة في لا يتأتى على من هب الحنفية الذين لا يوجبون تقسيم الصدقات على ثمانية اسهم وكذا كون اللام للملك والعدول عن اللام الى في اشارة الى نفيه وانما يتأتى كل ذلك على من هب الشافعية ويجيبون عن هذا التوهم بما ذكرناه في وجه العدول عن اللام الى في فافهم والله تعالى اعلم، وليكن هذا اخر الكلام ومسك الختام في مسألة التملك في الزکوٰۃ الواجبة في النقود والعروض والزروع والانعام، وصلى الله تعالى وسلم على خير خلقه سيدنا النبي محمد افضل الصلوة وازكى السلام وعلى اله واصحابه البرة الكرام الى يوم القيام، ظفر احمد عفا عنه، ۳، صفر ۱۴۲۸ھ۔

اوليت صرف زکوٰۃ ببلدے سوال (۱۲) ایک شخص سوداگر ہے، وہ اپنے مال کو سوداگری کے لئے مال فروخت کرنے کو آتا ہے، جب مال فروخت ہو جاتا ہے مکان چلا جاتا ہے، وہ شخص صاحب زکوٰۃ ہے، وہ شخص زکوٰۃ یہاں والوں کو دے یا اپنے وطن کے لوگوں کو دے؟

الجواب؛ اس مسئلہ کی نظیر مضارب کا مسئلہ ہے، اور اس میں علامہ شامی نے فلیہ ارجح کہہ کر تامل ظاہر کیا ہے (ص ۱۱۲ ج ۲) اصل مسئلہ کی یہ ہے کہ زکوٰۃ میں مکان مال معتبر ہے، پس اگر اس سوداگر کے مال پر وہیں سال گزر جائے جہاں وہ تجارت کرتا ہے، تو ظاہر ہے کہ اس کے ذمہ اسی جگہ کے فقراء کو زکوٰۃ دینا ہے، اور اگر حولان حول وہاں سے وطن واپس آکر ہوا ہے اور مال وطن میں ساتھ ہی تو اس صورت میں ظاہر یہ ہے کہ فقراء وطن کو زکوٰۃ دے، فقد اعتبروا يوم الاداء في تقويم المال فكذلك يكون معتبراً هناك وهو الظاهر لكون وجوب الاداء بحولان الحول فحيث كان يحول الحول يعتبر مكانه فان كان حقاً فمن الله وان كان باطلاً فمن الشيطان اور اگر حولان حول وطن آکر ہوا مگر مال وطن میں ساتھ نہیں، بلکہ مال جائے تجارت بھی، تو زکوٰۃ مکان مال کے فقراء کو دی جائے، کما ہو مقتضى قولهم المعتبر في الزکوٰۃ مكان المال فافهم، واللہ تعالیٰ اعلم
۷ رمضان سنہ ۱۴۰۷ھ

وابسی زکوٰۃ کی ایک صورت حکم | سوال (۱۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے قرض رقم طلب کی، اس پر عمرو نے زکوٰۃ کی نیت سے اس کو دام دیئے (اس لئے کہ زید معزز ہونے کی وجہ سے غربت کی حالت میں بھی مانگنا پسند نہیں کرتا) زکوٰۃ تو ادا ہو گئی، مگر چند روز کے بعد زید اتنی ہی رقم عمر کی خدمت میں لے کر آیا، اور کہتا ہے کہ تمھارا دام لو، اب عمرو اس کو کسی صورت سے سمجھا نہیں سکتا، کہ بھائی ہم نہیں لیتے، اگر یہ کہا جائے تو زید بگڑتا ہے، اور کہتا ہے کہ کیا تم نے مجھے ایسا سمجھا تھا؟ تو ایسی حالت میں اس رقم کو زید سے عمرو لے سکتا ہے؟ اگر لے سکتا ہے تو کون سے قاعدہ سے، ایک صاحب فرماتے ہیں کہ عمرو لے سکتا ہے اور یہ عمرو کے لئے ہبہ ہو جائے گا، کہ ہبہ کی تعریف یہ ہے تملیک العین مجاناً اے بلا عوض، اور وہ بلا عوض مالک بنانا یہاں صادق آرہا ہے، اس لئے جائز ہے، ... دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ یہ تعریف صادق نہیں آتی، کیونکہ یہ زید کا عمرو کو پھر دام دینا یہ تملیک بلا عوض نہیں، بلکہ زید بعوض دین یہ لے رہا ہے، ورنہ پھر اور زرا اندیا دوسری شے کیوں نہیں دیتا، وہ اس نیت سے دے رہا ہے کہ اس کا ہم پر دین ہے، اور اس کو ادا کریں، کس کا قول صحیح ہے اور صحیح جواب مسئلہ کا کیا ہے؟

الجواب؛ اگر زید نے یہ رقم عمرو کو دیتے ہوئے یہ کہہ دیا تھا کہ یہ رقم قرض نہیں

بلکہ ہبہ بہ ترتیب تو زید کو عمر کی دی ہوئی رقم قبول کر لینا جائز ہے، لکن ہزہ ہبہ مستأنفہ لا عوداً فی الصدقۃ، اور اگر زید نے عمرو کو وہ رقم دیتے ہوئے نفی قرض و اثبات ہبہ کی تصریح نہیں کی تھی تو زید کو عمرو سے اس رقم کا لینا جائز نہیں، کیونکہ عمرو ہبہ مستأنفہ کی وجہ سے نہیں دے رہا بلکہ محض ادائے قرض کے لئے دے رہا ہے، اور زید کا قرض عمرو پر ہے نہیں، پھر یہ کیونکر اس رقم کو لے سکتا ہے، اور اگر کسی وجہ سے اس وقت عمرو کو نہ سمجھا سکے تو دوسرے وقت کسی حیلہ سے یہ رقم عمرو کو دیدے، واللہ اعلم، وان شئت تفصیل الجواب فاطلب فتوٰی مفصلۃ بار سال اجرة النقل والبرید۔ ۱۳ رمضان ۱۴۲۵ھ ظفر احمد عفا عنہ۔

الجواب، صورت مذکورہ میں عمرو زید سے زکوٰۃ دی ہوئی واپس نہیں لے سکتا، مگر بسبب ناراض ہونے و بگڑنے زید کے، عمرو سے زید اس وقت تولے لے لیکن کوئی اور چیز خرید کر کے بطور تحفہ و ہدیہ کے عمرو کی تملیک کر دے، واللہ اعلم، اجابہ و کتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

التفسیر؛ نائب مفتی مدرسہ امینیہ کا یہ لکھنا کہ لیکن کوئی چیز خرید کر کے بطور تحفہ و ہدیہ عمرو کی تملیک کر دے اہم، یہ صورت ٹھیک نہیں، کیونکہ اس میں اول تو عمرو کی رقم میں تصرف بلا اذن لازم آتا ہے، اور چونکہ وہ رقم زید کے پاس امانت ہوگی اور امانت میں بلا اذن تصرف کرنا خیانت ہے، اس لئے یہ تصرف جائز نہیں، دوسرے اس رقم سے خرید کر جو چیز عمرو کو دی جاتی ہے وہ جنس حق سے نہ ہوگی، بلکہ غیر جنس سے ہوگی، اور غیر جنس سے ادائیجہ مختلف فیہ ہے، اس لئے یہ صورت درست نہیں، بلکہ بہتر صورت یہ ہے کہ زید اسی رقم کو دوسرے وقت ہدیہ کے طور پر عمرو کو دیدے، اور یہ کہہ دے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ تم کو بچوں کے واسطے کچھ ہدیہ دوں، واللہ اعلم، ظفر احمد ۲۲ رمضان ۱۴۲۵ھ۔

سوال (۱۴) زید نے بکر کو رقم فدیہ یا زکوٰۃ کے دینے کا وکیل بنایا، اتفاق سے بکر نے اس کو کسی ہاشمی کو دیدیا، اب ظاہر ہے کہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، اس صورت میں بکر کو اپنی طرف سے رقم زکوٰۃ کی ادا کرنی چاہئے، یا صرف اس کی اطلاع لازم نہیں۔

دہی زید کو لازم ہوگی، اور زید کو وہ رقم پھر سے ادا کرنی چاہئے، اور اگر وہ ہاشمی یہ معلوم کرے کہ جو رقم مجھ کو دی گئی ہے زکوٰۃ کی ہے، اور قبل معلوم ہونے کے وہ رقم حشر چ بھی

ہو چکی ہے تو وہ رقم خورد بکر کو دینا چاہتا ہے اپنی طرف سے تو بکر کو وہ رقم لینا اس ہاشمی سے اور پھر اس کو زکوٰۃ میں دوسرے کو دینا زید کی طرف سے جس کا وہ مؤکل ہے جائز ہو گا یا نہیں؟

الجواب؛ اگر بکر کو ہاشمی کا ہاشمی ہونا معلوم نہ تھا نہ اس کا شبہ تھا، یا معلوم تھا مگر مسئلہ معلوم نہ تھا، اس لئے اس کو زکوٰۃ دیدی، تو صورت اول میں تو زکوٰۃ ادا ہو گئی، اور صورت ثانیہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، مگر بکر کے ذمہ ضمان بھی نہیں، بلکہ زید کو اطلاع کر دینا کافی ہے، لکن مسئلہ مختلفاً فیہا فیتعذر بالجہل عنہا ولا یعد متعدياً، اور اگر ہاشمی ہونا بھی معلوم تھا اور ہاشمی کا مصرف نہ ہونا بھی معلوم تھا تو بکر ضامن ہے، صرف زید کو اطلاع کرنا کافی نہیں، لکن نہ خالف امر المؤکل فان التوکیل بصرف الزکوٰۃ وادائها بصرف الی اعطائہا محلاً قابلاً لہا حتی لو اعطا ہا ولده ووالدیہ یضمن کذا ہینا، واللہ اعلم بالصواب۔

اور اگر ہاشمی خوشی سے رقم زکوٰۃ واپس کرے لیلی جاوے، ورنہ جبر کا حق نہیں، قال الشامی ولا یسترد منہ لو ظہر انہ عبد او حر بنی فی الہاشمی روایتان وھل یطیب لہ فیہ خلافا واذالم یطیب قیل یتصدق وقیل یرد علی المعطى اہ (ص ۱۰۹ ج ۲) ولکن المختار عندنا عدم الاسترداد من الہاشمی ایضاً لکن روایت فی المذہب، فی جواز اعطائہم الزکوٰۃ وھل یطیب لہ المختار عندنا لا بل یرد علی المعطى واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۰ ردی الحجۃ سئلہ۔

ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے | سوال (۱۵) ہاشمی کو زکوٰۃ دینا اس روایت فقہ کی بناء پر کہ ”خمس الخمس نہ ملنے کے وقت ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے“ آجکل عمل کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب؛ وہ روایت نوادر سے ہے، ظاہر مذہب کے مقابلہ میں قابل عمل نہیں ہے، ضرورت شدیدہ کے وقت حیلہ تملیک کے بعد ہاشمی کی خدمت ہو سکتی ہے، واللہ اعلم بغیر اجازت، مز کی غیر مصرف میں | سوال (۱۶) آجکل جو سکہ چاندی کا یہاں رائج ہے اس کا زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم وزن دو روپے بھر ہے، اور قیمت ایک روپیہ چھ آنہ ہے، پس جس کے ذمہ سو روپیہ زکوٰۃ کے واجب ہوں اس کی طرف سے ایک سو پینتالیس روپیہ وزن بھر چاندی زکوٰۃ میں صرف کی گئی، جس میں دو چار شخص بنی ہاشم یا غنی نکل آویں تو بظاہر تو ادائیگی زکوٰۃ یقینی معلوم ہوتی ہے؟

الجواب: بظاہر اس تصرف کی اجازت مزکی سے لینا ضروری ہے، اس کی اجازت بغیر مصرف زکوٰۃ کے علاوہ خرچ کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر مصرف سمجھ کر دیا بعد میں غیر مصرف نکل آیا تو زکوٰۃ ادا ہو گئی، رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ۔

سوال (۱۷) جو لوگ مدارس اسلامیہ کو چندہ موز زکوٰۃ سے دیتے ہیں ان کا مقصد تو صرف یہ ہوتا ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ سے وہ عند اللہ بری الذمہ ہو جائیں، مدرسہ کی امداد اس سے ہو جائے یا نہ ہو قواعد مدرسہ کے موافق ہو تو فیہا ورنہ ان کو تو اپنی بری الذمگی عند اللہ مقصود ہی، اگر اس کے ساتھ دوسرا دینی فائدہ یعنی امداد مدرسہ میسر ہو جائے تو فیہا ورنہ حصول مقصود مقدم، پس مہتمم مدرسہ کا یہ شرط کرنا کہ اگر طالب علم ایسا ہے یا اس قابلیت کا ہے تو ہم وظیفہ دیں گے ورنہ نہیں کہاں تک درست ہے؟

الجواب: مدرسہ میں غیر زکوٰۃ کی رقم داخل کرنے سے تو مدرسہ کی ملک ہو جاتی ہے پس اس کو قواعد مدرسہ کے موافق ہی صرف کیا جائے گا، اور قواعد میں امداد کے لئے مناسب شرط لگانا مضائقہ نہیں رکھتا، اور زکوٰۃ کی رقم مدرسہ میں داخل کرنے سے گو ملک مدرسہ نہیں ہوتی، مگر مزکی نے جب اس کو طلبہ کو دینے کا وکیل بنایا ہے تو غیر طلبہ کو دینا جائز نہیں بدون اذن الموکل اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مہتمم مدرسہ کو مہتمم ہونے کی وجہ سے وکیل بنایا گیا ہے، اس لئے مجلس شوریٰ وغیرہ کی تجاویز و قواعد کے خلاف مہتمم کو صرف کرنا جائز نہیں، کیونکہ مدرسہ میں زکوٰۃ داخل کرنا ان تمام شرائط کے ماتحت وکیل بنانا ہے جو قواعد مدرسہ کے لحاظ سے مہتمم کے ذمہ عائد ہوں، واللہ اعلم۔

سوال: اگر طالب علم غنی یا کم محنت یا بدخلق یا لعاب ہر مگر مسکین مصرف زکوٰۃ ہے تو مہتمم مدرسہ کو یا وجود وکیل ادا سے زکوٰۃ ہونے کے ایسے طالب علم کی امداد نہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مدرسہ سے زکوٰۃ دینے کے لئے صرف مصرف زکوٰۃ ہونا کافی نہیں بلکہ قواعد مدرسہ سے استحقاق ہونے کی بھی ضرورت ہے، اور بدون استحقاق کے اگر مہتمم اپنی مصلحت سے دے تو جائز نہیں، اور مدرسہ کی تعلیمی مصلحت سے دے تو جائز ہے جب کہ طالب علم مصرف زکوٰۃ ہے،

سوال؛ زکوٰۃ دینے والے شخص کو جب معلوم ہے کہ مثلاً زید مصرف زکوٰۃ اور مستحق ہے مگر وہ زید کو دینے سے منع کر کے عمرو کو دلا دے تو کیا حکم ہے، خصوصاً اس صورت میں کہ عمرو میں کوئی وجہ ترجیح نہیں ہے؟

الجواب؛ چونکہ زکوٰۃ کی رقم صرف ہونے سے پہلے پہلے معطلی کی ملک ہے لہذا اس کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی خاص شخص کے دینے سے منع کر دے۔

سوال؛ زکوٰۃ دینے والے کے وکیل یعنی مہتمم مدرسہ کو اپنے قواعد مہمدہ یا مصالح مدرسہ کی بناء پر رقم زکوٰۃ کو روک روک کر خرچ کرنا یعنی دو دو تین تین برس تک مؤخر کرنا کہاں تک درست ہے، اور ایسی صورت میں مؤکل کی زکوٰۃ وکیل کے قبضہ کرنے کے ساتھ ہی ادا ہو گئی، یا جب وکیل مصرف زکوٰۃ میں خرچ کرے گا اس وقت ادا ہوگی؟

الجواب؛ جب وکیل مصرف میں خرچ کرے گا ادائے زکوٰۃ کا حکم اُس وقت کیا جائیگا اور جب مؤکل کی تاخیر میں کوئی مصلحت نہ ہو تو پھر دیر کرنا ٹھیک نہیں، اس لئے بہترین صورت یہ ہے کہ وکیل اُسی وقت زکوٰۃ ادا کر دے، اور اگر مدرسہ کی ضرورت سے رکھنا پڑے تو اسی وقت حیلہ تملیک کر کے مدرسہ میں داخل کرے، تاکہ زکوٰۃ فوراً ادا ہو جائے، اور مدرسہ کی مصلحت بھی فوت نہ ہو، نیز اس تاخیر میں اور بھی خرابیاں ہیں، اس لئے یہ صورت کر لینا نہایت ضروری ہے۔

سوال؛ جس شخص کے ذمہ سو روپے زکوٰۃ کے واجب الادا تھے، اس نے سو روپیہ کا نوٹ مہتمم مدرسہ کو دیا، کہ یہ مذکور زکوٰۃ کے ہیں، مہتمم مدرسہ اس کو سونے کے ساتھ بدلے گا کیونکہ چاندی کے ساتھ بدلنے میں ربا واقع ہوتا ہے، اب یہ سونا جو اس نوٹ کے عوض میں آیا ہے اُس شخص کی واجب الادا زکوٰۃ ہے، یا وہی سو روپیہ بھر چاندی، اور جبکہ پھر اس سونے کو چاندی کے دو سکر مصرف میں خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب؛ جس طرح نوٹ کے عوض زائد چاندی لینا جائز نہیں بوجہ لزوم ربا الفضل، اسی طرح بوجہ تقابض متحقق نہ ہونے کے نوٹ سے سونا لینے میں بھی ربا ہی یعنی ربا النیۃ کما هو مصرح فی العالمگیریۃ وعن الکافی ونصہ علی المعیل درام و دین المعیل دنا نیر فاحالہ علی ان یعطیہ الدنا نیر او علی ان یعطیہ رام من الدنا نیر التي علیہ بطلت ام، پس نوٹ کے عوض روپیہ ہی لینا چاہئے،

پھر اگر چاہیں تو روپیوں سے سونا لے لیا جاوے، اور اگر ازلّا ہی سونا لینا مقصود ہو اور معطی کی طرف سے اس کی اجازت بھی ہو تو یہ حیلہ ہو سکتا ہے، کہ صرف اس کے مثلاً سو روپے قرض لے لے پھر ان روپیوں سے سونا خرید لے، اور نوٹ خواہ سونا خریدنے سے پیشتر یا بعد صرف کو ادائے قرض میں دیدے، اور سوال ہذا کے جزو اول کے متعلق پیشتر معروض ہو چکا ہے کہ یہ تصرف بدون اذن معطی جائز نہیں، واللہ اعلم۔

سوال؛ چندہ دینے والے جبکہ ہر طرح سے مہتمم کو وکیل و مفوض صراحۃً یا دلالتاً قرار دیتے ہیں، تو پھر جزئیات واقعہ کی صحت کے واسطے ان کے استخراج کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب؛ کوئی حاجت نہیں۔

السوال؛ مدرس کو اس کی تنخواہ معینہ کے علاوہ مہتمم مدرسہ اس کے مصرف زکوٰۃ ہونے کی صورت میں مد زکوٰۃ سے اس کی امداد کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب؛ اگر مدرس میں محض اعانت مساکین کی مد نہ ہو جیسا کہ عام طور سے یہاں کے مدارس میں نہیں ہے، تب تو یہ امداد مدرس جائز نہیں، اور اگر کوئی مد اعانت مساکین وغیرہ کی موجود ہو تو جائز ہے۔

السوال؛ جبکہ مہتمم مدرسہ کے پاس مد زکوٰۃ کی رقم مصرف زکوٰۃ میں خرچ کرنے کے واسطے موجود ہے، اور یہ بھی بدیہی اور واضح ہے کہ صاحب زکوٰۃ کو ادائیگی زکوٰۃ سے سبکدوش ہونا اہم ہے، پس طلباء یا مدرسین و متعلقین مدرسہ کے علاوہ شخص مستحق مصرف زکوٰۃ موجود ہونے پر مہتمم کو اس کی اعانت نہ کرنے کا استحقاق حاصل ہو یا نہیں؟

الجواب؛ اس کی اعانت کرنے کا استحقاق نہیں ہے، الا آنکہ محض مساکین کی اعانت کی مد موجود ہو، کما مر۔

السوال؛ اپنے مؤکل سے اجازت حاصل کرنا تو اس وجہ سے غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسے مؤکل کا اہم مقصد ادائیگی زکوٰۃ ہے نہ کہ تخصیص زید یا عمرو، البتہ رہتلاف اعانت امردینی آخر کو اولیٰ والنسب سمجھتا ہے۔

الجواب؛ پیشتر لکھا گیا ہے کہ جو رقم زکوٰۃ مدرسہ میں اعانت طلبہ کے لئے داخل ہوگی قواعد مدرسہ کے خلاف صرف نہیں ہو سکتی، لکن الوکالت مقیدہ۔

سوال؛ مدارس اسلامیہ میں اکثر ہر طرح کی رقوم مخلوط ہوا کرتی ہیں، البتہ ان کا حسنا کتاب دفاتروں میں ممیز و مہذب ہوتا ہے، پس اسی قدر ادائیگی زکوٰۃ کے واسطے کافی ہے، یا کسی اور احتیاط کی بھی ضرورت ہے؟

الجواب؛ رقوم کا خلط کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ خود زکوٰۃ کی رقمیں جو کئی شخصوں نے دی ہوں ان کو بھی یک جا مخلوط کر دینا جائز نہیں ہے، اور خلط کی صورت میں وکیل ضامن ہو جاتا ہے، اور وکالت ختم ہو چکی، لہذا جب تک صریحاً یا دلالتاً ادا کا امر دوبارہ نہ پایا جائے اس وقت تک اس کا ادا کرنا کافی نہیں ہے، البتہ اگر خلط عام طور پر مروج ہو اور دافع کو بھی اس کا علم ہے تو پھر خلط اور بعد خلط ادا کی گنجائش نکل سکتی ہے بشرطیکہ رقوم زکوٰۃ ہی کو باہم مخلوط کیا جائے، غیر زکوٰۃ کی رقوم زکوٰۃ کی رقوم سے مخلوط نہ ہوں، کہ اس کی گنجائش نہیں۔

سوال؛ وکیل ادائیگی زکوٰۃ کے پاس جبکہ زکوٰۃ واجبہ اور صدقات نافلہ ہر طرح کی رقوم کا مجموعہ مخلوط موجود ہے، اور وہ بلا تمیز و تعین مصرف زکوٰۃ و غیر مصرف زکوٰۃ پر خرچ کر رہا ہے، مگر ظن غالب ہے کہ زکوٰۃ واجبہ کی مقدار مصرف زکوٰۃ ہی میں خرچ ہوئی ہے البتہ تحقیق و تمیز تام حاصل ہونا مشکل ہونے کی وجہ سے متروک ہو رہا ہے، تو ایسی صورت میں توسع کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب؛ یہ خلط جائز نہیں، کما مر، اور مکمل حساب کرنا ضروری ہے، اور آئندہ رقوم جداگانہ رکھنا لازم ہے، جب سبیل یقینی یعنی حساب لکھا ہوا موجود ہے تو میزانون کی دشواری ایسی چیز نہیں جس کے باعث غلبہ ظن کو کافی سمجھا جائے۔

السوال؛ اطفال کو اگر ماہوار رقم بذکوٰۃ سے دی جائے اور ان پر لازم قرار دیا جائے کہ وہ اس رقم سے اپنی ضروریات تعلیم کاغذ قلم دوات وغیرہ خریدیں، تو یہ شرط تملیک لازمہ میں تو مخل نہیں ہوگی؟

الجواب؛ کچھ مخل نہیں۔

السوال؛ جو روپیہ تذکوٰۃ کا لوگ مدرسہ اسلامیہ میں علوم دینیہ حاصل کرنے والے طلبہ کے واسطے دیتے ہیں، اگر ان طلبہ کو آدھے دن علوم دینیہ و دنیویہ مثل حسنا وغیرہ کیے مختص کھڑے آدھے دن میں صنعت و حرفت طلبہ کو سکھائی جائے اور اس حالت بمقابلہ تعلیم صنعت و حرفت ان

اطفال کمالات زکوٰۃ کی جائے گی تو ادائیگی زکوٰۃ میں تو کوئی حرج واقع نہ ہوگا؟

الجواب؛ مصرف زکوٰۃ کے واسطے تعلیم دین بلکہ مطلق تعلیم بھی شرط نہیں ہے۔ پس اگر کسی کام کے واسطے چندہ دیا جاوے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، لیکن جو چندہ تعلیم دین کے لئے آیا ہو اس کو خرچ نہیں کر سکتے۔

سوال؛ زمانہ تعلیم صنعت و حرفت میں جو کام سیکھنے والے طلباء صاحبِ محل کا کرتے ہیں اُس کی اجرت کا استحقاق ان طلباء کو ہی یا نہیں؟ اور اگر صاحبِ محل اپنی شرائط کی بناء پر کوئی اجرت نہ دے تو وہ عند اللہ مستول ہو گیا یا نہیں؟

الجواب؛ جب اس کے شرائط میں ہر کہ اجرت نہ ملے گی تو طلبہ کو اجرت کا کوئی استحقاق نہیں، اجرت جب واجب ہوتی ہے کہ عقد اجارہ کیا گیا ہو، پس بلا اجارہ بلکہ تصریح عدم اجارہ میں اجرت کا حق کیسے ہو سکتا ہے؟

سوال؛ انعام میں تہ زکوٰۃ کی رقم سے کتب یا دیگر ضروریات تعلیم مثل قلم، دوا کاغذ وغیرہ خرید کر طلباء کو دینا، محتاج حیلہ شرعی کا ہے یا نہیں؟

الجواب؛ رقم زکوٰۃ سے اشیاء خریدنے کے بعد وہ اشیاء مصرف زکوٰۃ کو تملیکاً دیدینا کافی ہے، خرید سے پیشتر حیلہ کی حاجت نہیں، مگر معطی زکوٰۃ کا اذن شرط ہے۔

سوال؛ شریعت نے جو شروط مصرف زکوٰۃ ہونے کے ملحوظ فرمائے ہیں ان سے تجاوز کر کے مہتمم مدرسہ کا اپنے مدرسہ کے بعض شرائط کا لحاظ کرنا تجاوز عن حدود اللہ تو نہیں شمار ہوگا، کیونکہ مبنیٰ ان شروط زائدہ کا محض مصلحت دینی ہے، نہ غرض ذاتی، والمجتہد یخطئ ویصیب؟

الجواب؛ تجاوز عن الحدود تو یہ ہے کہ غیر مصرف کو دیدے، اور جو لوگ مصرف ہیں ان میں سے بعض کو دینا، بعض کو نہ دینا اگر بدون وجہ ترجیح محض اپنی رائے سے بھی ہو تب بھی مضائقہ نہیں، اور جب ترجیح کی وجہ ہو تو پھر کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا۔

سوال؛ جو صورت کہ تملیک لفظی و صوری قرار دی گئی، اس میں اگر مملکت احکام و مسائل سے واقف ہو مگر رغبت فی اللہ کوئی بات اس پر گراں نہیں ہوتی تو یہ تملیک حقیقی متصور ہوگی یا نہیں؟

الجواب؛ اس حیلہ معروفہ کو محض لفظی تملیک تو اس بناء پر قرار دیا گیا ہے کہ

دینے والے کی نیت تملیک کی نہیں ہوتی، بلکہ وہ صرف ہیر پھیر کا قصد کرتا ہے، اور ملک لہ کے اخلاص سے یہ محذور مرتفع نہیں ہو سکتا، کمالا بخفی۔

سوال؛ وکیل کے قبضہ کرنے اور اپنے مال میں ملالیتے سے رقم موکل کے قبضہ سے نکل جاتی ہے، یا باقی رہتی ہے، غالب گمان ہے کہ نکل جاتی ہے، اور اس حالت میں وکیل مدیون شمار ہوتا ہے، ایسی حالت میں وکیل کو کن امور کی احتیاط اشد ضروری ہے؟

الجواب؛ بیشک اس صورت میں وکیل مدیون ہے، لیکن پیشتر گزر چکا ہے کہ بعد خلط وکیل کو بلا اذن مستقل (مراحۃ یا دلالت) ادائے زکوٰۃ کا اختیار نہیں، پس موکل سے دوبارہ اذن لے لینا چاہئے، حررہ احقر عبدالکریم عفی عنہ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ
الاجوبۃ کلتھا صحیحہ، ظفر حسد، ۵ رمضان ۱۴۲۸ھ۔

وصیت بالتصدق اور اغتیا۔ سوال (۱۸) ایک شخص نے کہا کہ پچاس من غلہ خیرات کر دو، کے لئے ایسے صدقہ کا حکم اس کے خدام نے کہا کہ کل کر دیں گے، اس پر اس نے کہا کہ اگر میں زندہ نہ رہا تو تم خیرات کر دینا، بعد ازاں وہ شخص اسی روز فوت ہو گیا، اب سوال یہ ہے کہ اس صدقہ میں سے غنی صاحب نصاب کو دینا اور لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ جائز نہیں ہے، بلکہ صرف فقراء کو دیا جاوے، لما فی الذر المختار (الوصیۃ المطلقۃ) کقولہ هذا القدر من مالی او ثلث من مالی وصیۃ (لا تحل للغنی) لانها صدقة وهی علی الغنی حرام وان عمت کقولہ یا کل منها الغنی والفقیر لان اکل الغنی منها انما یصح بطریق التملیک والتملیک انما یصح لمعین والغنی لا یتعین ولا یحصی (ولو خصصت) الوصیۃ (بہ) ای بالغنی کقولہ هذا القدر من مالی وصیۃ لزید وهو غنی (او لقوم) اغنیاء (محصورین) حلت لهم لصحة تملیکهم قال الشامی تحت قوله (علی الغنی حرام) ولا یمکن جعلها ہبۃ لہ بعد موت الموصی بخلاف الصدقة علیہ حالاً فانہا تجعل ہبۃ لما قالوا ان الصدقة علی الغنی ہبۃ والہبۃ للفقیر صدقة ط (مرجۃ)۔
۲۹ رجب سنہ ۱۴۲۸ھ۔

سوال (۱۹) اس عاصی را از مطالعہ کتب مفہوم صاحب نصاب کے لئے زکوٰۃ صدقہ فطر اور عشر وغیرہ لینے کا حکم گرید کہ ملکیت مبلغ پنجاہ و پنج روپیہ کلارا مانع

از اخذ زکوٰۃ و عشر غلہ و صدقہ فطری شود فیاضا دریں دیار با ماماں مساجد حصول ایہنا از اہل محلہ عرفا جاریست دیگر ہیچ تنخواہ وغیرہ معین است و ایں راقم نیز بدیں معاملہ گرفتار است و تا انداز نصاب مذکور زیور و یا نقدی در ملکیت خود موجود میدارد و برائے حوائج خوانگی از معالجہ بیماری یا برائے تجہیز و تکفین میت از حد ضرورت است بلکہ بانداز نصاب شرعی کاریک ہم نیز بسر انجامی کافی نمیشود و بر سر ضرورت قرضہ ہم میسر نمیشود پس ازین قدر مایہ داری لایدی است، دریں امر از روی شرع شریف بصورت اگر بنظر فیض اثر بظہور آید تحریر کنند کہ بریں عامل شدہ نجات اخروی یا ہم دیگر ہیچ حصول در کار امامت میسر نمی شود عند اللہ علاج کافی و نسخہ شافی ارشاد فرمایند؟

الجواب؛ قال فی البحر یجوز دفع الزکوٰۃ الی من یملک ما دون النصاب او قدر نصیب غیر نام و ہو مستغرق فی الحاجۃ ام (ص ۲۴۰ ج ۲) لا ریب کہ دفع زکوٰۃ ہر کسے را کہ مالک نصاب نامی باشد یا مالک نصاب غیر نامی فاضل از حاجت اصلیت باشد روانیست و اورا اخذ زکوٰۃ ہم جائز نیست، پس ایں چنین کساں را اخذ زکوٰۃ و صدقات واجبہ نشاید، مگر آنکہ نصاب نامی را بلکہ زوجات یا اولاد خود نمایند و نصاب غیر نامی را مستغرق حاجت سازند مثلاً بعوض آل غلہ برائے خوردن خرید کنند کہ از حوائج اصلیت ہست واللہ تعالی اعلم۔

و بعد از ان نیز اخذ زکوٰۃ و عشر و صدقہ فطر بعوض خدمت امامت روانیست و زکوٰۃ و عشر و صدقہ فطر از ذمہ ادا کنندہ ساقط نخواہد شد، زیرا کہ در صدقات واجبہ تملیک فقیر بلا عوض واجب است و امام مسجد اگر صاحب نصاب ہم نہ باشد چون عوض عمل می گیرد اورا ز زکوٰۃ و عشر وغیرہ دادن بعوض امامت ہرگز روانیست، و لاحیلہ بجز از ذلک صلا۔

۹۔ محرم الحرام ۱۲۹۹ھ۔

سوال (۲۰) ایک لڑکی جس کا باپ سید اور ماں جولانہ جس کی ماں جولانہ اور باپ سید ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

ہے، یہ لڑکی یتیم ہے، صاحب نصاب نہیں، بیمار ہے، کیا اس کی مدد زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے؟

الجواب؛ نسب میں شرعاً باب کا اعتبار ہے، ماں کا اعتبار نہیں۔ پس یہ لڑکی سید زادی ہے، اس کو زکوٰۃ کی رقم بچنبہ نہ دی جائے، بلکہ یہ حیلہ کیا جائے کہ ایک غریب سے جو سید نہ کہا جائے کہ تم اپنے پاس سے یا کسی سے قرض لے کر اس سید زادی کی اتنی روپیہ سے

امداد کر دو تم کو ثواب ہوگا اور ہم تم کو اسی قدر رقم اپنے پاس سے دیدیں گے، پس دنیا میں تمہارا نقصان نہیں اور آخرت میں ثواب ہوگا، جب وہ غریب اس سید زادی کی امداد اپنے پاس سے یا قرض لے کر کرے، تو اس کو اُس کے بعد زکوٰۃ کی رقم دیدی جائے کہ اس سے تم اپنا قرض ادا کر دیا اپنی رقم کی تلافی کر لو، اس صورت میں سید زادی کی امداد بھی ہو جائے گی، اور زکوٰۃ ادا ہونے میں شبہ بھی نہ رہے گا، گو بعض علماء نے آجکل سیدوں کو زکوٰۃ دینا ایک روایت کی بناء پر جائز کر دیا ہے، مگر احتیاط کے خلاف ہے، کہ فرض کو اختلاف روایت میں ڈالا جائے، خصوصاً جبکہ حیلہ یا سانی ہو سکتا ہے، واللہ اعلم، ۲۷ محرم ۱۴۲۹ھ۔

کمپنی، اُس کے شیرز اور مشترک اموال تجارت کی زکوٰۃ؛

سوال (۱) زید نے ریلوے کمپنی کے حصص خریدے اور ٹرام کے بھی ریلوے کمپنی کے حصص پر وجوب زکوٰۃ کا حکم خریدے، اور مذکورہ دونوں کمپنیاں کرایہ کا کام کرتی ہیں تو جس قدر روپے سے حصص خریدے ہوں، مثلاً ۲۰۰۰ دو ہزار کو خریدے ہوں، تو دو ہزار پر زکوٰۃ واجب ہوگی، یا اس کی آمدنی پر واجب ہوگی؟

الجواب؛ ریلوے کمپنی وغیرہ کو جو روپیہ دیا جاتا ہے اور اس سے حصص خریدے جاتے ہیں بظاہر اس کی حقیقت یہ ہے کہ کمپنی کو یہ روپیہ قرض دے کر ریلوے کے کارخانہ میں یہ شخص شریک ہو جاتا ہے، اور ریلوے اُس روپے کو اپنے کام میں لگا لیتی ہے، اس صورت میں دو ہزار کی رقم جو سائل نے ریلوے کمپنی وغیرہ کو دی ہے، اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اس کے منافع پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، کذا فی عوائد الفتاویٰ الشیخنا، ص ۲۹ واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۰ رمضان ۱۴۲۶ھ۔

—————

کتاب الصوم

افطار میں جلدی کرنا | سوال (۱) الحمد للہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، علماء دیارنا در تعیین وقت افطار و صلوٰۃ مغرب مختلف و دو فریق شدند فریق اول بحد و غروب آفتاب از افق حسی و ظهور ظلام شرقی حکم با فطار صوم و صلوٰۃ مغرب می کنند بحجت دلائل ذیل حدیث اذا قبل اللیل من هنا و ادبر النہار من هنا فقد افطر الصائم و قول امام محمد فی الموطا: تعجل الا فطار افضل من تاخیرها و هو قول ابی حنیفہ و العامة، قال شارح الموطا قوله و العامة ای جمهور اهل السنۃ و بکثرۃ احادیث، دیگر در تاکید تعجل مغرب و اجتناب از تاخیر آن حسب عمل ابن عمرؓ اخر الصلوٰۃ یومنا الی ان بدأ بنجم فاعتق رقبته کما ذکر فی فتح القدیر و دیگر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کہ امت من بخیر باشند ما دامیکہ در صلوٰۃ مغرب تاخیر نکنند، فریق ثانی بعد زوال حمرة شرقی و بلند شدن سواد شرقی تا نصف سما حکم با فطار و غیره می نمایند بدلائل ذیل احتجوا ببارواہ النسائی و الطحاوی عن ابی بصیرۃ الغفاری قال صلی بنار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ العصر بالمحصر فقال ان هذه الصلوٰۃ عرضت علی من کان قبلكم و ضیعوها فمن حافظ علیها منکم اوتی اجرہ کرتین و لا صلوٰۃ بعدہا حتی یطلع الشاہد و الشاہد النجم فقالوا طلوع النجم هو اول وقتہا قال الطحاوی و ما حاصلہ یتحصل ان یكون الشاہد هو اللیل، و علمائے خطہ پشاور و سرحد و اماں بر این متفق شدند کہ از این حدیث در ضمن لفظ شاہد اختلاف واقع شدہ بعضی از شاہد بنجم مراد گرفته و بعضی لیل، پس بنا بر قاعدہ اصول عمل باحتیاط کرده و معنی شاہد کہ نجم است عمل را بر آن قرار داده اند و از ہر دو فریق در بارہ مدعا بخولش رسائل اشاعت یافتہ پس این لاشئ از مطالعہ ہر دو رسائل از جہت کم علی و نا فہمی در تلاطم تخر و تفکر غوطہ زن مانده پس از خدمت عالی التماس است کہ از اقوال و دلائل فریقین ہر کدام بسند قوی و آثار نبوی و صحابہ کرام مستند باشند بدلائل کتب معتبرہ تطبیق نموده با حق روانہ فرمایند کہ با حجت دلائل کتب جواب مخاصم ازالہ کردہ شود و بلا سند کتب غیر قبول و نا سموع مخاصم باشد

و بلکہ سکونتی میں ہجرت در موضع است کہ مغرباً آن فاصلہ شش میل جبل واقع است پس
در اینجا چگونه صورت مغرب باشد؟

الجواب: قال العلامة الشامی والمراد بالغروب زمان غیوبة جرم
الشمس بحيث تظهر الظلمة فی جهة الشرق وقال صلی اللہ علیہ وسلم: اذا
اقبل اللیل من ههنا فقد افطر الصائم ای اذا وجدت الظلمة حاصی فی جهة
المشرق فقد ظهر وقت الفطر او صار مفطراً فی الحكم لان اللیل لیس طرفاً
للصوم وانما ادى بصورة الاخبار ترغیباً فی تعجیل الافطار كما فی فتح الباری
ام ص ۳۹ ج ۲ قال الحافظ ابن حجر فی الفتح تحت حدیث ابن ابی اوفی:
قال یکنام مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فلما غابت الشمس قال لبعض
القوم یا فلان قم فاجد لنا فقال یا رسول اللہ لو امسیت قال انزل فاجد
لنا قال ان علیک نهماً قال انزل فاجد لنا الحدیث ما نصه و فی الحدیث
ایضاً استحب تعجیل الفطر وانه لا یجب امساك جزء من اللیل مطلقاً
بل متى تحقق غروب الشمس حصل الفطر ام وقال تحت حدیث سهل بن سعد
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر ما
نصه زاد ابو هریرة فی حدیثه: لان اليهود والنصارى یؤخرون اخرجہ
ابوداؤد وابن خزیمة وغیرہما وتأخیر اهل الكتاب له امد وهو ظهور النجم
وقد روی ابن حبان والحاکم من حدیث سهل ایضاً بلفظ لا تزال امتی
على سنتی ما لم تنتظر بفطرها النجوم الى ان قال بقال ابن دقین العید: فی
هذا الحدیث رد علی الشیعة فی تأخیرهم الفطر الى ظهور النجوم الخ صحیح
وفی رد المحتار لان ظاهر مذهب اصحابنا جواز الافطار بالتحری كما نقله
فی المعارج عن شمس الائمة السرخسی لان التحریر تفید غلبة الظن و
هی کالیقین كما تقدم فلولم يتحرل یحل له الفطر لان الاصل بقاء النهار
وفی البحر من البرازیة لا یفطر ما لم یغلب علی ظنّه الغروب وان اذن
المؤذن ام ص ۱۰۰ ج ۲ -

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ غروب آفتاب کے تحقق کے بعد معاً افطار و نماز

جائز ہے، بلکہ تعجیل فی الافطار مستحب ہے، بشرطیکہ ظن غالب غروب کا ہو جائے، اور سائل کو
تحریر و غلبہ ظن سے افطار کرنا چاہئے، باقی طحاوی و نسائی کی روایت ان احادیث مستعار ہیں
نہیں کیونکہ ایک دو ستارہ غروب کے ساتھ ہی طلوع ہو جاتا ہے، البتہ اشتباک نجوم
غروب کے بعد دیر میں ہوتا ہے، اور اشتباک نجوم کا انتظار مکروہ ہے، ۲۰ ج ۱ ص ۱۳۸
حکم صوم یوم الشک سوال (۲) ما قولکم رحمکم اللہ فی صوم یوم الشک وما الرأی فیہ عندکم
الجواب؛ قلت اخرج الشيخان وغيرهما عن ابی ہریرۃ رضی اللہ
عنه عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال لا یقصد من احدکم رمضان
بصوم یوم او یومین الا ان یكون رجل کان یصوم صومًا فلیصم ذلك الیوم و
للترمذی واحد بلفظ الا ان یوافق ذلك صومًا کان یصومه احدکم
قال الحافظ ابن حجر قال العلماء معنی الحدیث لا تستقبلوا رمضان بصیام
على نية الاحتیاط لرمضان، ای لا یقدم رمضان بصوم یوم یعد منه
بقصد الاحتیاط له فان صومه مرتبط بالرؤية فلا حاجة الى التکلف، و
(قل) الحکمة فیہ التقوی بالفطر لرمضان لیدخل فیہ بقوة ونشاط وهذا
فیہ نظر لان مقتضی الحدیث انه لو تقدم له لصیام ثلاثة ايام او اربع عتجا
وسند کرم فیہ قریباً وقیل الحکمة فیہ خشية اختلاط النفل بالفرض
وفیہ نظر ایضاً لانه یجوز لمن له عادة کما فی الحدیث وقیل لان الحکم علی رمضان
بالرؤية فمن تقدم به یوم او یومین فقد حاول الطعن فی هذا الحکم وهذا
هو المعتمد، ومعنی الاستثناء ان من کان له ورد فقد اذن له فیہ لانه اعتاد
والفه وترك المألوف شدید ولس ذلك من استقبال رمضان فی شیء، وفیہ
رد علی من یری بتقدیم الصوم علی الرؤية کالترافضة ورد علی من قال
بجواز النفل المطلق وابعد من قال المراد بالنهی التقدم بنية رمضان و
استدل بلفظ التقدم لان التقدم علی الشیء بالشیء انما یتحقق اذا کان من
جنسه فعلى هذا یجوز الصیام بنية النفل المطلق لكن السياق یأبى هذا التأویل
ویدفع فیہ منع الشام الصوم قبل رمضان اذا کان لاجل الاحتیاط اھ
(ص ۱۱۰ ج ۲) ملخصاً.

واخرج الترمذي عن عمار بن ياسر عن من صام اليوم الذي يشك فيه فقد
عصى ابا القاسم صلى الله عليه وسلم، وقال حسن صحيح والعمل على هذا عند اهل
العلم من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ومن بعدهم كرهوا ان يصوم الرجل
اليوم الذي يشك فيه (اه رص ٩١ ج ١) قلت واخرجه البخاري تعليقا ووصله
اصحاب السنن الاربعة واخرجه ايضا ابن خزيمة وابن حبان والحاكم
وقال صحيح على شرطهما ولم يخرجاه كذا في العمل للعيني (ص ١٩٠ و ١٩١ ج ٥)
قلت ولا يخفى انه موقوف في حكم المرفوع قال العيني بان فيه تفصيلا واختلافا
للعلماء فذهب داود الى انه لا يصح صومه اصلا ولو وافق عادة له وذهب
طائفة الى انه لا يجوز ان يصام الاخر يوم من شعبان تطوعا الا ان يوافق صوما
كان يصومه واخذوا بظاهر هذا الحديث روى ذلك عن عمر بن الخطاب
وعلى وعمار وحذيفة وابن مسعود ومن التابعين سعيد بن المسيب والشعبي
والنخعي والحسن وابن سيرين وهو قول الشافعي وكان ابن عباس وابوه سيرة
يامر ان يفصل يوم او يومين كما استجوا ان يفصلوا بين الصلوة الفريضة و
النافلة بكلام اوقيام او تقدم او تأخر وقال عكرمة من صام يوم الشك فقد
عصى الله ورسوله واجازت طائفة صومه تطوعا وهو قول الليث والاوزاعي
وابن حنيفة واحمد واسحق روى عن عائشة واسماء اختها انهما كانتا تصومان
يوم الشك (اه رص ٢٠٠ و ٢٠١ ج ٥) ملخصا، وقال في الهداية والمراد بقوله
صلى الله وسلم لا تتقدموا رمضان بصوم يوم ولا بصوم يومين الحديث
التقدم بصوم رمضان لا انه يؤخره قبل اوائله ثم ان وافق صوما كان يصوم
فالصوم افضل بالاجماع وكذا اذا صام ثلاثة ايام من آخر الشهر فصاعدا
وان افردة (اي يوم الشك) فقد قيل الفطر افضل احترازا عن ظاهر النهي
روا القائل الفقيه محمد بن مسلمة كذا في الغاية) وقد قيل الصوم افضل
اقتداء بعلي وعائشة رضي الله عنهما فانهما كانا يصومان والمختاران
يصوم المفتي بنفسه اخذ ابا الاحتياط (اه رص فتح القدير ص ٢٢٤ ج ٢) قلت
اما تاويل صاحب الهداية في معنى الحديث فما بعده من السياق كما قاله

العافظ ابن حجر واما استدلالهم بفعل علي فلا يصح فان مذهب علي خلاف ذلك كما مر عن العيني وصرح به في فتح القدیر نقلًا عن الغاية واما بفعل عائشة فلا يستقيم ايضا لان المنقول من قولها انها قالت لان اصوم يومًا من شعبان احب الي من ان افطر يومًا من رمضان كما في الفتح وذكره العيني ايضا وصوم يوم الشك بنية كذلك لا يجيزه اصحابنا قال العلامة ابن الهمام والاولى في التمسك على الافضلية حديث السر راه (ص ۲۴۲ ج ۲) قلت وحديث السر ما أخرجه الشيخان انه صلى الله عليه وسلم قال لرجل هل صمت من سر شعبان قال لا قال فاذا افطرت فصم يومًا مكانه وفي لفظ فصم يومًا وسر الشهر اخره كذا ذكره ابن الهمام في الفتح ايضا (ص ۲۴۵ ج ۲) قلت ولا يخفى ما فيه فانه يمكن حمل حديث السر على صوم كان يعتاده الرجل وبعد ذلك فلا منافاة بينه وبين حديث النهي عن التقدم على رمضان ذكره العافظ ابن حجر في الفتح (ص ۲۰۱ ج ۲) وايضا فقد قيل السر وسط الشهر حكاه ابوداود ورجحه بعضهم ووجهه بان السر جمع سرقة وسرقة الشيء وسطه، ويؤيده النذب الى صيام البيض وهي وسط الشهر (والنذب الى صوم يوم النصف من شعبان خاصة ۱۲) وانه لم يرد في صيام اخر الشهر (من شعبان) نذب بل ورد فيه نهي خاص اه قاله العافظ ايضا وبالجملة فدل من منع عن صوم يوم الشك الا للعتاد اقوى رواية ودراية وما ذكره اصحابنا في تاويل الحدِيثين ومن استثناء الخواص عن هذا النهي مجرد تاويل في معرض النص هذا ولكن لا افتي على كراهته للخواص لكوني مقلد الامام الاعظم الى حنيفة واصحابه ولكن الاولى عندي قول محمد بن سلمة من الحنفية ان افراد يوم الشك بصومه خلاف الاولى والفطرية افضل للعوام والخواص جميعا خصوصا وقد قال اصحابنا ان الخروج من خلاف العلماء مستحب وفيه خلاف كما ترى والله اعلم، ولا سيما في هذا الزمان فان صوم المفتي والفقهاء قلما يخفى على العامة كما هو مشاهد والحنفية انما اجازوه للخواص بشرط الاخفاء التام عن العوام كما ذكره في فتح القدیر (ص ۲۴ و ۲۴۸ ج ۲) وان كان الصوم

بشرط الاخفاء ایضاً خلاف الافضل عندی وبہ قال محمد بن مسلمہ من اصحابنا
وکفی بہ لی قد وثّہ اذا تأیّد قوله بالحديث ولتقوی رواية ودراية هذا والله تعالى
اعلم وعلیہ اتم واحکم، ۳۰ شعبان ۱۴۴۴ھ۔

سوال (۳) مسجد میں روزہ افطار کرنا اس خیال سے
کہ اگر افطار کر کے مسجد میں گئے تو جماعت کا کچھ حصہ نہیں ملے گا، افطار سے مطلب یہ ہے کہ
افطاری میں کھانا وغیرہ اچھی طرح سے کھالیا جاوے، ورنہ یہ ممکن ہے کہ اگر ایک گھونٹ
پانی یا صرف چھوڑا وغیرہ کھا کر چلے تو اوّل رکعت میں بخوبی شامل ہو سکتا ہے، اور مسجد والوں
سے یہ دشوار ہے کہ وہ اذان و تکبیر میں اس قدر وقفہ کریں کہ گھر کے افطار کرنے والے جماعت
کی اوّل رکعت میں شامل ہو جاویں، تو ایسی صورت میں مسجد میں افطار کرنے کا کیا حکم ہے؟
الجواب؛ ایسی حالت میں افطار مسجد میں کیا جائے، مگر مسجد کی حد کے اندر نہ کھائیں
بلکہ باہر کھائیں، اور باہر کوئی جگہ مناسب نہ ہو تو مسجد ہی میں کھالیں، اور کھانے سے کچھ دیر پہلے
اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں آجایا کریں، امام محمدؒ کے نزدیک اعتکاف قدر لیل نہان کا بھی صحیح
ہے، قال فی الذکر اکل ونوم المعتکف الخ قال الشامی فی قوله اکل ونوم الخ واذا
اراد ذلك ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل ویذکر الله تعالى بقدر یمانوی
اولیصلی ثم یفعل ما شاء فتاویٰ ہندیۃ (ص ۶۹۱-۱۷۰) واللہ اعلم غرہ رمضان ۱۴۴۴ھ۔
ایضاً ایضاً **سوال (۴)** رمضان شریف میں اہل محلہ کا بخوف ترک جماعت نماز مغرب
مسجد محلہ میں جمع ہو کر شربت وغیرہ قلیل شیار سے روزہ افطار کرنا بلا کراہت جائز ہو گا یا نہیں؟
الجواب؛ مسجد میں اکل و شرب مکروہ ہے، مگر ضرورت کے وقت بلا کراہت
جائز ہے، کالمسافر یباح له النوم فیہ اور ترک جماعت کا اندیشہ بھی عذر ہے، اس لئے اگر
مسجد سے باہر کوئی جگہ ایسی نہ ہو جہاں افطار کر سکیں تو مسجد ہی میں افطار کر لینا جائز
ہے، بشرطیکہ مسجد کو ملوث نہ کیا جائے، قال علی القاری فی وجہ تاخیر عمر و عثمان
الافطار عن الصلوة انہما کانا فی المسجد وکانا غیر معتکفین ورأیا الاکل والشرب
لغیر المعتکف مکروہین (فی المسجد) لکن اطلاق احادیث التّجیل ظاہر فی
استثناء حال الافطار (ص ۵۱۳ ج ۲) کوئی کپڑا وغیرہ ایسا بچھالیا جائے جس سے مسجد
کی حفاظت رہے، اور بہتر یہ ہے کہ اس وقت افطار سے کچھ پہلے اعتکاف کی نیت کر کے

مسجد میں داخل ہو، اور امام محمدؒ کے نزدیک اعتکاف ساعت بھی درست ہے، و بیفتی، پھر یہ کراہت کلیہ مرتفع ہو جاوے گی، واللہ اعلم۔ ۷/۱ رمضان ۱۴۲۵ھ

تفصیل الآثار فی تعجیل الافطار | سوال (۵) مؤطا امام مالکؒ میں کتاب الصوم میں ہے:-

ان عمر بن الخطابؓ و عثمان بن عفان کا نایصتین المغرب حین ینظران الی اللیل الاسود قبل ان یفطر اثم یفطر ان بعد الصلوة و ذلك فی رمضان۔

اس پر سوئی میں شاہ ولی اللہ محدثؒ نے کہا ہے وعلیہ اهل العلم انه يستحب ذلك ما لم يقع في شك الاستثناء التاخير، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تعجیل فطر پر احادیث کثیرہ موجود مؤطا میں مستحب تعجیل الفطر کا ایک باب ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تاخیر کیسے فرماتے تھے؟ اور پھر شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس تاخیر کو مستحب لکھ دیا، اگر تاخیر کے مشبہ میں نہ پڑے، غالباً شاہ صاحبؒ کا منشاء یہ ہے کہ مشبہ کی وجہ سے تاخیر نہ کرے، اور بلاشبکہ تاخیر کرے تو مستحب ہی، پھر تعجیل فطر کا استحباب کہاں رہا؟

الجواب الملقب بتفصیل الآثار فی تعجیل الافطار؛

قال الحافظ فی الفتح قال ابن عبد البر احادیث تعجیل الافطار و تاخیر السحور صحاح متواترة وعند عبد الرزاق وغيره باسناد صحيح عن عمرو بن ميمون الاودي قال کان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم اسرع الناس افطاراً و ابطأهم سحوراً و اخرج البخاری عن سهل بن سعد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا يزال الناس بخير ما عجلوا الفطر، زاد ابوداؤد فی حدیثه و آخر و السحور اخرجہ احمد و زاد ابوہریرة فی حدیثه لان اليهود و النصارى يؤخرون اخرجہ ابوداؤد و ابن خزيمة و غیرہ و تاخیر اهل الكتاب له امد و هو ظهور النجم و قد روى ابن حبان و الحاكم من حدیث سهل ایضاً بلفظ لا تزال امتی علی سنتی ما لم تنتظر بفطرها النجوم۔ قال المهلب و الحکمة فی ذلك ان لا یزاد فی النهار من التیل و لانه اتفق بالصائم و اقوی له علی العبادة و اتفق العلماء علی ان محل ذلك اذا تحقق غروب الشمس بالتؤیة او باخبار عدلین و کذا عدل واحد فی الابرار

ر ص ۳، ج ۵) وفيه دلالة على التعلق العلماء على ان التعجيل المذكور في الحديث المنوط نفى التأخير عنه محل ما اذا تحقق الغروب ثم نبيه الحافظ في الصفحة المذكورة على ما حدث في زمانه من البدعة المتكررة من إيقاع الأذان الثاني قبل الفجر بنحو ثلث ساعة في رمضان والطفاء المصاييح التي جعلت علامة لتحريم الأكل والشرب على من يريد الصيام زعمًا من أحدثه أنه للاحتياط في العبادة وقد جرهم ذلك إلى ان صاروا لا يؤذون إلا بعد المغرب بدرجة لتمكين الوقت زعموا فأخروا الفطر وعجلوا السجود وخالفوا السنة فلذلك قل عنهم الخير وكثر فيهم الشر والله المستعان، (ر ص ۳، ج ۲) وهو يدل على ان التأخير بدرجة بعد تحقق الغروب خلاف السنة أيضًا وروى مسلم والترمذي والنسائي من رواية أبي عطية قال دخلت أنا ومسروق على عائشة فقُلنا يا أم المؤمنين رجلان من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أحدهما يعجل الإفطار ويعجل الصلاة والأخر يؤخر الإفطار ويؤخر الصلاة قالت إيهما يعجل الإفطار ويعجل الصلاة قلنا عبد الله بن مسعود قالت هكذا كان يصنع رسول الله صلى الله عليه وسلم والأخرا أبو موسى.

وأخرج أبو يعلى في مسنده عن أنس رضي الله عنه قال ما رأيت النبي صلى الله عليه وسلم قط صلى صلاة المغرب حتى يفطر ولو كان على شربة من ماء وإسناده جيد كذا في العيني على البخاري (ر ص ۲۹۲، ج ۵)

وأخرج البخاري عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أقبل الليل من ههنا وأدبر النهار من ههنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم أم وقال ابن خزيمة قوله فقد افطر الصائم لفظ خبر ومعناه الأمر أي فليفطر الصائم ولو كان المراد فقد صار مفطرًا كما زعمه بعضهم لم يكن للترغيب في تعجيل الإفطار معنى وكان فطر جميع الصوام واحدًا كذا في الفتح أيضًا (ر ص ۱، ج ۲) وفيه أيضًا في باب صوم الوصال واحتجوا بالتحريم أي تحريم الوصال بقوله في الحديث المتقدم إذا أقبل الليل من ههنا فقد افطر الصائم أذ لم يجعل الليل محلاً سوى

الفطر فالصوم فيه مخالفة لوضعه كيوم الفطر (ص ۸، ج ۲) -

وفيه ايضاً حديث بشير بن الخصاصية أخرجه احمد والطيبراني وسعيد بن منصور وعبد بن حميد وابن أبي حاتم في تفسيرهما بسند صحيح الى امرأته عنه مرفوعاً صوماً كما امركم الله تعالى اتموا الصيام الى الليل فاذا كان الليل فافطر وا (ص ۸، ج ۲) وقال العيني في العمدة قال ابو عمر في الاستذكار اجمع العلماء على أنه اذا حلت صلاة المغرب فقد حل الفطر للصائم فرضاً وتطوعاً و اجمعوا على أن صلاة المغرب من صلاة الليل ام (ص ۲۶۶، ج ۵) وفي الترمذي للنسائي عن انس رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يفطر قبل ان يصلي على رطبات فان لم تكن حتى احسوات من ماء رواه ابو داود والترمذي وحسنه ام (۱۸۵) وقال علي الفلاري في شرح المشكوة تحت حديث لا يزال الناس بخير ما عجلوا الفطر أي ما داموا على هذه السنة وليسن تقد يمه على الصلاة للخير الصحيح به وقال الترمذي فان في التعجيل مخالفة لاهل الكتاب فانهم يؤخرونه ثم صار عادة لاهل البدعة في ملتنا ام قال بعض علمائنا ولو اخر لتأديب النفس غير معتقد وجوب التأخير لم يضرك ذلك - اقول بل يضرك حيث يفوته السنة وتعجيل الافطار بشربة ماء لا ينافي التأديب ثم رأيت الترمذي قال وهذه الخصلة التي لم يرضها رسول الله صلى الله عليه وسلم واقول يشابه هذا التأخير تقديم صوم يوم اويومين على صوم رمضان الى ان قال ويؤيده ما صح ان الصحابة كانوا اعجل الناس افطاراً واطاهم سجوراً (ص ۵۱۰، ج ۲) قلت ومقتضى هذا الذي ذكرنا كون تقديم الافطار على صلاة المغرب سنته وان التأخير عنها خلاف السنة وما كان خلاف السنة وان كان مباحاً فلا يخلو عن كراهة ولو تنزها لاسيما اذا انضم الى ذلك قوله صلى الله عليه وسلم اذا قبل الليل فافطروا وقوله اذا قبل الليل من ههنا وادبر النهار من ههنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم أي فليفطر - وأما ما روى بسند صحيح عند مالك في مؤطاه وعند محمد به ان عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان كانا يصليان المغرب حين ينظران الى الليل

الاسود (ای سواد اوله) قبل ان یفطر اثم یفطر ان بعد الصلوة فی رمضان ام فلا یحتاج
 الی الجواب لکونه خلاف عمل الرسول وعامة اصحابه والیضا لا ندري هل اخر
 الفطر بعد راو بغیر عن رو قال القاری هو اما البیان الجواز اشعار بان مثل هذا
 التأخیر لا ینافی الامر بالتعجیل او لعدم ما یفطر ان به عندهم قبل الصلوة او
 یحمل الافطار علی التعشی بالطعام لان الافطار المتعارف عندهم ان یتعشوا
 بطعامهم کذا فی تعلیق الموجد محضلاً (ص ۱۸۳) وحاصله انهما لم یكونا
 یتعشیان قبل الصلوة بالطعام ویقتصران علی شربة من ماء ونحوه ولم یکن
 ذلك الافطار افطاراً متعارفاً بینهم فقال الراوی بناءً علی ذلك انهما کانا یفطرا
 بعد الصلوة وبالجملة ففی الاثر حکایة حال الاعیوم لها ویحتمل الوجوه العديدة
 فلا یتروک به ما ثبت عنه صلی الله وسلم قولاً وفعلًا وامراً وترغیباً فالعالم
 ان تقدیم الفطر علی صلوة المغرب هو السنة وتأخیره عنها خلاف السنة ولكن
 لا یدخل فی حد الکراهة ما لم یشتبک النجوم لا یقال ینافی ما قلت قول محمد
 فی المؤطا بعد تخریجه اثر عمر وعثمان هذاکه واسع فمن شاء افطر قبل
 الصلوة ومن شاء افطر بعد هاوکل ذلك لا بأس به ام لان قوله واسع لا بأس
 به ام لا ینافی کونه خلاف السنة فربما یطلق
 الفقهاء لا بأس به علی ما یمکن مکروهات تنزیهاً وخلاف الاولی كما لا یخفی ولا
 من تفتید قوله واسع ولا بأس به بان لا یمیل مبلغ اشتباک النجوم كما قیل
 به المحشی.

واما ما فی رد المحتار عن شرح الجامع لقاضی خان التعجیل المستحب قبل
 اشتباک النجوم ام (ص ۱۸۳ ج ۲) وهو یفید بظاہره ان کل ما کان قبل
 اشتباک النجوم فهو من التعجیل المستحب فیعارضه ما مر عن القاری من
 تصریحه بکون تقدیمه علی الصلوة سنة وکون تأخیره عنها خلاف السنة
 وتاویله فی اثر عمر وعثمان بوجوه عديدة فکیف یمکن ما بعد المغرب الی
 اشتباک النجوم کله وقتاً مستحباً التعجیل وقال فی البدایین تعجیل
 الافطار اذا غربت الشمس هکذا روی عن ابی حنیفة لما روينا من الحدیث

ثلاث من سنن المرسلین ومن جملتها: تعجيل الافطار وروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال لا تزال امنی بخیر ما لم ينتظر ولا فطار طلوع النجم والتاخير یؤدی الیه ام ای الی الانتظار طلوع النجوم (ص ۱۰۶ ج ۲) وهذا یفید ان التعجيل المسنون المستحب ما كان قبل طلوع النجم وما بعده داخل فی التاخير نعم تاخير الی طلوع النجم لا یکسر کلهة التعریم وانما التاخير المکروه کذلک ما کان الی اشتباک النجوم لانه هو الذی یفنی الی مشابہة اهل الکتاب فکانوا یؤخرون الی حد الاشتباک، واللہ اعلم۔

ہمارے نزدیک جو امر تعجیل افطار کے متعلق کتب احادیث وفقہ سے منقح ہو رہے وہ یہ ہے کہ تحقق غروب کے بعد معاً قبل نماز مغرب افطار کرنا مسنون ہے اور بعد نماز کے افطار کرنا خلاف سنت ہے، مگر حد اشتباک سے پہلے پہلے افطار کرے تو تاخیر مکروہ میں داخل نہ ہوگا، اور حد اشتباک تک تاخیر مکروہ تحریمی ہے، اور مسوئی کی عبارت کے متعلق بدون کتاب دیکھے ہوئے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، سوال میں اس کی عبارت نا تمام نقل کی گئی ہے، اور وہ بھی پڑھی نہیں گئی اور حضرت عمرؓ و عثمانؓ کے اثر کا جواب چند وجوہ سے دیا گیا ہے، جو عبارت عربیہ میں مذکور ہے، واللہ اعلم، ۱۷ رمضان ۱۴۲۵ھ۔

سوال (۶) ایک عورت نے رمضان شریف کے قضا روزے نیت معلق سے صوم متحقق نہیں ہوتا | تحقق صوم کے لئے قصد جازم شرط ہے۔

غلادہ اور روزہ خواہ وہ رمضان شریف کا قضا شدہ کیوں نہ ہو اپنی ساس سے اجازت لے کر رکھا کرتی تھی اس روز بھی اس نے یہ ارادہ کیا کہ نماز صبح کے وقت اپنی ساس سے دریافت کر لوں گی، اگر ساس نے اجازت دی رکھوں گی ورنہ نہیں، لیکن گمان یہی تھا کہ ساس ضرور اجازت دے گی، صبح کی نماز کے وقت دریافت کیا تو ساس نے انکار کر دیا، اس عورت نے روزہ نہیں رکھا، دریافت طلب یہ ہو کہ آیا اس روزہ کی قضا رکھنی چاہئے، یا کفارہ دینا پڑے گا اور کفارہ کیا ہوگا، اگر ساٹھ روزے رکھنے کے بجائے ساٹھ آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے تو کفارہ ادا ہو جائیگا یا نہیں، ایک بات اور اظہار طلب ہے کہ یہ عورت ہمیشہ اپنی ساس سے روزہ کے متعلق رات کو دریافت کر لیا کرتی تھی، اگر اس نے اجازت دی تو روزہ رکھا ورنہ نہیں، اس روز رات کو دریافت کرنا یاد نہیں رہا تھا، اور صبح کی نماز کے

بعد دریافت کیا تھا جیسا کہ میں پیشتر تحریر کر چکا ہوں۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں نہ قضا واجب ہوئی نہ کفارہ، کیونکہ روزہ کا تحقق ہی نہیں ہوا، تو یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ روزہ کو توڑا گیا، کیونکہ تحقق صوم کے لئے نیت شرط ہے، اور نیت کی حقیقت قصد جازم ہے، جو صورت مسئلہ میں نہیں پایا گیا، بلکہ نیت معلق تھی ساس کی اجازت پر اور ایسی نیت سے صوم کا تحقق نہیں ہوتا، پس افسار صوم بھی نہیں پایا گیا، قال فی مرقاۃ المفاتیح: وحقیقة النیة قصد عازم بقلبه صوم غد الخ (ص ۳۷۲) وفيه ايضا واما القسم الثاني وهو ما يشترط له تعيين النية وتبنيها فهو قضاء رمضان وقضاء ما افسده من نفل وصوم الكفارات بانواعها كفارة اليمين وصوم التمتع والقرآن والنذر المطلق اه (ص ۳۷۶)۔

۲ شعبان ۱۴۰۰ھ

سحری کے وقت طلوع فجر سے قبل اذان دینے اور ایسے اذان کے اعادہ کا حکم۔ [سوال (۲) حضرت! دیہات میں اکثر لوگ اذان سن کر کھانا پینا بند کرتے ہیں، اور گھڑی بھی ہمیشہ صبح نہیں رہ سکتی، کیونکہ کوئی بہتر ذریعہ ملانے کا نہیں ہوتا، کبھی کبھی طلوع غروب سے بھی بوجہ ابر ہونے کے نہیں ملا سکتے، تو ایسی حالت میں ان لوگوں کا روزہ ہوگا یا کہ کچھ نقصان پڑے گا، اسی خیال سے کہ لوگ کھانے سے بند ہو جائیں گے اذان صبح صادق سے دس یا پانچ منٹ قبل پڑھنا جائز ہے یا کہ نہیں، کیونکہ دیہات میں کوئی ذریعہ دیگر بند کرنے کا نہیں ہوتا، حکم شرعی سے حضور ﷺ اطلاع بخشیں؟]

الجواب؛ اگر یہ لوگ اذان کے بھروسہ پر نہ رہتے ہوں، بلکہ اپنے دل کی گواہی کے موافق کھاتے ہوں اور بند کرتے ہوں تو ان کے روزہ میں مشبہ نہ ہوگا، اور دل کی گواہی وہ معتبر ہے جو خوف خدا کے ساتھ ہو اور وقت کی پہچان بھی ہو، اور اگر اذان کے بھروسہ ہی پر رہتے ہوں تو ان کے روزوں میں مشبہ رہے گا، اگر مؤذن صبح ہونے کے بعد اذان کہتے ہوں اور ایسی حالت میں مؤذن کو یہ جائز ہے کہ اذان فجر صبح صادق سے دس پندرہ پہلے کہہ دی جائے، تاکہ لوگ کھانے پینے سے رک جائیں، مگر صبح صادق ہونے کے بعد اس اذان کا اعادہ کر دیا جائے گا، زیادہ بلند آواز سے نہ ہو، معمولی ہی آواز سے ہو، قلت وعلى ذلك حملت الحنفية الاذنين في عهد النبي صلى الله عليه وسلم ان الاول كان لمصلحة اخرى غير اعلام الوقت وهذه ايضا مصلحة قد مست الحاجة اليها في القرى فان

اہلہا لا یستنون عن الاکل الا بالاذان، مگر اس کے لئے خاص انتظام کی ضرورت ہے کہ گاؤں کے سربراہ اور وہ لوگ ایک دو مؤذن اس کام کے لئے مخصوص کر دیں ورنہ گڑبڑ ہوگی۔
۲۱ رمضان ۱۴۲۸ھ

سوال (۸) حکم افطار قبل اذان | در رمضان المبارک از اذان و افطار کدام را مقدم نمود مسنون است در تاخیر نماز از افطار کلام نیست، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باصحاب صلعم اولاً افطار کردند یا اذان کردند، دریں بارہ حدیث صحیح ارشاد فرمایند؟

الجواب: تقدیم افطار قبل از نماز مغرب مسنون است، واما اذان، پس مؤذن قبل اذان افطار کند و غیر مؤذن مع الاذان، الا ان یكون عارفاً بالوقت او بفعل المؤذن فله ان یقدم الفطر علی الاذان، مگر مراد از افطار شیع بالطعام نیست بلکہ افطار بر تہ یا شربتہ مار و نحوه، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلث من سنن المرسلین تعجیل الافطار و تاخیر السجور الخ رواہ الطبرانی رزعلی ص ۲۵۳ ج ۱۱ ولا شک ان فی الافطار بعد الصلوۃ تاخیر او ماروی عن بعض الصحابة انہم كانوا یفطرون بعد المغرب ای بعد الصلوۃ فمحصول علی الشیع ای کان یأکل الطعام بعد المغرب دون تاخیر الفطر مطلقاً، واللہ اعلم۔
۲۱ رمضان ۱۴۲۸ھ

فصل فی روتہ ہلال

سوال (۱) اگر رویت ہلال کی شہادت عید کے دن طلوع آفتاب سے قبل مل گئی، تو جمع کے خیال سے اگلے دن تک تاخیر کرنا صحیح نہیں۔
المبارک رویت ہلال نہ ہوئی، تیس تا پنج کی صبح کو فجر کی نماز کے متصل ہی ا طول ایام میں رویت پر شہادت گزری، اور قبول ہونے کے بعد ہی فوراً شہر میں اعلان افطار کا امام شہر کی جانب سے کر دیا گیا، اور اس کا بھی اعلان ہوا کہ نماز عید گاہ میں اپنے مقررہ وقت پر آج ہی پڑھی جائیگی اس اعلان پر بعض حضرات شہر نے امام شہر سے یہ کہا کہ آج نماز کو ملتوی رکھنا چاہتے، کیونکہ کامل اجتماع ساکنان شہر و نیز اہل قریات آج دشوار ہے، اس کو امام صاحب نے تسلیم کر کے دوبارہ دو سر روز نماز کی ادائیگی کا اعلان کرایا، چنانچہ عید گاہ میں نماز دوسرے ہی روز پڑھی گئی، لیکن چند مساجد شہر میں افطار کے روز ہی نماز عید وقت پر پڑھ لی، اس پر بہت سے

لوگوں کا اعتراض ہوا کہ یہ امر تفریق بین المسلمین ہی اور حکم امام کے خلاف ہی اب دریافت طلب ہے امر یہ کہ اگر ا طول ایام میں آفتاب طلوع ہونے کے متصل ہی رویت پر شہادت گزر جائے اور قبول ہونے پر روزہ افطار کر لیا جائے تو نماز عید اسی روز پڑھنا واجب ہی یا امر موہوم عدم اجتماع کثیر کے احتمال پر ادائیگی نماز دوسرے روز پر ملتوی کر دی جائے؟ درمختار کتاب الاضحیۃ میں قبیل عبارت کرہ تنزیہاً الذبح لیللاً پر صاحب شامی تحریر فرماتے ہیں لو شہدوا بعد نصف النهار انه العاشر جاز لهم ان يضجوا ويخرج الامام من الغد فيصلي بهم العيد وان علم في صدر النهار انه يوم النحر فشتغل الامام عن الخروج او غفل فلم يخرج ولم يأمر احدا ان يصلي بهم فلا ينبغي لاحد ان يضجى حتى يصلي بهم الامام الى ان تنزل الشمس فاذا زالت قبل ان يخرج الامام ضجى الناس اء، یہ عبارت مفید اس معنی کو ہے کہ اگر صدر نہار میں اس امر پر شہادت گزری کہ آج عید کا روز ہے تو امام پر واجب ہے کہ اُس ہی روز نماز عید پڑھاوے، اور حدیث سے جو یہ امر ثابت ہے کہ ایسی صورت میں دوسرے روز نماز پڑھی گئی، تو بعض روایت میں تصریح اس امر کی ہے کہ اطلاع رویت کی بعد الزوال ہوئی تھی، اور مذکورہ صورت میں اگر امام عید کی نماز دوسرے روز پڑھنے کا اعلان کرے تو شہر کے لوگوں کو کیا کرنا چاہئے؟ آیا وہ اپنے اپنے محلوں کی مساجد میں نماز عید پڑھ لیں یا دوسرے ہی روز پڑھیں؟ کتب فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قول راجح پر دوسرے روز عذر کی بنا پر ہے، نماز قصا ہوتی ہے ادا نہیں ہوتی، اور بلا عذر کے نیز ایسے عذر کی بنا پر کہ شرع شریف میں وہ معتد بہ عذر شمار نہ ہو، دوسرے روز نماز پڑھنا صحیح نہیں، بلکہ شغل بمالایصح میں داخل ہو کر دیگر محظوریوں کو مستلزم ہوتا ہے۔

الجواب؛ جب فجر کی نماز سے متصل شہادت رویت گزری ہے تو اب محض دیہات والوں یا سست مزاج شہریوں کے عدم اجتماع کے خیال سے عید الفطر کو اگلے دن کے لئے امام کا مؤخر کرنا جائز نہ تھا، بلکہ یہ تاخیر چونکہ بلا عذر ہوئی ہے اس لئے اگلے دن نماز صحیح نہیں ہوئی، اس صورت میں جن مسلمانوں نے اپنی اپنی مساجد میں نماز عید ادا کی اُن کا فعل موافق شرع ہے، ایسا ہی کرنا چاہئے تھا، اور تفریق بین المسلمین اس وقت حرام ہے جبکہ دوسری طرف بھی گنجائش ہو، اور اگر دوسری طرف شریعت کی مخالفت ہو تو حسب قدرت اُن سے مفارقت کا اظہار ضروری ہے، قال فی الدرر و تخویر ای صلوۃ عید الفطر (۱۲)

بعد رکطری الی الزوال من الغد فقط، فوقتها من الثانی کالاول وتكون قضاءً
لا اداء ام وفيه ايضاً فالعذر ههنا لنفي الكراهة وفي الفطر للصحة ام قال
الشامی قوله بعد رکطری دخل فيه ما اذا لم يخرج الامام وما اذا غم الهلال و
شهدوا به بعد الزوال او قبله بحيث لا يمكن جمع الناس ام (ص ۸۷ ج ۱)
قلت والمراد بالامام هو الامام الاعظم او نائبه فان خلافه لا يطاق فعدم
خروجه عذر في حق العامة ولو كان هو اثماً واما امام العيدين والجمعة في
بلادنا فعدم خروجه ليس بعذر لان خلافه لا يضر فاذا لم يخرج بلا عذر و
خالف حكم الشريعة لا تتروك العامة صلواتهم بل يجتمعون على امام غيره او
يصلون في مساجد مختلفة باختلاف المعال قال في مراقي الفلاح: وقيل لعذر
للجواز لا لنفي الكراهة فاذا لم يكن عذراً لا تصح في الغد ام (ص ۳۱۱ ج ۲) صفر
خطا ورتار کے ذریعہ رویت ہلال سوال (۲) رویت ہلال میں خط یا تار کا اعتبار ہے یا نہیں
کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟ فی زمانہ جو تاریں موصول ہوتی ہیں ان کے مرسل کا بھی حال
عموماً مستور ہی ہوتا ہے، اور ایسا اوقات مرسل اہل ہنود نکلتے ہیں، ایسے حال میں کیا حکم ہے؟
الجواب؛ رویت ہلال میں تار بالکل معتبر نہیں، ہاں خط کا چند قیود سے اعتبار
کیا جاتا ہے، جس کی تفصیل امداد الفتاویٰ، ص ۱۷۲، جلد اول و صفحہ ۶۲ جلد اول تتمہ
امداد الفتاویٰ میں موجود ہے، اور اس کے ساتھ صفحہ ۶۱ تتمہ مذکور کو بھی ضرور دیکھا جائے۔
۱۲ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ

تحقیق رویت ہلال در حالت غیم سوال (۳) احکام الادلة فی احکام الاہلۃ
وقبول شہادت وغیرہ اگر ہلال رمضان یا شوال در روز غیم یک کس عادل حجر
عادل یا دو کس دیدہ پیش عالم ثقہ در قریہ یا مصر گواہی دادند، عالم ثقہ گواہی ایشان
قبول کرد و حکم بصوم یا افطار کرد و در دیگر قریہ بذریعہ یک مردم یا دو مردم اطلاع داد کہ
نزد ما ثبوت ہلال بقواعد شرعیہ شدہ است آیا مرد ہائے قریہ را بقول ایں عالم ثقہ صوم و
افطار واجب است یا خود بخود از بینندگان ہلال شنوند گواہی قبول کنند یا قبول کردن
گواہی عالم ثقہ کافی است، ہر حجہ حکم شریعت مطہرہ است بسند کتاب مطلع فرمایند؟
الجواب؛ فی الدر المختار و تقییل شہادۃ واحد علی آخر کعبہ و انشی و علی

مثلہما وقال الشامي بر قوله وتقبل شهادة واحد على الآخر بخلاف الشهادة على الشهادة في سائر الاحكام حيث لا تقبل ما لم يشهد على شهادة كل رجل رجلان او رجل وامرأتان (قوله كعب وانثى) اى كما تقبل شهادة عبد وانثى (قوله ولو على مثلہما) افادہما التعميم قبول شهادتهما على شهادة حرا وذكر وهو بحث لفظا النهر وقال ولم امره (ص ۱۲۶ ج ۲)۔

(۲) ولا يشترط في هذه الشهادة لفظ الشهادة ولا الدعوى وحكم الحاكم حتى انه لو شهد عند الحاكم وسمع رجل شهادته عند الحاكم وظاهر العدالة وجب على السامع ان يصوم ولا يحتاج الى حكم الحاكم (عالمگیریہ ص ۱۲۷ ج ۱)۔

(۳) ثم انما يلزم الصوم على متأخرى الروية اذا ثبت عندهم روية اولئك بطريق موجب حتى لو شهد جماعة ان اهل بلدة قد راوا هلال رمضان قبلكم بيوم فصاموا وهذا اليوم ثلثون بحسابهم ولم يرهوا لاء الهلال لا يباح فطر غد ولا يترك التراخي في هذه الليلة لانهم لم يشهدوا بالروية ولا على شهادة غيرهم وانما حكاى روية غيرهم (عالمگیریہ ص ۱۲۸ ج ۱)۔

(۴) في الذر نعم لو استفاض الخبر في البلدة الاخرى لزمهم على الصحيح من المذهب مجتبى وغيره وقال الشامي تحت (قوله نعم) قال الرحمنى معنى الاستفاضة ان تأتى من تلك البلدة جماعات متعددة دون كل منهم يخبر عن اهل تلك البلدة انهم صاموا عن روية لا مجرد الشيوخ من غير علم بمن اشاعه كما قد تشيع اخبار يتحدث بها سائر اهل البلدة ولا يعلم من اشاعها (ص ۱۵۱ ج ۲)۔

(۵) (ولو كانا ببلدة لاحكم فيها صاموا بقول ثقة وافرأوا بخار عدلين) مع العلة (للضرورة) وقال الشامي (قوله لاحكم فيها) اى لا قاضى ولا والى كما في الفتح (قوله صاموا بقول ثقة) اى افتراضا لقول المصنف في شرحه وعليهم ان يصوموا بقوله اذا كان عدلا ام ط (قوله وافرأوا الخ) عبارة غير لا بأس ان يفطروا والظاهر ان المراد به الوجوب ايضا والتعبير بنفى البأس لانه مظنة الحرمة كما في نفى الجناح في قوله تعالى فلا جناح عليكم ان تقصروا من الصلوة ومثله كثير في كلامهم فافهم (ص ۱۲۶ ج ۲)۔

(۶) (وشرط للفطر) مع العلة والعدالة نصاب الشهادة ولفظ اشهد وعدم القذف لتعلق نفع العبد الخ ص ۱۲۶ ج ۲، درمختار مع الشامی)۔

(۷) لا يجوز على شهادة رجل اقل من شهادة رجلين او رجل وامرأتين وكذا على شهادة المرأة وهذا عندنا كذا في الخلاصة رجلا ن شهد على شهادة رجلين او على شهادة قوم جائز عندنا كذا في فتاوى قاضى خان (عالمگیریہ ص ۲۷۳ ج ۳)۔

(۸) (هى مقبولة) وان كثرت استعسانا قال الشامی تحت قوله وان كثرت اعنى الشهادة على شهادة الفروع ثم وثم الخ ص ۲۷۰ ج ۲ شامی۔

(۹) فی الدر المختار (و) هلال (الاضحی) وبقيّة الا شهر التسعة (كالقصر) على المذهب وقال الشامی (قوله والاضحی كالقصر) اي ذوالحجة كشّوال فلا يثبت بالغيم الا برجلين او رجل وامرأتين وفي الصغولابد من زيادة العدد على ما قدمناه وفي التوارد عن الامام انه كرمضان وصححه في التحفة والاول ظاهر المذهب وصححه في الهداية وشروحا والتبيين فاختلت التصحيح وتأييد الاول بانه المذهب بحرر قوله وبقيّة الا شهر التسعة) فلا يقبل فيها الا شهادة رجلين او رجل وامرأتين عدول احرار غير معدودين كما في سائر الاحكام عن شرح مختصر الطحاوى للامام الاسي جاني وذكر في الامداد انها في الصغولابد من رمضان والقصر اي فلا بد من الجمع العظيم ولم يحزه لاحد لكن قال الخیر الرملی الظاهر انه في الالهة التسعة، لا فرق بين الغيم والصغول في قبول الرجلين لفقد العلة الموجبة لاشتراط الجمع الكثير وهي توجه الكل طالبين ويؤيده قوله كما في سائر الاحكام فلو شهد في الصغول بهلال شعبان وثبت بشرط الثبوت الشرعي يثبت رمضان بعد ثلاثين يوماً من شعبان وان كان رمضان في الصغول يثبت بخبرها لان ثبوتها حينئذ ضمنى وليغفر في الضمنيات ما لا يغفر في القصد يات ام (شامی ص ۱۵۲ ج ۲)۔

رويت هلال رمضان کی شہادت میں ابر وغیرہ کے وقت جس طرح ایک عادل مرد یا عورت کافی ہے، اسی طرح ایک عادل مرد یا عورت اگر یہ شہادت دے کہ فلاں عادل عورت یا مرد نے رویت کی شہادت دی ہے تب بھی رویت ثابت ہو جاتی ہے (جیسا کہ روایت میں ہے) اور رمضان کے لئے شہادت کا لفظ بھی ضروری نہیں، اگر یوں کہہ دے کہ میں نے

چاند دیکھا ہے تب بھی کافی ہے، و نیز قاضی وغیرہ کا حکم بھی شرط نہیں، بلکہ بدون حکم حاکم بھی شہادت عادل پر عمل واجب ہے، اور مستور الحال بھی عادل کے حکم میں ہے، (ملاحظہ ہو روایت نمبر ۲) اور ظاہر یہ ہے کہ شہادت علی الشہادت میں بھی لفظ شہادت شرط نہیں، بلکہ یہ خبر دینا ہی کافی ہے کہ فلاں شخص نے رویت ہلال کی شہادت یا خبر دی ہے) اور اگر شہادت کی خبر نہیں دی بلکہ ویسے ہی ذکر کیا کہ فلاں شہر والوں (یا فلاں شخص) نے چاند دیکھا ہے تو رویت ثابت نہیں ہوتی، (جیسا کہ روایت نمبر ۳ سے معلوم ہوتا ہے) البتہ اگر کسی جگہ عام طور پر بطریق معتبر روزہ رکھا جائے اور وہاں کی خبر بطریق شہرت پہنچے تو روزہ واجب ہو گیا، اس میں یہ ضروری نہیں کہ شہادت علی الشہادت کے طریق پر کہا جادی (ملاحظہ ہو روایت نمبر ۴) اور جس طرح ہلال رمضان بدون حکم حاکم ثابت ہو جاتا ہے اسی طرح ہلال عید الفطر بھی فقط شہادت سے ثابت ہو جاتا ہے، جبکہ وہاں حاکم وقاضی وغیرہ نہ ہو (روایت نمبر ۵ ملاحظہ ہو) لیکن صلال فطر میں لفظ شہادت ہونا ضروری ہے البتہ اگر شہادت حاکم وقاضی کے ہاں نہیں تو باخبار عدلین سے (معلوم ہوتا ہے کہ بدون لفظ شہادت بھی رویت ثابت ہو جاتی ہے) لیکن لفظ شہادت کا استعمال کرنے میں احتیاط ہی (و نیز ابر وغیرہ میں دو شاہد ہونا شرط ہے، جیسا کہ روایت نمبر ۶ میں ہے) اور ہلال فطر میں شہادت علی الشہادت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر ایک گواہ کیلئے نصاب کامل ہو، یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں کہ فلاں شخص نے گواہی دی ہے، اور دوسرے شخص کے لئے بھی اسی طرح ایک مرد و عورت یا دو مرد گواہ ہوں، البتہ اگر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں (یہ گواہی دیں کہ ہمارے سامنے ان دونوں گواہوں نے گواہی دی ہے تب ایک ہی نصاب کافی ہے) (ملاحظہ ہو روایت ۷) پس اگر وہ فرستادہ خود بھی شہادت کے وقت موجود تھا تو اس کی خبر معتبر ہے، اور اگر فرستادہ وقت شہادت موجود نہ تھا تو جو اُس وقت موجود تھے وہ فرستادہ کے پاس شہادت دیکر بھیجیں (ملاحظہ ہو روایت نمبر ۸) اور فرستادہ رمضان میں ایک مرد یا عورت کافی ہے، اور سوال میں دو مرد یا ایک مرد و عورت کی ضرورت ہے، جبکہ دونوں شاہدوں کے سامنے شہادت دی ہو، ورنہ ہر شاہد کی شہادت پر نصاب کامل کی ضرورت ہے، کما مر، اور اگر یہ فرستادہ نہ تو وقت شہادت رویت موجود ہو اور نہ اُن کے پاس اس

وقت کے شاہدوں نے شہادت دی بلکہ ویسے ہی سمجھ دیا کہ جا کر رمضان یا شوال کی اطلاع کر دو تو اس سے اُن ریگراہی قرئی پر نہ روزہ واجب ہوگا نہ عید جائز ہوگی، کما ہوا الظاہر اور شامی ص ۵۰ ج ۲ میں ہے قلت وکذا الوشہد وابرؤیۃ غیرہم وان قاضی تلک المصر امر الناس بصوم رمضان لاقہ حکایۃ لفعل القاضی ایضاً ولیس بحجۃ بخلاف قضائہ الخ وایضاً فی الصفحۃ المذکورۃ قلت ووجہ الاستدراک ان ہذا الاستفاضة لیس فیہا شہادۃ علی قضاء قاض ولا علی شہادۃ لکن لما كانت بمنزلۃ الخبر المتواتر وقد ثبت بہا ان اهل تلك البلدة صاموا يوماً کذا المزمع العمل بہا لان البلدة لا تغلوا عن حاکم شرعی عادة فلا بد من ان يكون صومهم مبنيّاً علی حکم حاکمہم الشرعی فكانت تلک الافاضۃ بمعنی نقل الحكم المذكور وهي اقوی من الشہادۃ بان اهل تلك البلدة رأوا الهلال وصاموا لا تفید الیقین قلنا لم تقبل الا اذا كانت علی الحكم او علی شہادۃ غیرہم لتکون شہادۃ معتبرۃ والا فہی مجرد اخبار بخلاف الاستفاضة فانہا تفید الیقین فلا ینافی ما قبلہ ہذا ما ظہری فتأمل ام۔

وايضاً فی صفحہ ۵۵ اتعت (قولہ بطریق موجب) کان يتحمل اثنان الشہادۃ اولی شہد اعلی حکم القاضی اولی ستفیض الخبر الخ۔

اس سے معلوم ہوا کہ قاضی و حاکم کے حکم کی شہادت بھی پہنچ جاوے تب بھی رویت ثابت ہو جاتی ہے، خواہ شہادت علی الحكم کے ساتھ شہادت رویت کا بیان ہو، یا نہ ہو۔ اب رہی یہ بات کہ مفتی کا حکم اور فتویٰ حکم حاکم کے قائم مقام ہوگیا یا نہیں، اس کی تصریح تو کہیں ملی نہیں، مگر ضرورت کی وجہ سے قاضی وغیرہ نہ ہونے کی حالت میں جیسے خطیب جمعہ مسلمانوں کے مقرر کرنے سے ہو جاتا ہے، کمافی الدار (ونصب العامة، الخطیب (غیر معتبر مع وجود من ذکر) امام مع عدمہم فیجوز للصنۃ ورقہ، ام۔ اسی طرح اس میں گنجائش معلوم ہوتی ہے، مگر زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ عالم فقط اپنا فیصلہ سننا کر کسی کو نہ بھیجے، بلکہ اشہاد کے بعد بھیجے، اور رمضان میں ایک عادل اور فطر میں دو عادل جب کافی ہیں جبکہ ابر یا غبار ہو، ورنہ جم غفیر کی حاجت ہی، البتہ اگر کسی جگہ جم غفیر نے شہادت دی اور پھر اس شہادت پر دو شاہد دوسری جگہ شہادت دیں تب وہی

شاہد کافی ہیں لہٰذا فی الدرر فیلزم اہل المشرق برویۃ اہل المغرب (اذا ثبت عندہم رویۃ اولئک بطریق موجب کما مرّ وقال الشامی تحت (فولہ بطریق موجب) کان یتحمل اثنان الشہادۃ اولیٰ شہد اعلیٰ حکم القاضی او یتستفیض الخبر بخلاف ما اذا خبر ان اہل بلدۃ کذا رأوہ لآئذ حکایۃ ح، اور عید الاضحیٰ کا حکم عید الفطر کی طرح ہو اور بقیہ نو مہینوں کا چاند ہر حال میں دو مرد یا ایک مرد و دو عورتوں کی شہادت سے ثابت ہو جاتا ہے، خواہ ابر ہو یا نہ ہو، جیسا کہ روایت نمبر ۹ سے ثابت ہے، اور اگر کسی جگہ روایت نہ ہو اور نہ کہیں سے معتبر شہادت پہنچے تو بظاہر اُن پر یہ واجب نہیں کہ دوسری جگہ سے روایت کی تحقیق کریں، جیسا کہ عالمگیریہ، ص ۱۲، ج ۱ سے معلوم ہوتا ہے، يجب ان یلتزم لئلا یلحد فی التماس فی التاسع والعشرین من شعبان وقت الغروب فان رأوہ صاموہ وان غم اکملوہ ثلاثین یوما کن فی الاختیار شرح المختار ام۔

حررہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔

رقلت والالتماس هو طلب لشيء بنفسه لا التفتب من الغير فقد ورد في ليلة القدر التسوية في العشر الاواخر ای اطلبوہ منفردین لان تسئلوه عن کل حد والاجوبۃ کلها صحیحة، ظمّر الحمد عفا اللہ عنہ ۳۰ سوال س ۳۳۔

سوال (۴) اس سال ہلال رمضان کے بابت ہمارے رویت ہلال اور صوم یوم الشک کے بارے میں ایک استفتاء دیار میں سخت اختلاف پڑا ہے، چھ سات محلہ کے آدمی بوجہ شہادت پانچ شخص کے برویۃ ہلال فی الصواء نزدیک ایک فقیہ کے اور قبول ہونے شہادت ان کے بدھ کے دن سے روزہ رکھیں، اور تیسویں تاریخ جمعرات کو ہلال شوال نہ دیکھنے کی وجہ سے جمعہ کے دن بھی روزہ رکھیں، اور روزے اُن کے اکتیس ہو گئے، اور جمعرات کے روزہ داروں کے تیس ہو گئے، اب بعض عالم بدھ کے دن کے روزہ کو صوم یوم الشک بنیۃ رمضان پر حمل کر کے مکروہ تحریمی فرماتے ہیں، لہٰذا فی الدر المختار و لو جزم ان یکون من رمضان کرہ تحریمًا، اور بدھ کے دن کے روزہ دار کہتے ہیں جب حسب عبارت رد المحتار، بحر، بدائع وغیرہ روایت حسن از امام یصوم رمضان بشہادۃ الاثنین عند الصوا ایضا مفتی بہ ہونا قرار پایا، تو ہمارا روزہ رکھنا حسب شریعت صحیح اور درست ہی، پھر مکروہ ہونیکا کیا معنی؟ فی رد المحتار ج ۲ ص ۱۰۱ مصری قولہ وعن الامام انه یکتفی بشاہدین

بتا پر روزہ رکھا، گو اس فقیہ نے روایت متون کے خلاف حالت صحیح میں جم غفیر کے بغیر ثبوت ہلال کا فتویٰ دیدیا، مگر عوام کو تو علماء کا اتباع لازم ہے جبکہ اس کا فتویٰ کسی ایک روایت کے موافق ہے۔

(۳ و ۲) جمعرات سے روزہ رکھنے والے دو قسم کے ہیں، ایک علماء دوسرے جہلاء، علماء کو اگر فقیہ مذکور کا فتویٰ اس وجہ سے مسلم نہ ہو کہ اس نے روایت متون کے خلاف فتویٰ دیا تو ان کو گناہ نہیں ہوا، اور یہی حکم ان جہلاء کا ہے جو ان علماء کے معتقد ہیں جنہوں نے ان علماء کے اختلاف کی وجہ سے فقیہ مذکور کے فتویٰ کو تسلیم نہیں کیا، اور اس کی صحت میں ان کو شبہ ہو گیا، رہے وہ جہلاء جن کو فقیہ مذکور کے فتویٰ کا علم ہوا اور دوسرے علماء کے خلاف کا علم نہیں ہوا ان کو بُدھ کے دن روزہ نہ رکھنے سے گناہ ہوا۔

رہا یہ کہ ان لوگوں کے ذمہ ایک روزہ کی قضا اور اس کے عمداً توڑنے سے کفارہ واجب ہو گا یا نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ شہادت مذکورہ کے موافق تیس دن پورا کرنے کے بعد بھی چاند نہ ہونے سے شہادت مذکورہ کا کذب و غلط محقق ہو گیا، اس لئے بُدھ کے دن ثبوت رمضان قطعی نہ رہا، پس وجوب کفارہ کی کوئی وجہ نہیں اور نہ قضا واجب ہے، البتہ جن مقامات سے جمعہ کی عید کی خبر آئی ہے اگر وہاں سے بُدھ کے دن یکم رمضان ہونے کی بھی اطلاع آجائے، اور یہ اطلاع بطریق موجب شرعی حاصل ہو تو ان لوگوں پر بُدھ کے دن ایک روزہ کی قضا واجب ہو گی، ورنہ نہیں، ۲۲ سوال مسئلہ ۴۔

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر رجب المرجب کی ۲۹ تاریخ کو باوجود مطلع صاف ہونے کے دو شخص مقبول الشہادت اور عادل رویت ہلال کی شہادت دیں تو ان کی شہادت سے شعبان کا چاند ثابت ہو گا یا نہیں، در صورت ثبوت شعبان کے تیس دن پورے ہو چکے ہوں بعد عید منائی جائے گی یا نہیں؟

دو شخص مقبول الشہادت ۲۹ رجب کو رویت ہلال کی شہادت دیں تو بصورت مقبول شہادت شعبان کے تیس دن پوری ہونے پر چاند نظر آئے یا نہ روزہ رکھا جائے گا یا نہیں، اور اس حساب سے تیس روزے پورے ہو چکے ہوں بعد عید منائی جائے گی یا نہیں؟

اکتیسواں روزہ رکھنا ضروری ہوگا، اور در صورت عدم ثبوت ہلال شعبان شامی کی عبارت تحت قول ولقیۃ الا شہر التسعة الحج و بحر الرائق، ص ۲۶۹ ج ۲ اور عبارت دیگر کتب فقہ کا کیا جواب ہوگا، مفصل اور مدلل بحوالہ کتب جواب تحریر فرما کر ماحور ہو جائے۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں دو عادل گواہوں کی شہادت سے ثبوت ہلال شعبان ہو جائے گا، اور شعبان کے تیس دن پورے ہو جانے پر رمضان کا ثبوت ہو جائیگا مگر اس امر کو خوب اچھی طرح دیکھ لیا جائے کہ ہلال رجب کا ثبوت شرعی ہو گیا تھا یا نہیں اور گواہ عادل تھے یا نہیں، اگر عادل تھے تو ان کو رویت ہلال کا جزم تھا، اور ایسا جزم تھا کہ اس پر قسم کھا سکتے تھے، یا محض شبہ اور خیال ہی تھا۔

قال الشامی نقلًا عن الخیر السرملی فلو شهدا فی الصوم کھلال شعبان وثبت بشروط الثبوت الشرعی یثبت رمضان بعد ثلاثین یومًا من شعبان وان کان رمضان فی الصوم لا یثبت بخبرهما لان ثبوته حینئذ ضعیف ویفتقر فی الضمیات ما لا یفتقر فی القصدیات ۱۵ ص ۱۵۲ ج ۲) ۱۲ رمضان ۱۲۸۸ھ اس کے بعد جواب اس طرح بدلا گیا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، شامی نے رد المحتار میں تو امام اسبیجانی اور رملی کے قول پر اکتفاء کیا ہے، اور صاحب امداد کے قول پر زیادہ زور نہیں دیا، مگر حاشیہ بحر میں رملی کا قول نقل کر کے فرمایا ہے، لکن صراح فی الامداد بخلافه فاشتطوط الجمع العظیم (فی سائر الاشهر) ویوافقه اطلاق عبارة مواهب الرحمن فذاکرہا، چونکہ صاحب امداد نے بہت صراحت کے ساتھ جمیع اشہر میں بحالت صحیح عظیم کو شرط کہا ہے، پس اس کے خلاف فتویٰ پر حیرت کرنا نص صریح۔ مذہب کا محتاج، علامہ رملی کا محض الظاہ کہنا کافی نہیں، واللہ اعلم، ۱۵ رمضان ۱۲۸۸ھ رویت ہلال کے متعلق ایک استفتاء | سوال (۶۰) جالندہ ریاست نظام دکن میں بروز

جمعہ چاند نظر آیا، اور رمضان المبارک پہلی تاریخ شنبہ قرار پائی، اور شنبہ کے روز روزہ بھی رکھا گیا، ۲۹ رمضان المبارک روز شنبہ کچی یعنی (یمین) کے دو ملازم کھانا پکائیے والوں نے صرف چاند دیکھا، اور اس کی اطلاع قاضی صاحب صدر بازار کو دی، قاضی صاحب نے ان کا بیان لیا، اور اس کی تائید میں ایک مدینہ منورہ کا مہمن صاحبان نے پیش کیا کہ مدینہ منورہ میں چاند رمضان کا بروز پنجشنبہ دیکھا گیا، اور جمعہ کے روز پہلا روزہ

رکھا گیا، اس لحاظ سے مدت یعنی ۳۰ رمضان ہے، یہاں (۳) سہ آبادی ہے، صدر بازار، جالندہ قدیم و قادر آباد، اور اس روزا بر بھی نہ تھا، ان دونوں ملازموں کے سوائے اور کسی نے نہ دیکھا اور قرب و حوا سے آنے والے اور موٹر سے آنے والے صاحب سے معلوم ہوا کہ آج چاند نہیں دیکھا، یعنی بروز شنبہ ۲۹ رمضان کو۔

الجواب؛ جب مطلع صاف تھا تو دو گواہ ہرگز کافی نہ تھے، اس حالت میں جن لوگوں نے روزہ نہیں رکھا، یا رکھ کر توڑ دیا، انھوں نے سخت غلطی کی اور قاضی صاحب نے جو فتویٰ دیا وہ صحیح نہیں ہے۔

سوال؛ قاضی صاحب نے اس واقعات کے معلوم ہونے کے بعد بھی تحصیلدار صاحب جالندہ کے پاس خط مدینہ منورہ کا اور ان دو گواہان پیش کیا، تحصیلدار صاحب نے منادی کرنے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ گواہ عادل نہیں ہے، اور خط دور دراز مقام کا ہے، (۳۶) میل کے فاصلہ سے زائد ہے۔

الجواب؛ مطلع صاف ہونے کی حالت میں تو دو عادل بھی ہوتے تو قبول نہ کیا جاتا خط خود حجت نہیں ہے، اور فاصلہ زیادہ ہونا تو مضر نہیں، لیکن جہاں سے بھی خبر آوے معتبر شاہدین کے ذریعہ آنا شرط ہے۔

سوال؛ قاضی صاحب صدر بازار نے خود روزہ توڑ دیا اور لوگوں سے کہا روزہ مت رکھو تقریباً دو سو یا تین سو حضرات نے روزہ توڑ دیا، جن لوگوں نے روزہ توڑ دیا، ان کو ایک روزہ رکھنا ہوگا یا ۶۰ روزے؟

الجواب؛ مطلع صاف ہوتے ہوئے کوئی وجہ شبہ کی نہ تھی، لیکن قاضی صاحب کے فتویٰ کی وجہ سے عوام کو ایک گونہ شبہ ہو جاتا ہے، اس لئے کفارہ واجب نہیں، فقط قضا رکھنا کافی ہے، ونظیرہ فی الدار المختار را واحتجم فظن فطر بہ فاکل عدا، قضی وکفر، لانه ظن فی غیر محلہ حتی لو افتاه مفتی یعتمد علی قوله او سمع حدیثاً ولم یعلم تاویلہ لم یکفر للشبهة وان اخطاء المفتی الخ والله اعلم۔

سوال (۴)؛ تار یا ٹیلیفون کے ذریعہ چاند کی اطلاع آوے رویت ہلال کی خبر معتبر نہیں تو اس کا اعتبار کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب؛ تار اور ٹیلیفون کی خبر معتبر نہیں ہے۔

سوال؛ خط کتنے میل سے آیا ہوا ہونا اس کا اعتبار اور قابل سند ہے؟
الجواب؛ میل کی کوئی تفصیل نہیں ہے، مگر یہ ضروری ہے کہ چند خط ہوں، اور ان کے لکھنے والے عادل ہوں، اور ان کا خط شناخت کر لیا ہو، اور جو خبر ان میں لکھی ہو وہ محض سنی مسناتی بات نہ ہو بلکہ پختہ شہادوں کی شہادت ہو۔

سوال؛ تار یا ٹیلیفون کے ذریعہ ریاست نظام حیدر آباد سے اطلاع آوے یا قرب و جوار سے مقامی عہدہ دار منصف صاحب یا تحصیلدار صاحب کے، اور اس روز ابر نہ ہو، یا ابر ہو اور ابھی مدت ختم نہ ہو تو کیا عمل کرنا چاہئے؟
الجواب؛ تار اور ٹیلیفون کا کسی حال میں اعتبار نہیں۔

رویت ہلال کے متعلق سوال (۸) اگر منادی بجائے منجانب سرکار کہ آج عید ہے، کیا سرکاری قتاری حکم روزہ توڑ دینا اور دو گانہ ادا کرنے جانا ہوگا؟

الجواب؛ اس کی بناء دیکھی جاوے، اگر شہادت معتبرہ کی وجہ سے منادی کی ہے تو عید کرنا لازم ہے، اور تار وغیرہ کی بناء پر منادی کر دی تو اس کا کچھ اعتبار نہیں، واللہ اعلم۔
احقر عبدالکریم، ۹ سوال مشکہ۔ الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۹ سوال مشکہ۔
ثبوت رویت کے بارے میں سوال (۹) بجواب استفتاء مسلمانان بیکانیر جملہ کاغذات بایں تنقیحات کہ انتیس رمضان شنبہ کو مطلع صاف تھا یا نہیں واپس موصول ہوئے، جواباً بذریعہ عرفیہ ذاجملہ کاغذات واپس بھیج کر التماس ہے کہ جہاں تک ہمارا خیال ہے ۲۹ شعبان کو مطلع غبار آلود نہ تھا، اور نہ ہمارے شہر میں کسی کو رویت ہلال ہوئی، البتہ ۳۰ شعبان بروز جمعہ کو چاند دیکھ کر بالاتفاق تمام اہل شہر نے شنبہ سے روزہ رکھنا شروع کئے، پھر ۲۹ رمضان المبارک شنبہ کو حالانکہ مطلع صاف تھا (ہمارے یہاں کے مطابق) چاند نظر نہ آیا، چنانچہ یکشنبہ کو ہم نے چاند دیکھا، اور دو شنبہ کو نماز عید پڑھی، مگر ہمارے مخالفین نے یکشنبہ ہی کو بغیر چاند دیکھے عید کر لی، ان کا استدلال یہ ہے کہ "اخبار زمیندان" میں قاضی انب کا فتویٰ شائع ہوا تھا، کہ ہزارہ کے علاقہ میں روزے جمعہ سے شروع کیے گئے، مگر ہم نے اس استدلال کو نہیں تسلیم کیا، اور کہہ دیا کہ یہ اخبار کا فتویٰ ہے، ہم نہیں مانتے۔ ان کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ "حافظ السین پیش امام مسجد علاقہ جیسلمیر میں اپنے دو مریدوں سے یہ سنکر آیا ہے کہ جیسلمیر میں بھی چاند سمجرات کو دیکھا گیا تھا" مگر ہم نے

حافظ للین کے اس بیان پر بھی اپنے روزے موقوف نہیں کئے، اور کہا کہ ہمارے سامنے یہ بیان ایک شخص کا ہے آج ہم عید نہیں مانتے، اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم نے مزید اطمینان کے لئے ایک تار مولوی کفایت اللہ صاحب کو دیا تو جواب آیا کہ عید آج نہیں ہے، کل ۳ مارچ شنبہ بروز پیر کو ہوگی، اب ہم کو کسی قدر اور اطمینان ہو گیا، ہم نے روزہ موقوف نہیں کیا، شام کو چاند بھکر دوشنبہ کو عید کی۔

اب مخالفین تو یہ کہتے ہیں کہ ۲۹ رمضان کو مطلع غبار آلود تھا، ہم کہتے ہیں کہ نہیں، مطلع صاف تھا، ورنہ دھلی میں تو نظر آ جاتا، وہاں بھی تو عید دوشنبہ کو ہوئی۔ دوسری تیقح سامی کہ بچھا سروالوں کا بیان متفقہ لکھو، اس کے جواب میں یہ گزارش ہے کہ بچھا سروالوں نے ہمارے ساتھ دوشنبہ کے دن نماز عید پڑھی ہے، ان کا چاند کے متعلق کوئی بیان نہیں گذرا، ورنہ ہم خود اسی روز کیوں نہ نماز ادا کرتے؟ اب حل طلب تین سوال نکلے:-

(۱) ایک تو یہ کہ حافظ للین کا اپنے دو مریدوں سے کسی گاؤں میں سکر آنا کہ وہاں جمعہ سے روزے رکھے گئے تھے ہمارے لئے شرعاً فطر کے لئے کافی تھا یا نہیں؟ جواب: کافی نہ تھا۔

سوال: دوسرا یہ کہ فتویٰ قاضی انب مطبوعہ زمیندار کہ روزے موثق شہادت پر جمعہ سے شروع کئے گئے ہیں، ہمارے لئے موجب فطر تھا یا نہیں؟ جواب: موجب فطر نہ تھا۔

سوال: اس وقت تک ہمارے صرف ۲۹ روزے ہوئے تھے، کیونکہ ہم اہل شہر نے شنبہ کو چاند دیکھ کر روزہ رکھا تھا، سوال کا چاند سنیچر کو نظر نہیں آیا، تار سے دلی میں بھی عید نہ ہونا پایا گیا، پھر کیا ہم کو اپنے روزے اُن وجہ پر کھول دینے چاہئے تھے؟ لہذا استغناء ہے کہ ہمارا دوشنبہ کے دن عید کرنا صحیح تھا یا ہمارے مخالفین کا یکشنبہ کے دن کر لینا؟ جواب: آپ کا دوشنبہ کو عید کرنا صحیح ہوا، اور مخالفین کے دلائل اگر وہی ہیں جو اوپر مذکور ہیں تو ان کا یکشنبہ کو افطار کرنا غلط تھا۔

سوال: ہم دونوں میں سے برسر صحت و موقع ملامت شرعاً کون تھا؟ جواب: اوپر لکھ دیا گیا۔

سوال؛ قاضی صاحب انب نے یہ کیسے شائع کر دیا کہ موثق شرعی شہادت سے روزے جمعہ کو شروع کئے گئے ہیں، لہذا اتوار کو عید کر لو، حالانکہ دلی، لکھنؤ، دیوبند لاہور میں سب جگہ عید دوشنبہ کو ہی ہوتی ہے۔

الجواب؛ یہ سوال قاضی صاحب سے کیا جائے۔

سوال؛ اور ان شہر والوں نے قاضی انب کے فتویٰ کو کیوں نہیں تسلیم کیا؟

الجواب؛ اس لئے کہ اس میں کتاب القاضی کے شروط تحقق نہ تھے۔

سوال؛ اور ان کو ایسا فتویٰ قبل از وقت شائع بھی کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب؛ ہرگز نہیں؛ کیونکہ یہ کتاب القاضی کی صورت میں داخل نہیں، جو حجت ہو، پھر بجز تشویش عوام کے اس سے کیا نفع تھا؟

سوال؛ مطبوعہ فتویٰ اخبارات کا واجب العمل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں، بدلائل

شرعیہ جواب مرحمت فرمایا جائے؟

الجواب؛ تحریر وہ معتبر ہے جو شاہد کی ہو، یعنی جس نے خود چاند دیکھا ہو اور خود اس کے قلم کی ہو، اور اس تحریر کو بہت لوگ وثوق سے پہچانتے ہوں، یا قاضی کی دستخطی تحریر ہو، جو کسی قاضی یا عالم کے نام ہو، اور اس میں قاضی نے شہود کا نام اور پتہ لکھ کر مع ان کے بیان اور اپنے فیصلہ کے دستخط کے ساتھ تحریر کیا ہو، اور دو معتبر مسلم گواہوں کے ہاتھ اس خط کو دو سر قاضی یا عالم کے پاس بھیجا ہو، جو اس کی گواہی دیں کہ یہ خط ہمارے سامنے قاضی نے لکھا ہے، اور جس کے نام خط ہو وہ قاضی کی تحریر کو خوب پہچانتا ہو، ورنہ اس کی بھی ضرورت ہوگی کہ دو گواہ مسلمان اس کی بھی شہادت دیں کہ ہمارے سامنے قاضی کے پاس شاہدوں کا یہ بیان ہوا، اور اس پر قاضی نے یہ فیصلہ کیا، و ہذا کلام مذکور فی الہدایۃ وغیرہ فی کتاب القاضی الی القاضی، چونکہ اخباری فتاویٰ اس شرط سے خالی ہوتے ہیں، اس لئے وہ حجت نہیں ہو سکتی، واللہ اعلم۔

نوٹ؛ یہ جواب تو اس امر کے متعلق تھا کہ عید کے موقع پر وجوہ مذکورہ سوال کی بناء پر کس فرق کا عمل صحیح ہوا، لیکن اب مختلف و متعدد خبروں سے جو اس ایک ہینہ میں موصول ہوئیں، اور استفادہ کی حد کو پہنچ گئیں، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے رمضان جمعہ سے شروع نہیں کیا، وہ ایک روزہ رکھ لیں۔ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ۔

سوال (۱۰) اگر رویت ہلال کی خبر مختلف مقامات سے ٹیلیفون کی خبر کا اعتبار ہے یا نہیں؟ کے ذریعہ آئے اور ٹیلیفون میں بولنے والے کی آواز کو وہ شخص شناخت بھی کرے کہ فلاں شخص بول رہا ہے، اور ٹیلیفون میں بولنے والے کی آواز کو وہ شخص شناخت کر سکتا ہے جس کو اس کا کام پڑتا ہے اور اس کا محاورہ ہے، اور اس وجہ سے ٹیلیفون کی خبر کو ٹیلی گرام کی خبر سے زیادہ معتبر سمجھا جاتا ہے، اور پسنے والے کو متفرق مقامات کی خبریں سننے سے اس کا طینان بھی ہو جائے کہ یہ خبریں سچی ہیں، اور ضرور جان بوجھ گیا ہے تو ایسی صورت میں ٹیلیفون کی خبر کا اعتبار کر کے روزہ رکھنے یا افطار کا شرعاً حکم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: اس سوال کا جواب لکھنے سے پیشتر چند امور ضروریہ درج ہیں:-

۱۔ جب مطلع صاف نہ ہو، یعنی چاند نظر آنے کی جگہ ابر یا غبار وغیرہ ہو تو ہلال رمضان میں اصطلاحی شہادت شرط نہیں، بلکہ ایک عادل یا مستور الحال کی خبر رویت مقبول ہے، خواہ وہ خبر دہندہ غلام یا عورت ہی ہو، فی الدار المختار و قیل بلا دعویٰ (بلا رلفظ اشہد) و بلا حکم و مجلس قضاء لانه خبر لا شہادة للصوم مع علة کفیم (وغبار و خبر عدل) او مستور علی ما صححه البزازی علی خلاف ظاہر الروایة لا فاسق اتفاقاً و هل له ان یشہد مع علمه بفسقه قال البزازی نعم لان القاضی رہا قبلہ (ولو) کان العدل رقناً و انثی او محد و ذاتی قد فتاب) بین کیفیت الرویة اولاً علی المذهب و تقبل شہادة واحد علی الآخر کعب و انثی و لو علی مثلہما (شامی ص ۱۲۵ ج ۲)۔

۲۔ ہلال فطر میں شہادت اصطلاحیہ شرط ہے، اس لئے لفظ شہادت بھی ضروری ہے اور شاہد کا عادل ہونا بھی لازمی ہے، مستور الحال کی شہادت قابل قبول نہیں، نصاب شہاد بھی شرط ہے، یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں، نیز غلام و محدود فی القذف کا قول بھی اس باب میں معتبر نہیں فی الدار (و شرط للفظ) مع العلة والعدالة (نصاب الشہادة و لفظ اشہد) و عدم حد فی قذف لتعلق نفع العبد لکن (لا) تشترط (الدعویٰ) کما لا تشترط فی عتق الامة و طلاق الحرة (شامی ص ۱۲۶ ج ۲)۔

۳۔ چونکہ اخبار میں خط مقبول ہے اور شہادت میں مقبول نہیں، اس لئے ہلال فطر میں زبانی شہادت شرط ہے، خط غیر معتبر اور ناقابل قبول ہے، اور ہلال رمضان میں خط

بھی قابل قبول ہے، جبکہ اس کو بخوبی شناخت کر لیا ہو۔

۴، یہ سب احکام مذکورہ اس جگہ کے لئے مصرح موجود ہیں جہاں قاضی وغیرہ موجود ہو اور جہاں اسلامی حکام نہ ہوں، چونکہ وہاں ادائے شہادت ممکن نہیں، لان من ارکانہا مجلس القضاء، اس لئے ایسی جگہ کے واسطے فقہائے کرام نے یہ تصریح فرمائی ہو کہ ولو كانوا ببلدة لا حاکم فیہا صاموا بقول ثقة وافرطوا باخبار عدلین مع العلة للضرورة (در مختار) وقال العلامة الشامی تحت قوله لا حاکم فیہا: ای لا قاضی ولا والی کمافی الفتح، و تحت قوله للضرورة ای ضرورة عدم وجود حاکم یشہد عنده، اس کے جزو اول یعنی صاموا بقول ثقة میں تو کوئی تامل نہیں، کیونکہ ہلال رمضان کی شہادت وجود حاکم کے وقت بھی خبر ہی کے حکم میں ہے، اور مجلس حاکم اس کے لئے فی نفسہ شرط نہیں، بلکہ صرف انتظام کی وجہ سے حاکم کے ہاں بیان دینے کی ضرورت ہے، مگر جزو ثانی یعنی افرطوا باخبار عدلین میں یہ سوال ہے کہ اس حالت میں ہلال فطر کی شہادت اخبار محض کے ساتھ ملحق ہو کر اس میں شہادت کے تمام شرائط علاوہ نصاب و عدالت غیر ضروری ہو گئے، یا صرف مجلس حاکم ہی کی شرط کو غیر ضروری قرار دیا گیا ہے سو لفظ اخبار کے اطلاق سے تو شق اول مفہوم ہوتی ہے، مگر جو علت بیان کی گئی ہے اس سے شق ثانی متبادر ہے، کیونکہ عدم حاکم کی وجہ سے صرف اسی کی ضرورت پیدا ہوتی ہے کہ مجلس قضا کی شرط کو اٹھا دیا جائے، اور بقیہ شرائط کے ارتفاع کی کوئی ضرورت نہیں، لہذا ان کو بحال رکھا جائے گا، اور البحر الرائق میں ہے: فی شرط فیہ ما یشتروط فی سائر حقوقہم من العدة والحریة والعد و عدم الحد فی قذف و لفظ الشهادة والدعوی علی خلاف فیہ ان امکن ذلك والافقد تقدم انہم لو كانوا فی بلدة لا قاضی فیہا ولا والی فان الناس یصومون بقول الثقة ویفطرون باخبار عدلین للضرورة۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ حاکم نہ ہونے کی صورت میں جو شرط غیر ممکن ہو گئی ہے صرف وہی مرتفع ہوگی، یعنی دعویٰ اور لفظ شہادت اور بقیہ شرائط پر کوئی اثر نہ پڑے گا، اور قواعد سے یہ شق ثانی ظاہر آج معلوم ہوتی ہے، مگر ہنوز اس میں شرح صدر نہیں ہوا، اس لئے علمائے کرام سے مراجعت کر لی جاوے۔

۵، خط کے متعلق جو تفصیل ۳ میں گزر چکی ہے جہاں حاکم نہ ہو وہاں غیر حاکم کو

بھی اسی تفصیل کا پابند ہونا ضروری ہے، کمالاً بخفی، پس ہلالِ رمضان میں خط کو بشرطِ شناخت قبول کیا جائے گا، اور شناخت میں شبہ ہو تو بالکل غیر معتبر ہے، اور ہلالِ فطر میں جس طرح حکم خط کو قبول نہیں کر سکتا اسی طرح غیر حاکم بھی قبول نہیں کر سکتا، خواہ ۷۱ کے جزو ثانی میں شق اول کو لیا جاوے، (یعنی ہلالِ فطر کی شہادت کو عدم الحاکم کے وقت تمام شرائط میں اخبار کے ساتھ ملحق کیا جاوے) خواہ شقِ ثانی کو (یعنی عدم الحاکم کے وقت مجلسِ قضا کے علاوہ بقیہ شرائط میں شہادت کا حکم رکھا جاوے) ہر دو شق کا ایک ہی حکم ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ شقِ ثانی اختیار کرنے کی صورت میں تو خط کے عدم قبول کا حکم اصلی ہوگا، اور شقِ اول اختیار کی جاوے تو فی نفسہ قبولِ خط کی گنجائش ہے، بشرطِ شناخت، مگر عام بے احتیاطی پر نظر کر کے علی الاطلاق عدم قبول ہی کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

۷۱، ٹیلیفون گواہی اپنی اصل کے اعتبار سے خط کے مثل ہے، لان التغمۃ یشبہ النغمۃ کما ان الخط یشبہ الخط، لیکن غور کیا جائے تو اس میں خط سے زیادہ اشتباہ ہے، کیونکہ خط میں مکرر نظر کر کے بخوبی شناخت کا موقع ملتا ہے، اور ٹیلیفون میں قلتِ وقت کی وجہ سے مکرر غور کی نوبت نہیں آسکتی، نیز خط کو دوسرے لوگ بھی دیکھ سکتے ہیں، اور ٹیلیفون کو صرف سننے والا تہمتا سنتا ہے، اس واسطے اس کی خبر میں خط سے بھی زیادہ احتمال ہے۔ ان امور مندرجہ بالا سے بخوبی واضح ہو گیا کہ اگر ٹیلیفون میں آواز کی بخوبی شناخت نہ ہو تب تو وہ بالکل ہی قابلِ التفات نہیں، اور اگر بخوبی شناخت ہو جائے تو ہلالِ فطر میں اس وقت بھی قابلِ قبول نہیں، اور ہلالِ رمضان میں بخوبی شناخت کے بعد فی نفسہ قبول کی گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن عام طور پر لوگوں کی بے احتیاطی کا غالب اندیشہ ہے، اس میں بھی عدم قبول ہی کا فتویٰ دیا جاتا ہے، واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

تنبیہ :- آجکل رویتِ ہلال کے بارے میں یہ بھی کوتاہی کی جاتی ہے کہ قسم کی خبر کو معتبر سمجھ لیتے ہیں، اس کا امتیاز نہیں کرتے، کہ یہ شہادت ہے یا شہادت علی الشہادت یا مجرد حکایت، حالانکہ اس میں تفصیل طویل ہے، لہذا ضروری ہے کہ تفصیل معلوم کر لی جاوے، فقط کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔ ۲۵ شعبان ۱۳۵۴ھ۔
الجواب عندی صحیح، اشرف علی، یکم رمضان ۱۳۵۴ھ۔

فصل فیما یفسد الصوم وما یکره للصائم

روزہ کی حالت میں سفوف | سوال (۱) سفوف تمباکو مرکب برآمد ورق نارحیل یا نخل
تمباکو منہ میں رکھنا | صائم کو استعمال کرنا بالاحتیاط اور بغیر احتیاط اور دو تین
منٹ کے بعد کلی کرنا جائز ہے یا نہیں، اور حلق کے نیچے یقیناً نہیں اترتا ہے احتیاط
کی صورت میں؟

الجواب؛ قال فی العالمگیریہ ولو مضی المہلیج فدخل البزاق حلقہ
لم یفسد ما لم یدخل عینہ کذا فی الظہیریۃ ۴ ص ۱۳۱ ج ۱۔
اس سے معلوم ہوا کہ سفوف تمباکو مرکب کا اس طرح دانتوں میں استعمال کرنا
کہ حلق سے نیچے یقیناً نہ اترے، مفسدِ صوم نہیں، اور اگر ذرا سا بھی حلق سے نیچے
اُتر جائے گا تو روزہ فاسد ہے، اور اس سفوف کا استعمال بحالتِ صوم بلا ضرورت
مکروہ ہے، لما فیہ من تعریض الصوم للفساد ولا یصح قیاسہ علی السواک
لأنہ ثبت بالمستند علی خلاف القیاس ولا علی العلک لکونہ ملتئم للہوا
دون السفوف کذا قال الشیخ مدظلہ، اور ضرورت بعد مغرب کے استعمال کرنے
سے بھی رفع ہو سکتی ہے، ۲۲ رمضان شکم۔

ادخال مٹھائے بوا سیری | سوال (۲) بچیس برس سے زائد زید کے بوا سیری مٹے ہیں،
بید مبلولہ در صوم | وقت رفع حاجت باہر آجاتے ہیں، اُن کو پانی سے دھو کر کپڑے
وغیرہ سے خشک کرتا ہے تو بچد جلن ہوتی ہے، قبض سخت ہو جاتا اور خون تک آجاتا ہے،
صرف پانی سے دھو کر تر گیلے آہستہ آہستہ اندر کو چڑھا دیتا ہے، تو تکلیف نہیں ہوتی،
زید ہمیشہ بفضلہ تعالیٰ رمضان شریف کے باقی ہر ماہ نفل روزہ بھی رکھتا ہے، حال میں
اس کو معلوم ہوا کہ تر گیلے مٹے اندر چڑھ جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے قضا لازم آتی ہے
اب ایسی صورت میں بچیس برس سے زائد روزوں کا وہ کیا کرے، اور آئندہ روزہ کس طرح
رکھے، تکلیف کی وجہ سے اس کو بوجہ عذر مٹے اندر گیلے تر چڑھانا کس طرح چاہئے، اور
روزہ کس طرح رکھنا چاہئے؟ فدیہ کی بھی اس میں قوت نہیں ہے۔

الجواب؛ قال فی الدردلو بالغ فی الاستنجاء حتی بلغ موضع الحقنۃ

فسد وهذا قلما يكون، ولو كان فيورث داءً عظيماً أم قال الشامي ثم في بعض النسخ
المحقنة بالميم وهي أولى قال في الفتح والحد الذي يتعلق بالوصول اليه
الفساد قدر المحقنة أم أي قدر ما يصل اليه رأس المحقنة التي هي آلة
الاحتقان وعلى الأول فالمراد الموضع الذي ينصب منه الدواء إلى الأمعاء
أم (۱۵۸ ج ۲) قلت وشبوا بالبواسير التي تخرج وقت الاستنجاء إنما تكون
داخلة قدر الاصبع والقدر الذي يصل اليه رأس المحقنة هو خمسة أصابع
إلى ستة لا يكون أقل من ذلك كما افادته الطيب الحاذق القاضي بشير الدين
اللكوي فالبلة الكائنة على تلك البثور لا تبلغ قدر المحقنة أصلاً فلزم
القول بعدم فساد الصوم بتلك البلة والله أعلم وقول الدرر ولو الاصبع
مبتلة فسد قيد الشامي بما لو ادخل الاصبع إلى موضع المحقنة (ص ۱۵۸)
عبارات در مختار اور شامي اور فتح القدیر سے معلوم ہوا کہ استنجہ میں تری کا اندر پہنچنا
جب مفسد صوم ہے کہ تری قدر محقنہ پر پہنچ جائے اس سے کم مقدار میں اندر تری پہنچنا
مفسد نہیں، اور ہم کو طیب حاذق کے قول سے جن پر ہم کو اعتماد و وثوق ہے معلوم ہوا
ہے کہ حالت احتقان میں رأس محقنہ پانچ چھ انگل اندر پہنچا جاتا ہے، تب احتقان
ہو سکتا ہے، اس سے کم میں نہیں، اور بواسیری سے اتنے اندر نہیں ہوتے بلکہ ایک
دو انگل اندر ہوتے ہیں، تو ان پر تری کا لگا رہنا اور اسی حالت سے اندر پہنچنا قدر
محقنہ تک تری پہنچنے کو مستلزم نہ ہوگا، لہذا اس حالت میں روزہ بھی فاسد نہ ہوگا،
باقی احتیاط یہ ہے کہ ایسا مریض حتی الامکان جس قدر تری کو بلا مشقت خشک کر کے سے
اندر کر سکتا ہو اس کے خشک کرنے میں کوتاہی نہ کرے، باقی مسوں کے خشک کرنے میں
مبالغہ کی ضرورت نہیں، قال فی مراقی الفلاح او ادخل اصبعه مبلولة بماء
او دهن فی دبره او استنجی فوصل الماء إلى داخل دبره او فرجها ليدخل
بالمبالغة فيه والحد الفاصل الذي يتعلق بالوصول اليه الفساد قدر
المحقنة أم قال الطحطاوي أي قدر ما تاخذ من المحل الذي تصل
اليه (ص ۳۹۳ و ۳۹۴) وفي الدرر اربع بلل في فيه بعد المضمضة او
ابتلع مع الريق أم قال الشامي وينبغي اشتراط البصق بعد جمع الماء لاختلاف

الماء بالبصاق فلا يخرج بمجرد المبح نعم لا يشترط المبالغة في البصق لان البقي
بعده مجرد بلل ورطوبة لا يمكن التحرز عنه ام (ص ۱۵۷ ج ۲) والله اعلم،
۲ ذيقعدہ سلسلہ۔

طاعونی ٹیکہ لگوانا مفسر صوم ہی یا نہیں | سوال (۳) روزہ کی حالت میں ٹیکہ لگوانا کیسا ہے
ٹیکہ لگانے سے روزہ جاتا رہتا ہے یا نہیں، تحریر فرمائیں؟

الجواب؛ قال في الدرر اواقطر في احليله ماء او دهنا وان وصل الى
المثانة على المذهب اى لا يفسد ۱۲ واما في قبلها فمفسد اجما عا لانه كالحقنة
ام قال الشامي على المذهب اى قول ابى حنيفة ومحمد معه في الاظهره
قال ابو يوسف يفطر والاختلاف مبنى على انه هل بين المثانة والجوف منفذ
اولا وهوليس باختلاف على التحقيق والاظهر انه لا منفذ له كذا يقول اطباء
زيلي وافاد انه لو بقي في قصبة الذكر لا يفسد اتفاقا لان العلة من الجابين
الوصول الى الجوف وعد منه بناء على وجود المنفذ وعد منه لكن هذا يقتضى
عدم الفساد في حثوالد برو فوجها الداخل ولا مخلص الا باثبات ان المدخل
فيهما تجذب به الطبيعة فلا يعود الامع الخارج المعتاد وتساميه في الفتح،
قلت الاقرب التخلص بان الذبر والفرج الداخل من الجوف اذا حاجز
بينهما وبينه فمهما في حكمه والفم والافت وان لم يكن بينهما وبين الجوف
حاجز الا ان الشارع اعتبرهما في الصوم من الخارج وهذا بخلاف قصبة
الذكر فان المثانة لا منفذ لهما على قولهم ام (ص ۱۶۱ ج ۲)۔

وفي الدرر ايضا او كتحل او ادهن وان وجد طعمه في حلقة ام قال
الشامي اى طعم الكحل او الدهن وكذا الوزق فوجد لونه في الاصح بحر
قال في النهر لان الموجود في حلقة اثر داخل من المسام الذي هو خلل اليد
والمفطر انها هو الداهل من المنافذ ام (ص ۱۵۶ ج ۲) وفي الكنز وان احتقن
او استعط او اقطر في اذنه او اوى جائفة او آمة بد طء ووصل الداء
الى جوف او دماغه افطرا ام وكذا هو في اكثر المتون قال الشامي الجائفة الطقة
التي بلغت الجوف او نفذت والامة من امته بالعصاء اذا ضربت ام رأسه

وهي الجلدة التي تجمع الدماغ قال في البحر والتحقيق ان بين جوف الرأس وجوف المعدة منفذاً أصلياً فمما وصل الى جوف الرأس يصل الى جوف البطن لهط (ص ۱۶۲ ج ۲) وفي البدائع ومما وصل الى الجوف اولى الدماغ من المخارق الاصلية كالانف والاذن والدبر بان استطوا واحتقنوا قطر في اذنه وصل الى الجوف اولى الدماغ فسد صومه اما اذا وصل الى الجوف فلا شك فيه لوجود الاكل من حيث الصورة وكذا اذا وصل الى الدماغ لان له منفذاً الى الجوف فكان بمنزلة زاوية من زوايا الجوف وقد روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال للقطب بن صبرة بالغ في المضمضة والاستنشاق الا ان تكون صائماً ومعلوم ان استثناء حالة الصوم للاحتراز عن فساد الصوم والالم يكن للاستثناء معنى واما ما وصل الى الجوف اولى الدماغ عن غير المخارق الاصلية بان داوى الجائفة والامة فان داواها بدواء يابس لا يفسد لانه لم يصل الى الجوف ولا الى الدماغ ولو علم انه وصل يفسد في قول ابي حنيفة وان داواها بدواء رطب يفسد عند ابي حنيفة وعندهما لا يفسد هما اعتبار المخارق الاصلية لان الوصول الى الجوف من المخارق الاصلية متيقن به ومن غيرها مشكوك فيه فلا تحكم بالفساد مع الشك، ولا ابي حنيفة ان الدواء اذا كان رطباً فالظاهر هو الوصول لوجود المنفذ الى الجوف فيسبب الحكم على الظاهر، واما الاقطار في الاحليل فلا يفسد عند ابي حنيفة وعندهما يفسد، قيل ان الاختلاف بينهم بناء على امر خفي وهو كيفية خروج البول من الاحليل فعندهما ان خروجه منه لان له منفذاً فاذا اقطر فيه يصل الى الجوف كالاقطار في الاذن وعند ابي حنيفة ان خروج البول منه من طريق الترشح كترشح الماء من الخزف الجديد فلا يصل بالاقطار فيه الى الجوف والظاهر ان البول يخرج منه خروج الشئ من منفذ كما قال، وروى الحسن عن ابي حنيفة مثل قوله ما وعلى هذه الرواية اعتمد استاذي، واما الاقطار في قبل المرأة فقد قال مشائخنا انه يفسد صومها

عنه قلت حديث صحيح صححه ابن القطان كما في الاستدراك الحسن ۲۱۲

بالاجماع لان لمثانتهما منفذاً فيصل الى الجوف كالاقطار في الاذن ام ص ۹۳
ان عبارات سے چند مقدمات مہتمد ہوئے :-

(۱) جو چیز جوف کی طرف بدون منفذ کے پہنچے وہ مفطر نہیں، و دلیل مسئلہ الاکتال غرض
(۲) افطار کا مدار دخول من المنفذ پر ہے، صاحبین کے نزدیک تو منافذ اصلیه سے دخول
شرط ہے، اور امام صاحب کے نزدیک منافذ اصلیه کے سوا دوسرے منافذ سے بھی دخول مفطر ہے۔
(۳) منفذ سے مراد یہ ہے کہ دماغ یا جوف تک بلا واسطہ عروق کے رستہ ہو جائے چنانچہ
مخارق غیر اصلیه کی مثال میں جائفہ اور آئمہ کا بیان کرنا اس کی دلیل ہے تمام متون و مشروح
میں مخارق غیر اصلیه میں امام و صاحبین کے اختلاف کو جائفہ اور آئمہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے،
جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر جراحت جائفہ اور آئمہ کی حد تک نہ پہنچے، اور جوف و
دماغ تک بلا واسطہ منفذ نہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک بھی اس کے ذریعہ سے وصول مفطر
نہیں، لان المفطر انما هو الداخل من المنافذ۔

اور صاحب بدائع نے امام صاحب کی طرف سے جو دلیل بیان کی ہے وہ اس پر صاف
دلالت کر رہی ہے، ”وہو قول ابی حنیفۃ ان الدوار اذا کان رطباً فالظاہر ہوا الوصول لوجو
المنفذ الى الجوف“ اس سے معلوم ہوا کہ جائفہ اور آئمہ میں دوار رطب کا استعمال اسی لئے
مفطر ہے کہ اس صورت میں دخول الى الجوف منفذ سے ہو رہا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہاں
منفذ سے وہ راستہ مراد ہے جو بلا واسطہ جوف سے متصل ہے نہ کہ بواسطہ عروق کے، ورنہ
امام صاحب اقطار فی الاحلیل میں صاحبین کے خلاف نہ کرتے، کیونکہ گو وہاں منفذ
بلا واسطہ نہ ہو مگر منفذ بواسطہ تو یقیناً ہے، جس سے ترشح بول بمقدار کثیر ہوتا ہے،
مگر اس کو امام صاحب منفذ نہیں مانتے، پس معلوم ہوا کہ امام صاحب مخارق اصلیه کے
سوا دیگر مخارق کو بحکم مخارق اصلیه اس وقت مانتے ہیں جبکہ وہ مخارق اصلیه کی طرح
بلا واسطہ جوف و دماغ تک متصل ہوں۔

اس تمہید کے بعد طاعونی ٹیکہ کا حکم ظاہر ہے، کہ وہ مفطر صوم نہیں، کیونکہ جس
مقام پر وہ لگایا جاتا ہے وہاں سے جوف و دماغ تک منفذ نہیں، اور اگر منفذ ہو بھی
تو بلا واسطہ نہیں بلکہ بواسطہ عروق کے ہے، پس اس سے دوا کا جوف میں وصول ایسا
ہی ہوگا جیسا کہ احلیل سے جوف میں دوا کا اثر ہوتا ہے، کہ وہ بھی بلا منفذ ہے، اور عروق

کے واسطے سے ہے، علاوہ ازیں طاعونی ٹیکہ میں دو بار کے چند قطرات ہوتے ہیں جو اول بازو کے خون میں پہنچتے ہیں، پھر اس خون کے دوران سے بقیہ جسم کے خون میں پہنچتے ہیں، اسی طرح اگر کچھ خون اس دو بار کا اثر لے ہوئے جوت میں بھی پہنچتا ہو تو اس سے افطار کیونکر ہو سکتا ہے، کیونکہ اس وقت وہ جوت میں تلاشی کے بعد پہنچتا ہے، کما اذا مضغ العلك والبسم ثم ابتلعہ، نیز ہم کو ایک طیب سے معلوم ہوا ہے کہ ٹیکہ کی دوا جوت میں نہیں پہنچتی بلکہ صرف عروق جسم میں سرایت کرتی ہے، مگر اس پر مدار فتویٰ نہیں، بلکہ مدار پہلی دلیلوں پر ہے، اس کو محض تائید کے درجہ میں لکھ دیا گیا، واللہ اعلم۔

نعم التحقيق وبالقبول الحقيق

حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه

کتبہ اشرف علی، ۲۳ شوال ۱۳۲۲ھ

۲۱ شوال ۱۳۲۲ھ

سوال (۴) اس امر کا تو ہدایہ سے پتہ چل گیا کہ آقبالِ نساء میں اگر دوا ٹپکائی جاوے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، مگر یہ اس سے بھی نہ معلوم ہوا کہ بعد افطار اگر کوئی ذی حرم دوا اس میں رکھ دی جاوے اور وہ بحالتِ صوم بھی باقی رہے تو روزہ پر اس کا کیا اثر ہوگا اسی امر کے معلوم ہونے کی ضرورت ہے؟

الجواب؛ اوادخل قطنه اوخرقة اوخشبة اوحجرانی دبره اوادخلته فی فرجها الذاخل وغیرہا لانہ تم الذخول بخلاف مالویقی طرفه خارجا لان عدم تمام الذخول بعدم دخول شیء بالمرۃ ۱۴ ص ۳۹۲ مراقی الفلاح) بعد افطار کے جو شے داخل کی جائے خواہ تزویج خشک اس کے بقاء بحالِ صوم سے تو فطر کا کچھ شبہ نہیں، اسی لئے فقہاء نے اس سے تعرض نہیں کیا، اس صورت میں روزہ صحیح ہے، اور خشک چیز کا تو بحالِ صوم رکھنا بھی اُس وقت موجبِ فطر ہے، جبکہ پوری اندر ہو، اور اگر کچھ حصہ باہر فرجِ خارج میں نکلا ہے تو مفطر نہیں، واللہ اعلم۔

سوال (۵) رمضان میں ٹیکہ لگانا یا فصد کرنا یا بذریعہ طاعونی ٹیکہ اور فصد لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا | آلہ دوا بازو میں پہنچانا جیسا کہ اس نواح میں اب ڈاکٹر لوگی بوجہ پلیگ سے کرتے ہیں، روزہ میں نقصان کرے گا یا نہیں، اللہ سے امید ہے کہ حضور تسلی بخش جواب دے کر مشکور فرمادیں گے؟

الجواب؛ طاعونی ٹیکہ یا چچک کا ٹیکہ یا فصد لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

۲۱ رمضان ۱۴۳۸ھ

صوم معذور کا حکم سوال (۶) زید کا دماغ یا پھیپھڑا یا مسوڑھوں کے پھول جلنے یا دانتوں کے پلنے کے سبب منہ کے راہ خون آتا رہتا ہے، یہاں تک کہ سانس کے ذریعے فروحلق بھی جلتے سوتے ہوتا ہے، (ایسی حالت میں اگر زید روزے رکھے تو اس کا روزہ ادا ہو گا یا نہیں، اگر روزہ اس کا اس سبب سے نہیں ادا ہوتا ہے تو بدلے ان روزوں کے زید کو شرعاً کیا کرنا چاہیے؟ بینوا بالکتاب توجروا بالصواب۔

الجواب؛ جس شخص کے دانتوں میں سے اکثر خون آتا رہتا ہو، اور بلا اختیار جاگڑ ہوئے یا سوتے ہوئے حلق میں بھی داخل ہو جائے اس کا حکم کسی جگہ صریح نہیں ملا، مگر علامہ شامیؒ نے اتنا لکھا کہ: ومن هذا يعلم حکم من قلع ضرسه في رمضان ودخل الدم الى جوفه في النهار ولو قائماً فيجب عليه القضاء الا ان يفرق بعدم امکان التعرّض عنه فيكون كالقعي الذي عاد بنفسه فليراجع، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کے روزہ کو صحیح کہنے کی گنجائش ہے، اور اگر شامی کی عبارت ذیل پر نظر کی جاوے تو اور بھی زیادہ گنجائش معلوم ہوتی ہے، (قوله ولم يصل الى جوفه) ظاہر اطلاق المتن انة لا يفسد وان كان الدم غالباً على الرين و صححه في الوجيز كما في السلاج وقال وجه انة لا يمكن الاحتراز عنه عادة فصار بمنزلة ما بين اسنانه الى، پس صاحب وجہ بدون مرض بھی دم خارج من بين الاسنان کو غیر ممکن الاحتراز قرار دے کر موجب فساد قرار نہیں دیتے، تو حالت مذکورہ فی السؤال میں تو بدرجہ اولیٰ دخول دم فی الجوف کو غیر مفسد کہیں گے، جس میں احتراز کا عدم امکان مسلم ہے، واللہ اعلم۔

ہدایت ضروری :- چونکہ یہ مسئلہ قیاس سے لکھا گیا ہے اس واسطے دوسرے

۱۱ رجب ۱۴۵۲ھ

علماء کو دکھالینا ضروری ہے۔

سوال (۷) حالت روزہ میں قرآن مجید پڑھتے وقت نزدیک	عود اور اگر بتی کا دھواں
عود اور اگر بتی جلائی جائے اور اس سے دھواں حلق میں جائے	حلق میں جانے سے روزہ
تو روزہ فاسد ہو گا یا نہیں؟	فاسد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب؛ اس صورت میں تو روزہ فاسد نہیں، ہاں، اگر بتی کو پاس رکھ کر اس کے دھوس کو سونگھا جائے، اور حلق میں داخل کیا جائے، تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔
 قال فی الدرر (ص ۱۵۶ ج ۲): اودخل حلقه غبارا و ذبابا و لوذاکما الاستحساناً لعدم امکان التحرر عنه و مفادہ انه لو ادخل حلقه الدخان افطرای خاناً کان اعوداً او غباراً قال الشامی حتی لو تبخر بجور فاواه الی نفسه و اشتمه ذاکر الصومہ افطرا م قلت فیود الفقہ احترازیہ فلو تبخر و لم یؤوه الی نفسه و لم یشمه لم یفطر فان ذلك من خول الدخان من ادخاله - والله اعلم
 خلاصہ یہ کہ دھوس کو پاس رکھ کر سونگھا نہ جائے، دور رکھ کر بیٹھا جائے اور خوشبو آتی رہے تو مضائقہ نہیں، ۲۰ محرم ۱۴۲۹ھ۔

فصل فی القضاء و الکفارة

مسافر اگر روزہ افطار کرے | سوال (۱) مسافر در سفر بوجہ قصر روزہ رمضان روزہ تو کفارہ نہیں | ہمارا پس بیان نیمروز آن روزہ ہمارہ راعداً افطار سخت آیا کفارہ واجب گرد یا قضا؟

الجواب؛ وللمسافر الذی انشأ السفر قبل طلوع الفجر اذ لا یباح له الفطر بانشاءه بعد ما أصبح صائماً قال الطحطاوی لکن اذا افطر لا کفارة علیه، نور الايضاح مع الطحطاوی، اس سے معلوم ہوا کہ مسافر افطار کرے تو کفارہ نہیں۔ ۲۹ رزقعدہ ۱۴۲۲ھ۔

کفارة صیام میں بہت بوڑھے اور | سوال (۲) بہشتی زیور میں روزہ کے کفارہ بڑھیا کو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟ | کے لئے ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کے متعلق لکھا ہے، اگر بعض بالکل چھوٹے بچے ہوں تو جائز نہیں، سوال یہ ہے کہ اگر بالکل بوڑھا بوڑھی ہوں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ بہت بوڑھا اور بوڑھی کو کفارہ میں کھلانا جائز ہے، قال فی المہد ایتہ فان غداہم وعشاہم جائز قلیلاً کان ما اکلوا او کثیراً اھ قال صاحب النہایۃ لان المعتبر هو الشبع لا المقدار اھ وقال الشامی عن البحر والمنج: ولو کان فیمن اطعمہم صبی فطیم لم یجزہ لانه لا یستوفی

کاملًا و فی التاترخانیة: اذا دعا مساکین واحد هم صبی فطیم او فوق ذلك لا یجزعه کذا ذکر فی الاصل و فی المجرّد اذا کانوا غلمانا یعتد مثلهم یجزاه و به ظہر ایضًا ان المراد بالفطیم و غیر المراهق من لا یتوفی الطعام المعتاد و فیہ ایضًا لو کان فیہم شعبان قبل الاکل او صبی لم یجزاه (ص ۹۵۹ و ۹۶۰ و ۹۶۱) قلت و الکبیر و الکبیرة من یتوفی الطعام عادة و خلافہ نادر، والله اعلم۔

مورخہ ۲، ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ

حکم نیت کفارة رمضان بالتعلیق | سوال (۳) ایک شخص نے رات کو کفارة صوم کی نیت اس طرح کی کہ اگر کل کو یہ محقق ہو گیا کہ شروع ماہ سے روزہ شروع کرنے سے ساٹھ روزہ پورے کرنے نہ پڑیں گے، بلکہ دو مہینہ کاروزے رکھنا کافی ہو جائے گا، نیز شیخ نے بھی روزہ رکھنے کی اجازت دیدی تو کل کو میں ضرور کفارة کاروزہ رکھوں گا، اس طرح نیت درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب؛ اس صورت میں نیت صحیح نہیں ہوئی، کیونکہ جزم نہیں پایا گیا بلکہ نیت معلق ہے، اور تعلیق کے ساتھ نیت قضاء و کفارات صحیح نہیں ہوتی، قال فی مراقی الفلاح: واما القسم الثاني وهو ما يشترط له تعيين النية وتبعية ما فهو قضاء رمضان وقضاء ما افسده من نفل وصوم الكفارات بانواعها الى ان قال: ولا تبطل النية بقوله: اصوم غدًا ان شاء الله تعالى لانه بمعنى الاستعانة وطلب التوفيق الا ان يريد حقيقة الاستثناء اه قال الطحطاوى: والتعليل يفيد ان المشيئة لا تبطل مطلقا ولو قصد حقيقة (اي لكونه بمعنى الاستعانة) ولكن لكلام المؤلف وجه وهو انه اذا قصد التعلیق كان غير حازم بالنية وهو ظاهر والله تعالى اعلم، (ص ۳۷۶)۔

کفارة صوم میں رمضان اور | سوال (۴) اگر رجب کی یکم کو کفارة رمضان کا روزہ عید الفطر مبطل رہتا ہے | شروع نہ کر سکا، تو اب اگر یہ شخص ۲ رجب سے صیام کفارة کو شروع کرے تو درمیان میں رمضان و عید الفطر کے واقع ہونے سے متتابع باطل تو نہ ہوگا، یا باطل ہو جائے گا، اور اس کو ازسرنو استیفات کرنا ہوگا؟

الجواب؛ صورت مسئلہ میں رمضان و عید الفطر کا توسط مبطل متتابع ہے،

بعد رمضان کے پھر ساٹھ روزے از سر نو رکھنے پڑیں گے، قال فی الد رمضان شہرین متتابعین ولو ثمانیۃ وخمسين یوماً بالہلال والافسنتین یوماً لیس فیہما رمضان وایام نفی عن صومہا وکن اکل صوم شرط فیہ التتابع فان افطر بعد کسفر ونفاس بخلاف الحیض او بغیرہ او وطئہا المظاہر استأنفت الصوم اھ (ص ۹۵۶ و ۹۵۷ ج ۲) واللہ اعلم، غرة رجب ۱۴۲۵ھ۔

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین کہ نذر روزے اگر کسی عذر مثلاً بیماری کی وجہ سے نہ رکھ سکے تو کتنا کفارہ لازم ہوگا؟

ایک آدمی نے نذر کی ہے کہ اے اللہ تعالیٰ میری بلا و مصیبت اگر دور ہو جائے تو میں تیرے واسطے ہر چاند میں یعنی ہر مہینہ میں پانچ پانچ روزے رکھوں گا، اب وہ بلا و مصیبت دور ہو گئی ہے، اب وہ شخص ہر مہینہ میں روزے رکھے یا نہیں؟ اور اس کے اوپر عمر بھر کے روزے رکھنا واجب ہی یا نہیں؟ اگر واجب ہو گیا تو اگر یہ روزہ ادا نہ کرے تو کفارہ دینے سے عمر بھر کے روزے ادا ہوں گے یا نہیں، اگر ادا ہو جائیں تو کتنا کفارہ دینے سے ادا ہوگا، یعنی کیا چیز دے گا اور یہ شخص بیماری کی وجہ سے لاچار ہے، لہذا فتویٰ منگوا یا جاتا ہے؟

الجواب: جب یہ شخص بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے سے عاجز ہے تو اس کو چاہئے کہ ہر ماہ میں پانچ روزوں کا فدیہ دیدیا کرے، یعنی ہر روزے کے عوض صدقہ فطر کے برابر گہوں وغیرہ دیدے، یا ایک مسکین کو بیٹ بھر کر دو وقت کھانا کھلاوے، کافی العالمگیرۃ (ص ۱۳۵ ج ۱) ولو اخر القضاء حتی صار شیخاً فانیاً او کان المنذر بصیام الابد فعجز لذلك او باشتغاله بالمعیشۃ لکون صناعة شاقۃ لہ ان یفطر ویطعم کل یوم مسکیناً علی ما تقدم اھ وفيہ ایضاً (ص ۱۳۳) فالشیخ الفانی الذی لا یقدر علی الصیام یفطر ویطعم کل یوم مسکیناً کما یطعم فی الکفارة، وفي المجلد الثانی منہ (ص ۱۵۱) فان غداہم وعشاہم واشبعہم جاز سواہ حصل الشبع بالقلیل او الکثیر، کذا فی شرح النقایۃ لابن المکارم، ۲۸ جمادی الاول ۱۴۲۲ھ۔

استفتاء متعلق کفارۃ صوم | سوال (۶) ایک عرض ہے کہ عید الفضحیٰ کی تعطیل میں حقہ جناب کا قد مبوس ہوا تھا، جناب سے اپنے توڑے ہوئے روزوں کے متعلق دریافت

کیا تھا، آنحضرت نے فرمایا تھا کہ اقصر ایام نیت میں کفارہ ادا کیجو، سو اب سروری کا زمانہ آ گیا ہے اور احقر کا ارادہ ہے کہ ۵ ارجحادی الاول سے روزے شروع کر دوں، اول تو جناب والا سے دو با اجازت چاہتا ہوں، دوسرے یہ کہ ۵ ارجحادی تک رکھنے چاہئیں یا ۵ ارجحادی الاول سے شمار کر کے ۶۰ روزے رکھنے چاہئیں؟ تیسرے یہ کہ اگر کسی رات کو نیت کرنی بھول جاؤں یا صبح صادق کے بعد آنکھ کھلے تو کیا کرنا چاہئے؟ اس کے علاوہ بھی جو بات قابل عمل ہو تحریر فرماؤں؟ فقط

الجواب؛ فی الدار المختارہ ص ۱۱ شہرین ولو ثمانیۃ وخمسين) بالہلال والافستین یوماً فی الشامی بقولہ بالہلال حال من لفظ الشہرین المقدرین بعد لؤو فی بعض النسخ بلو بالہلال وحاصلہ: انہ اذا ابتدأ الصوم فی اول الشہر کفارہ صوم شہرین تامین او ناقصین وکذا لو کان احدہما تاماً والاخر ناقصاً، رقلہ والا ای وان لم یکن صومہ فی اول الشہر برؤیۃ الہلال بان غم او صام فی اثناء شہر فانہ یصوم ستین یوماً فی کافی الحاکم وان صام شہراً بالہلال تسعۃ وعشرین قد صام قبلہ خمسۃ عشر یوماً جزاء (ص ۹۵۲ ج ۲) و فی البحر وغیرہ کالدار المختار قلت وفيہ الاحتیاط۔

پس صورت مسئلہ میں پورے نساخہ روزے رکھے جاویں اور روزہ کفارہ کی نیت غروب شمس و طلوع فجر کے درمیان ضروری ہے، اگر اس وقت میں نیت نہ ہوئی تو استیناف کرنا پڑیگا اس لئے بہت اہتمام کیا جاوے، فی تنویر الابصار والشرط للباقی الذیۃ وتعیینہا وقال الشامی تحت قولہ للباقی وهو قضاء رمضان الی قولہ کفارۃ الظہار والقتل والیمین والا فطار (ص ۱۹۳ ج ۲) کتبہ الاحقر عبد الکریم

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۴ ارجحادی الاول ۱۳۸۸ھ

فصل فی الاعذار المبیحۃ للافطار

فصل کی کٹائی کے واسطے روزہ | سوال (۱) فصل کٹائی یا کسی ایسے ہی سخت مشقت والے کام افطار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ | کے لئے روزہ کا افطار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ اگر فصل کاٹنے میں تاخیر کرنے سے زراعت کے منافع ہونے کا خطرہ نہ ہو تب تو کاشتکار کو لازم ہے کہ فصل کو بعد رمضان کے کاٹے، اور اگر تاخیر سے زراعت کے

کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوس لے رمضان ہی میں کاٹنا پڑے اور کٹائی کی حالت میں روزہ و شوار ہو تو کاشتکار کو اس حالت میں افطار جائز ہے اور درست ہے کہ بعد رمضان کے ان ایام کی قضا کرے کفارہ نہ ہوگا، قال فی الفتاوی الکاملیۃ سئل عن حصاد لم یقدر علی حصاد زرعه مع الصوم واذا اخره بملك هل یجوز له الافطار حیث یسئل، فالجواب نعم یجوز له ذلك حیث عن فقد نقل المحقق ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی حواشیہ علی الدار عن الخیر الرضی ما نصہ وعلیٰ ہذا الحصاد اذا لم یقدر علیہ مع الصوم ویهلك الذرع بالتأخیر لا شک فی جواز الفطر والقضاء ام والله اعلم، ص ۱۶۷، ۱۷۸، ۲۱ رمضان ۱۳۸۷ھ

عذر کی بنا پر افطار کرنے والے کو | سوال (۲) معذور علی الاعلان لوگوں کو کہہ دے کہ میں روزہ نہیں افطار کا اعلان نہیں چاہتا | رکھوں گا، اور ظاہر اٹھاتا پھرتا پھرے، یا اپنے معاملہ کو محفوظ و

پوشیدہ رکھے؟

الجواب: جو لوگ عذر کی وجہ سے افطار کریں ان کو اپنے افطار کا اعلان نہ کرنا چاہئے چھپ کر کھانا پینا چاہئے، اور اپنے حال کو پوشیدہ رکھنا چاہئے، اور جو اتفاقاً کسی کو معلوم ہو جاوے تو اس سے اپنا عذر بیان کرے۔

سوال (۳) روزہ دار کو بحالت روزہ حیض آگیا تو اب تو باقی وقت میں کھاپی سکتی ہو یا نہیں؟ | باقی وقت اسی طرح پورا کرے یا کچھ کھاپی لیوے، اگر کچھ کھالیوے تو گناہ تو نہیں ہوا؟ اور افضل کونسا ہے؟

الجواب: حیض کی حالت میں عورت کو روزہ داروں کی طرح رہنا جائز نہیں، بلکہ اس کو کھاپی لینا چاہئے، لیکن کھلم کھلا نہ کھانا چاہئے، چھپ کر کھاوے، قال فی نور الایمان: یجب علی الصائم وقیل یستحب الامساك بقية اليوم علی من فسد صومه ولو بعد رشم زال وعلی حائض ونفساء طهرت بعد طلوع الفجر قال الطحاوی فی حاشیئہ واما فی حالة تحقق الحيض والنقاس فیحرم الامساك لان الصوم منهما حرام والتشبه بالحرام حرام وکن ذلك لا یجب الامساك علی المريض والمسافر لان الرخصة الافطار فی حقهما باعتبار الحرج ولو الزمنا هما التشبه لعاد الشئ علی موضوعه بالنقص ولكن لا یاکون جهراً بل سرّاً ثم قلت التعلیل یشتمل الحائض وقت طلوع الفجر والحائض بعدہ فکلاهما یحرم علیهما الصوم نعم

بينهما فرق من وجه وهو ان الاول في فسد صومها بعد الشرح فيه والثانية حرم
عليهما الصوم ابتداء ولكنهما تشتركان في حرمة الصوم بعد تحقق الحيض والله
اعلم۔ ۳۰ شعبان ۱۴۰۵ھ

سوال (۴) فردی نے پہلا روزہ رکھا دن بھر طبیعت خراب رہی
معدور کیلئے افطار کا حکم بعد افطار بہت ہی خراب ہو گئی، کہ عرض نہیں کر سکتا، فردی جانتا
ہے یا فردی کا خدا، بموجب حکم حضور پر نور دل سے فتویٰ لیا، دل نے کہا کہ بموجب حکم اللہ تعالیٰ
جل شانہ ہم کو روزہ نہیں رکھنا چاہئے۔

اول حکم؛ اپنے کو تہلکہ میں مت ڈالو۔
دوسرا حکم؛ اللہ تعالیٰ جل جلالہ وجل شانہ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا ہے جو وہ برداشت
نہ کر سکے۔

تیسرا حکم؛ جان بچانی فرض ہے۔

اب فردی روزہ نہیں رکھتا ہی، دل کا فتویٰ صحیح ہے یا کیا؟
الجواب؛ دل سے فتویٰ لینا اور اس کے فتوے پر عمل کرنا ہر شخص کو جائز نہیں اور
نہ ہر مسئلہ میں جائز ہے، بلکہ اس کا محل وہ امور ہیں جن میں دلیلیں متعارض ہوں، اور ظاہر میں
کسی دلیل کو دوسری پر ترجیح نہ ہو تو ایسے مواقع میں فتویٰ قلب پر وہ شخص عمل کر سکتا ہے جو کامل
الایمان ہو اور سلیم الفہم عارف بدقائق النفس ہو، صریح باصلہ الشیخ فی رسالۃ التشریح (ص ۱)۔
پس آپ کا روزہ کے معاملہ میں قلب سے فتویٰ لینا بالکل غلط تھا جبکہ علماء حکم شرعی بتلانیوالے
موجود تھے، جو معرفت و علم و کمال ایمان میں آپ سے زائد ہیں، پس اول آپ کسی طیب حاذق
عادل سے نبض وغیرہ دکھلا کر دریافت کیجئے، کہ روزہ رکھنا آپ کو حالت موجودہ میں مضر ہے یا
نہیں، اگر وہ صوم کو مضر بتلاتے اور یہ کہے کہ روزہ سے مرض شدید ہو جائے گا جس کا تحمل
دشوار ہوگا، تو آپ کو روزہ نہ رکھنا جائز ہوگا، اور رمضان کے بعد قضا واجب ہوگی، خواہ
سردیوں میں قضا کر دی جاوے، اور اگر روزہ کو مضر نہ بتلاتے تو روزہ رکھنا فرض ہے، اور قدر
قلیل تعب و سوز مزاج قابل اعتبار نہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۳ رمضان ۱۴۰۵ھ

فصل فی صوم النذر صوم القضاء صوم لنقل

سوال (۱) ایک شخص کے ذمہ دو رمضانوں کے روزے ہیں، جس کے ذمہ دو رمضان کے روزے قضا ہوں اور وہ مطلق اس نے رات کو قضا رمضان کا روزہ رکھنے کی نیت کی، لیکن پہلے رمضان یا دوسرے رمضان کی تعیین نہیں کی مطلق قضا رمضان کی نیت کر لی تو وہ روزہ قضا کی جانب سے صحیح ہو جائیگا تو کیا حکم ہے؟

یا نقل ہوگا؟ جینوا تو جروا۔

الجواب؛ صورت مستورہ میں وہ روزہ قضا رمضان میں محسوب ہو جائے گا، نقل نہ ہوگا، قال فی العالمگیریۃ ص ۱۲۶ ج ۱: اذا وجب علیہ قضاء یومین من رمضان واحد ینبغی ان ینوی اول یوم واجب علیہ قضاء من هذا الرمتان وان لم یعین الاول یجوز کذا لو کان علیہ قضاء یومین من رمضانین هو المختار ولو نوى القضاء لا غیر یجوز وان لم یعین کذا فی الغلامۃ ام والله اعلم۔
ارشاد سنہ ۴

باب الاعتکاف

سوال (۱) معتکف کو اگر ریح صادر کرنے کی ضرورت ہو تو وہ کیا معتکف کے لئے مسجد میں ریح صادر کرنے کا حکم کرے، آیا مسجد ہی میں ریح صادر کرے یا مسجد سے باہر نکل کر صادر کرے؟

الجواب؛ اصح یہ ہے کہ مسجد سے باہر نکل کر صادر کرے، قال فی العالمگیریۃ: سئل ابو حنیفۃ ر عن المعتکف اذا احتاج الی الفصد والحجامة هل یرجى فقا لا، وفي الأولى واختلت فی الذی یفسو فی المسجد فلم یر بعضہم بأساً وبعضہم قالوا لا یفسو ویخرج اذا احتاج الیہ وهو الاصح کذا فی المرقاۃ ص ۲۱۵ ج ۲، والله اعلم۔

۹ رجبی الاولی سنہ ۴

سوال (۲) مسجد کے سامنے جو صحن ہے جس میں موسم گرمی میں نماز مغرب
معتکف کیلئے خارج مسجد نماز ادا کرنے کا حکم وعشاء ادا کرتے ہیں، لیکن اس کو لوگ نہ داخل مسجد سمجھتے ہیں نہ اس کی حرمت
مسجد کی سی کرتے ہیں اور بانی کے طرز عمل سے بھی خارج مسجد ہونا معلوم ہوتا ہے، جب ایسی جگہ
جماعت ہو معتکفین تراویح و فرائض ادا کرنے کے لئے وہاں آسکتے ہیں یا نہیں؟
الجواب: جب بانی کے طرز عمل سے وہ جگہ مسجد سے خارج ہے تو معتکفین اس جگہ میں
نماز نہیں پڑھ سکتے، ورنہ اعتکافات باطل ہو جائے گا۔

سوال (۳) معتکفین غسل مالا بدمنہ کے سوا دوسرا
وہاں جمعہ کا غسل کر لے تو کیا حکم ہے؟ غسل خارج مسجد میں کر سکتے ہیں یا نہیں، حاجت ضروری
طبیعیہ یا شرعیہ کے لئے باہر ہونے سے آتے وقت غسل غیر ضروری کرنا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب: قال فی رد المحتار ولیس کالمکث بعد ما مالوخرج لہما راۃ للحاجة
(الطبیعیۃ ۱۲) ثم ذهب لعیادة مریض اوصلوة جنازة من غیر ان یکون خرج لذلك
قصداً فانہ جائز کما فی البحر عن البدائع ۴ ص ۲۱۲ ج ۱، وفيہ ایضاً ویجوز حمل
الرخصة علی ما لوخرج لوجه مباح كحاجة الانسان او الجمعة وعاد مریضاً او
صلی علی جنازة من غیر ان یرجى لذلك قصداً اوذلك جائزاً وبہ علم انتہ
بعد الخروج لوجه مباح انما یضر المکث لو فی غیر مسجد لغير عبادۃ ۴ ص ۲۱۲
قلت ولا یخفی ان غسل الجمعة عبادۃ فلا یضر کذا خرج لحاجة الانسان ان
یمکث لغسل الجمعة فافهم، حاجت ضروریہ کے لئے نکلنے کے بعد غسل جمعہ معتکف
کر سکتا ہے، مگر اس کو چاہئے کہ پہلے کسی خادم یا دوست کے ذریعہ سے غسل کا پانی بھروا کر
رکھ دے تاکہ زیادہ دیر نہ ہو، اور اگر کوئی کام کرنے والا نہ ہو تو خود بھی گھڑا بھر سکتا ہے، مگر جہاں
تک ممکن ہو جلدی کرے۔ ۳ شعبان

سوال (۴) عرض یہ ہے کہ بندہ کا گھر دیہات میں ہے، یہاں
کے لئے نماز جمعہ کا حکم کی مسجد میں علاوہ نماز پنجگانہ کے جمعہ کی نماز بھی پڑھائی جاتی ہے
گزشتہ رمضان میں بندہ اسی مسجد میں معتکف تھا، چونکہ نماز جمعہ کے وقت عدم مشارکت
مشاہدت منافقین لازم آتی ہے، اس خوف سے ابتداء سے اعتکافات ہی میں روز جمعہ کو ۱۱
بجے سے ۳ بجے تک استثناء کر لیا تھا، اس وقت جا کر اپنے گھر میں بیٹھ رہتا تھا، اور بعد اس کے

پھر مسجد میں آجائے ہوتا، یہ ایک مولوی صاحب کی مشورت ہی سے کیا تھا، مگر تردد رہے کہ اعتکاف مسنونہ ادا ہوا ہے یا نہیں، کیونکہ پورے عشرہ میں تو کچھ نقص رہ گیا ہے، از روئے ہر بانی اطلاع فرما کر ممنون فرمادیں؟

دوسری عرض یہ ہے کہ ہماری دیہات سے شہر کی بڑی جامع دواڑ ہائی میل کی مسافت پر ہے کیا میں اپنی دیہاتی مسجد میں معتکف رہ کر شہر میں جا کر جمعہ پڑھ سکتا ہوں بلا استثناء مذکور السبب؟ تیسری عرض یہ ہے کہ حالت اعتکاف میں وقت جمعہ میں گھر نہ جا کر ان کے ساتھ بہ نیت نفل جمعہ ادا کر سکتا ہوں یا نہیں، مگر اس سے ایک مضحکہ پیدا ہو جاوے گا، کہ دیکھو اب ہمارے ساتھ جمعہ پڑھ رہا ہے، خیر جو مصلحت ہو حضور والا ارشاد فرمادیں؟ بندہ ہمیشہ اگر عذر نہ ہو شہر ہی میں جا کر جمعہ ادا کرتا ہے، ہمارا گاؤں فنائے شہر کے بھی باہر ہے، اس لئے وہاں جمعہ خود بھی نہیں پڑھتا ہوں اور دوسروں کو بھی منع کرتا ہوں، مگر لوگ اس طرف کم التفات کرتے ہیں۔

الجواب: قال فی الخلاصة: ولا یخرج المعتکف من المسجد الا لحاجة طبعية الخ ص ۲۶ ج ۱ فی الدر المختار وفي التاتاریخانیة عن الحجة: لو شرط وقت النذر ان یخرج لعیادة من یضی او صلوة جنازة وحضور مجلس علم جاز ذلك فلیحفظ، قال الشامی: یشیر الیه قوله فی الهدایة وغيرها عند قوله ولا یخرج الا لحاجة الانسان لانه معلوم وقوعها فلا بد من الخروج فیصیر مستثنی، والحاصل ان ما یغلب وقوعه یصیر مستثنی حکما وان لم یشترطه وما لا فلا الا اذا شرطه اه ص ۲۱۶ ج ۱۔

عبارت خلاصہ سے معلوم ہوا کہ گاؤں میں اعتکاف کرنے والے کو جمعہ کے لئے شہر میں جانا جائز نہیں، کیونکہ وہ حاجت لازمہ نہیں، لیکن اگر مستثنی کر لے تو جانا جائز ہے، اور اس صورت میں یہ خروج ویسا ہی کا جیسا خروج لحاجة الانسان اور وہ مفسد نہیں، تو یہ بھی مفسد نہیں، اور جب اعتکاف فاسد نہ ہوا اور اکثر عشرہ بحالت اعتکاف گذرا تو اعتکاف مسنون ادا ہو گیا لان لا اکثر حکم الكل، گاؤں میں بہ نیت نفل جمعہ ادا کرنا مقتدی کو جائز نہیں، بہتر یہ ہے کہ جمعہ کے کچھ وقت مستثنی کر لیں، اور شہر میں جا کر جمعہ ادا کر لیا کریں، واللہ اعلم۔ ۲۲ رمضان ۱۴۳۸ھ

کسی عذر کی بنا پر اعتکاف سوال (۵) ایک مسافر مولوی صاحب شمار دو سال سے یہاں نہ کرنے کا حکم سکونت فرماتے تھے، اعتکاف کے بارہ میں وعظ میں یوں فرمایا

رمضان شریف میں لوگوں کا اعتکاف میں بیٹھنا بہت اچھی بات ہے، یہ نہ ہو سکے تو ایک آدمی بیٹھ تو بھی سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ خود کیوں نہیں بیٹھتے، ہاں ضرور بیٹھ سکتا ہوں مجھے تو بہت خواہش ہے، کیا کروں، چند وجوہات کے سبب سے نہیں بیٹھ سکتا ہوں، میرے مکان میں ہمراہ رہنے کے لئے کوئی نہیں ہے، یہاں میرے خولیش واقارب میں سے بھی کوئی نہیں، میرے گھر کے تلاٹے ایک خالی میدان ہے، گھر میں عورت بچے بہت گھبراتے ہیں، اس لئے میں اعتکاف میں نہیں بیٹھ سکتا، سائل بھی ان وجوہات کو جو مولوی صاحب نے بیان فرمائے ٹھیک سمجھتا ہے اور ان کے گھر میں راتوں کو کبھی کبھی پتھر آ کر گرنا بھی سائل کو معلوم ہے، آیا مولوی صاحب نے جو عذر بیان کئے شرع میں یہ مقبول ہوں گے یا نہ؟ بینوا تو جردا۔

الجواب: یہ عذر مقبول ہے، واللہ اعلم، بلکہ اس حالت میں ان کو اعتکاف مناسب بھی نہیں، ۲۵ شعبان ۱۴۲۲ھ۔

سوال (۶) اعتکاف کی حالت میں سحری کھانے کے بعد کھلی سحری کھانے کے بعد کھلی کرنے کے واسطے معتکف کا مسجد باہر جانا کے لئے مسجد سے باہر معتکف گیا، اس وقت مسجد کے اندر بھی پانی موجود تھا، مگر نہ تو خیال تھا کہ پانی ہے اور نہ اعتکاف کا خیال رہا، مگر کھلی کرتے ہی فوراً اپنی جگہ آ گیا، اس صورت میں اعتکاف رہا یا نہیں، اور سحری کھانے کے بعد کھلی کرنا ضرورت طبعی ہے یا نہیں، اگر اعتکاف ٹوٹ گیا تو اب اس کی قضا ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: سحری کے بعد صائم کے لئے کھلی کرنا ضرورت شرعیہ ہے لما فیہ من صیانة الصوم عن بقایا الطعام فی الفم، اس لئے اس ضرورت کے لئے اس کو مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے بشرطیکہ مسجد میں پانی موجود نہ ہو، یا کھلی کا موقع صحن مسجد سے متصل نہ ہو، اور اگر پانی مسجد کے اندر ہے، اور کھلی کی جگہ بھی صحن مسجد سے متصل ہے، اس صورت میں خروج سے اعتکاف نفل ختم ہو جائیگا، رقلتہ فی حکم الاعتکاف المستنون) اور اعتکاف واجب یعنی منذور فاسد ہو جائے گا، قال فی مرقی الفلاح: فان خرج ساعة بلا عذر معتبر (فی عدم الفساد) فسد الواجب وانتهی بہ غیرہ ای غیر الواجب وہو النفل اذ لیس له عداد (ص ۴۰۹) پس کھلی کے لئے نکلنا خروج بعذر ہے، اور مسجد کے اندر پانی کا موجود ہونا اس عذر کو جب زائل کرتا ہے، جبکہ صائم کو معلوم ہو کہ پانی یہاں موجود ہے، اگر معلوم نہ ہو یا یاد نہ ہو تو اس خروج سے اعتکاف منذور باطل نہ ہوگا، اور اعتکاف نفل مستنون ختم نہ ہوگا، ہذا ما فہمہ ولم ارہ صریحاً، واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۴ شوال ۱۴۲۲ھ۔

سوال (۷) مسجد کی چار دیواریوں کے اندر کوئی حجرہ میں عشرہ اواخر کے اعتکاف میں بیٹھ سکتا ہے یا نہیں، یا جامع مسجد کے اندر ہی اعتکاف

جو حجرہ جزو مسجد نہ ہو اس میں اعتکاف باطل ہے

کر لینا چاہئے؟

الجواب: اعتکاف کے لئے مسجد شرط ہے، بدون مسجد اعتکاف صحیح نہیں ہوتا، فی الحقیقت ومنہا رای من الشرائط مسجد الجماعة فیصح فی کل مسجد له اذان واقامة ہوا صحیح، کذا فی الخلاصۃ، البتہ جامع مسجد شرط نہیں، بلکہ ہر مسجد میں ہو سکتا ہے جبکہ جماعت ہوتی ہو کما تر فقط، پس حجرہ میں جو کہ مسجد کا جزو نہ نہیں، اعتکاف باطل ہے، البتہ حجرہ جزو مسجد ہو تو اس میں اعتکاف صحیح ہوگا، یعنی محض احاطہ میں ہونا کافی نہیں، بلکہ جزئیت ضروری ہے۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۰ سوال ۲۳

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۰ سوال ۲۳

سوال (۸) معتکف کے لئے اذان کہنے کو اور کوئی جگہ نہ ہونے کی سے باہر جا سکتا ہے یا نہیں | تقدیر پر مسجد سے باہر جانا اعتکاف میں کسی قسم کی خرابی ہے یا نہیں

اس کا جواب صرف نفی اثبات میں لکھ دینا، دلیل کی ضرورت نہیں؟

الجواب: اس ضرورت کے لئے مسجد سے نہ نکلے مسجد میں ہی اذان کہدے، ولا یکرہ له الاذان داخل المسجد للضرورة کما لا یکرہ له ای للمعتکف البیوع والشراء فیہ، پس اگر اذان کے لئے مسجد سے نکلے گا تو اعتکاف نفل و مسنون ناقص ہو جائے گا، اور اعتکاف واجب باطل ہو جائے گا۔ ۲۴ رجب ۱۴۲۶ھ

سوال (۹) معتکف جو گوشہ اپنے لئے مقرر کرے، معتکف مسجد میں جہاں چاہے اٹھ بیٹھ سکتا ہے | اس کو علاوہ ضروری حاجت کے ہر وقت اس میں ہی

رہنا چاہئے، یا مسجد اور فرش مسجد میں بلا ضرورت سونا کھانا پینا اور تلاوت قرآن شریف اور نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ہر وقت گوشہ میں رہنا ضروری نہیں، بلکہ عبادت ناقلہ و ذکر کے لئے اس میں رہنا بہتر ہے، باقی اوقات میں مسجد کے اندر جہاں چاہے اٹھ بیٹھے، ۱۸ ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ

سوال (۱۰) معتکف علاوہ فرض نماز کے نوافل اور تلاوت قرآن | معتکف کے بارے میں متعدد سوالات پر مشتمل ایک استفادہ | ذکر کے لئے سقاوہ سے جو مسجد کے اندر نہیں، یا کنوئیں پانی لا سکتا ہے

یا نہیں؟ مسئلہ ۴ میں میں نے دریافت کیا تھا تو آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ فرض نماز کے لئے تو وضو کے لئے باہر جا کر پانی لا سکتا ہے، تلاوت اور نفل نماز کے لئے باہر نہیں جاسکتا، اگر جائے گا تو اعتکاف ناقض ہو جائے گا، اور دیوبند کے مفتی صاحب نے اس طرح پانی لانے کو ضرورت میں داخل فرمایا، جواب؛ مفتی صاحب کا جواب صحیح ہے، اور میں بھی یہی فتویٰ دیتا ہوں، نہ معلوم آپ کو اس کے خلاف کس طرح جواب دیا گیا، فاستغفر اللہ واتوب الیہ۔ ۲۲ رمضان ۱۴۰۵ھ

سوال؛ مجھے خیال پڑتا ہے کہ جب میں تھانہ بھون حاضر ہوا تھا تو مسجد میں جو ہدایات معتکف کے لئے تحریر تھیں اس میں تحریر کیا تھا کہ ریح خارج کرنے کے لئے مسجد سے باہر جانا چاہئے دیوبند کے مفتی صاحب دریافت کرنے پر تحریر فرماتے ہیں کہ ”اخراج ریح کے لئے معتکف کو مسجد سے نکلنا جائز نہیں ہے“ اس مسئلہ میں جو محقق حکم ہو تحریر فرمایا جاوے، اگر میری سمجھ میں نہ آیا ہو تو توضیح فرمادی جاوے؟

جواب؛ علامہ دیوبند و سہارنپور سب کا وہی خیال ہے جو مفتی صاحب نے تحریر فرمایا، مگر میں ایک جزئیہ کی بنا پر مسجد میں اخراج ریح کی اجازت معتکف و غیر معتکف کسی کے لئے نہیں سمجھتا، لیکن اس وقت مجھے بھی اس مسئلہ میں تردد ہو گیا ہے، تحقیق کر رہا ہوں، اس لئے احوط یہی ہے کہ مفتی صاحب کے قول پر عمل کیا جائے۔ تایخ بالا۔

سوال؛ معتکف کو مسجد میں خط بنوانا بال کٹوانا کیسا ہے؟

الجواب؛ جائز ہے، جبکہ حجام باہر رہے۔ تایخ بالا۔

بقیہ سوال؛ اور غسل کے لئے جانا جبکہ حالت جنابت میں ہو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ جائز نہیں۔

سوال؛ معتکف کی طبیعت دوسرے پانی لینے کو نہیں چاہتی تو خود مسجد سے باہر

ہو کر پانی لینا بہتر ہے یا دوسرے ہی شخص سے لینا؟

الجواب؛ اگر دوسرے شخص سے بے تکلفی نہ ہو، بلکہ خدمت لینے سے اپنے اوپر یا اس کے

گرانی کا شبہ ہو تو خود مسجد سے باہر جا کر پانی لینا اولیٰ ہے، ہاں بے تکلفی ہو تو خروج جائز نہیں،

واللہ اعلم۔ ظفر حمید، عفاعنہ، ۲۲ رمضان ۱۴۰۵ھ

سوال (۱۱) زید کہتا ہے اعتکاف رمضان المبارک عشرہ اخیرہ کا

سنت مؤکدہ ہے

کاسنت مؤکدہ ہے، اس سے کم مدت میں سنت ادا نہ ہوگی، حوالہ

مولانا عبدالحی صاحب کے رسالہ الانصاف فی حکم الاعتکاف کا دیتا ہے، عمر کہتا ہے کہ کامل دن روز شرط نہیں، بلکہ اقل عشرہ سے بھی سنت ادا ہو جاوے گی، اپنے قول کے ثبوت میں خلاصۃ الفتاویٰ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے:- ر قال القاضی الامام الاعتکاف فی المسجد الجامع افضل اذا کان یصلی فیہ الصلوات الخمس بالجساعة اما اذا لم یکن فالاعتکاف فی مسجد افضل کلا یحتاج الی الخروج عن معتکفه فان اراد ان یعتکف اقل من سبعة ايام یعتکف فی مسجد حیہ وان اراد ان یعتکف فی الجامع الخ

نیز مولانا بحر العلوم کے رسائل الارکان کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف مذکور سنت مؤکدہ نہیں، بلکہ مندوب محض ہے، جس پر ان کی یہ عبارت شاہد ہے:- واعلم انه لا شک فی مواظبة رسول الله صلی الله علیه وسلم علی اعتکاف العشر الاواخر من شهر رمضان لکن قد ثبت من الصحابة العظام ترک الاعتکاف ومنهم الخلفاء الراشدون فللاعتکاف نوع اختصاص به صلی الله علیه وسلم وهو انه یلقى جبرئیل فیدار القرآن ومد ارسۃ القرآن جبرئیل کانت مختصة به صلی الله علیه وسلم فلهذا کان للاعتکاف اختصاصاً به صلی الله علیه وسلم فتارک الاعتکاف من الامة لا یلحقهم الاساءة ولذا کان صلی الله علیه وسلم لا یؤکد فی الاعتکاف تاکیده فی غیره من السنن ولا یعیب واحداً من الصحابة علی ترک الاعتکاف فالاعتکاف اما سنته مختصة به صلی الله علیه وسلم غیر مؤکدة علی الامة بل بقی فی حقهم مثل السنن الغیر المؤکدة او کان واجبا علیہ صلی الله علیه وسلم مختصاً بفعله لا امتثال الوجوب فلا یكون علی الامة سنة بل مندوباً محضاً وهذا غیر بعيد الخ حضور والا کے نزدیک اقوال مذکورہ میں سے کونسا قول رائج ہے؟

الجواب: صیح یہی ہے کہ تمام عشرۃ اخیرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ ہے مگر علی الکفایہ، جیسا کہ مراقی الفلاح، عالمگیریہ، شامی وغیرہ میں ہے، اور خلاصۃ الفتاویٰ کی عبارت مندرجہ سوال سے عمر و کا مقصود کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا ہے، اس عبارت کو مقصود عمرو سے کوئی تعلق نہیں ہے، اُس عبارت کا تو محض یہ منشاء ہے کہ اگر سات یوم سے کم کا اعتکاف کرے اور ان ایام میں جمعہ نہ واقع ہوتا ہو کہا ہو الظاہر، تب تو مسجد محلہ میں اعتکاف افضل ہے، اور اگر سات روز یا اس سے زائد کا اعتکاف کرنا ہو ریاسات روز سے کم کا اعتکاف ہو مگر

ان ایام میں جمعہ واقع ہوتا ہو تو جامع مسجد میں اعتکاف کرنا افضل ہے، کیونکہ اس صورت میں مسجد محلہ سے جمعہ کے لئے جانا پڑے گا، اور معتکف سے نکلنا خلاف اولیٰ ہے، اس عبارت میں اس کا ذکر بالکل نہیں کہ کتنے دن کا اعتکاف سنت ہے، اس سے یہ کیسے سمجھ لیا کہ سات روز سے کم کا اعتکاف کرنے سے سنت ادا ہو جاوے گی، اور رسائل الارکان کی تقریر کا جواب شامی نے عنایہ سے نقل کیا ہے کہ مواظبت بلا تاکید سے بھی سنت ثابت ہو جاتی ہے، اور اگر مواظبت مع الانکار علی التارک ہو تو اس سے وجوب ثابت ہوتا ہے، (ص ۳۰۸، ج ۲) اور جب سنت کفایہ کہا جاوے تو یہ اعتراض بالکل ہی عائد نہیں ہو سکتا، کیونکہ نہ ایسا ہوا کہ کسی نے بھی اعتکاف نہ کیا ہو نہ تاکید کی نوبت آئی، واللہ اعلم بالصواب۔ احقر عبدالکریم گھٹلوی عفی عنہ، خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، ارجامادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ

لشدر المجیب فقداوتی من الفقه اوفر نصیب ظفر احمد عفا اللہ عنہ الرج ۱۴۲۸ھ

معتکف کے متعلق متعدد سوالات | سوال (۱۲) فتاویٰ ماہ رمضان المبارک،

پر مشتمل ایک استفتاء۔ زید جس مسجد میں معتکف ہے وہاں سے ایک جامع مسجد تو قریب ہے، اور دوسری کچھ فاصلہ پر ہے، اور زید کا معمول پہلے سے بعید کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے کا تھا، کیا زید اب حالت اعتکاف میں قریب کی مسجد کے ہوتے ہوئے اپنی کسی مصلحت کے بعید کی مسجد میں نماز جمعہ کے لئے جاسکتا ہے؟

الجواب، اس کا جزئیہ تو نظر سے نہیں گذرا، لیکن عالمگیریہ میں ہے؛ وان كان له بيتان قريب وبعيد قال بعضهم لا يجوز ان يمضي راي للخلاء الى البعيد فان مضى بطل اعتكافه كذا في السراج الوهاج، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ مسئلہ میں اختلاف ہے، اور احتیاط اسی میں ہے کہ مسجد قریب میں جاوے، واللہ اعلم۔ رمضان ۱۴۲۸ھ

بقیہ سوال؛ اور کیا زید کو وعظ سننے کی غرض سے جامع مسجد میں کچھ دیر ٹھہر جانا جائز ہے؟

جواب، مکروہ ہے، اور بہتر یہ ہے کہ بعد فراغ عن السنن البعدیہ اپنی مسجد میں چلا آوے، تاخیر بالا۔

بقیہ سوال؛ وما الحكم ان نوى ذلك راي صلوة الجمعة في المسجد البعيد واستماع الوعظ وقت اعتكافه؟

الجواب؛ اگر نیت کر لی ہو تو پھر مسجد بعید میں جمعہ پڑھنے اور وعظ کے لئے ٹھہرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ تاریخ بالا۔

بقیہ سوال؛ هل للمعتك الخروج من معتكف للوضوء للنوافل؟
الجواب؛ بلا ضرورت فرض خروج خلاف احتیاط ہے، ہاں جو حیلہ غسل جمعہ میں آئندہ لکھا ہے وہ یہاں بھی ہو سکتا ہے۔ تاریخ بالا۔

بقیہ سوال؛ غسل جمعہ ضرورت شرعیہ میں داخل ہے یا نہیں؟
الجواب؛ غسل جمعہ کے لئے خروج من المسجد جائز نہیں، فقط غسل احتلام کے واسطے باہر جانا جائز ہے، البتہ غسل جمعہ کے لئے (بعض علماء کے نزدیک) یہ صورت جائز ہے کہ جب استنجاء وغیرہ کے لئے باہر نکلے تو طہارت کے وقت طہارت کاملہ یعنی غسل کر لے۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ، از خالق امدادیہ تھانہ بھون، ۷ رمضان ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۸ رمضان ۱۳۸۸ھ

مثل استفتاء مذکورہ مثل | سوال (۱۳) معتکف اپنے گھر آکر کھانا کھا سکتا ہے یا نہیں؟
الجواب؛ معتکف کو کھانے کے واسطے گھر جانا جائز نہیں ہے، بلکہ مسجد ہی میں منگا کر کھانا چاہئے، البتہ اگر کوئی لانے والا نہ ہو تو مجبوری کو خود جا کر کھانا آئے، مگر فوراً واپس آجائے اور مسجد ہی میں کھا دے، بدون سخت مجبوری کے کھانا لانے کے واسطے بھی ہرگز نہ جاوے۔ ۱۲ رمضان ۱۳۸۸ھ۔

سوال؛ معتکف ضرورتاً اپنے گھر آ رہا ہو اور راستہ میں کوئی آدمی اس سے بات کرنا چاہے تو جواب دے سکتا ہے یا نہیں یا خاموش چلا جاوے؟

الجواب؛ جب استنجاء وغیرہ کی ضرورت سے باہر نکلا ہو تو بولنے میں مضائقہ نہیں، مگر بات چیت کے لئے کھڑا نہ ہو، البتہ رفتار سست کر دینے کی گنجائش ہے، واللہ اعلم۔ تاریخ بالا۔

سوال؛ کیا معتکف اپنے گھر آ کر نہا سکتا ہے؟

الجواب؛ غسل اگر واجب ہو گیا ہو تو مسجد ہی کے غسل خانہ میں نہاؤں اور ویسے بدو احتلام کپڑے بدلنے وغیرہ کے واسطے نہانے کی اجازت نہیں۔ تاریخ بالا۔

عہ حضرت تھانوی مدظلہ العالی اس صورت سے بھی منع فرماتے ہیں وہو الاقرب الی الاحتیاط، واللہ اعلم

سوال: نوافل وغیرہ کے لئے بار بار وضو کرنے کے لئے وضو خانہ میں جانا جائز ہے یا نہیں؟
 الجواب: نوافل کے لئے بھی وضو کرنے کے واسطے باہر جاسکتا ہے، لیکن یہ جب ہو کہ فرش کے کنارہ پر وضو ممکن نہ ہو، اگر وہاں وضو کی جگہ ہو اور پانی بھی کنارہ پر گھڑے وغیرہ میں وہاں رکھ سکتا ہو تو فرض اور نفل سب کے واسطے یہی انتظام کرنا چاہئے۔ تایخ بالا۔

سوال: اپنے گھر ضرورہ آیا ہو تو اپنی ڈاک کا بکس کھول کر خطوط لے سکتا ہے یا نہیں؟
 الجواب: گھر فقط استنجے کی ضرورت سے جاسکتا ہے، وہ بھی جبکہ گھر سے قریب ترکوبی جگہ ایسی نہ ہو جہاں یہ استنجا کر سکے، اور استنجے سے قبل یا بعد کسی کام کے واسطے ٹھہرنے کی بالکل اجازت نہیں، فقط۔ واللہ اعلم، احقر عبدالکریم گتھلوی،
 الاجوبہ صحیحہ، ظفر احمد عفاعنہ، ۱۲ رمضان ۱۴۲۸ھ

اعتکاف میں مسجد کی خدمت کرنا | سوال (۱۴) حالت اعتکاف میں مسجد کی خدمت کرنا اور اذان و اقامت کرنا کہنا کیسا ہے؟

الجواب: معتکف کو مسجد کی خدمت کرنا اور اذان و تکبیر پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ غیر معتکف کو، لیکن خدمت ایسی نہ ہو جس میں مسجد سے باہر جانا پڑے، ۱۵ رمضان ۱۴۲۸ھ۔
 حالت اعتکاف میں درزش | سوال (۱۵) جو شخص درزش کرنے کا عادی ہے حالت اعتکاف اور خط کا جواب تحریر کرنا میں کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: باہر جانا جائز نہیں، اور مسجد میں درزش خلاف ادب ہے، لہذا زمانہ اعتکاف میں اس کو ترک کر دیں، اگر تکلیف ہو، اور اگر تکلیف زیادہ ناقابل برداشت ہو تو بھجوری خلوت کے وقت کر لیا کریں۔ تایخ بالا۔

سوال: اپنے خطوط یا دیگر شخص کا خط تحریر کرنا چاہیں تو تحریر کرنا کیسا ہے؟
 الجواب: خط لکھنے میں مضائقہ نہیں، خواہ اپنا ہو یا دوسرے کا، احقر عبدالکریم
 الجواب صحیح، ظفر احمد عفاعنہ۔ ۱۵ رمضان۔

سوال (۱۶) زید ہمیشہ آخر عشرہ رمضان شریف میں معتکف ہو کر رہتا ہے، مگر یہی بوا سیر کا عارضہ ہونے سے وضو قائم نہیں رہتا، اور مسجد میں بعض وقت ریح کو خارج نہ کرنا تکلیف دہ ہوتا ہے، کیا ایسے شخص کو اعتکاف بمسجد جائز ہے؟

الجواب، ہاں جائز ہے، مگر بیخ خارج کرنے میں اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ مسجد میں خارج کرنا مضائقہ نہیں، اور بعض نے کہا ہے کہ جب ضرورت ہو مسجد سے باہر چلا جاؤ جیسا کہ پیشاب پاخانہ کے واسطے جانتا ہے، کما فی العالمگیریۃ (ص ۲۱۵ ج ۶) واختلف فی الذی یفسو فی المسجد فلم یر بعضہم بأساً وبعضہم قالوا لا یفسو ویخرج اذا احتاج الیہ وهو الاصح کذا فی التمر تاشی ام، اس لئے اخراج ریح کے واسطے باہر جانا بھی معتکف کو جائز ہے، اور جب دونوں طرف گنجائش ہے تو حسب موقع دونوں قول پر عمل کی گنجائش ہے، یعنی جب اخراج ریح فی المسجد سے لوگوں کی ایذا کا احتمال ہو تو باہر چلا جانا چاہئے، اور جب بار بار جانے میں دقت ہو تو باہر نہ جانا بھی جائز ہے، اس طرح دونوں روایتیں جمع بھی ہو گئیں، واللہ اعلم،

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ، از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، مورخہ ۲۲ شعبان ۱۴۳۸ھ

کتاب الحج

(فصل فیمن یفرض علیہ الحج)

معذور لیکن صاحب استطاعت | سوال (۱) زید پیروں سے معذور ہے، تھوڑی دور بھی شخص کے حج کا حکم مشکل سے چل سکتا ہے، استطاعت ہے اس لئے حج کا ارادہ رکھتا ہے، ایک آدمی ساتھ رکھنا ہوگا، جس کا صرفہ زید کو دینا ہوگا، اتنی استطاعت ہو کہ آدمی کے خرچ کو برداشت کر لے گا، ایسی معذوری میں بھی زید پر حج فرض ہے یا کیا؟

الجواب، قال فی العالمگیریۃ ومنها سلامة البدن حتى ان المقعد و الزمن والمفلوج ومقطوع الرجلین لا یجب علیہم حتی لا یجب علیہم الا حجاج وان ملکوا الزاد والراحلة ولا الا یصاع فی المرض هذا ظاهر المذهب عن ابی حنیفة وهو رواية عنهما وظاهر الرواية عنهما انه یجب علیہم فان اجماعاً اجزاهم مادام العجز مستمراً فان زال فعلیہم الاعادة بانفسہم وظاہراً فی التحفة اختیاراً فانه اقتصر علیہ وکذا الاسبیجابی وقواہ المحقق فی فتح القدیر والا عسی اذا ملک الزاد والراحلة ان لم یجد قاعداً لا یلزمه الحج بنفسه

فی قلوبہم وهل يجب الا حجاج بالمال فعند ابی حنیفة لا يجب وعندہما يجب و
ان وجد قائد عند ابی حنیفة لا يجب الحج بنفسه وعن صاحبہ فیہ روایت
ولو ملك الزاد والراحلة وهو صحيح البدن ولم يحج حتى صار زمنا او مفلوجا لزم
الحجاج بالمال بلا خلاف اہم ملخصا، ص ۱۲۱ ج ۱، صورت مذکورہ میں زید پر خروج
کرنا تو فرض نہیں، لیکن حج بدل کر دینا ضروری ہے، لیکن بعد میں اگر تندرست ہو گیا تو دوبارہ
خود حج کرنا پڑے گا، اور اگر خود حج کو چلا جاوے یہ بہت ہی بہتر ہے، واللہ اعلم۔

جس پر جائیداد زیادہ ہو اور نقد روپیہ | سوال (۲) جس شخص کے پاس زمین زیادہ ہے اور روپیہ
نہ ہو اس پر وجوب حج کا حکم نقد موجود نہیں، اس کے ذمہ حج فرض ہے یا نہیں، یعنی
اس شخص کو زمین فروخت کر کے حج کرنا فرض ہے یا نہیں، مثلاً ایک شخص ہو کہ اس کے پاس پانچ ہزار
روپیہ نقد موجود ہو اور دوسرے کے پاس زمین دس ہزار روپیہ کی ہے اور نقد موجود نہیں ہے، اب
فرمائیے کہ ان میں کس کے ذمہ حج فرض ہے، یا دونوں کے ذمہ حج کرنا فرض ہے؟

(۲) ایک شخص کے پاس پانچ ہزار روپیہ کا سامان دکان میں موجود ہے، اس پر حج فرض ہو یا نہیں؟
(۲) ایک شخص کے پاس چار ہزار روپیہ کے مولیشی ہیں اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟
(۲) ایک شخص کے پاس پانچ ہزار روپیہ کا غلہ موجود ہو اس پر حج کرنا فرض ہے یا نہیں؟
الجواب: جس شخص کے پاس اتنی زیادہ زمین ہو کہ اس کا ایک ٹکڑا مسارت حج کے لئے
فروخت کرنے کے بعد بھی اتنی زمین باقی رہے جو اس کے اور اہل و عیال کے تعیش کے لئے کافی ہے، تو
ایسے شخص کے ذمہ اپنی زمین کا کچھ حصہ حج کے لئے فروخت کرنا لازم ہے، اور اس پر حج فرض ہو
اور اگر مسارت حج کے واسطے ایک ٹکڑا بیع کرنے کے بعد باقی زمین اس کے اور اس کے اہل و
عیال کے گزارہ کو کافی نہیں رہتی، تو اس حالت میں اس پر حج فرض نہیں، اور زمین کا فروخت
کرنا فرض ہو، قال فی غنیۃ الناسک وان کان لہ من الضیاع مالو یباع مقدار ما یغنی
الزاد والراحلة یبقى بعد رجوعه من ضیعتہ قدر ما یعیش بغلة الباقی
یفترض علیہ الحج والافلاکذافی الخانیۃ اہم (ص ۷)، ۲۱ صرفہ سکر

جواب سئل حم سعم وچہام؛ قال فی غنیۃ الناسک السادس الاستطاعة
وهی القدرة علی زاد یلیق بحالہ فاضلا عن الحوائج الاصلیۃ المذكورة فی الزکوۃ
کمسکنہ وعبد خدامتہ وفرسہ المحتاج الی رکوبہ ولو احیاناً وموتصکنہ

ورأس مال خوفته ان احتاجت لذلك واللات حرثه من البقر ونحو ذلك
ان كان حراثا اكارا اور اس مال التجارة ان كان تاجرا يعيش بالتجارة والمراد ما
يمكنه الاكتساب به قدر كفاية عياله لا اكثر لانه لانهاية له رد المتاراه
ص، وفيه ايضا وان كان له مسكن فاضل لا يسكنه او عبد لا يستخدمه
او متاع لا يستعمله او كتب لا يحتاج الى استعمالها او كرم زائد على قدر
التفكه بها ونحو ذلك مما لا يحتاج اليها يجب بيعها ان كان به وفاء بالحج (ص)
پس جس شخص کے پاس یا پختزار کا سامان ہو جو کان میں ہی، اگر اس میں سے بقدر مصارف
حج کے فروخت کر کے اتنا سرمایہ باقی رہے کہ اس میں تجارت کر کے یہ شخص مع اہل و عیال
کے متوسط حال سے گذر کر سکے تو بقدر مصارف حج کے سامان کا بیع کرنا لازم ہے، اور اس پر
حج فرض ہی، اور اگر بانی میں تجارت کر کے گذر نہ ہو سکے تو واجب نہیں، بشرطیکہ اس شخص کا گذر
تجارت ہی پر ہو، اور جس شخص کے پاس چار ہزار کے مویشی ہیں تو اگر یہ شخص کا شکار یا زمیندار ہی
اور یہ مویشی سب کے سب کھیتی کے کام میں مشغول ہیں، یا یہ جانور سواری کے ہیں اور گاؤں گاؤں
سواری کے کام میں آتے ہیں تو اس حالت میں اس پر حج فرض نہیں، نہ ان مویشی کا بیچنا لازم ہے
اور اگر یہ جانور دودھ پینے کے ہیں، اور اس کے اہل و عیال کا گذران کے دودھ ہی پر ہے، اس کے
سوا اور کوئی صورت معاش کی نہیں، نہ زمین کا غلہ ہی، اور نہ کچھ تب بھی اس پر ان کا بیچنا لازم
نہیں، بشرطیکہ اگر مصارف حج کے لئے بعض کو فروخت کیا جائے تو باقی مویشی سے گزارہ
نہ ہو سکے، اور نہ حج فرض ہے، اور اگر اس کی معاش ان جانوروں کے دودھ پر موقوف نہیں یا
موقوف ہی لیکن ان میں سے بقدر مصارف حج کے ایک دو یا زیادہ جانوروں کے فروخت کرنے کے
بعد باقی ماندہ مویشی گزارہ کو کافی ہیں، یا یہ جانور تجارتی ہیں اور ان کی تجارت پر اس کا گذر موقوف
نہیں، یا موقوف ہے، مگر مصارف حج کے لئے ایک دو یا زیادہ کو بیع کرنے کے باقی ماندہ کی تجارت
اس کے گذر کو کافی ہے، تو بقدر حج کے ایک دو یا زیادہ جانور کو بیع کر کے اس پر حج کرنا فرض ہوگا
رہا غلہ جو یا پختزار کا ہی تو اگر یہ سارا غلہ صرف کھانے ہی کے صرف میں آتا ہے تب تو حج فرض
نہیں، اور اگر کچھ کھایا جاتا ہے باقی بیچا جاتا ہے تو جتنا ضرورت سے زائد ہو اس کو بیع کر کے حج کرنا
فرض ہوگا، اگر وہ زائد غلہ فروخت ہونے کے بعد زاد و راحلہ و مصارف حج کو کافی ہو، واللہ اعلم،
از تھانہ بھون، ۲۱، سفر ۱۳۵۰ھ

تعمیر مکان سے حج فرض مقدم ہے | سوال (۳) زید کو جائز طور سے اس قدر رقم نقد ملی کہ فقط حج بیت اللہ کر سکتا ہے، مگر حال یہ ہے کہ اس کا گھر بھی کھنڈر پڑا ہے، تو زید پر اول حج بیت اللہ ادا کرنا فرض ہے یا گھر بنانا۔

الجواب؛ قال فی العالمگیریۃ وان لم یکن مسکن وعند دہام یمیل بہ الحج و یمیل ثمن مسکن وخادم وطعام وقوت فعلیہ الحج فان جعلہا فی غیر الحج اثم کذا فی الخلاصۃ (ص ۱۲۰ ج ۱) صورت مسئلہ میں اس شخص پر حج فرض ہے اس رقم کو مکان میں لگانا جائز نہیں بشرطیکہ یہ رقم مکہ کی آمد و رفت کے لئے کافی ہو اور اس مدت کے لئے اہل و عیال کو نفقہ بھی دے سکے۔ واللہ اعلم
۱۳ رمضان ۱۴۲۲ھ از تھانہ بھون

سوال (۴) یہ ہے کہ میری اہلیہ اپنا حج فرض پہلے ادا کر چکی ہے اب اس مرتبہ اگر وہ اپنے مرحوم لڑکے کی طرف سے حج بدل کی نیت کر لیں تو کچھ کراہت

اگر کسی کے پاس مقدار فرضیت حج مال نہ ہو مگر صاحب جائداد ہو اور جائداد فروخت کر کے حج کر سکتا ہو تو اس پر حج فرض ہے یا نہیں

تو نہیں ہے، میرے لڑکے مرحوم کی بائیس سال کی عمر تھی اور کچھ جائداد بھی اُس کے نام اس کی مانی صاحبہ نے کر دی تھی جس کی آمدنی اُس کے خورد و نوش و اخراجات ضروری کی کفیل نہیں ہو سکتی تھی مگر قیمت اُس کی اس قدر ضرورت تھی اس کو فروخت کر کے وہ باسانی حج کر سکتا تھا ایسی صورت میں اُس کے ذمہ حج فرض ہو گیا یا نہیں؟

الجواب؛ فی العالمگیریۃ (ص ۱۲۰ ج ۱) وان کان صاحب ضیعة ان کان لہ من الضیاع مالوباع مقدار ما یکفی الزاد والراحلة ذاہباً وجاشاً ونفقة عیالہ واولادہ یبقی لہ من الضیعة قدر ما یعیش بغلة الباقی یفترض علیہ الحج والا فلا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں اگر اُس کے پاس اس جائداد کے علاوہ مقدار فرضیت حج مال نہ تھا تو حج فرض نہ ہوا تھا۔
احقر عبد الکریم عفی عنہ، ۲۸ شعبان ۱۴۲۲ھ۔

الجواب صحیح۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون۔

۲۸ شعبان ۱۴۲۲ھ۔

ایضاً سوال (۵) ایک عورت جس کے نان و نفقہ کا متکفل اس کا شوہر ہے اور اس عورت کے پاس ایک مکان ہے جس کا کرایہ بھی گھر کے اخراجات میں صرف ہو جاتا ہے اور کچھ بچپتا نہیں ہے ایسی صورت میں عورت کو اپنا مکان بیچ کر حج کرنا فرض ہے یا نہیں؟ اور مکان کی حیثیت آٹھ یا دس ہزار روپیہ ہے۔

الجواب؛ اور جب عورت کا نفقہ شوہر دیتا ہے اور دوسرے کسی شخص کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں۔ تو یہ مکان حاجتِ اصلہ سے زائد ہے اس لئے حج کرنا اُس کے ذمہ منسرف ہے۔
 وفي العالمگیریۃ (۱۱۱) وفي التجارید ان كان له دار لا يسكنها وعبد لا يستخدمه فعليه ان يبيعه ويحج به وفيه ايضا بعد اسطر:
 وان كان صاحب ضيعة ان كان له من الضياع ما لوباع مقدار ما يكفي الزاد والراحلة ذاهباً وجائياً ونفقة عياله واولاده يبقى له من الضيعة قدر ما يعيش بغلة الباقي يفترض عليه الحج والا فلا وفيه ايضاً والعيال من يلزمه نفقته كذا في البحر الرائق.
 کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔
 الجواب صحیح۔

احقر ظفر احمد عفا عنہ، ۳ محرم ۱۴۲۵ھ۔

سوال (۶) میں کاروبار پر اوہ کا کرتا ہوں میرے ذمہ قرضہ بارہ سو روپیہ ہے اور مال دو ہزار کا ہے۔

اولاد ادا قرض کا وعدہ کرے تو مدیون باپ کو حج پر حبانہ تہ ہے

علاوہ مکانات زائد رہائشی کے میری اولاد میرے فریضہ حج کو اس طرح پر منظور کرتی ہے کہ تم حج کو چلے جاؤ ہم قرضہ ادا کر دیں گے کیا اس طرح پر شریعت مجھے اجازت ادا فریضہ کی دے سکتی ہے؟ دعا فرمائیے کہ وقت روانگی تک قرضہ ادا ہو جائے۔

میری زوجہ عمر رسیدہ اور دائم المریض ہے اس کا بھی اصرار ہے کہ مجھے بھی لیکر چلو ورنہ میں اجازت نہیں دیتی اس حال میں کہ خرچ آمد و رفت ایک کا کافی ہے دوسری عورت کا خرچ بہ نسبت مرد کے زیادہ ہوتا ہے پس کیا عورت کی اجازت کا مرد شرعی طور پر ادا فریضہ حج کے لئے پابندی؟
الجواب؛ ہاں اس صورت میں سائل کو حج کے لئے چلا جانا چاہئے اور قرضہ خواہوں کا اطمینان کر جائے کہ میری اولاد تمہارے قرض کا انتظام کرے گی اگر اولاد کا وعدہ جی کو لگے۔
 مرد حج کے بارہ میں بیوی کی اجازت کا پابند نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے لئے واپسی تک نفقہ

کا انتظام کر جائے۔ واللہ اعلم۔

۲۵ رجب ۱۳۵۵ھ از تھانہ بھون خالقہ امدادیہ۔

سوال (۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین
اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں یہ لکھ دیا کہ تم اپنے میکہ سے ایک ہفتہ
کے اندر نہ آئی یا میرا زیور نہ بھیجا تو تم پر ایک طلاق ہے چنانچہ وہ ہنوز نہیں آئی۔ اور نہ زیور بھیجا
اور معتبر ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ اس کو خط نہیں ملا تو کیا اس پر ایک طلاق دینے سے طلاق
ہو گئی اور کیا ایک طلاق سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟
کیا موجودہ صورت میں مرد حج کو جاسکتا ہے بغیر رضا مند کئے ہوئے عورت کے اور رضا
کر دے اور مہر نہ دے سکے کیونکہ اس کے پاس صرف اتنا روپیہ ہے کہ حج کر سکے مہر ادا نہیں
کر سکتا اس کی دولت کی بھی ہیں تو کتنا حصہ مہر میں سے اس کو دیا جائے گا۔

الجواب؛

حج کو جانے کے لئے عورت کا راضی کرنا یا اس کا راضی ہونا شرط نہیں ہے۔ اگر حج فرض
ہو ورنہ مہر ادا کر کے جانا ضروری ہے۔ جبکہ نکاح باقی ہو اور مہر موصول ہو بلکہ عورت کو دلچسپی
تک نان و نفقہ دیکر جانا واجب ہے۔ ماں نکاح ٹوٹ چکا ہو اور عورت مہر کا مطالبہ کرے
تو حج سے دین مہر ادا کرنا مقدم ہے۔ اور تفصیل اس وقت ہے جبکہ دین مہر کو دوسرے
قرضوں کی برابر نہ سمجھا جائے بلکہ اس کی طرف سے بے التفاتی ہو جیسا کہ عام اہل ہند کی یہی حالت
ہے تو ایسا دین مہر و وجوب زکوٰۃ و حج کے منافی نہیں الا بوقت طلاق اور مطالبہ زن، اور جو
شخص دین مہر کو بھی دیون الناس کی طرح سمجھتا ہو اور اس کی ادا کی فکر میں ہو اور حسب ہمت
قلیل و کثیر ادا کرتا ہو اس پر حج اس وقت تک فرض نہ ہوگا جب تک دین مہر ادا نہ ہو جائے یا
اتنی رقم اس کے پاس جمع ہو جائے جو ادائے دین مہر کے بعد مصارف حج و نفقہ اہل و عیال کو
تا دلچسپی کافی ہو۔ واللہ اعلم۔ ۱۹ رمضان شریف۔

سوال (۸) ایک عورت حج کو جانا چاہتی ہے مگر کوئی اس کا
محرم نہیں ہے شوہر اور سب محرم مرگئے صرف اکیلی عورت ہے،
اور ایک لڑکالے پالک ہے لڑکے کا سن ۱۵ برس کا ہے عورت کی عمر بھی ۵۰ برس کی ہے عورت
پر حج فرض بھی ہے کیونکہ خدانے حج بھر کا روپیہ بھی دیا ہے پالے ہوئے لڑکے کے ساتھ حج کو جاسکتی

کرنا جائز نہیں اور اگر حج کے وقت میں کسی سال کے اندر رقم جمع نہ تھی بلکہ اس سال رقم وقت حج کے بعد جمع ہوئی ہے یا ہمیشہ حج کے وقت سے پہلے جمع ہوئی اور وقت سے پہلے ہی صرف ہو جاتی تھی تو اس صورت میں اس رقم کو مکان میں لگا دینا جائز ہے قال فی الغنیۃ ومن لا مسکن له ولا خادم وهو محتاج الیہما وله مال یکفیه لقوت عیالہ من ذہابہ الی ایابہ وله مال یدلغہ فلیس له صرفہ الیہما ان حضر وقت خروج اہل بلدہ بخلاف من له مسکن یسکنہ وخادم یخدمہ لایلزمہ بیعہما لانہ لا یتضر بہ ترک شراء المسکن والخادم بخلاف بیع المسکن والخادم فانہ یتضر بہ لباب وغیرہ وفيہ ایضاً فان ملک المال قبل الوقت فله صرفہ حیث شاء لکن ان صرفہ علی قصد الحیلۃ لاسقاط الحج یکرا عند محمد ولا یاس بہ عند ابی یوسف وان ملکہ فی الوقت فلیس له صرفہ الی غیر الحج علی القول بالفور فلو صرفہ لایسقط عنہ الوجوب علی القولین وان ملک فی الوقت لایقدر علی اداء الحج قال الفارسی فی منسکہ و الاظہر انہ لایجب وعلیہ الفتویٰ کبیر اھم و فیہ ایضاً علی الفور فی اول سنی الوجوب وهو اول سنی الامکان علی القول الاصح عندنا وهو قول ابی یوسف واصم الراہتین عن ابی حنیفۃ فیکدم علی الحوائج الاصلیۃ کمسکنہ وخادمہ والتزوج الی ان قال فان اخرہ الی العام الثانی بلا عذر (ای معتبر شرعاً وليس المسکن منہ) یاثم لترك الواجب فقط۔

۱۹ جمادی الثانی ۴۷ھ

ادامع سے قبل زیارت سوال (۱۰) سفر حرمین شریفین کے وقت حاجی لوگ ایک توج میں روضہ اقدس کا حکم آگے یعنی پہلے حج سے مدینہ منورہ کی زیارت کر کے پیچھے حج کر کے وطن واپس جاتے ہیں اور ایک حاجی تو اول حج ادا کر کے پیچھے مدینہ شریف کی زیارت کو جلتا ہے اس میں سوال کا مطلب یہ ہے کہ حج سے پہلے مدینہ طیبہ یا حج سے پیچھے مدینہ عالی کے جانے میں کچھ فرق ہو یا نہ یا ایک سی بات ہے سو اس کی حقیقت سے مطلع فرماویں ؟

الجواب ؛ جس نے ابھی تک حج فرض ادا نہ کیا ہو اس کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ پہلے حج کرے پھر مدینہ جائے اور جس نے حج فرض ادا کر لیا ہو اس کے لئے دونوں صورتیں برابر ہیں جبکہ

راستہ میں مدینہ واقع نہ ہو ورنہ زیارت ہی پہلے کرنا چاہئے و وجہ الاول کون الفرض اہم
واقدم قال فی الغنیۃ ویبدأ بالحج لو فرضاً فهو الاحسن فلو بدأ بالزیارۃ
جاز و یغیر لو نفلاً ما لم یمس بہ فیدأ بنیارتہ لامحالة لان تسکھا
مع قربھا یعد من المساوۃ والشقاۃ اھ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

۲۴ جادی الثانیہ ۱۳۷۷ھ

سوال (۱۱) مولانا عاشق الہی صاحب نے لکھا ہے ہندو سے
روپیہ قرض لیکر حج کرنا بہتر ہے | قرض لیکر حج کو جانا بہتر ہے اس کی کیا اصل ہے ؟

الجواب : اس کی اصل یہ ہے کہ کفار مخاطب بالفرض نہیں اس لئے ہندو
سے جو قرض لیا جائے گا وہ شبہات سے خالی ہوگا۔ دوسرے اگر حج کو جانے والے کے پاس
مشتبہ رقم ہو تو اس مشتبہ رقم سے حج کرنا بہتر نہیں اس کو چاہئے کہ قرض لیکر حج کو جائے
مگر مسلمان سے قرض لیکر اس کے قرض کو مشتبہ مال سے ادا کرنا اشد ہے اور ہندو کے
قرض کو اس سے ادا کرنا اشد نہیں گوشتدیر ہے ۔

سوال (۱۲) اگر کوئی شخص اپنے ہمراہ خدمت کے واسطے یا
و لیے ہی تبرعاً ایسے شخص کو حج کو لے جائے جس پر فی الحال حج
فرض نہیں تو اس کا وہ فرض جو آئندہ ہونے والا ہے ادا ہوگا
جس شخص پر حج فرض نہ ہو اور کسی
نے تبرعاً حج کر دیا تو اس کا فرض
حج ادا ہو جائے گا یا نہیں

گایا نہیں۔ اور نیز شخص مذکور کو یہیں اس قدر روپیہ دیکر قبضہ کر دیا جائے جس سے فرضیت
عائد ہو جائے تو بھی فرض ادا ہو جائے گا یا نہیں ؟

الجواب : ہاں دونوں صورتوں میں اس شخص کے ذمہ سے حج فرض ادا ہو جائے گا
سوال (۱۳) ایک شخص قوم حجام کا حج کو جاتا ہے اگر وہ آنے
اختیار کر سکتا ہے یا مکروہ ہے | جانے کے راستہ میں یا مکہ میں رہ کر اپنے پیشہ کو اختیار کر کے کمالے
تو اس کے حج میں کسی قسم کی کراہت وغیرہ کا سقم عارض ہوگا یا نہیں، یا اولویت کے خلاف
ہوگا یا نہیں ؟ فقط ۔ یتینوا تو جروا ۔

الجواب : جائز ہے ۔ رہا یہ کہ ثواب تو کم نہ ہوگا تو اگر اصل مقصود کمائی ہے تو
بیشک ثواب کم ہو جائے گا اور اگر اصل مقصود حج ہے اور کمائی تابع ہے تو ثواب کم نہ ہوگا،
مگر شبہ عدم اخلاص کا ہے۔ اور اگر کمائی سے مقصود سفر حج کی سہولت ہے تاکہ وہاں تنگی نہ پیش

آئے تو کچھ شبہ نہیں بے غبار حجاز بلکہ افضل ہے، واللہ اعلم۔ ۱۸ رجب ۱۳۴۷ھ
 بارہویں کی رمی زوال سے | سوال (۱۴) بارہویں کی رمی قبل از زوال ادا ہو جاتی
 پہلے جائز ہے یا نہیں | ہے یا نہیں۔

الجواب؛ نہیں بارہویں کی رمی زوال سے پہلے حجاز نہیں۔
 بارہویں کو بعد مغرب طواف | سوال (۱۵) طواف زیارت بارہویں تاریخ کو بعد مغرب
 زیارت ہو سکتا ہے یا نہیں | ادا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب؛ ادا ہو جائے گا مگر دم واجب ہوگا، طواف زیارت کا وقت واجب
 بارہویں تاریخ کے غروب شمس سے پہلے تک ہے اور وقت صحت و ادا تمام عمر ہے، غنیہ (۹۵)
 حج فرض ہونے کے بعد کسی مصلحت | سوال (۱۶) حضرت مولانا! السلام علیکم

سے اس میں تاخیر جائز نہیں ہے | اس عاجز نے پانچ چھ ماہ ہوئے اس سال حج کرنے کا ارادہ
 کیا تھا چنانچہ اسکے سامان اور انتظام کی کوشش میں رہا ایک مکان کی تعمیر میرے ذمہ تھی اور
 امید تھی کہ ایام حج سے پہلے مکمل ہو جائے گی صورتیں ایسی وقوع میں آئیں کہ کسی طرح بھی عمارت
 مذکور کی تکمیل ایام حج تک ہونی ناممکن ہے مصلحت کہتی ہے کہ اس سال ارادہ ملتوی کر کے آئندہ
 سال اس فریضہ کا انجام دوں کیونکہ حج اب مجھ پر فرض ہے لیکن مصلحت سے مقدم شریعت
 ہے اس لئے جناب سے استفسار کرتا ہوں کہ آیا اس سال حج کا التوار آئندہ سال کے لئے گناہ
 تو نہ ہوگا اور آیا کوئی صورت ایسی ہے کہ اس التوار کی اجازت ہوگی اپنے فہم میں قرآن شریف کی آیت
 ”الحج اشھر معلومات“ سے حج کی نیت اشھر حج سے پہلے معتبر نہ ہونی چاہئے مگر میں اس
 لائق نہیں ہوں کہ اپنے فہم کو معتبر سمجھوں اس لئے جناب کو تکلیف دیتا ہوں کہ مجھے صحیح راہ بتائیں
 الجواب؛ قال فی الغنیۃ عیب (الحج) علی الفور فی اول سنی الوجوب

وهو اول سنی الامکان علی القول الاصح عندنا وهو قول ابی یوسف واصم
 الراستین عن ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہما فیقدم علی الحوائج الاصلیۃ
 کمسکنہ وخادمہ والتزوج وان لم یجب بھا کما سیأتی اھ (ص) وقال
 محمد والشافعی فرض علی التراخی وفیہ ایضا ومن لا مسکن لہ ولا خادم
 وهو محتاج الیہما دلہ مال یکفیہ لقوت عیالہ من وقت ذہابہ
 الی حین ایا بہ ولہ مال یتلغہ فلیس لہ صفہ الیہما ان حضرا وقت

خروج اہل بلد کا (ص) صورت مسئلہ میں آپ پر اسی سال حج کرنا واجب ہے، مصلحت مکان کا انتظام کر دیا جائے یا تعمیر کو درمیان میں روک دیا جائے۔ الحج اشہر معلومات کا مطلب یہ ہے کہ اشہر حج سے پہلے حج کا احرام نہ باندھا جائے یہ مطلب نہیں کہ ان مہینوں میں نیت کی جائے تو حج واجب ہو گا ورنہ نہیں وجوب حج کا مدار نیت پر نہیں ہے بلکہ وقت حج میں وجود زاد و راحلہ و استطاعت پر ہے جس شخص کے پاس ہندوستان میں مثلاً شوال کے مہینہ میں آمد و رفت سفر حج کا کرایہ وغیرہ اور اہل و عیال کا نفقہ واپسی تک موجود ہو اور دین و حوائج اصلیہ سے فاضل ہو اس پر اس سال حج فرض ہو جائے گا خواہ نیت کرے یا نہ کرے۔ واللہ اعلم۔ ۲۷ رمضان ۱۴۲۸ھ

سوال (۱۷) جنگ یورپ کے زمانہ میں ایک شخص کے پاس اتنی رقم تھی کہ وہ حج ادا کرے لیکن علماء کرام کے ارشاد پر کہ راستہ کی حالت از حد مخدوش ہے وہ حج ادا نہ کر سکا اور اسی حالت جنگ میں وہ رقم اس کے پاس سے صرف ہو گئی اب گزارش ہے کہ اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: محض علماء کا کہنا کافی نہ تھا کیونکہ راستہ کا مخدوش ہونا یا نہ ہونا علمی مسئلہ تھوڑا ہی ہے بلکہ یہ تو تحقیق اخبار سے متعلق تھا پس اگر تحقیق سے اس وقت ہی ثابت ہوا تھا کہ راستہ مخدوش ہے جب تو سائل کے ذمہ اب حج فرض نہیں اور اگر تحقیق نہیں کی تو اس کے ذمہ حج فرض ہے رقم جمع کر کے حج ادا کرنے کی کوشش کرے اور یہ جواب اس صورت میں ہے جبکہ کسی سال ماہ شوال یا ذیقعدہ میں اس کے پاس بقدر حج کے رقم فاضل عن الحوائج الضروریہ جمع رہی ہو اور اگر ان مہینوں میں کبھی رقم جمع نہیں رہی تو سوال دوبارہ کیا جاوے۔ فقط

۲ ذیقعدہ ۱۴۲۸ھ

سوال (۱۸) گزارش یہ ہے کہ جس روپیہ میں زکوٰۃ نہ نکالی جاوے اس روپیہ سے حج کرنا جواز و عدم جواز سے مفصل مطلع فرمایا جاوے۔ اور قرض لیکر جانا ہے یا نہیں حج ہو جائے گا یا نہیں یعنی کچھ روپیہ تو اس کے پاس ہے جو حج کو جاتا ہے اور کچھ روپیہ قرض لیکر جاتا ہے، اس کا بالغ لڑکا ہے وہ قرض ادا کر دے گا تو اس روپیہ سے حج ادا ہو گا یا نہیں اور اگر وہ بالغ

لوکا کہے کہ میں خود تنگدست ہوں بال بچوں کو کیا کھلاؤں گا میں قرض نہ دوں گا تو اس کا کیا حکم ہے جو والد کا کہنا نہیں مانتا۔

الجواب : جس روپیہ سے زکوٰۃ نہیں نکالی گئی اس سے اگر حج کیا جائے تو حج تو جائز ہو جائے گا مگر زکوٰۃ کی تاخیر کا گناہ بھی رہے گا اس لئے بہتر یہ ہے کہ اول زکوٰۃ ادا کی جائے اس کے بعد جو رقم بچے اس سے حج کیا جائے اگر وہ رقم کافی نہ ہو تو قرض لیکر حج کرنا اس شرط سے جائز ہے کہ ادار قرض کے واسطے کچھ سرمایہ پیچھے چھوڑ جائے مثلاً جائداد و مکانات وغیرہ۔ اگر سرمایہ کچھ نہ ہو تو قرض لیکر اولاد کے ذمہ ڈالنا جائز نہیں اور جو لڑکا قرض کے ادا کرنے سے انکار کرتا ہے اس کا کچھ قصور نہیں اولاد کے ذمہ ماں باپ کی اطاعت و خدمت لازم ہے قرض ادا کرنا ان کے ذمہ نہیں۔ فقط۔ ۲۹ ربيع الثاني ۱۴۲۸ھ

سوال (۱۹) زید نے رمی جمرات ثلاثہ بارہ تاریخ کی بکر اور بدون عذر رمی میں نیابت کا حکم یا ہندہ یا چند عورتوں کی طرف سے بحالت صحت و کالہ کر لی اور رمی قبل زوال ہوئی۔ آیا یہ رمی صحیح ہوئی یا نہیں در صورت عدم صحت دم وغیرہ اس پر واجب ہے یا کیا۔ اگر واجب ہے تو یہاں دس مکتا ہے یا دہیں کسی سے کو دیا جائے؟

الجواب : بارہ تاریخ کو زوال سے قبل رمی کرنا صحیح نہیں ہے اور رمی میں بدون عذر نیابت بھی جائز نہیں ہے۔ اس لئے نہ خود زید کی رمی صحیح ہوئی اور نہ بکر و ہندہ وغیرہ کی اور سب پر دم واجب ہے اس لئے ہر ایک کی طرف سے ایک ایک بکری حرم میں ذبح کرائی جائے یہاں ذبح کرنا کافی نہیں ہے۔ قال فی غنیۃ الناسک واما وقت الجواز فی الیوم الثانی والثالث من ایام النحر فمن الزوال الی طلوع الفجر من الغد فلا يجوز قبل الزوال فی ظاہر الروایۃ وعلیہ الجمهور من اصحاب المتون والشروح والفتاوی قال فی الفیض وهو الصواب (مک) وفی (مک) السادس ان یرمی بنفسه فلا يجوز النيابة فیہ عند القدرة ویجوز عند العذر وفی مک ۱۲۹ ولو ترک رمی الجمار الثلاث فی یوم واحد او یومین او فی الایام کلھا فعلیہ دم واحد لا تحاد الجنس اه وفی مک ۱۲۸ وحيث ما اطلق الدم فالمراد الشاة وتجنئ فی کل موضع الا اذا جامع بعد الوقوف بعرفة او طاف للزيارة جنباً او عائلاً او نفساء ففيهما تجب بدنة اه وفی مک ۱۳۰ الثامن ذبحة فی الحرم فلو ذبح

فی غیرہ لا یجزیہ عن الذبح۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۲۲ جمادی الاخری ۱۳۵۵ھ۔

سوال (۲۰) بچہ کوچ کے لئے بھانا مناسب نہیں کیونکہ اس پر بیت اللہ شریف دیکھنے سے فرض ہو جائیگا اور اگر وہ بڑھکر مالدار نہ ہو اور اس پر حج فرض ہو جائے

مرگیا تو گنہگار مرے گا بوجہ متعلق ہوجانے فرضیت حج کے بسبب دیکھنے بیت اللہ شریف کے۔

الجواب؛ بچہ اگر حج کر کے چلا آوے تو بالغ ہونے کے بعد اس پر حج فرض نہیں

ہوتا۔ ہاں اگر بلوغ کے بعد مالدار بھی ہو جائے تو فرض ہوگا بوجہ مالدار کی نہ بوجہ اس

زیارت سابقہ کے۔ فقط۔ احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۱ شوال ۱۳۵۸ھ۔

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۱۲ شوال ۱۳۵۸ھ۔

سوال (۲۱) میری عمر اس وقت ۲۹ سال کی ہے اور میں نے ملازمت ختم ہونے کے خوف

سے حج میں تاخیر کرنا ابھی تک فرض حج بھی ادا نہیں کیا ہے وجہ یہ ہے کہ اب تک کا زمانہ

میرا مختلف پریشانیوں میں کٹا ہے مثلاً والد صاحب کا انتقال ہوا اور گھر بار سب میرے سر پر

اور اپنی تعلیم کی فکر تھی۔ وہ الگ اب وقت یہ ہے کہ میری ملازمت ایک سرکاری یعنی انگریزی

دفتر میں ابھی تک غیر مستقل ہے اور غیر مستقل ہونے کی وجہ سے میرے حکام کو بالکل اختیار

ہے کہ چاہے جس روز اور جس وقت مجھے (خواہ کوئی قصور ہو یا نہ ہو) درخواست کر دیں چونکہ حج

کے واسطے مجھے طویل رخصت کی درخواست دینا ہوگی لہذا بجائے رخصت کی درخواست منظور

کرنے کے مجھے غالب اندیشہ ہے کہ وہ یہی حکم دیں گے کہ جاتیے ہم نے ہمیشہ کے واسطے آپ کی

برخواست کر دیا۔ دوم میں ایک سادہ لوح اور ناتجربہ کار سا آدمی ہوں، لہذا اس انتظار

میں ہوں کہ میرے اعز امیں سے ایک عزیز چند سال کے بعد حج کو جانوالے ہیں انشاء اللہ

ان کے ہمراہ میں بھی جاؤں گا اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ جو میں اب تک فرض حج کو ادا کرنے نہیں

کیا اور ابھی چند سال تک بوجہ مندرجہ بالا مجبور یوں کے میرا جانا ملتوی رہے گا تو میں از

روئے شرع شریف تو گنہگار نہ ہوں گا؟

الجواب؛ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

تاخیر حج بلا عذر سے گناہ ہوتا ہے اور جو تاخیر بجز اس سے گناہ نہیں ہوتا۔

یہ قواعد کلیہ ہے۔ اب رہا یہ کہ جو عذر آپ نے بیان کیا ہے وہ عذر ہے یا نہیں مجھے

اس میں تردد ہے دیگر علماء سے رجوع کیا جاوے۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ ۱۴ شوال ۱۳۸۸ھ

حضرت حکیم الامتہ سے دریافت کیا تو فرمایا کہ میرے نزدیک پریشانی روزگار عذر ہے، حکماہ عنہ المولوی عبدالکریم سلمہ۔

سوال (۲۲) علیٰ شخصے است دو لتمدن نزد او زمینات جس کی ملک میں وسیع زرعی زمینیں ہوں مگر نقد روپیہ نہ ہو تو ہندو سے سود پر پڑے لیکر اس کو حج کرنا جائز ہے یا نہیں اور اس سودی معاملہ سے روکنے کا یہ کیا نہیں خواہم نمود پس زید فتویٰ می دید کہ آن کس را گرفتن قرض بر سود جائز نیست و ازین عقد ناجائز آن مال مستقرض ہم حرام گشت پس حج کردن آن را ازین مال حرام جائز نیست و عمر فتویٰ می دید کہ این مال حرام نیست چرا کہ زیادتی ربوا حرام است و حرمت عقد ازین مال مستقرض اثر نمی کند پس حج کردن آن شخص ازین مال جائز است کہ ازین عقد ناجائز آن مال مستقرض حرام می شود یا نہ ؟

۲ ثانیاً در صورت مذکورہ کہ نزد آن شخص نقدیات موجود نہ اند و براوج اسلام ہم فرض است و ایام حج بر سر آمدہ اند اگر ہمان شخص قدرے از زمینات خود می فروشد پس ایام حج می گذرند و می داند کہ اگر درین سال بمیرم پس مرتکب کبیرہ خواہم شد اکنون درین صورت اگر چند مبالغ بر سود بگیرد بہ سبب ہمیں ضرورت جائز است یا نہ و ہمیں ضرورت شرعی است یا نہ جواب ہر دو سوال بحوالہ کتب مرحمت فرمائید کہ اطمینان قلبی حاصل گردد۔

الجواب: (۱) قول زید کہ گرفتن قرض بر سود جائز نیست صحیح است و اما قول او کہ ازین عقد ناجائز آن مال مستقرض ہم حرام گشت پس حج کردن ازین مال حرام جائز

۱۔ اس فتویٰ کے متعلق خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے مفتی حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ”امداد الاحکام“ کے رجسٹر ۹ کے شروع میں تحریر فرمایا ہے کہ اس میں ”مجھے تردد ہے“ افسوس کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اس مسئلہ میں معلوم نہیں ہو سکی۔ احقر ناکارہ محمد رفیع عثمانی خادم طلبہ و دارالافتاء دارالعلوم کراچی۔ ۲۸ رزی الحجہ ۱۳۹۷ھ

نست الخ صحيح نیست زیرا کہ عقد استقراض بشرط فاسد فاسد نمی شود قال فی الدر
القرض بالشروط حرام والشروط لغو ۲۶۶ ھ ، بلکہ شرط فاسد خود لغوی گردد پس مال
مستقرض حرام نہ گشت بلکہ شرط ربوا باطل گردید۔ و چون مال ربوا بمال او مخلوط نگردد
بلکہ بمال مقرض مخلوط شدہ لہذا مال مستقرض حلال باشد و حج ادا کردن با وہم صحیح باشد
اگرچہ گناہ عقد ربوا و دادن ربوا ہم بذمہ او باشد۔

(۲) تا وقتیکہ زمین مذکور فروخت شود و نزد مرد رقم نقد بوقت خروج حجاج بدست
نیاید بروج فرض نیست پس بدین ضرورت کہ امسال حج ادا کردہ شود قرض بر سود گرفتن جائز
نباشد واللہ تعالی اعلم۔

۱۵ ذیقعدہ ۱۲۹ ھ

اشہرج میں عمرو کے بعد حج سوال (۲۳) معلم الحجاج ص ۲۳۵ پر ہے جس پر حج فرض ہے اگر وہ
سے قبل مدینہ جانا جائز ہے مکہ میں حج کے مہینوں سے پہلے آجائے تو حج کے مہینے شروع ہونے سے
پہلے اس کو مدینہ جانا جائز ہے اور حج کے مہینے شروع ہونے کے بعد جانا جائز نہیں ، اس کا
ماخذ غنیہ اور شرح لباب باب زیارت ہے والظاہر ان لہ ان ینا و قبل دخول
اشہر الحج و اما بعد فلا ص ۲ اس سے صریح معلوم ہوا کہ متمتع کو بھی نہ جانا
بہتر ہے۔

الجواب ؛ مصنف معلم الحجاج سے فہم مسئلہ میں سہو ہوا ہے یہاں کلام افضلیت و
غیر افضلیت میں ہے جواز میں کلام نہیں اوپر سے دیکھا جائے قد روی الحسن عن ابی حنیفہ
انہ اذا کان الحج فرضاً فالاحسن للحاج ان یمدأ بالحج ثم ینتہی بالزیارۃ وان
بدأ بالزیارۃ جاز و هو الظاہر اذ یجوز تقدیم النفل علی الفرض اذ لم یخش
القوت بالاجماع ۱۸۲ ھ عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں جبکہ خوف فوت حج نہ ہو فقد ذکرنا شخصی
فی المبسوط عن زید الثقفی رضی اللہ عنہ انہ سأل ابن عباس رضی اللہ عنہما
فقال اتینا عماراً فقصینا ہا ثم زرنا القبر ثم حججنا فقال انتم متمتعون
۱۸۲ ھ واحتج بہ لابی حنیفہ علی ان الخروج من الميقات ليس بالمأم وانما
الأمام ان یصل الی اہلہ ، بہر حال اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اشہرج میں عمرہ کرنے
کے بعد بھی مدینہ جاسکتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

۹ شعبان ۱۲۹ ھ

فصل فی الاحرام وما ہو مخظور فیہ اوباح

احرام میں شکار اور غیر محرم کا حدود
 حرم کے اندر شکار لانے کا حکم اور اس
 کے متعلق غنیہ اور زبدہ کی عبارتوں
 میں تعارض کی تحقیق

سوال (۱) ذیل کے مسئلہ کی تحقیق کی ضرورت ہے اس لئے تحقیق
 کر کے ارقام فرمادیں

زبدۃ الناسک غیر جیبی کے صفحہ ۲۸ میں لکھا ہے کہ جو حل میں احرام باندھے اور اس کی مٹھی میں
 صید ہو تو واجب ہے کہ اس شکار کو چھوڑ دے اس طرح کہ ضائع نہ ہو یا قفص میں رکھے الٹ اور
 کچھ آگے لکھتے ہیں کہ محرم یا حلال جب حرم میں داخل ہوا اور اس کے پاس شکار ہو اگرچہ قفص میں
 ہو تو واجب ہے کہ اس کو چھوڑ دے کہ وہ اب حرم کا شکار ہو گیا الٹ ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ
 حل میں احرام باندھنے کی صورت میں شکار کا اصل چھوڑ دینا واجب نہیں ہے بلکہ کسی پتھر سے
 میں ہو رکھ دینا چاہئے اور حرم میں داخل ہونے کی صورت میں اگرچہ پتھر سے میں ہو اصل
 چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ یہ شکار اب حرم کا ہو گیا اب سوال یہ ہے کہ حل میں حلال نے شکار
 پکڑا پھر جب حرم میں داخل ہوا تو یہ شکار اس کی ملک سے خارج ہوا یا فقط اس کو حرم میں ہلاک
 نہ کرے یعنی مامون رکھے اور پھر حرم سے باہر نکل کر کام میں لاسکتا ہے۔ زبدۃ کی عبارت
 سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی ملک سے بھی خارج ہو گیا اصل حرم کا ہو گیا اور غنیۃ الناسک
 صفحہ ۱۶۱ اور دیگر کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل چھوڑ دینا واجب نہیں۔ یعنی حل و حرم میں
 فرق نہیں ہے ولو ادخل محرم او حلال صید الحل المحرم صار حکمہ حکم صید
 المحرم ومن دخل المحرم بصید فعليه ان يرسله فيه اذا كان في يد الحقيقة
 حتى اذا كان في رحله او في قفصه لا يجب ارساله كذا في الهداية والكفاية
 وغيرهما۔ غنیۃ الناسک صفحہ ۱۵۷ سطر ۷ ولو اخذہ فی الحل وهو
 حلال ثم احرم او دخل به المحرم ملكه ملكا محترما فان كان الصيد في
 يده حقيقة وجب ارساله لكن لا بان يسيبه لان تسيب الدابة حرام لانه
 تضييع للملك بل يطلقه على وجه لا يضيع بان يخلیه فی بیتہ او یودعه عند
 حلال او يرسله فی قفص معه الٹ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اگر حرم میں حل کا شکار

داخل کیا جاوے تو اطارۃ واجب نہیں ہے بلکہ چھوڑ دینا تفسیح مال ہے اور پھرے میں ساتھ لئے رہنا بھی حرم نہیں جانتے اب زبدہ اور غنیہ کی عبارات کا تفسار دفعہ فرما دیں یا ایک کو ترجیح دیں اس بارہ میں شامی کو بھی دیکھنا اس میں شاید لکھا ہے کہ حل میں شکار پکڑ کر باندھنا اور حرم میں محرم و حلال اگر شکار داخل کرے اور شکار پھرے میں ہو یعنی فی ید حکمی ہو تو چھوڑنا واجب نہیں، اور اگر فی ید حقیقی ہو تو حرم میں اصل چھوڑ دینا واجب ہے اور حل میں اصل چھوڑنا واجب نہیں یہ فرق بیان کیا ہے اور غنیہ نے دونوں میں فرق نہیں کیا یہ تعاض بھی دفعہ فرما دیں شامی ۳۳۳ دھی من احرم فی الحل و فی یدہ صید و اما الاولى دھی لو دخل الحرم و فی یدہ صید فالواجب علیہ الارسال بمعنی الاطارۃ لقولہ فی المداۃ۔

الجواب : (اقول وباللہ التوفیق) اخذ صید کی صورتیں چند ہیں ہر ایک کا حکم الگ الگ معلوم کرنا چاہئے (۱) احرام کے بعد شکار پکڑے خواہ حل کا ہی شکار ہو یا حرم کا شکار پکڑے خواہ یہ حلال ہی ہو محرم نہ ہو یہ تو ملک کی میں داخل نہ ہوگا (۲) یہ کہ احرام حل میں باندھنا چاہتا ہے اور احرام سے پہلے اس کے ہاتھ میں حقیقتہً صید حل ہے (۳) حل میں احرام باندھنا چاہتا ہے اور اس کے ہاتھ میں نہیں بلکہ قفص میں صید حل ہے (۴) حرم میں داخل ہوا اور اس کے ہاتھ میں نہیں بلکہ قفص میں صید حل ہے اور قفص اس کے ہاتھ میں ہے یہ چار صورتیں جن میں دو صورتیں اخیر کی محل نزاع ہیں۔ ودلیل الاول ما فی غنیۃ الناسک ولو اخذ الصید فی الحل وهو محرم او فی الحرم وهو حلال لم یملکہ ووجب ارسالہ سواء کان فی یدہ او فی قفص معہ او فی بیتہ اھ (ص ۱۵۶) اور صورت ثانیہ کا حکم ہے کہ یہ شکار محرم کی ملک ہے اور اس کے ذمہ اس کا چھوڑ دینا واجب ہے مگر اس طرح کہ ضائع نہ ہو مثلاً گھر میں بند کر کے چھوڑ دے یا کسی حلال خارج حرم کے پاس امانت رکھ دے یا قفص میں چھوڑ دے قال فی اللباب و شرحہ و لو اخذ صیداً فی الحل وهو حلال ثم احرم ملکہ اى ملکاً مستمراً حیث لم یخرج بالاحرام من ملکہ ثم ان کان الصید فی یدہ لن ملکہ ارسالہ علی وجه لا یضیع ملکہ اى ان شاء بقاءہ فی ملکہ بان یخلیہ فی بیتہ مغلقاً علیہ فان الاستدائۃ علی اخذ الصید (بیدہ) فی حکم ابتداء صیدہ وان لم یارسلہ حتی مات فی یدہ لن ملکہ الجزاء اھ (ص ۲۰۲) اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اس طرح چھوڑے

کہ جانور ضائع نہ ہو یہ اس وقت واجب ہے جبکہ اس کو اپنی ملک باقی رکھنا چاہیے اور اگر بطور اجبت کے چھوڑ دے کہ جو پکڑے وہی مالک ہے اور اپنی ملک میں باقی نہ رکھنا چاہیے تو یہ بھی جائز ہے قال فی الدرر فی کراہۃ جامع الفتاویٰ شری عصافیر واعتقہا جازا لی ان قال من اخذھا فھی لہ قلت وحینئذ فتقید الاطارة بالاباحة قبل فتامل اھ قال الشامی لکن ظاہر ما قد مناه عن القہستانی من حکایۃ القولین فی تفسیر الارسال ان من فسرہ بالاطارة لم یقید بالاباحة لانہ یقول ان الارسال واجب فلم یکن فی معنی التسیب المحذور و من فسر الارسال بالوردیۃ فکانہ یقول حیث امکنہ رفع التعرض للصيد بها فلا حاجة الی الاطارة المضیعة للملک لاندفاع الضرورة بدونها اھ (۲ ج ۳۶۱) شامی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض روایات پر اطلاق و اطارة مطلقاً جائز ہے اباحت کی قید کی ضرورت نہیں لیکن قواعد سے ترجیح اس کو معلوم ہوتی ہے کہ اگر قوم حاضر کو اباحت کر دے تب تو اطارة جائز ہے اور اگر اباحت نہ کرے تو جب تک ایداع وغیرہ کے ساتھ تفسیع سے احتراز ہو سکے تو ایداع وغیرہ لازم ہے البتہ اگر ایداع وغیرہ بھی نہ ہو سکے اور نہ اس کے سامنے ایسے آدمی حلال موجود ہوں جن کو اباحت کر کے تو پھر اطارة مطلقاً جائز ہے قال فی غنیۃ الناسک فان کان الصيد فی یدہ حقیقۃ وجب رسالہ لکن لا بان یسیبہ لان تسیب الدابة حرام لانہ تفسیع للملک بل یطلقہ علی وجہ لا یضیع بان یخلیہ فی بیتہ او یودعہ عند حلال او یسألہ فی قفص معہ فان لم یتسیر یسیبہ للضرورة لان ارسالہ مامور بہ اھ (ص ۵۵) اور صورتہ ثالثہ کا حکم یہ ہے کہ جب صید ہاتھ میں نہیں بلکہ قفص میں ہے تو صحیح قول میں اس کے ذمہ اس کا چھوڑنا واجب نہیں اور اگر قفص وغیرہ میں مرجائے تو اس کے ذمہ ضمان نہ ہوگا اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ اس وقت بھی ارسال لازم ہے قال فی اللباب و شرحہ وان کان الصيد فی بیتہ و کذا اذا کان فی قفصہ حال احرامہ لا فی یدہ لا یجب ارسالہ حتی لو لم یسألہ فمات لا یضمن ای علی الصمیم وقیل لو کان القفص فی یدہ یجب ارسالہ اھ (ص ۲۰۲) و کذا فی الدرر مع الشامیہ وزاد الشامی وقیل ان کان القفص فی یدہ یلزمہ ارسالہ لکن علی وجہ لا یضیع ہدایۃ

وہوضعیف کما فی النہر قال ح والظاہر ان مثلہ ما اذا کان الحبیل
المشدود فی رقبة الصید فی یدہ اور صورت رابعہ وخامسہ کا حکم یہ ہے کہ شکار تو
ان دونوں صورتوں میں بھی صاحب ید کی ملک ہے۔ لیکن صورت رابعہ میں جبکہ شکار حقیقتہً
اس کے ہاتھ میں ہو حرم میں اس کو چھوڑ دینا واجب ہے۔ اور صورت خامسہ میں جبکہ شکار
کو قفس میں لیکر داخل حرم ہوا اس کا ارسال واجب نہیں قال فی البحر تحت قول
الکنز ومن دخل الحرم بصید ارسلہ ای فعلیہ ان یطلقہ لانہ لما حصل
فی الحرم وجب ترک التعرض لحرمۃ الحرم اذ هو صار من صید الحرم
فاستحق الا من اراد بہ ما اذا دخل وهو ممسک لہ بیدہ الحاجة لانہ
سیصح بانہ اذا احرم و فی بیتہ او فی قفصہ صید لایرسلہ فکذلک
اذا دخل الحرم ومعه صید فی قفصہ لانی یدہ لایرسلہ لانہ لافرق
بینہما فالحاصل ان من احرم و فی یدہ صید حقیقتہً او دخل الحرم
کذلک وجب ارسالہ وان کان فی بیتہ او قفصہ لایجب لرسالہ فیہما
فتنبہ بمسئلۃ دخول الحرم من علی مسئلۃ الحرم وبمسئلۃ الحرم اتیۃ علی مسئلۃ الحرم و
لین المراد من ارسالہ تسلیبہ لان تسلیب الدابة حرام بل یطلقہ
علی وجہ لا یضیح ولا ینخرج عن ملکہ بهذا الارسال حتی لو خرج الی
الحل فلہ ان یمسکہ ولو اخذہ انسان لیتردہ اھ (ص ۴۱ ج ۳)
اس سے معلوم ہوا جو حکم محرم کے ہاتھ میں حقیقتہً شکار کے ہونے کا ہے وہی حکم داخل حرم کے
ہاتھ میں ہونے کا ہے اور جو حکم محرم کے ہاتھ میں حکماً یعنی قفس میں شکار ہونے کا ہے وہی حکم
داخل حرم کے پاس قفس میں شکار کے ہونے کا ہے۔

پس غنیہ کی عبارت تحقیق بحر کے موافق ہے اور حضرت گنگوہی قدس سرہ نے زبدہ میں
جو فرق کیا ہے کہ حرم میں داخل ہونے والے کے ذمہ مطلقاً ارسال کو لازم فرمایا ہے خواہ حقیقتہً
اس کے ہاتھ میں ہو یا قفس میں ہو عبارت بحر اس کی نفی کر رہی ہے اور غالباً مولانا کے اس قول
کا منشا لباب و شرح لباب وغیرہ کا اطلاق ہے لباب میں ہے ولو ادخل محرم او حلال

لہ اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کا منشا وہ روایت ضعیفہ ہے جس کو شامی نے ہدایہ سے نقل کیا (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

صيد الحل الحرم صار حکمہ حکم صید الحرم ای فعلیہ ارسالہ اھ
 اور شرح لباب ہے واما ان دخل الصيد فی الحرم من الحل صار حکمہ حکم
 صید الحرم سواء کان مملوکاً ام لا وسواء دخل بنفسه او ادخله غیره
 حلال او محرم ولا یدخل منه شیء فی الحرم حیاً الا وجب ارسالہ اھ
 (ص ۲۰۶ و ۲۰۷) لیکن جب بحر سے ان اطلاقات کا اُس صورت کے ساتھ مقید ہونا معلوم
 ہو گیا جب صید حقیقتہً داخل کرنے والے کے ہاتھ میں ہو تو اس تصریح کے بعد اطلاق پر حمل
 نہ ہوگا اور شامی نے حاشیہ بحر میں اس مقام پر کچھ کلام نہیں کیا نہ ردالمحتار میں اس کے خلاف کچھ کہا
 البتہ ردالمحتار کی بعض عبارات سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ داخل الحرم کے ذمہ مطلقاً ارسال لازم ہے
 کیونکہ اس میں محرم کے متعلق تفصیل کر کے لکھا ہے وقد علمت مما قد مناه ان هذا
 کله فیما لو اخذ صید اثم احرم اما لو دخل به الحرم فانه یلزمه
 ارسالہ بمعنی اطارتہ وانه لیس له ایداعہ لانه صار من صید الحرم
 اھ (ص ۳۶۱ ج ۲) لیکن ردالمحتار ہی کی دوسری عبارت سے اس حکم کا اُس صورت کے
 ساتھ مقید ہونا معلوم ہوتا ہے جبکہ شکار حقیقتہً ہاتھ میں ہو ونصہ ثم العلم الذی
 یظهر من کلامہ ان هذین القولین (فی تفسیر ارسالہ) فی المسئلة
 الثانية فقط وهی من احرم فی الحل و فی یدہ صید اما الاولى وهی لو
 دخل الحرم و فی یدہ صید فالواجب علیه ارسالہ بمعنی الاطارة (ای
 لا بمعنی الايداع) لقوله فی الهدایة علیه ان یرسله فیہ ای فی الحرم و
 تعلیلہ لہ بانه لما حصل فی الحرم وجب ترک التعرض لہ لحرمة الحرم و
 صار من صید الحرم اھ (ص ۳۶۰ ج ۲) اس میں صاف تصریح ہے کہ داخل الحرم پر

(حاشیہ یقینہ صفحہ گذشتہ سے) ہے کیونکہ وہ روایت محرم کے بارہ میں ہے اگر اس کی وجہ سے دخول حرم کی صورت
 میں ارسال کو مطلقاً واجب کہا جائے گا تو محرم کے مسئلہ میں بھی اطلاق ارسال ماننا پڑے گا۔ حالانکہ
 مولانا محرم اور داخل حرم کے حکم میں فرق کر رہے ہیں۔ ۱۲ منہ

لہ دیویدہ مافی الادب المفرد للبخاری ان الصحابة كانوا یدخلون مکة
 بصید فی اقفاصہا۔

ارسال جب واجب ہے کہ شکار اس کے ہاتھ میں ہو وصرح بہ فی الغر شرح الدرر حیت
 قال حلال دخل الحرم بصید فی یدہ ای یدہ الحقیقۃ الّتی ہی الجارحة
 حتی اذا کان فی رحلہ او قفصہ لا یجب علیہ الارسال ذکرہ تاج الشریعۃ ارسلہ
 ای علیہ ان یرسلہ اھ (ص ۲۵۲ ج ۱) وھذا عین ما صرح بہ صاحب البحر
 واما ما فی التحریر المختار علی قول الدر ولو القفص فی یدہ بدلیل اخذ
 المصحف ائمہ نازع الشیخ محمد طاہر بان قیاس القفص علی الخلاف قیاس
 مع الفارق لان المأمور بہ فی المصحف عدم المس فاذا اخذہ بخلافہ
 لا یكون ما ساء والمأمور بہ فی الصيد عدم التعرض ومن اخذہ بیدہ
 حال کونہ فی القفص فھو متعرض للصيد لامحالة واعتمد ان من دخل
 الحرم حلالاً او حرماً فی یدہ او قفص معہ او فی ید خادم معہ صید الآن
 وجب ارسالہ الصيد بعد دخوله فی الحرم باي وجه کان لانہ صار
 صید الحرم واستند لذلك بكثير من عبارات المؤلفین فانظر اھ (ص ۲۷۷ ج ۱)
 ففیہ اولاً انہ کلام علی الدلیل ولو تم للنزم کون الحرم متعرضاً للصيد
 ایضاً حال کونہ فی القفص فیجب علیہ ارسالہ والمتون قاطبۃ علی خلافہ
 فی مسئلۃ الحرم فان قال الشیخ طاہر بالفرق فی الحرم وفي من دخل الحرم
 فعلیہ البیان وان سوی بينهما فقد مر عن النہر تضعیف القول بوجوب
 الارسال علی الحرم اذا کان الصيد معہ فی القفص مع ان الکلام فی الدلیل
 لا یستلزم الکلام فی المسئلۃ لاحتمال بناءھا علی دلیل آخر فلنا ان نقول
 ان القفص مثل البیت فکما یجوز المشی علی بیت فیہ المصحف لیس ذلك
 کالمشی فوقہ بعینہ فکذلك الصيد فی القفص لیس اخذہ متعرضاً بل
 هو قابض علی بیتہ کما اذا دخل الحرم وفي بیتہ صید۔ ہاں ایک فرق البتہ
 ہے کہ محرم کے ہاتھ میں شکار ہو تو اس کے لئے بعد احرام کے ارسال دونوں طرح جائز ہے خواہ
 بطریق اطارۃ خواہ بطریق ایداع اور داخل حرم کے ہاتھ میں حقیقتہً ہو تو اس کو ایداع جائز
 نہیں بلکہ ارسال بطریق اطارۃ واجب ہے پس غنیہ کا یہ قول ہذا اذا احرم واما اذا
 دخل الحرم فیرسلہ فی قفص معہ فان لم یتیر یسیبہ فی الحرم اھ (ص ۱۵۷)

تحقیق شامی کے خلاف ہے اور قواعد کے بھی خلاف ہے کیونکہ جب وہ ہاتھ میں لیکر داخل حرم ہو تو وہ صید صید حرم ہو گیا جس سے عدم تعرض واجب ہے اور اس کو قفص میں بند کرنا بھی تعرض ہے ہاں اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ دخول حرم سے پہلے اس کو قفص میں بند کر دے اور قفص میں لیکر داخل حرم ہو اور دخل بہ الحرم کو ارادۃ دخول پر محمول کیا جائے تو یہ کلام صحیح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

تنبیہ :- ایک سوال و جواب طویل الذیل مولوی شیر محمد صاحب ساکن گھوٹکی ضلع سکھر ملک سندھ نے یہاں بھیجا جس میں جنایت فی انج کے ایک مسئلہ میں بعض اہل فتاویٰ سے ان کو اختلاف تھا یہاں سے انہوں نے محاکمہ چاہا اس لئے صورت مسئلہ کو منقح کر کے اور طرفین کے دلائل بیان کر کے اخیر میں محاکمہ لکھا جائے گا فقط

تحریر محل النزاع

محل نزاع یہ ہے کہ اگر ایک شخص کو ایک وقت میں دو یا زیادہ اعضاء میں لبس مخیط کی ضرورت لاحق ہو اور نوع ضرورت مختلف ہو مثلاً عمامہ درد سر کی وجہ سے باندھے اور قمیص بوجہ سردی کے پہنے تو اس صورت میں کفارہ مخیرہ واحد ہوگا یا متعدد ایک صاحب اتحاد کفارہ کے قائل ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ تعدد سبب جو فقہاء کے نزدیک موجب تعدد کفارہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تعدد ضرورت و عدم ضرورت کی وجہ سے ہو یا ایک ضرورت زائل ہو جانے کے بعد دوسری ضرورت پیدا ہو اور اگر تعدد ضرورت و عدم ضرورت سے ناشی نہ ہو بلکہ ضرورت ہی سے تعدد ہو گو نوع ضرورت ہر فرد میں جدا ہو تو یہ سب فعل واحد شمار ہوگا اور جزا واحد لازم ہوگی لما فی المناسک فان تعدد السبب كما اذا اضطر الى لبس ثوب فلبس ثوبین فان لبسهما على موضع الضرورة اى بعينها نحو ان يحتاج الى قميص فلبس قميصين او قميصاً وجبة او يحتاج الى قلنسوة فلبسها مع العمامة فعليه كفارة واحدة لان محل الجنایة متحد فلا نظر الى فعل المتعدد ریتخیر فیہا (اسی فی الکفارة) لوقوع اثر الجنایة للضرورة ما صرح به فی المحيط وکذا اذا لبسهما علی موضعین للضرورة بهما فی مجلس واحد بان لبس عمامة وخفاً بعذر

فیہا فعلیہ کفارة واحدة وهی کفارة الضرورة لان اللبس علی وجه واحد فیجب کفارة واحدة وان لیسهما علی موضعین مختلفین موضع الضرورة وغیر الضرورة کما اذا اضطر الی لیس العمامة فلبسها مع قميص مثلاً اولیس قميصاً للضرورة وخفین من غیر ضرورة فعلیہ کفارة واحدة کفارة الضرورة یتخیر فیہا کفارة الاختیار لا یتخیر فیہا ای بل یتحتم الکفارة فیہا اه
الی ان قال ناقلاً عن الکرمانی لان هذا اللبس غیر اللبس الاول ای لاختلاف الوصفین کونهما بعذر وبغیرة فکانا کشیئین متغائرين سواء فی مجلس او مجلسین اه (ص ۱۶۵) ویؤید فیضا ما فی البدائع اذا کان به جرح او قرح اضطر الی مداواته بالطیب انه ما دام باقیاً فعلیہ کفارة واحدة فان تکرر علیہ الداء لان الضرورة باقیة فوق کل علی وجه واحد ولو بدأ ذلك القرح او الجرح وحدث قرح آخر او جراحة اخرى فداواها بالطیب ینضمه کفارة اخرى لان الضرورة قد زالت فوق الثاني علی غیر الوجه الاول ولو جرح له جرح او اصابه قرح وهو یدأویه بالطیب فحرت قرحة اخرى او اصابه جرح آخر والا ول علی حاله لم یبدأ فداوی الثاني فعلیہ کفارة واحدة لان الاول لم یبدأ فالضرورة باقیة فالمداداة الثانية حصلت علی الجهة التي حصلت علیہ الاولى فیکفیہ کفارة واحدة اه (ص ۱۸۸ و ۱۸۹ ج ۲)

اس میں ایک زخم کے اچھا ہونے کے بعد دوسرا زخم یا دمل ہونے کو تو سبب آخر شمار کیا ہے اور ایک زخم یا دمل کے ساتھ دوسرا زخم یا دمل دوسرے موقع پر ہو جائے تو اس کو سبب آخر شمار نہیں کیا بلکہ سب کو جہت واحد میں داخل کیا ہے اور علت یہ بیان کی ہے۔ لان الاول لم یبدأ فالضرورة باقیة اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بقاء عذر اول کے ساتھ دوسرے اعضاء میں عذر کا پیدا ہونا اور اس کی وجہ سے عضو ثانی میں محذور کا ارتکاب کرنا جنابت آخری نہیں بلکہ جنابت اولیٰ ہی میں متداخل ہے لبقاء الضرورة ہاں عضو ثانی میں ارتکاب محذور بلا ضرورت ہو یا بعد زوال ضرورة اولیٰ ہو تو کفارة ثانیہ لازم ہوگا۔ یہ تو ایک فرق کے دلائل تھے دوسرا فرقی صورت مذکورہ میں تعدد کفارة کا قائل ہر

اور وہ مناسک کی اس عبارت سے استدلال کرتے ہیں قد يتعدد الجزاء ای کفارة
الملحظون فی لبس واحد یا مورای خمسة: الاول التكفير بين اللبسين والثاني
تعدد السبب ای بان لبس فی موضعین احد هما العذر والاخر غیر عذر
اول عذر آخر ۱۶۷ (ص ۱۶۷)

فرقی اول کہتا ہے کہ اس عبارت میں اول عذر آخر کا مطلب اول حدوث عذر
آخر بعد زوال الاول ہے نہ یہ کہ وقت واحد میں دو موضع میں الگ الگ عذر ہو تو ہر
عضو میں لبس محیط سے کفارہ متعدد ہو کیونکہ یہ خلاف تصریحات سابقہ ہے اور دلیل اس تاویل
کی یہ ہے کہ صاحب لباب نے جو آگے چل کر کہا ہے والربح حدوث عذر آخر تو شارح
نے اس کی شرح میں کہا ہے قد شمله ما تقدم فتدبیر اور ما تقدم اگر اس کو شامل
ہے تو اس کی یہی صورت ہے کہ سبب ثانی میں اول عذر آخر کو حدوث عذر آخر بعد
زوال اول پر محمول کیا جاوے۔

احقر کہتا ہے کہ میرے نزدیک فرقی اول کے دلائل قوی ہیں اور وہی قول صحیح ہے واللہ
اعلم حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۲۶ رمضان ۱۳۲۲ھ

هذا التحقيق كاف شاف - اشرف علی ۲۷ رمضان ۱۳۲۲ھ

رفض احرام حج سے ایک دم اور سوال (۳) یلیم سے احرام حج کا باندھا پھر جب جدہ میں آیا
ایک حج لازم ہوگا یا دو دم اور دو حج تو احرام توڑ کر کپڑے وغیرہ پہن کر مدینہ طیبہ چلا گیا پھر جب مدینہ
طیبہ سے واپس ہوا تو پھر ذوالحلیفہ سے دوبارہ حج کا احرام باندھا تو آیا اس صورت میں کئے حج اور
کئے دم لازم آتے ہیں یہاں کے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس پر دو حج اور دو دم اور ایک عمرہ
لازم ہوگا دو دم لازم ہونے میں وہ فرماتے ہیں کہ ایک دم تو اس وقت لازم ہوا جب اس نے رفض کر کے
کپڑے پہنے اور دوسرا دم اس وقت لازم ہوا جب دوسرے حج کا احرام باندھ کر اس کے افعال
شروع کئے کیونکہ پہلے رفض کے وقت فقط کپڑے پہننے سے وہ اچھی طرح احرام سے باہر نہیں آیا
تھا اب جب اس ثانی احرام سے حج کے افعال شروع کئے تو اب اس کا رفض مستحق ہوا دوسرا

ع عطف علی قولہ فی موضعین تحت قولہ لبس ومعناه بان لبس فی موضعین اول لبس
لعذر آخر بعد زوال الاول) سواء كان اللبس فی موضع واحد او موضعین ۱۲ ظ

دم لازم ہوا۔ اس میں جو تحقیق ہو اور قام فرمادیں ؟
الجواب ؛ اقول وبالله التوفیق ۔ صورت مسئلہ میں اس شخص پر جس نے جہرہ میں
 رفض احرام حج کیا اور مدینہ چلا گیا اور واپسی میں پھر احرام حج باندھا دو حج اور دو دم لازم نہ آئیں
 گے بلکہ احرام ثانی عین احرام اول ہے کیونکہ اس شخص نے احرام ثانی سے حج آخر کی نیت نہیں کی بلکہ
 اسی حج کی نیت کر رہا ہے جو احرام اول سے اس پر لازم ہوا تھا اس لئے احرام ثانی سے اس پر دم۔
 آخر بھی لازم نہ آئے گا بلکہ صرف ایک دم لازم آئے گا۔ قال فی اللباب مع شرحہ للقاری ۔
 ولو اهل الفائت بحجة اخرى قبل الفراغ من الاولى فان كان ينوي به قضاء
 الفائتة فهي بعينها ولا يلزم بهذا الا هلال شيء اى سوى التي هو
 فيها فيتحل بالطواف والسعي كما لو لم يهل به ونيتة بالثانية لغو
 لا اعتبار لها وعليه قضاء الاولى لا غير لكون الثانية لغوا وان نوى به
 اى باهلاله حجة اخرى يرضها اى الحجة ويحل بافعال العمرة لما
 تقدم مع ما فيه من الخلاف له وعليه قضاء حجتين وعمرة ودم اى عند
 ابى حنيفة خلافا لهما لما تقدم عنهما (۲۲۵) اس عبارت سے صاف ظاہر
 ہے کہ احرام ثانی سے اگر قضاء اولی یا عود الی الاولی کی نیت ہو تو اس سے بالاتفاق حج ثانی لازم
 نہیں آتا۔ بلکہ حج ثانی صرف امام صاحب کے نزدیک جب لازم آتا ہے کہ احرام اول کو باقی سمجھ
 کر اس کے علاوہ حج آخر کی نیت سے احرام باندھے۔ اور صورت مسئلہ میں ایسا نہیں ہے کیونکہ

لہ اى بين الشيخين ومحمد فانه اذا اهل محبتين معاً ارجحاً ثم حجة مقترنتين
 لزمه جميع ذلك غير انه يرض احداهما فى المعية والثانية فى التعاقب عند
 وعند محمد يلزمه احداهما فى المعية والاولى فقط فى التعاقب وثم الخلاف
 تظهر فيما اذا جنى قبل السیر والشروع فى الاعمال فعليه دمان عند
 ابى حنيفة للجناية على الاخرين ودم واحد عند محمد لعدم انعقاد احدهما
 وكذا عند ابى يوسف لان الثانى وان انعقد ولكنه ارتفض بلامكت
 كما فرغ من قوله ليك بحجتين كما فى المناسك ايضا (ص ۱۵۸) مؤلف



جاہل جدہ سے رفض احرام کر کے واپسی از مدینہ کے وقت احرام ثانی کی نیت کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ احرام اول رفض سے مرتفق ہو گیا پھر اسی کی قضا کی نیت سے دوسرا احرام باندھتا ہے کما ہو ظاہر پس اس پر دو حج کا لازم کرنا صحیح نہیں بلکہ یہ کہا جائے گا کہ احرام ثانی عین احرام اول ہے۔ رادوم سو ہمارے نزدیک اس پر ایک دم لازم آئے گا قال الشافعی عن اللباب واعلم ان المحرم اذا نوى رفض الاحرام فجعل يصنع ما يصنع الحلال من لبس الثياب والطيب والحلق والجماع وقتل الصيد فانه لا يخرج بذلك من الاحرام وعليه ان يعود كما كان محرمًا ويجب دم واحد لجميع ما ارتكب ولو كل المحظورات وانما يتعد الجزء بتعدد الجنایات اذا لم ينو الرفض جلد ثانی باب الجنایات ص ۲۰ دہلی۔

اور بعض علماء نے جو وجوب دین کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ احرام ثانی سے رفض متحقق ہو گیا لہذا دوسرا دم تحقق رفض کی وجہ سے لازم آئے گا الہم یہ بنا رہا الفاسد علی الفاسد ہے یہاں احرام ثانی سے تحقق رفض ہی نہیں ہوا کما تقدم بلکہ ثانی عین اول ہے۔ دوسرے تحقق رفض سے دم ثانی کا واجب کرنا یہ نہ معلوم کہاں سے لکھا گیا ہے ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ نیت رفض سے ایک دم ہوا اور تحقق رفض سے دم آخر فان قام دلیل صریح و وجہ صحیح فالامر مسلم والا فلا۔ ہاں اگر یہاں تحقق رفض ہو جاتا تو وجوب دین کی یہ علت ہو سکتی تھی کہ ایک دم رفض کی وجہ سے ہر دوسرا جمع بین النسکین کی وجہ سے کما صرح بہ فی اللباب مع شرحہ عن البحر (ص ۱۱) وفيه اختلاف الروايتين كما فصله فيه هذا والله اعلم۔ (سوال ۳۳) احرام میں ازار بدلنا جائز ہے | سوال (۱) زید کو عارضہ قفق کا ہے کلوخ لینے سے مجبور رہتا ہے اور اکثر خون بوا سیر کا کپڑے میں ٹپک جاتا ہے اور وہاں پیشاب کی بعد طہارت کے کپڑے پر گر جاتا ہے جس سے وہ کپڑا ہمیشہ نجس ہو جاتا ہے چنانچہ اس کے دفعیہ و رفع شک کے لئے اس نے ہمیشہ یہ بات اختیار کی ہے کہ نماز کے وقت دوسرا تہمند باندھ کر نماز پڑھتا ہے اور بعد نماز اس تہمند کو اتار کر سابق تہمند پہن لیتا ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب کہ احرام حج کا تہمند باندھ چکا ہو ایسی حالت میں بوقت نماز دوسرے اس تہمند کو باندھ سکتا ہے یا نہیں یعنی تبدیل کر سکتا ہے یا اسی نجس تہمند سے نماز پڑھتا ہے۔

الجواب : احرام میں یہ ضرور نہیں کہ ایک ہی چادر اور ایک ہی لنگی اول سے آخر

تک بدن پر رہے بلکہ چادر اور تنگی کو بدلتے رہنا جائز ہے پس صورت مسئلہ میں ساتل تنگی کو بدل سکتا ہے۔
احرام میں ہیبانی باندھنے کا حکم | سوال (۵) ڈور یا یعنی تھیلے سے ہوئے جو بغرض حفاظت نوٹ

روپیہ وغیرہ کمر میں باندھا جاتا ہے آیا کمر میں باندھ سکتے ہیں یا نہیں علاوہ اس کے فتق کی کمافی جو عموماً
 چمڑہ اور تاگے سے بنی ہوتی ہے حالت احرام میں کمر میں باندھ سکتے ہیں یا کیونکہ عارضہ موجود ہے۔
الجواب ؛ نوٹ اور روپیہ کی حفاظت کے لئے کمرے تھیلی باندھنا اور عارضہ فتق

کی وجہ سے پیٹی باندھنا بھی جائز ہے۔ یہ اس محیط میں داخل نہیں جس کی احرام میں ممانعت
 ہے۔ احرام میں وہ محیط ممنوع ہے جو جسم کی وضع و تراش پر سلا ہوا ہو، فقط۔ ۱۲ شعبان ۱۴۲۵ھ

مخطورات احرام کا ارتکاب بلا عذر | سوال (۶) محرم اگر مخطورات احرام کا ارتکاب
 کرے اور دم و صدقہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو
 بلا عذر عمداً کرے اور دم و صدقہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو
 ہو تو روئے رکھنا کافی ہے یا نہیں تو اس کو دم کے عوض روزہ رکھنا کافی ہے یا نہیں ؟

الجواب ؛ روزہ رکھنا بھی اس حالت میں کافی ہے جب کہ وہ اراقہ دم و ادا صدقہ

سے عاجز ہو وقد ذکر العلامة زين الدين ابن نجيم في البحر والملاحة
 السندی فی منسکہ ان المحرم اذا ارتكب المخطور علی وجه الکمال من غیر
 عذر و ضرورة فعليه الدم ولا یجوز له الصوم عند عجزه عن الدم قلت
 بل المقرر المنصوص علیه فی کثیر من کتب المذهب المعتبرة اجزاء الصوم
 عند العجز عن الدم قال فی الاسرار للشيخ الاجل الامام القاضي ابی زید
 الدبوسی قال علماءنا فی کفارة الحلق واللبس والطيب والقصر اذا وجبت
 عن عذر کان المكفر فيها بالخيار بين النسك والصدقة والصيام و
 اذا وجبت عن عمد وجبت علی ترتیب الهدی اولاً فان لم یجد فالصدقة
 فان لم یجد فالصيام وقال یتخیر المكفر عن الحلق فی الحالین . و یترتب
 علیه الوجوب عن اللبس والطيب فی الحالین انتهى وفي المحيط للبرهانی
 فی نوع اللبس من الفصل الخامس وان لبس ما لا یحل لبسه من غیر

عہ نقل لنا هذه العبارات الفقهية صدیقنا المولوی شیر محمد السندی عن
 رسالة المخدم هاشم السندی فی المناسک فجزاه الله خیر الجزاء . ۱۲ ظفر

ضرورة اراق لذلك دماً وان لم يجد صام ثلاثة ايام ثم ذكر عبده في نوع
 الحلق في الاصل حلق المحرم رأسه بغير عذر اراق دماً وان لم يجد صام
 ثلاثة ايام وان فعل ذلك بعذر يتخير بين الكفارات الثلاثة على ما مر انتهى
 وذكر في الذخيرة أيضاً مثل ما ذكر في نوع اللبس وذكر في الظهيرية ومنسك
 الفارسي مثله وفي المبتغى ولبس ما لا يحل لبسه بغير ضرورة يلزمه دم و
 بفقد الصوم ثلاثة ايام انتهى . فهذه نصوص صريحة في اجزاء الصوم عند
 العجز عن الدم واما تضعيف ابن نجيم كلام الظهيرية بما نقله عن الامام
 الاسيحي جالي فليس بصحيح اذ ليس في كلامه صريحاً يخالفه ما في الظهيرية
 بل هو موافق لها على ما بينه قال الاسيحي جالي في شرح المختصر للطحاوي
 في باب ما يجتنبه المحرم فان لبس المخيط يوماً كاملاً من غير ضرورة
 فعليه لذلك دم لا يجزئ عنه غيره الى ان قال وان فعل ذلك لعلة او ضرورة
 فعليه اى الكفارات شاء ذكر مثله في الحلق ايضاً . فنقول مثل هذه
 العبارات موجودة في غيرها كالكا في الحاكم الشهيد والمبسوط للسرخسي
 وغاية البيان شرح الهداية والبدائع والتجريد لابي الفضل الكرمانلي
 حيث قالوا وما اذا فعل ذلك من غير ضرورة يتعين فيه الدم ولا يجزئ عنه الصوم
 انتهى . فنقول الاسيحي جالي وغيره فعليه لذلك دم لا يجزئ عنه غيره كلام مطلق
 قابل للتقييد بما اذا كان قادراً وما في الظهيرية والاسرار والمحيط وغيرها
 سريح في موازاسم عند العجز وقد تقر في كتب الاصول ان المطلق يجعل على المقيد
 في الادلة فيما اذا اتحد الحكم والحادثة فكيف في الشرايات وما يدل
 ايضاً على ان الكلام للامام الاسيحي جالي ومن وافقه في الاطلاق محمول
 على ما اذا كان قادراً انهم قالوا واذا فعل ذلك بعذر فعليه اى
 الكفارات الثلاث شاء ولا شبهة في ان التخيير بين الكفارات الثلاثة
 انما يتصور من الغنى القادر اما الفقير العاجز فيتعين في حقه الصوم لانه
 لا قدرة له على غيره وجهد المقل دموه فان قلت قدمت عن الاسرار
 ان الكفارات اذا وجبت عن عمد وجبت على ترتيب الهدى ثم الصدقة

ثم الصيام والذي تقدم عن المحيط والظهيرية وغيرها وجوب الدم (ولا
 فان لم يجد فصيام ولم يذكر والصدقة فكيف التوفيق بين الكلامين
 قلت: الظاهر ان الغالب ان من لم يجد الدم لا يجد الصدقة فقالوا
 بجواز الصوم عند عدم الدم بناء على الغالب والذي في الاسرار بناء
 على الامكان وحقيقة الامر فلا تدافع اه نقلتها من رسالة السيد
 محمد امين بن حسن ميرغني الحسيني المكي الحنفي من عينه . قاله
 المخدوم هاشم السندى الفقيه في بياضه وهو من معاصري العلامة ابن عابدين
 الشامي وله باع طويل ونظر واسع في الفقه هذا وقال العلامة ابن
 عابدين في حاشية البحر على قوله وبهذا اظهر ضعف ما قد مناه
 عن الظهيرية من انه ان لم يقدر على الدم صام ثلاثة ايام ولم
 اره لغيرها اه مانصه وفي حاشية المدني بعد ذكر كلام المؤلف و
 نقل المنلا رحمة الله في منسكه الكبير نحوه ونقل عن الفارسي والبحر
 العميق نحو ما ذكره في الظهيرية على وجه الاعتراض عليهما قال
 شيخنا مولانا السيد محمد امين ميرغني بعد نقل عبارتهما في رسالة
 له قلت بل المقر المنصوص عليه في كثير من كتب المذهب المعتبرة
 اجزاء الصوم عند العجز عن الدم كما نعليه عليك وسر الاقوال
 الموبدة لكلامه فراجعها ان شئت اه (ص ۳۱) ۷ شوال ۱۳۶۸
 عورت حالت احرام میں | سوال (۷) عورت حالت احرام میں چہرہ کس چیز سے ڈھانی ہے
 چہرہ کس چیز سے ڈھانی ہے | بہتی میں جو کھجور کا پنکھا چہرہ ڈھانپنے کے لئے فروخت ہوتا ہے اس
 کو مولانا موصوف نے ناکافی لکھا ہے ۔

الجواب : ہاں وہ پنکھا تو ناکافی ہے بہتر صورت یہ ہے کہ چھپے دار ٹوپی سر پر رکھ کر
 اوپر سے برقعہ اوڑھ لے اس صورت میں چہرہ پر کپڑا نہ پڑے گا ۔
 بحالت احرام عورت کو | سوال (۸) سفر حج کے زمانہ میں عورت کو جہاز پر چڑھنے اترنے کی
 مردانہ جوتا پہننا کیسا ہے | حالت میں اس اندیشہ سے کہ زنا نہ جوتا ازدحام کی وجہ سے کسی کے پیر سے
 دب کر عورت گر جائے گی مردانہ جوتا پہننا جائز ہے یا نہیں ہے

الجواب :- یہ اندیشہ محض دہم ہے ہزار ہا مستودات زنانه ہوتا ہیں کہ حج کر چکی ہیں ۔
کئی بھی نہیں گری ۔

سوال (۹) زید با ارادہ حج جا رہا ہے اور قصداً اس کا یہ ہے کہ میں اول
جدہ سے مدینہ شریف جاؤں تو اس حالت میں اس کو میقات یلملم پر احرام باندھنا
میقات سے مکہ جانیکا ارادہ نہ ہو تو میقات سے احرام باندھنا ضروری نہیں
لازم ہو گا یا نہیں ؟

الجواب : نہیں ۔ میقات سے احرام باندھنا جب واجب ہے کہ میقات سے مکہ جانیکا ارادہ ہو ۔
عمر عینک لگا سکتا ہے یا نہیں ؟ سوال (۱۰) محرم چشمہ لگا سکتا ہے یا نہیں ؟
الجواب : لگا سکتا ہے ۔

فصل فی القرآن والتمتع

سوال (۱) بخدمت جناب مولانا اسحاق مولوی محمد ظفر احمد صاحب سلمہ
اللہ تعالیٰ ۔ اب ذیل مسئلہ کثرت الوقوع در پیش ہے ان کو اچھی طرح واضح
کر کے ارقام فرمادیں تو درج کیا جاوے ۔ مسئلہ آفاقی اپنے وطن ہر
اس سال کے حج کرنے کی غرض سے اشہر الحج میں نکلا اور وطن سے چلتے وقت
یا میقات سے یہ قصد کیا کہ حد حرم سے باہر یا ہر مثلاً جدہ سے رابغ یا نبورع سے ہوتے ہوئے پہلے مدینہ
طیبہ کی زیارۃ سے مشرف ہو کر بعد میں آکر حج کریں گے اس لئے میقات سے احرام نہ باندھا پس جب
حل میں پہنچا جیسے جدہ میں آیا تو وہاں سے مدینہ طیبہ کا راستہ بند ہو گیا اس لئے مکہ مکرمہ کو جانا پڑا ۔
اب جدہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ میں عمرہ بجالایا گیا پھر مدینہ چلا گیا اب جو مدینہ سے واپسی ہوگی تو یہ
شخص ذوالکلیفہ سے قرآن کر سکتا ہے یا نہ کیونکہ جب یہ جدہ یعنی حل سے اشہر حج میں عمرہ کا احرام
باندھ کر آیا تو یہ حلی کے حکم میں ہے گویا اب یہ سکی ہے اب اشہر حج میں باہر میقات سے گیا تو اب وہ
قرآن نہیں کر سکتا اگر کرے گا تو دم اسارت لازم ہوگا ۔ اور اگر وہاں سے فقط حج کرے تو متمتع بھی ہوگا
کیونکہ عمرہ اس کا آفاقی نہیں ہے اور وہاں سے پھر متمتع کرے یعنی عمرہ کا احرام باندھے تو بھی متمتع ہے
کیونکہ مکہ کے حکم میں ہے اس مسئلہ کو میں تو یہی سمجھا ہوں مناسک متوسط اور غنیۃ الناسک میں قواعد
ہیں یہ مسئلہ تو غنیۃ الناسک میں صریح ہے کہ جو حاجی آفاقی اشہر الحج میں آکر عمرہ بجالا دے پھر مدینہ طیبہ
کو گیا اور وہاں سے قرآن کر کے آوے تو دم اسارت لازم ہے سابق صورت بھی ایسی ہی ہے تحقیق

سے جواب عنایت ہوا کثر حاجی ایسا کرتے ہیں۔

الجواب ؛ اقول وبالله التوفیق قال فی شرح اللباب فی باب المواقیف
وان لم یعلم المحاذاة فعلى مرحلتین من مكة كجدة المحر وسته من طرف البحر
اه (ص ۳۰) وفي غنية الناسك فشرائط صحته (رای التمتع) ان يكون من
اهل الآفاق والعبرة للتوطن (ص ۱۱۳) وفيه ايضا ولا يشترط ان يكون احرام
العمرة من الميقات ولا احرام الحج من الحرم بل هو من الواجبات اه وفيه
ايضا الخامس عدم الالمام الصحيح وهو ان يرجع الى اهله بعد العمرة حلالاً
ولو عاد الى غير اهله الى موضع لاهله التمتع والقران اتخذها داراً او لا
توطن لها او لا ثم حج من عامه يكون متمتعاً عند لا عندهما ولو خرج
من الحرم ولم يجاوز الميقات وحج من عامه يكون متمتعاً بالاتفاق اه
ص ۱۱۴ وفيه ايضا وهو متمتع ان حج من عامه وكذا لو خرج الى الآفاق
لحاجة فقرن لا يكون قارناً عند الجحيفة وعليه رفض احد همدان
لا يبطل تمتعه لان الاصل عند ان الخروج في اشهر الحج الى غير اهله
كالاقامة بمكة فكان لم يخرج وقرن من مكة واما عند ما فكا الرجوع
الى اهله فاذا خرج بطل تمتعه ثم اذا قرن من الميقات كان قارناً اه (ص ۱۱۵)
ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں صاحبین کے نزدیک جب شخص مکہ سے مدینہ چلا
گیا اور میقات سے تجاوز کر گیا اب یہ آفاقی ہو گیا اور واپسی میں اس کو قرآن و تمتع دونوں جائز ہیں
کیونکہ خروج الی الآفاق و تجاوز عن الميقات سے تمتع اول باطل ہو گیا اور امام صاحب کے نزدیک
تمتع باطل نہیں ہوا اس لئے اس کو مدینہ سے واپسی میں قرآن و تمتع نہ کرنا چاہئے اور امام صاحب
کے قول پر عمرہ اولیٰ کی وجہ سے تمتع اس طرح صحیح ہو گیا کہ تمتع کے لئے عمرہ کا آفاقیہ ہونا شرط صحت
نہیں بلکہ واجبات سے ہے بدون عمرہ آفاقیہ کے بھی تمتع ہو سکتا ہے گو دم اساعت لازم آئے گا۔
مگر میرے نزدیک صورت مسئلہ میں دم اساعت بھی لازم نہیں کیونکہ آفاقی ہندی کا جہ سے احرام
باندھنا بھی احرام من الميقات ہی ہے کیونکہ میقات اور محاذات میقات کا جہاز میں ہم کو علم نہیں
ہو سکتا سوائے قول کافر پر اعتماد کرنے کے اور وہ معتبر نہیں پس جہاز میں احرام باندھنا صرف
افضل ہے واجب نہیں بلکہ جہ سے احرام واجب ہے اور وہی آفاقی ہندی کی اصل میقات پر

پس عمرہ آفاقیہ ہوا اور دم اسارت لازم نہ ہوا نہ قول امام میں نہ قول صاحبین میں اور اگر قول امام پر اسقاط دم اسارت میں تکلف ہو تو قول صاحبین پر اس کا سقوط ظاہر ہے اور جب ابتلاء عام ہے تو اس مسئلہ میں قول صاحبین پر فتویٰ دینا چاہئے۔ واللہ اعلم۔
۱۳ محرم ۱۳۶۶ھ

فصل فی الوصیۃ باحج واجح عن الغیر

سوال (۱) آج کل رمضان کے بعد چونکہ سمندر میں طغیانی کا موسم ہوتا ہے حج بدل کرنے والے کے لئے تمتع کا حکم اس لئے اکثر حجاج اس کی کوشش کرتے ہیں کہ رمضان میں یا اس سے پہلے حج کے لئے ہندوستان سے روانہ ہو جائیں مگر اس صورت میں حج بدل کرنے والوں کو سخت پریشانی پیش آتی ہے کہ اگر وہ حج کا احرام میقات سے باندھیں تو احرام بہت طویل ہو جاتا ہے جو باعث تکلیف ہے اور اگر تمتع کریں تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ حج بدل والے کو تمتع جائز نہیں امید ہے کہ اس صورت میں حکم شرعی سے مفصل و مدلل اطلاع دی جاوے تاکہ حج بدل والے اس پریشانی و حیرانی سے نجات پائیں۔ والسلام۔

الجواب؛ قال فی الشامیۃ تحت قول الدر (وهو الحيلة لمريد ذلك الا لما مور بالحج للمخالفة) ذكره في البحر بحثاً بقوله وينبغي ان لا يجوز هذه الحيلة للمامور بالحج لانه حينئذ لم يكن سفرة للحج ولانه مامور بحجة افاقية واذا دخل مكة بغير احرام صارت حجته مكية فكان مخالفاً لهذه المسئلة يكثر وقوعها فمن يسافر في البحر الملح وهو مامور بالحج ويكون ذلك في وسط السنة فهل له ان يقصد البندر المعروف بحدة ليدخل مكة بغير احرام حتى لا يطول الاحرام عليه لو احرام بالحج فان المامور ليس له ان يحرم بالعمرة ام اى لانه اذا اعتمر ثم احرام بالحج من مكة يصير مخالفاً في قولهم كما في التارخانية عن المحيط وهل مخالفته لكونه جعل سفرة لغير الحج المامور به او لكونه لم يجعل حجته افاقية وعلى الثاني لو اعتمر او فعل الحيلة بان قصد البندر ثم دخل مكة ثم خرج وقت الحج الى الميقات فاحرام منه لم يكن مخالفاً لان حجته صارت افاقية۔ اما على الاول فهو مخالف ويحتمل ان المخالفة لكل من العلتين كما يفيد اول عبارة

البحر المذكورة فتحقق المخالفة بالعلة الاولى لكن ذكر العلامة القاري في بعض رسائله مسئلة اضطرب فيها فقهاء عصره وهي ان الآفاق المحاج عن الغير اذا جاوز الميقات بلا احرام للحج ثم عاد الى الميقات واحرم هل يصح عن الامر قيل لا وقيل نعم وما هو الى الثاني قال وافتمى به الشيخ قطب الدين وشيخنا سنان الرومي في منسكه والشيخ على المقدسي . قلت وهذا يفيد جواز الحيلة المذكورة له عاد الى الميقات واحرم . والجواب عن قوله لان سفره حينئذ لم يكن للحج انه اذا قصد البندى عند المجاوزة ليقیم به اياماً لم يبع او شراؤه مثلاً ثم يدخل مكة لم يخرج عن ان يكون سفره للحج كما لو قصد مكاناً اخر في طريقة ثم النقلة عنه والله تعالى اعلم فافهم منه

اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوتیں (۱) مامور باحج کو میقات سے بلا احرام تجاوز کرنا یا احرام عمرہ باندھ کر جانا اس وجہ سے ممنوع ہے کہ اس صورت میں مخالفت امر لازم آتی ہے (۲) وجہ مخالفت دو ہیں ایک یہ کہ اس صورت میں یہ سفر حج کے لئے نہ ہوا جس کا وہ مامور ہے . دوسرے یہ کہ اس صورت میں حج میقاتی نہ ہوگا جس کا وہ مامور ہے . پہلے اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اشار سفر میں کسی جگہ چند روز کے لئے قیام کرنا جبکہ وہاں سے مکہ ہی کا طے کی نیت ہے قاطع سفر نہیں بلکہ یہ تمام سفر حج ہی کے لئے شمار ہوگا . دوسرے اشکال کا جواب دیا گیا کہ اگر وہ میقات سے بدون حج کا احرام باندھے گزر جائے اور پھر حج کے وقت میقات سے احرام باندھ لے تو اس صورت میں حج میقاتی ہو جائے گا .

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ میقات خود فی نفسہ اصل حج کے لئے بھی شرط نہیں بلکہ واجبات حج میں سے ہے پھر نیابت کے لئے اس کو شرط کیونکر مانا جاسکتا ہے اگر کوئی دلیل صریح و نقل صحیح اس پر دلالت کرتی ہو فیہا ورنہ یہ شرط باطل ہے قال العلی القاری فی مناسکہ وفیہ انہ ان اراد بالمیقاتیة المواقیت الآفاقیة فی اطلاقہ نظر ظاہر اذ تقدم ان المکی اذا اوصی بالری ان یحج عنه من مکة وکذا سبق ان من اوصی ان یحج عنه من غیر بلدہ یحج کما اوصی قریب من مکة او بعد وایقن فیہ اشکال اخر حیث ان المیقات من اصلہ لیس شرطاً لمطلق الحج واصلتہ بل انہ من واجباتہ فکیف یکون شرطاً وقت نیابتہ فان وجد نقل صحیح ودلیل صحیح فالامر مسلم و

الافلا والله سبحانه اعلم ام ۲۵۲۔

مگر تفصیل اس وقت ہے جبکہ مامور کو افراد کا حکم کیا گیا ہو تمتع یا تجاوز بلا احرام کی اجازت نہ دی گئی ہو کیونکہ مخالفت کا اطلاق اسی صورت میں صادق ہو سکتا ہے۔ اور اگر آمر نے صراحتاً یا بعموم الفاظ مامور کو اجازت تمتع وغیرہ کی دے دی ہو تو اس صورت میں چونکہ مخالفت لازم نہیں آتی اس لئے اس کو تمتع کر لینا جائز ہوگا۔

فی المناسک للقاری۔ الثالث عشر عدم المخالفة فلوامرہ بالافراد ای للحج أو للعمرة فقرن أو تمتع ای بان نوى العمرة عن المیت ثم حج عنه فانه یصیر مخالفا جماعاً علی ما فی البحر الزاخر ولعل وجهه انه مامور بتجريد السفر للحج عن المیت فانه الفرض علیه وینصرف مطلق الامر الیه الا انه یشکل اذا امره بافراد العمرة ثم اتیان الحج بعده اصرح بالتمتع فی سفره او بتفویض الامر الیه الخ ۲۵۳ وقال الملا رحمة الله السندی فی رسالته لباب المناسک مع الشرح مثلاً ۲۶ وینبغی للأمر ان یفوض الامر الی المأمور فیقول حج عنی کیف شئت مفزداً اذ قارناً او متمتعاً اه و قال فی الدر المختار ودم القران والتمتع والجناية علی الحاج ان اذن له الأمر بالقران والتمتع والا كان مخالفا فیضمن الخ۔ قال فی الشامیة (قوله علی الحاج) ای المأمور اما الأول فلانه وجب شکرأ علی الجمع بین النسکین وحقیقة الفعل منه وان كان الحج یقع عن الأمر لانه وقوع شرعی لا حقیقی۔ واما الثاني فباعتبار انه تعلق بجنايته۔ افاده فی البحر ص ۳۳ قلت قال فی البهجة قول الکنز ودم القران والجناية علی المأمور) واراد بالقران ودم الجمع بین النسکین قرأنا کان او متمتعاً كما صرح به فی غایة البیان لکن بالاذن المقدم الخ مثلاً ۲۷ وفی لباب المناسک حتی لو امره بالقران أو بالتمتع فالدم علی المأمور الخ مثلاً ۲۸ فعبارة لباب المناسک والدر المختار والشامیة والبحر مصرحة بان المأمور بالحج له ان یتمتع اذا اذن له الأمر وان علیه اذا تمتع ودم التمتع فقط لا ضمان النفقة

عہ المراد بالاول ودم القران والتمتع معاً كما صرح به فی البحر ۱۲

وانما یضمن اذا لم یأذن له الأمر فی ذلك فخالف امره لا یقال لنزوم دم
التمتع علی المأمور لا یستلزم وقوع الحج عن الأمر بل یحتمل ان یقع الحج عن
المأمور دون الأمر ولا ضمان علیه لكونه متمتعاً بالأذن قلت لو كان الحج
واقعاً عن المأمور لم یكن لذكر التمتع هناك معنی لان لا اشكال ح فی نزوم الدم
علی المأمور لانقطاع وصلته عن الأمر علی ان الشامی قد صرح بكون الدم دم شکی
وان الحج یقع عن الأمر وكذا صرح فی البحر كما تقدم - واما ما اورده العلا
القاری علی عبارة الباب حج عنی کیف شئت مفرداً او قارناً او متمتعاً فخریات
هذا القید (یعنی قوله متمتعاً) سهو ظاهر اذا التفویض المذكور فی كلام المشائخ
مقید بالافراد والقران لا غیر الخ فقد اجاب عنه فی حاشیة عدة ارباب الفتوی
بجواب حسن ونصه هذا - اعلم ان المأمور بالحج لو اذنه الأمر بالتمتع
فتمتع یقع الحج عن الأمر كما صرح به فی رد المحتار ولا یكون مخالفاً كما فی
الدر المختار وعبارته (ودم القران) والتمتع (والجناية علی الحاج) ان اذن
له الأمر بالقران والتمتع والا یصیر مخالفاً انتهى وعلی هذا یقال اذا صم
اذن الأمر للمأمور بالتمتع صم ان ینحیره فیه كما ذكره صاحب المنسك الوسط
فحينئذ ینجوز التمتع فی الصورة المشروعة ویكون ما ذكره علی القاری من
التقید فی عبارة المشائخ اتفاقاً لا اخترازاً وما ذكره من اشتراط ان تكون
الحجة افاقية لیس علی عمومہ بدلیل تجویزهم التمتع عند الاذن به مع انه
لیس فیه حجة افاقية قطعاً فلیتأمل مثلاً - قلت ویؤیدہ ما فی البرهان
وخفی خلافه فی بالافراد یخالف با وان نواه للأمر عند الی حنیفة
كالتمتع له ای للأمر بالافراد وانما یصیر مخالفاً لانه مأمور بان یحج
عنه من الملیقات والتمتع یحج من جوف مكة فكان هذا غیر ما امر به ام
ص ۴۰۴ جلد اول قلمی . قلت فقوله كالتمتع له ای للأمر بالافراد یدل
علی ان التمتع انما یصیر مخالفاً بالتمتع اذا تمتع لمن امره بالافراد
واما لو امره بالتمتع فتمتع فلا مخالفة فافهم .

خلاصہ یہ کہ مأمور بالحج کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ آمر اس کو صراحتہً افراد بالحج کا حکم کرے

اور تمتع سے صراحتہ منع کر دے یا ممانعت پر قرینہ قائم ہو اس صورت میں مامور بائج کے لئے طول احرام سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے گھر سے روانہ ہوتے ہوئے چند روز جہدہ میں قیام کرنے کی نیت کرے اور اس سفر کو جہدہ کا سفر قرار دے اور راستہ میں نہ عمرہ کا احرام باندھے نہ حج کا نہ اپنی طرف سے نہ امر کی طرف سے اور بدون احرام کے چند روز کے بعد جہدہ کے قیام سے فارغ ہو کر مکہ میں چلا جاوے اور عمرہ وغیرہ کچھ نہ کرے صرف طواف وغیرہ بدون احرام کے کرتا رہے اور وقت حج پر جہدہ آکر احرام حج باندھ کر حج ادا کرے قال فی حاشیۃ البحر فینبغی التفصیل وهو انه ان جاوز الميقات بلا احرام قاصدا البستان ثم دخل مكة ثم خرج الى الحل وقت الاحرام فاحرم من الميقات عن الامر يجوز لانه صار آفاقيا كما ياتي وان فعل نسكا غير ما امر به قبل احرامه عن الامر يكون مخالفا وان عاد الى الميقات واحرم عنه من الميقات فتامل اه ۳۱۸۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ امر صراحتہ تمتع کی اجازت دیدے یا یہ کہہ دے کہ پہلے عمرہ میری طرف سے کرنا اور پھر حج کرنا یا مامور کو اختیار عام دیدے کہ تم جس طرح چاہو کر لینا اس صورت میں مامور کو تمتع جائز۔ مگر تمتع کے لئے شرط یہ ہے کہ عمرہ کے لئے شوال سے پہلے نہ کئے جاویں لہذا اگر ہندوستان سے ایسے وقت میں روانگی ہو کہ مکہ میں شوال سے پہلے پہنچ جاوے تو اس صورت میں اگر تمتع کی نیت کی جاوے گی تو شوال کی یکم تک محرم رہنا ضروری ہو گا یکم شوال کو عمرہ کے افعال ادا کر کے حلق کر دیا جاوے اور بہتر یہ ہے کہ امر سے تمتع کی بھی اور عمرہ مفردہ کرنے کی بھی صراحتہ الگ الگ اجازت لے لی جائے یا عام اختیار لے لیا جاوے کہ مامور جس طرح چاہے گاج کرے گا خواہ افراد سے یا قرآن و تمتع سے یا پہلے عمرہ مفردہ کر کے پھر حج کر دے گا۔ ان سب صورتوں میں مامور کو حج کا احرام مکہ ہی سے باندھنا جائز ہو گا میقات کی طرف عود لازم ہو گا بس عمرہ کے احرام کھول دے پھر وقت پر حج کرے واللہ اعلم حرره احقر الطلبة ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۸ محرم ۱۳۸۵ھ

الجواب صواب

اشرف علی ثامن محرم احرام ۱۳۸۵ھ

تنبیہ۔ ہر اس مسئلہ میں شافعیہ کے قول پر بھی مامور بائج کو تمتع کرنا باذن الامر جائز ہے بلکہ ان کے نزدیک اگر تمتع کی اجازت بھی ہو اور تمتع کر لے تب بھی حج ہو جائے گا صرف اجرت میں کسی قدر کمی کر دی جائے گی قال فی الوجیز مکة (الثانیۃ اذا خالف فی الميقات فاحرم بعمرته عن نفسه

ثم احرم بحج المستاجر في مكة فقي قول لا تحسب المسافة له لانه صرفه الى نفسه
فيحط من اجراته بمقدار التفاوت بين حجه من بلدة وبين حجه من مكة
فيكثر المحطوط وعلى قول تحسب المسافة فلا يحط الا بمقدار التفات بين حجه من الميقات
وحج من مكة فيقل المحطوط ثم وفيه ايضا وان امر بالقران فتمتع كان كالقران
على وجه وفي وجه جعل مخالفا له وعليه الدم ويعود الخلاف في حط شيء
من الاجرة اه ۶۸ - ظفر احمد عفا عنه ۲۶ رمضان ۱۲۸۵

ایصال الخیر فی مسائل | حج بدل کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں (۱) اجرت کی شرط نہ ہو (۲) بھیجنے
والے کے مال ہی سے حج کیا جاوے لیکن اگر زیادہ تر خرچ میت کے مال
بدل کے ضروری مسائل) سے کرے اور کچھ اپنا بھی خرچ ہو جائے تو جائز ہے۔ (۳) اگر حج بدل والا
میت کی رقم کو اپنی رقم سے علیحدہ رکھے تب تو وہ امانت ہے اگر باوجود احتیاط کے ضائع ہو جائے
تو ضامن نہ ہوگا اور اگر اپنی رقم کے ساتھ خلط کر دے گا تو ضامن ہوگا۔ (۴) اگر ثلث مال میں وسعت
ہو تو حج سوار ہو کر کرنا چاہئے اگر پیادہ حج کرے گا اور کرایہ کی رقم اپنے لئے بچاوے گا تو ضمان دینا
واجب ہوگا اگر بھیجنے والے نے پیادہ حج کرنے کی اجازت بھی دے دی ہو اور سوار ہونا مکہ سے عرفات
تک اور وہاں سے مکہ کی واپسی تک واجب ہے باقی سفر میں اگر بھیجنے والے کی اجازت سے پیادہ چلے
تو جائز ہے۔ (۵) حج میت کے وطن سے کرنا چاہئے۔ (۶) میت کی طرف سے احرام کے وقت
حج کی نیت کرنا چاہئے یعنی زبان سے یوں کہے کہ میں فلاں شخص کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں اور
اگر نام بھول جائے تو یوں کہہ لے کہ جس شخص کی طرف سے مجھ کو حج کے واسطے بھیجا گیا ہے میں اس
کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں (۷) احرام میقات سے باندھنا چاہئے بدون اجازت بھیجنے
والے کے عمرہ کا احرام میقات سے نہ باندھے نہ تمتع کرے ہاں اگر وہ اجازت دیدے یا یوں کہدے
کہ جس طرح چاہو حج ادا کر دینا تو تمتع بھی جائز ہے ہذا هو الحق عندنا مگر اختلاف سے
بچنا چاہئے اس لئے میقات سے احرام حج ہی کا باندھے۔ (۸) حج بدل والے کو جو روپیہ دیا جائے
اس میں غایت احتیاط لازم ہے ورنہ حق العباد کا مواخذہ سر پر ہوگا سفر کے بعد جو کچھ رقم اور سامان
رقم سے خریدا ہوا باقی بچے جبہ حبہ واپس کر دے اور بہتر یہ ہے کہ بھیجنے والا پہلے ہی یہ کہدے کہ اگر خرچ
میں کوئی بے عنوانی اتفاقاً ہو جائے تو میری طرف سے معاف ہے۔



والدین کی طرف سے حج بدل کرنا جبکہ انہوں نے وصیت نہ کی ہو | سوال (۳) اگر والدین حج بدل کے واسطے وصیت نہ کر گئے ہوں تو کوئی شخص اپنی خوشی حج بدل کرے یا کروائے تو حج بدل ہو جائے گا یا

الجواب؛ قال العلامة القاری فی مناسکہ فی شرائط الحج عن الغیر الرابع الأمس ای بالہ فلا یجوز حج غیرہ عنہ بغیر أمرہ ان أوصی بہ ای بالہ عنہ۔ فان أوصی بان یحج عنہ فمطوع عنہ اجنبی أو وارث لم یجوز وان لم یوص بہ ای بالہ حاج ف تبرع عنہ الوارث وكذا من هم اهل التبرع ونحوہ فحج ای الوارث ونحوہ بنفسہ ای عنہ أو احج عنہ غیرہ جاز ای ذلك التبرع أو الحج أو الاحجاج أو ما ذکنا جمیعہ والمعنی جاز عن حجة الاسلام ان شاء الله تعالى كما قالہ فی الکبیر ام ۲۴۹۔

صورت مسئلہ میں اگر کوئی شخص مرحومین کی طرف سے تبرعاً حج کر دے خواہ وارث ہو یا غیر وارث ہو تو امید ہے کہ انشاء اللہ حج فرض اس کے ذمہ سے ادا ہو جائے گا۔

سوال (۴) ایک عرض بندہ کی یہ ہے کہ حج بدل کرنے والے پر اگر خرچ نہ ہے اور وہ قرض لیکر خرچ کرے تو کیا حکم ہے | خرچ نہ ہے اور اپنے پاس سے یا کسی سے قرض لیکر چلا آوے اور قرض اپنے ذمہ لیوے یا کوئی اپنا ملنے والا دیدے تو کچھ خرچ تو نہیں یعنی حج میں کچھ نقص نہیں ہوا یا اس کا جواب بھی عنایت ہو۔ فقط

الجواب؛ حج بدل کے مسئلہ میں جب حج بدل کرنے والے کے پاس خرچ نہ ہے اور وہ اپنے پاس سے یا کسی سے قرض لیکر چلا آوے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ سفر حج میں زیادہ خرچ آمر کے مال سے ہوا ہے یا حج بدل کرنے والے کی رقم سے صورت اول میں تو حج بدل صحیح ہو گیا اور دوسری صورت میں صحیح نہیں ہوا بلکہ وہ حج خود کرنے والے کی طرف سے ہو گیا۔ اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ آمر (یعنی بھیجنے والے) نے اس کو اپنے پاس سے یا قرض کر کے خرچ کرنے کی اجازت نہ دی ہو اور اگر اجازت دے دی ہو کہ خرچ کم ہو جائے تو تم اپنے پاس سے یا قرض لیکر خرچ کر لینا تو ہم تم کو دیدیں گے پھر ہر حالت میں حج بدل درست ہے خواہ آمر کی دی ہوئی رقم کم ہو یا زیادہ ہو قال فی شرح الباب فی قاضی خاں اذالم یکفہ مال المیت فانفق من مال نفسه فان کان اکثر النفقة من مال المیت فهو جائز والا فهو ضامن وفي الکرمانی ان انتقص المال عن نفقة الطريق فاستدان او اتفق من مال نفسه ان

كان معظم النفقة فهو جاشن والا فهو ضامن اه (ص ۲۵۰) قلت والصورة
الثانية ظاهرة فان جميع ما ينفقه من مال نفسه او بالاستدانة بالاذن
فهو من مال الامر حكماً والله اعلم . ۲۷ رجب ۱۳۲۲ھ

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ
میں کہ ایک شخص اپنا حج فرض ادا کرنے کو کعبہ شریف روانہ ہو کر راستہ میں
قبل میقات انتقال کر گیا اور دوسرے نے اپنے رفیقوں میں سے اس

اجنبی کے مال سے بغیر وصیت
واذن ورثہ حج بدل کی ایک
صورت کا حکم

کی نیت سے اس کا حج فرض کیا مگر میت نے وصیت نہیں کی تھی اس کا روپیہ بقایا بھی اس نے باقی راستہ
میں خرچ کیا اب میت کے وارث اس سے روپیہ طلب کرتے ہیں تو اس صورت مذکورہ پر میت کا حج
فرض ادا ہو گیا یا نہیں اور میت کے وارث روپیہ مانگنے کے مستحق ہیں یا نہیں اگر اس میں میت
سے حج فرض ادا ہو گیا جیسا کہ عبارت کتب سے معلوم ہوتا تو پھر وارث میت اس سے روپیہ واپس
لینے کے حقدار کیونکر ہو سکتے ہیں اس کی وجہ اچھی طرح سے تحریر کرنے کی ضرورت ہے تسلی ضرور فرمادیں
زبدۃ المناسک باب الحج عن الغير صفحہ ۱۶۷ میں لکھتے ہیں دوسری پس اگر کوئی زندہ کی طرف سے
بدون امر کے حج کر دیوے گا تو فرض زندہ کا ساقط نہ ہوگا اور مردہ بھی اگر وصیت کرے تو بغیر وارث
کے حج مردہ کا ادا نہیں ہو سکتا مگر جو مردہ بدون وصیت حج کے مر گیا تو اگر کسی نے وارث ہو یا اجنبی
تبرعاً اس کا حج فرض ادا کر دیا تو حج فرض مردہ کا ادا ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ اور شامی باب الحج
عن الغير صفحہ ۲۵۹ فان لم یوص و تبرع عنه الوارث یہ سب عبارت اس کو شامل
ہے یا نہیں اگر شامل نہیں تو وجہ کیا ہے بالتفصیل تحریر کیجئے اور یہ روایت قابل حجت ہے یا
ضعیف مکین ؟ فقط۔ ۲۷ رجب الاول ۱۳۲۲ھ

الجواب : جب میت نے وصیت نہیں کی تھی تو اس کا متروکہ سب کا سب ملک ورثہ پر میت
کا اس میں کچھ حق نہیں رہا میت کا حق ثلث ترکہ میں بھی وصیت سے ہوتا ہے بدون وصیت کے نہیں
ہوتا پس جب رفیق نے میت کی طرف سے حج کرنے میں یہ رقم صرف کی ہے اس نے ورثہ کا مال ملو کہ
بدون ان کے اذن کے صرف کیا ہے لہذا اس حج بدل کرنے والے کے ذمہ اس رقم کا ضمان واجب ہے
وہ یہ رقم ورثہ کو ادا کرے اور جس عبارت سے سائل نے احتجاج کیا ہے اس میں تو خود لکھا ہے کہ
اگر مردہ وصیت کرتا ہے تو بدون امر وارث کے حج مردہ کا ادا نہیں ہو سکتا۔ الخ۔ پس رفیق کا حج
مال میت سے بدون امر وارث یا اذن وارث کے صحیح نہیں ہو سکتا۔

اور اجنبی کے جس حج کو بدون وصیت کے بھی میت کی طرف سے درست مانا گیا ہے وہ وہ ہے جو اجنبی نے تبرعاً کیا ہو چنانچہ عبارت زبدہ میں تبرعاً کی قید مصرح ہے اور اس میں بھی یہ جزم و یقین نہیں کہ میت کی طرف سے حج ہو بھی جائے گا بلکہ اسید کا لفظ ہے بہر حال صورت مسئلہ میں چونکہ اس رفیق نے میت کی طرف سے تبرعاً حج نہیں بلکہ ورثہ کے مال میں حج کیا ہے اور ورثہ کے بدون اجازت کیا ہے اس لئے یہ حج میت کی طرف نہیں ہوا بلکہ خود اس رفیق ہی کا حج ہوا اس پر ورثہ کو ضمان دینا واجب و لازم ہے فقط۔

۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ

سوال (۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل کی نسبت از روئے شرع شریف کے۔

اگر کسی غنی متوفی کی طرف سے زید ایسے مفلس نے حج بدل ادا کیا جس نے ابھی اپنا حج فرض ادا نہیں کیا ہے تو مرحوم کا حج ادا ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اور ایسے زید حج بدل کرنے والے کے ذمے سے بھی فرضیت حج عمر بھر کو ساقط ہو جاتی ہے یا نہیں اگر ایسے زید حج بدل کرنے والے سے عمر بھر کو فرضیت حج ساقط نہیں ہوتی تو اپنے تمام کام و آرام اہل و عیال وغیرہ چھوڑ کر حج کے سفر وغیرہ کی سخت جانکاه تکالیف و صعوبتیں اٹھا کر حج بدل کو جانے سے کیا فائدہ ہے۔ پس اس لئے اگر حج بدل کرنے والا حج بدل کرنے والے سے ضروری مصارف حج کے سوائے اپنے نقصانات معاش کا کچھ معاوضہ نقد وغیرہ بھی لے لے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب : جس مفلس نے اپنا حج نہیں کیا ہے وہ دوسرے کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے لیکن افضل یہ ہے کہ ایسے شخص کو بھیجا جائے جس نے اپنا حج فرض ادا کر لیا ہو۔ باقی اس مفلس کے ذمہ سے جس نے بدون اپنا حج کئے دوسرے کا حج فرض بدل لیا ہے عمر بھر کے لئے فرض حج ساقط نہیں ہوا بلکہ اگر کسی وقت اس کے پاس مال زیادہ ہو گیا جس میں حج بشرائط ہو سکے تو اس کو اپنی طرف سے دوبارہ حج کرنا فرض ہو گا کیونکہ حج بدل تو دوسرے کا تھا اس کی طرف سے تھوڑا ہی تھا۔ نعم لو حج عن الغير تطوعاً یقع عن المامور قال القاری فی مناسکہ و فی حج النفل یقع عن المامور اتفاقاً ای باتفاق مشائخنا وللآمر الثواب ای ثواب النفقة لان الحدیث ورد فی الفرض دون النفل اھ (ص ۲۶۲) و لکنہ لا یسقط الفرض عن الفاعل بحال و قال فی الدس و قیل عن المامور نفلاً وللآمر ثواب النفقة كالنفل اھ قال الشامی مقتضاه ان النفل یقع عن المامور اتفاقاً وللآمر ثواب

النفقة وبه صرح بعض الشراح ومشي عليه في الباب وردة الالتقائي في غاية البيان بانه خلاف الرواية لما قاله الحاكم الشهيد في الكافي الحج المتطوع عن الصحيح جائز ثم قال وفي الاصل يقع الحج عن المحج ۱۴۲ (ص ۳۹۲) رايہ کہ جب اس کے ذمہ سے حج فرض ساقط نہیں ہوتا تو اپنے کاروبار و آرام کو چھوڑ کر سفر حج کی صعوبت اٹھانے میں کیا فائدہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جو اس کو بے فائدہ سمجھے اس کو واقعی کچھ فائدہ نہ ہو گا وہ ہرگز نہ جائے بلکہ ایسے شخص کو بھیجا جاتا ہے جو ایک بار اپنا حج کر کے بیت اللہ اور بیت رسول اللہ کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کر چکا ہو وہ بتلائے گا کہ اس سفر کی صعوبت برداشت کرنے میں کیا فائدہ ہے یہ تو نفع عاجل ہے جس کا علم ایک بار حج کرنے والے کو دنیا ہی میں ہو جاتا ہے اور جو ثواب مرنے کے بعد سامنے آئیگا اس کا علم قبر میں پہنچ کر ہو جائے گا۔ اور دوسرے کی طرف سے حج کرنے کا ثواب بعض وجوہ سے اپنے حج کے ثواب سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔

رہا یہ کہ حج بدل کرنے والا حج بدل کرانے والے سے اپنے نقصان معاش کا معاوضہ لے تو جائز ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ معاوضہ لینا جائز نہیں کیونکہ اگر یہ معاوضہ نقصان معاش و کاروبار کا ہے تو نقصان کاروبار کوئی عین مقنوم نہیں جس کا معاوضہ جائز ہو اور اگر یہ معاوضہ اپنی مشقت و محنت کا ہے جو سفر میں لاحق ہوگی تو اس صورت میں اجارہ ہو گیا اور حج بدل اجارہ کے ساتھ ناجائز ہے بعض اقوال پر وہ حج ہی نہ ہو گا اور رائج یہ ہے کہ اجارہ فاسد ہے اور حج ہو جائے گا۔ البتہ اگر معاوضہ کے طور پر نہ ہو بلکہ آمر اپنی خوشی سے اجازت دیدے کہ میں تم پر رقم حج کے لئے دیتا ہوں اور حج کے بعد جو بچے اس کے متعلق تم کو وکیل کرتا ہوں کہ یہ فاضل رقم اپنے کو میری طرف سے سہہ کر لینا تو اس صورت میں وہ فاضل رقم اور سامان و ثياب و متاع جو حج کے بعد باقی رہے مامور اپنی ملک میں لاسکتا ہے اسی طرح اگر کسی شخص کے ذمہ اہل و عیال کا نفقہ واجب ہے اور دوسرا شخص اس کو حج بدل میں بھیجا چاہتا ہے اور یہ صاحب عیال یوں کہے کہ مدت حج کے لئے میں نفقہ عیال اس وقت نہیں دے سکتا تم اگر مجھے کو بھیجا چاہتے ہو تو میرے اہل و عیال کا نفقہ بھی اس قدر ادو کم دو اور یہ گفتگو بطور معاوضہ اور معاملہ کے نہ ہو بلکہ دوستانہ طور پر ہو اور اس کے بعد بھیجئے والا خوشی سے اس کے اہل و عیال کا نفقہ بھی ادا کر دے تو جائز ہے بشرطیکہ حج بدل کر انیوالا خود زندہ ہو اور اگر وصیت کر کے مر گیا ہے تو اس کے حج بدل میں نفقہ سفر حج متعارفہ سے زیادہ دینے کا اختیار ورثہ بالغین کو ہے نابالغوں کے حصہ میں سے جائز نہیں اگر ورثہ نابالغ بھی ہوں تو بقدر کفایت معروفہ للہج تو ثلث الكل میں سے دیا جائے اور تبرع فاضل یا

نفقہ اہل و عیال کے لئے بالغین اپنے حصہ میں سے رقم دیں اور نفقہ اہل و عیال مامور میں تفصیل ہے کہ نفقہ معروفہ ضروریہ پر بھی جائیوالے دستیاب ہوں۔ یعنی ایسے مجرد لوگ بھی حج بدل کو تیار ہوں جن کے ساتھ اہل و عیال کا خرچ لگا ہوا نہیں اور وہ صرف سفر حج کا خرچ لیکر جاسکتے ہیں اور اگر بحیر صاحب عیال شخص کے اور کوئی معتبر باقاعدہ حج کو صحیح ادا کرنے والا نہ ملتا ہو تو اس صورت میں ثلث الكل سے بھی مامور کی اہل و عیال کا نفقہ دینا جائز ہے۔ بلکہ ورثہ پر لازم ہے کہ جبکہ مورث نے وصیت حج کی ہو اگر ثلث الكل میں وسعت ہو لاں نفقۃ الحج تختلف باختلاف الاشخاص قال القاری فی شرح المناسک ولا ینفق المامور من مال المیت علی من ینخدمہ ای خدمۃ یتدر علیہ بنفسہ الا اذا کان ممن لا ینخدم نفسه ای لکبرۃ او عظمتہ اھ (ص ۲۵۹) قلت فکذا یمتثل حکم لکون المامور اعزب او صاحب العیال فیعطى الاول نفقة اقل من الثاني لاختلاف احوالهما شرعاً وعرفاً ولا یعطى صاحب العیال تلك الزیادة عوضاً عن شیء بل اعانة له فی اداء الواجب كما زیدت نفقة صاحب العظمة اعانة له فی حفظ حرمتہ والله اعلم ولعل هذا ظاہر غیر خفی والعبارة بالمحررة ما فی کافی الحاكم وله نفقة مثله و زاد ایضاً لها فی المبسوط فقال وهذه النفقة لیس یمتثل بها بطریق العوض بل بطریق الکفایة لانه فرغ نفسه لعمل یتق به (الآمر) هذا (رشامی ص ۳۹۲ ج ۲) قلت فکان نفقة المامور بالحج کنفقة القاضی والعامل و نفقة عیالهما تدخل فی نفقتہما حتماً فتقدر بما یتسع لهما و عیالہما فکذا ھما اذا لم یوجد الا اعزب و كانت الوصیة بالحج لا علی التعیین و اما الوعین الموصی رجلاً ذا عیال ان یحج عنه فلا شک فی دخول نفقة عیالہ فی نفقة الحج وتؤخذ من ثلث الكل و فی الدرر بشرط اہلیۃ المامور لصحة الافعال فجاز الحج الضرورة (وہو) من لم یحج والمرأة ولو أمة و العبد و غیرہ کالمراہق و غیرہم اولی لعدم الخلاف اھ قال الشامی لا یمتنع ان التعلیل یفید ان المراہۃ تنزیہیۃ لان مراعات الخلاف یمتنع اھ (ص ۳۹۲ ج ۲) و فیہ ایضاً وعلیہ رد ما فصل من النفقة وان شرط لہ فالشرط باطل الا ان یؤکله بہبۃ الفضل من نفسه او یوصی المیت بہ لمعین اھ (ص ۴۰ ج ۲)

سوال (۷) حج بدل میں اگر مامور بجائے وطن آمر کے اپنی جائے قیام
 سے خواہ اقرب خواہ البعد اپنی رضا سے حج کرنا چاہے تو شرع شریف کی رو
 سے آمر کے ذمہ سے حج فرض ساقط ہوگا یا نہیں اور ہر دونوں (اقرب اور البعد) صورتوں میں کس حجہ
 سے نفقہ کا مستحق ہوگا؟

الجواب؛ صورت مسئلہ میں اگر ثلث مال آمریت میں بلد آمریت سے حج کرنے کی گنجائش
 تھی اور پھر وہاں سے نہیں کیا گیا تو یہ حج آمر کی طرف سے صحیح نہیں ہوا بلکہ مامور کا حج ہوا اور وہ نفقہ
 کا ضامن ہوگا یعنی کل نفقہ کا البتہ اگر وہ حجہ جہاں سے مامور گیا ہے وطن آمر سے اتنی قریب ہو کہ دن
 میں چل کر رات کو وطن آمر میں سیر وسط کے ساتھ پہنچ سکیں تو ضامن نہیں ہوگا اور حج بھی آمر کی طرف
 سے ہو جائے گا یا مجموع عنہ زندہ ہو اور اس نے غیر وطن سے حج بدل کی اجازت دے دی ہو۔ یا میت ہو
 اور غیر وطن سے حج کرنے کی وصیت کر گیا ہو تب بھی حج آمر اور میت کی طرف سے صحیح ہو جائے گا اور مامور
 پر نفقہ کا ضامن نہ ہوگا قال فی اللباب الثامن ان یحج عنه من وطنه ان اتسع الثلث
 ای ثلث مال المیت وان لم يتسع یحج عنه من حیث یبلغ ای اساتحسانا الی
 ان قال اذا وجب الحج من بلدة فاحج الوصی من غیر بلدة یضمن ای و
 یکون الحج له ویحج عن المیت ثانیاً لانه خالف الا ان یکون ذلك المكان الذی
 احج عنه قریباً منه ای من وطنه بحيث یبلغ الیه ویرجع الی الوطن قبل اللیل
 ای فحینئذ لا یکون مخالفاً ولا ضامناً و فیہ ایضاً ولو اوصی من له وطن
 ان یحج عنه من غیر بلدة یحج عنه کما اوصی ای علی وفق ما اوصی به قرب

عہ اور اگر آمر اپنے وطن میں نہیں مرا بلکہ کسی دوسری جگہ مرا ہے جب بھی مامور اس کے وطن ہی سے حج کرے قال
 فی الغنیۃ سواء مات فیہ ای فی وطنه او مات فی سفر التجارة ونحوها لان الواجب
 علیہ الحج من البلد الذی یسکنہ الی ان قال ولو اوصی خراسانی بمکة او مکی بالری
 واطلقا یحج عنہما من وطنہما ام (ص۱۷) و فیہ ایضاً قال الشارح اقول ہذا اذا
 کانا غنیین فی بلادہما واما اذا صار المکی غنیاً بالری وخراسانی بمکة و اوصیا فینبغی
 ان یحج عنہما من موضع فرض الحج علیہما ام قلت و هذا والله هو الفقہ بعینہ
 فلله در العلماء المحنفیۃ ما اعمق نظرہم فی دقائق الشریعۃ .

ای ذلک المكان الموصی به من مکة أو بعداه (ص ۲۵۱) قلت وكذا الحج اذا اذن للمامور ان يحج عنه من غير وطنه فلا فرق في الحج والميت في ذلك حتى يكون لاحدهما اسقاط هذا الشرط وتغييره ولا يكون للاخر والله اعلم.

قال في الباب العاشر ان يحرم من الميقات اي من ميقات الامر يشمل المكي وغيره قال الشارح وفيه انه ان اراد بالميقات المواقيت الآفاقية ففي اطلاقه نظر ظاهر اذ تقدم ان المكي اذا وصى بالري ان يحج عنه من مكة وكذا سبق ان من وصى ان يحج عنه من غير بلد يحج كما وصى قرب من مكة او بعد واليضا فيه اشكال اخر حيث ان الميقات من اصله ليس شرطا مطلق الحج واصالته بل انه من واجباته فكيف يكون شرطا وقت نيابته فان وجد نقل صريح ودليل صحيح فالامر مسلم والا فلا (ص ۲۵۲) قلت والذي ظهر لي ان شرط الميقات يسقط باذن الامر والميت ولا يسقط اذا اطلق الامر بالحج لانه لا يريد الا ان يحج المامور كما يحج الامر لو وقع عنه والآفاق انما يحج عن الميقات فيشترط للنائب مراعاته والا يكون مخالفاً والله اعلم.

۲۸ رمضان ۱۲۴۲ھ

حج بدل میں ایسی شرط نہیں ہے | سوال (۸) حج بدل میں ایسی شرط ہے یا نہیں ؟

الجواب : حج بدل میں وطن میت سے جانا تو شرط ہے بشرطیکہ ثلث میں گنجائش ہو باقی عود شرط نہیں۔ قال فی العالمگیریۃ۔ ولو احج رجلاً يؤدى الحج ويقيم بمكة جاز والا فضل ان يحج ويرجع مكة جذا

۱۴ شوال ۱۲۴۲ھ

ایضاً | سوال (۹) عرض ہے کہ میں کاندھلہ سے حج بدل کرنے گیا حج کرنے کے بعد وہیں قیام کیا اگلا حج کرنے کے بعد میں کاندھلہ آگیا پھر گھر آگیا جن کی طرف سے حج کرنے گیا وہ فرماتے ہیں کہ حج بدل نہیں ہوا اس کی بابت فرمائیے کہ حج بدل ہوا یا نہیں فقط والسلام۔

الجواب : صورت مسئلہ میں حج بدل جائز ہو گیا فی العالمگیریۃ (ص ۱۶۷ ج ۱) ولو احج رجلاً يؤدى الحج ويقيم بمكة جاز والا فضل ان يحج ويرجع مكة جذا فرغ المامور بالحج ونوى الاقامة خمسة عشر يوماً فصاعداً انفق من مال نفسه ولو انفق من مال الأمر يضمن الى ان قال فان نوى الاقامة خمسة عشر يوماً

فصاعداً حتى سقطت نفقة من مال الآما ثم رجع بعد ذلك هل يعود نفقته
 فی مال الآما ذکر القدری فی شرح مختصر الطحاوی ان علی قول محمد
 يعود وهو ظاهر الرأیة وعند ابی یوسف لا يعود اہ اس سے معلوم ہوا کہ واپسی
 کا خرچ تو بھیجنے والے کے ذمہ ہوگا لیکن قیام مکہ کا خرچ خود حج کرنے والا اپنے پاس سے کرے فقط
 والسلام۔ کتبہ الاحقر عبد الکرم گتھلوی۔ ۱۰ صفر ۱۲۳۴ھ

اجواب صحیح، ظفر احمد غنی عنہ۔

معذور کے حج بدل کرنے کی ایک صورت کا حکم عرصہ سے مشتاق زیارت حرمین شریفین و حج شریف ہیں۔ اور اس وقت

جناب خان صاحب موصوف کی عمر تقریباً ۷۰ سال کی ہے علاوہ ضعف پیری چند امراض جسمانی میں مبتلا
 ہیں جن کی وجہ سے چلنے پھرنے اور سفر سے معذور ہیں خصوصاً مرض فتق کی بھی تکلیف ہے اکثر کم و بیش
 پندرہ بیس روز بعد دورہ نزول آنت کا ہو جاتا ہے ایسی حالت میں ایک قدم چلنا بھی دشوار ہو جاتا
 ہے لہذا صورت مجبوری اور حالت معذوری میں اگر خان صاحب موصوف کسی ایسے شخص کو جس نے
 حج پہلے کر لیا ہے جملہ روپیہ خرچ آمد و رفت و خوراک وغیرہ دیکر اپنا حج بدل کرادیوں تو شرعاً ادائیگی
 حج فرض ہو سکتی ہے یا نہیں اور اگر ہو سکتی ہے تو حاجی صاحب کی اور کن کن شرائط سے مشروط ہونے
 کی ضرورت ہے براہ کرم مسئلہ اصول فقہ سے مطلع فرما کر ممنون و مشکور فرمادیں ؟

الجواب : بیشک صورت مسئلہ میں رئیس صاحب کو اگر خود حج کے لئے جانا دشوار ہے
 تو ان کو اس حالت میں جائز ہے کہ اپنی طرف سے حج بدل کر دیں لیکن اس کو دیکھ لیا جاوے کہ کیا وہ اس بیٹی کا
 استعمال کرنے کے ساتھ بھی سفر حج نہیں کر سکتے جو مرض فتق میں ڈاکٹر تجویز کیا کرتے ہیں غالباً اس بیٹی کے
 استعمال کے ساتھ آنت اترنے کی تکلیف زیادہ نہیں ہوتی اور جب اترے فوراً اس کو چڑھا کر کام
 ہو سکتا ہے اگر اس کے بعد بھی تکلیف کم نہ ہوتی ہو اور سفر دشوار ہی ہو تو حج بدل کر دینا جائز ہے پھر
 اگر یہ عذر جو اس وقت ہے عمر بھر رہا جب تو یہ حج بدل عمر بھر معتبر رہے گا اور اگر کسی وقت عذر موجود نہ رہے
 ہو گیا تو ان کو حج فرض دوبارہ خود ادا کرنا ہوگا ویصیر البدل نفلاً قال فی الدس و هذا
 ای اشتراط دوام العجز الی الموت اذا کان العجز کالحبس والمرض یرجى زواله ای
 یمکن وان لم یکن كذلك کالعی والزمانة سقط الفرض بحج الغیر عنہ
 فلا إعادة مطلقاً سواء استقر به العجز ام لا اہ (ص ۳۸۹) قلت ونزول

المعالین کالزمانة بل المشاهد قدرة المبتلى به على السفر قصيرة وطويله
بعد شدة الحزام الذى قد اوجده له، والله اعلم . ۱۸ رمضان ۱۳۲۶ھ

سوال (۱۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں
ج بدل اور ضمان مامور کی ایک صورت کا حکم

کہ زید غریب نے ایک امیر حاجی حج بیت اللہ شریف کے جانے والے کو مبلغ
سے دئے اور یہ کہ مکہ معظمہ پہنچ کر میری والدہ کی طرف سے کسی سے حج کرا دینا۔ مکہ معظمہ پہنچ کر یہ حوادث
پیش آئے کہ آٹھویں کی شام تک مکہ سے عرفات جانے والے کو سواری نہ مل سکی جو شخص حج کرنے کو راضی تھا
وہ بلا سواری حج کو نہ گیا اور یہ امیر اور اس کے ہمراہی حج کو چلے گئے اور عرفات وغیرہ میں ارکان حج ادا
کر کے مدینہ ہو کر اپنے وطن میں آگئے لیکن یہ امیر حاجی مکہ معظمہ ہی سے دستوں کے مرض میں مبتلا
ہوا اور گھر آکر دو مہینہ تک سخت بیمار رہ کر انتقال کر گیا۔ بہت کچھ نقد اور جائیداد چھوڑ مرا۔ اس
اشارہ مرض میں زید غریب کو دو مرتبہ حاجی امیر سے ملنے کا اتفاق ہوا لیکن امیر حاجی کی سخت علالت
کی وجہ سے زید غریب نے دریافت کیا کہ میری والدہ کی طرف سے حج کرایا یا نہیں اور نہ خود امیر حاجی
نے بیان کیا کہ حج کرا دیا یا نہیں حتیٰ کہ امیر حاجی کا انتقال ہو گیا تب غریب زید نے امیر حاجی کے
ورثہ سے اپنے روپیہ دئے ہوئے طلب کئے۔ کیونکہ امیر حاجی اور ہمراہی حاجیوں سے معلوم ہوا کہ
اس سال تین پانچ روپیہ سے کم میں مکہ والوں میں سے کوئی حج بدل نہیں کر سکا مصارف مزید تھے
تو اگر امیر حاجی غریب زید کی والدہ کی طرف سے حج کراتا تو غریب زید سے ضرور اپنا مطالبہ زاید
وصول کرتا۔ یا اپنے ورثہ سے کہہ مرتا کہ فلاں زید غریب سے اتنا روپیہ لے لینا سواب امیر حاجی
کے وارث زید غریب کو اس کے مبلغ لے دئے ہوئے واپس نہیں دیتے۔ سواب سوال یہ ہے
کہ شرعاً امیر حاجی مرحوم کے ورثہ پر امیر حاجی کے متروکہ میں سے غریب زید کو اس کے لے دئے
ہوئے واجب ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب ؛ زید غریب کو امیر حاجی کے ورثہ سے اس رقم کے طلب کرنے کا حق نہیں
کیونکہ اس کے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ امیر حاجی نے اس کی والدہ کی طرف سے حج نہیں کرایا اور
جتنی باتیں سوال میں درج ہیں یہ صرف قرائن واحتمالات ہیں ان سے ثبوت نہیں ہو سکتا اور اگر امیر
حاجی مرحوم کے ہمراہی اس وقت گواہی دیں تو ان کی گواہی بخوبی کیونکہ مدعی علیہ مرجح ہے۔ دوسرے
یہ گواہی نفی پر ہوگی اور شہادت علی النفی قبول نہیں علاوہ ازیں یہ بھی تو احتمال ہے کہ امیر حاجی
نے کسی شخص کو حج بدل کے واسطے وہ رقم دی ہو اور اس نے نہ حج کیا ہو نہ رقم واپس دی ہو۔ یہ بھی

احتمال ہے کہ امیر حاجی نے وہ رقم مکہ میں کسی دیندار معتبر آدمی کو دے دی ہو کہ سال آئندہ اس سے حج بدل کر ادینا۔ غرض اس معاملہ میں زید غریب کے پاس اس امر کی کوئی دلیل نہیں کہ اس کی رقم امیر حاجی کے ذمہ قرض ہو گئی کیونکہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ امانت کہیں ضائع ہو گئی ہو اور امین کے اوپر ضیاع امانت کا ضمان نہیں ہوتا۔ البتہ اگر امیر حاجی کے ورثہ کے دل کو یہ بات لگ جائے کہ زید غریب کی رقم حاجی امیر مرحوم ہی کے پاس رہی ہوگی تو بہتر یہ ہے کہ یہ لوگ زید کی رقم ادا کر کے اپنے مورث کا ذمہ احتمال سے بھی بری کر دیں مگر ایسا کرنا واجب نہیں اسی لئے اگر ورثہ ایسا کریں تو صرف بالغ ورثہ اپنے اپنے حصوں میں سے یہ رقم ادا کریں نابالغوں کے حصوں میں سے ادا نہ کریں فقط واللہ اعلم۔

۷ رمضان ۱۴۲۶ھ

سوال (۱۲) کیا حکم ہے علماء حنفیہ کا اس مسئلہ میں کہ زید ایک غریب جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کے حج بدل کرنے کا حکم

بھیجنا چاہتی ہے اگر زید ہندہ کا روپیہ لیکر حج کو جاوے تو حج ہندہ کا ادا ہو گا یا نہیں؟
الجواب: جس شخص نے اپنا حج نہیں کیا وہ اگر حج بدل کرے تو حج بدل صحیح ہو جاتا ہے لیکن یہ مکروہ تنزیہی ہے اور افضل یہ ہے کہ ایسے شخص کو حج بدل کے لئے بھیجا جاوے جو اپنا حج کر چکا ہو اور جو شخص اپنا حج کئے بدون حج بدل کو جاوے اگر وہ اتنا مالدار ہے کہ اس پر حج فرض ہے تو اس کو حج بدل کرنا مکروہ تحریمی ہے کما فی بغیۃ الناسک ص ۱۸۱ قال فی الفتم واللہ البصر والحق انہا تنزیہیۃ علی الامر بحرمیۃ علی الصرۃ الماموران کان بعد تحقق الوجوب علیہ بملک الزاد والراحلة والصحة لانه یتضیق علیہ والمحالۃ ہذہ فی اول سنی الامکان فیأثم بترکہ وکذا لو تنفل لنفسہ اھ ملخصاً اور اگر اس بدل کے لئے جانے والے پر حج فرض نہیں ہے تو کراہت تحریمیہ نہ ہوگی مگر کراہت تنزیہیہ سے خالی نہیں للاختلاف فی ان الحج بوصولہ الی المیقات یفرض علیہ ام لا واللہ اعلم۔

نوٹ: ہر سوال میں یہ نہیں لکھا کہ ہندہ کو خود جانے سے کیا عذر ہے اس لئے دوبارہ سوال کر لیں کہ اس کا عذر ایسا ہے کہ حج بدل کو بھیج سکتی ہے یا نہیں۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ ۲۰ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

لہ قبیل۔ باب الہدی ۳: ۹۷ ۷۳: ۷۰ ۷۱: ۷۲ قولہ: "الضرورة" وهو الذی لعل یج اولاً عن نفسه۔ دلاور حسین عفا اللہ تعالیٰ عنہ ولوالدیۃ۔

سوال (۱۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص سفر حج سے عاجز ہونے کی صورت میں حج بدل کرانے کا حکم کے اور حج بیت اللہ شریف فرض ہے اور اس کی صحت اس قدر خراب ہے کہ اس کو اپنی حیات کی بھی امید نہیں ہے اور اس کے وارثوں میں سے ایک لڑکا ہے جو آوارہ ہو اور اس سے یہ امید نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ کی وفات کے بعد حسب وصیت باپ کے اس فرض کو باپ کی طرف سے ادا کرے ایسی حالت میں جو حکم شریعت کا ہو اس سے بہت جلد مطلع فرمادیں اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے گا فقط۔

الجواب: جب ایسی تکلیف ہو کہ سفر حج سے بالکل عاجز ہو جاوے تو حج بدل کے لئے کسی کو اپنی زندگی میں بھیج دینا جائز ہے پھر اگر اس عجز کی حالت میں انتقال ہو جاوے تب تو یہ حج کافی ہو جاوے گا اور اگر یہ عجز زائل ہو جاوے تو حج ذمہ رہے گا (اور اگر حج بدل کی وصیت کرنے میں لڑکے پر اطمینان نہیں کہ وہ پورا کر دے گا تو اس کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ کسی دوسرے معتمد کو حج بدل کے لئے وصیت کر دے اور اس کو روپیہ خود سپرد کر دے) کما فی العالمگیریہ (ط ۱۶۱) ومنہا استدامة العجز من وقت الاحجاج الى وقت الموت هكذا في البدائع حتى لو احج عن نفسه وهو مريض يكون مراعى فان مات اجزاء وان تعافى بطل وكذا لو احج عن نفسه وهو مريض من كذا في التبيين۔

المجواب صحیح
کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ

تھانہ بھون ۲۱ ریح الثانی ۱۳۵۵ھ

المجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ

۲۱ ریح ۱۳۵۵ھ

سوال (۱۴) کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بزمانہ ناواقفی حج بدل کے لئے گیا اور میقات سے قبل اشہر حج کا احرام بہ نیت آمر باندھا مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ کر کے احرام کھول ڈالا پھر موسم حج میں احرام باندھ کر حج ادا کیا بعد کو معلوم ہوا کہ حج آمر کا ادا نہ ہوا سال آئندہ تک وہاں اقامت کر کے اپنا حج ادا کر کے واپس ہو گیا اور تیسرے سال پھر اس نیت سے روپیہ فراہم کر کے حج آمر جو اپنے ذمہ باقی ہے اس سے سبکدوشی ہو جائے اشہر حج میں عازم بیت اللہ ہو کر اور میقات سے بہ نیت آمر احرام باندھ کر باحیاط تمام حج ادا کر دیا لیکن جاتے وقت نہ آمر سے تذکرہ کیا نہ اس سے اجازت لی ہاں ان لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ پہلا حج فاسد ہو گیا ہے اسی کی قضا کے لئے دوبارہ جانے کا قصد ہی

دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں فریضہ آمر سے سبکدوشی ہو گئی یا نہیں اگر نہیں ہوئی تو سبکدوشی کی کیا صورت اختیار کی جاوے؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب: فی غنیۃ الناسک (منا فی فوات الحج عن المأثور) فلو حج عن المیت بمال نفسه اجزاءا وبری من الضمان۔ پس اگر حج اول آمر کی طرف سے ادا ہوا ہو تو حج ثالث اس کی جانب سے ادا ہو گیا اور اگر حج اول آمر کی طرف سے ادا ہونے نہ ہونے کی تحقیق مطلوب ہے تو یہ لکھا جاوے کہ میقات سے احرام حج کے بعد عمرہ کا احرام باندھا تھا یا بدون احرام عمرہ محض افعال عمرہ کر کے حلال ہو گیا تھا۔ اور یہ جو لکھا ہے کہ اُن لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ پہلا حج فاسد ہو گیا ہے ائمہ اس میں فساد سے کیا مراد ہے آیا یہی عمرہ کر لینا یا اور کوئی بات مفسد حج پائی گئی تھی صاف صاف لکھیں۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۱ رجبی الاخریٰ ۱۳۵۵ھ

سوال (۱۵) سنا جاتا ہے کہ اس شخص کو جو خود حاجی نہ ہو حج بدل کے لئے ہو اس کے حج بدل کا حکم جانا جائز نہیں اس لئے کہ کعبہ شریف کو دیکھنے سے حج فرض ہو جاتا ہے۔ جب خود ان پر فرض ہو گیا تو وہ دوسرے کی جانب سے ادا نہیں کر سکتا۔

الجواب: جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کو حج بدل کرنا مکروہ ہے۔ اور جب وہ کعبہ شریف پہنچتا ہے تو وہ دوسرے کا احرام باندھے ہوئے ہوتا ہے اس واسطے اس پر اس زیارت کعبہ سے حج فرض نہیں ہوتا کما هو مصرح فی کتب الفقہ البتہ اگر اس کو آئندہ حج تک مکہ معظمہ میں قیام دشوار نہ ہو اور اس کے اہل و عیال کو بھی تنگی نہ پیش آوے تو بعض فقہار نے اس پر وہاں قیام کر کے آئندہ سال حج کرنے کو واجب کہا ہے، واللہ اعلم۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۱۱ رجبی الاخریٰ ۱۳۵۵ھ

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۱۲ رجبی الاخریٰ ۱۳۵۵ھ

بحری اور ہوائی جہازوں پر سفر اور متعلقہ احکام

ہوائی جہازوں میں وقوف | رہا جواب اُن مسائل کا جن کو میں نے پہلے پرچہ میں زیر غور کیا تھا اور وہ دو مسئلے ہیں ایک ہوائی جہاز میں طواف کرنے کا۔ دوسرے ہوائی جہاز میں وقوف عرفہ کرنے کا سو اس کے متعلق جو مجھ کو مطالعہ کتب فقہ سے ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ

مرکب ہوائی میں سوار ہو کر طواف کرنے سے طواف تو صحیح ہو جائے گا بشرطیکہ مرکب ہوائی داخل حد مسجد رہے لیکن بلا عذر ایسا کرنے سے دم واجب ہوگا جیسا کہ مرکب غیر ہوائی میں بھی بلا عذر سوار ہو کر طواف کرنے کا یہی حکم ہے اور مرکب ہوائی میں سوار ہو کر عرفات کے مرور سے وقوف عرفہ ادا ہوگا قال فی البدائع واما مکان الطواف فمکانہ حول البیت (ص ۱۲۱) وفی غنیۃ الناسک الطواف ہوالدوران حول الکعبۃ کیف ما حصل اہ اما ارکانہ فثلاثۃ اثبات اکثرہ وکونہ بالبیت لافیه وکونہ بفعل نفسه ولو محمولا اور اکب بعیر واما شرائطہ فستۃ ثلثۃ منها لا یفوتہ الحج وہی الوقت وتقديس الاحرام وتقديس الوقوف والباقي للكل وہی الاسلام ودخل المسجد ولو علی سطحہ فلو طاف علی سطح المسجد جاز ولو مرتفعاً عن البیت لو طاف خارج المسجد مع وجود الحيطان لا یصح اجماعاً ولو کان الحيطان منہدمۃ لا یصح عند عامۃ العلماء لانہ طاف بالمسجد لا بالبیت اہ (ص ۸۵) چونکہ طواف کی حقیقت دوران حول البیت ہے اور مکان طواف حول البیت ہے اور بیت کے متعلق یہ تصریح موجود ہے کہ ہوا رکعبہ عنان سما تک بیت ہے اور اسی لئے طواف بیت سے مرتفع ہو کر بھی جائز ہے اس لئے مرکب ہوائی میں بشرائط مذکورہ طواف صحیح ہو جائے گا۔ لیکن وقوف عرفہ کے متعلق کہیں یہ تصریح نہیں ملی کہ ہوا رارض عرفہ عنان سما تک بحکم عرفہ ہے بلکہ اکثر کتب میں وقوف کو ارض کے ساتھ مقید کیا ہے قال فی البحر وشرطہ شیئان احدهما کونہ فی ارض عرفات اہ (ص ۳۳۹ ج ۲) وفی العالمگیریۃ ایضاً والوقوف شرطہ شیئان احدهما کونہ فی ارض عرفات والثانی ان یکون فی وقتہ اہ (ص ۱۲۸ ج ۱) وفی الدر والقیام والنیۃ فیہ ای الوقوف لیست بشرط ولا واجب فلو کان جالساً جاز حجه وذلك لان الشرط الکیونۃ فیہ اہ قال الشامی ای فی محل الوقوف المعلوم من المقام وفی شرح اللباب والظاهر ان هذا رکن لعدم تصور الوقوف بدونه نعم الوقت شرط اہ (ص ۲۸۴ ج ۲) اور ظاہر ہے کہ وقوف بارض عرفہ یا کینونۃ بعرفۃ راکیبا علی الدابة یا محمولا علی الایدی میں بواسطہ متحقق ہے بلا واسطہ متحقق نہیں اور مرکب ہوائی میں راکیب کو وقوف بارض عرفہ کسی طرح حاصل نہیں نہ بواسطہ نہ بلا واسطہ ہاں مرور ہوا رارض عرفہ متحقق

ہے پس اگر کسی دلیل سے ہوا عرفہ کا حکم ارض عرفہ ہونا ثابت ہو جائے تو یہ مورد قائم مقام وقوف
بارض عرفہ کے ہو سکتا ہے مگر ہنوز کہیں اس کی تصریح نہیں ملی ہے لہذا افتاء بصحت وقوف
فی ہذہ الصورة مشکل ہے واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۳ صفر ۱۳۵۷ھ
احقر اشرف علی قیاساً علی کون ہواء الکعبۃ فی حکمہا وکون ہواء المسجد
فی حکمہ صحت کو راجح سمجھتا ہے لیکن جزم نہیں کرتا ۱۲

کتاب النکاح

دو پہلے وقت نکاح "قبول کیا" کے سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں اگر
نکاح خوانی کے وقت دولہا سے نکاح خواں نے یوں کہا مثلاً
مریم بنت زید کو دو سو روپیہ مہر انہ کے عوض تمہارے عقد میں دیا وہ صرف الحمد للہ کہا اب
نکاح ہوا یا نہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ "قبول کیا میں نے" کی جگہ میں اگر صرف الحمد للہ کہہ دیا تو
نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟

(تفہیم) اس موقع پر الحمد للہ کہنے سے شہود اور حاضرین کیا سمجھتے ہیں تبلا یا جاتے۔
کیونکہ الحمد للہ ہمارے عرف میں صیغہ قبول کا نہیں ہے تو کیا بنگالہ کی کوئی خاص اصطلاح ہے۔
قال فی الخلاصۃ و فی مجموع النوازل قال زوجنی نفسک منی فقالت بالسمع
والطاعة صح النکاح ولو قالت سپاس وادم لا ینعقد اھ (ص ۳۳ ج ۲)۔
اس سے معلوم ہوا کہ الحمد للہ کہنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

سوال (۲) جناب مولانا صاحب مولوی و مفتی اشرف علی صاحب !
ایک قسم کا وعدہ ہے دام فیو سکم السلام علیکم عرف ہے کہ کمترین کو واپسی خط ملا آنجناب نے
تحریر فرمایا ہے کہ لفظ کس طرح کہے گئے تھے۔ اب اس طرح لکھتا ہوں پہلے بھی آنجناب کی خدمت
میں عرض کر چکا ہوں کہ اس منگنی کے سال دو سال بعد پھر نکاح و شادی کرتے ہیں اس کو
منگنا لے مشہور کرتے ہیں گویا اس کو اصلی نکاح تصور و مشہور نہیں کرتے یہ رسمی معاملہ ہے۔
لڑکی کا والد لڑکے کے والد کو کہتا ہے کہ میں نے اپنی لڑکی فاطمہ تمہارے لڑکے نور محمد کو بخشی،
لڑکے کے والد نے کہا میں نے قبول کی تین دفعہ اس طرح کہا۔ اور جیسے نکاح کے وقت گواہ

مقرر کئے جاتے ہیں گواہ کوئی مقرر نہیں کئے۔ ہمارے اس ملک میں اس کا نام منگنا و شرح ایجاب رکھا ہے۔ کیونکہ اس رسم کے بعد دوبارہ دن شادی کے مقرر کر کے پھر نکاح پڑھایا جاتا ہے۔ اب لڑکی کا والد دوسری جگہ نسبت کر سکتا ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجہ و ا۔

الجواب؛ مجلس خطبہ میں یہ الفاظ وعدہ پر محمول ہوں گے لہذا نکاح نہیں ہوا۔ لڑکی کا والد دوسری جگہ نسبت کر سکتا ہے۔ قال فی الدرس اوہل اعطیتھا ان المجلس للنکاح وان للوعد فوعد قال الشامی قوله ان المجلس للنکاح ای لانشاء عقدہ لانه يفهم منه التحقيق فی الحال فاذا قال الاخر اعطیتکھا او فعلت لنم و لیس للاول ان لا یقبل اھ (ص ۲۳۳ ج ۲) قلت هذا اذا كان المجلس للنکاح واما اذا كان للوعد فقول الاخر اعطیتکھا محمول علی الوعد، فانفهم، والله اعلم جریر الاحقر ظفر احمد، ۲۴ صفر ۱۴۱۰ھ۔

سوال (۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین منگنی کے وقت اولیاء طرفین کا ایجاب قبول ایک قسم کا وعدہ ہوتا ہے اس مسئلہ میں کہ اس ملک پنجاب میں رواج ہے کہ منگنی کے وقت لڑکی کا ولی لڑکے کے ولی کو کہتا ہے کہ میں نے فلاں لڑکی تیرے فلاں لڑکے کو دی وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے لڑکے کے واسطے قبول کی اور بعد شادی کرتے ہیں اللہ نکاح وغیرہ بعد میں ہوتا ہے۔ اسی صورت سے جس لڑکی کی منگنی ہوئی ہو تو اس کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے یا نہیں بیٹنوا بالتفصیل توجہ و ابالاجر الجزیل اس لئے کہ ملک پنجاب میں تمام علماء کرام اختلاف ڈالتے ہیں آپ اسے صحیح لفظوں کے ساتھ بیان فرمادیں؟

الجواب؛ قال فی الدرس اوہل اعطیتھا ان المجلس للنکاح ان للوعد فوعد اھ قال الشامی ان المجلس للنکاح ای لانشاء عقدہ لانه يفهم منه التحقيق فی الحال الخ ص ۲۳۳ ج ۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ منگنی کے وقت لڑکی کے ولی کا یہ کہنا کہ میں نے فلاں لڑکی تیرے لڑکے کو دی الخ یہ لفظ وعدہ پر محمول ہوگا نہ عقد نکاح پر کیونکہ مجلس وعدہ کی ہے نکاح کی مجلس نہیں ہے لہذا ان الفاظ سے نکاح نہ ہوگا اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے۔ **نکاح بیوہ کا حکم** سوال (۴) بیوہ کا نکاح افضل ہے یا یوں ہی بحالت شباب بیٹھ رہنا بہتر ہے۔

الجواب؛ اگر بیوہ صاحب اولاد نہ ہو تو اس کو نکاح کر لینا افضل ہے اور دوسرے نکاح کو عیب سمجھنا تو سخت گناہ ہے اور اگر صاحب اولاد ہے اور دوسرے نکاح سے ان بچوں کے

ضائع ہونے کا اندیشہ ہے کہ شوہر کی خدمت وغیرہ کی وجہ سے ان بچوں کی پرورش بخوبی نہ کر سکے گی تو نکاح نہ کرنا بہتر ہے اور اگر بچوں کی پرورش سے نکاح ثانی مانع نہ ہو تو اس صورت میں بھی نکاح ہی افضل ہے اور تفصیل اس وقت ہے جبکہ بیوہ کو نکاح نہ کرنے کی صورت میں اپنے نفس پر پورا قابو ہو اور گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو ورنہ بہر صورت نکاح کرنا لازم ہے۔

سوال (۵) ایک مسلمان نوجوان کنواری عورت کو زنا سے حمل اور اس کے حمل کا اسقاط جائز نہیں ہو گیا چھ سات مہینہ بعد حالت حمل میں ہی ایک مسلمان مرد نے باوجود علم ہونے کے ایک ناکح نکاح خوان قاضی کے ذریعہ اس سے نکاح پڑھ کر اپنے گھر میں ڈال لیا اس پر گاؤں کے باقی مسلمانوں میں اس بات کا چرچا ہوا مرد مذکور نے اپنی رسوائی چھپانے کے واسطے عورت کا حمل ساقط کر دیا۔ کیا یہ نکاح صحیح ہوا اگر نہیں ہوا تو اس کے لئے کیا تحریر ہونی چاہئے اور حمل ساقط کرنا جائز تھا یا ناجائز اس کے لئے کونسی تحریر ہے عورت کو کیا تحریر ہونی چاہئے نکاح خوان اور مرد مذکور کے معاون لوگوں سے کیسا سلوک ہو اور مرد مذکور نے حمل فاحش عورت مذکور کا ساقط کرنے کے بعد دوبارہ پھر نکاح پڑھا ہے۔ والسلام بیٹنوا توجروا

الجواب : حاملہ من الزنا کا نکاح درست ہے خواہ زانی سے ہو یا غیر زانی سے البتہ اگر زانی سے ہو تو اس کو قبل وضع حمل وطی بھی جائز ہے اور غیر زانی کو وطی جائز نہیں جب تک وضع حمل نہ ہو لہذا صورت موجودہ میں نکاح اول درست ہو گیا تھا نکاح ثانی کی ضرورت نہ تھی لیکن چھ سات ماہ کا حمل ساقط کرنا ایک روایت پر موجب گناہ ہوا جس کا کفارہ توبہ واستغفار ہے اور ایک روایت پر گناہ نہیں ہوا فی العالمگیریہ والعلاج لاسقاط الولد اذا استبان خلقه لا یجوز وان کان غیر مستبین الخلق یجوز واما فی زماننا یجوز علی کل حال وعلیہ الفتویٰ ۱۴ (ص ۲۳۷ ج ۵) - ۱۷۱۲ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ۔

سوال (۶) چہ فرمائیے علماء ملت اہل سنت والجماعت دریں شعبہ رافضی کاسنی عورت کے ساتھ نکاح کا حکم مسئلہ کہ نکاح بستن درمیان زن سنیہ و مرد رافضی تفصیلی باشد یا سبی یا نکاح کردن مابین مرد سنی و زن رافضیہ فی زماننا کہ در روافضی سبب بیا است و تفصیلی کم اند خصوصاً در بلوچستان کہ رافضی تفصیلی یافتہ نمی شود در مذہب اہل سنت والجماعت

عہ قلت ولہ یظہری وجہ الفتویٰ علی الجواز مطلقاً ۱۲ ظفر

و نیز در مذہب اہل شیعہ جائز است یا نہ اگر کسی بطبع دنیا یا بوجہ ناواقفیت مسئلہ این چنین نکاح کرد این طور نکاح فسخ میگردد یا باقی می ماند و اگر در صورت اول بوقت فیصلہ نزد حاکم مرد رافضی خود را تفصیلی سازد برین تقدیر نکاح باقی می ماند یا نہ - چونکہ در بلوچستان عالم شریعت نبوی کم اند بسیار تنازع برخاستہ است حق ظاہر نمی شود آن کس کہ این نکاح را جائز میدارد حوالہ فتاویٰ مولوی عبدالحی مرحوم می دہد و آن فریقیکہ جائز نمی دارد فتاویٰ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی را پیش می آرد غرض قول مفتی بہ معلوم نمی شود آنچه کہ درین مسئلہ حکم مفتی بہ باشد بحوالہ کتاب مع صفحہ ارقام فرمائید - یلینوا توحروا -

الجواب ؛ هو المصوب ؛ جواب محقق نزد ما این است کہ رافضی کہ قذف حضرت سیدہ عائشہ را جائز شمارد و قائل تہریف در قرآن کریم باشد یا قائل بکفر و نفاق حضرت صدیق بود کافر است و اگر بجز تبرا دست شیخین هیچ از امور کفریہ ظاہر ننماید فاسق است پس در صورت اولی سنیہ باین چنین روافضی ہرگز صحیح نشود بلکہ حکم زنا دارد و این سنیہ را جدائی از اول لازم است و اگر حاملہ نباشد معاً نکاح و دخول از مرد سنی جائز است و الا بعد از وضع حمل - و در صورت ثانیہ تفصیل است اگر زن نابالغہ است و ولی آن را علم بفسق آن نبود بلکہ رافضی را صالح و عادل گمان کردہ باو نکاح کرد بعد از آن فسق آن معلوم شد وزن سنیہ بعد از بلوغ اظہار ناراضگی ازین نکاح کرد پس این نکاح ہم باطل است و اگر فسق این جماعت از اول معلوم بود و دیدہ و دانستہ ولی شرعی زن نابالغہ یا بالغہ سنیہ نکاح رافضی داد این نکاح درست شد و بدون طلاق مرتفع نگردد و اگر زن سنیہ بدون اجازت ولی از خود نکاح باین چنین رافضی کند ہم باطل شود و حاجت بطلاق نیفتد بدون طلاق بمرد دیگر از اہل سنت نکاح می تواند کرد اما بعد از تفریق عدت گذاردن لازم است اگر دخول شدہ باشد و عدت آن سہ حیض بود - قال العلامة الشامی فی رد المحتار علی ان الحكم علیہ بالكفر مشكل لما فی الاختیار اتفق الاثمة علی تضلیل اهل البدع اجمع و خطیتهم و سب احد من الصحابة و بغضه لا یكون کفراً لکن یضلل الخ - الی ان قال ثم لاشک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی اللہ عنہا و انکسر صحبة الصدیق او اعتقد الالوهیة فی علی او ان جبریل غلط فی الوحی او نحو ذلك من الکفر الصریح المخالف

للقرآن اھ ص ۲۵۳ ج ۳ - قلت علی هذا فمن نسب الصديق رضي الله عنه
الى الكفر والنفاق فهو كافر لانه منكر صحتہ وهي ثابتة بالنص اذ يقول
لصاحبه لا تخزن ان الله معنا الآية وفي العالم كيرية رجل زوج ابنته
الصغيرة من رجل علی ظن انه صالح لا يشرب الخمر (مثلاً) فوجد الاب
شرباً يامد منا وكبرت الابنة فقالت لا ارضى بالنكاح ان لم يعرف ابوها
بشرب الخمر وغلبة اهل بيته الصالحون فالتكاح باطل ای يبطل وهذه
المسئلة بالاتفاق (ای بین الامام وصاحبيه ۱۲) وكذا في الذخيرة وفيها
ايضاً ثم المرأة ان زوجت نفسها من غير كفو صح النكاح في ظاهر الرواية وروى
الحسن عن ابی حنيفة ان النكاح لا ينعقد وبه اخذ كثير من مشائخنا كذا
في المحيط والمختار في زماننا للفتوى رواية الحسن وقال الشيخ الامام
شمس الائمة السرخسي رواية الحسن اقرب الى الاحتياط اھ ص ۱۶ ج ۲ -
والله اعلم وقد صرح العلماء بوجوب العدة في النكاح الفاسد بعد
الدخول كما لا يخفى علی من له ادنى نظر في الفقه - ۲۱ شوال ۱۴۲۸ھ -

اس شرط کے ساتھ نکاح کرنا کہ بیوی | سوال (۲) السلام علیکم - عرض یہ ہے کہ خادم نے اس جگہ نکاح
شوہر کے وطن سے باہر نہیں جائیگی کیا مگر میری زوجہ نے یہ شرط کر لی ہے کہ وہ میرے ہمراہ ہندوستان
نہ جائے گی اب چند شخصوں نے یہ شبہ ڈال دیا ہے کہ چونکہ اس نکاح میں شرط ہو گئی ہے اس لئے
یہ متعہ ہے مہربانی فرما کر متشرع حکم بتلاویں تاکہ ایسا نہ ہو کہ مخالطہ میں گنہگار ہوں اگر حقیقتہً
یہ متعہ ہوا تو زوجہ کو طلاق دے دوں گا ورنہ خیر والسلام۔

الجواب ؛ یہ نکاح بالکل درست اور بہم وجوہ صحیح ہے متعہ ہرگز نہیں جس نے متعہ کا
شبہ ڈالا ہے وہ مسائل شرعیہ سے محض ناواقف ہے متعہ اس کو نہیں کہتے کہ نکاح کے ساتھ کوئی
شرط کر لی جائے بلکہ متعہ یہ ہے کہ نکاح خاص مدت کے لئے کیا جائے مثلاً یہ کہا جائے کہ میں دو سال
کے لئے نکاح کرتا ہوں یا یوں کہا جائے کہ جب تک میرا قیام بغداد میں ہے اس وقت تک کے لئے
نکاح کرتا ہوں اور اگر یوں نہ کہا جائے بلکہ صرف یہ کہا جائے کہ میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں اس پر
عورت یوں کہے کہ میں اس شرط سے نکاح منظور کرتی ہوں کہ مجھ کو بغداد سے باہر نہ لے جایا جائے
بلکہ یہیں رکھا جائے اور شوہر اس شرط کو منظور کر لے تو یہ ہرگز متعہ نہیں بلکہ نکاح صحیح شرعی ہے

نثرانہ الروایات مینولید فی الغیاشیة سئل نجم الدین النسی عنی قال دختر خویش
فلانہ بمن دادی گفت دادم ووی گفت پذیرم هل ینعقد النکاح فیہ اختلاف المشائخ
عند بعض لا ینعقد حتی یقول بزنی دادم وعند بعض یکون نکاحاً ببدون ذکر
ذلک وهو الاصح پس بنا بریں روایت اصح در صورت سوال نکاح صغیر و صغیرہ منعقد
شد و پدر پسر را بکدامی طرح جائز نیست کہ آن مخطوبہ و منکوحہ پسر را در نکاح خود آورد۔

اور اسی طرح اسی فتاویٰ کے اندر دوسری جگہ اسی طرح کے استقار کے جواب میں دوسری
عبارت یہ نقل فرمائی ہے :

و در جامع مضمرات شرح مختصر قدوری می آرد فی النسیة سئل عنی قال لامرأة
بحضرة الشهود دختر خویش بمن دادی فقالت دادم هل ینعقد النکاح فقال نعم لان
الناس تعارفوا التزوج بهذا اللفظ وان لم یلفظوا بلفظ النکاح،
لان النکاح ینعقد عندنا بلفظ الہیة خلا فاللشافعی۔

یا کہ صورت مسئلہ اس عبارت شامی و در مختار میں داخل ہو کر منعقد نہ ہوگا اور مشکنی پر محمول ہوگا
اور وہ عبارت شامی کی تو یہ ہے قال فی شرح الطحاوی لو قال هل اعطیتنیہا فقال
اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح اور در مختار کی
عبارت یہ ہے هل اعطیتنیہا ان المجلس للنکاح وان للوعد فوعد اور یہی فرمائی
کہ اگر نکاح منعقد ہوتا ہے تو شامی و در مختار کی غرض و توجیہ کیا ہے اور فرق در میان صورت
مسئلہ میں اور مذکورہ در مختار میں کیا ہے اور اگر نکاح نہیں ہوتا بموجب ان عبارتوں کے تو
پھر مولانا عبدالحی کی عبارت کی توجیہ و غرض کیا ہے بالتفصیل تحریر فرماویں بتینا توجس و اب
الجواب ؛ لفظ دادم و پذیرم اگر مجلس خطبہ (مشکنی) میں استعمال کیا جاوے تو
اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا بلکہ محض وعدہ پر محمول ہوگا۔ اور مولانا عبدالحی صاحب کا مطلب
یہ ہے کہ اگر مجلس نکاح میں دادم و پذیرم استعمال کیا گیا تو نکاح ہو جائے گا جس کا قرینہ یہ ہے
کہ انہوں نے اپنی عبارت میں یہ اختلاف بھی نقل فرمایا ہے "عند البعض لا ینعقد حتی یقول
بزنی دادم وعند البعض یکون نکاحاً ببدون ذکر ذلک" اھ اور یہ اختلاف مشائخ
مبنی اس پر ہے کہ لفظ دادم مطلقاً معنی نکاح کی تعبیر کر سکتا ہے یا کہ بزنی زیادہ کرنے کی بھی ضرورت
ہے۔ یہ صاف اس کی دلیل ہے کہ مولانا عبدالحی صاحب اس صورت کو بیان فرما رہے ہیں جب کہ

اور مرد کے ذمہ عورت کی اس شرط کا ایثار لازم ہے وہ اس کو ہندوستان لانے کا مجاز نہیں
البتہ اگر وہ اپنی اس شرط کو واپس لے لے تو پھر ہندوستان لا سکتا ہے۔

قال فی الهدایۃ (ص ۳۰۹ ج ۲) ولو تزوج علی الف ان اقام بہا و علی الفین
ان اخرجہا فان اقام بہا فلہا الالف وان اخرجہا فلہا مہر المثل لا یزاد
علی الفین ولا ینقص عن الف، وهذا عند ابی حنیفۃ رحمہ و قال: الشرطان
جائز ان جبیعا حتی کان لہا الالف ان اقام بہا والالف ان اخرجہا
اھ و فیہ ایضاً (ص ۳۱۴ ج ۲) واذا اوفاہا مہراً نقلہا حیث شاء لقولہ تعالیٰ
اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ وَقِيلَ لَا یُخْرِجُہَا اِلٰی بِلَدٍ غَیْرِ بِلَدِہَا اِلَّا بِالْغَرَبِ
تَوَدَّیْ اھ قلت و علیہ الفتویٰ حتی یمنع الزوج من نقلہا الی غیر بِلَدِہا بغیر
رضاھا صرح بہ فی الشامیۃ و فی الدر المختار و لیس منہ (ای من نکاح المتعمد)
مالونکھما علی ان یطلقہا بعد شہر الخ و فیہ ایضاً الوعد معہ شرط فاسد
لم یطیل النکاح بل الشرط اھ (ص ۴۸۳ مع الشامی)۔

قلت: ولو عقد مع شرط صحیح لم یطیل شیئ منہا کما هو ظاہر۔ واللہ
اعلم۔ ۷۔ رجمادی الثانی س ۲۲۔

سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ
میں کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق ثلاثہ سے فارغ کر دیا بعد عدت کے
عمر کے پاس حیلہ کیا یعنی عمر سے نکاح دیا بعد چند روز کے زید نے کسی طرح پھر
طلاق دلوا کے بعد عدت کے پھر اپنے نکاح میں لایا مگر نکاح کرتے وقت اس کی زوجہ سے یہ
بات نہیں پوچھا کہ عمر نے اس کے ساتھ صحبت کیا ہے یا نہیں مگر یہ بات مشہور ہے کہ عمر نے طلاق
دینے کے وقت جو لوگ حاضر تھے وہ لوگ کہتے ہیں کہ عمر نے طلاق دینے کے وقت صاف صاف کہہ دیا
کہ زید نے اپنی بیوی کو جیسا امانت رکھا ہے ابھی ویسا ہی میرے پاس امانت ہے کسی طرح خیانت
نہیں ہوئی یعنی میرے ساتھ فقط نکاح ہوا ہے صحبت نہیں ہوئی زید کے نکاح جدید کے دو یا
تین مہینہ کے بعد جب مشہور ہوا کہ زید نے جو نکاح کیا ہے وہ فاسد ہے تب زید کی بیوی نے قسم کھا
کر کہا کہ عمر نے میرے ساتھ صحبت کیا ہے حالانکہ عمر نے پہلے طلاق کے اور بعد طلاق کے بھی لوگوں کے
پاس ظاہر کیا ہے کہ میں نے زید کی بیوی کو صحبت سے پہلے ہی طلاق دیا ہے موافق شرع شریف کے

عمر کا قول معتبر ہے یا زید کی بیوی کا معتبر ہے اور کس کے قول کے موافق فیصلہ ہوگا۔ اور زید نے جو نکاح جدید کیا ہے اگر فاسد ہو اور وہ توبہ نہ کر کے باز نہ آوے تو اس سے اختلاط یعنی زید کے ساتھ اکل و شرب درست ہے یا نہیں کس کے قول پر ترجیح ہے کتب کی کوئی عبارت برائے مہربانی نقل کر کے دینا تاکہ ہر طرح اطمینان ہو۔ بینوا توجروا۔ فقط۔

الجواب : قال فی الدہ قال الزوج الثاني كان النكاح فاسدا و لم يدخل بها و كذبته فالقول لها اه قال فی الشامیة كذا فی البصر و عبارة البراذیة ادعت ان الثاني جامعها و انكر الجماع حلت للاول و علی القلب لا اه (ص ۸۶۲ ج ۲) اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں عورت کا قول معتبر ہے اور زید کا نکاح جدید اس عورت سے درست ہے۔ واللہ اعلم۔

وفی العالمگیریة لو اخبرت المرأة ان زوجها الثاني جامعها و انكر الزوج الجماع حلت للاول ولو كان علی القلب بان انكرت و اقر الزوج الثاني لا تحمل اه (ص ۱۲۹ ج ۲) وقوله لو اخبرت الم يدل علی انه لا احتیاج الی قضاء القاضی فی المسئلة فافهم۔

۱۰ شعبان ۱۲۲۲ھ۔

سوال (۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اندر اس مسئلہ کہ زید نے مجلس عام منگنی میں رو برو گواہان کے کہا کہ میں نے اپنی لڑکی عمرو کے لڑکے کو دی اور عمرو نے اسی وقت ایک ہی مجلس میں کہا کہ میں نے قبول کی اور زید کی لڑکی اور عمرو کا لڑکا دونوں صغیر ہیں اب فرمائیے کہ اس صورت میں زید کی لڑکی کا عمرو کے لڑکے کے ساتھ نکاح منعقد ہو جائے گا جیسا کہ مولانا مولوی عبدالحی کے فتاویٰ میں تصریح ہے کہ اصح روایت پر صورت مذکورہ میں نکاح ہو جاتا ہے جس کی عبارت مندرجہ ذیل ہے :

استفتاء : چه فرمایند علمای دین کثریم اللہ تعالیٰ در صورت مسئلہ کہ یک شخص جماعت خود را دعوت خطبہ داد و مردمان جماعت بدعوت خطبہ جمع شدند و در مجلس خطبہ در میان ولی دختر صغیرہ و ولی پسر صغیر ایجاب و قبول بالفاظ دادم و پذیرفتم جاری شد پس بایں ایجاب قبول کہ بالفاظ مذکورہ در مجلس خطبہ جاری شدہ است دختر منکوچہ پسر شد یا نہ بینوا توجروا ؟

جواب : هو المصوب در انعقاد نکاح بلفظ دادم و پذیرفتم اختلاف مشائخ حنفیہ است بعض حکم بانعقاد می سازند و بعض نہ و در کتب معتبرہ قول اول را اصح گفته اند و در

یہ دادم و پذیرفتہ مجلس نکاح میں استعمال کیا جائے۔ یا ایسی مجلس میں استعمال کیا جائے جو نہ مجلس خطبہ ہے نہ مجلس نکاح ہے۔ باقی اگر مجلس خطبہ میں ان کو استعمال کیا گیا تو حسب تصریح و درنمنا محض وعدہ پر محمول کیا جائے گا، واللہ اعلم۔
۱۸ رمضان ۱۳۲۲ھ -

سوال (۱۰) ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس صورت
مشرک عورت کو حیرامسلمان کر کے اس سے نکاح کرنے کا حکم
میں کہ ایک عورت مشرکہ اپنے گھر میں تھی اس کی اور اس کی ساس میں باہم
لڑائی ہو گئی ساس نے اس کو مارا اور کہا کہ نکل جا ہمارے گھر سے تو اس کو اس کہنے پر غصہ آیا اور اپنے
میکہ کو نکل چلی کہیں راستہ میں ایک جگہ کوئی ایسا آدمی رہتا تھا کہ وہ اکثر ایسی عورتوں کو بہکا کر ادھر ادھر
کر دیا کرتا تھا اس مشرکہ مذکورہ کو بھی اس نے اپنے پاس ٹھہرا کر ایک دو روز کے بعد کسی شخص کو
بلا کر اور اس سے کچھ روپیہ وصول کر کے عورت مذکورہ کو اس کے ہمراہ کر کے گاڑی میں بٹھا دیا
اور کہا کہ ان کے ساتھ جا یہ تجھے کو تیرے باپ کے یہاں پہونچا دیں گے وہاں سے چل کر کچھ مسافت کے بعد
گاڑی سے اترے تو اس عورت نے کہا یہ تو میرے میکہ کا راستہ نہیں لانے والے نے دھکایا اور کہا
کہ ہمارے ساتھ چل اور خاموش رہ ورنہ ہم تجھے کو مار ڈالیں گے اور پھر اپنے مکان میں لا کر چند روز
رکھا اور دھکیاں دیتے رہے کہ تو مسلمان ہو جا ورنہ ہم تجھے کو مار ڈالیں گے بالآخر چارناچار وہ
راضی ہو گئی چند روز کے بعد ایک آدمی کو بلا کر چند آدمیوں کے سامنے اس کو مسلمان کیا اس عورت
نے بخوبی کلمہ شریف پڑھا اور اپنے پہلے دین سے بریت اور اسلام سے اپنی رغبت ظاہر کر دی اور
اقرار کیا کہ احکام اسلامی کو بجالا کر دل کی اور اسی کو اپنا دین سمجھا کر دل کی تو یہ عورت شریعت محمدیہ
کی رو سے مسلمان ہو گئی یا نہیں ہوئی؟ بتینوا تو حسب واد۔

تنقیہ: فی ردالمختار فاذا قال انا مسلم طائعا فہو دلیل اسلامہ
وفیہ فاذا اتی بہما (ای بالشہادتین) طائعا یجب الحکم باسلامہ ج ۳
ص ۲۲۵ بنا بران روایات کے دیکھنا چاہئے کہ اظہار رضا و رغبت طائعا ہے یا اب بھی اس کو
وہی خوف ہے کہ اگر ایسا نہ کر دے گی تو مجھ کو مار ڈالیں گے اور اس کے گمان میں یہ ہے کہ یہ ایسا
کر سکتے ہیں جواب اس کی تحقیق پر موقوف ہے۔

جواب تنقیہ: اس عورت مذکورہ بالا سے جو دریافت کیا گیا کہ مسلمان ہو گئی ہے
تو اس نے نہایت خوشی سے مسلمان ہونے کا اظہار کیا اور جب جدا گانہ پوچھا گیا ہے کہ تجھے کو پھر اسی
پہلے دین کی طرف رغبت محبت ہے اس دین میں جانا چاہتی ہے تو اس سے بالکل انکار کرتی ہے،

اور اسلام لانے پر خوش ہے اور کسی قسم کا خوف نہیں ظاہر کرتی ہے اور جاتی ہے کہ میں ذی اختیار ہوں اگر پہلے دین کو اختیار کروں تو مجھ کو کوئی شے مانع نہیں ہے بینوا جوابہ توجہ واہ

الجواب؛ قال قاضیخان فی فتاواہ (ص ۳۱۶ ج ۴) من باب الاکساة: واذا اجبر الکافر علی الاسلام فاسلم صم اسلامه فان ارتد بعد ذلك یجبر علی الاسلام ولا یقتل اھ۔

صورت مسئلہ میں اس عورت مشرکہ کا اسلام معتبر ہو گیا اب اس کو مسلمان ہی سمجھنا چاہئے اور اگر اس کا شوہر کافر زندہ ہے تو وقت اسلام سے تین حیض گزر جانے کے بعد اس کا نکاح مسلمان مرد سے ہو سکتا ہے تین حیض گزرنے سے پہلے نکاح درست نہ ہو گا، واللہ اعلم۔ ۱۹ از یقعدہ ۳۲۷ مشرک سے اس کی نابالغ لڑکی خریدنے سے اس کا مالک نہ ہونا۔ اور بحالت نابالغی اس سے نکاح کا حکم

سوال (۱۱) اگر کسی نے مشرکہ لڑکی کو اس کے ماں باپ سے جو مشرک میں خرید لیا اور وہ لڑکی نابالغہ ہے اگر اس نے اس کو مسلمان کر لیا اور بعض ضرورتوں کی وجہ سے دو گواہوں کے سامنے اس سے نکاح اس طرح کیا کہ دو گواہ جانتے ہیں۔ اور کوئی نہیں جانتا تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ یہ نکاح لڑکی کے عدم بلوغ میں ہوا ہے۔

الجواب؛ قال الشامی فی النہر عن منیۃ المقتی اذا باع المحرمی ہناک ولدہ عن مسلم عن الامام انہ لا یجوز ولا یجبر علی الرد وعن ابی یوسف یجبر علی الرد اذا خاصد المحرمی اھ (ص ۳۷۶ ج ۳)۔

صورت مسئلہ میں یہ نکاح درست نہیں ہوا کیونکہ یہ شخص اس لڑکی کے خریدنے سے اس کا مالک نہیں ہوا اور یہ اس کا ولی بھی نہیں جو نابالغی کی حالت میں اس کا نکاح کر سکے پس بعد بلوغ کے اس لڑکی کی رضا سے نکاح کرنا چاہئے قلت وفي بعض الروایات انہ یمثل لو کان اهل الحرب یرون جواز هذا البیع فعلى هذا ایضاً یمثل النکاح لكونه من سیدھا ونکاح الامۃ من سیدھا لا یجوز والروایۃ المشار الیها ذکرھا العلامة عبدالحی فی فتاواہ عن البزازیۃ بلفظ والصحیح ان کان البائع یرى جواز بیعہ ملکہ مطلقاً وان کان لا یرى ان اشتراہ و ذهب بہ مکرھا ملکہ بالقهر اھ (ص ۱۰۲ ج ۱) والظاهر من حال الناسین والكافرین من اهل الهند انھم یرون ذلك جائزاً شیوعہ

فیما بینہم من غیر نکیہ و لکن لا افتی بجواز الاستمتاع بهذا الملك لا خلا
السوايات فی الباب، والله اعلم۔ ۲۰ محرم ۱۳۵۵ھ۔

حکم نکاح متنیہ بارافضی | سوال (۱۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس معاملہ میں جس کی کیفیت ذیل میں درج ہے :-

زید کا آبائی مذہب شیعہ تھا اس کے بہن کی شادی ایک سنت جماعت سے ہوئی کچھ عرصہ کے بعد زید
مع اپنے باپ کے اس مقام پر چلا آیا جہاں اس کی بہن تھیں اور علیحدہ رہ کر کار بار کرنے لگا زید کا
باپ فوت ہو گیا اور اس نے کچھ عرصہ کے بعد نجوشی خود مذہب اہل سنت و جماعت اختیار کر لیا وہ بے
پڑھا اور نہایت سادہ لوح آدمی تھا کسی قسم کا مذہبی تعصب نہ تھا نہ کوئی مذہبی واقفیت تھی البتہ جب
سے وہ شریک اہل سنت و جماعت ہوا نماز عیدین میں برابر سنت جماعتوں میں شریک ہوتا تھا اور
جملہ رسومات اہل سنت و جماعت ادا کرتا تھا اس کی شادی بھی سنت جماعتوں میں ہوئی اور اس کی
زوجہ کا مذہب سنت جماعت ہے زید کی ایک لڑکی ہوئی جس کی شادی ایک درمیانی شخص نے یہ خیال کر کے
کہ اس کا گھرانہ شیعہ رہا ہے ایک شیعہ گھرانے میں طے کی جس کو زید نے اپنی بے تعصبی سے منظور کر لیا
لڑکی کی عمر اس وقت آٹھ یا نو سال کی تھی اور وہ اپنی ماں باپ کے موجودہ مذہب پر یعنی سنت
جماعت پر تھی نکاح کے وقت کسی قاضی عالم نے نکاح نہیں پڑھایا نہ ایجاب و قبول کرایا گیا نہ کوئی گواہ
نہ وکیل لڑکی کی طرف کا ہے (یہ بات یقینی ہے کہ زید نے اجازت دے دی ہوگی ورنہ ازدواج ہو
ہی نہیں سکتا تھا لیکن اجازت دینے کا بھی کوئی گواہ لڑکی کی طرف والوں میں نہیں پایا جاتا جس کے
لڑکے کے ساتھ نسبت ہوئی سنا جاتا ہے کہ اس کے چچا نے اپنی طریقہ پر صیغہ پڑھ لیا اور یہ ازدواج
کی رسم ختم ہو کر کھانے کے بعد بارات رخصت ہو گئی لڑکی کی رخصت بوجہ نابالغی نہیں ہوئی چار سال
بعد لڑکی کی رخصت ہوئی اور وہ پندرہ روز اپنے سسرال میں رہ کر واپس آئی اس وقت کوئی بات
خلاف نہیں ہوئی آٹھ ماہ کے بعد وہ پھر سسرال گئی اور چار ماہ وہاں رہی اسی عرصہ میں عشرہ محرم
پڑا اس گھرانے کی عورتوں نے اپنی رسم کے موافق چوڑیاں توڑیں اور سینہ کوٹ کوٹ کر ماتم کیا اس کو
بھی ایسا ہی کرنے کا حکم کیا گیا چونکہ یہ سنت جماعت تھی اور بچپن سے اس کی عادتیں تھیں نہیں اس نے
انکار کیا انکار پڑے اس کو مار پڑی اور زبردستی چوڑیاں توڑ دی گئیں اور ماتم کرنے اور رونے پر
مجبور کی گئی اور بھی رسوم ان لوگوں نے کیں جس کو اعمال کہتے ہیں جو بنا بر فساد درمیان شیعہ و سنت
جماعتوں کے ہے اس کے علاوہ بھی معمولی روزمرہ کے برتاؤ میں طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں

لڑکی کو یہ باتیں شاق گذریں مگر مجبور تھی چار ماہ بعد وہ لوگ رخصت نہیں کرتے تھے لیکن کسی طرح ہزار کوشش رخصت کرائی جا کر اپنے ماں باپ کے گھر آئی اور سب حال بیان کیا اور کہا کہ میں اب اس گھر جانا نہیں چاہتی کسی طرح میرا وہاں سے پیچھا چھوڑا یا جاوے مجھے سخت تکلیف دی جاتی ہے اور مجھے یہاں تک خیال ہے کہ اگر اب میں وہاں گئی تو پھر واپس نہ آؤں گی اس پر زید نے قصد کر لیا کہ وہ لڑکی کو وہاں نہ بھیجے گا اور خلع کرائے گا لیکن چند روز بعد زید بقضائے الہی فوت ہو گیا اس کی زوجہ لڑکی کو رخصت نہیں کرتی اور نہ وہ لڑکی کسی طرح جانے کو راضی ہے اب لڑکی کے مسسرال والوں نے عدالت سے رخصت کرائے جانے کا دعویٰ کیا۔ لڑکی کہتی ہے کہ میں نابالغ تھی مجھے خبر نہیں کہ میرا نکاح کیسے ہو گیا مجھ سے کسی نے کچھ نہیں کہا نہ تعداد مہر کی معلوم ہیں کہ کیا باندھا گیا چونکہ اب میں بالغ ہوں میں ایسے جگہ ہرگز جانا نہیں چاہتی جہاں مجھ سے وہ رسوم کرائی جائیں جو میں نے کبھی نہیں کیں اور ہر طرح کی تکلیف دی جاوے اور بزرگان دین کو برا بھلا خود کہا جاوے اور مجھ سے کہلوا یا جاوے۔ میں اب اگر وہاں جاؤں گی تو پھر واپس نہیں آسکتی میرا خلع کر لیا جاوے، اب شرع شریف اس بارہ میں کیا حکم دیتی ہے کہ آیا باوجود اس کے کہ لڑکی کا صیغہ نابالغی میں پڑھا گیا ایجاب و قبول نہیں کرایا گیا تعداد مہر معلوم نہیں۔ نکاح اہل سنت و جماعت کے طریق پر نہیں ہوا جو کہ لڑکی اور اس کے والدین کا مذہب ہے اس کو ہر طرح تکلیف دی جاتی ہے اپنے مرضی اور عقائد کے خلاف باتیں کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں بھی کیا اس کو خلع نہیں مل سکتا اور وہ حیرا مسسرال بھیجے جانے پر مجبور کی جاسکتی ہے اگر وہ وہاں گئی تو پھر اون لوگوں کے اختیار میں ہوگی وہ جیسا چاہیں اس کے ساتھ برتاؤ کریں کوئی اسکی طرف سے فریاد کریں والا نہیں۔ اس کی ماں بیوہ اور لڑکی کے مسسرال علاقہ انگریزی میں ہے اور اس کی ماں ریاست میں رہتی ہے جواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور۔

عند الناس مشکور ہوں فقط

الجواب: روافض کے متعلق علماء سنت و جماعت کے دو قول ہیں بعض محققین کے نزدیک رافضی کافر ہیں اس کے قول پر کسی سنی عورت کا نکاح رافضی مرد سے درست نہیں ہو سکتا نعم يجوز نکاح الرافضة بالرجل السني لكونها كتابية قال في التحمير المختار وجعل المصلي في حاشية المصنف المعتزلة والرافضی بمنزلة اهل الكتاب حيث قال تحت قوله وصم نکاح کتابیة، اقول یدخل فی هذا الرافضة بانواعها والمعتزلة فلا يجوز ان تتزوج المسلمة السنة

من الرافضی لانہا مسلمة وهو کافر فدخل تحت قولہم لا یصم تن وج مسلمة
 بکافر اھ وقال الرستغنی لا تقع مناکحة بین اهل السنة والاعتزال اھ
 فالرافضة مثلہم اواقبہم والرملی جعلہم من قبیل اهل الکتاب فیجوز
 نکاح نساءہم ولا ین وجون ولعلہ اعدل الاقوال لانہ لاشک فی کفر
 الرافضة اھ سندى (ص ۱۸۳ ج ۱) اس قول کی بنا پر دختر زید کا نکاح رافضی
 مرد سے درست ہی نہیں ہوا اور وہ بدون طلاق و نکاح کے دوسرے مرد سنی سے نکاح کر سکتی
 ہے لیکن وطی بالشبہ کی وجہ سے اس کے ذمہ عدت ہوگی اور دخول کی وجہ مہر کی بھی بطور عقر
 کے مستحق ہوگی۔ اور محققین حنفیہ کی ایک جماعت رافضیوں کو اطلاق کے ساتھ کافر نہیں کہتی بلکہ
 وہ تفصیل کرتے ہیں کہ اگر رافضی قاذف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہو یعنی نعوذ باللہ ان پر
 تہمت زنا لگاتا ہو یا قرآن میں تحریف دلی بیتی کا قائل ہو تو کافر ہے اس کے ساتھ سنی کا
 نکاح باطل ہے اور دخول کے بعد عدت و مہر کا وہی حکم ہے جو اوپر گزرا اور اگر قاذف عائشہ رضی
 نہیں۔ اور نہ تحریف قرآن کا قائل ہے اور اس کے علاوہ اور بھی کوئی عقیدہ کفریہ نہیں رکھتا
 تو کافر نہیں بلکہ فاسق ہے اس کے ساتھ سنی کا نکاح بعض صورتوں میں درست ہو جاتا
 ہے مثلاً جب باپ دادا نے اپنی لڑکی سنی کا نکاح بلوغ سے پہلے کر دیا ہو مگر جس طرح ہو سکے
 سنی کو طلاق یا خلع کر کے اس مرد سے علیحدگی اختیار کر لینی چاہئے کیونکہ اس کے پاس رہنے
 میں اس کے دین اور مذہب پر اندیشہ ہے پس صورت مسئلہ میں اگر دختر زید کا رافضی شوہر حضرت
 عائشہ رضی کو متہم کرتا ہے اور قرآن میں تحریف کا یا کسی اور عقیدہ کفریہ کا قائل ہے تو وہ کافر ہے
 اس سے دختر زید کا نکاح صحیح نہیں ہوا اور اگر وہ اس عقیدہ کا نہیں۔ تو نکاح صحیح ہو گیا۔
 لیکن حاکم کو چاہئے کہ خلع وغیرہ کر اگر اس عورت کو رافضی مرد سے طلاق دلا کر الگ کر دے ورنہ
 عورت کو چاہئے کہ جہاں تک قدرت ہو اس سے اپنے کو بچائے قال الشامی نعم لاشک
 فی تکفیر من قذف السيدة عائشة او انکسر صحبة الصديق او اعتقد
 الا لوهية فی علی او ان جبشیل غلط فی الوحی او نحو ذلك اھ (ص ۲۵۳ ج ۳)۔
 ۲۵ محرم ۱۲۵۰ھ

اس عورت سے جواز نکاح کا حکم جو زوج | سوال (۱۳) جناب دربارہ مسئلہ ذیل کیا فرماتے ہیں۔
 اول سے اپنا مطلقہ ہونا بیان کرتی ہو | ایک عورت میرے یہاں دو سال سے ملازم ہے جو کہ جوان ہے

اور میں اپنے ایک ملازم سے اس کا نکاح کر دینا چاہتا ہوں کیونکہ اندیشہ ہے کہ وہ بدچلن نہ ہو جاوے لیکن اس میں صورتیں یہ پیدا ہو گئی ہیں اول یہ کہ مسماۃ کچھتی ہے کہ اس کا طلاق ہو چکا ہے اور اس کے شوہر نے بذریعہ خط کلکتہ سے اپنے ماں باپ کو لکھا ہے کہ اس کو گھر سے نکال دو ہم سے اور اس سے اب کوئی واسطہ نہیں مگر اس خط کے جواب پر اس کے باپ نے یہ لکھا کہ ہم کس طرح سے نکال دیں کیا تم اس کو طلاق دیتے ہو؟ اس دوسرے خط کے جواب میں اس نے یہ لکھا کہ ہم اس کو طلاق دیتے ہیں تم گھر سے نکال دو اور اس گاؤں میں اس کو کہیں مت رہنے دو بڑی بدنامی ہوگی اور وہ دوسری عورت کو اپنے ساتھ کلکتہ لے گیا میں نے اس طلاق کی تحقیق میں بیکوشش کی جس کا نتیجہ حسب ذیل ہے :

(۱) جو عورت اس کو اپنے ہمراہ اس کے سسرال سے لائی اس کا بیان یہ ہے کہ اگر اس کا نکاح زید سے نہ ہوا اور کہیں دوسرے سے ہو تو میں کہہ سکتی ہوں کہ طلاق ہو گیا ہے۔
(۲) اس کا جیٹھ میرے پاس خود بغرض ملازمت آیا تھا اس سے میں نے طلاق کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے یہ ظاہر کیا کہ کسی مہاجن کا کچھ روپیہ قرضہ ہے۔ اگر مسماۃ اس کو ادا کر دے تو میں لکھ دوں گا کہ طلاق ہو گیا ہے۔

(۳) ایک مسلمان مسماۃ مذکورہ کے گاؤں کا رشتہ دار کہا جاتا ہے اس نے میرے روبرو بدریافت حال طلاق بیان کیا کہ طلاق ہو گیا ہے۔ میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں نے اس سے اس طریقہ سے سوال کیا تھا کہ یہ شرع کا معاملہ ہے سچ بتانا جھوٹ نہ بولنا اور نہ کسی کی طرف داری کرنا ورنہ تم پر گناہ ہو گا تب اس پر اس نے کہا کہ طلاق ہو گیا ہے۔

(۴) میں نے ایک شخص خاص کو (اور وہ میرا دوست ہے) بدریافت طلاق مسماۃ کی سسرال اپنے فریضے بھیجا کہ وہ اس کے ماں باپ اور خاص قرابت داروں سے دریافت کرے کہ آیا مسماۃ مذکورہ کو اس کے شوہر نے (جواب تک سنا جاتا ہے کہ کلکتہ میں ہے اور دوسری عورت اس کے پاس ہے) طلاق دیا ہے یا نہیں اس نے اگر یہ بیان کیا کہ اس کا جیٹھ یہ کہتا ہے کہ مسماۃ یہاں آکر رہے ہیں اس کا نکاح اس کے شوہر سے طلاق دلا کر جس کو وہ پسند کرے کر دیں گے۔ لیکن اس کے خسر نے یہ کہا کہ ہم اس کو نہیں رکھیں گے تم اگر خرچ دے سکتے ہو تو بلا کر رکھو۔

(۵) میں نے ایک خط اس موضع کے تھانہ دار کو اپنی جانب سے بدریافت حال طلاق لکھا تھا۔ جس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ میری جانچ سے یہ معلوم ہوا کہ طلاق نہیں ہوا ہے اور یہ

بھی لکھا ہے کہ اس کے شوہر کا پتہ ٹھیک معلوم نہیں ہے کہیں کلکتہ میں رہتا ہے احمد خان خسر مسماۃ اپنے ساتھ رکھنے کے لئے راضی نہیں ہے لیکن اس کا جیٹھ اپنے گھر میں رکھنا چاہتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اپنے چھوٹے بھائی سے اس کا نکاح کرا دے ایسی صورت میں طلاق ہو گیا کہ نہیں؟ اگر طلاق نہیں ہوا تو کونسی صورت اختیار کی جاوے اس سے زیادہ جانچ میرے امکان سے باہر ہے۔ اگر مسماۃ کو قسم دی جائے اور وہ حلفیہ بیان کرے کہ طلاق ہو گیا ذریعہ تحریر کے تو وہ طلاق از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں مرد کی قسم کا اختیار کیا جائے گا یا عورت کی؟ بینوا تو جروا **تنقیم** :- یہ عورت دینداری میں کیسی ہے پابند نماز وغیرہ ہے یا نہیں۔ اس کا چال چلن کیسا ہے جھوٹ سچ بولنے میں اس کے متعلق تجربہ کیا ہے ان تنقیحات کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائے گا۔ یہ پرچہ بھی واپس کیا جاوے، فقط۔

جواب تنقیم :- (۱) عورت نو مسلمہ ہے۔ نماز اکثر پڑھتی ہے۔ پوری نماز اس کو نہیں آتی۔ سکھایا جاتا ہے۔ گذشتہ رمضان المبارک کے روزے رکھے تھے۔ (۲) چال بظاہر اچھا ہے۔

(۳) تجربے سے میں اس کو دروغ گو نہیں کہہ سکتا ممکن ہے کہ خانہ داری کے معاملات میں بحیثیت ایک ملازمہ کے کبھی جھوٹ بول دیا ہو (قیاساً)۔

(۴) عورت پردہ نشین نہیں ہے کام کاج کے لئے بازار وغیرہ جایا کرتی ہے۔ فقط۔

(۵) اگر عورت کے ہاتھ میں قرآن شریف دیکر قسم کھلائی جاوے گی تو وہ ہرگز جھوٹ قسم نہ کھائیگی۔

الجواب :- اگر یہ عورت قسم کھا کر کہے کہ مجھ کو میرے شوہر نے طلاق دے دی ہے اور عدت گزر چکی اور قلب اس کی بات کو قبول کرے تو اس کا دوسرے شخص سے نکاح کر دینا اور دوسرے شخص کو اس سے نکاح کر لینا جائز ہے جبکہ اس کا دل بھی عورت کی بات کو قبول کرے، قال فی العالمگیریۃ (ص ۲۱۰ ج ۶) ولوان امرأۃ قالت لرجل ینان زوجی طلقنی ثلاثا وانقضت عدتی فان کانت عدلۃ وسعہ ان یتزوجہا وان کانت فاسقۃ تحریر، وعمل بما وقع تحریرہ علیہ کذا فی الذخیرۃ اھرقلت: وانما قیدت بشہادۃ القلب لہا لکون عد التہا فی الصورۃ المسئلۃ مشتبہۃ عندی، واللہ اعلم۔

۲۴ صفر ۱۴۲۵ھ

سوال (۱۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ببلان شرع گلزار متین اس
پانچ سال یہاں رہنا ہوگا مسئلہ میں زید بجالت تجارت اپنے وطن کو چھوڑ کر ایک قصبہ میں مقیم ہوا اور
عائشہ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ میں یہاں پہ پانچ سال کا مل رہوں گا اور ایک مرتبہ زید عائشہ کو اپنے
وطن اصلی کو بھی لے گیا تھا پھر زید نے شرط جو پانچ سال اقرار کی تھی پوری کرنے کا انکار کیا اور پھر
وہ عائشہ کو اس کے میکے چھوڑ کر اپنے وطن اصلی چلا گیا پھر اگر زید نے عدالت میں عائشہ کو قبضہ لینے کا
دعویٰ کیا یہ نکاح ثابت رہا یا نہیں جو شرط سے انکار ہے تو ضرور آپ مفصل طور سے کتبہ معتبرہ
سے جواب تحریر فرمادیں؟ عند اللہ ماجور وعند الناس مشکور ہوں۔

الجواب : قال فی الدس والنکاح لا یصح تعلیقہ بالشرط کتزویجتک ان
رضی الی لہ ینعقد النکاح لتعلیقہ بالخطر کما فی العمادیۃ
قال الشامی حیث قال لا یصح تعلیق النکاح بالشرط ان یقول لبنۃ
ان دخلت الدار من وجتک فلانا وقال فلان قبلت فان التعلیق لا یصح و
ان صح النکاح ولعلہ اشتبه علیہ النکاح المعلق علی شرط بالنکاح المشرط
معہ شرط فاسد و بینہما فرق واضح شر نیلایۃ ای فان الاول یبطل
راساً و اساساً والثانی یصح ویلغو الشرط۔

صورت مسئلہ میں اگر ایجاب وقبول کے ساتھ یوں کہا گیا تھا کہ اگر تو پانچ سال یہاں
رہے تو فلاں عورت کا تجھ سے نکاح ہے ورنہ نہیں اس کا حکم اور ہے اور اگر ایجاب وقبول کے
ساتھ یوں نہیں کہا گیا بلکہ پانچ سال رہنے کی شرط ایجاب وقبول سے پہلے طے کر لی گئی یا بعد
میں کہا گیا تو حکم اور ہے سائل کو بتلانا چاہئے کہ ان دونوں میں سے کونسی صورت واقع ہوئی ہے۔
فقط - ج ۲ صفحہ ۴۳۳

سوال (۱۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس
مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق دی معہ تین طلاق کے
جس کے گواہ موجود ہیں پھر دوبارہ بزور نکاح ثانی کرنے پر زید سے
طلاق مغلطہ کے بعد بغیر حلالہ
نکاح ثانی اور ان ایام میں عورت
کے نفقہ کا حکم
کہا گیا زید نکاح ثانی پر راضی نہ ہوا لیکن زید کہا گیا اور سمجھایا گیا کہ نکاح ثانی ہو سکتا ہے از روئے
فتویٰ کے ان کہنے پر زید نے نکاح ثانی کر لیا بعد نکاح ثانی کے زید نے فتویٰ دریافت کیا فتویٰ
ناجائز ٹھہرا جب ثبوت فتویٰ ناجائز کا ٹھہرا تو زید نے اپنے زوجہ ہندہ کو چھوڑ دیا اب والدینہ

نے زید پر مقدمہ دائر کیا ہے کہ میری لڑکی ہندہ کو دس ماہ سے خیر خانہ داری نہیں دیتا ہے اور اس مقدمہ میں ایک طرفہ ڈگری حاصل کر لیا ہے نمبر وار جواب ارسال فرماویں طلاق کہ طلاق ہوئی یا نہیں نکاح ثانی جائز ہوا یا نہیں خیر خانہ داری عائد ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب؛ صورت مسئلہ میں چونکہ نکاح ثانی بدون حلالہ ہوا ہے اس لئے درست نہیں ہوا ہندہ پر تین طلاق ہو چکی ہیں جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دیا مع تین طلاق کے۔ اور جب نکاح ثانی درست نہیں ہوا تو زید پر ایام نکاح ثانی کا نفقہ بھی لازم نہیں ہوا البتہ عورت پر زید سے علیحدگی کے بعد اس نکاح ثانی کی وجہ سے بھی عدت لازم ہو گئی اگر سہستری ہوئی ہو، لکون الوطی فیہ بشہة۔ قال فی الدر من تجب للنزوجة بنکاح صحیم فلو بان فساد او بطلانہ رجع بما اخذتہ من النفقة بجر اھ قال الشامی فلا نفقة علی مسلم فی نکاح فاسد لانعدام سبب الوجوب وهو حق الحبس الثابت للنزوجة علیہا بالنکاح وکذا فی عدتہ لان حق الحبس وان ثبت لکنہ لم یثبت بالنکاح بل لتحصین الماء اھ (ص ۶۰ ج ۲) اس سے معلوم ہوا مدت نکاح ثانی کا نفقہ زید پر تو واجب ہے ہی نہیں بلکہ اگر اس نے اس مدت میں ہندہ کو کچھ نفقہ دیا ہو تو اس کو ہندہ سے واپس لے سکتا ہے، واللہ اعلم۔

۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ۔

سوال (۱۶) کافرہ عورت کے متعلق مسئلہ ہے کہ کافرہ عورت کا نکاح نومسلمہ محض جو اسلامی ریاست میں بردہ ہو کر آئے تو یہ بتاؤ داریں موجب بینونت ہے یا نہیں اس عورت کو مسلمان کرنے پر تین ماہ کے بعد کسی اسلامی سلطنت میں لے جا کر نکاح کیا جائے تو درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب؛ کافرہ عورت اگر خاوند والی ہو تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ دارالحرب میں جب اس کو تین حیض نہ آئیں گے اس وقت تک اس کا نکاح کافر شوہر سے نہیں ہو سکتا تین حیض آنے کے بعد دونوں میں فرقت ہوگی چھ مہینے کی قید نہیں بلکہ تین حیض کا آنا ضروری ہے چاہے تین ماہ میں آئیں یا سال بھر میں قال فی الدر ولو اسلم احدھما ثمہ ای فی دار الحرب لم تنبتن حتی تحيض ثلاثا و تمضي ثلاثة اشھر (ای ان کانت لا تحيض لصغر او کبر کما فی البھی اھ ش) (ص ۶۴۰ ج ۲) رہا یہ کہ اس کو اسلامی

سلطنت میں لے جا کر نکاح کیا جائے سو اس کی چند صورتیں ہیں :-
 ۱۔ یہ کہ اسلامی سلطنت میں اُس کو اسلام لانے سے پہلے جبراً لے جایا جائے اُس کی خوشی کے ساتھ نہ لے جایا جائے اس صورت میں اسلامی سلطنت میں پہنچتے ہی اس کے ساتھ نکاح درست ہے بشرطیکہ حاملہ نہ ہو۔ لکونہا فی هذه الصورة كالاسيرة اخرجت من دار الحرب الى دار الاسلام فبطل النكاح بينهما لتباين الدارين۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اُس کو اسلام کے بعد یا اسلام سے پہلے اسلامی سلطنت میں خوشی کے ساتھ لے جایا جائے مگر ارادہ یہ ہو کہ اسلامی سلطنت ہی میں رہیں گے یعنی وہاں توطن کا ارادہ ہو جس کے لئے کم از کم ایک سال کے قیام کا ارادہ شرط ہے اس صورت میں بھی وہاں پہنچ کر فوراً نکاح درست ہے بشرطیکہ حاملہ نہ ہو لان التوطن يبطل الوطن الاول فتباين الداران فبطل النكاح، والهرب لا يمكن ان يقيم بدار الاسلام سنة كاملة واذا تم الحول ضرب عليه الجزية وصار ذميا۔ باقی محض دو چار روز کے واسطے اسلامی سلطنت میں لے جانا مفید نہیں اور اس سے نکاح بالکافر باطل نہ ہوگا لکونہا مستأمنة وبلاستيما لا يبطل الدار فلم يوجد تباين الدارين قال في الدر والمرتبة تبين تباين الدارين حقيقة وحكماء المراد بتباين الدارين حقيقة تباعد هما شخصاً وبالحكم ان لا يكون في الدار التي دخلها على سبيل الرجوع بل على سبيل القرار والسكنى حتى لو دخل الحربى دارنا بامان لم تبين زوجته لانه في داره حكما الا اذا قبل الذمة اهـ (ش) قال في الدر ومن هاجرت اليها مسلمة او ذمية حامله بانت بلاعدة فيحل تنزوحها ر قال الشافعى المهاجرة التاركة داس الحرب الى داس الاسلام على عدم العود وذلك بان تخرج مسلمة او ذمية او صارت كذلك اهـ) قال في الدر او اخرج مسيبا وادخل في دارنا رافداً انه لا يتحقق التباين بمجرى السبى بل لا بد من الاصرار بدارنا بدائع ۱۲ (ش) ۱۱ (ص ۶۲۱ و ۶۲۲ ج ۲) وبالجملة فالدخل بدار الاسلام بالامان لا يكفي للتباين بل لا بد من الادخال مسيبة او دخولها مهاجرة، والله اعلم۔

زنا سے نکاح نہیں ٹوٹتا | سوال (۱۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ زید کی منکوحہ ہندہ نا اتفاقی سے یا اور کسی وجہ سے بکر کے پاس چلی گئی دو چار سال بکر کے گھر میں بطور عورت کے رہی بلکہ ایک بچہ بھی بکر کے نطفہ حرام سے پیدا ہوا مگر زید نے طلاق نہیں دیا یا بعد مدت مذکورہ بالا کے زید نے سرکار کے ذریعہ سے یا اور کسی وجہ سے اپنی منکوحہ ہندہ کو اپنے گھر لایا اس صورت میں زید و ہندہ کا ہم بیلا نکاح کافی ہے یا کہ نکاح ثانی کرنا ہوگا یا طلاق ہوگئی؟

الجواب: زید کا نکاح باقی ہے دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں البتہ زید کے لئے مستحب ہے کہ جب سے ہندہ نے بکر سے علیحدگی کی ہے اس وقت کے بعد حیض آنے کا انتظار کرے حیض کے قبل صحبت نہ کرے لہذا فی رد المختار (قوله والعزانی بہا لا تحرم علی زوجہا) فله وطیئہا بلا استبراء عندہما وقال محمد لا احب لہ ان یطأھا مالم یتبرأھا كما مر فی فصل المحرمات وقال الشامی تحت قول الدس (لا یقر بہا زوجہا) اسی یحرم علیہ وطیئہا حتی تحيض وتطهر كما صرح بہ شارح الوہبانیۃ و ہذا یمنع من حملہ علی قول محمد لانہ یقول بالاستحباب کذا قالہ المصنف فی المنع فی فصل المحرمات، اور بچہ زید کو ملے گا خواہ زید اس کے نسب کا انکار کرے خواہ اقرار کرے، قال الشامی تحت (قوله علی اربع مراتب) قوی و ہو فی الاش المنکوحۃ و معتد الرجعی فانہ فیہ لا ینتفی الا باللعان (ص ۱۳۴) و فی البدائع (شرط وجوب اللعان وجوازہ) والثانی عفتہا عن الزنا فان لم تکن عقیفۃ لا یجب اللعان بقذفہا الخ (ص ۲۴۱ ج ۳) و فیہ ایضا ص ۲۴۶ و علی ہذا قلنا ان القذف اذا لم یعتقد موجبا للعان او مسقط بعد الوجوب اوجب الحد او لم یجب او لم یسقط لکنہما لم یتلا عنا بعد لا ینقطع نسب الولد و کذا اذا نفی نسب ولد حرۃ فصدقہ لا ینقطع نسبہ لتعذر اللعان اھ۔ عبد الکریم عفی عنہ۔ ۵ ذیقعدہ ۱۲۳۳ھ۔

اجوبہ صحیحہ۔

ظفر احمد عفا عنہ۔ ۵ رذی القعدہ ۱۲۳۳ھ۔

سوال (۱۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین مطلقہ ثلاث نے مرتد ہو کر کافر سے نکاح کر لیا بعد دخول کے زوج ثانی نے طلاق دی تو کیا مسلمان ہو سکے بعد وہ زوج اول کیلئے حلال بنی یا ابنا حلالہ کی ضرورت ہے؟

مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ

کافرہ مسلمہ ہو کر کسی مسلم سے نکاح کیا دس برس تک اس کے ساتھ رہی بعد اس کے اس کے زوج نے تین طلاق دے دی پھر وہ عورت مرتد ہو گئی اور کسی کافر سے نکاح کر لیا اور اس نے دخول بھی کیا بعد ازاں اس نے بھی طلاق دیکر جدا کر دیا اب وہ عورت مسلمان ہو گئی اور زوج اول سے نکاح کرنا چاہتی ہے کیا یہ نکاح درست ہے یا کسی مسلم سے حلالہ کرنے کی ضرورت ہوگی؟ بینوا تو جروا۔

الجواب؛ قال فی الدس لا ینکح مطلقۃ بہا ای بالثلث لو محررة و ثنتين لو امة حتی یطأھا غیرھا ولو الغیر مراہقا یا جامع مثله او خصیّا او مجنونًا او ذمیًا لذمیة (ای ولو کان التحلیل لا جل زوجھا المسلم کما فی البحر ۱۲ شامی) بنکاح نافذ خرج الفاسد والموقوف اه۔ اگر اس عورت نے بعد ارتداد کے کسی کافر سے باقاعدہ نکاح کر لیا تھا (گو قاعدہ کفار ہی کے موافق ہو) اور کافر زوج نے اس سے دخول کر لیا تھا تو بعد اسلام عورت کا زوج اول اس سے نکاح کر سکتا ہے اور اب تحلیل کی ضرورت نہیں زوج کافر کی تحلیل کافی ہو گئی، لکونہ کذمی لذمیة، واللہ اعلم۔ ۲۸ رجب ۱۳۵۵ھ۔

سوال (۱۹) اگر مرد و عورت سے بہ رضا مندی یہ تحریر لکھوائے کہ تو میرا خاوند ہے یا مجھ کو تجھ سے نکاح منظور ہے پھر مرد اس تحریر کو دو آدمیوں کو دکھائے تو کیا نکاح ہو جائے گا جبکہ دونوں آپس میں رضا مند ہوں اور رضا مندی سے تحریر لکھوائی گئی ہو اور اس صورت میں کیا عورت کو اپنا نام یا پورا پتہ تحریر مذکورہ میں لکھنا چاہئے یا یونہی فقط خالی دستخطی تحریر سے نکاح ہو جائے گا جو کچھ شرع شریف میں حکم ہو بہت جلد جواب دیں؟

الجواب؛ اس صورت میں نکاح درست نہ ہوگا اور اگر نام اور پورا پتہ بھی لکھا ہو اور جب بھی محض تحریر دکھانے سے نکاح درست نہ ہوگا جب تک مرد یہ بیان نہ کرے کہ فلاں عورت نے جو فلاں کی بیٹی ہے میرے پاس یہ خط لکھا ہے جس میں وہ مجھ سے نکاح کو منظور کرتی ہے میں بھی اس نکاح کو قبول کرتا ہوں اور بیان دو گواہوں کے سامنے ہوا اور ان کے سامنے عورت کا پتہ اس طرح بیان کیا جائے جس سے وہ ممتاز ہو جائے صرح بہ فی الدس و الشامی (ص ۵۴۵ ج ۲) والخلاصہ ص ۲۸ ج ۲ واللہ اعلم۔ ۲۷ شعبان ۱۳۵۵ھ۔

رافضی مرد کے ساتھ لڑکی کا نکاح سوال (۲۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس لڑکی کے بارے میں جس کا خاوند تبراہی شیعہ ہو گیا اور اصحاب کبار کو براہی اور بدزبانی سے یاد کرتا ہے۔ حتیٰ کہ جانوروں کے نام انہی کے نام پر رکھ کر ان کو مارنا پیٹنا ثواب سمجھتا ہے وغیرہ تمام افعال شیعہ رسمیں تبراہی شیعوں کے پائے جاتے ہیں لڑکی حنفی مذہب کو چھوڑنا نہیں چاہتی۔ جس کی وجہ سے اس کا خاوند اس کو ایذا پہنچاتا ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا وہ لڑکی از روئے مذہب حنفیہ بغیر طلاق نکاح ثانی کر سکتی ہے یا کہ نہیں تو کیا سبیل اختیار کرے؟

جواب کے لئے لفافہ ہمراہ ہے جواب باصواب بمعہ حوالہ جات تحریر فرما کر عند اللہ ما جو رہوں۔
۱۔ تبراہی شیعہ مرد اور تبراہی شیعہ عورت ہر دو میاں بیوی مذہب شیعہ سے تائب ہو کر مذہب حنفی میں داخل ہوئے۔ کیا ان کا عقد از سر نو پڑھا جاوے گا یا وہی پہلا نکاح کافی ہے؟
۲۔ تبراہی شیعہ عورت جو کہ تبراہی شیعہ مرد کے نکاح میں تھی مذہب شیعہ سے تائب ہوئی اب وہ تمام کام بموجب مذہب حنفی ادا کر سکتی ہے اس کا خاوند اس کو منع نہیں کرتا ہے لیکن وہ مرد خود تبراہی شیعہ ہی ہے کیا ان کا نکاح فسخ ہو گیا اور وہ عورت دوسری جگہ نکاح کرنے یا اسی مرد کے پاس رہے اور گنہگار نہ ہوگی؟

الجواب: نکاح و افہام کے متعلق یہ آخری تحقیق ہے اس سے پہلے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ

اس سے منسوخ ہے ۱۲ ظفر

شیعوں کے متعلق عدالت کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مولوی عبدالشکور صاحب رسالہ الخیمہ ج ۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ص ۱۱ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن میں تحریف ہو گئی یعنی لوگوں نے قرآن سے کچھ آیتیں نکال ڈالیں اور کچھ بڑھا دیں جن میں کفر کی باتیں شامل کر دیں کچھ الفاظ و حروف بدلائے اس کے ثبوت میں حسب ذیل کتب ملاحظہ ہوں:
کتاب احتجاج طبری از ص ۱۱۹ تا ص ۱۳، اصول کافی از ص ۲۶۱ تا ص ۲۷۵، تفسیر قمی ص ۱۷۰۔

پھر ص ۱۲ میں تحریر فرماتے ہیں ہمارے علماء سابقین کو مذہب شیعہ سے پوری واقفیت نہیں ہو سکی جس کا اصلی سبب یہ تھا کہ شیعہ اپنا مذہب چھپانے کی بجد کوشش کرتے تھے اسی سبب سے شیعوں کے کفر میں اختلاف رہا لیکن ابکہ شیعوں کا عقیدہ قرآن شریف کے متعلق معلوم ہو گیا جس کے کفر ہونے میں کوئی شک نہیں کر سکتا شیعوں کا خارج از اسلام ہونا قطعی ہے اھ دینی

الدر عن شرح الوهبانية للشربلای ما يكون كفراً اتفاقاً يبطل العمل و
النکاح واولاده اولاد الزنا وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد
النکاح اه (ص ۴۶۲ و ۴۶۳ ج ۳) قال الشافعی واولاده اولاد ناکذا فی فصول
العمادی لکن ذکر فی نور العین ویجد ربینهما النکاح ان رضیت زوجته
بالعود الیه والا فلا تجبر والمولود بینهما قبل تجدد النکاح بالوطی بعد
الردة یتثبت نسبه منه لکن یتبین منه تامل اه ص ۴۶۳ ج ۳ قلت وكل
وطی یوجب ثبوت النسب لشبهة ما یوجب العدة احتیاطاً لاسیما اذا وطیها
النزوح ومكنته من نفسها ظانین بقاء النکاح بعد الردة كما هو مشاهد
من حال الجهلة فی الهند فانهم یتكلمون بالكفریات ولا یرون انفساخ
النکاح لاسیما اذا كان الکفر بالرفض فانه مما یخفی علی كثير من العلماء و
قد خفی علینا مدة تدرايته صریحاً قال فی الدرر أخبرت بارتداد
زوجها فلها التزوج بآخر بعد العدة استحسنانا اه ص ۴۶۹ ج ۳ ، قلت و
الاستحسان انما هو فی الاخبار فقط واما اذا علمت منه الردة بنفسها فلها
التزوج بآخر بعد العدة قیاساً واستحساناً معاً لان القیاس فی الاخبار
ان لا یجوز لها النکاح بآخر ما لم یشهد علی ردته رجلان او رجل و
امرأتان لكون ردته الرجل یتعلق بها استحقاق القتل ولکن الاصح رواية
الاستحسان لان المقصود الاخبار بوقوع الفرقة وهو امر دینی كالخبر
بالطلاق ثلث الاثبات الردة اه شافعی هذا هو حکم النکاح المنعقد قبل
الردة اما المنعقد بعد هافیمابین الرافض الغیر القدیم رفضهم فحكمه
ما فی الدرر ویبطل منه اتفاقاً ما یعتمد الملة وهی خمس: النکاح والذبیحة
والصيد والشهادة والارث اه قال الشافعی ما یعتمد الملة ای ما یتكون
الاعتماد فی صحته علی كونه فاعله معتقداً ملة من الملل ای والمراد الملة
له اصلاً لانه لا یقر علی ما انتقل الیه وليس المراد ملة سماویة لثلا
یرد النکاح فان نكاح المجوسی والوثنی صحیح ولا ملة لهما سماویة بل

المراد الاعم اه ص ۴۶۵ ج ۳ قلت ومفاد هذه العلة صحة نكاح المرتد بالمرتدة مثله او بكافرة بعد لحوقه بدار الحرب او اذا كان قد ارتد هناك لا في دار الاسلام فانه يقرب هناك على ما انتقل اليه ولا يقتل اللهم الا ان يقال انه ميت في حكم الشرع فلا يجوز النكاح لكونه لاملة له كما اذا لم يقتله الحاكم في دار الاسلام تهاونا بالاحكام معاذ الله منه قال في الدرر ولا يترك المرتد على رده باعطاء الجزية ولا بامان موقت ولا مؤبد ولا يجوز استرقاقه بعد اللحاق بخلاف المرتدة اه قال الشامي اي فانها تسترق بعد اللحاق بدار الحرب وتجب على الاسلام بالضرب والحبس ولا تقتل اه ص ۴۶۳ ج ۳ قال في الدرر وعن الامام تسترق ولو في دار الاسلام ولو اُفتي به حسما لقصد هائل السوء لا بأس به وتكون فتنة للنزوح بالاستيلاء مجتبي وفي الفتح انها في المسلمين فيشتريها من الامام او يهبها له لو مصر فا اه قال الشامي وفي الفتح قيل وفي البلاد التي استولى عليها التتروا حروا احكامهم فيها ونفوا المسلمين كما وقع في خوارزم وغيرها اذا استولى عليها النزوح بعد الرقة ملكها لانها صارت داس حرب في الظاهر من غير حاجة الى ان يشتريها من الامام اه قال الشامي وهذا ليس مبنيا على رواية النوادر لان الاسترقاق وقع في دار الحرب لا في دار الاسلام اه ص ۴۷۰ ج ۳ اي والمبنى على رواية النوادر انما هو الاسترقاق في دار الاسلام واما النكاح المنعقد بين السرا فافض القديم رفضهم فحكمه يستفاد مما في الدرر ايضا زوجان ارتدا اولحقا فولدت المرتدة ولدا ولده اي لذلك المولود ولد فظهر عليهم جميعا فالولد ان في كاصلها والولد الاول يجبر بالضرب على الاسلام (اي لا بالقتل بخلاف ابويه فانهما يجبران بالقتل ۱۲) وان حبلى به ثمة راي وبالاولى لو حبلى به في دار الاسلام ووضعته في دار الحرب ۱۲) لتبعيته لابويه وفي الاسلام والردة وهما يجبران فكذا هو وان اختلفت كيفية الجبر لا الثاني لعدم تبعية الجدة على الظاهر (اي ظاهر الرواية)

فحکمه کحربی۔ (فی انه یسترق او توضع علیه الجزیة او یقتل واما الجبد
فیقتل لامحاله لانه المراد بالاصالة او یسلم بحرج عن الفاتم ۱۲ شامی)
ص ۳۷۳ ج ۳ ولما کان ولد الولد کالحربی فمفاده جواز نکاحه بمثله
والله اعلم۔

بقی الاشکال فی استرقاق المرأة الرافضة اذا كانت من نسل العرب
فان مشرکی العرب لا یسترقون لکن قال فی الدر فی فصل الجزیة لا علی وثنی
عربی ومرتد فلا یقبل منهما الا الاسلام او السیف لو ظهرنا علیهم ففساءهم
وصبیانهم فیئ اھ لان ابا بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ استرق نساء بنی
حنيفة وصبیانهم لما ارتدوا وقسمهم بین الغانمین ہدایة اھ ص ۲۱۲
فارفع الاشکال ثم عاد الاشکال بما فی الشامیة عن القہستانی ولا توضع
علی المبتدع ولا یسترق وان کان کافر لکن یباح قتله اذا ظهر بدعته
ولم یرجع عن ذلك وتقبل توبته اھ ص ۳۱۵ ج ۳۔ فالجواب عنہ ان
المرتد نفسه لا یسترق وانما یسترق المرتدة واولاد المرتد کما
مرفلا اشکال، والله تعالیٰ اعلم۔

وفی تحریر المختار وجعل الرہلی فی حاشیة المنح: المعتبری والرافضی
بمنزلة اهل الکتاب حیث قال قوله صح نکاح کتابیة اقول یدخل
فی هذا الرافضة بانواعها والمعتزلة فلا یجوز ان تاتزوج المسلمة
السنية من الرافضی لانها مسلمة وهو کافر فدخل تحت قولهم لا یصح
تزوج مسلمة بکافر اھ قال الرستغنی: لا تصح المناکحة بین اهل السنة
والاعتزال اھ فالرافضة مثلهم او اقبم والرہلی جعلهم من قبیل اهل
الکتاب فیجوز نکاح نساءهم ولا یز وجون ولعله اعدل الاقوال لانه
لا یشک فی کفر الرافضة اھ، سندی ص ۱۸۳ ج ۱۔

پس خلاصہ اقوال یہ ہوا کہ رافضی سے سنیہ مسلمہ کا نکاح درست نہیں ہوتا خواہ وہ قبل
نکاح ہی رافضی ہو تو نکاح اول ہی سے منعقد نہ ہوگا یا بعد نکاح کے رافضی ہو گیا ہو تو نکاح
فسخ ہو جائے گا۔ اور دونوں صورتوں میں اگر ہمہستری ہو چکی ہے تو زوجہ پر عدت لازم

ہے اور بعد عدت کے جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے اور سہبستری نہ ہو چکی ہو تو عدت کی حاجت نہیں۔ لکون السدة من الزوج طلاقاً حکماً۔ البتہ اگر ان دونوں سے اولاد پیدا ہوئی ہو تو وہ اولاد حرامی نہ کہلائے گی بلکہ ثابت النسب ہوگی اور وہ اولاد ابویں سے وارث ہوگی لیکن زوجین میں باہم توارث نہ ہوگا لعدم التوارث فی نکاح فاسد ففیما اذا کان الوطأ متناً بالاولی البتہ اگر شوہر رافضی بنا اور عورت کی عدت پوری نہ ہوئی تھی کہ وہ مر گیا تو ایک روایت میں عورت وارث ہوگی شامی ص ۳۶۰۔

جواب سوال ۱۰۰۔ اگر یہ دونوں مرد و عورت قدیم سے کئی پشت کے رافضی تھے تب تو سنی ہونے کے بعد دوبارہ ان کا نکاح کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان کا حکم اہل کتاب کا سا ہے اور کتابی مرد و عورت ساتھ مسلمان ہو جائیں تو تجدید نکاح کی ضرورت نہیں بشرطیکہ دونوں ساتھ مسلمان ہوں آگے پیچھے نہ ہوں ورنہ اگر اتنا فاصلہ ہوا کہ عورت عدت سے فارغ ہو گئی تو تجدید نکاح کی ضرورت ہوگی اور اگر عدت گزرنے سے پہلے دوسرا بھی مسلمان ہو گیا تو نکاح اول باقی ہے شامی ص ۶۲۰ اور اگر یہ دونوں سنی تھے پھر رافضی ہو گئے اب پھر سنی ہوتے ہیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ساتھ ہی مرتد ہوئے ساتھ ہی مسلمان ہوئے تو نکاح اول باقی ہے اور اگر آگے پیچھے ہوئے تو نکاح کی تجدید لازم ہے گو عدت کے اندر اندر دونوں مسلمان ہو جائیں وبقی النکاح ان ارتدا معاً بان لا یعلم السبق ثم اسلما کذلک فان المعیة الحقیقیة متعذرۃ ۱۲ شامی وفسد ان اسلم احدهما قبل الآخر اھ ص ۶۲۶ ج ۲۔ ۱۱ بان علم السبق۔

جواب سوال ۱۰۱۔ جب رافضی عورت سنی ہو جائے اور مرد رافضی رہے تو دونوں کا نکاح فسخ ہو گیا اور یہ عورت بعد عدت کے سنی سے نکاح کر سکتی ہے رافضی سے علیحدہ ہو جانا اس پر واجب ہے۔

اب ایک صورت یہ باقی رہی کہ مرد سنی ہو اور وہ عورت رافضیہ سے نکاح کرے جس کا رفض جدید نہیں بلکہ آبا و اجداد سے قدیم ہے اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے اور وہ رافضیہ مثل کتابیہ کے اس کی زوجہ اور اس کی اولاد اس کی وارث ہوگی۔ اور زوجین میں توارث نہ ہوگا بغض سنی مرد کا نکاح تو رافضیہ سے صحیح ہے گو مکروہ ہے مگر سنیہ عورت کا نکاح رافضی مرد سے نہ ابتداءً صحیح ہے نہ بقاؤً۔

ایک صورت یہ رہی کہ مرد و عورت دونوں سنی تھے پھر مرد تو سنی ہی رہا اور عورت رافضی ہو گئی۔

اس صورت میں نکاح فسخ ہو گیا لیکن اس عورت پر ملک بمین کے ساتھ شوہر قبضہ رکھ سکتا ہے دارالاسلام میں ہو تو امام سے خرید کر یا ہبہ کے طور پر لے کر اور دارالحرب میں ہو تو بدون امام سے پوچھے خود ہی اس پر قبضہ مالکانہ کر سکتا ہے ویجوز له الوطی بهما لکونها کأمة کتابیۃ کما هو المفهوم من ما ذکرنا۔

اور اگر سستی مرد رافضی ہو گیا اور اس کے ساتھ بیوی بھی رافضی ہو گئی اور رافضی ہی ہے سستی نہوئے تو یہ دونوں مرد و عورت تو مرتد ہیں ان کو حیرا سستی بنایا جائے گا والا فالسیف ان قدسنا اور ان کی صلیبی اولاد کو بھی ولکنهم لا یقتلون البتہ اولاد کی اولاد الی آخر ہا پر حیر نہوگا بلکہ وہ سب مثل حربی کے ہیں۔ اور فی ہیں اور یہی احکام فرقہ قادیانیہ کے ہیں کہ وہ بھی مرتد ہیں اذا استولی احد من المسلمین علی احد منهم کان دقیقاً فی یدہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۵ صفر ۱۳۶۸ھ۔

سوال (۲) سوال یہ ہے کہ ایک شخص کے دو لڑکی تھیں ایک کا نام خدیجہ دوسری کا نام زینب۔ اُن دونوں کے باپ نے خدیجہ جو بڑی لڑکی ہے اس کے نکاح کے وقت بھول کر کے زینب جو چھوٹی بیٹی ہے اس کا نام لیکر نکاح پڑھا دیا اور بڑی بیٹی کو نوشہ کے سپرد کر دیا اور دولہا اس کو اپنے گھر لے جا کر بود و باش یعنی زن و شوی کر رہا ہے اب مسئلہ یہ ہے کہ یہ نکاح از روئے شرع شریف جائز ہو گا یا نہ جواب غایت فراویں؟

الجواب؛ قال فی الدر غلط وکیلہا بالنکاح فی اسم ابیہا بغیر حضورہا لم یصح للجهالة۔ وکذا لو غلط فی اسم ابنتہ الا اذا كانت حاضرة و اشار الیہا فیصح ولولہ بنتان ارادتہن ویج الکبریٰ فغلط فسماہا باسم الصغریٰ صح للصغریٰ بخانیہ ۱ھ ص ۲۵۰ ج ۲ کتاب النکاح۔

صورت مسئلہ میں اگر مسماۃ خدیجہ مجلس نکاح میں حاضر تھی اور اس کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا کہ اس کا نکاح کرتا ہوں تو مسماۃ خدیجہ سے نکاح منعقد نہیں ہوا بلکہ اس مرد کا نکاح مسماۃ زینب سے منعقد ہو گیا ہے پس اب مرد سے مسماۃ زینب کو طلاق دلوادی جائے اور خدیجہ سے اس کا نکاح دوبارہ کر دیا جائے اگر ایسا نہ ہوا تو عمر بھر خدیجہ سے زنا ہوگا اور زوجین داویائے زوجین سب گنہگار ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۸ھ۔

سوال (۲۲) بیوہ یا مطلقہ کو اپنے والد کے حکم سے نکاح ثانی کرنا فرض ہو جاتا ہے یا نہیں، دران صورت کہ وہ کسی وجہ سے شرعی معذور بھی نہیں اور ایسی صورت میں وہ انکار کرنے سے کافر ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی عرض ہے کہ وہ ایسی قوم کی عورت ہے جو رسماً درو اجا نکاح ثانی کو معیوب اور برا جانتی ہو۔

بیوہ یا مطلقہ کو اپنے والد کے حکم سے نکاح ثانی فرض ہو جاتا ہے یا نہیں چیک عورت نکاح ثانی کو معیوب جانتی ہو

والسلام۔
الجواب: ماں باپ کے حکم سے ہر کام واجب نہیں ہو جاتا بلکہ اس میں تفصیل ہے جس کے لئے رسالہ "تعديل حقوق الوالدین" کا مطالعہ مفید ہو گا جو بہشتی گوہر کے اخیر میں طبع جدید میں ملحق کیا گیا ہے۔

پس صورت مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ اگر بیوہ یا مطلقہ نکاح ثانی کو معیوب سمجھتی ہے تو یہ عقیدہ کفر ہے اس سے اس کو توبہ کرنا اور ایمان کی تجدید فرض ہے اور اگر معیوب نہیں سمجھتی بلکہ پہلے شوہر کی محبت غالب ہے اور وہ اس سے مانع ہے یا بچوں کے ضائع ہونے کا خوف ہے یا اور کوئی وجہ مخفی نکاح سے مانع ہے مثلاً مجامعت سے تکلیف ہوتی ہے وغیرہ تو اس میں تفصیل ہے اگر اس کو اپنی عفت پر خطرہ نہ ہو خواہش نفسانی غالب نہ ہو صبر سے بیٹھ سکے اور والدین پر اپنے نفقہ کا بار نہ ڈالے یا ان پر بار ڈالے اور وہ خوشی سے برداشت کریں تو اس کو نکاح کرنا واجب نہیں ورنہ واجب ہے بشرطیکہ حقوق نکاح کو ادا کر کے ورنہ روزہ رکھ کر خواہش کو مغلوب کرے اور محنت و مزوری سے پیٹ پالے اگر والدین اس کا خرچ برداشت نہ کر سکیں وھذا خلاصۃ الدلائل الحدیثیۃ والفقہیۃ التي ذکرها الشیخ فی رسالتہ المذكورۃ،
واللہ اعلم۔
اور ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ۔

سوال (۲۳) بعد از نیاز و آداب والسلام علیکم کے عرض ہر کہ جواز نکاح بالکتابت کی ایک صورت | اگر کوئی عورت بالغہ بیوہ ایجاب اپنے ہاتھ سے اس طرح لکھ کر مرد کو دیدے کہ مسماۃ فلانہ یعنی کاتبہ آپ کا نکاح مسمیٰ فلان یعنی مکتوب الیہ سے کیا باین قدر مہر۔ پھر مکتوب الیہ وہ ایجاب دو گواہوں کو پڑھ کر سناوے۔ اور اپنا قبول بھی ان کو سنادے تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہ۔ حضرت! بندہ نے علماء سے سنا ہے یا کسی میں دیکھا ہے کہ کتابت بمنزلہ کلام کے ہے جب ایسا ہے تو سامعین کلامہما معاً جو کہ شرط انعقاد نکاح کا ہے متحقق ہو گیا تو چاہئے کہ نکاح بھی متحقق ہو جاوے۔

الجواب ؛ ہاں اس طرح نکاح صحیح ہو جاتا ہے جبکہ خط سنا کر اپنا قبول شاہدین کے سامنے بیان کر دے۔ وسامع الشاہدین کلام المتعاقدين شرط انعقاد النکاح فلو قرأت الكتاب علی الشهود وقالت ان فلانا کتب الی یخطبني فاشهدوا انی قد زوجت نفسي منه صحیح النکاح اه وان لم تقرأ الكتاب وقالت قد زوجت نفسي منه بمحض من الشهود لا ینعقد النکاح فان الشهود لم یسمعوا کلام الزوج کذا فی الخلاصة (ص ۴۸ و ۴۹ ج ۳)۔ ۲۲ رحمہم مسکنہ -

احکام وطی زوجہ صغیرہ | سوال (۲۴) ع۔ خاوند کو اپنی نابالغہ منکوحہ کے ساتھ جس کو جماع سے تکلیف ہوتی ہو صحبت کرنا درست ہے یا نہیں ؟

ع۔ اگر کسی کی منکوحہ اس قدر کم سن ہو کہ صحبت سے کوئی سخت تکلیف ہو جانے یا جان جانے کا اندیشہ ہو تو خاوند کا اس سے صحبت کرنا مجرم ہے یا نہیں اور اگر مجرم ہے تو شرعاً اس کے لئے کیا سزا ہے ؟

ع۔ اگر عورت کم سن ہو اور صحبت کرنے سے اس کے بیمار ہو جانے یا مر جانے کا اندیشہ ہو تو نابالغہ خود یا اس کا ولی شوہر کو صحبت سے روک سکتے ہیں یا نہیں ؟

ع۔ بعد نکاح کے کسی نابالغہ عورت کا ولی اس خیال سے کہ اگر وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہے گی اور اس سے صحبت کی جائے گی تو اس کو نقصان پہونچے گا خاوند کے گھر بھیجنے سے مانع ہو تو شوہر کوئی مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں اور اس کو رکھنے کی میعاد کیا ہے ؟

ع۔ اگر شوہر جبراً اپنی کم سن منکوحہ کے ساتھ ہم بستر ہو اور وہ لڑکی مر جائے یا کسی لاعلاج بیماری میں مبتلا ہو جائے تو شرعاً اس کے شوہر کو کیا سزا دی جائے گی ؟

الجواب ؛ قال فی الدر المختار وللزوج المطالبة بتسليمها ان تحملت الرجل قال البزازی ولا یعتبر السن اه قال الشامی عبارته ولا یجبر الاب علی دفع الصغیرة الی الزوج ولكن یجبر الزوج علی ایفاء المهر فان زعم الزوج انها تتحمل الرجال وانکر الاب فالقاضی یربها النساء ولا یعتبر السن اه قلت بل فی التارخانیة البالغة اذا لم تکن تتحمل لا یؤمر بدفعها الی الزوج اه (ص ۹۰۶ ج ۲) وفي الحامد قد اجاب الخیر الرملی عن هذا السؤال بقوله ان كانت ضخمة سمنیة تطیق الرجال وسلم المهر

المشرط تعجيله يجبر الاب على تسليمها للنزوج على الاصح من الاقوال فينظر
القاضي ان كانت ممن تخرج اخرجه ونظر اليها ان صلحت للرجال امر
اباها بدفعها للنزوج والا فلا وان كانت ممن لا تخرج امره من يشق
يهن من النساء فان قلن انها تطيق الرجال وقت حمل الجماع امر الاب
بدفعها الى النزوج وان قلن لا تتحمل لا يامر بذلك، والله اعلم اهـ (مك)،
وفيه ايضا وقيل ان طلبها النزوج للمؤانسة دون الملاسة يجاب كذا
في الذخيرة والقنية اهـ (مك) -

وفي العالمگیریة (ص ۱۹ ج ۶) رجل جامع صغیرة لا یجامع مثلها
فماتت ان كانت اجنبیة تجب الدیة علی العاقلة وان كانت منكوحة
فالدیة علی العاقلة والمهر علی النزوج کذا فی الخلاصة. عن ابن رستم
عن محمد بن رجل جامع امرأته ومثلها تجامع فماتت عن ذلك فلا
شیء علیه اهـ -

(عبارات فقہ کے بعد جوابات معروض ہیں)

(۱) نابالغہ اگر بدن اور اٹھان کی اچھی ہو کہ جماع سے اس کو ناقابل برداشت تکلیف نہ ہو
تو اس سے جماع جائز ہے اور اگر ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہو تو جائز نہیں۔

(۲) ماں جرم ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ اگر عودت مر جائے تو شوہر کے خاندان پر دیت
لازم ہے (جو ایک ہزار دینار ہے) اور شوہر کے ذمہ مہر لازم ہے اور اگر عورت کو سخت تکلیف
پہونچی ہو مری نہیں تو شوہر کے ذمہ اس کا علاج معالجہ واجب ہے۔ اور یہ اس صورت
میں ہے کہ جبکہ زوجہ اتنی کمسن و کمزور ہو کہ جماع کا تحمل کرنے کی اہل نہ ہو اور اگر اٹھان ایسا
ہو کہ جماع کا تحمل کر سکے تو شوہر پر کچھ ضمان نہیں نہ دیت نہ کچھ تعزیر۔

(۳) ماں روک سکتے ہیں لیکن اگر شوہر یہ دعویٰ کرے کہ منکوحہ تحمل جماع کی اہل ہے اور ولی
نابالغہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ متحمل جماع نہیں تو اس اختلاف کا فیصلہ حاکم شرعی کرے گا وہ معتبر
عورتوں سے کہے کہ اس لڑکی کو دیکھ کر بتلائیں وہ متحمل جماع ہے یا نہیں۔

(۴) اس کا جواب ۳ سے معلوم ہو چکا اور لڑکی کو روکنے کی میعاد یہی ہے کہ قاضی کو ثقات
عورتوں سے معلوم ہو جائے کہ لڑکی متحمل جماع کی ہو گئی ہے۔

(۵) اس کا جواب ۲ سے معلوم ہو چکا ہے، واللہ اعلم۔

۱۲ صفر ۱۲۷۴ هـ -

بعضہ حال قبول کافی پر نہیں | سوال (۲۵) زید کا نکاح ہونے لگا وکیل بالنکاح نے کہا کہ مجھے فلان شخص نے اپنی لڑکی کے نکاح کا وکیل بنا کر بھیجا ہے۔ اور اس کے یہ دو گواہ ہیں۔ میں نے اس لڑکی کو بعض ایک سکہ رائج الوقت آپ کی زوجیت میں دیا۔ زید بجائے اس کے کہ قبول کیا ہے قبول ہے کہہ دیا تو نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ بظاہر فقہاء کی عبارت النکاح ینعقد بالایجاب ولفظہا ماضی و مستقبل و ماضی مقتضی ہے کہ نکاح انعقاد نہ ہو کیونکہ قبول ہے نہ ماضی ہے اور نہ مستقبل۔

الجواب ؛ صیغہ محال بھی قبول میں کافی ہے صرح بہ فی الدس (صفحہ ۲۳۷۳)۔
بوقت نکاح لڑکی کے وکیل کو نام سوال (۲۶) وکیل بالنکاح کچھ ناک سے بولا کرتے تھے اس
میں اشتباہ ہو گیا مگر شوہر اور گواہ لئے عورت کے نام میں اشتباہ ہو گیا مرد نے اپنے دل میں یہ سمجھ کر
جانتے تھے کہ فلاں لڑکی نکاح ہو گا کہ شخص جس عورت کا وکیل بن کر آیا ہے وہ اور دوسرے ذرائع
سے تو متعین ہے۔ نام سے کیا کام نام کچھ بھی ہو شخص جس عورت کے وکیل بن کر آئے ہیں وہ
عورت مجھے قبول ہے اور مجمع عام میں بغیر نام کی لفظی تصحیح کئے ہوئے قبول کر لیا۔ تو کیا نکاح
ہوا یا نہیں۔ یا نام کی تصحیح لفظی بھی ضروری ہے ؟

نتیجہ سوال :- کیا شوہر کو پہلے سے علم تھا کہ اس کا نکاح کس لڑکی سے ہو گا یا معلوم نہ تھا۔ اور ان کے خسر کے ایک ہی لڑکی ہے یا دو اور گواہوں کو بھی علم تھا یا نہیں اور گواہوں کو بھی نام میں اشتباہ ہوا یا نہیں ہوا دوبارہ کیا جائے جس میں اس نتیجہ کا جواب بھی ہو اس کے بعد حکم بتلایا جائے گا، واللہ اعلم۔

جواب متفقہ پر شوہر کو پہلے سے ظلم تھا کہ میرا نکاح فلان لڑکی سے ہوگا۔ اس کے خسر کی لڑکیاں چار تھیں دو شادی شدہ اور دو کنواری۔ نہ گواہوں کو نام میں اشتباہ ہوا اور نہ وکیل بالنکاح کو گواہوں کی یہ معلوم تھا کہ فلان لڑکی سے نکاح ہوگا۔

الجواب : صورت مسئلہ میں نکاح منعقد ہو گیا فانہ لو قال زوجتک و بیوکتی
او بیو لیتی والرجل یعرفہا صح النکاح عند الخصاف وان لم یعرفہا الشفوع
ففی ظاہر الرأیة لا یصح وعلیہا القوی واما اذا مرت المقدمات علی

معينة وتميزت عند الخاطب العاقد وعند الشهود ايضا يصح العقد وهي راقعة الفتوى لان المقصود نفى الجهالة وذلك حاصل بتعيينها عند العاقد والشهود وان لم يصح باسمها ذكر في الشامية (ص ۳۷ ج ۲) وقول الخصا في (ص ۲۲۵ ج ۲)، والله تعالى اعلم - ۱۷ اشعبان ۱۴۲۵ھ -

سوال (۲۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں
نکاح کو مخفی رکھنا گناہ ہے؟
 کہ ایک امام صاحب نے ایک بیوہ عورت سے خفیہ نکاح پڑھا لیا دو گواہ پر دسی ایک سوالی ایک واعظ آئے ہوئے تھے ان دونوں کے سامنے ایجاب وقبول ہوا اور کسی سے ظاہر نہ کیا جب حمل چار پانچ ماہ کا ہو گیا جب عورتوں نے کہا سچ بتلا تجھ کو حمل ہے؟ حاملہ عورت نے کہا فلاں کا حمل ہے۔ پھر دوبارہ عورتوں نے اور حاملہ مذکورہ کے دیور وغیرہ نے دریافت کیا سچ بتلا حمل کس کا ہے تب عورت مذکور نے کہا فلاں امام صاحب کا ہے ہمارا نکاح فلاں گاؤں میں ہوا ہے۔ اب امام صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کا اس حاملہ عورت سے نکاح ہو چکا ہے امام صاحب نے کہا کہ ہو چکا ہے یہیں ہوا ہے باہر کے دو مسافر ٹھہرے ہوئے تھے ان کے سامنے ایجاب وقبول ہوا ہے لوگوں کو یقین نہ آیا امام صاحب مسجد میں قرآن شریف پڑھ رہے تھے اُن سے ایک پرہیزگار متقی نے دریافت کیا کہ آپ کا اس حاملہ مذکورہ سے نکاح ہو چکا ہے؟ امام صاحب نے قرآن شریف پڑھتا ہوا کہہ کر کہا میرا نکاح ہو چکا ہے۔ آیا اس طرح خفیہ نکاح ہو جاتا ہے اور ایسے امام صاحب کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں فقط جواب سے جلد مطلع فرمادیں؟
الجواب؛ اس طرح خفیہ نکاح منعقد تو ہو جاتا ہے اور ایسی عورت سے جس کا نکاح خفیہ ہوا ہو شوہر کو جماعت بھی جانتا ہے اور اس کی اولاد بھی حلالی ہوگی۔ مگر خفیہ نکاح کرنے کے بعد عرصہ تک اس کو مخفی رکھنا گناہ ہے بلکہ اس کو جلد ہی ظاہر کر دینا چاہئے تھا کیونکہ جب عرصہ دراز تک نکاح کو مخفی رکھا جائے گا تو حمل قرار پانے کے وقت لوگوں کو عورت پر اور مرد پر زنا کا گمان ہوگا اور اس وقت لوگ اس دعویٰ کو کہ نکاح ہو چکا ہے بات بنانے پر مجبور کریں گے۔

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اتقوا مواضع التهم الحدیث فلا تقواء من التهمة واجب۔ لہذا اس امام کو جب تک وہ اس گناہ سے (یعنی اخفاء نکاح سے) توبہ نہ کرے امامت سے الگ کر دیا جائے اور توبہ اس کی یہ ہے کہ مجمع عام میں اپنی خطا کا اقرار کرے کہ میں نے جو نکاح کو عرصہ تک مخفی رکھا جس سے لوگوں کو تہمت اور بدگمانی میں مبتلا کیا۔

مجھ سے گناہ ہوا میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں بھی اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں اور جن لوگوں کو میں نے
برگمائی میں (اس فعل سے) مبتلا کیا ہے اُن سے بھی معافی چاہتا ہوں فان التوبة على قدر المعصية
والله اعلم - ۲۴ سوال ۲۴

زنا سے نکاح فاسد نہیں ہوتا۔
اور ایسی عورت کا بدون طلاق
نکاح اول دہرے نکاح کہنوا لو حکم
سوال (۲۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین مبین و مفتیان شرع متین
اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان کی بی بی نے اپنے شوہر کو چھوڑ کر بازار
میں گھر کر کے چند برس تک پیشہ کسی (یعنی پیشہ زنا) کو اختیار کر کے
اپنی اوقات بسر کی بعد اس کے ایک بھڑوا مرد نے اس کو وہاں سے لاکر عالموں سے دریافت کیا کہ
اس کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں۔ اکثر عالموں نے کہا اس عورت زانیہ سے نکاح
کرنا درست نہیں کیونکہ اس کے شوہر نے طلاق نہیں دی ہے اور پیشہ زنا سے طلاق واقع
نہیں ہوتی اور بعض بعض عالم نے کہا کہ اس عورت سے نکاح کرنا حلال و درست ہے اور وجہ
حلال ہونے کی یہ بیان کرتے ہیں کہ جو عورت اپنے شوہر سے چھ ماہ کی مدت تک علیحدہ رہے وہ
مطلقہ ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس عورت نے پیشہ زنا کو اختیار کر کے مدت تک زنا
کیا ہے اس سبب سے نکاح ٹوٹ گیا اس کو نکاح کرنا بلا خطر درست و حلال ہے یہ کہہ کر
چند روپیہ لیکر وکیل و گواہ کے سامنے اس کا نکاح اجنبی مرد سے پڑھا دیا۔ اب یہ نکاح مذہب حنفی کے موافق
درست و حلال ہے یا نادرست و حرام؟ اور اگر حرام ہو تو جس عالم نے یہ حکم دیکر نکاح پڑھایا
اور جو شخص وکیل و گواہ ہو کر نکاح کرایا یہ سب کافر ہیں یا مسلمان اور ان کی بی بی ان پر حرام
ہوتی یا حلال؟ ہر تقدیر حرمت کے تجدید نکاح واجب ہے یا نہیں اور جب تک یہ لوگ توبہ
کر کے نکاح ثانی نہ کریں تو ان سب کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور ان کو مسلمان
جان کر سلام و کلام کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا بالدلیل توجروا عند الجلیل۔
الجواب؛ قل فی الدس وصح نکاح موطوعة بن نای جاز نکاح
من رأها تنفی دلہ و طوعها بلا استبراء فی آخر خط المعتبر لا یجب علی
الزوج تطلیق الفاحشة ولا علیها تسبیح الفاحشة الا اذا خاف ان لا یقیم

بشرط ان لا تكون حاملاً قبل النکاح من غیر الزوج واما لو ظهر بها حمل
بعد النکاح من الزنا فهو من حیث الحكم للزوج لان الفراش له وتمامه فی رد المعتاک
۱۲

حدود الله فلا بأس ان يتفرقا هم قال ابن عابد بن عن البحر بدليل
الحديث ان رجلا اتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله ان امرأتى
لا تريد لامس فقال صلى الله عليه وسلم طلقها فقال انى احبها وهى جميلة
فقال صلى الله عليه وسلم استمتع بها قال فى البحر لو تزوج بامرأة

الغير عالما بذلك ودخل بها لا تجب العدة عليها حتى لا يحرم على النسيج
وطؤها وبه يفتى لانه زنا والمضى بها لا تحرم على زوجها (ص ۲۸۰ و ۲۸۱ ج ۲)

ان عبارات فقہیہ سے ظاہر ہے کہ عورت کے زنا سے اس کا نکاح فاسد نہیں ہوتا اور وہ بدو
اپنے شوہر کے نکاح میں باقی رہتی ہے پس اس کا نکاح دوسرے مرد سے بدون طلاق شوہر اول

اور بدون عدت طلاق گزرنے کے ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا پس صحیح قول اس مسئلہ میں فرقی
اول علماء کا ہے اور فرقی ثانی کا قول بالکل غلط ہے ان کو اپنی خطا سے علی الاعلان توبہ کرنا

چاہئے اور جب تک وہ توبہ کا اعلان نہ کریں اس وقت تک ان سے سلام و کلام تعلقات و
موالات ترک کر دیئے جائیں لیکن ان کو کافر نہ سمجھا جائے اور نہ ان کے نکاح فاسد ہوئے

البتہ قبل اعلان توبہ ان کی اقتدار نہ کی جائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۷ محرم ۱۲۸۸ھ۔
سوال (۲۹) بسم اللہ الرحمن الرحیم

فحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین

در بارہ نکاح محمود و فریدہ کہ محمود و فریدہ دونوں
غرب الوطن ہیں اپنے وطن سے دور دراز فرار ہوتے ہوئے کسی شہر میں وارد ہو کر اہل شہر سے اپنا

وطن اصلی کچھ بتائیں اور ارادہ ظاہر کریں کہ باہم عقد مناکحت کر لیں۔ دونوں کا اقرار کہ ہمارے
مابین کوئی رشتہ حرمت نہیں اہل شہر کے عندیہ میں یہ دونوں اجانب متصور ہیں گو کہ محمود کو کسی

سے تعرف ہو مگر فریدہ اجنبیہ ہے جن سے اہل شہر احتمال کر سکتے ہیں کہ فریدہ کسی کی منکوحہ ہوگی اور
محمود کی فریب دہی سے زوجیت سے دست بردار ہو کر آئی ہوگی کسی کو کچھ خبر نہیں کہ دونوں اپنے

اقرار میں سچے ہیں یا جھوٹے۔ مگر دونوں کا حلفیہ اقرار ہے کہ ہمارے مابین تزویج کے لئے کوئی
شرعی امر مانع نہیں۔ تصدیق و تحقیق کے لئے یہ دونوں اہل شہر سے بھی نہیں بلکہ انبار سبیل مانے

جالتے ہیں اور ان کا وطن اصلی بھی قریب نہیں بلکہ پانچ سو میل کی مسافت سے بھی متجاوز ہے

لہذا عرض خدمت ہے کہ محمود مذکور اور فریدہ مذکورہ بالغہ جو چودہ سالہ عمر رکھتی ہے ان دونوں کے انعقاد نکاح کی کیا صورت ہے آیا جس شہر میں کہ یہ دونوں وارد ہیں اور استدعائے تزویج کر رہے ہیں کیا باعتبار حلفی اقرار قاضی شہر مجاز ہے کہ اہل شہر سے کوئی دو شاہد مقرر کر کے حسب استدعا محمود و فریدہ سر دست بلا تحقیق و تنقیح ان دونوں کا نکاح کر دے یا باوجود ان دونوں کے حلفی اقرار کے مزید تحقیق ضروری ہے کہ نکاح ملتوی یا رد کر دے اگر باعتبار حلفی اقرار ان دونوں کے قاضی نکاح کر دے تو اس نکاح کا کیا حکم ہے؟ بیٹو! توجسوا و ارجمکم اللہ تعالیٰ۔

الجواب؛ اگر قاضی شہر کا قلب اس مرد و عورت کی صدق کی شہادت دے اور ان کے حلفیہ بیان پر اس کا قلب مطمئن ہو جائے تو اس کو ان دونوں کا نکاح کر دینا جائز ہے مگر نکاح مجمع عام میں کرے صرف دو گواہوں کے سامنے نہ کرے کیونکہ اگر وہ جھوٹے ہوں گے تو غالب یہ ہے کہ مجمع عام میں نکاح پر راضی نہ ہوں گے، وایضا فی نکاح السرم من المفاسد مالا یخفی والاصل فی ذلک ما ذکرہ الفقہاء فی امرأۃ قالت لرجل طلقنی زوجی ثلاثا وانقضت عدتی فان شہد بصدقہا قلبہ جائز لہ ان یتزوجہا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

یکم ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ استفتاء ضمیمہ سابق

سوال :- ہندہ کا حامد سے خطبہ ہو چکا تھا اتفاقاً زید جو مرد اجنبی ہے باکرہ مذکورہ ہندہ کو اپنے دام تزویج میں گرفتار کئے ہوئے اس کے ابوین و اقارب سے جدا کر کے کہیں اور مقام پر فرار ہوا۔ ہندہ کے ابوین و اقارب اس واقعہ جانگزا سے حیران ہو کر اطراف و اکناف متلاشی رہے بالآخر کسی مقام پر جو تقریباً یکہزار میل کے فاصلہ پر واقع بھدیش و تلاش بعمرہ ایک ماہ سمرغ پاکر مغربین کو گرفتار کر کے وطن لے آئے ہندہ تو اپنے والدین کے قبضہ اختیار میں رہ گئی مگر زید جو غریب الوطن مانا جاتا تھا بعد ملامت و تشنیع اپنے وطن کو روانہ کیا جو تیس میل پر واقع ہے تقریباً عرصہ چھ سات ماہ گزرتا ہے کہ حالاً زید مدعی ہے کہ ہندہ مذکورہ اپنی منکوحہ ہے حالاً ہندہ مذکورہ کا نکاح حامد مذکورہ الصدر کہ جس کا قبل از وقوع واقعہ مذکورہ ہندہ کے ساتھ خطبہ ہو چکا تھا تقرر پایا ہے عنقریب نکاح ہونے والا ہے لہذا احقر چند سوالات متعلقہ امر مذکور بخدمت اقدس مؤدبانہ پیش کرتا ہے :

(۱) زید مذکورہ کا جود عوی ہے کہ ہندہ اپنی منکوحہ ہے کیا بصورت عدم حضور ولی و ازکا

منہیات یہ دعویٰ صحیح ہے کیا ہندہ کو منکوحہ قرار دی جاتی ہے ؟

- (۲) زید کا یہ دعویٰ کہ میں نے بجاالت فرار کسی مقام میں ہندہ سے نکاح کیا ہے درآخالیہ دونوں اجانب و غریب الوطن متصور تھے۔ نہ شاہدین کو نہ اوروں کو کچھ خبر ہے کہ ہندہ کے ساتھ زید کو باہمی کیا مناسبت ہے گو کہ فیما بین رشتہ حرمت ہی کیوں نہ ہو بلا تحقیق شاہدین وغیرہ مجاز ہیں۔ گو کہ ہندہ زید کہ محرمات ابدیہ سے ہی کیوں نہ ہو بلا تحقیق حسب استدعاء زید العقد نکاح میں اشمال شاہدین وغیرہ درست ہے۔ کیا یہ نکاح اجانب جو بلا تحقیق و تنقیح کیا گیا ہے صحیح ہے ؟
 - (۳) اگر کسی وجہ سے نکاح زید ہی معتبر ہو تو کیا ہندہ کے اولیا ر عصبہ کو حق فسخ حاصل نہیں ؟
 - (۴) برخلاف دعویٰ زید ہندہ مذکورہ کا نکاح جو فی اسحال حامد کے ساتھ تقرریا یا ہے جن کے مابین کوئی رشتہ حرمت تو نہیں ہے نفاذ نکاح کے لئے کیا کوئی امر مانع و مزاحم ہے ؟
 - (۵) کیا ہندہ کو بلا بینہ شرعی صرف بوجہ فرار و ہر اس زید زانیہ کہہ سکتے ہیں ؟
 - (۶) بصورت ثبوت زنا کیا ہندہ پر جو غیر محضہ ہے حد جاری کی جائے ؟
 - (۷) یہاں رسم ہے کہ زانی و زانیہ محض خواہ غیر محض رومال لپیٹ کر سوڈے لگائے جاتے ہیں نہیں معلوم کہ رحم کا حکم کس کے لئے ہے آیا یہ حکم ہی منسوخ ہے ؟
 - (۸) دوبارہ اجراء حدود گورنمنٹ کی سخت ممانعت ہے دیں صورت مجبوری رحم ترک کر کے مجرم و مجرمہ پر صرف کوڑے ہی لگائے جاویں ؟
 - (۹) کیا بصورت مجبوری کوڑے لگانا رحم کے قائم مقام ہو گا کیا اس طریق سے حد ساقط ہوتی ہے ؟
 - (۱۰) صرف رومال لپیٹ کر درے لگا جاویں یا دیگر آلات سے اور درہ اصطلاح شرع میں کس کو کہتے ہیں ؟
- الحاصل احقر بخدمت اقدس ملحقی ہے کہ ازراہ کرم کل سوالات کا جواب بالاستیعاب اندوئے اصول ثلاثہ مع حوالہ کتب و دستخطی مہر جناب و غیرہم زیب رقم فرماویں کہ جملہ شبہات کا مطلب ذہن نشین ہو جاوے اور غلجان کلی رفع ہو اور کسی کو مجال دمرنی نہ ہو اگرچہ جرأت احقر موجب تصنیع اوقات عزیز آنجناب ہے معینا بندہ عرض پرداز ہے کہ ازراہ بندہ نوازی ہمہ امور تمام تر قوی سند کے ساتھ کہ کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ ہو قلمبند فرما کر ممنون فرماویں۔ امید کہ آنجناب اپنی سعی بلیغ مبذول فرما کر بجز جوابات سے سرفراز و ممتاز فرمائیں گے۔
- الجواب ؛** درے لگانے کا حق عوام کو نہیں بلکہ امام کو ہے اور ہندوستان میں

امام نہیں البتہ اگر نچایت کو گورنمنٹ کی طرف سے سزائے بید کا اختیار حاصل ہو تو جہاں ہمیشہ لوگوں کو سزائے بید دے سکتے ہیں جس کے لئے شرط یہ ہے کہ ۳۹ بید سے زیادہ نہ مارے جائیں باقی اس نکاح کے متعلق چند امور تنقیح طلب ہیں ان کا جواب دیا جائے۔

- (۱) ہندو زید کے دعوے کو صحیح کہتی ہے یا غلط بتلاتی ہے؟
- (۲) زید ہندو کا ہم کفو ہے یا نہیں یعنی نسبا دونوں میں کفارت ہے یا نہیں؟
- (۳) زید اور ہندو نکاح کے شاہدین لوگوں کو ظاہر کرتے ہیں وہ شاہدین ان کے دعوے نکاح کی تصدیق کرتے ہیں یا نہیں، ہندو بالغ ہے یا نہیں، عمر کیا ہے؟ ان تنقیحات کے جواب کے بعد سوال کیا جائے تو جواب ملے گا یہ پرچہ پھر واپس کیا جائے فقط۔

۱۵ صفر ۱۳۵۵ھ

مولانا! السلام علیکم! اما بعد ہر چہ ارا مور تنقیح طلب کا جواب حتی الامکان عرض کیا جاتا۔ امر اول - ہندو دعویٰ زید کی تکذیب کرتی اور غلط بتلاتی ہے۔ امر دوم - ہندو تو اہل سادات سے ہے مگر زید کا نسب نامہ معلوم۔

سادات سے تو نہیں مگر شیخ یا پٹھان خاندان سے ہوگا نیز باعتبار حرمت زید میں کوئی رذالت پائی نہیں جاتی غالباً زید ہندو کا ہم کفو ہوگا۔ امر سوم - شاہدین کا پتہ نہیں، نہیں معلوم کہ شاہدین نکاح کون ہیں زید کا جو دعویٰ ہے عدالتی نہیں۔ چونکہ زید نے اپنا دعویٰ عدالت میں دائر نہیں کیا ہے صرف تخوفاً لوگوں میں ظاہر کر رہا ہے کہ ہندو میری منکوحہ ہے حامد کے ساتھ نکاح ہونے کے بعد دعویٰ دائر کروں گا، نہیں معلوم کہ یہ دعویٰ کہاں تک راست و درست ہو اور کہاں تک دروغ۔ چونکہ معاملہ سراسر تصدیق طلب ہے۔ غرض زید کا دعویٰ ہے کہ جس مقام میں نکاح کیا ہوں وہاں پر شاہدین موجود ہیں بعد نکاح حامد بعدالت دعویٰ دائر کروں گا۔

امر چہارم - ہندو بالغ ہے اور عمر میں چودہ سالہ ہے۔ امید کہ آنجناب جملہ سوالات کا جواب مفصل زیب رقم فرما کر ممنون فرمائیں گے۔
الجواب؛ جب ہندو نکاح سے منکر ہے اور زید کے پاس وہ گواہ نہیں جو نکاح کی شہادت دیں تو محض اس کی افواہ اور تخویف سے نکاح کا ثبوت نہیں ہو سکتا ورنہ ہر شخص

دعویٰ کر دیا کرے گا کہ میرا نکاح فلان عورت سے ہو چکا ہے، دعویٰ بلا دلیل و بلا ثبوت ہے۔
البتہ اگر زید کے دعویٰ سے ولی ہندہ کو تردد ہو گیا ہو تو وہ ہندہ سے قسم وغیرہ لیکر اپنا
اطمینان قلب کر کے ہندہ کا نکاح حامد سے کرے بدون اطمینان قلب کے ایسا نہ کرے۔ رہا یہ کہ
زید بعد میں عدالتی دعویٰ کی دھمکی دے رہا ہے تو اس دھمکی کا قانونی بجاؤ قانون دان لوگوں
سے معلوم کرے۔

نوٹ: سائل نے زید کی نسبی حالت کو بالکل گول مول ظاہر کیا ہے کہ شیخ ہو گا یا پٹھان
اس کو لازم ہے کہ ایک بات تحقیق کے ساتھ معین کر کے لکھے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
یکم ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

نکاح بٹری کی تعریف اور اس کا حکم | سوال (۳۰) تعریف نکاح بٹری چیست و حکم آن چیست
اگر شخصے نزد دو گواہان معتبر در خلوت باز نے ایجاب و قبول ساخت آیا حکم اس نکاح بٹری
شد یا جہری؟

الجواب: نکاح بٹری کہ ممنوع و باطل است آن است کہ درو شاہدین علاوہ ناکح
و منکوحہ نباشند و اگر شاہدین یا شہود حاضر باشند این چنین نکاح نکاح بٹری باطل نباشد
اما خالی از کراہت نباشد لان السنۃ فی النکاح الا اعلان و لذلک اشہر لہ الدف
و نحوه و فی الحدیث الفرق بین الحلال و الحرام الدف و لان فیہ
القضاء نفسہ فی التہمة و یتہمہ بالنزاع من لہ یعلم بالنکاح و فی الحدیث
اتقوا مواضع التہم، واللہ اعلم۔
۱۸ رجب الثانی ۱۴۲۸ھ

محررہ عورت کو خریدنا اور | سوال (۳۱) کسی عورت کو روپیہ سے خرید کر کے اس کا اپنے ساتھ نکاح
اپنے ساتھ اس کا نکاح کرنا | کرنا شرع کی رو سے جائز ہے یا ناجائز؟ اسید کہ حضور والا اس سوال کے
جواب مبارک سے مشرف فرمادیں گے۔

الجواب: آزاد عورت کو روپیہ سے خریدنا حرام ہے جائز نہیں اور اس سے جبراً
نکاح کرنا حرام ہے اگر وہ اپنی خوشی سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح درست ہو سکتا ہے خریدنے
کے دباؤ سے ہرگز درست نہ ہو گا اور خریدنے کے گناہ سے توبہ کرنا لازم ہے، واللہ اعلم۔
۱۸ رجب الثانی ۱۴۲۸ھ

چار بیویوں میں سے ایک کا انتقال ہو جائے تو دوسری عورت بلا کسی مدت کے انتظار کے نکاح جائز ہو کر سکتا ہے یا نہیں؟

سوال (۳۲) زید کی چار بیویاں تھیں ان میں سے ایک عورت سے بلا کسی مدت کے انتظار کے نکاح جائز ہو کر سکتا ہے کیونکہ مرد کے ذمہ عدت نہیں۔

الجواب؛ ہاں کر سکتا ہے کیونکہ مرد کے ذمہ عدت نہیں۔

لوٹڈی سے کراہت نکاح کی وجہ | سوال (۳۳) لوٹڈی سے کراہت نکاح کی منجملہ وجوہ کراہت سے ایک یہ بھی مرقوم ہے کہ لوٹڈی غیر کی مملوک ہے اگر کسی وقت شوہر اس کو اپنے پاس رکھنا چاہے اور اس وقت مالک اس سے خدمت لینا چاہے تو ضرور بے لطفی ہوگی اس خدمت سے صحبت کرنا مراد ہے یا اور کچھ؟

الجواب؛ خدمت سے مراد علاوہ استمتاع کے ہے فی الدن رومن عرسہ امتہ الحلال، لہ وطوھا فخرج المجوسية والمکاتبۃ والمشرکۃ و منکوحۃ الغیر الخ شامی ص ۲۰۲ ج ۵۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔

سوال (۳۴) ایک عورت برقعہ پوش تنہا دو مرد گواہوں تو شاہدوں کو نام وغیرہ بتلانا ضروری نہیں؟

یہ کون ہے اور کہاں رہتی ہے صرف اتنا معلوم ہے کہ کوئی عورت ہے اس صورت میں۔ مرد ثالث جو عورت مذکورہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے یہ کہہ کر کیا مجھ سے تجھے نکاح منظور ہے؟ عورت جواب دیتی ہے مجھے قبول ہے یا قبول کیا تو کیا از روئے شرع نکاح ہو گیا؟

(۲) صورت سابقہ میں اگر مرد گواہوں سے عورت مذکورہ کا پتہ بالکل اندے تو کس طرح ہے؟

(۳) اگر مرد عورت مذکورہ کا پتہ اس طرح جھوٹ بتلائے مثلاً گواہوں سے کہدے کہ یہ عورت اجیر رہتی ہے اور اجیر سے آئی ہے اور میں اس سے نکاح کرتا ہوں حالانکہ دراصل وہ عورت جو دھ پوری کی ہے اس کا جواب بھی لکھیں؟

الجواب؛ جب عورت سامنے موجود ہے تو شاہدوں کو اس کا نام وغیرہ بتلانا ضروری نہیں پس ہر صورت میں نکاح صحیح ہو جاتا ہے کما فی العالمگیریہ ص ۳۳ وان کانت حاضراً متقبۃ ولا یعرفھا الشہود جاز النکاح وهو الصمیم۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔

۱۰ رمضان شریف ۱۴۲۵ھ

عہ یہاں تک کے کل جوابات حضرت مولانا صاحب مدظلہم نے بھی التزاماً ملاحظہ فرماتے ہیں (باقی صفحہ آئندہ پر)

دلی کی طرف اضافت کی ایک صورت کا حکم [سوال (۳۵) ایک نکاح خوان نے مجلس نکاح میں لڑکی کے باپ سے کہا کہ تو نے اپنی لڑکی سکینہ اس عبد اللہ کے ساتھ نکاح کے لئے دی ہے اس کے لڑکے شریف اللہ کے لئے۔ لڑکی کے باپ نے کہا دی ہے شریف اللہ کے لئے۔ پھر نکاح خوان نے عبد اللہ کو کہا تو نے قبول کی ہے اپنے لڑکے شریف اللہ کے لئے؟ وہ بولا میں نے قبول کی ہے شریف اللہ کے لئے۔ نکاح خوان نے اضافت نکاح کی عبد اللہ کی طرف کی ہے اور لڑکی کے باپ نے نہیں کی تو اعتبار نکاح خوان کے الفاظ کا ہوگا اور لڑکی کے باپ کے الفاظ بھی ان کے ساتھ مقید ہوں گے اور نکاح خود عبد اللہ کا منعقد ہو جائے گا نہ اس کے لڑکے شریف اللہ کا کما قال الشامی رقی ایضاً قولہم زوجتک بنتی لابنک فیقول قبلت ویظہری انہ یعتقد للاب لاسناد الترویج وقول ابی البنت لابنک معناه لاجل ابنک فلا یفید وکذا الوقال الآخر قبلت لابنی لا یفید ایضاً۔ یا اعتبار لڑکی کے باپ کے الفاظ کا ہوگا اور نکاح عبد اللہ کے لڑکے شریف اللہ کا منعقد ہوگا نہ عبد اللہ کا۔ کما قال الشامی نعم لو قال اعطیتک بنتی لابنک فیقول قبلت فالظاهر انہ یعتقد للابن لان قوله اعطیتک بنتی لابنک معناه فی العرف اعطیتک بنتی زوجة لابنک وهذا المعنی وان کان هو المراد عرفاً من قولہم زوجتک بنتی لابنک لکنہ لا یساعد اللفظ کما علمت والذیہ وحدھا لا تنفع کما مر و اللہ سبحانہ اعلم۔

حاصل سوال یہ ہے کہ نکاح بطریقہ مذکورہ عبد اللہ کا ہوا ہے یا اس کے لڑکے شریف اللہ کا؟

بتینا الوجه اللہ العظیم فانہ یجزی بمغفرۃ و رزق کریم۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں شریف اللہ کا نکاح صحیح ہو گیا ہے اور نکاح خوان کے کلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس سے آگے حضرت والا نے فرصت نہونے کے باعث التزام ترک فرما دیا صرف اتنا ہی المکرم جناب مولوی ظفر احمد صاحب التزاماً ملاحظہ کرنے لگے۔ ۱۲ منہ

البتہ کوئی جواب مولانا مظلہ کی تحقیق کے خلاف نہیں لکھا جاتا بلکہ جو نیا سوال ہو اس کو زبانی دریافت کر کے لکھا جاتا ہے اور کہیں کہیں ملاحظہ کی نوبت آتی ہے تو وہاں تصریحاً اس کو ظاہر کر دیا جاتا ہے۔

یعنی حضرت والا دستخط ثبت فرمادیتے ہیں۔ ۱۲ احقر عبد الکریم عفی عنہ۔

۱۲ رمضان ۱۳۸۸ھ۔

میں جو ساتھ نکاح کے واقع ہے وہ شریف اللہ سے متعلق کہا جائے گا پس زوجت بنتی لا بنت پر اس کا قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کمالا یعنی ونیز اس استفہام کو تو ایجاب نہیں کہہ سکتے بلکہ ایجاب وہ ہے جو ولی نے کہا ہے اور ولی کے قول میں عبد اللہ کے نکاح کا احتمال تھا اور یہ شبہ و کذا الوقال الاخر قبلت لابنی لا یفید ایضاً معلوم ہوتا ہے کہ قول اول کا اعتبار ہوتا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ قول اول سے مراد ایجاب ہے قبول ایجاب کے تابع ہوگا قول ولی کو قول نکاح خوان کے تابع کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے، واللہ اعلم۔ احقر عبد الکریم عفی عنہ۔
الجواب صحیح۔

ظفر احمد عفا عنہ، ۲۱ رذی الحجہ ۱۴۲۸ھ۔

مسئلہ نکاح | سوال (۳۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بارات مسماۃ ہندہ سے نکاح کرنے کے لئے گئی عقد کے وقت زید کے ولی سے دریافت کیا گیا کہ زید بالغ ہے یا نابالغ تو زید کے ولی نے کہا کہ نابالغ ہے اس کے بعد پوچھا گیا کہ زید کا باپ کہاں ہے تو معلوم ہوا کہ زید کا باپ نہیں آیا ہے بلکہ اس نے ایک شخص کو یعنی بکر کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا ہے تب بکر سے دریافت کیا گیا کہ تم کو زید کے باپ نے اپنا قائم مقام بنایا ہے تو بکر نے کہا کہ ہاں ہم کو اس کے باپ نے اپنا قائم مقام بنایا ہے اس کے بعد لڑکی والوں کی طرف سے دین مہر مبلغ پانچ سو روپیہ کہا گیا تو لڑکے کے ولی نے انکار کیا آخر کار بضر ہو کر مبلغ ۵۰ روپیہ دین مہر سے کم کر دیا غرضیکہ مبلغ چار سو پچاس روپیہ دین مہر قرار پایا چونکہ لڑکے کو نابالغ کہا گیا تھا اس لئے لڑکے سے ایجاب و قبول نہیں کرایا گیا بلکہ اس کے باپ کے وکیل یعنی بکر سے کرایا گیا بکر نے کہا کہ ہاں ہم اس لڑکے کے لئے قبول کرتے ہیں۔ زید جس کا عقد ہو رہا تھا اسی مجلس میں موجود تھا اور سب باتوں کو سن رہا تھا سب باتیں اس کے روبرو ہوئیں۔ بعد عقد لڑکی والوں نے باتوں کو کھانا وغیرہ کھلایا کھانے کے بعد بارات والوں نے بہت اصرار کیا کہ بیاہ کے ناجائز رسومات بھی ادا ہونے چاہئے مگر لڑکی والوں نے منہ انکار کر دیا۔ کہ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ ہم ناجائز و قبیح رسومات ادا کریں آخر کار بارات ولے مجبور ہو کر چپ ہو رہے۔ بعد نماز فجر لڑکی والوں نے بارات والوں کو خبر دیا کہ تم لوگ سواری منگاؤ اور لڑکی رخصت کرا لے جاؤ۔ تب بارات والوں نے کہا کہ ہم کو معلوم نہیں تھا کہ صبح کو رخصت ہوں گے اس لئے ہم اس وقت نہیں جاسکتے مگر لڑکے کے ولی نے زید کے روبرو کہا کہ اچھا ہم سواری منگاتے ہیں تو لڑکی رخصت کرا کے ہم لوگ اسی وقت چلے جائیں گے لڑکا یعنی زید یہ سب

باتیں بھی سن رہا تھا کچھ دیر ہو گئی مگر سواری نہیں آئی تو لڑکے کے باپ آئے اور اظہار رنج و افسوس کیا کہ رات کو بیاہ کا رسم کیوں نہیں ادا ہوا اور صبح کو کیوں رخصت کرتے ہیں۔ جب تک لڑکی والوں نے جہیز برتن نقد روپیہ جو کچھ دینا تھا کیل کے سپرد کر دیا۔ لڑکے کے باپ اور بکر جو وکیل باپ کی طرف سے تھا۔ سبہوں نے اس جہیز کو منظور کر کے لے لیا۔ اور بارات واپس لے کر گھر چلے آئے۔ اور چلتے وقت یہ کہا کہ سواری اس وقت کہیں چلی گئی ہے ہر وقت نہیں مل سکتی ہم شام کے وقت سواری بھیج کر لڑکی رخصت کرالیں گے۔ لڑکی والے نے شام تک انتظار کیا مگر سواری نہیں آئی قریب چار بجے آدمی جاتا ہے کہ جلد سواری بھیجو چنانچہ اسی وقت لڑکی کے والد سواری والوں کے پاس گئے کہ تم لوگ سواری لے جاؤ مگر اس وقت بھی سواری نہیں ملی اس کی چونکہ طبیعت اور منشاء کے مطابق نہ تو دونوں وقت لڑکی والے نے کھانا کھلایا۔ اور بیاہ کے رسومات ادا کئے اس لئے لڑکے کے گھر والوں کو اس کا افسوس تھا اس لئے یہ کہنے لگے کہ ابھی نکاح نہیں ہوا کیونکہ لڑکا بالغ ہے۔ اور لڑکے سے ایجاب قبول نہیں کرایا گیا اس لئے ہم لوگ دوبارہ بارات لے جائیں گے۔ اور عقد کریں گے اور رسم و رسومات ادا کریں گے تب لڑکی کو رخصت کرائیں گے زید کے گھر والوں نے یہ سب باتیں اس روز شام تک اور بارات رخصت ہونے سے قبل کچھ نہیں کہا تھا کہ ابھی نکاح نہیں ہوا اس لئے ہم لوگ لڑکی رخصت نہیں کرائیں گے اور نہ لڑکے نے کچھ کہا بعد میں یہ سب تدبیریں رسم ادا کرنے کے لئے سوچی گئیں۔ تو کیا از روئے شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پہلا نکاح معتبر ہوا یا نہیں؟ ہیتنوا تو جبروا۔

تنقیحات

- (۱) لڑکے کی عمر کیا ہے اور اس کی صورت سے آثار بلوغ ظاہر ہوتے ہیں یا نہیں؟
- (۲) لڑکا یعنی زید اپنے کو بالغ کہتا ہے یا نابالغ؟
- (۳) نکاح ہو جانے کے بعد زید سے ایسے افعال ظاہر ہوئے یا نہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس کے نزدیک نکاح ہو چکا مثلاً دوستوں نے نکاح کی مبارکباد دی ہو اور اس نے خوشی کا اظہار کیا ہو یا اور کوئی رسم نکاح کی ایجاب و قبول کے بعد کی گئی ہو اور اس میں اس نے حصہ لیا ہو؟

جواب تنقیح: (۱) لڑکے کی عمر سترہ اور اٹھارہ کے درمیان ہے۔

(۲) زید اپنے کو بالغ کہتا ہے۔

(۳) نکاح کے بعد زید نے لڑکی کی طرف سے انگوٹھی پہنا نکاح کا رومال کندھے پر رکھا اور نکاحانہ روپیہ لیا۔ جیسا کہ دستور ہے کہ نکاح ہو جانے کے بعد اسی مجلس میں دو ایک روپیہ

اور انگوٹھی و رومال دیا جاتا ہے اور نکاح کے بعد دوسرے روز دس بارہ رومال اور پندرہ بیس بیسہ خاصکر لڑکے کے ہاتھ میں دیا جاتا ہے ان سب رسم کو زید نے ادا کیا اور ان چیزوں کو منظور کیا۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں چونکہ لڑکا بروقت نکاح بالغ تھا جیسا کہ جواب تنقیح میں اس کی عمر سترہ اٹھارہ سال کے درمیان بتلائی گئی ہے اور لڑکے نے نکاح کے بعد ایسے افعال کئے جو اجازت نکاح پر دال تھے مثلاً انگوٹھی پہننا اور نکاح خانہ لینا اور سلامی کے روپیہ لینا لہذا گو اس نے زبان سے ایجاب قبول نہیں کیا مگر عملاً نکاح کو نافذ کر دیا ہے لہذا یہ نکاح نافذ و کامل ہو چکا اب لڑکے والوں کا یہ کہنا کہ نکاح نہیں ہوا ہم دوبارہ بارات لے جائیں گے غلط ہے واللہ اعلم۔

۴۹ محرم ۱۳۹۹ھ۔

فصل فی المحرمات

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اہلسنت و الجماعت اس امر میں کہ سگی ممانی اور سگی چچی سے نکاح جائز ہے یا کہ ناجائز موافق حکم شرع کے ارشاد فرمادیں؟

الجواب؛ سگی ممانی اور سگی چچی سے نکاح بعد گزرنے عدت کے جائز ہے۔

۳ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ۔

سوال (۲) زنی بعد از مطلقہ شدن و عدت گزاردن کو چہ کرد شد تعلق ناجائز با چند کسان می داشت از بی تعلق اورادختری زائید بعد از زانیہ نش بیکي از تعلق داران پیشین نکاح کرد اکنون ناکح می خواهد کہ نکاح پسربالغ خود بہمین مولودہ بالغہ کہ در ایام بدکاری زائیدہ است کند شرعاً می تواند شد و یا نہ در مختار صفحہ ۲۸۴ حرم علی المتزوج ذکر آکان او اشفی نکاح اصلہ و فرعہ علا و نزل و بنت اخیہ و اختہ و بنتها و لومن زنا (رد المحتار) ای بان یزنی الزانی بیکر و یمسکھا حتی تلد منه بجرم عن الفتم قال الحنفی و لا یتصور کونها ابنة من الزنا الا بذلك اذ لا یعلم کون الولد منه الا به اھ ای لانه لو لم یمسکھا یحتمل ان غیرہ زنی بہا لعدم الفرائض النافی لذلك الاحتمال۔ ازین عبارت جواز مفہوم می شود چرا کہ در صورت مسئلہ بکار و امساک منتفی است (رد المحتار ۲۸۴) قال فی البحر اراد بجرمة المصاهرة المحرمات الاربع حرمة المرأة علی اصول الزانی و فرعہ

نسباً ورضاعاً وحرمة اصولها وفرعها على النزاى نسباً ورضاعاً كما فى الوطى
 الحلال ويحل لا اصول النزاى وفرعه اصول المنى بها وفرعها -
 از اینجا هم جواز فهمیده می شود آنچه حکم شرع است از او آگاه فرمائید؟
 الجواب؛ در صورت مسئله مذکوره نکاح پسر بالغ ناکح بامولود منکوحه او که در ایام
 بربارى زائیده است جایز نیست که خلاف احتیاط است قال الشافى بعد العبارة المذكورة
 فى السؤال (تنبيه) ذكر فى البحر انه دخل بنت الملاعنة ايضاً فلها الحكم البنت
 هنا لانه بسبيل من ان يكذب نفسه ويدعيها فيثبت نسبها منه كما فى الفتم
 قال وقد منى فى باب المصرف عن المعراج ان ولد ام الولد الذى نفاه
 لا يجوز دفع الزكاة اليه ومقتضاه ثبوت البنتية فيما يبنى على الاحتياط فلا يجوز
 لولده ان يتزوجها لانها اخته احتياطاً ويتوقف على نقل اه (ص ۲۵۲ ج ۲) -
 قلت والاحتياط فى باب الفروج لازم فما قاله فى الفتم والمعراج لا يخالفه
 القواعد ومقتضاه ما قاله فى البحر من ثبوت البنتية فيما مبناه على الاحتياط
 فيلزم الاخذ به احتياطاً -

(تنقيح) قال الشيخ قياسه على بنت الملاعنة قياس مع الفارق -
 قلت ولما قس المسئلة على حكم بنت الملاعنة وولد ام الولد الذى
 نفاه بل بنيت الجواب على قول البحر بعده ومقتضاه ثبوت البنتية فيما يبنى
 على الاحتياط (معناه فى امور مبناها على الاحتياط كباب الفروج حيث
 فرع عليه بقوله) فلا يجوز لولده ان يتزوجها لانها اخته احتياطاً
 وهذا القول بعمومه يوجب ثبوت البنتية فى الصورة المسئلة احتياطاً
 واما قوله ويتوقف على نقل فالجواب عنه ان هذا الحكم الكلى بهذا

عه واستدلال سائل بعبارة بغير مفيد نیست فان معنى قوله ويحل لا اصول النزاى و
 فروعه اصول المنى بها وفرعها - اى الاصول والفرع التى هى اصول وفرع
 للمنى بها فقط ودليل ذلك قوله كما فى الوطى الحلال بعد ذلك وفى الصورة المسئلة
 بنت المنى بها فيها شبهة كونها بنت الاب ومخلوقة من مائه ايضاً فافتراقاً ۱۲ ظ

اللفظ وان لم نره منقولاً ولكن احتياط الاثمة في باب الفروج تفيد كيف لا
وظاهر الرأية ان الوطاني الدبر لا يوجب حرمة المصاهرة وكذلك لو
افضاها لعدم تيقن كونه في الفرج ما لم تجبل منه ذكر في الدبر (۲۶۱ ج ۲)
ولكن في حاشية الاشباة للحموي اقول ذكر شمس الاسلام انه يفتي بالحرمة
احتياطاً اخذاً بقول بعض المشائخ انتهى وهو لطيف حسن اذ لا يكون الوطى
في الدبر اذ في حال من مسه وهو تثبت به الحرمة فلان تثبت به اولى
اذ فيه مس وزيادة اه (ص ۳۵۷) واما في الافضاء فقد ذكر في الفتم عن
ابي يوسف قال أكره له الام والبنت وقال التتزه احب الى اه (ص ۱۲۶ ج ۳)
وفي كل ذلك دليل على غاية الاحتياط في هذا الباب ولا يخفى ان بنت
المزنية التي لم يمسهما الزاني عن غيره وان لم يتيقن بكونها مخلوقة
من مائه ولكن فيها شبهة ذلك حتماً فثبت مزنية الرجل في صورة السؤال
اخت ولده احتياطاً والله تعالى اعلم - حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه -
۲۱ / محرم ۱۴۲۵ هـ

(خلاصاً) كلام اين ست كه بمقتضائے كلام آن مشايخ كه قيدامساك مزنيه افرو
دواند بدون امساك ثبوت بنيت دخترش از زاني بعيد است و مقتضائے تنبيه شامي
آنست كه بدون امساك هم ثبوت بنيت بعيد نيست بلكه بنا بر احتياط اين احتمال هم قريب
است و در باب احتياط احتمالات قريه معتبر و احتمالات بعيد غير معتبر است پس كسيكه
بدون امساك هم ثبوت بنيت را بعيد نشمارد فتوى بعدم جواز خواهد داد و رجحان احقر
كاتب حروف بهمين جانب است - امار حجان خاطر حضرت حكيم الامتة دام مجدهم بسوء جواز
نكاح پسر زاني باين دختر زانيه است بمقتضائے عبارت مذكوره سوال گونا بر تنزه و
احتياط ازين نكاح احتراز نزد ايشان هم اولي است فقط - ۲۲ / محرم ۱۴۲۵ هـ

بھتیجے کی بیوہ سے نکاح جائز ہے | سوال (۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص
کے بھتیجے کا انتقال ہو گیا اس نے زوجہ چھوڑی اس شخص کی عورت بیوہ یعنی بھتیجے کی زوجہ سے عقد
جائز ہے یا نہیں؟ یتنوا تو جروا۔

الجواب: اگر بھتیجے کی بیوہ سے اس شخص کی اور کوئی قرابت محرمہ نہ ہو مثلاً وہ بیوہ خود

اس کی بھتیجی اور بھانجی ہو تو محض بھتیجی کی بیوی ہونے سے وہ اس پر حرام نہ ہوگی بلکہ اس سے نکاح درست ہے بشرطیکہ بیوہ دل سے راضی ہو اس کی کسی قسم کا جبر نہ کیا جائے جیسا کہ بعض قوموں میں رواج ہے کہ ان کے خاندان میں کوئی عورت بیوہ ہو جائے تو وہ اپنے اختیار سے خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی بلکہ خاوند کے خاندان والے جہاں چاہیں نکاح کر دیتے ہیں چاہے بیوہ راضی ہو یا نہ ہو۔ اور اگر یہ بھتیجی کی بیوہ اس شخص کے ساتھ قرابت محرمہ بھی رکھتی ہے یعنی وہ بھی اس کی بھتیجی یا بھانجی ہے تو اس سے نکاح نہیں ہو سکتا واللہ اعلم۔ ۲۴ ج ۲ صفحہ ۳۵۔

جمع بین الاختین کے متعلق | سوال (۴) خالد نے ایک نکاح کیا زینب بنت بکر کے ساتھ بعد ایک استفتاء کا جواب | فوت ہونے بکر کے بی بی اس کی نکاح ثانی کیا ساتھ زید کے اور زید سے ایک لڑکی پیدا ہوئی ہندہ نامی لیکن جس روز لڑکی پیدا ہوئی اسی روز مادرِ مختار انتقال گئی اور مطلق دودھ اپنی ماں کا پیا نہیں بلکہ غیر کے دودھ سے پرورش پا کر بالغ ہوئی اور نکاح اس کا ساتھ ایک دوسرے شخص کے ہوا تھا لیکن شوہر کے انتقال ہونے کے بعد قریب تین سال تک بیوہ رہی اب وہی خالد مذکور جو شوہر زینب کا ہے اس کے ساتھ نکاح کیا نکاح صحیح ہو گا یا نہیں۔ آیت ان تجتمعوا بین الاختین سے ثابت ہوتا ہے کہ حرام ہے اور رضا کی شرط ہے کہ نہیں اخیا فی میں؛ فقط والسلام۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں ہندہ چونکہ زینب کی اخیا فی بہن ہے اس لئے خالد کو زینب کے ساتھ ہندہ کا جمع کرنا جائز نہیں وان تجتمعوا بین الاختین میں اخت یعنی وعلانی و اخیا فی سب مراد ہیں جیسا کہ اخوات تکم میں۔ اور جب وہ نسب کے اعتبار سے بہن ہے تو رضاع کی کیا ضرورت جیسا کہ حقیقی بہن اگر اپنی ماں کا دودھ نہ پئے تب بھی وہ بہن ہے۔ عبد الکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۰ سوال صفحہ ۳۵۔

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے | سوال (۵) بکر کی دو بیٹیاں ہیں ایک کو زید کے ساتھ بیاہ کر دیا بعد دو طیار برس کے زید نے دوسری بیٹی کو بھی نکاح کر لیا پس دونوں میں ایک ساتھ نکاح کرنا حرام ہے کیا؟ دونوں حرام ہو گا؟ اور پہلی عورت کے بطن سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہے کیا وہ حرامی ہوگی؟

الجواب؛ زید نے جب اپنی سالی سے نکاح کر لیا تو وہ نکاح تو باطل ہوا لیکن جو بہن

زید کی پہلے سے بیوی ہے اس کا نکاح باقی ہے اور وہ بدستور حلال ہے لیکن اگر زید دوسری منکوحہ سے وطی کر چکا ہے تو پہلی منکوحہ سے بھی وطی حرام ہے یہاں تک کہ دوسری کو جدا کر دے اور اس کی عدت گنجا دے پس ہر حال میں لازم ہے کہ دوسری منکوحہ کو الگ کر دے اور اگر اس سے صحبت ہو چکی ہے تو اس کی عدت ختم ہونے تک اپنی بیوی سے بھی ہمبستر نہ ہو کما فی الدر المختار (وان تزوجہما معاً) ای الاختین او من بمعناهما (او بعقدتین ونسی) النکاح الاول فرق القاضی (بینہ و بینہا) وقال الشامی تحت قوله (ونسی الاول) فلو علم فہو الصحیح والثانی باطل وله وطئ الاولی الا ان یطأ الثانية فتحرم الاولی الى انقضاء عدة الثانية کما لو وطئ اخت امرأته بشبهة حیث تحرم امرأته ما لم تنقض عدة ذات الشبهة ح عن البہر (ص ۲۳۸ ج ۲)۔ اور تفریق کی صورت یہ ہے کہ طلاق دیدے یا زبان سے کہے کہ میں نے تجھ کو الگ کر دیا اور اگر ہم بستری نہیں ہوتی تو فقط علیحدہ ہو جانا بھی کافی ہے زبان سے کچھ کہنا ضروری نہیں اور کسی حال میں قضا قاضی شرط نہیں ہے بلکہ عورت خود بھی علیحدہ ہو سکتی ہے چاہے مرد الگ کرے یا نہ کرے کما فی تنویر الابصار ومبدأ ما بعد التفریق او اظہار العزم علی ترک وطئہا وفی الدر تحتہ بان یقول بلسانہ ترکتک ونحوہ ومنہ الطلاق وانکار النکاح لو بحضرتہا والا لا، لا مجرد العزم لو مدخولۃ والا فیکفی تفریق الابدان وقال الشامی تحت قول الدر (العزم) من الزوج قال فی البہر ورجعنا فی باب المہر انها تكون من المراءاة ایضاً (ص ۲۰۰ ج ۲)

سوال (۶) ایک شخص ایک عورت سے بجاالت باکرہ و عروسی زن بدلی زانی کی اولاد کا نکاح فروع مزنیہ سے جائز ہے کرتا رہا ہے دونوں کا نکاح غیر مرد غیر عورت سے ہو گیا ہے اور ان کی اولاد پیدا ہوئی کچھ عرصہ بعد عورت مذکورہ کا خاوند فوت ہو گیا اسی عورت نے اسی مرد مذکور جس کے ساتھ زنا کرتی رہی ہے نکاح کر بیٹھی، آیا! اب مرد کی اولاد سے اور اس عورت کی اولاد میں نکاح درست ہو سکتا ہے۔

الجواب: اس مرد کی اولاد کا نکاح اس عورت کی اولاد سے جائز ہے فی الشامی عن البہر ویحل لا اصول الزانی وفسو وعہ اصول المزانی بیہا وفسو وعہا ام

وقال الشامي مثله ما قد مناه قريبا عن القهستاني عن النظم وغيره وقوله
يحل اي كما يحل ذلك بالوطى الحلال (ص ۴۵۸ ج ۲).

سوال (۷) "ق" نامی ایک مرد دوسرے ل "مرد کی عورت سے بدکاری کرتا تھا
"ق" کے مرنے کے بعد اس کی عورت "ق" کی فرزند کی ل "کی دختر سے شادی کرادیا ہے یعنی زانی مرد
کا بیٹا اور مزنیہ کی بیٹی یہ آپس میں شادی کرائی گئی ہے اب یہ نکاح درست ہے یا نہیں اور وہ آپس
میں مرد و عورت ہو کر رہیں یا نہ رہیں؟

الجواب: زانی کے بیٹے کا نکاح مزنیہ کی دختر کے ساتھ جائز ہے کما فی الشامی
ص ۴۵۸ ج ۲ ناقل عن البحر ويحل لا اصول الزاني وفروعه اصول المني بها
وفروعهها ومثله ما قد مناه قريبا عن القهستاني عن النظم وغيره و
قوله ويحل الخ اي كما يحل ذلك بالوطى الحلال الخ

عبد الکریم عفی عنہ - ۲۹ جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ -

سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین
اس مسئلہ میں کہ سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے یا نہیں یعنی سوتیلی ماں ہو اور اس اپنی سوتیلی ماں
کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے مفصل جواب تحریر فرمادیں؟

الجواب: سوتیلی ماں یعنی باپ کی وہ بیوی جو اپنی ماں نہیں ہے اس شخص پر اس لئے حرام
ہے کہ وہ موطورۃ الاب ہے اور سوتیلی ماں کی بہن میں یہ علت نہیں اس لئے سوتیلی ماں کی
بہن سے نکاح جائز ہے - ۲۲ رمضان شریف ۱۴۲۵ھ -

سوال (۹) یہاں علماء دین ایک مسئلہ میں مختلف
جھگڑ رہے ہیں مسئلہ یہ ہے کہ زوجہ مرنے کے بعد زوجہ کی

بہن نکاح کرنے میں مرد کو عدت پالنا ہوگا یا نہیں اور عدت کے اندر یا بعد ایک دن کے زوجہ کی بہن
کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں اور کتاب شامی میں یہ عبارت تحریر ہے ماتت امأنتہ لہ
التزوج باختہا بعد يوم من موتہا کما فی الخلاصة عن الاصل وکذا فی المبسوط
لصدرا الاسلام والمحیط للشرح والجر والتاریخانیۃ، اور اس کے نیچے پھر یہ
عبارت لکھا وأما ما عزی الی التف من وجوب العدة لا یعتمد علیہ والتفصیل فی
کتابنا تنقیح الحامدیۃ -

اور دوسری کتاب فتاویٰ برصنہ میں یہ عبارت لکھا:

اما بعد وفات زوجہ یا خواہر او بروئے روانیت، بچیں خامسہ بعد از مردن رابعہ۔

پس اس عبارت کے موافق عدت وجوب ہوگیا نہیں فتویٰ وجوب پر یا غیر وجوب پر سب حوالہ عبارات کتب فیصلہ فرماویں! اجر دارین یا بند۔

الجواب؛ قال فی تنقیح الفتاوی الجامدیة سئل فی رجل ماتت زوجته المدخول بها ولها اخت فهل له تزوج اختها بعد موتها بیوم الجواب، نعم کما فی الخلاصة عن الاصل للامام محمدؒ وکما فی المبسوط لصدر الاسلام کما نقله عنه القهستانی والمحیط للامام السخسی والنجی والتاریخانیة عن السراجیة وفتاوی الانقروی وقدری أفندی و مؤید فاده ومجمع الفتاوی وصلة الفتاوی ومجمع المنتخبات و غیرها من الکتب المعتبرة واما ما عزی الی التفت من وجوب العدة علیه فلا یعتمد علیه وکتب تحت الجواب ما صورته قلت هـ

لعمرك ما كل النقول صحاح ولا كل خل في المودة ناصح عليك يا قواها دليلاً وماخذاً وما هو في الكتب الشهيرة راجح ولا تعتمد الا صدقاً مجرباً وكن حامداً لله فالامر واضح الخ (مجلد ۱)

قلت والتقييد بيوم اتفاني والا فالظاهر الجواز بعد موت زوجته معاً لان العلة انقطاع النكاح بينهما بالموت فلا يكون بذلك جامعاً بين الاختين نكاحاً والله اعلم۔

ان عبارات سے واضح ہے کہ زوجہ کے مرنے کے بعد عدت کے اندر یا موت کے ایک دن بعد اس کی بہن سے نکاح جائز ہے۔ ۷ رجب ۱۳۶۶ھ

سوال (۱۰) زید کی پہلی اہلیہ سے (جو فوت ہو چکی) ایک بالغ سوتیلی والی بہن سے نکاح جائز ہے؟
 لڑکا موجود ہے۔ کیا زید اپنی موجودہ دوسری شوکر کی حقیقی ہمیشہ سے اپنے فرزند بکر کا عقد کر سکتا ہے؟
 یعنی بکر کا نکاح اس کی سوتیلی خالہ سے ہو سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب؛ ہاں بکر کا نکاح اس کی سوتیلی خالہ سے جو اس کی سوتیلی ماں کی بہن ہے جائز ہے

فان اخت الموطوعة للاب ليس لها ذكر في المحرمات والله اعلم .

اپنے بیٹے کی بیوی کی بہن | سوال (۱۱) زید کی دو لڑکیاں ہیں۔ بکر نکاح کرنا چاہتا ہے ایک کو سے نکاح جائز ہے | اور ایک اپنے فرزند سے کیا باپ بیٹے دونوں زید کے دو لڑکیوں سے نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں مطلع کریں؟

الجواب؛ یہ صورت نکاح جائز ہے۔ اس میں کچھ حرج نہیں کہ باپ اپنے بیٹے کی بیوی کی بہن سے نکاح کر لے فان اخت حلیۃ الابن لیست من المحرمات فی شیء، والله تعالیٰ اعلم۔ ۲۰ شعبان ۱۴۲۶ھ۔

ماں کے شوہر کی بیٹی | سوال (۱۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ سے نکاح جائز ہے | میں کہ بکر نے ہمراہ خدیجہ نکاح کیا چند مدت کے بعد بکر نے مسماۃ خدیجہ کو طلاق دے دی بعد بکر نے ہمراہ فاطمہ نکاح کیا اور خدیجہ نے بعد انقضائے عدت کے ہمراہ عمر نکاح کیا۔ بکر کے بطن فاطمہ سے ایک لڑکی عائشہ پیدا ہوئی اور عمر کا بطن خدیجہ سے ایک لڑکا مسی ولید پیدا ہوا تو کیا صورت متذکرہ بالا میں بروئے شرع محمدی کے ولید کے نکاح میں مسماۃ عائشہ آسکتی ہے یا نہ بینوا بالصفۃ والکتاب توجسوا عند الوہاب؟ تنقیم :- بکر اور عمر اور خدیجہ اور فاطمہ میں باہم کیا قرابت ہے اگر کوئی قرابت نہیں تو اسی کو ظاہر کیا جائے سوال ناتمام ہے اس لئے جواب نہیں دیا جاسکتا فقط۔ ۱۰ رجب ۱۴۲۶ھ۔

الجواب عن التنقیم :- بکر اور عمر اور خدیجہ اور فاطمہ میں کوئی اور قرابت نہیں صرف یہ کہ خدیجہ پہلے بکر کے زوجہ تھی بعد خدیجہ کو بکر نے طلاق دیدی بعد انقضائے مدت کے خدیجہ نے نکاح ثانی ہمراہ عمر کیا تھا اور بکر نے نکاح ہمراہ فاطمہ کیا دوسرے خاوند کے گھر مسماۃ خدیجہ کے ولید لڑکا پیدا ہوا اور بکر کے دوسری عورت مسماۃ فاطمہ سے عائشہ لڑکی پیدا ہوئی تو عائشہ اور ولید کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہ؟

الغرض صرف بکر اور خدیجہ کی قرابت سابقہ بطور زوجیت کے تھی اور کوئی قرابت نہیں والسلام مع الاکرام۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں عائشہ کا نکاح ولید کے ساتھ جائز ہے۔ کیونکہ بکر عائشہ اس ولید کی ماں کے شوہر کی بیٹی ہے اور وہ حرام نہیں، قال فی الدس: وما بنت

زوجة اخته وابنه فحلّال ام وفي رد المحتار قال الخیر الرہلی بولا تحم
بنت زوج الام ولا امه ولا ام زوجة الاب ولا بنتها ولا ام زوجة الابن و
لا بنتها ولا زوجة السبیب ولا زوجة الساب ام (ص ۲۶۸۶) - ۲۳ ج ۲۳
سوتیلی ماں کی بہن | سوال (۱۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید
سے نکاح جائز ہے | و عمو آپس میں علی الترتیب حقیقی باپ بیٹے ہیں نیز زید کی بیوی یعنی عمرو کی والدہ فوت
ہو چکی ہے۔ اب زید اپنا نکاح ہندہ نامی عورت سے کر چکا ہے اور ہندہ کی حقیقی بہن کو اپنے لڑکے کی
زوجیت میں دینا چاہتا ہے جو بعد نکاح ہو جانے کے ہندہ اور اس کی حقیقی بہن آپس میں ساس اور
بھو بھوادیں گی ایسی صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے اس مسئلہ کا جواب باصواب مستند
کتب کے حوالہ سے تحریر فرما کر ارسال فرمادیں فقط بینوا تو جروا۔

الجواب : یہ صورت جائز ہے کیونکہ باپ کی بیوی کی بہن محرمات میں سے نہیں ہے اس سے
بیٹے کا نکاح درست ہے وجوز ذلك مما لا يخفى على من له نظر في الفقه والله اعلم۔
بتاریخ ۲۴ شوال ۱۴۲۷ھ۔

سوال (۱۴) ما قولکم رحمکم اللہ ...
بیوی کے انتقال کے بعد فوراً اس کی بہن سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟
زید کی بی بی انتقال کر گئی اس کی بہن کے ساتھ فی الفور اس کا نکاح

الجواب : ہاں کر سکتا ہے (مرد کے ذمہ عدت کا انتظار طلاق اخت و طلاق رابعہ میں
ہے موت اخت و موت رابعہ میں نہیں)۔

سوال (۱۵) ساس کی سوتیلی ماں محرمات میں داخل ہے یا نہیں؟
ساس کی سوتیلی ماں محرمات میں داخل نہیں ہے

الجواب : محرمات میں سے نہیں ہے جیسا کہ بیوی کی سوتیلی ماں حلال ہے فی العالمگیریہ
(ص ۲۶۸) ویجوز (الجم) بین امراة و بنت زوجها پس بیوی کی ماں اور نانی وادی
حرام ہے اور بیوی کے باپ دادا نانا کی منکوحہ حرام نہیں ہے۔ فقط احقر عبد الکریم عفا عنہ۔
الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ، ۱۱ ج ۲۵۷ھ۔

سوال (۱۶) حکم نکاح دختر پسر اخت عینیہ و علائیہ و اخافیہ رانکاح کردن روست
عینیہ و علائیہ و اخافیہ | یا نہ، و از بنات الاخت بنات ابن الاخت داخل باشد یا چہ بشر ارشاد فرمایند؟

الجواب : بنات الاخت میں بنات ابن الاخت و بنت الاخت سب داخل ہیں ولو سفلن جیسا کہ بنات تکم میں بنت الابن و بنت داخل ہیں، واللہ اعلم حرره الاحقر عبد الکریم عفی عنہ ۲۵ شوال ۱۴۲۸ھ

سوال (۱۷) زید کے ایک حلال زوجہ سے لڑکی ہے زینب، زانی کی لڑکی کا نکاح حرام ہے اس کے بعد زید نے ہندہ سے زنا کیا تو ایک لڑکا عمر و پیدا ہوا، سوال یہ کہ عمر و کا نکاح زینب سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب : قال الشامی تحت قول الدر (وبنتها) ولو من زنا واما التحريم على ابناء النانی و اولاده فلا اعتبار الجنائیه۔ پس معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں عمر و کا زینب سے نکاح حرام ہے۔ کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ، مورخہ ۲۹ رجب ۱۴۲۸ھ

سوال (۱۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جس کا لڑکا پانچ سالہ موجود تھا ایک عورت حاملہ من الزنا سے حالت حمل میں نکاح کیا مگر حمل کسی اور شخص کا تھا اسی واسطے اس شخص نے حکم شرعی کے موافق اس عورت کے ساتھ تا وضع حمل قربت وغیرہ نہیں کی۔ نکاح کو چھ ماہ نہ گزرے تھے کہ اس حمل سے لڑکی پیدا ہوئی اس کو انہیں دونوں نے پرورش کیا اور لڑکی کو اس کی ماں نے ہی دودھ پلایا اور اس لڑکی کی مدت رضاع تک کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا اب لڑکی قریب البلوغ ہے کیا یہ شخص اس لڑکی من الزنا کا نکاح اپنے لڑکے کے ساتھ جو دوسری بیوی سے ہے کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب : صورت مسئلہ میں نکاح اس لڑکی کے ساتھ اس شخص کے بیٹے سے ہو سکتا ہے کیونکہ وہ لڑکی اس شخص کی صرف ربیبہ ہے نہ اس سے اس کا نسب ثابت ہوا ہے (لانہا ولدت لاقلاً من ستة اشهر) اور نہ اس شخص کی رضیعہ ہے (لان اللبن ليس منه) اور صرف ربیبہ ہوتے ہوئے اپنے بیٹے سے نکاح جائز ہے، واللہ اعلم۔ احقر عبد الکریم عفی عنہ۔ یکم ربیع ۲ ۱۴۲۸ھ۔

سوال (۱۹) زید نے ہندہ سے بعید مدت گزری ہے کہ زنا کیا تھا۔ اب ہندہ کو اپنے مرد سے جو دودھ اتر رہا ہے اپنی سوت یعنی اپنے مرد کی دوسری بیوی کو فاطمہ کو مدت رضاع میں دودھ پلایا ہے اب زید کو فاطمہ کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ ہے جو کہ زید کی مزنیہ کی ضائقہ بیٹی ہے یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہ؟

جواب من بعض العلماء

یہ نکاح صحیح ہوگا رد المحتار باب الرضاع میں تحت قول الدر المختار قیل و کذا

الننا والاوجه لافتم بعد چند طور کے ہے وذكر الوبرى الى قول ردالمختار و قلت وذكر في شرح المنية انه لا يعدل من الدساية اذا وافقها رواية وقد علمت ان الوجه معه رواية عدم التحريم ص ۳۶۰ ج ۳۔

سوال تترجمہ خامسہ امداد الفتاویٰ جدیدہ مطبوعہ مطراول

سوال :- زید کو ایک ایسی عورت سے ناجائز تعلق ہو گیا جس نے زید کی زوجہ کو دودھ پلایا تھا یعنی زید کو اپنی زوجہ کی رضاعی ماں سے زنا کا تعلق ہو گیا آیا زید کی زوجہ زید پر حلال رہی یا حرام ہو گئی غلامہ سوال یہ کہ حرمت مصاہرہ مزنیہ کے اصول و فروع رضاعیہ کی طرف متعدی ہوگی یا نہ؟

جواب :- فی الدس المختار بیان المحرمات حرم الكل مما ستمحیمة الى اخراة فی ردالمختار تنبیہ مقتضی قوله والكل رضاعاً مع قوله سابقاً تاخر جلد ۲ ص ۴۵۶-۴۵۷، اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں زید کی بی بی زید پر حرام ہو گئی۔

ابے براہ نوازش جس روایت کو ترجیح فرمایا جاوے اس کو مستند بحوالجات کتب فرماویں اور بر تقدیر

مرجوحیہ روایت عدم تحریم کے اب چونکہ زید نے رضیعہ کو سے نکاح کر لیا ہے طلاق کی ضرورت ہے یا ویسے ہی تفریق اور عزم ترک کیا جاوے اور نصف مہر طلاق قبل دخول کی صورت میں واجب ہو یا نہ؟

الجواب من جامع امداد الاحکام ؛ صورت مسئلہ میں روایت تحریم

کو ترجیح ہے کیونکہ اصول مذہب کے موافق وہی ہے کیونکہ مزنیہ کی رضیعہ مزنیہ کی بیٹی ہے وھو ظاہر

اور عورت موطورہ کی بیٹی واطی پر حرام ہے پس رضیعہ مزنیہ زانی پر حرام ہے قال فی البدائع وکذا

یحرم بالوطاء ام الموطوءة وبناتها من الرضاع سواء كان الوطاء حللاً لابان كان بملك

اليمين او بنکاح فاسد او شبهة نکاح او کان زنا والاصل انه محرم بسبب

الرضاع ما يحرم بسبب النسب وسبب المصاهرة اه (ص ۲۶۲ ج ۲) ومثله فی

المجلد الرابع ص ۷۔

اور صاحب فتح القدیر نے عدم تحریم کی روایت کی ترجیح کی جو وجہ بیان کی ہے اور صاحب

ردالمحتار نے جو اس کی تقریر کی ہے اس کا جواب صاحب تحریر مختار نے بہت اچھا دیا ہے جو لگے

مذکور ہوگا اور صاحب بدائع نے اس مسئلہ میں صرف تحریم ہی کو بیان کیا ہے عدم تحریم کی کوئی روایت

نہیں بیان کی پس قہستانی نے جو اس مسئلہ میں دو روایتیں بیان کی ہیں ونصہ لوزنی بامرأة

فولدت وارضعت صبیة جازله ان یتزوجها کما فی شرح الطحاوی ولكن

فی الخلاصة انه لا يجوز وقد ما ان فيه روايتين اھ (حاشیة الجمل لابن عبدین
(ص ۲۲۶ ج ۳)۔ یہ دو روایتیں مذہب میں نہیں ہیں بلکہ دوسرے ائمہ کے اقوال کو غلط کر کے
صاحب مذہب کی روایت کے ساتھ بیان کر دیا ہے ورنہ صاحب بدائع وغیرہ اس سے ضرور تعرض
کرتے اور صاحب بحر نے تصریح کی ہے کہ رضیعة مزنیہ زانی کے لئے اتفاقاً حرام ہے ونصہ و اشار
بذکر الزوج الی ان لبن النانیس کالحلال حتی لو ولدت من النانی وارضعت به
صبیة یجوز لاصول الزانی وفروعه التزوج بها ولا تثبت المحرمۃ الا من جانب
الام خاصة الی ان قال وانما قیدنا محل الخلاف باصول الزانی وفروعه
لانها لا تحل للزانی اتفاقاً لانها بنت المذنی بها وقد منا ان فروع المذنی بها
من الرضاع حرام علی الزانی ولذا اقال فی الخلاصة بعد ما ذکر حرمتها علی الزانی
وکذا الولد تحیل من النانی وارضعت لا بلبن النانی فانها تحرم علی الزانی کا
تحرم بنتها من النسب علیہ اھ (ص ۲۲۷ ج ۳) اور صاحب فتح القدیر کے کلام کو صاحب
بحر نے تو اصول وفروع زانی پر محمول کیا ہے کہ وہ رضیعة مزنیہ کو اصول وفروع زانی کے لئے حرام
کہتے ہیں نہ خود زانی کے لئے مگر علامہ شامی نے عموم پر رکھ کر خود زانی کے لئے بھی اس کو جائز کہہ دیا
ہے مگر یہ اصول مذہب کے بالکل خلاف ہے جو ہرگز قابل اعتماد و اعتبار نہیں ہے چنانچہ صاحب
تحریر مختار نے علامہ شامی کے اس کلام کو اس طرح رد کیا ہے ؟

قوله یخالف المسطور فی الکتب الخ قد یقال ان عدم تحريم المراضعة بلبن
غیر الزوج لعدم دخوله بالنزوجة اذ هو المحرم للبنات واثبات الحرمة علی
الزانی فی مسئلة الخلاصة لتحقق امویة الزانیة للراضیة بارضاعها لبنتها
فتحقق انها بنتها والزانی قد دخل بها فیحرم علیہ فرعها الرضاعی کالنسبی

عہ قلت قد صرح فی البدائع بمفهوم هذا القید ای بالتحريم بعد الدخول ونصہ وکذا کل
من یحرم بسبب المصاهرة من الفرق الاربع الذین وصفناهم فی کتاب النکاح یحرم بسبب الرضاع فیحرم علی
الرجل ام زوجته وبناتها من زوج آخر من الرضاع کما فی النسب الا ان الام تحرم بنفس العقد علی
البنت اذا کان معها والبنت لا تحرم الا بالدخول بالام کما فی النسب اھ (ص ۲۲۸ ج ۳) قلت ورضیعة
المذنی بها ہی بنت المذنی بها وقد دخل بامها فتحرم علی الزانی حتماً ۱۲ منہ

فانثبات الحرمة في مسألة الخلاصة لان الرضیعة بعرضه بواسطة اللبن حتى يقال انه ليس من منیه بل لان هذه الرضیعة تحقق انها بنت موطوءته فتحمم عليه بوطاً أمها الرضاعیة كما تحم عليه بنتها النسبیة فما هو مسطور فی الكتب المشهورة لا یخالف ما فی الخلاصة مع ظهور وجه ما فیها فان الرضیعة وإن لم تنسب للزانی لان اللبن ليس من منیه تنسب للام بواسطة اللبن المنسوب اليها وقد دخل بها ام (ص ۱۶۲۱)۔

اور جن لوگوں کو رضیعة مزنیہ کے زانی کے لئے حلال ہونے کا وہم ہوا ہے ان کے وہم کا منشا دو امر ہیں، ایک یہ کہ رضیعة مزنیہ کا تعلق نسب صرف مزنیہ بہا سے ہے نہ زانی سے الخ مگر اس علت کا حاصل یہ ہوگا کہ جہاں سبب حرمت تعلق نسب ہو وہاں اس رضاع سے تحریم نہ ہوگی مثلاً اصول و فروع زانی کے لئے یہ رضیعة حلال ہوگی مگر زانی کے حق میں ثبوت حرمت کے لئے ثبوت نسب من الزانی ضروری نہیں بلکہ بنت الموطوءہ ہونا کافی ہے اور رضیعة المزنیہ کا بنت موطوءة الزانی ہونا مستحق ہے۔

دوسرا منشا وہم یہ ہوا کہ کتب مذہب میں مسئلہ مسطور و مشہور ہے کہ مرضعہ بلبن غیر الزوج زوج پر حرام نہیں۔ علامہ شامی نے اس کو مطلق سمجھ کر کلام صاحب غلامہ کو اس کے خلاف سمجھ لیا حالانکہ یہ مسئلہ اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ زوج نے مرضعہ (بکسر الضاد) سے دخول نکیا ہوا اور دخول کے بعد مرضعہ بلبن غیر الزوج زوج کے لئے حرام ہے اس کو کتب مشہورہ میں حلال نہیں کہا گیا فافہم وکن من الشکرین اور جو نکاح رضیعة مزنیہ سے کیا گیا ہے وہ نکاح فاسد ہے اور نکاح فاسد میں قبل الدخول مہر واجب نہیں ہوتا نہ نصف نہ کل اور بعد الدخول کے مہر مثل واجب ہوتا ہے صحیح بہ فی الدس فی باب المہر، واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور صورت مسئلہ میں متارکت بھی کافی ہو طلاق کی حاجت نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۲ رذی الحجہ ۱۴۲۸ھ۔

سوال (۲۰) فی زمانہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی عورتوں کے ساتھ بلاکلمہ عقد جائز ہے یا نہیں بعضے بولتے ہیں حنفی مذہب میں جائز ہے اور بعض بولتے ہیں پہلے زمانہ کے یہود و نصاریٰ کی عورتوں کے ساتھ عقد بلاکلمہ جائز تھا کیونکہ اس وقت میں وہ سب موحد تھے اور فی زمانہ اہل کتاب مشرک ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ وغیرہ کہتے ہیں۔

الجواب؛ جو اہل کتاب عیسیٰ علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کے اتباع کا دعویٰ کرتے

ہوں خواہ ابن اللہ کہے یا رسول اللہ کہے ان کی عورتوں سے نکاح جائز تو ہے مگر مکروہ ہے اور جو شخص دہریہ ہوں جیسا کہ آج کل عموماً انگریز دہریہ ہیں ان کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔

سوال (۲۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور وہ عورت اپنے خاوند کے

پاس ۹ یا ۱۰ برس رہی اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا اور دو برس کا ہو کر فوت ہو گیا اور وہ عورت اس کی منکوحہ کسی رنج یا تکلیف کے سبب سے اپنے والدین کے مکان پر آگئی اور کچھ عرصہ کے بعد اس کے شوہر نے اپنی زوجہ کی حقیقی بھتیجی سے نکاح کر لیا اب ایک شخص کے نکاحی یہ ہر دو بھوپھی بھتیجی جائز ہوتی ہیں یا نہیں۔ اور بعد نکاح بھتیجی کے لوگوں کے کہنے سننے سے چار پانچ روز کے بعد پہلی زوجہ یعنی بھوپھی کو طلاق دیدیا اب کون جائز ہو سکتی ہے یا کوئی نہیں؟ مینوا توجس وا۔

الجواب؛ بھوپھی اور بھتیجی دونوں ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں اس لئے بھوپھی کی موجودگی نکاح میں جو اس کی بھتیجی سے نکاح کیا گیا ہے وہ فاسد ہے درست نہیں ہوا البتہ بھوپھی کو طلاق دیکر اس کی عدت طلاق تمام ہو جانے کے بعد بھتیجی سے نکاح ہو سکتا ہے۔ پس صورت مسئلہ میں اس شخص نے اپنی بیوی کی بھتیجی سے بھوپھی کو نکاح میں رکھتے ہوئے جو نکاح ہے یہ بہت بڑا گناہ ہوا اس سے توبہ علانیہ لازم ہے اور بھتیجی سے علیحدگی واجب ہے پھر چونکہ اس نے پہلی بیوی کو طلاق دے دی ہے تو جب اس کی عدت طلاق تین حیض پوری ہو جائے اس کے بعد اس کی بھتیجی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے، واللہ اعلم۔ ۳۰ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ۔

فصل فی الانکحة الفاسده

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہندو کی نانی مسلمان ہوئی نکاح ثانی کرنا باطل ہے اور ہندو کی والدہ کا ایک مسلمان پردیسی سے نکاح کر دیا جب ہندو پیدا ہوئی اور سات آٹھ سال کی عمر ہوئی ہندو کے والدین کا انتقال ہوا اور کسی دلی وعقبہ پتہ نہ چلا اور ہندو اپنی خالہ بد چلن کی پرورش میں چند روز رہی پھر چند خداتر س لوگوں نے بمشورہ اس کی خالہ کے زید سے ہندو کا نکاح کر دیا جو کہ مسلمان تھا اور حیثیت میں ہندو کے باپ کی برابر تھا اور قومیت طرفین میں سے کسی کی کسی کو معلوم نہیں ملازم پیشہ لوگ تھے بعد نکاح کے کئی سال تک ہندو زید کے پاس رہی اتفاق سے کسی بد چلنی کی وجہ سے زید قید ہو گیا زید کے گھر والے ہندو کو تنگ رکھتے تھے

ہندہ نے اپنی تنگی اپنی خالہ سے بیان کی تو خالہ نے اس کو چکلہ میں بٹھا دیا چکلہ والوں نے کسی سے کچھ روپیہ ٹھہرا کر ہندہ کے پاس بھیجا تو ہندہ بھاگ گئی قابو میں نہ آئی اور اسلامی مسائل سے بالکل ناواقف تھی نالک والوں میں مسلمان سمجھ کر شامل ہو گئی پھر بعد بلوغ کے بوجہ غلبہ شہوت ایک غیر مسلم سے تعلق ناجائز ہو گیا اس ناجائز تعلق سے چند اولاد ہوئیں اتفاق سے ایک مسلمان شخص سے ہندہ ملی اور اپنا کل حال بیان کیا اس شخص نے اس کو وعید سنائی اور یہ کہا کہ تو مسلمان ہے اور یہ شخص جس سے تیرا تعلق ہے غیر مسلم ہے ہندہ پر خوف الہی پیدا ہوا اور مسائل دریافت کئے اور اولاد کو چھوڑنے پر آمادہ ہوئی تو اس غیر مسلم نے کہا میں تیری خاطر اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہوا اور یہ تیری اولاد ہے ان سب کو چھوڑ کر کہاں جاتی ہے میں بھی مسلمان ہوتا ہوں گھر نہ بگڑنا چاہئے ہندہ نے کہا میرا شوہر اصلی قید میں ہے اور یہ اولاد حرامی ہے تو غیر مسلم ہے میں تیرے پاس نہ ہوں گی پھر ہندہ نے اپنا کل حال عمرو سے بیان کیا عمرو نے کہا تو کسی اور مسلمان سے نکاح کر لے ہندہ نے کہا میرا نکاح ہو چکا تھا اور شوہر قید میں ہے نہ وہ مرا ہے اور نہ طلاق دی میں کیسے نکاح کر سکتی ہوں عمرو نے چند مسلمان غیر عالم سے ہندہ کی تسلی کرادی کہ تیرا شوہر قید میں ہے تو نکاح کر لے تیرے کئی اولاد ناجائز تعلق سے پیدا ہو چکی اب نکاح ٹوٹ گیا بے نکاح رہنا درست نہیں ہندہ نے مسئلہ کا خیال کر کے عمرو سے ہی نکاح کر لیا پھر ایک شخص مسلمان اس کو ملا اس سے تمام حال اپنا سنایا وہ مسلمان عالم نہ تھا کچھ مسائل سے واقف تھا اس کو دیکھ کر ازبیلہ اسلام سے ہندہ خوش ہوئی اور مفصل علانیات تو اس شخص نے کہا کہ دوسرا نکاح نہیں ہوا اب اور زیادہ ہندہ کو تشویش ہوئی لہذا عرض ہے کہ پہلا نکاح درست تھا یا نہ اور بدون طلاق کے یہ دوسرا نکاح درست ہو یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ولی عصبہ کے نہونے کی صورت میں ذوی الارحام کو حنفیہ کے نزدیک ولایت نکاح نابالغہ حاصل ہے اسی طرح اگر ولی عصبہ موجود ہو مگر لاپتہ ہو کہ کسی کو اس کا پتہ معلوم ہو جب بھی ولی العبد کو نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے۔ قال فی العالمگیریہ (ص ۱۱ ج ۲) وعند عدم العصبۃ کل قریب یسب الصغیر والصغیرۃ من ذوی الارحام یمثل تنویر جہما فی ظاہر الرایۃ عن ابی حنیفہ اھ وفیہ (ص ۱۲ ج ۲) وان کان الاقرب غائباً

عمہ سائل سے دریافت کیا گیا کہ ہندہ کا پہلا نکاح مہر مثل پر ہوا تھا یا نہیں اس نے جواب دیا کہ مہر مثل پر ہوا تھا ۱۲ ظفر

غیبة منقطعة جازنکاح الا بعد کذا فی المحيط پس صورت مسئلہ میں ہندہ کی خالہ اس کی ولی تھی اور اس کا بدچلن ہونا منسقط ولایت نہ تھا قال فی العالمگیریہ (ص ۱۲ ج ۲) والفسق لا یمنع الولایۃ کذا فی فتاویٰ قاضی خان اھ البتہ اگر ولی فاسق اگرچہ باپ ہی ہو کسی نابالغ کا نکاح غیر کفو میں یا مہر مثل سے بہت زیادہ قلیل مہر پر کرے اس صورت میں نکاح نہیں ہوتا قال فی البحر فمافی الجوامع ان الاب اذا کان فاسقاً للقاضی ان ینزوج الصغیرۃ من غیر کفو غیر معروف نعم اذا کان متہتکاً لا ینفذ تزویجہ ایاھا بنقص عن مہر المثل ومن غیر کفو وسیاتی هذا اھ (ص ۱۲۲ ج ۳) اور ولی العبد اگر ایسا کرے کہ غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم پر نکاح کرے وہ تو مطلقاً باطل ہے اگرچہ ولی فاسق بھی ہو صالح ہی ہو قال فی الدرر ان کان المزوج غیر ہما ای غیر الاب وابیہ ولو الام لا یصح النکاح من غیر کفو او بغین فاحش اصلاً وما فی مدبر الشریعة صم ولہما نسخہ وھم وان کان من کفو وبمہر المثل صم اھ (ص ۵۰ و ۵۰۱ ج ۱) ملخصاً۔

پس صورت مسئلہ میں اگر ہندہ کا پہلا نکاح زید سے مہر مثل پر اور کفو میں ہوا ہے تو چونکہ خالہ ولی تھی اور اس کی اجازت سے نکاح ہوا اس لئے وہ نکاح صحیح ہو گیا اب ہندہ کا کسی دوسرے سے نکاح کرنا بغیر زید شوہر اول سے طلاق حاصل کئے اور بدون عدت طلاق گزرنے کے ہرگز جائز نہیں اگر پہلے شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر اس نے کسی سے نکاح کر لیا ہے تو وہ نکاح باطل ہو ہندہ کو اس سے فوراً الگ ہو جانا چاہئے شوہر اول کے قید ہو جانے یا کسی غیر مسلم سے ہندہ کے ناجائز تعلق کر لینے سے پہلا نکاح باطل نہیں ہو سکتا وہ بدستور باقی ہے البتہ ہندہ نے اس ناجائز تعلق پیدا کرنے میں گناہ عظیم کا ارتکاب کیا ہے بالخصوص غیر مسلم کے ساتھ فانہ اشد ذنبۃ فی الاسلام۔ لہذا ہندہ کو دوسرے خاوند سے فوراً علیحدگی اختیار کر کے ان تمام گناہوں سے بصدق دل توبہ واستغفار کرنا چاہئے اور بارگاہ الہی میں رور و کر دعا کرنی چاہئے کیا عجب ہے کہ مغفرت ہو جائے وہ اپنی رحمت سے شرک و کفر کے علاوہ تمام گناہوں کو معاف فرماتے ہیں، واللہ اعلم ولا عاصم من امر اللہ الا من رحم۔ ۲۲ ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۰ھ۔

غیر کی شکوہ سے نکاح کرنا باطل ہے | سوال (۲) مندرجہ ذیل سوالات کے جواب کا منتظر ہوں کیا اور جو اولاد ہوئی وہ حسرامی ہے حکم ارشاد ہوتا ہے۔ پہلے سوال کے باعث بڑی پریشانی ہے کوئی صورت کسی طرح نکلے تو بہتر ہے۔

ایک مسلمان صاحب نے ایک مسلمان عورت کو بلا نکاح عرصہ بارہ سال سے رکھے ہے اس کا شوہر زندہ ہے طلاق دینے سے صاف انکار کرتا ہے ہرگز نہ دوں گا کبھی کہتا ہے مجھے معلوم ہی نہیں کہ میری عورت کونسی ہے، پاگل نہیں ملازم سرکاری جنگل میں ہے ہر طرح نصیحت کی کارگر نہ ہوئی گذر اوقات کے لئے شروع سے اب تک ایک کوڑی نہیں دی اس خاوند سے تین بچے بھی ہو گئے اس عورت کی شادی بہت کم عمری میں ہوئی تھی عنقریب سات آٹھ سال کی عمر تھی اور جب ہی سے کچھ دن بعد الگ ہے کیا اس کا نکاح کسی بھی طرح ہو سکتا ہے یا تا عمر حجب تک طلاق نہ دے ممکن نہیں یا نابالغی میں شادی ہو جائے اور بالغی عورت شوہر کو منظور نہ کرے تو دوسرے کے ساتھ نکاح ممکن ہے یا ہو ہی نہیں سکتا یہاں دو مثالیں موجود ہیں جو بلا نکاح اسی طرح زندگی برباد کر رہی ہیں اور اولاد ہو رہی ہے۔

ایسی حالت میں اس کا عقیقہ جائز ہو گا یا نہیں دوسروں کو اس کے یہاں کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ اس صورت میں جب تک پہلا شوہر طلاق نہ دے دوسرے سے کسی طرح نکاح نہیں ہو سکتا اور اگر وہ ابتداء سے زوجہ کو نفقہ نہیں دیتا یا نابالغی میں نکاح ہوا تھا اور بلوغ کے بعد وہ اس کو پسند نہیں کرتی اس صورت میں جبر کے اس پہلے شوہر سے طلاق لینا جائز ہے مگر بدون طلاق کے دوسرے سے نکاح ہرگز نہیں ہو سکتا۔

(۲) ایسی حالت میں جو اولاد ہوئی ہے وہ حرامی ہے ایسے شخص کے گھر کا کھانا وغیرہ نہ کھانا چاہئے جب تک کہ وہ اس حرکت سے توبہ نہ کرے باقی عقیقہ حرامی لڑکے کا بھی جائز ہے۔

سوال (۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی عمر ۱۴ سالہ نکاح ثانی کرنا باطل ہے کی نابالغہ اور اس کا شوہر عمر ۱۹ سال کا وہ لڑکی شوہر کے یہاں سے باپ کے یہاں بھاگ آئی اس کے پیچھے اس کا شوہر اور شوہر کا بھائی آئے لے جانے کو لڑکی بولی میرا شوہر دیوث اور نامرد ہے ناک کان چھڑا اور پیر میں گھونگر و باندھ کر ناچتا گاتا ہے ایک مرتبہ اس نے ایک غیر آدمی کو گھر میں بھیجا اور آپ باہر کھڑا رہا میں نے شور مچایا تو وہ شخص بھاگ گیا اس نے مجھے ایک لات مارا کہ کیوں شور کی یہ کل باتیں لڑکی نے اپنے شوہر کے روبرو کہیں لڑکی کے باپ نے کہا تم جماعت میں آؤ تصفیہ ہو گا اور تمہارا ملاحظہ کیا جائے گا تب لڑکی بھیجوں گا اس دہشت سے وہ بھاگ گیا اس کو لڑکی کی طرف سے نوٹس دیا گیا تو واپس کیا اور کئی خط دئے مگر جواب نہیں آیا کچھ

دن بعد اس کے باپ بھائی آئے جماعت نے کہا لڑکے کو لاؤ وہ پندرہ روز کا وعدہ کر کے گیا ایک ماہ میں اکیلا آیا اور کہا کہ ایک ہفتہ میں لاؤں گا جس کو ڈیڑھ ماہ ہوا پتہ نہیں ہے نہ کچھ خط ہے اب لڑکی بالغ ہو گئی ہے اور بارہ ماہ سے باپ کے یہاں بیٹھی ہے اور اس کا باپ بہت غریب شخص ہے عدالت نہیں کر سکتا اور وہ ایسی جگہ ہے کہ کوئی مسلمان وہاں نہیں ہے اب کیا کیا جائے معروضہ ہے کہ جو حکم شرع میں ہو اطلاق بخشیں؟ ویسا عمل میں لاویں گے فقط۔

الجواب؛ صورت اولیٰ میں جب تک شوہر اپنی بی بی کو طلاق نہ دیدے اور عدت نہ گذر جائے اس وقت تک اس کا نکاح دوسرے سے نہیں ہو سکتا۔

سوال (۴) زید کا نکاح ہندہ سے ہوا جس کو ایک مدت دراز
فاسد ہے اور عقتر واجب ہوگا
 گذر گئی اور کوئی اولاد اس وقت تک ہندہ کے بطن سے نہیں ہوئی عرصہ تین سال کا ہوا کہ زید نے ہندہ کی حقیقی ہمیشہ زادی کے ساتھ بسا ز یا بعلم ہندہ تعلق ناجائز کر لیا اس درمیان میں ہندہ کی ہمیشہ زادی کے تعلق ناجائز سے حمل قرار پا گیا جس کا علاج حکماء سے کر لیا گیا اور استسقاء ظاہر کیا گیا بعد گذر نے نو ماہ کے فروری ۱۳۲۷ء کو ہندہ کی ہمیشہ زادی کے تعلق ناجائز سے دختر پیدا ہوئی کہ جواب چھ ماہ کی ہے اور موجود ہے بروقت پیدائش دختر کے زید نے یہ ظاہر کیا کہ ہندہ کے ہمیشہ زادی سے جس سے وہ دختر پیدا ہوئی ہے میں نے نکاح کر لیا ہے جس کا علم زید کو ہوگا اور باقی نکاح کا علم یہاں کسی کو نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ہندہ اور اس کی ہمیشہ زادی دونوں کا اجتماع بموجودگی ہندہ زید کے گھر میں جائز طور سے ہوا اور دونوں خالہ بھانجی زید کے زوجگان جائز قرار دی جاسکتی ہیں اور وہ دختر جو پیدا ہوئی ہے اور موجود ہے اولاد جائز ہے۔ اب زید کا انتقال ہو گیا اب زید نے ہندہ اور اس کی ہمیشہ زادی مع دختر کے اور سیری اور زوجہ لاولہ نکاح سے چھوڑی ایسی صورت میں تینوں زوجگان میں سے کونسی زوجہ جائز قرار دی جائے گی اور کون زوجہ ناجائز ہے گی اور مہرتینوں زوجگان میں سے کس کا زید پر واجب تھا اور بعد انتقال کس کس کا واجب رہا اور وہ دختر جو ہندہ کے ہمیشہ زادی سے موجود ہے وہ مستحق ترکہ پدری یعنی زید کا ہے یا نہیں اور زید کے مرنے کے بعد علاوہ ان عورتوں کے ایک بڑا بھائی حقیقی بھی موجود ہے ایسی حالت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے مفصل حال سے معزز فرمائے ؟

الجواب؛ صورت مسئلہ میں زید کی دو زوجہ جن سے نکاح صحیح ہوا ہے یعنی ہندہ اور زوجہ لاولہ نکاحی وارث ہیں اور ہندہ کی بھانجی جس سے زید نے ہندہ کی موجودگی میں نکاح کرنے کا

دعویٰ کیا بھارت نہیں ہے کیونکہ اس سے زید کا نکاح فاسد ہوا ہے البتہ ہندہ کی بھانجی سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہے وہ بیشک زید کی وارث ہے یہ حکم تو میراث کا ہے مہر کا حکم یہ ہے کہ زید کی دوزوجہ یعنی ہندہ اور زوجہ لا ولد نکاحی کو مہر سی کامل ملے گا اور ہندہ کی بھانجی مہر مثل بطور عقر کے دیا جائے گا خواہ مہر مثل کتنا ہو لیکن اگر وہ مہر سی سے زیادہ ہو تو اس سے زائد نہیں دیا جائے گا اور اگر مہر سی مہر مثل سے زیادہ ہو تو مہر مثل دیا جائے گا خلاصہ یہ کہ مہر سی اور مہر مثل میں جو کم ہو وہی اس کو ملے گا قال فی الدس و يجب مهر المثل فی نکاح فاسد وهو الذی فقد شرطاً من شرائط الصحة كشهود بالوطأ فی القبل لا بغيره كالخلوة لحمه ووطئها ولدین ومهر المثل علی المسمى لرضاها بالخط ولو كان دون المسمى لنم مهر المثل لفساد التسمية بفساد العقد ولولد لیس او جهل لنم بالغاً ما بلغ (الی ان قال) و یثبت النسب احتیاطاً بلا دعوة اه (ص ۵۷۲ لغایت ۵۷۷ ج ۲) وفی رد المحتار قوله كشهود مثله تزوج الاختین معاً ونکاح الاخت فی عدة الاخت ونکاح المعتقة الغ (ص ۵۷۷ ج ۲) وفیه ایضاً قوله و یثبت النسب اما الارث فلا یثبت فیه و کذا النکاح الموقوف طعن ابی السعود اه (ص ۵۷۷ ج ۲) پس صورت مسئلہ میں اگر زید کا وارث سحران لوگوں کے جن کا ذکر سوال میں ہے اور کوئی نہیں تو بعد ادا تے دین مہر و قرض وغیرہ کے جو ترکہ بچے اس کے آٹھ سہام کر کے ایک سہم دونوں زوجہ کو اور چار سہام زید کی بیٹی کو جو ہندہ کی بھانجی سے ہوئی ہے اور ۳ سہام زید کے بھائی کو ملیں گے واللہ اعلم۔ ۸ ردیحہ مسئلہ۔

غیر کی منکوحہ سے نکاح بطل ہے اور اگر سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مولیٰ اپنی زوجہ اس سے اولاد ہو جائے تو اس کا حکم نا بالغ عید و کو اپنے ہمراہ لیکر عبد الغنی کے مکان پر آیا کئی دنوں کے بعد مولیٰ مذکور بیمار ہو گیا اور مولیٰ خرچ وغیرہ سے بہت تنگ دست ہو گیا اس وقت مولیٰ نے عبد الغنی سے کہا کہ میں خرچ سے تنگ دست ہو گیا ہوں تم میرا علاج معالجہ کرو اور مسماۃ عید سے بخوشی اپنا نکاح کر لو اور میں نے مسماۃ مذکور سے صحبت داری نہیں کی عبد الغنی نے مسماۃ عید سے نکاح کر لیا۔ تقریباً بارہ گھنٹہ کے بعد مولیٰ مر گیا آیا نکاح جائز رہا یا نہیں؟

جواب از حضرت مولانا مدظلہ : نہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے۔

بقیہ سوال بالا

اور عید و مذکور عبد الغنی کے یہاں بیس سال تک رہی اور پانچ چھ اولاد بھی عبد الغنی سے

ہوئیں جس سے ایک دختر بندی عبد الغنی کی موجود ہے اور عبد الغنی فوت ہو گیا آیا عبد الغنی کے ترکہ میں سے مسماۃ عید و دختر بندی کو حق پہنچتا ہے یا نہیں۔ عبد الغنی کی دو بیوی مسماۃ بخشن زوجہ اول و مسماۃ عید و مذکور ایک دختر بندی ایک چچا زاد بھائی اسمی بند و چھوڑا اور اپنے ذمہ کچھ قرض چھوڑا ایک دوکان اور کچھ روپیہ نقد جو کہ امانت میں ہے اور سامان استعمالی چھوڑا اور عبد الغنی اپنی زندگی میں اپنے بھائی بند و مذکور سے ناراض تھا اور تندرستی کے وقت عبد الغنی کہا کرتا تھا کہ میں دوکان مسجد کے نام کروں گا تاکہ دوکان میرے بھائی بند و مذکور کو نہ ملے اور بیماری کے وقت بھی عبد الغنی نے دو تین مرتبہ دوکان مسجد میں کرنے کو کہا مگر ان دونوں عورتوں مسماۃ بخشن و عید و نے نہ کرنے دی عبد الغنی فوت ہو گیا مسماۃ بخشن و عید و نے بعد عدت کے نکاح کر لئے بخشن مذکور نے برادری کے بھائی سے نکاح کیا اور عید و نے عبد الغنی کے چچا زاد بھائی بند و سے نکاح کر لیا اور بندی مذکور اپنی ماں مسماۃ عید و کے پاس موجود ہے اب ترکہ کس طرح تقسیم ہونا چاہئے اور بندی کا کون ولی ہونا چاہئے؟

الجواب: صورت مسئلہ میں مولیٰ نے اپنی زوجہ عید و کو نہ طلاق دی ہے نہ طلاق کا کوئی لفظ استعمال کیا ہے لہذا اس کا نکاح زوجہ مذکورہ سے باقی تھا اس حالت میں عبد الغنی کا اس سے نکاح کرنا بالکل باطل اور حرام ہوا اور اگر مولیٰ نے کوئی لفظ طلاق کا استعمال کیا ہو تو سائل کو لکھنا چاہئے لیکن اس صورت میں بھی اگر مولیٰ اور عید و میں تنہائی کسی وقت ہو چکی ہے گو صحبت نہ ہوئی ہو تو زوجہ مذکورہ پر عدت کا گزارنا واجب تھا اور عبد الغنی نے عدت میں اس سے نکاح کیا ہے اس لئے بھی یہ نکاح باطل ہے مگر بہر صورت مسماۃ عید و کو عبد الغنی کے ترکہ میں مہر مثل بطور عقر کے ملے گا بشرطیکہ عبد الغنی نے اپنی حیات میں مہر نہ دیا ہو اور نہ عید و نے معاف کیا ہو جس کا حکم یہ ہے کہ اگر نکاح کے وقت کچھ مقدار مہر کی مقرر کی گئی تھی اور وہ مقدار مہر مثل (یعنی خاندانی مہر) سے کم یا اس کی برابر ہے تب تو وہی ملے گا جو مہر نکاح میں مقرر ہوا ہے اور اگر مہر مسمیٰ مہر مثل سے زیادہ ہے تو مہر مسمیٰ نہ ملے گا بلکہ مہر مثل دیا جائے گا اور عید و کو عبد الغنی کے ترکہ میں سے میراث کچھ نہ ملے گی البتہ مسماۃ بندی جو عبد الغنی کے نکاح کے بعد عید و سے پیدا ہوئی ہے اس کو عبد الغنی کے ترکہ میں سے میراث ملے گی پس بعد اوائے دین مہر مرد و زوجگان اور دیگر قرض وغیرہ کے جو عبد الغنی کے ذمہ ہو اس کے باقی ماندہ ترکہ کو اس طرح تقسیم کیا جائے گا:-

(نقشہ تقسیم بر صفحہ آئندہ)

عبد الغنی

مشہد

برادر عم زاد

دختر

زوجہ محرام

زوجہ اولیٰ

بندو

بندی

عمیدو

بخشن

۳

۲

۱

اور عبد الغنی جو زندگی میں بندو سے نالافض تھا اس سے بندو میراث سے محروم نہ ہوگا اور جس دوکان کو عبد الغنی مسجد میں دینا چاہتا تھا چونکہ تندرستی میں وہ اس کو وقف نہ کر سکا اس لئے وہ دوکان بھی سب وارثوں میں تقسیم ہوگی پس جس قدر سامان بعد اوائے قرض و اوائے دین ہر وغیرہ کے باقی رہے اس کے آٹھ سہام کر کے ایک سہم مسماۃ بخشن زوجہ اولیٰ کو دیا جائے اور ۴ سہام مسماۃ بندی کو اور ۳ سہام بندو کو دیتے جاویں مسماۃ عمیدو کو میراث کچھ نہ ملے گی۔ قال فی الدرر و میب مہر المثل فی نکاح فاسد و هو الذی فقد شرطاً من شرائط الصحة کشہود بالوطأ فی القبل لا بغيره کالخلوة لحمہ و طہا و لم یند مہر المثل علی المسمی لرضاھا بالخط ولو کان دون المسمی لزم مہر المثل لفساد التسمیۃ بفساد العقد ولو لم یسم أو جعل لزم بالغاماً بلغ (الی ان قال) وثبت النسب احتیاطاً بلا دعوة ام (۵۷۴ لغایت ۵۷۷ ج ۲) و فی الشامیۃ قولہ کشہود و مثله تزوج الاختین معاً و نکاح الاخت فی عداۃ الاخت و نکاح المعتدة الم (۵۷۴ ج ۲) و فیہ ایضاً قولہ و ثبت النسب اما الارث فلا یشیت فیہ کذا النکاح الموقوف عن ابی السعود ام (۵۷۷ ج ۲) والله اعلم۔

۳۱ رذی الحجہ ۱۳۴۰ھ

سوال (۶) علماء دین و مفتیان شرع متین مسائل عورت کا عدت و فوات میں نکاح کر لینے کا حکم اور شرائط متارکہ ذیل میں کیا فرماتے ہیں ؟

سوال اول : ہندہ کے شوہر نے انتقال کیا اور ہندہ نے قبل تمام ہونے عدت و فوات کے زید سے نکاح کیا تو آیا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں ؟

سوال دوم : ہندہ ایک سال تک بعد نکاح مذکور کے زید کے ساتھ رہی جب بچوں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ عدت کے اندر ہندہ کا نکاح ہوا ہے اس لئے بچوں نے ہندہ کو اس کے باپ کے یہاں بھیج دیا جس کو عرصہ تین ماہ کا ہوا اب اگر ہندہ دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہے

تو اس میں عدت کی ضرورت ہے یا نہیں ؟

سوال سوم : صورت مسئلہ میں اگر عدت واجب ہے تو عدت کی ابتداء کب سے ہوگی اور کونسی عدت واجب ہوگی اور دوسرے مرد سے کب اس کا نکاح جائز ہوگا ؟

سوال چہارم : صورت مسئلہ میں بچوں نے نچایت کر کے ہندہ کا جہیز زید کے بھائی وغیرہ کے ذریعہ منگا کر ہندہ کو واپس کر دیا لیکن نہ زید نچایت میں آیا اور نہ اس نے کوئی لفظ بابت انکار نکاح کہا تو اس پر متارکہ کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں اگر نہیں تو متارکہ کی کیا تعریف ہے ؟

سوال پنجم : اگر زید مذکور متارکہ نہ کرے تو اس ملک میں جہاں غیر مسلم کی حکومت ہے اور قاضی شرع مقرر نہیں ہے تفریق کی کیا صورت ہے اور کیا بچوں کو تفریق کا حق شرعاً حاصل ہے یا نہیں۔ سوالات مذکورہ بالا کا جواب بالتفصیل معہ حوالہ کتب معتبرہ ارقام فرما کر ابرار عظیم حاصل فرمائیے ؟

ہو الموفق للصواب :

(جواب بعض علماء)

جواب سوال اول : ہندہ کا نکاح جو عدت کے اندر ہوا ہے صحیح نہیں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ : وَلَا تَعْنُوا عِدَّةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ط

جواب سوال دوم : ہندہ نے جو عدت کے اندر نکاح کیا ہے یہ نکاح فاسد ہے۔ درالمختار میں ہے۔ ویجب مہر المثل فی نکاح فاسد وهو الذی فقد شرط من شرائط الصحة کشہود۔ ردالمحتار حاشیۃ الدر المختار میں علامہ ابن عابدین تحت قولہ (کشہود) فرماتے ہیں :

ومثله تزوج الاختین معاً ونکاح الاخت فی عدۃ الاخت ونکاح المعتدة والخامسة فی عدۃ السابعة الخ اور فتاویٰ عالمگیری باب نکاح فاسد میں ہے۔

لو تزوجت فی عدۃ الوفات فدخل بها ثانی ففرق بینہما انتہی اور نکاح فاسد میں بعد دخول عدت واجب ہوتی ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ لوکان النکاح فاسداً ففرق القاضی ان فرق قبل الدخول لا یجب العدة وكذا الفرق بعد الخلوة وان فرق بعد الدخول کان علیہا الامتداد من وقت التفریق وكذا لو كانت الفرقة بغیر قضاء کذا فی الظہیریۃ۔ درالمختار میں ہے۔ لكل واحد منهما

فسخه دخل بها اولاً فی الاصح خروجاً عن المعصیۃ بل یجب علی القاضی التفریق بینہما وتجب العدة بعد الوطئ لا للخلوة للطلاق لا للموت من وقت التفریق

او متاركة الزوج انتهى رد المختار حاشیہ در المختار میں ہے۔ و تقدم في باب المهر ان
الدخول في النكاح الفاسد موجب للعدة اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ لو تنزوجت
في عدة الوفاة فدخل بها الثاني ففرق بينهما فعليها بقية عدتها من الاول لتمام
اربعة اشهر وعشراً وعليها ثلاث حيض من الاخير ويحتسب بما حاضت بعد
التفريق من عدة الوفاة كذا في معراج الدساية۔ انتهى۔

عبارات مذکورہ سے ثابت اور متحقق ہوا کہ نکاح فاسد میں بعد دخول عدت واجب ہوتی ہے
اور چونکہ ہندہ سال بھر تک زید کے ساتھ رہی ہے لہذا اس پر عدت واجب ہے۔

جواب سوال سوم : صورت مسئلہ میں ہندہ پر تفریق قاضی یا ستار کہ زوج کے بعد سے عدت
کی ابتداء ہوگی در المختار میں ہے۔ وتجب العدة بعد الوطی لا الخلوة للطلاق لا

للموت من وقت التفريق او متاركة الزوج۔ انتهى۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ و

العدة في النكاح الفاسد عقيب التفريق او عنم الوطى على ترك وطئها۔ اور یہ عدت
عدت طلاق کی ہوگی یعنی حائضہ کے لئے تین حیض اور آئسہ کے لئے تین ماہ اور حاملہ کے لئے وضع

حمل عدت ہوگی۔ تنویر الابصار میں ہے۔ والمنكحة نكاحاً فاسداً والموطوءة بشبهة
وام الولد غير الأشة والحامل الحيض للموت وغيره انتهى۔ در المختار میں

ہے۔ اسی عدة المذكورات ثلاث حيض ان كن من ذوات الحيض والا فلا شهر
او وضع الحمل وهذا اذا كانت المنكحة نكاحاً فاسداً الخ۔

الحاصل تفریق قاضی یا ستار کہ زوج کے بعد سے عدت کی ابتداء ہوگی۔ اور جب تک عدت
پوری نہ ہو دوسرے مرد سے ہندہ کا نکاح صحیح نہ ہوگا۔

جواب سوال چہارم : ہندہ کا اپنے باپ کے یہاں رہنے اور مجبوزہ سامان والیں پانے
سے متارکہ صحیح نہ ہوگا۔ متارکہ کے لئے ضروری ہے کہ واطی یعنی مرد ترک وطی کا ارادہ کر کے زبان کے

بھی اس کا اظہار کرے کہ میں نے تجھ کو علیحدہ کیا یا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا یا میں نے تیری راہ خالی کر دی
یا میں نے تجھ کو طلاق دی وغیرہ۔ قال العینی فی شرح الکنز ولا یتحقق المتاركة الا

بالقول بان يقول تاركتك او تاركتها او خليت سبيلك او خليتھا الخ۔ وفي
العالمگیریة۔ والمتاركة في الفاسد بعد الدخول لا يكون الا بالقول

كخليت سبيلك او تاركتك ومجرد انكار النكاح لا يكون متاركة الخ

وبعد مجی احدہما الی الآخر بعد الدخول لا یحصل متارکة . انتهى فی رد المحتار
فی البرازیة المتارکة فی الفاسد بعد الدخول لا یكون الا بالقول کخلیت
مبیک او ترکتک ومجرد انکار النکاح لا یكون متارکة اما لو انکر وقال اذہی
وتنودجی کان متارکة والطلاق فیہ متارکة لکن لا ینقص بہ عدد الطلاق و
عدم مجی احدہما الی الآخر بعد الدخول لیس متارکة لانہا لا یحصل
الا بالقول . انتهى .

جواب سوال پنجم : تفریق کے لئے قاضی کا ہونا ضروری ہے . فتاویٰ عالمگیری میں ہے . لو
کان النکاح فاسداً ففراق القاضی بینہما الی . در المختار میں ہے . بل یجب علی
القاضی تفریق بینہما الی اور پنچوں کو حق تفریق حاصل نہیں ہے . اور ایسے مسائل جن میں قاضی
شرع کی ضرورت ہوتی ہے ہند کی اسلامی ریاستیں جیسے ریاست بھوپال ریاست رامپور ریاست
حیدر آباد کن کے قاضی سے تفریق حاصل ہو سکتی ہے . خود وہاں جا کر یا بذریعہ تحریر حکم تفریق
طلب کرنے سے . مجموعہ فتاویٰ حضرت مولانا عبدالحی میں ہے . در بلادیکہ زیر حکومت کفار اند
وقضای قاضی در اینجا مفقود است اگرچہ واقعہ ضرور است کہ صاحب معاملہ بہ بلاد اسلام کہ
در اں فضل قاضی موجود مثلاً بلاد حجاز و بلاد روم وغیرہ و از بلاد ہند رامپور و بھوپال وغیرہ رفتہ
الفصال سازد یا بذریعہ تحریر از قضاة بلاد اسلام حکم فسخ طلب سازد . انتهى . واللہ اعلم بالصواب .
والیہ المرجع والمآب . حررہ الراجی عفو ربہ اللطیف ابو الطیب محمد حنیف عفی عنہ ومن والدیہ
المدرس لمدرستہ الوار العلوم الواقعہ فی قصبہ متوآملہ من مضافات الہیاد .

الجواب من جامع امداد الاحکام

(۱) جواب دوم صحیح نہیں کیونکہ علامہ شامی نے اولاً نکاح فاسد کی بہت سی مثالیں بیان کر کے آگے
چل کر مجتبیٰ سے قاعدہ کلیہ نقل کیا ہے . اور تصریح کر دی ہے کہ نکاح معتدہ موجب عدۃ نہیں پس نکاح
معتدہ کو فاسد کہنا بمعنی باطل ہے جو اصلاً معتدہ نہیں ہوتا . قال الشامی وسیاتی فی باب العدۃ
انہ لا عدۃ فی نکاح باطل وذكر فی البحر هناك عن المجتبیٰ ان کل نکاح اختلف
العلماء فی جوازہ کالنکاح بلا شہود فالدخل فیہ موجب للعدۃ واما نکاح
منکوحۃ الغیر ومعتدہ فالدخل فیہ لا یوجب العدۃ (ان علم انہا للغیر لانه

لم يقل أحد بجوازها فلم ينقد أصلاً قال فعلى هذا يفرق بين فاسده و
باطله في العدة لهذا يجب الحد مع العلم بالحمة لانه زنا كما في القنية وغيرها
اه (ص ۵۷۵ ج ۲) پس ہند پر نکاح زید کی وجہ سے کوئی عدت نہیں۔

(۲) جواب سوال سوم بھی صحیح نہیں کیونکہ نکاح فاسد میں زوجین میں سے ہر ایک کو فسخ نکاح
کا حق حاصل ہے۔ اور متارکت و فسخ میں کچھ فرق نہیں البتہ اگر نکاح اصل سے صحیح ہوا اور فساد بعد
میں طاری ہوا ہو۔ اس صورت میں متارکت زوج کے ساتھ مخصوص ہے اور صورت موجودہ میں
فساد اصل عقد میں ہے لہذا ہند کا بھی فسخ و متارکت کافی ہے قال علامة الشامی وخص
الشارح المتاركة بالنزوح. كما فعل النزيلی لان ظاهراً كلاهما انهما لا تكون
من المرأة أصلاً مع ان فسخ هذا النكاح يصح من كل منهما بمحض الاتفاق
والفرق بين المتاركة والفسخ بعيد كذا في البحر. و فرق في النهر بان المتاركة
في معنى الطلاق فيختص به الزوج اما الفسخ فرفع العقد فلا يختص به وان كان
في معنى المتاركة و رده الخیر الرہلی بان الطلاق لا يتحقق في الفاسد فكيف يقال
ان المتاركة في معنى الطلاق. فالحق عدم الفرق ولذا اجزم به المقدسی فی شرح
نظم الكترانم وتمامه فی ما علقناه علی البحر اه (ص ۵۷۷ ج ۲) وفي البحر فظاهر
كلامهم ان المتاركة لا تكون من المرأة أصلاً كما قيدة النزيلی بالزوج لكن
في القنية لكل واحد منهما ان يستبد بفسخه قبل الدخول بالاجماع وبعد
الدخول مختلف فيه وفي الذخيرة ولكل واحد من الزوجين فسخ هذا النكاح
بغير محضر من صاحبه عند بعض المشائخ وعند بعضهم ان لم يدخل بها فكذا
فان دخل بها فليس لواحد منهما حق الفسخ الا بمحض من صاحبه اه وهكذا
في الخلاصة وهذا يدل على ان للمرأة فسخه بمحض الزوج اتفاقاً ولا شك
ان الفسخ متاركة الا ان يفرق بينهما وهو بعيد والله سبحانه وتعالى اعلم۔
اه (ص ۱۷۲ ج ۳) وفي الدرر وثبت لكل واحد منهما فسخه ولو بغير محضر
من صاحبه دخل بها اولاً في الاصح خوفاً عن المعصية اه (ص ۵۷۵ ج ۲)۔

عہ الفرق بينهما على رأى سيدى حكيم الامّة ۱۳ ظ

جب مطلقاً نکاح فاسد میں یہ حکم ہے تو نکاح معتد میں جو کہ باطل ہے بدرجہ اولیٰ متارکت کی ضرورت نہیں لانہ لا ینعقد اصلاً۔

(۳) پھر مجیب نے قضای قاضی کی صورت اہل ہند کے لئے بیان کر کے جو یہ لکھا ہے کہ خود وہاں جا کر یا بذریعہ تحریر حکم تفریق طلب کرنے سے انہی یہ تردید بھی صحیح نہیں کیونکہ جن مسائل میں قضاء شرط ہے ان میں قاضی کی تحریر کافی نہیں ہوتی۔ اگر تحریر مثل کتاب القاضی الی القاضی کے ہو تو معتبر ہو سکتی ہے اور اس کے لئے پھر یہاں قاضی کے ہونے کی ضرورت ہے۔ پس مسائل قضا میں بجز ریاستوں میں جا کر دعویٰ دائر کرنے کے کوئی صورت نہیں، واللہ اعلم۔ ۲۱ صفر ۱۴۱۰ھ۔

سوال (۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین صورت مسئلہ میں کہ مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کی عدم صحت اور طریق متارکت

اٹھ سالہ نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کے والد کے فوت ہو جانے کے بعد اس کی والدہ نے ایسی صورت میں کہ ایک شخص سے اس کا ناجائز تعلق ہو گیا تھا اسی سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا لڑکی اب معمرہ ۱۵ سالہ ہے جس کا اب تک خاوند سے کوئی تعلق صرف اسی وجہ سے نہیں ہے کہ اس نے اپنی ماں کو ناجائز تعلق کرتے ہوئے یعنی مباشرت فاحشہ میں خاوند کے ساتھ بار بار دیکھا ہے از روئے شرع شریف لڑکی خاوند کے نکاح میں رہ سکتی ہے یا نہیں نیز خاوند سے طلاق لینے کی ضرورت ہے یا بغیر طلاق خاوند سے جدا ہو گئی، بیٹنوا تو جہدا۔

الجواب؛ جب لڑکی کی ماں کا ناجائز تعلق اپنے داماد سے قبل نکاح بنت ہی ہو چکا ہو تو اس صورت میں لڑکی کا نکاح اس شخص سے صحیح نہیں ہوا بشرطیکہ لڑکی نے اپنے نکاح سے پہلے ماں کا ناجائز تعلق خود دیکھا ہو یا دو معتبر دیکھنے والوں نے اس سے بیان کیا ہو یہ ضرور نہیں کہ مباشرت فاحشہ کرتے ہوئے ہی دیکھا ہو بلکہ اگر پاس سوتے ہوئے یا تعقیل وغیرہ کرتے ہوئے بھی دیکھا ہو تب بھی کافی ہے جب نکاح صحیح نہ ہوا تو لڑکی کو شوہر سے طلاق لینے کی ضرورت نہیں بلکہ چند آدمیوں کے سامنے اسے اتنا کہہ دینا چاہئے کہ میں اپنے نکاح کو جو فلاں شخص سے ہوا تھا فسخ کرتی ہوں اور بہتر یہ ہے کہ شوہر کے سامنے بھی یہ بات کہہ دے گو ضرورت نہیں۔ پھر اگر شوہر سے لڑکی کی بہتری نہیں ہوئی جیسا کہ سوال سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے تب تو اس پر عدت بھی واجب نہیں بلکہ بدو عدت ہی کے مذکورہ بالا کلمات کہہ کر وہ اپنا نکاح دوسرے شخص سے جو اس کا کفو ہو خاندانی مہر پر کر سکتی ہے اور اگر بہتری ہو چکی ہے تو مذکورہ بالا کلمات کہنے کے بعد تین حیض گزرنے پر وہ اپنا نکاح دوسرے سے کر سکتی ہے۔ قال فی الخلاصۃ اما بالخلوۃ الصحیحة والفساد فی النکاح الفاسد

فلا يجب العدة وكمال المهر والنكاح الفاسد لا حکم له قبل الدخول حتى لو تزوج امرأة نكاحاً فاسداً بان من امها بشهوة ثم تنس وجهاً ثم تنس كماله ان يتزوج الام والمتاركة في النكاح الفاسد بعد الدخول لا يكون الا بالقول تركت او خلعت سيلاً الى ان قال وفي المحيط لكل واحد فسخ هذا العقد بغير محضر من صاحبه قبل الدخول وبعد الدخول ليس لكل واحد منهما حق الفسخ الا بحضور صاحبه كالبيع الفاسد وعند بعض المشائخ لكل واحد حق الفسخ بعد الدخول وقبله ام ص ۲۷۱ ج ۲ - اور اگر لڑکی کے نکاح سے پہلے اس کی ماں کا ناجائز تعلق داماد سے نہوا ہو بلکہ بعد نکاح کے ناجائز تعلق ہوا ہو تو سوال دوبارہ کریں، واللہ اعلم۔ ۹ رجب۔

حرره الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ بامر سیدی حکیم الامت دام مجیدہم۔

سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی دختر کا نکاح پنج سال کی عمر میں ایک لڑکے

باپ نے نبالہ کا نکاح کیا بعد میں معلوم ہوا شوہر شرابی ہے

کے ساتھ کر دیا بعد ازیں معلوم ہوا کہ وہ لڑکا جوئے باز اور شراب انحر ہے اور جب وہ لڑکا اپنی منکوحہ کو لینے کے واسطے اپنے خسر سے آکر متقاضی ہوا تو اس کے خسر نے کہا کہ جب تک تو جوئے کے کھیلنے اور شراب کے پینے سے باز نہ آئے گا تب تک میں اپنی دختر کو تمہارے ساتھ روانہ نہ کروں گا کیونکہ ہمارے گھنے میں نہ کوئی شرابی ہے اور نہ قمار باز اس شخص نے کہا کہ میں شراب کے پینے اور جوئے کے کھیلنے سے ہرگز تائب نہ ہوں گا تو اس کے خسر نے کہا کہ میں اپنی بیٹی کو تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا اصل کلام وہ شخص مذکور خالی پھر گیا جب اس بات کو پنج سال کا عرصہ گزر گیا تو اس لڑکی کے والد نے بدین عرض کہ شاید وہ تنگ آکر بد عادتوں کو چھوڑ دے وے اور میری دختر کو اپنے گھر آباد کر لیوے عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا عدالت نے بذریعہ سمعہا سے سخت تلاش کی لیکن اس کا کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں گیا بعد ازاں عدالت نے اس کے مہر کی یکطرفہ ڈگری دیدی جب اس فیصلہ کو تھینا پنج سال گزر گئے تو اس عورت نے نان و نفقہ سے تنگ آکر ایک شخص کے ساتھ ناجائز علاقہ پیدا کر لیا اور صاحب اولاد ہو گئی، جب اسکے گاؤں والوں نے اس کو تنگ کیا اور حقہ پانی اس کا بند کر دیا تو اس نے ناچار آپ کی جناب عالی میں عریضہ بصورت استقار پیش کیا کہ میرا نکاح بوجہ مفقودیت زوج یا ان صورتوں کے جو ذکر کئے گئے دیگر سے ہو سکتا ہے اگر ہو سکتا ہے تو برائے مہربانی تحریر فرما کر مشکور فرمادیں

الجواب؛ قال فی العالمگیریۃ رجل زوج ابنته الصغیرۃ من رجل

على ظن أنه صالح لا يشرب الخمر فوجد الأب شيئا مداما وكبرت الابنة
فقلت لا أَرْضِي بالنكاح أن لم يعرف البوها بشرب الخمر وغلبة أهل بيته
الصالحون فالنكاح باطل أي يبطل وهذه المسئلة بالاتفاق كذا في الذخيرة
ص ۱۶ ج ۲ - وفي رد المحتار قال في البرازية زوج بنته من رجل ظنه مصلحا
لا يشرب مسكرا فاذا هو مدم من فقالت بعد الكبر لا أرضي بالنكاح أن لم يكن
البوها يشرب المسكر ولا عرف به وغلبة أهل بيتها الصالحون فالنكاح باطل
بالاتفاق اه ص ۵۳۶ ج ۲ - وفيه أيضا فرجع إلى أن المعتبر صلاح الأباء
فقط وأنه لا عبرة لفسقها بعد كونها من بنات الصالحين اه -

صورت مسئوليہ میں اگر لڑکے نے بعد جوان ہونے کے اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کی تھی
تو یہ نکاح باطل ہو گیا اور یہ لڑکی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اور اگر جوان ہونے کے بعد اس
نے نکاح سے ناراضی ظاہر نہیں کی یا رضا مندی ظاہر کی تھی تو سوال دوبارہ کیا جائے واللہ اعلم
حرمہ الاحقر ظفر احمد بامر سیدی حکیم الامت ۲۸ رجب المرجب ۱۲۸۰ھ

سوال (۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس
مسئلہ میں کہ متوفی زید کی بی بی کو عدۃ وفات کے اندر یعنی چالیس
دن رہتے عمر نے نکاح کر کے اس سے وطی کرتا رہا اور نکاح کے
بعد دونوں کے تفريق نہ ہوئی اور نہ اس عورت نے مابقی عدۃ وفات کو بھی پورا کی اس حالت
میں رہتے ہوئے زید کی وفات کی مدت چھ مہینے گزر جانے سے پھر عمر نے اس عورت کو بعض مولوی
صاحب کے حکم سے ثانیاً نکاح کر لیا ہے فتاوی عالمگیری میں باب العدة میں مرقوم ہے۔ و
لو تزوجت في عدة الوفاة فدخل بها الثاني ففرق بينهما فعليها بقية عدتها
من الاول تمام اربعة اشهر وعشر وعليها ثلث حيض من الآخر ويحسب
بما حاضت بعد التفريق من عدة الوفاة كذا في معراج الدراية وهكذا
في المبسوط واليضافيه المطلقة اذا حاضت حيضة ثمتن وجبت بن وجب آخر
وطئها الثاني وفرق بينهما وحاضت حيضتين بعد التفريق كان لهذا النزاج
الثاني أن يتزوجها لا نقضاء عدة الاول الخ ان عبار توں سے معلوم ہوتا ہے کہ
مابقی عدۃ وفات پورا کرنا اس عورت پر واجب ہے بغیر پورا کرنے عدت وفات کے عمر کا نکاح

معدۃ وفات نے عدت کے اندر
نکاح کر لیا اور چھ ماہ بعد تجدید
نکاح کی تو کیا نکاح صحیح ہو گیا؟

اس سے ثانیاً بھی درست نہیں اگرچہ مدت وفات زید کی چھ مہینہ سے گزر گئی ہو لیکن بعض مولوی صاحب کا قول ہے کہ جب عمر نے اس عورت کو زید کے مرنے سے چھ مہینہ کے بعد پھر ثانیاً نکاح کر لیا ہے تو وہ نکاح درست ہوا ہے اور مابقی عدت وفات بغیر تفریق کے بھی اسی حالت میں پوری ہو گئی ہے چونکہ مسئلہ مذکور کے بارہ میں چھ ل تنازع ہو رہا ہے اور جناب حامی دین ستین و وارث سید المرسلین ہیں لہذا دفع تنازع اور حقیقت مسئلہ دریافت کے لئے جناب عالی میں عرض پرداز ہوں کہ متوفی زید کی بی بی کو اس وقت عمر سے جدا کر کے مابقی عدت وفات پوری کرنا اس پر واجب ہے یا نہیں جناب از روئے مہربانی و شرع پروری کے با اولہ شرعیہ بیان فرمائیں اور نکاح ثانی جائز اور عدت وفات پورا نہ ہونے کی تقدیر پر عمر اگر اس عورت کو پھر نکاح کرے تو عالمگیری و مبسوط کے قول و لو تن و جت فی عدة الوفاة المکررے از روئے شرع ارشاد فرمائیں ؟ بینوا توجسوا۔

الجواب : اگر معة الوفاة عدت کے اندر نکاح کرے تو عدت وفات کا تمام ہونا تفریق پر موقوف نہیں بلکہ چار ماہ دس دن گذر جائیں گے (وہی غیر حامل) تو عدت پوری ہو جائے گی اب اگر یہ مدت تفریق سے پہلے ہی گزر گئی تو زوج ثانی کو اس سے ثانیاً نکاح کر لینا معاً درست ہے اور اگر چار ماہ دس دن گزرنے سے پہلے ان دونوں میں تفریق ہو گئی تو عورت کو مابقی عدت کا پورا کرنا ضروری ہے مابقی عدت پورا ہو جانے کے بعد زوج ثانی کو تو معاً اس سے نکاح درست ہے اور دوسروں کو بعد تفریق کے تین حیض گذر جانے کا بھی انتظار کرنا لازم ہوگا عالمگیری کی عبارت مرقومۃ الصدر کا مطلب یہ ہے کہ عورت نے عدت وفات میں نکاح کر لیا اور عدت ہی میں زوج ثانی نے دخول کیا اور عدت ہی کے اندر دونوں میں تفریق کر دی گئی تو اس عورت پر زوج اول کی مابقی عدت کا پورا کرنا ضروری ہے اور چونکہ زوج ثانی کے دخول سے بھی اس کے ذمہ عدت و طہ بالشبہ لازم ہو گئی ہے تو اگر وہ زوج ثانی کے علاوہ کسی اور سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو اس پر تین حیض کا بھی تفریق کے بعد سے انتظار کرنا ضروری ہے اور تین حیض کے گزرنے کے ساتھ ساتھ عدت وفات بھی گزرتی رہے گی اھ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر عدت وفات بحالت نکاح فاسد پوری ہو چکی ہو تب بھی دونوں میں تفریق کی اور تفریق کے بعد عدت وفات پورا کرنے کی ضرورت ہے۔ کلا وحاشا۔ قال فی الدرر صبدأ العدة بعد الطلاق وبعد الموت علی الفور و تنقضي العدة وان جهلت المرأة بهما ای بالطلاق والموت لانها اجل فلا يشترط العلم بمضيه اھ منہجاً

وفي البدائع والدليل على انها اسم للاجل لا للفعل انها تنقضي من غير فعل
 التريص بان لم تجتنب عن محظورات العدة حتى انقضت المدة ولو كانت
 فعلاً لما تصور انقضاءها مع ضدها وهو التريص سلمنا انه كف لكنه ليس
 بكن في الباب بل هو تابع بدليل انه تنقضي العدة بدونه (اي بدون
 الكف عن المحظورات) الى ان قال ولما كان السكن هو الاجل عندنا وهو
 معنى الزمان لا يقف وجوبه على العلم به كمضي سائراً الا زمناً ثم قد بينا
 انه لا يقف على فعلها أصلاً وهو الكف فانها لو علمت (بالموت) فلم تكف
 لم تجتنب ما تجتنبه المعتدة حتى انقضت المدة انقضت عدتها
 ص ۱۹۰ و ۱۹۱ ج ۳ - اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ انقضاء عدت عورت کے تریص
 اور کف عن المحظورات پر موقوف نہیں بلکہ انقضاء عدت کے لئے صرف مدت کا پورا ہو جانا
 کافی ہے پس صورت مسئلہ میں جب معتدہ ۶ ماہ تک زوج ثانی کے پاس رہی تو اگر وہ غیر حامل ہو
 اس کی عدت پوری ہو گئی اور عمر و نکاح جو پہلے شوہر کی موت کے ۶ ماہ بعد کیا ہے اس کے ساتھ دست
 ہو گیا اور عدت وفات گزر جانے کے بعد تین حیض کے گزرنے کا انتظار عمر و پر لازم نہیں ہاں
 اگر یہ عورت عمر و سے تفریق حاصل کر کے کسی دوسرے سے نکاح کرنا چاہتی تو دوسری کو عدت وفات
 گزرنے کے ساتھ بعد از تفریق عمر تین حیض گزرنے کا بھی انتظار لازم ہوتا قال فی رد المحتار
 عن الی و اذا تمت عدة الاول حل للثانی ان یتزوجها لا لغيره مالم یتم
 عدة الثانی بثلاث حیض من حیض التفریق اه ص ۱۰۳ ج ۱ -
 (تنبیہ) عدت وفات کا تمام ہونا تو اس پر موقوف نہیں کہ جو نکاح فاسد عدت میں کیا
 گیا ہے اس سے تفریق ہو تب ہی عدت گزرے عدت وفات بحالت بقا نکاح فاسد بھی تمام
 ہو جائے گی البتہ تداخل عدتین تفریق پر موقوف ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ معتدہ وفات پر عدت
 میں نکاح و دخول بالثانی کرنے سے دوسری عدت وطی بالشبہ کی وجہ سے لازم ہو جاتی ہے جبکہ وہ
 زوج ثانی کے علاوہ کسی اور سے نکاح کرنا چاہے اور اگر وہ زوج ثانی ہی سے نکاح کرنا چاہے اس
 کا حکم اوپر گزر چکا ہے۔ اب اس کی دو صورتیں ہیں (۱) یہ کہ ان دونوں میں عدت کے اندر ہی
 تفریق ہو جائے اس صورت میں تین حیض تفریق کے بعد گزرنے کے ساتھ عدت وفات بھی پوری
 ہوتی ہے گی۔ (۲) یہ کہ ان دونوں میں عدت وفات کے اندر تفریق نہیں ہوئی بلکہ چار ماہ میں

کے بعد تفریق ہوئی اور ان چار مہینوں اس کو تین حیض بھی آچکے اس صورت میں صرف عدت وقات تمام ہوئی عدت وطلی بالشبہ باقی ہے اگر یہ عورت کسی تیسرے سے نکاح کرنا چاہے تو اس کو تین حیض تفریق کے بعد اور گزارنا واجب ہے قال فی رد المحتار فلو كانت وطئت بعد حیضة من (العدة) الاولى فعليها حیضتان تكملة للاولى وتحسب بهما من عدة الثانية فاذا حاضت واحدة بعد ذلك تمت الثانية ايضا فهو وهذا اذا كان بعد التفریق بينهما وبين الواطئ الثاني اما اذا حاضت حیضة قبله (ای قبل التفریق) فهي من عدة الاولى خاصة اه ص ۱۰۰ ج ۲

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ زوج اول کی عدت تو بدون تفریق کے تفریق سے پہلے ہی تمام ہو سکتی ہے البتہ تداخل عدت اول و ثانی بدون تفریق کے نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم۔

حرره الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ بامر سیدہ حکیم الامتہ۔ ۷ ارشوال ۱۳۸۷ھ

سوال (۱۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نکاح فاسد اور باطل کسے کہتے ہیں۔ باعتبار تعریف و احکام وغیرہ ان دونوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں۔ فتح القدیر میں ہے کہ ان دونوں میں کچھ فرق نہیں بعض دوسرے فقہار نے فرق لکھا ہے۔ ایسی صورت میں ترجیح کس قول کو ہوگی؟

ایک عورت کے نکاح ہوتے ہوئے اس کی بہن سے بھی نکاح کر لینا فاسد ہے یا باطل۔ فتاویٰ عالمگیری القسم الرابع للمحرمات بالجمع میں ہے وان تزوجهما فی عقدین نکاح الاخیرۃ فاسد ویجب علیہ ان یفارقها ولو علم القاضی بذلك یفرق بينهما فان فارقها قبل الدخول لا یثبت شیء من الاحکام وان فارقها بعد الدخول فلها المهر ویجب الاقل من المسمى ومن مهر المثل وعليها العدة ویثبت النسب ویعتزل عن امرأتہ حتی تنقضي عدة اختها کذا فی محیط الخصی اس میں ثانی کو فاسد کہا ہے رد المحتار اور دیگر کتب میں باطل لکھا ہے ان دونوں میں قول حق و مفتی یہ کیا ہے؟

اس دوسری عورت سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ عبارت عالمگیری کی بنا پر ثابت النسب ہو کر نکاح کی وارث ہوگی یا نہیں؟ جن فقہار نے نکاح ثانی کو باطل کہا ہے ان کے نزدیک ثبوت نسب اور ارث کا کیا حکم ہے دونوں کے نزدیک عورت نکاح سے وارث ہوگی یا محروم؟

اس کے اور نیز اولاد کے وارث ہونے کے متعلق بھی محقق اور مفتی بہ قول ارقام فرمائیں؟ ان تمام سوالات کے متعلق ذرا مفصل اور مدلل جواب تحریر فرمایا جائے۔ جس سے طالب علم تردد اور غلبان سے محفوظ رہے والسلام۔

الجواب؛ قال في الدرر ويجب مهر المثل في نكاح فاسد وهو الذي فقد شرطاً من شروط الصحة كشهوده وفيه أيضاً وثبت النسب احتياطاً بلا دعوة اه قال الشافعي ومثله تزوج الاختين معاً ونكاح الاخت في عدة الاخت ونكاح المعتدة والخامسة في عدة الرابعة والامة على الحرقة وفي المحيط تزوج مسلمة فرق بينهما لانه وقع فاسداً اه فظاهراً انهما لا يحدان وان النسب يثبت فيه والعدة ان دخل بحراً قلت لكن سيذكر الشارح في آخر فصل في ثبوت النسب عن مجمع الفتاوى: نكح كافر مسلمة فولدت منه لا يثبت النسب منه ولا تجب العدة لانه نكاح باطل اه وهذا صريح فيقدم على المفهوم فانهم ومقتضاه الفرق بين الفاسد والباطل في النكاح لكن في الفتح قبيل التكلم على نكاح المتعة انه لا فرق بينهما في النكاح بخلاف البيع نعم في البرازية حكاية قولين في ان نكاح المحارم باطل او فاسد والظاهر ان المراد بالباطل ما وجوده كعدمه ولذا لا يثبت النسب ولا العدة في نكاح المحارم ايضاً كما يعلم مما سيأتي في الحدود الى ان قال وسيأتي في باب العدة انه لا عدة في نكاح باطل وذكر في البحر هناك عن المجتبى ان كل نكاح اختلف العلماء في جواز كالكفار بلا شهود فالدخول فيه موجب للعدة اما نكاح منكوحه الغير ومعتدة فالدخول فيه لا يوجب العدة ان علم انها للغير لانه لم يقل احد بجواز فلم يتعقد اصلاً قال فعلى هذا يفرق بين فاسد وباطل في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لانه زنا كما في القنية وغيرها اه والحاصل انه لا فرق بينهما في غير العدة اما فيها فالفرق ثابت وعلى هذا في قيد قول البحر هنا ونكاح المعتدة بما اذا لم يعلم بانها معتدة لكن يرد على ما في المجتبى مثل نكاح الاختين معاً فان الظاهر انه لم يقل

أحد بجوازها ولكن لينظر وجه التقييد بالمعينة والظاهر أن المعينة في العقد لا في ملك المتعة إذ لو تأخر أحدهما عن الآخر فالمتأخر باطل قطعاً
 اهـ (ص ٥٤٥ ج ٢) وفيه أيضاً عن الخانية لو تزوج محرمة لأحد عليه
 عند الإمام وعليه مهر مثلها بالغاً ما بلغ اهـ وصرح في البحر أن المواقف
 التي يجب فيها المهر بسبب الوطأ بشبهة فليس المراد بالمهر فيها مهر المثل
 المذكور هنا لما في الخلاصة أن المراد بالمهر العقر وتفسير العقر أنه
 بكم تستاجر للنزول لو كان حلالاً يجب ذلك القدر اهـ ملخصاً وقال
 ابن عابدين في حاشيته أن في التتارخانية في وجوب المهر بلانكاح ذكر
 ما هنا معنياً إلى المحيط ثم أعقبه بقوله وفي الحجة روى عن أبي حنيفة
 قال تفسير العقر هو ما يتزوج به مثلها وعليه الفتوى اهـ فظهر أن في المسئلة
 خلافاً وأن المفتي به خلاف ما هنا اهـ (ص ١٤٣ ج ٣) وفي الدرر في باب
 الحد ودلالة أحد أيضاً بشبهة العقد أي عقد النكاح عنده أي الإمام
 كوطأ محرماً نكحها وقال إن علم الحرمة حد وعليه الفتوى خلاصة،
 لكن المرجح في جميع الشروح قول الإمام فكان الفتوى عليه أولى قاله
 القاسم في تصحيحه لكن في القهستاني عن المضمرات على قولهما الفتوى
 وحرر في الفتم أنها من شبهة المحل وفيها يثبت النسب اهـ قال الشامي
 وكذلك نقل في الفتم عن الخلاصة أن الفتوى على قولهما ثم وجهه بأن
 الشبهة تقتضي تحقق الحل من وجه وهو غير ثابت والأوجب العدة والنسب
 ثم دفع ذلك بأن من المشائخ من التزم وجوبهما ولو سلم عدم وجوبهما
 لعدم تحقق الحل من وجه فالشبهة لا تقتضي تحقق الحل من وجه لأن
 الشبهة ما يشبه الثابت وليس بثابت اهـ ملخصاً وحاصله أن عدم
 تحقق الحل من وجه في المحارم لكونه زناً محضاً يلزم منه عدم ثبوت
 النسب والعدة ولا يلزم منه عدم الشبهة الدارئة للحد ولا يخفى
 أن في هذا ترجيحاً لقول الإمام قوله وحرر في الفتم الإصواب في النهي
 قال وهذا إنما يتم بناءً على أنها شبهة اشتباه قال في الدراية وهو

قول بعض المشائخ والصحيح أنها شبهة عقد لأنه روى عن محمد أنه قال سقوط الحد بشبهة حكمية فيثبت النسب وهكذا ذكر في المنية اه وهذا صريح بان الشبهة في المحل وفيها يثبت النسب على ما مر اه كلام النهر قلت وفي هذا زيادة تحقيق لقول الامام لما فيه من تحقيق الشبهة حتى ثبت النسب ويؤيد ما ذكره الخیر الرضی فی باب المهر عن العینی ومجمع الفتاوی انه یثبت النسب عنده لا عندهما اه (۲۳۷ ج ۳) وفيه ايضا تحت قول الدر كوطأ محرم نكحها ای عقد علیها اطلق فی المحرم فشمّل المحرم نسبا ورضا وصریة و اشار الى انه لو عقد على منكوحة الغیر او معتدته او مطلقته الثلاث او امة على حرة او تزوج مجوسية او امة بلا اذن سيدها او تزوج العبد بلا اذن سيدها او تزوج خمساً في عقدة فوطئهن او جمع بين اختين في عقدة فوطئهما او الاخيرة لو متعاقبا بعد التزوج فانه لاحد وهو بالاتفاق على الاظهر اما عنده فظاهر واما عندهما فلان الشبهة انما تلتقي عندهما اذا كان مجعاً على تحريمه وهي محرمة على التابيد بحی قلت وهذا هو الذي حرره في فتم القديري وقال ان الذين يعتمدون على نقلهم كابن المنذر ذكر انه انما يحد عندهما في ذات المحرم لاني غير ذلك كمجوسية ومعتدة وكذا عبارة الحاكم في الكافي تفيد كما ذكرها فليراجع (ص ۲۳۶ ج ۳) وفي الد في كتاب الفرائض (ص ۲۵ ج ۵) ويستحق الارث باحد ثلاثة برحم ونكاح صحيح فلا توارث بفاسد ولا باطل اجماعاً اه -

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوتے :

- (۱) نکاح میں بھی باطل و فاسد ہے اور فتح القدیر میں جو یہ کہا ہے کہ نکاح میں باطل و فاسد کی تقسیم جاری نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح باطل نکاح ہی نہیں ہے پس اس کو نکاح سے موصوف کر کے باطل کہنا فضول ہے صرح بہ الشامی فی حاشیة البحر بقوله والذی ظہری ان المماد بالباطل فی کلام البزازیة فی قوله نکاح المحارم فاسد ام باطل ثم الذی وجودہ کعدمہ لان النکاح ینقسم الی باطل و فاسد اه (ص ۱۷۱ ج ۳)
- (۲) نکاح باطل و فاسد میں صرف باب عدۃ میں فرق ہے کہ باطل موجب عدۃ نہیں ہے

اور فاسد موجب عدۃ ہے بقیہ احکام میں فسق نہیں۔

(۳) اور بعض عبارات میں جو نکاح باطل کی بعض صورتوں میں ثبوت نسب کی نفی کی گئی ہے جس سے باطل و فاسد میں ثبوت نسب میں بھی افتراق معلوم ہوتا ہے وہ صاحبین کے قول پر مبنی ہے۔ جو بعض کے نزدیک مفتی بہ ہے ورنہ امام صاحب تو نکاح محارم میں بھی ثبوت نسب کے قائل ہیں اور اس کو شبہۃ العقد میں داخل کرتے ہیں اور شامی نے باب المحدود میں اسی کی تصحیح نقل کی ہے۔ (۴) نکاح باطل و فاسد دونوں میں عورت اور مرد میں توارث نہیں ہوتا۔

(۵) رہا مہر تو فاسد میں مہر مثل لازم آتا ہے جو مسمیٰ سے زیادہ نہ ہوگا اور باطل میں بھی مہر مثل لازم ہے جتنا بھی ہو خواہ مسمیٰ کے برابر یا زائد کما من عن الخانیۃ فی نکاح المحرم۔

(۶) دو بہنوں سے آگے پیچھے نکاح کیا جائے تو دوسرا باطل ہے دوسری عورت مرد کی وارث نہ ہوگی مگر دوسری عورت دخول و وطی سے مہر خاندانی کی مستحق ہے اور امام صاحب کے نزدیک دوسری کی اولاد ثابت النسب بھی ہے اور صاحبین کے نزدیک بظاہر ثابت النسب ہونا چاہئے مگر عبارت باب المحدود سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ امام سے صاحبین کا اختلاف صرف نکاح محارم میں ہے یعنی محارم ابدیہ میں بقیہ محرمات کے نکاح میں اختلاف نہیں اور ان میں وہ بھی نکاح کو موجب شبہۃ مانتے ہیں تو اس بنا پر نکاح اختین میں صاحبین کے نزدیک بھی اولاد کا نسب ثابت ہونا چاہئے۔ پس صورت مسئلہ میں دوسری عورت مسماۃ افضل خود تو نیاز اللہ کی وارث نہیں نہ اس کے ذمہ

عدت واجب ہوئی البتہ اس کی اولاد مثل اولاد زوجہ اولیٰ کے نیاز اللہ کی وارث ہے اور مسماۃ افضل مہر مثل کی مستحق ہے۔ تقسیم ترکہ و اخراج بطون خود فرمالیں، واللہ اعلم۔ ۳ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

سوال (۱) میری بیٹی کو خاوند نے طلاق دیدی اور عدت کے اندر صرف آٹھ ہی دن کے بعد میں نے اس کا نکاح دوسری جگہ کر دیا سنا ہے کہ یہ نکاح نہیں ہوا اس کو کئی سال سے گزر گئے اولاد بھی ہو چکی اب کیا کیا جائے یہ اولاد حلالی ہے یا حرامی اب دونوں کا نکاح کر دیا جائے تو آئندہ کے لئے گناہ سے حفاظت ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب؛ بیشک یہ نکاح ثانی عدت کے اندر ہوا ہے اس لئے درست نہیں ہوا اور ان دونوں کا اب دوبارہ نکاح کر دینا ضرور چاہئے اور اس زمانہ میں جو وطی ہوئی ہے وہ وطی بالشبہ کے حکم میں ہے اگر زوجین اپنے نکاح کو نکاح بھی سمجھتے تھے اور وطی بالشبہ سے اولاد حرامی نہیں ہوتی اور اگر زوجین اول ہی سے اپنے نکاح کو حرام سمجھے ہوئے تھے تو سوال دوبارہ کیا جائے اور صورت

مذکورہ میں زوج اول کی عدت تو تمام ہو چکی ہے پس اگر اس وقت نکاح صحیح زوج ثانی کے ساتھ ہی کیا جائے تو بیس اور عدت کی ضرورت نہیں اور اگر زوج ثانی کے علاوہ کسی اور سے کیا جائے تو ایک اور عدت لازم ہوگی والسلام۔ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ۔

سوال (۱۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت میں کہ زید نے ایک غیر مسلمہ منکوحہ کو اغوار کر کے مسلمہ کر لیا اور بغیر انتظار کے اس کے ساتھ طی کرتا رہا اور وہ عورت زید سے حاملہ بھی ہو گئی اور بعد دو ماہ کے زید نے اس عورت سے نکاح کر لیا تو آیا یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فی العالمگیریۃ (ص ۲۵۵ ج ۲) واذا اسلم احد الن وجین فی دار الحرب ولم یكونا من اهل الکتاب اوکانا والمرأة هی التی اسلمت فانه یتوقف انقطاع النکاح بینهما علی مضي ثلاث حیض سواء دخل بها اولم یدخل بها کذا فی الکافی فان اسلم الاخر قبل ذلك فالنکاح باق ولوکانا مستامنین فالینونة اما بعض الاسلام اذ بانقضاء ثلاث حیض کذا فی العنایة اه اس عورت سے جواز نکاح تین حیض گزرنے پر موقوف ہے پس اگر وقت نکاح زید تک اس عورت کو تین حیض آچکے تھے تب یہ نکاح درست ہو گیا اور اگر تین حیض نہیں آئے تھے تو یہ نکاح درست نہیں ہوا بعد وضع حمل کے تجدید نکاح کی جائے اور اس وقت تک اس عورت سے قربت وغیرہ اور تقبیل و لمس سب حرام ہے، واللہ اعلم۔ ۲۲ ج ۲ ۱۴۲۳ھ۔

سوال (۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین حکم نکاح بن الرضیعین اس مسئلہ میں کہ زید و بکر دونوں آپس میں رضاعی بھائی بہن اس طرح پر کہ ایام رضاعت میں زید نے بکر کی ماں کا دودھ پیا اور بکر نے زید کی ماں کا۔ زید و بکر کی مائیں خالہ و زبیدہ دونوں حقیقی بہنیں ہیں۔ زید کا عقد (ہندہ) کے ساتھ ۱۸۷۸ھ میں ہوا جو بکر کی علاقہ حقیقی (یعنی نسبی ۱۲) پھوپھی ہے اور اسی طرح (ہندہ) زید کی رضاعی پھوپھی ہے۔ زید و بکر کی رضاعت کا علم بوقت نکاح و قبل نکاح خاندان کے ہر چھوٹے بڑے کو تھا اور خود ہندہ و زید اور اس کے والدین بھی بخوبی جانتے تھے لیکن زید و بکر کے رضاع سے اس کا خیال کسی کو قبل نکاح یا بوقت نکاح نہ ہوا کہ اس رضاعت کی حرمت کا اثر (ہندہ) تک جاتا ہے اور ہندہ زید کے لئے محل نکاح نہیں ہے اور بعد نکاح بھی عرصہ تک کسی کا خیال یا وجود علم رضاعت منتقل نہ ہوا کہ زید و ہندہ بوجہ رضاعت پھوپھی اور بھتیجی ہیں۔

مسئلہ کی تحقیق و آگاہی :- جبکہ نکاح کو بارہ تیرہ سال گزر چکے اور چند اولاد بھی ہوئی اور دو بیٹے زندہ موجود بھی ہیں (بکر) کا چھوٹا بھائی (عمر) جو بزمانہ عقد اپنی پھوپھی ہندہ کے بہت کم سن تھا جب سن تمیز کو پہنچا اور تحصیل علوم دنیہ میں مشغول ہوا تو فقہ کی کتابوں میں اس نے رضاعت کا بیان پڑھا اس وقت اسے یہ خیال ہوا کہ میری پھوپھی ہندہ کا جو عقد زید سے ہوا وہ بوجہ رضاعت غلط ہوا چونکہ رضاعت کا علم خاندان کے ہر چھوٹے بڑے کو تھا اور سب جانتے تھے کہ زید و بکر رضاعتی بھائی ہیں اس کی تحقیق و صحت کو معلوم کرنا نہ تھا عمر نے اپنی پھوپھی ہندہ کو خاموشی سے حرمت و فساد نکاح سے آگاہ کیا اور چونکہ ہندہ بھی ایک خاندان کی لڑکی ہے اور رضاعت مذکورہ کا اس کو علم ہمیشہ سے بخوبی تھا اور اسی طرح زید بھی بخوبی واقف تھا، بوجہ آگاہی مسئلہ دونوں نے خاموشی کے ساتھ علیحدگی اختیار کی اور اس وقت سے جس کو عرصہ تھینا ۶ سال کا ہوتا ہے بوجہ خوف حرمت رضاعت ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں اور اس خاموش علیحدگی کو خاندان کے بہت سے لوگ جانتے ہیں مثلاً بکر، عمر، زید کا باپ ہندہ کی ماں بہن، بہنوئی وغیرہ۔ ہاں عام طور پر اعلان نہیں ہیں اب بعض لوگ زید سے یہ کہتے ہیں کہ چونکہ حرمت رضاعت کا علم بہت عرصہ کے بعد ہوا ہے لہذا یہ معتبر نہیں ہے تم جس طرح آپس میں زن و شوہر کی طرح رہتے تھے رہو لیکن زید اس کو منظور نہیں کرتا زید کہتا ہے کہ عمر کا بیان شہادت نہیں ہے وہ تو ایک غلطی کی اطلاع ہے اگر خود میری نظر سے مسئلہ گزرتا تو بھی میں یہی کرتا اس لئے کہ رضاعت کا تو مجھ کو قبل نکاح علم تھا اور میں نے بچپن میں بارہا اپنی رضاعتی ماں اور اپنی ماں سے اس وقت کے حالات سنے ہیں اور خاندان کے چھوٹے بڑے رضاعت سے آگاہ تھے اور یہی جو کچھ غلطی اور جہالت سے ہوا وہ خدا معاف کرے اب علم و یقین ہوتے ہوئے کس طرح کروں۔ پس واقعات حالات مذکورہ کے بنا پر اب زید و ہندہ کو کیا کرنا چاہئے باہم زن و شوہر کے تعلقات سہر قائم کر لینا چاہئے یا ترک رکھنا چاہئے۔ نان و نفقہ بحالت علیحدگی زید پر واجب ہے یا نہیں۔ نکاح جو ہوا اعتبار کیا جائے گا اور اولاد کا نسب صحیح ہے یا نہیں مہر ذمہ زید کے کل واجب ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ میں زید کو لازم ہے کہ ہندہ کو اپنے لئے حرام سمجھے اور چونکہ ۶ سال سے دونوں میں علیحدگی ہو چکی ہے تو ظاہر ہے کہ عدت تین حیض بھی گزر چکی ہوگی پس اگر زید نے علیحدگی کے وقت ہندہ سے یہ لفظ بھی زبان سے کہہ دیا ہو کہ تو میرے لئے حلال نہیں اس لئے اب میں تیرے ساتھ میاں بی بی کے تعلقات نہیں رکھتا بلکہ تم سے الگ رہوں گا تو

اب ہندہ کو اپنا نکاح جس سے چاہے کر سکتی ہے اور اگر بالفرض تین حیض نہ آئے ہوں تو تین حیض کے بعد جس سے چاہے نکاح کرے اور اگر زیدہ صرف علی علیہ السلام کی اختیار کی ہے اور زبان سے علیہ السلام کی اختیار نہیں کی تو ابھی ہندہ دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی بلکہ جب زیدہ اس سے زبانی علیہ السلام کی ظاہر کرے اور اس کے بعد تین حیض گزر جائیں تب وہ اس کے نکاح فاسد سے علیحدہ ہوگی اور یہ علیہ السلام کی دونوں پر واجب ہے زیدہ کو چاہئے کہ اس کو طلاق دیدے یا زبان سے اتنا کہہ دے کہ میں تجھے الگ ہوتا ہوں اگر زیدہ یہ لفظ نہ کہے تو ہندہ کو چاہئے کہ وہ شوہر کے سامنے یہ لفظ کہہ دے کہ میں تجھے الگ ہوتی ہوں ہر صورت میں یہ تعلق فاسد منقطع ہو جائے گا اور اس صورت مذکورہ میں اولاد سب حلالی ہے اور ثابت النسب ہے، اور ہندہ کے لئے زید پر مہر مثل بھی لازم ہے اگر مہر مقررہ ہر مثل سے زیادہ ہو اور اگر مہر مثل مہر مقررہ سے کم ہو تب بھی مہر مثل ہی دیا جائیگا قال فی الشامیۃ تحت قول الدس وعدة المنکوحۃ نکاحاً فاسداً ہی المنکوحۃ بغير شہود و نکاح امراة الغیر بلا علم بانہا متزوجۃ و نکاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عندہ خلافاً لہما الی ان قال و تقدم فی باب المہر ان الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدۃ وثبوت النسب ومثل لہ فی البیہ ہناک بالتزوج بلا شہود وتزوج الاختین معاً و الاخت فی عدۃ الاخت و نکاح المعتدۃ والخامسة فی عدۃ السابعة والامة علی الحرۃ ام (۲ ج ۹۹۹) قلت وفی صورۃ المسئولۃ تزوج بالمحرمة مع عدم العلم بالمحرمة فهو فاسد بالاتفاق لا باطل وفی الدس ومبداً فی النکاح الفاسد بعد التفريق من القاضی او المتارکۃ ای اظہار العزم من الزوج علی ترک وطئہا بان یقول بلسانہ تراکتک ونحوہ (کخلیت سبیلک او فارقتک) ومنہ الطلاق او انکار النکاح لو بحضورہا والا لا۔ لا مجرد العزم لو مدخولۃ والا فیکفی تفرق الابدان ام قال الشامی قولہ من الزوج قید بہ لان ظاہر کلامہم انہا لا تكون من المرأة قال فی البیہ ورجعنا فی باب المہر انہا لا تكون من المرأة ایضاً ولذا ذکر مسکین صورہا ان تقول فارقتک ام ورجعہ باتفاقہم علی ان لكل منهما قسم هذا النکاح والفسخ متارکۃ ام ص (۲ ج ۱۰۰) فی الدس المختار (و یجب مہر المثل فی نکاح فاسد بالوطء) فی القبل (لا بغيرہ ولم یسد) مہر المثل (علی المسمی) لرضاها بالخط ولو کان دون المسمی لنزہ مہر المثل (۵ ج ۲ شامی)۔ شعبا ۳۳۳

سوال (۱۴) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس صورت میں ہندوستان میں موجودہ
نومسلمہ منکوحہ کا فرقہ قبل از انقضاء عدت نکاح جائز نہیں ہے

ہو۔ زوج اول اسلام سے انکاری بھی ہو۔ اس صورت میں نومسلمہ کا نکاح وقت اسلام سے کتنے
دن بعد جائز ہے۔ اگر فقہ حنفیہ کے اس اصل کو مدنظر رکھا جائے۔ کہ عورت مہاجرہ نہ ہو تو بعد گزرنے
تین ماہ کے ابانت ہوتی ہے۔ زمانہ موجودہ میں اتنی مدت کا انتظار موجب ارتداد ظاہر ہوتا ہے،
ضرورت وقت و اصل فقہ کے توافق کی صورت رقم فرما کر شکریہ کا استحقاق بخشیں،

الجواب؛ جب تک اس نومسلمہ کو اسلام لانے کے بعد تین حیض نہ آجائیں اس وقت
تک اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے جائز نہیں۔ اور جس عورت کے لئے اتنی مدت کا انتظار موجب
ارتداد ہو اس کا اسلام ہی قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ اسلام یہ ہے کہ مسلمان ہونے والا حکم شرعی
کا پابند ہو نہ یہ کہ وہ قانون شرعی کو اپنا پابند بنانا چاہے پس ایسے شخص کے مرتد ہونے سے کچھ رنج
نہیں۔ بس ہم سمجھ لیں گے کہ اس نے پہلے ہی سے اسلام کو اسلام سمجھ کر قبول نہیں کیا تھا۔ بلکہ محض
شہوت رانی کے لئے اس نے اسلام کا نام کیا ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ، ۲۰ محرم ۱۴۰۰ھ

نعم الجواب الذی لا یتجاوزہ الصواب اشرف علی، ۲۳ محرم ۱۴۰۰ھ۔

سوال (۱۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ زید

نے مسماہ ہندہ کو طلاق دیدی بعد از طلاق پانچ یوم بعد۔ قبل انقضائے عدت ہندہ نے عروسے
نکاح کر لیا دس برس تک عروسے کے گھر میں اسی نکاح سے یعنی جو کہ قبل از انقضاء عدت ہوا تھا ہی،
عروسے کو لوگ کہتے رہے کہ تو عدت گزار کر نکاح پھر کر لے عروسے نے دس برس بعد ایک روز بیٹھے بیٹھے
نکاح پھر کر لیا اور اس نکاح ہونے کے بعد عروسے نے ہندہ کو طلاق ثلاثہ دیدی اب پھر ہندہ اور عروسے کا
باہمی سلوک ہو گیا ہے اور پھر وہ باہمی نکاح کرنا چاہتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ عروسے نے جو نکاح دس
برس بعد کیا تھا اس میں بھی طلاق کی عدت گزارنی چاہئے تھی بعد نکاح کرنا چاہئے تھا انہوں نے
ایسا نہیں کیا لہذا بعد از طلاق بلا حلالہ نکاح عروسے کے ساتھ ہو سکتا ہے اب دریافت طلب صرف
یہ امر ہے کہ ہندہ کا نکاح عروسے سے بلا حلالہ ہو سکتا ہے یا حلالہ کرنے کے بعد ہو سکتا ہے جواب باہموادین

الجواب؛ صورت مسئلہ میں دوبارہ جو نکاح کیا گیا وہ صحیح ہو گیا تھا اس لئے اس کے
بعد تین طلاق دینے سے حرمت مغلظ ہو گئی اب بدون حلالہ عروسے کا نکاح نہیں ہو سکتا جو لوگ

یہ کہتے ہیں کہ دس سال کے بعد جو نکاح کیا گیا اس میں بھی عدت طلاق لازم تھی (یعنی عورت کو زوج ثانی کے جدا کر دینے اور تفریق کے بعد عدت گزرنے پر نکاح کیا جاتا تب صحیح ہو سکتا تھا) ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ عدت کے اندر نکاح کرنے سے اس عدت میں اضافہ نہیں ہوتا وہ عدت تو وقت طلاق سے تین حیض آنے تک ختم ہو جاتی ہے البتہ بعض صورتوں میں خود اس نکاح فاسد کی وجہ سے دوسرے شخص کے لئے عدت واجب ہوتی ہے یعنی دوسرا کوئی شخص نکاح کرنا چاہے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ بدون تفریق اور تفریق کے بعد عدت گزرنے پر نکاح کرے اور اگر خود وہی شخص نکاح کرے کہ جس نے عدت سابق میں نکاح کیا تھا تو اس کے لئے اس نکاح فاسد کی وجہ سے عدت واجب نہیں ہے۔

قال الشامی فلو كانت وطئت بعد حیضة من الاولى فعملها حیضتان تکملة لاولى وتحسب بهما من عدة الثانی فاذا احاضت واحدة بعد ذلك تمت الثانیة ایضا نہر وهذا اذا كان بعد التفریق بينهما وبين الواطئ الثانی اما اذا حاضت حیضة قبله فہی من عدة الاول خاصة وتما مہ فی البہر عن الجوہرۃ (ص ۲۳۱) وفي الصفحة الآتیة واذا تمت عدة الاول حل للثانی ان یتزوجہا لا لغيرہ ما لم یتعد عدة الثانی بثلاث حیض من التفریق وفيہ ایضاً (ص ۲۵۷ ج ۲) اما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدہ فالدخول فیہ لا یوجب العدة ان علم انہا للغیر لانہ لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلاً وبعد سطر وعلیٰ هذا فیقید قول البہر ہنا ونکاح المعتدۃ بما اذا لم یعلم بانہا معتدۃ الخ

کتبہ الاحقر عبد الکرم محمد علوی عفی عنہ، ۲۰/ ۲۷/ ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔

دوران عدت نکاح کی خاص صورت کا حکم | سوال (۱۶) عرض ہے کہ ایک لڑکی کا نکاح گیارہ سال کی عمر میں نابالغی کی حالت میں ہوا اور رواجاً خاوند کے مکان پر بھیجی گئی بعد یک شب کے واپس بلا لی گئی اور خاوند کے ساتھ تنہا رہنے کا اتفاق ہوا ممکن ہے کہ صحبت ہوئی ہو لیکن لڑکی نابالغ تھی پھر دوبارہ کبھی خاوند کے مکان پر نہیں گئی باہمی تکرار کی وجہ سے اور چار سال ماں باپ کے مکان پر ہی نکل گئے آئندہ اتفاق کی صورت نظر نہ آنے کی وجہ سے چار سال بعد جبکہ لڑکی بالغ ہو چکی

عہ ای فی وجوب العدة ۱۲ منہ

تھی اور عمر بھی پندرہ سال ہو چکی تھی خاوند نے طلاق دیدی طلاق دینے کے بعد ایک ماہ چار دن کے لڑکی نے دوسرا نکاح کر لیا نکاح سے پہلے تحقیقات کرنے سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ خاوند سابقہ کے یہاں جو شب کو رہی تھی خاوند سے علیحدہ رکھی گئی تھی اس پر علمائے بلاعدت نکاح کا حکم دے دیا نکاح ثانی ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ خاوند سابقہ سے صحبت یا خلوت کا اتفاق رہا اب اس صورت میں جبکہ طلاق کے ایک ماہ اور چار دن بعد بلاعدت پورے کئے ناواقفی کی وجہ سے نکاح کر لیا یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں اور اگر نکاح ناجائز ہوا تو عدت کب سے شمار کی جائے۔ تالیخ طلاق سے جو کہ لگے خاوند نے دی تھی یا جب سے صحبت کا ہو جانا لگے خاوند سے معلوم ہوا تھا اس وقت سے کیونکہ طلاق سے ایک ماہ چار دن بعد تو نکاح ہوا اور نکاح ہونے کو پندرہ روز ہوئے کل ایک ماہ انیس دن ہو چکے ہیں یہ عدت میں شمار کئے جائیں گے یا کیا اور ایام عدت میں موجودہ خاوند سے عورت علیحدہ رہے یا کیا بعد طلاق لڑکی کو ایک مرتبہ حیض بھی میں پچیس یوم کے بعد آیا فقط جواب ہے جلد مطلع فرمایا جائے ؟

تنقیہ : اس سوال کے متعلق چند امور دریافت طلب ہیں ان کا جواب آنے کے بعد انشاء اللہ حکم شرعی لکھا جائے گا۔

- (۱) دوسرے نکاح سے قبل خلوت و صحبت کی تحقیق کس کس سے کی گئی تھی ؟
- (۲) اور اب کون کون صحبت کو بیان کرتا ہے اگر پہلے اس لڑکی یا زوج سابق نے انکار کیا تھا اور اب وہی اقرار کرتے ہیں تو انکار سابق کی وجہ سے کیا بیان کرتے ہیں ؟
- (۳) اگر لڑکی اور زوج سابق خلوت اور صحبت کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں تو یہ بھی لکھا جائے کہ دوسرے گھر والے کیا کہتے ہیں ؟

- (۴) دوسرے خاوند سے اب تک صحبت یا خلوت ہوئی یا نہیں ؟
 - (۵) اگر ہوئی تو زوج سابق سے صحبت کا علم ہونے کے قبل یا بعد ؟
- تمام واقعات اور بیانات مع اس سوال و تنقیح کے واپس کیا جائے فقط۔ ۲۰ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ

جواب تنقیہ : (۱) لڑکی کے والدین سے پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ سابق خاوند سے خلوت کا اتفاق ہی نہیں ہوا (۲) دوسرا نکاح ہونے کے بعد خود لڑکی نے دریافت کرنے پر اقرار کیا کہ سابق خاوند سے مجھے خلوت اور صحبت دونوں کا اتفاق ہوا یہ اتفاق سابق شادی کے دن صرف دو تین گھنٹہ کے لئے ہوا اس کے بعد میں پھر سابق خاوند سے ملنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا

جس کو چار سال ہوئے۔

(۳) سابق خاوند سے تو پوچھنے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن لڑکی خود خلوت اور صحبت دونوں کی مقرر ہے لیکن اس کے گھر والے اس کے خلاف ہیں۔

(۴) دوسرے (یعنی موجودہ) خاوند سے صحبت کا کئی مرتبہ اتفاق ہوا اور اب تک ہے۔
(۵) زوج سابق سے صحبت کا علم ہونے کے بعد صحبت کا کئی مرتبہ اتفاق ہوا۔ لڑکی بیان کرتی ہے کہ جب سے مجھے سابق خاوند نے تین طلاق دی ہیں اس کے بعد ایک حیض آیا اور پھر دوسرا نکاح ہونے کے بعد ایک حیض آیا اور اب ان دنوں میں تیسرا حیض جاری ہے۔
یہ بھی لڑکی سے کہا گیا کہ تو نے نکاح کے پہلے خلوت کا ذکر کیوں نہیں کیا تو لڑکی جواب دیا کہ مجھ سے کسی نے اس بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔

یہ بھی واضح ہے کہ دوسرا نکاح ہونے کے بعد پہلی ہی رات کو غالباً صحبت کے بعد اول خاوند سے صحبت ہونے کا علم ہو گیا اور اس دوسرے خاوند کو بھی نکاح ہونے میں شک رہا بلکہ بار بار یہ خیال اس کے دل میں آتا رہا کہ نکاح نہیں ہوا لیکن پھر بھی وہ اس وقت تک اس سے صحبت کرتا رہا اور پھر لڑکی سے بھی کہہ دیا کہ نکاح نہیں ہوا۔ البتہ دوسرے لوگوں اور اس کے والدین کو ابھی تک اس کا علم نہیں۔ اب شرعی حکم بتلایا جائے کہ نکاح ہوا یا نہیں اگر نہیں تو اب پھر نکاح کر سکتا ہے یا نہیں۔ نیز جبکہ لڑکی کو طلاق کے بعد تیسرا حیض بھی شروع ہو گیا، اب اس حیض کے پورا ہونے کے بعد نکاح کرے یا کیا؟

(نوٹ) زوجین کو اس دیدہ دانستہ جسارت اور احکام شرعیہ کی مخالفت پر سخت تنبیہ کی گئی اور زوجین میں علیحدگی اور توبہ واستغفار کی تاکید کر کے سوال لیکھ کر واپس کر دیا کہ توبہ واستغفار کے بعد مکرر سوال کیا جائے۔ پھر سوال مکرر آیا جس میں زوجین کا علیحدہ ہو جانا ظاہر کیا اس پر زوجین کو آئندہ کے لئے عاجزی کے ساتھ توبہ واستغفار کرتے رہنے کی ترغیب دی گئی اور مندرجہ ذیل جواب دیا گیا۔

الجواب؛ اب دوبارہ اس زوج ثانی سے نکاح ہو سکتا ہے تیسرے حیض ختم ہونے کے بعد زوج اول کی عدت طلاق گزر چکی ہے اور زوج ثانی سے نکاح ہو سکتا ہے البتہ اگر کوئی اور شخص اس زوج ثانی کے علاوہ اس عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اس سے ابھی نکاح نہیں ہو سکتا بلکہ اس عورت کو زوج ثانی کے جدا کر دینے کے بعد سے تین حیض آنا شرط ہے کمافی الشامی

تحت قول الدر (والمرأى) من الحيض (منهما) وهذا اذا كان بعد التفريق بينهما وبين الواطى الثانى اما اذا حاضت حيضة قبله فهي من عدة الاول خاصة وتسامه في البحر من الجوهره الى ان قال وفي البحر من الخانية واذا تمت عدة الاول حل للثاني ان يتزوجها لا لغيره ما لم تمت عدة الثاني بثلاث حيض من التفريق وهكذا في العالم كبرية الا انه لم يذكر حكم الحيض قبل التفريق والله اعلم بالصواب . احقر عبد الكريم عفاعنه ، ١٦ ربيع ٢ سنة ١٣٨٨ هـ .

الجواب صحيح ، خلاص احمد عفاعنه .

سوال (۱۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک اقرار نامہ کے خلاف ورزی کی صورت میں بیوی کے نکاح ثانی کی ایک صورت عورت اپنے خاوند سے ناراض ہو کر اپنے باپ کے گھر چلی گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد شوہر نے رضامندی کے ساتھ حسب ذیل اقرار نامہ تحریر کیا۔ اس میں مبلغ چھ روپیہ ماہوار دینے قرار پائے۔ جبکہ شوہر نے تقریباً آٹھ ماہ تک کچھ نہیں دیا تو زوجہ نے اس کے بعد اس اقرار نامہ کی رو سے اپنے آپ کو مطلقہ سمجھ کر شوہر مذکور کی زندگی میں دوسرا نکاح کر لیا اور کئی سال اس کے گھر میں رہی۔ مگر کسی نے زوج سے اس رقم کا مطالبہ بھی نہیں کیا جو اس نے اپنے ذمہ مقرر کر لی تھی لہذا یہ عقد جائز ہو یا نہیں۔

نقل اقرار نامہ

منکہ حفیظ ولد نبی بخش قوم شیخ ساکن گٹو مکٹیسر کاہوں۔ جو کہ نان نفقہ کے مبلغ چھ روپیہ ماہوار دینے قرار پاتے اس کے ادا کرنے میں مجھ کو کسی وقت کوئی عذر نہ ہوگا اور مبلغ دو روپیہ ماہوار بچوں کے کپڑوں وغیرہ کے صرف کے واسطے میں نے مقرر کر دئے ہیں۔ جو میں اس اقرار سے کسی قسم کا کوئی عذر کروں تو مع بی بی بچوں کے بالکل قطعی دست بردار ہوں گا۔ لہذا یہ چند کلمے بطریق اقرار نامہ کے لکھ دئے کہ سند ہوں اور بوقت ضرورت کام آویں فقط۔

تنقیہ :- اقرار نامہ میں جو یہ لکھا ہے کہ ”اس کے ادا کرنے میں مجھ کو کسی وقت کوئی عذر نہ ہوگا“ اس کے متعلق وہاں کے سمجھدار محاورہ شناس لوگوں سے دریافت کر کے لکھا جائے کہ وہاں کے لوگ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ میں خود رقم مقررہ دید یا کروں گا یا یہ مطلب ہے کہ جب مانگا کرے گی جب ادا کرنے میں عذر اور حیلہ بہانہ نہ کروں گا۔

جواب تنقیہ :- اس عبارت کا محاورہ میں یہ مطلب ہوتا ہے کہ بلا مطالبہ رقم معینہ ماہوار

ادا کرتا رہوں گا۔

الجواب : اگر جواب تنقیح کے موافق اس عبارت کا یہی مطلب متعین ہو کہ بلا مطالبہ ادا کرتا رہوں گا اور وہاں کے لوگوں کو سنکر اس کے خلاف کا شبہ نہ ہوتا ہو تو طلاق واقع ہو چکی ہے اور زوج ثانی کا نکاح صحیح ہو گیا بشرطیکہ عدت کے بعد ہوا ہو اور اگر اس عبارت میں یہ شبہ بھی ہوتا ہو کہ مطالبہ کرنے پر رقم معینہ ادا کروں گا تو طلاق واقع نہیں ہوئی اور نکاح باطل ہے کما ہوا لظاہر لیکن بہر حال زوج ثانی پر مہر واجب ہے صحت نکاح کی صورت میں تو مہر مقررہ اور فساد نکاح کی صورت میں مہر مثل اور مہر مقررہ دونوں میں سے جو کم ہو وہ واجب ہے کیونکہ مہبستری کے بعد نکاح فاسد میں بھی مہر واجب ہوتا ہے فی العالمگیریہ (ص ۲۶۰) وان کان قد دخل بها فلها الاقل مما سمي لها ومن مهر مثلها ان كان ثمة الم فقط والله اعلم۔ کتبہ الاحقر عبد الکرم غفر عنه ، مورخہ ۲ ربيع الثانی ۱۴۱۵ھ - (بمضمیمہ ص ۴۲)

فصل فی الاولیاء والاکناف

نا بالغہ کا نکاح چھاننے کر دیا اور ماں ناراض ہوئی | سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دختر زید نا بالغہ کا اس کا برادر حقیقی عمر و بعد وفات زید بلا رضا مندی زید جبراً نکاح اپنے فرزند سے کر دے اس نیت سے کہ دختر مذکور کی والدہ یا اس کا ماموں کہ جو بعد وفات زید اس کے ہر طرح کے خرچ و غیرہ کا کفیل ہو رہا ہے کسی دوسری جگہ کر دیوے درست ہے یا نہیں ؟ دختر مذکور مع اپنی والدہ کے جو قصبہ چھپو لی ضلع میرٹھ اپنے ماموں کے یہاں رہتی ہے کسی تقریب میں قصبہ شاملی گئی ہوئی تھی واپسی میں جس وقت گاڑی کیرانہ کے قریب آئی تو عمر و مذکور مع چند مردمان لٹھ بند ہو کر آیا اور لڑکی کو زوراً اتار کر اپنے مکان پر لے گیا اور اس کا نکاح اپنے لڑکے سے کر کے دختر مذکور کو چھپو لی اس کی والدہ کے پاس چھپو لی اس کے ماموں کے یہاں پہونچا دیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں۔

الجواب : صورت مذکورہ میں دختر زید نا بالغہ کا ولی شرعاً اس کا برادر حقیقی عمر و ہے دختر مذکور کی ماں یا اس کا ماموں ولی نہیں ہے لہذا عمر و نے جو نکاح اس دختر کا اپنے بیٹے سے کر دیا ہے وہ صحیح ہے بشرطیکہ نکاح خاندانی مہر پر ہوا ہو اور خاندانی مہر سے بہت زیادہ قلیل مہر پر نکاح نہ کیا ہو۔ قال فی الدس وان کان المذوج غیرہما ای غیر الاب و ابیہ لا یصح

النکاح من غیر کفو او بغین فاحش اصلاً وان کان بکفو و بمهر المثل صح
ولکن لهما ای الصغیر والصغیرۃ خیار الفسخ بالبلوغ والعلم بالنکاح
بعده ام ملخصاً (ص ۵۰۰ و ۵۰۱ ج ۱ مصری) واللہ اعلم . اربع الثانی سنہ

اگر ماں باپ کی رضامندی سے نکاح ہو | سوال (۲) اس مسئلہ میں علماء دین کیا فرماتے ہیں جبکہ
تو لڑکی کو خیار بلوغ نہیں ہے | ایک شخص نے اپنی نابالغ دختر کا نکاح ایک بالغ لڑکے سے کیا

اور اس لڑکی کا والد ہمیشہ شراب پیتا تھا نیز اس نے قبل از نکاح شراب پی ہوئی تھی اور بیہوشی کی
حالت میں تھا اس نے عین نکاح کے وقت بچہ اس شروع کر دیا تو اس کے قریبی رشتہ داروں نے
اس کو ایک مکان میں بند کر دیا لڑکی کی والدہ اور دادی اس جگہ موجود تھیں ان کی بھی نامرضی تھی
مگر بعد کچھ جدوجہد کے مشورہ کر کے لڑکے کی طرف سے ایک اقرار نامہ سرکاری کاغذ پر لکھوایا گیا
پیشتر نکاح پڑھنے کے کہ میں اپنی زوجہ کو اپنی تمام زندگی میں وداغ کر کر اپنے گھر نہ لے جاؤں گا ہمیشہ
اپنی بود و باش اپنے سسرال کے گھر رکھوں گا اور پانچ سو روپیہ بابت مہر موحل عند الطلب ادا کروں گا
نیز اگر میں اپنے شہر سے باہر کسی اور شہر یا ملک میں برائے روزگار چلا جاؤں تو پانچ سو روپیہ مہر اور خرچ نان
پارچہ ادا کرتا رہوں گا بعد نشاء کرنے کے اس کاغذ اقرار نامہ سے لڑکی کے والد کی تسلی کر دی گئی اور کاغذ
دیدیا گیا یعنی لڑکی کے والد کو ، اب اس نکاح کو عرصہ چھ سال کا گزر گیا اور لڑکی اب بالغ ہو گئی ہے
اس عرصہ میں اس کا شوہر نہ اپنی زوجہ کو اپنے گھر لے گیا اور نہ بموجب اقرار نامہ اپنی سسرال میں آکر رہا
اور نہ کوئی خرچ نان پارچہ ادا کیا اب لڑکی اپنے بالغ ہونے پر بموجب شرع محمدی بذریعہ فقہ امام صاحب
اس نکاح کو فسخ کر کے اپنی مرضی سے اور کسی دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب : خیار بلوغ اس وقت ہوتا ہے جبکہ باپ اور دادا کے سوا کوئی اور ولی نکاح

نابالغہ کرے اور صورت مذکورہ میں یہ نکاح باپ کی اجازت سے ہوا ہے کیونکہ بعد نکاح کے اس
پر راضی رہا اس لئے صورت موجودہ میں لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہیں ، واللہ اعلم ۔ ۱۸ رجب سنہ ۱۳۴۴ھ

ولی اقرب کے ہوتے ہوئے اگر ولی بعد | سوال (۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین

نابالغہ کا نکاح پڑھائے اور ولی اقرب | مندرجہ ذیل مسائل میں :

سکوت اختیار کرے تو کیا حکم ہے | مسماۃ ہندہ یتیمہ نابالغہ کے دو حقیقی چچا عمر و بکر اور ایک حقیقی

چچا زاد بھائی زید جو ہندہ کا بہنوئی بھی ہے موجود ہیں زید نے اپنی حقیقی چچیری بہن مسماۃ ہندہ کا اپنی

ولایت سے خالد کے ساتھ نکاح پڑھا دیا چونکہ عمر و بکر دونوں چچا اپنی پسند کردہ لڑکوں سے ہندہ کا

نکاح کرنا چاہتے تھے شریک مجلس نکاح نہ ہوئے نہ مجلس نکاح میں نکاح کے وقت خالد کے ساتھ نکاح پڑھانے سے انکار کیا اور نہ ان کے پاس جا کر ہندہ کے نکاح مذکورہ کی اجازت حاصل کی گئی لیکن اب کچھ عرصہ کے بعد یہ کہتے پھرتے ہیں کہ ہندہ کا نکاح ہی نہیں ہوا۔ مندرجہ ذیل سوالات کی ضرورت ہے

(۱) حقیقی چچا کی موجودگی میں حقیقی چچا زاد بھائی کی ولایت معتبر ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں، جائز و ناجائز کی وجہ کیا ہے؟

(۳) کیا زید کا حقیقی بہنوئی اور حقیقی چچا زاد بھائی ہونا ہندہ کے معاملہ نکاح میں اس کی ولایت کو چچاؤں کی ولایت پر ترجیح دیتا ہے؟

(۴) اگر نکاح جائز ہو گیا تو کیا اب حقیقی چچاؤں کے انکار سے وہ فسخ ہو گیا؟

استفسار از مجیب بر (۱) کیا اب بھی ہندہ نابالغ ہی ہے؟ (۲) جب اس نکاح کی خبر عمر و بکر کو پہنچی انہوں نے سکوت کیا یا کچھ کہا اگر کہا تو کیا کہا یا خبر پہنچنے کے وقت سکوت اور کچھ کہا؟

جواب از سائل بر (۱) ہندہ اب بھی نابالغ ہی ہے (۲) جب اس نکاح کی خبر عمر و بکر کو پہنچی تو انہوں نے سکوت کیا چنانچہ ہندہ نکاح کے بعد کچھ عرصہ اپنے خاوند کے مکان پر رہ بھی گئی ہے۔ اب اہل محلہ کے کہنے سُننے سے عمر و بکر نے ایسا کہنا شروع کیا۔

الجواب؛ قال فی الخلاصة فی بیان ترتیب الاولیاء ثم العم لاب و أم ثم لاب ثم بنوهم علی هذا الترتیب ام ص ۱۸ ج ۲ ، وفی الدر فلوزوج الا بعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته۔ قال الشامی تقدم ان البالغة لوزوجت نفسها غیر کفو فللولی الاعتراض مالم یضصر یحیا ودلالة کقبض المهر ونحوه فلم یجعلوا سکوته اجازة والظاهر ان سکوته هنا کذا فلا یكون سکوته اجازة لنکاح الا بعد وان کان حاضرا فی مجلس العقد مالم یضصر یحیا ودلالة تأمل ام ص ۵۱۶ ج ۲۔ صورت سؤلہ میں حقیقی چچا کی موجودگی میں حقیقی چچا زاد بھائی ولی نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ بہنوئی بھی ہو پس ہندہ کا نکاح چونکہ بلا اجازت ولی اقرب کے ہوا تھا وہ اولاً موقوف تھا اگر ولی اقرب اس کو جائز کر دیتا جائز ہو جاتا اور اس کا سکوت اجازت نہیں اب چونکہ ولی نے اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کر دی اور اس سے پہلے کوئی قول فعل دال بر اجازت اس سے صادر نہیں ہوا بجز سکوت کے اس لئے ہندہ کا نکاح خالد سے باطل ہو گیا، واللہ اعلم۔

۸ شعبان ۱۴۳۸ھ

سوال (۴) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ
 احکام کفایت اور اس بات کا بیان کہ
 نسب مرد میں معتبر ہے نہ کہ عورت میں
 (۱) کفایت نسب شرعاً کن کن امور میں قابل اعتبار ہے ؟
 (۲) ایک شخص زید نے ایک عورت نو مسلمہ سے جس کا باپ مشرک ہے نکاح کیا اس کی اولاد ہوئی
 وہ اولاد اور ایک شخص والدین کی جانب سے صدیقی ہے ان میں کون از روئے نسب افضل ہے اور
 ایک شخص سید ہو کہ جس کی ماں نو مسلمہ ہو تو اس کی لڑکی کا کفو عربی النسل غیر قریشی ہو سکتا ہے یا
 نہیں اور قریشی اس کا کفو ہے یا نہیں ؟

(۳) جس جگہ عربی النسل غیر قریشی باعزت سمجھا جاتا ہے اس جگہ وہ شخص کہ جس کی ماں مشرکہ ہو
 بعد میں مسلمان ہو گئی اور باپ سید ہے باعزت از روئے نسب ہے یا نہیں ؟
 (۴) ایک شخص کہ جس کے والدین سید ہیں اور ایک شخص کہ باپ سید ہے وہ اس کا کفو ہو سکتا ہے
 یا نہیں مع حوالہ کتب تحریر فرمایا جائے ؟ بینوا توجسوا ۔

الجواب : (۱) کفایت نسب اسلام و حریت و دیانت و مال و حرقت میں معتبر ہے ۔
 (۲) نسب کا اعتبار مرد سے ہوتا ہے نہ کہ عورت سے اگر عورت عجمی ہو اور باپ عربی ہو تو اولاد
 عربی صاحب نسب ہوگی اور کفایت میں وہ ان لوگوں کے برابر ہے جن کے ماں باپ دونوں
 عربی النسل ہیں ۔ قال العلامة عبد الحی فی فتاواہ ناقلًا عن شرح الغریب الولد
 یتبع الاب فی النسب لانه للتعریف والام لا تشتملہم و نقل عن البحر حتی لو
 تزوج ہاشمی امۃ انسان فأت بولد فہو ہاشمی تبعاً لابیہ مدقیق
 تبعاً لامہ کما فی فتم القدیسی ۔ وعن حاشیة الدرر للطحطاوی قولہ ولا
 فی نسب ای لا یتبع امہ فی نسب ہذا نص صریح فی ان ابن الشریفۃ لیس
 بشریف وان کان لہ شرف ، حموی اھ ص ۲۹۳ ج ۲ ۔ وعن رد المحتار
 لابن عابدین من کان امہا علویۃ وابوہ عجمی یکون المعجمی کفوالہا
 وان کان لہا شرف ما لان النسب للاباء ولذا جاز دفع الزکوۃ الیہا ۔
 فلا یعتبر التفاوت بینہما من جهة شرف الام ولما ر من صرح بہذا
 و اللہ اعلم اھ ص ۵۲۳ ج ۲ ۔ وفيہ ایضاً الکفاءة معتبرۃ من جانبہ
 ای الرجل لان الشریفۃ تالی ان تكون فراشاً للادنی ولذا لا تعتبر من
 جانبہا لان الزوج مستقرش فلا تغیظہ ذناء الفراش و ہذا عند الكل

فی الصحيح ۱ھ ص ۵۲۰ ج ۲۔ پس جس صدیقی کی ماں نو مسلمہ ہے وہ اس صدیقی کا کفو ہے جس کے ماں باپ دونوں صدیقی ہیں گو اس کو فی الجملہ ایک شرف حاصل ہے مگر کفارت میں اس کا اعتبار نہیں۔ اور وہ سید جس کی ماں نو مسلمہ ہے نسباً سید ہے اور اس کی اولاد بھی سید ہے لہذا اس کی بیٹی کا کفو عربی النسل غیر قریشی نہیں ہو سکتا۔ ہاں قریشی اس کا کفو ہو سکتا ہے۔ (۳) بعض مشائخ کے نزدیک حبیب معزز نسب کا کفو ہے۔ مگر یہ قول ضعیف ہے صحیح یہ ہے کہ حبیب نسب کا کفو نہیں قالوا الحبيب كفؤ للنسب حتی ان الفقہاء كفؤا للعلویة ذکر فی قاضی خان والعتابی فی جوامع الفقہ وفي الینایع العالم کفو للعربیہ والعلویة والاصح انه لا يكون كفؤا للعلویة کذا فی غایۃ السوجی ۱ھ (ص ۱۵ ج ۲) عالمگیریہ۔ پس وہ سیدہ جس کی ماں نو مسلمہ ہے اس کا کفو عربی النسل غیر قریشی نہیں ہے گو معزز کیسا ہی ہو۔

(۴) ہاں کفو ہے۔ واللہ اعلم، حرر الاجوبۃ کلہا الا تفرطرا احمد غنی عنہ بامر سیدہ حکیم اللامۃ دام مجہم۔

۲۹، ذی القعدہ ۱۳۲۱ھ۔

سوال (۵) جس ملک میں عورت سیدہ کے نکاح کرنے سے ساتھ جس جگہ سیدہ کا نکاح غیر سیدہ کے ساتھ عار سمجھا جاتا ہو وہاں سیدہ اور غیر سیدہ میں کفارت کا نہونا

کو مثل ماں بہن پھوپھی وغیرہ محرمات ابدیہ کے خیال کرتے ہیں ابتداء پریدہ اش سے تا حال اس جگہ سیدہ کا نکاح کسی غیر شخص سے نہ کیا اور نہ کرنے کا ائندہ ارادہ، ایسے حالت میں فقریش بعضہم الکفاء بعض پر عمل کر کے فتویٰ جواز نکاح سیدہ با غیر سیدہ دیکر اس کو قتل کرایا جائے یا کہ بنا بر قول محمدؐ بعد عبارت مذکورہ الا ان یكون نسباً مشهوراً کا اہل بیت الخلافۃ جس پر علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں حتی لا یکا فؤا اہل بیت الخلافۃ غیرہم من القرشیین ہذا ان قصد بہ عدم الکافۃ لا ان قصد بہ تسکین الفتنة اور ایک حدیث کی تحقیق کر کے فرماتے ہیں فیدور الحکم مع العرب حتی یكون الحائک کفو للعطار بالاسکندیۃ لما هناك من حسن اعتبارها وعدم عدها نقصاً غرض بنا پر عرف الناس کا فتنہ واثار فتنہ عدم جواز کا حکم ہوگا یا نہ؟ اور پھر اسے باب الکفو میں فرماتے ہیں وبالجملة فلا حدیث اصل فاذا ثبت فیمن تفصیلہا بالنظر الی عرفہ الناس فیما یحقر نہ

ويعيرون به جس سے صاف ظاہر ہے کہ ایسے ملک میں سیدہ کا نکاح ساتھ غیر سید کے نہ ہونا چاہیے
بینوا تو جروا۔

الجواب؛ قال في الهداية ولا يعتبر التفاضل فيما بين قریش لما روينا
وعن محمد كذا الا ان يكون نسباً مشهوراً كاهل بيت الخلافة كانه قال
تعظيماً للخلافة وتسكيناً للفتنة اه قال في العناية يعني قال محمد لا
يعتبر التفاضل فيما بين قریش الا ان يكون النسب مشهوراً في الحرمة كاهل
بيت الخلافة فحينئذ يعتبر التفاضل حتى لو تزوجت قرشية من اولاد
الخلفاء قرشياً ليس من اولادهم كان لإولياء حق الاعتراض قال المصنف
كانه يعني محمداً قال ذلك تعظيماً للخلافة وتسكيناً للفتنة لا لانعدام
اصل الكفاءة اه وفي فتح القدير حكى قول الشافعي ان الهاشمي
والمطلبى أكفاء دون غيرهم بالنسبة اليهم اه (ص ۱۹ ج ۳)۔ جس ملک میں سیدہ کا
نکاح غیر سید قرشی سے کیا جانا موجب عار شدید ہو جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے وہاں قول محمدؐ
کے موافق تسکین قتنہ کے لئے یہ فتویٰ دیدینا جائز ہے کہ قرشی غیر سید سیدہ کا کفو نہیں جس کی تائید
امام شافعی کے قول سے بھی ہوتی ہے، واللہ اعلم۔ ۵/ ذی الحجہ ۱۲۲۳ھ۔

سوال (۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ زید جس کا
دماغ خراب تھا اور ایک عرصہ تک مجنونانہ حالت میں رہا تھا اور اس کے اقربا نے ایک شخص مسمیٰ
بکر کو دھوکہ دیکر کلب اس کی حالت درست ہو گئی ہے زید کا نکاح ہمراہ دختر بکر کے پڑھوادیانکاح
کے وقت لڑکی و لڑکا ہر دو بالغ تھے مجلس نکاح میں ایجاب و قبول زید کے ساتھ ہوا تھا مجلس نکاح
میں جس وقت زید کو لایا گیا اس کے چہرہ سے آثار جنون ضرور نمایاں تھے لیکن زید کے اقربا نے بکر کو
لفظوں سے ایسا اطمینان کیا کہ اس نے یعنی بکر نے اپنی دختر کنواری ہندہ بالغہ کا نکاح اپنے ولایت
سے پڑھوادیان لیکن لڑکی سے ایجاب قبول نہیں کرایا اور نہ حسب رواج اس وقت ہندہ کو رخصت
کر کے زید کے گھر بھیجا گیا یہ قرار پایا تھا کہ ایک ہفتہ میں انتظام کر کے رخصتی ہو جائے گی لیکن زید نے ہفتہ
مبھی نہ سونے دیا دو تین یوم بعد بلا اطلاع کسی طرف کو چلا گیا جس کو عرصہ تین سال سے زائد ہو گیا ہے
مسماۃ ہندہ بدستور اپنے والدین کے گھر میں ہے اور تین سال سے زید کی اطلاع کبھی کہیں کبھی کہیں سے
معلوم ہو جاتی ہے کہ فلان مقام پر دیکھا گیا ہے ایسی حالت میں یہ نکاح جو ایک دھوکہ دہوکہ کا ہے۔

بروئے شریعت جائز ہے یا ناجائز رہا؟ جو کچھ الفاظ تحریر کئے گئے ہیں سر موقوف نہیں حلفیہ صدق دل سے بلا در رعایت بخوف خداوند عالم و حضور سرور کائنات تحریر کئے گئے ہیں۔

تنقیح :- (۱) لڑکی سے جو ایجاب قبول نکرا نا لکھا ہے اس کا کیا مطلب ہے آیا زبان سے نہیں کہلایا یا اذن بھی نہیں لیا اگر اذن لیا گیا تو وہ خاموش ہوئی یا کچھ کہا اور اگر نکاح کے وقت اذن نہیں لیا تو بعد نکاح کے جب اس کو اطلاع ہوئی تو کیا کہا اور اطلاع کس کے ذریعہ سے ہوئی؟ (۲) ایسا ہی سوال شاکر الدین صاحب محلہ انصاریاں نے بھیجا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ اب وہ مجنونانہ حالت میں کبھی کبھی نہیں دیکھا جاتا ہے اس میں اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا اگر یہ صحیح ہے تو اس حالت کو بیان کرنے والے عادل ہیں یا نہیں؟

(۳) نیز یہ بھی لکھا جاوے کہ زید کا جنون مطبق ہے جو سال بھر یا سال کے اکثر حصہ میں رہتا تھا یا غیر مطبق ہے جو سال کے کم حصہ میں رہتا تھا اور زیادہ حصہ سال کا افاقہ میں گذرتا تھا ان سوالات کا جواب دیا جائے اور جواب کے ساتھ یہ پرچہ ضرور واپس کیا جائے پہلے پرچہ کے واپس نہ کرنے کی وجہ سے دوبارہ تنقیح کی ضرورت ہوگی۔

جواب تنقیحات :- (۱) یہ کہ لڑکی سے نہ اذن لیا گیا نہ ایجاب قبول کرایا گیا بلکہ اس کی بلا رضا والدین نے اس کا نکاح بزعم ولایت پڑھوا دیا بعد نکاح جب اس کو اطلاع نکاح کی ہوئی تو اس نے ناراضی ظاہر کی اور یہ بھی کہا کہ میرے باپ نے مجھ کو کیوں ڈبویا لیکن شرم و لحاظ کی وجہ سے والدین کے سامنے کچھ نہیں کہہ سکتی۔

(۲) سوال شاکر الدین اسی کے متعلق تھا زیدی مجنونانہ حالت کی خبر اکثر بذریعہ مسلمان و معتبر اشخاص سے معلوم ہوئی ہے جس کو جھوٹا باور کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوئی۔

(۳) زید کا جنون مطبق ہے سال کا زیادہ حصہ جنون میں گذرتا ہے اور تھوڑا حصہ سکون میں اور جنون کی یہ حالت ہے کہ یا تو ہر وقت بولتا رہتا ہے یا ایسا خاموش ہو جاتا ہے کہ ہفتوں بالکل چپ رہتا ہے لہذا التماس ہے کہ جواب باصواب سے مطلع فرمایا جائے؟

الجواب، واللہ الموفق بالصواب، صورت مسئلہ میں ہنرہ کا نکاح زید کے ساتھ بوجہ عدم کفارت کے اور اولیاء زید کے دھوکہ دینے کے صحیح نہیں ہوا قال فی الدرر لکن فی النہی عن المرغینانی المجنون لیس بکفو للعاقلة اہ قال الشامی نقلًا عن النہی لا نہ یفوت مقاصد النکاح فکان اشد من الفقر ودناءة الحرفة وینبغی اعتمادہ

لان الناس يعيرون بتزويج المجنون أكثر من ذى الحرفة الدنيئة اه (ص ٥٣١)
 وفيه أيضاً الكفاءة معتبرة في ابتداء النكاح للنزوم او لصحته من جانبه اى
 الرجل لان الشريعة تأبى ان تكون فراشاً للذنى اه قال الشامى معناه معتبرة في
 النزوم على الاولياء حتى ان عند عد مهاجراز للولى الفسخ اه فتم وهذا بناء
 على ظاهر الرأية من ان العقد صحيح وللولى اعراض اما على رواية الحسن
 المختارة للفتوى من انه لا يصح معتبرة في الصحة وكذا لو كانت الزوجية
 صغيرة والعاقدة غير الاب والجد فقد مر ان العقد لا يصح اه (ص ١٢٥٩)
 وفي الدر أيضاً ويفتى في غير الكفو بعدم جواز اصله وهو المختار للفتوى لفساد
 النيمان فلا تحل مطلقة ثلاثاً نكحت غير كفو بلا رضى ولى بعد معرفته اياه
 فليحفظ اه قال الشامى قال شمس الاثمة وهذا اقرب الى الاحتياط
 كذا في تصحيح العلامة قاسم لانه ليس كل ولى يحسن المرافعة والخصومة
 ولا كل قاض يعدل ولو احسن الولى وعدل القاضى فقد يترك انفة للتردد
 على ابواب الحكام واستثقال النفس الخصومات فيتقرر الضرر فكان منعه
 دفعاً له فتم قال وقوله نكحت لغت لمطلقة وقوله بلا رضى متعلق بنكحت
 وقوله بعد ظرف للرضى والضمير في معرفته للولى وفي اياه لغير الكفو وقوله
 بلا رضى نفى منصب على المقيد الذى هو رضى الولى والقيد الذى هو بعد
 معرفته اياه . فيصدق ببنى الرضى بعد المعرفة وبعد ما وبوجود الرضى مع
 عدم المعرفة في هذه الصور الثلاثة لا تحل وانما تحل في الصورة
 الرابعة وهى رضى الولى بغير الكفو مع علمه بانه كذلك اه (ص ١٢٦٤)
 قلت والمسئلة وان كانت مفروضة فيما اذا نكحت المرأة عاقداً بنفسها
 ولكن لا فرق بين مباشرة الولى العقد وكونه عاقداً وبين مباشرة
 المرأة بضى الولى وكونها عاقدة فكما لم يصح النكاح في الثانى بدون
 معرفة الولى بالكفاءة فكذا اذا باشر الولى بنفسه العقد ولم يعلم
 بها ودعوى الفرق بينهما لا يتأتى الا بالفارق المعتبر فان الولى في نكاح
 البالغة ليس الا سفيراً محضاً وانما يشترط وجوده حال عدم الكفاءة

لحصول اذنه ورضاه فقط ومباشرة العقد ومباشرة المرأة له برضاه
في ذلك سواء كان حكمهما واحداً فما ذكر في بعض العبارات الفقهية ان
الولي لو زوجها برضاه ولم يعلم بعدم الكفاءة ثم علم لا خيار لأحد
الا اذا شرط الكفاءة او اخبروا بها وقت العقد فتزوجها على ذلك ثم ظهر
انه غير كفؤ كان له الخيار ولو ألجيت المشعر بصحة النكاح وثبت الخيار
للولي مبنی علی ظاہر الرأیة دون رواية الحسن المختارة للفتوى .

خلاصہ یہ ہے کہ درمختار میں جو بالغہ مطلقہ ثلثہ کے نکاح کو غیر کفو کے ساتھ بلا رضائے ولی کے
نا جائز کہا ہے شامی نے اس کی چار صورتیں کی ہیں (۱) ولی کو اس شخص کا غیر کفو ہونا معلوم ہوا و ولی
راضی نہ ہو (۲) ولی راضی بھی نہیں اور اس کو عدم کفارت کا علم بھی نہیں (۳) ولی راضی ہے مگر عدم
کفارت کا اس کو علم نہیں۔ ان تین صورتوں میں روایت حسن پر نکاح صحیح نہیں ہوتا صرف ایک
صورت میں جائز ہے کہ ولی کو عدم کفارت کا علم ہو اور اس پر وہ راضی ہو، میں کہتا ہوں کہ عورت کا
خود بذاتہا نکاح کرنا اور ولی کا عدم کفارت نا واقف ہو کہ اس عقد پر راضی ہونا اور ولی کا عاقد نکاح ہونا
اور عدم کفارت سے نا واقف ہو کر راضی ہونا ان دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ اس لئے جب کفارت
میں دھوکہ دیا جائے گا تو جو حکم خود عورت کے نکاح کرنے کا ہے وہی حکم ولی کے نکاح کرنے کا ہونا
چاہئے اور جیسا کہ شق اول میں رضا ولی مع عدم معرفتہ بالکفارت صحت نکاح کو کافی نہیں ایسا ہی
ولی کے عاقد ہونے میں بھی اس کی رضا مع عدم المعرفة کافی نہیں۔

وايضاً فان المرأة في صورة السؤال بالغة وليس للولي ولاية الاجبار عليها
بل يجب لصحة النكاح اذنها صالحة في غير الكفو ويكفي سكوتها رضا في الكفو
ههنا لم يوجد منها ما يدل على رضاها واذنها بل اظهرت عدم الرضا لما بلغها
الخبر فلم يصح النكاح لهذا الوجه ايضا قال في الدر ولا تجبر البالغة البكر
على النكاح فان استأذنها هو اى الولي وهو السنة او وكيله او رسوله او زوجها
وليها واخبرها رسولها او فضولي عدل فسكتت او ضحكت غير مستهزئة او بكت
بلا صوت فلو بصوت لم يكن اذناً فهو اذن ام قال الشامي واختلف فيما اذا زوجها
غير كفؤ فبلغها فسكتت فقال لا يكون رضا وقيل في قول ابى حنيفة يكون رضا
ان كان المزوج اباً او جداً وان كان غيرهما فلا كفا في الخانية اخذ من

مسألة الصغيرة المزدوجة من غير كفؤاھ قال فی النہر وجزم فی الدرأیة بالاول بلفظ قالواھ (ص ۲۷۹ ج ۲) قلت وظاہراً كون المسئلة اتفاقية ومن ذكر فيه خلاف ابی حنیفة لیس عندہ رواية عنه وانما اخذہ من مسألة الصغير ولذا ذكرہ الشامی بلفظ قیل الدال علی تضعیفہ والله اعلم۔

پس ہندہ صورت مستولہ میں بدون طلاق وعدت کے کسی اپنے ہم کفو سے دوسرا نکاح کر سکتی ہو کیونکہ زید سے اس کا نکاح صحیح ہی نہیں ہوا اس لئے کہ ولی کو خود کفارت کا یعنی زید کے عاقل ہونے کا علم نہ تھا اور اس کو دھوکہ دیا گیا اور لڑکی نے بھی یعنی ہندہ نے خبر نکاح مسکرا کر اجازت نہیں دی حالانکہ اس صورت میں صریح اذن کی ضرورت تھی محض سکوت کافی نہ تھا، واللہ اعلم۔

۶ صفر ۱۲۵۰ھ۔

مسلمان کنندہ کے ولایت سے | سوال (۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین مندرجہ ذیل نابالغہ نو مسلمہ کے نکاح کا حکم مسئلہ میں کہ :-

مسماة عید یا جس کی عمر اس وقت میں ۱۱ سال کی ہے چھار کی لڑکی تھی۔ اس کی ماں مسماة جہنگویا نے بلا معاوضہ مسماة نصیباً کو (جو پیشتر قوم کی ڈھیر تھی اور قریب ۱۵ سال ہوئے کہ مسلمان ہو گئی تھی) جیکہ مسماة عید یا ۴ ماہ کی تھی نصیباً کو دے دیا مسماة نصیباً نے ۴ ماہ کی عمر مسماة عید یا لڑکی کو مسلمان کرایا اب مسماة عید یا ۱۱ سال کی ہے ۹ سال کی عمر میں نکاح برضا مندی اپنے شوہر مسمی کریم کی اجازت سے زید کے نکاح میں دے دی گئی تو ایسی حالت میں نکاح جائز ہے یا نہیں یا پھر دوبارہ مسلمان ہو کر نکاح ہونا چاہیے؟ بینوا تو جس وا۔

تنقیح :- (۱) یہ نکاح مسماة عید یا کے مسلمان ہونے کے بعد ہوا یا مسلمان ہونے

سے پہلے؟

(۲) اس وقت مسماة عید یا بالغ تھی یا نابالغ؟ کیونکہ بعض لڑکیاں نو سال کی عمر میں بھی بالغ ہو جاتی ہیں جس کی علامت حیض کا آنا ہے۔

(۳) اگر مسماة عید یا نکاح کے وقت بالغ تھی تو اس نے اپنی زبان سے نکاح کی اجازت دی تھی یا نہیں؟ ان تنقیحات کے جواب کے بعد حکم نکاح بتلایا جائے گا اور طلاق کا حکم بھی صحت نکاح پر موقوف ہے اس کا حکم بھی بعد جواب تنقیحات بتلایا جائے گا جواب کے ساتھ یہ دونوں پرچے بھی بجنسہ واپس ہوں فقط۔

۳۰ محرم ۱۲۵۰ھ۔

جواب تنقیحات : (۱) مسماۃ عید یا ۴ ماہ کی عمر میں مسلمان ہوئی تھی۔ اور اسی مسلمان کی حالت میں جب عمر ۹ سال ہوئی تو نکاح کیا گیا۔
(۲) مسماۃ عید یا اُس وقت میں نابالغ تھی۔ کوئی علامت سن بلوغ کی نہیں تھی (یعنی نکاح کے وقت وہ بالغ نہ تھی۔

(۳) مسماۃ عید یا اس وقت میں یعنی نکاح کے وقت نابالغ تھی۔ اگر بالغ ہوتی تو اجازت دیتی۔ نابالغی کی صورت میں تعلقات زوجین اور زنا شونی کے معاملات سے قطعاً ناواقف تھی۔ اجازت دینا کیا۔

الجواب : مسماۃ عید یا کا نکاح جو بحالت نابالغی مسمیٰ زید سے ہوا تھا وہ نکاح شرعاً درست نہیں ہوا کیونکہ اس وقت مسماۃ عید یا نابالغ تھی اور مسماۃ نصیب یا اس کا شوہر کریم بخش شرعاً اُس کے ولی نہیں تھے تو یہ نکاح صغیرہ بدون ولی ہوا۔ اور نکاح صغیرہ بدون ولی کے باطل ہے لہذا یہ نکاح باطل ہوا اور جب تک مسماۃ عید یا بالغ نہ ہو جائے اُس وقت تک اُس کا نکاح کسی کی ولایت سے نہیں ہو سکتا الا بولاية القاضي والی ہونی بلادنا قال فی الدس لا ینعقد للملک علیہ نکاح و بیع و کذا اجازۃ فی الاصح لان الولاية علیہ فی مالہ و نفسہ للسلطان لحدیث السلطان ولی من لا ولی لہ اہ قال الشامی قولہ ولا ینفذ علیہ نکاح لانه یعتمد الولاية من القراۃ بالملک والسلطنة ولا وجود لواحد منها نہر (ص ۲۹۰ ج ۳) بعد بلوغ کے مسماۃ عید یا کی صریح رضا و صریح اجازت سے اس کا نکاح دوبارہ کیا جائے خواہ مسمیٰ زید ہی سے یا جس کے ساتھ مسماۃ مذکورہ راضی ہو اور بلوغ کے بعد بھی اس کا سکوت قبل نکاح اذن نہ ہوگا، واللہ اعلم۔ ۲ صفر ۱۳۵۵ھ۔

سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کے فریب میں اگر اپنی لڑکی ہندہ (چھ ماہ سالہ) کا نکاح بکر کے لڑکے عمر کے ساتھ ہونا منظور کیا اور بکر نے فوراً اپنے ہی مکان پر زید کی موجودگی میں نکاح براہ چالائی کر دیا۔ زید کی لڑکی کو قطعی خبر نہیں وہ اپنے میکہ میں یعنی دوسرے گاؤں میں تھی ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ کا دن گندہ شب میں یہ واقعہ ہوا ۱۲ ربیع الثانی کو جب زید اپنے مکان پر واپس گیا تو لڑکی کو اس نکاح سے منکر اور غیر رضا مند پایا اور اپنے جملہ اہل قرابت کے سامنے ملامت ہوا کیونکہ وہ جو بات مختلف یہ نکاح ناموزوں اور زید کو دھوکہ میں لاکر ہوا تھا زید

اگ لیشمان ہندہ علیحدہ نالاں اس سال میں ۱۲ تاریخ کا دن گذر گیا ۱۳ تاریخ کو بکر کے گائوں کا ایک شخص مل گیا جس سے بکر کے پاس زید کی جانب پر یہ پیام بھیجا گیا کہ ہندہ کو اس نکاح سے جس میں اس کے باپ زید کو مغالطہ دیکر رضا حاصل کی گئی سخت اختلاف اور قطعی انکار ہے اور وہ اس غم میں بیہوش ہے لہذا بکر اس نکاح کو فسخ و باطل متصور کر کے زید اور ہندہ کی جان چھوڑ دے کوئی فتنہ قائم نہ کرے بکر اور اس کا لڑکا اس نکاح کو جائز اور اٹل ہونے کے بیان کے ساتھ مصر ہے کہ ہندہ کی شادی اب دوسری نہیں ہو سکتی ازدواج مکر شرعاً اور قانوناً نادرست ہے۔ ہندہ نے نکاح کی نبر پانے کے چودھویں یا پندرہویں روز اپنی جانب سے ایک نوٹس بنام بکر دین بکر بذریعہ ڈاک بھیجا کہ باپ ہمارا کم عقل ہے، تم لوگوں کے فریب میں آگیا میں شرعاً بالغ ہوں (لڑکی کی عمر نکاح کے روز تک پورے ۱۴ سال کی تھی) اس لئے بذریعہ نوٹس ہذا نکاح کی منظوری سے قطعی انکار کرتی ہوں آئندہ اس کا خیال ہرگز نہ کیا جائے پس بلحاظ حالات مذکورہ نکاح مذکورہ جائز ہے یا ناجائز اور ہندہ اپنا نکاح اپنی رضا سے کسی دوسرے شخص سے شرعاً کر سکتی ہے یا نہیں؟ بیٹو اتوجروا۔

تنقید :- ہندہ کی عمر جب نکاح کے وقت پوری چودہ سال کی تھی اور اس حالت میں وہ دعویٰ بلوغ کا کرتی تھی تو اس سے دریافت کیا جائے کہ اس وقت اس میں کنسی علامت بلوغ کی پائی گئی تھی اور یہ سوال اس طرح کیا جائے کہ کوئی عورت اس کو جواب سمجھانے نہ پائے۔

(۲) کیا ہندہ نے اس نکاح کی خبر سنکر اسی مجلس میں نکاح سے انکار کیا جس مجلس میں اس کو خبر پہونچی تھی یا اس مجلس میں سکوت کیا اور دوسری مجلس میں انکار کیا صاف لکھا جائے۔

(۳) بکر نے زید کو کیا فریب دیا اس فریب کی تشریح کی جائے اور زید بکر کے فریب میں کیوں آیا اس کو بھی واضح کیا جائے اس کے بعد جواب دیا جائے گا یہ پرچہ بھی جواب تنقیح کے ساتھ واپس ہو فقط۔

۲۸ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ -

جواب تنقید :- عرض یہ ہے کہ لڑکی کے باپ نے کنبہ کی دو خاص عورتوں کو لڑکی کے پاس بھیج کر دریافت کیا کہ نکاح کے روز تک کن علامات کی بنا پر اس نے اپنے کو بالغ سمجھا لڑکی نے جواب دیا کہ جو علامات بلوغ دنیا میں مسلمہ ہیں مجھ میں موجود ہیں چونکہ باپ بھی قریب سامنے موجود تھا لڑکی نے کہا کہ آپ کیوں نہیں لکھ دیتے کہ (لڑکی بلاشبہ ظہور علامات بلوغ بالغہ تھی) اس سے زیادہ کن لفظوں میں میں کہوں۔ کیا شرم و حیا کوئی چیز نہیں۔ عورتوں نے باپ کی ملامت کی اور کہا کہ بات تو صاف ہو گئی اب کیا صراحت چاہتے ہو وہ خاموش ہو گیا۔

(۲) نکاح کی خبر اندازاً آدھی رات کے وقت لڑکی کو ملی تو اس نے اظہار نفرت اور الفاظ انکار رونے اور بین کے ساتھ ظاہر کئے اور فرط غم میں بیہوش ہو گئی لڑکی کی ماں لڑکی کی ہنجیال اور گھر میں شریک حال تھی اس بنا پر اسی مجلس میں انکار سمجھنا چاہئے۔

(۳) بکرنے زید کو یہ فریب دیا کہ کفو اور طبقہ بندی اور رسم و رواج کے لحاظ سے وہ زید کے خاندان میں نہ کبھی شادی کر سکا تھا نہ بجاالت اعلان شادی اب بھی ممکن تھی زید کے کنبہ کے لوگ بکر کے خاندانی حالت کو مختلف اعتبار سے بہتر نہیں سمجھتے علاوہ ازیں بکر از قوم ملک و زید از قوم شیخ فاروقی ہے دونوں میں باعتبار مختلف فرق امتیازی ہے بکرنے زید کو فریب اور مخالطہ دیکر ہوں ہاں کہلو الیا اگر یہ طریقہ مخالطہ آمیز بکر نہ اختیار کرتا تو بالا اعلان مناکحت ناممکن تھی اور زید کے بھائی بند اہل کنبہ و زید کی بیوی و لڑکی کبھی اس عقد ناموزوں کو نہ گوارا کرتے نہ کیا۔ زید بکر کے فریب میں یوں آیا کہ اس کے دروازہ پر لڑکا پڑھانے کے سلسلہ میں مقیم تھا اور بوجہ غربت یکام اختیار کیا تھا اور چونکہ قدرۃ و خلقة زید نہایت کم عقل اور سادہ لوح ہے اس وجہ سے فریب میں آگیا۔ تنقیحوں کے جوابات بالتفصیل لکھ دئے گئے اب جواب باصواب سے ممنون فرمایا جائے فقط والسلام۔

الجواب؛ قال فی الدر: رادلی مدّة له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنين هو المختار كما هو في احكام الصغار فان راها قايان بلغا هذا السن فقالا بلغنا صدقانا لم يكن بينهما الظاهر كذا اقيده في العمادية وغيرها فبعد اثنتي عشرة سنة يشترط شرط اخر لصحة اقراره بالبلوغ وهو ان يكون بحال يحتمل مثله والا لا يقبل قوله شرح وهبانية وهما حينئذ كبا لم حكما فلا يقبل ججوده البلوغ بعد اقراره وفي الشرنبلالية يقبل قول المراهقين قد بلغنا مع تفسير كل بما اذا بلغ بلايمين ام قال الشامي وفي الشرنبلالية وعبارتها يعنى وقد نفسا ما به علما بلوغهما وليس عليهما يمين ام قال ابو السعود والظاهر ان هذا هو المراد مما نقله الحموي عن شرح درر البصار من انه يشترط لقبول قولهما ان يبينا كيفية المراهقة حين السؤال عنه ام (ص ۱۴۸ ج ۵) وفي تنقيح الحامدية قال شيخ الاسلام وهذا من باب الاحتياط (اي مطالبة التفسير عنهما) وانما يقبل قوله بغير هذا التفسير وكذا الجارية اذا اقترت بالحيف اقول المشهور في كتب المذهب صحة الاقرار بالبلوغ من الغلام بعد اثنتي عشرة

سنة ومن الجارية بعد تسع سنين وقول شيخ الاسلام ان هذا الاستفسار من باب الاحتياط فيد انه فعله القاضي فهو الاولي ثم قال بعد ذكر عبارة الحموي عن درر البحار وفي المسند عن الخانية صبي اقر انه بالغ وقاسم وصي المية قال ابن الفضل ان كان مراهما ويحتمل مثله يقبل قوله وان كان مراهما ويعلم ان مثله لا يحتمل لا تجوز قسمته ولا يقبل قوله لانه يكذب ظاهراً وتبين بهذا ان بعد اثنى عشرة سنة اذا كان بحال لا يحتمل مثله اذا اقر بالبلوغ لا يقبل ام (ص ۱۵۰ ج ۲) قلت واطلاق المتون يدل على قبول قول المراهقين بدون التفسير اذا كانوا بحال يحتمل او تحيض مثلهم فليعول عليه.

صورت مسئولي مي اگر یہ لڑکی جسم اور اٹھان مي ایسی ہو کہ عادی ایسی لڑکی کو حیض آسکتا ہے اس کا دعویٰ بلوغ قبول کیا جائے گا اور جب وہ ایسی ہو تو اس کا نکاح مذکور کو سنتے ہی رد کرنا اس نکاح کے لئے مبطل ہوگا اور اگر وہ اٹھان مي ایسی نہ ہو کہ اُسے حیض آسکے تو سوال دوبارہ کیا جائے فقط۔

۳۰ ریح الثانی ۱۳۵۷ھ۔

حکم تولیت نکاح یتیم | سوال (۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ مي کہ ایک شخص مسیحی زید فوت ہو گیا اس نے ایک بنت صغیرہ مسماة کریمہ زوجہ مسماة ہندہ اور ام مسماة زینب چھوڑی اور اپنے حیات مي ایک ذمی علم متدین شخص وصی مقرر کیا اور صغیرہ مسماة کریمہ کی تزویج کو بھی اپنے وصی کے حوالے کیا اب سور اتفاق سے زندگی زوجہ ہندہ کو ایک شخص مفلس تلاش بغرض طبع اس کے جائداد کے بدراہ کر کے اس کو اس پر آمادہ کیا ہے کہ اپنا نکاح اس سے اور صغیرہ کریمہ کا نکاح اس کے بیٹے سے کر دے لیکن صغیرہ کریمہ کی جدہ صحیحہ مسماة زینب کو اس امر سے سخت صدمہ اور الم اور اضطراب ہوتا ہے اور صغیرہ کو بھی تمام ضرر اور نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے پس اس صورت مي جب وصی کو ولایت نکاح نہیں اور متون عند عدم العصابات ام کو ام الاب پر مقدم لکھتے ہیں لیکن صاحب در المنہار نکلی کی تعریف مي مالم یکن متہتکا کا قید بھی لگا یا ہے اور مسماة ہندہ بلا شک فاسقہ متہتکہ ہے پس اگر مصلحت و ضرورت و تحقیقاً من الضرر التام للیتیم جدہ صحیحہ مسماة زینب یتیمہ کریمہ کا نکاح کسی اہل علم متدین مالدار سے کر دے تو نکاح صحیح ہو گیا نہیں؟ بیٹنوا قوجی دامہربانی فرما کر جواب شافی مدلل عنایت فرمادیں جو مسئلہ واقعی اور ضروری ہے۔

الجواب؛ قال في الدر فان لم يكن عصبة فالولاية للأُم ثم للأُم
الاب وفي القنية عكسه اه قال الشامي اى حيث قال فيها ام الاب اولى
في التزويج من الأُم قال في النهر وحكى عن خواهر زاده وعمر النسفي تقديم
الاخت على الام لانها من قوم الاب اى فيكون من اعتبر ترجيح قوم الاب يرجح
الجدّة للاب والاخت على الام لكن المتون على ذكر الام عقب العصابات اه
(ص ۵۱۲ ج ۲)

قال في الدر ابا الوجد الميعرف منهما سوء الاختيار مجانة وفسقا وان
عرف لم يصح النكاح اتفاقاً اه قال الشامي: والحاصل ان المانع هو كون الاب
مشهوراً بسوء الاختيار قبل العقد فاذا لم يكن مشهوراً بذلك ثم تزوج بنته
من فاسق صح وان تحقق بذلك انه سىء الاختيار واشتهر به عند
الناس فان زوج بنتاً اخرى من فاسق لم يصح العقد الثانى لانه كان
مشهوراً بسوء الاختيار قبله بخلاف العقد الاول لعدم وجود المانع قبله اه
(ص ۴۹۹ ج ۲) قلت فعلى هذا لا يمكن سلب الولاية عن الام بمجرد تهتكها
نعم لو افتى مفتي في مثل تلك الحالة بتقديم ام الاب على الام فللافتاء
بذلك مجال لذهاب بعض المشايخ الى تقديم قوم الاب على الام فليُنظر،
والله اعلم.

صورت مسئلہ میں اگر جِدہ صحیحہ تہمہ مذکورہ کا نکاح بدون اجازت اُم کرے اور اس کے مصالح
دینیہ و دنیویہ کی پوری طرح رعایت کرے تو جِدہ صحیحہ کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوگا اور اگر بچت
عدم بلوغ نکاح کیا جائے تو لحاظ کفو اور مہر مثل ضروری ہے غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم میں نکاح
نہ کیا جائے واللہ اعلم۔
۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ۔

سوال (۱۰) گونگے نے اپنی نابالغہ لڑکی کی اشارہ سے اذن دیکر شادی
کرادی بعد بلوغ لڑکی اس نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں؟
الجواب؛ اگر وہ اشارہ ولایت میں کافی تھا تو وہ نکاح لازم ہو گیا

گونگے نے اشارہ سے اذن دیکر
نابالغہ لڑکی کی شادی کرادی تو
نکاح صحیح و لازم ہو جائے گا

بعد بلوغ فسخ نہیں کر سکتی۔

في الاشباه والنظائری (ص ۳۶۲) الاشارة من الاخرى معتبرة قائمة مقام

العارة في كل شيء الى ان قال الا في الحدود والنف وفيه ايضا ولا بد في اشارة الاخرين ان تكون معهودة والا فليعتبر فقط - كتبه الاحقر عبد الكريم عفى عنه -

سوال ۱۱ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین

اس مسئلہ میں کہ مسماة محمودہ نے انتقال کیا اور حمیدہ، سعیدہ اور صالحہ تین لڑکیاں نابالغان اور مسماة واحدہ مال اور زید باپ کو وارث شرعی چھوڑا۔ حمیدہ، سعیدہ اور صالحہ نابالغان کے نکاح کے ولی ان کے حقیقی چچا کے لڑکے ہیں اور نابالغان کے پرورش کا حق شرعاً مسماة واحدہ کو ہے جو کہ نابالغان کی نانی ہے مسئلہ جواب طلب یہ ہے کہ نابالغان حمیدہ، سعیدہ اور صالحہ کے مال و اسباب و جائداد کی ولایت کس کو حاصل ہے آیا نانی جائداد وغیرہ کا انتظام کر کے اور تحصیل وصول کر کے نابالغان کی پرورش کرے یا وہ لوگ جائداد کا انتظام کریں جو کہ نکاح کے ولی ہیں اس مسئلہ میں سخت اختلاف واقع ہوا ہے جس سے نابالغان کو نقصان پہونچنے کا خطرہ ہے لہذا مفصل اور مدلل جواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں اور جو کچھ تحریر فرماویں اس کی دلیل شرعی بھی تحریر فرماویں ورنہ یتیموں اور نابالغوں کو نقصان پہونچے گا۔ بیٹواتوجروا۔

الجواب ؛ ولایت مال یعنی تصرف وحفظ کی اصل باپ کے لئے ہے وہ نہ ہو تو اس کا وصی وہ نہ ہو تو دادا اور دادا کے بعد دادا کا وصی ولایت مال کا مستحق ہے ان چاروں سے اگر کوئی موجود ہو تو مال پر کسی قسم کی ولایت دو شخص کو حاصل نہیں ہوتی لیکن جب یہ چاروں نہ ہوں تو پھر جس کو پرورش کا حق ہے اس کو حفظ مال کی ولایت حاصل ہوتی ہے نہ ولایت تصرف یعنی جس کو ولایت حفظ حاصل ہے وہ بلا ضرورت مال یتیم میں تصرف نہیں کر سکتا نہ بلا ضرورت کوئی شے خریدنا جائز ہے نہ کسی شے کا فروخت کرنا جائز ہے بلکہ فقط ضرورت کی وجہ سے خرید و فروخت جائز ہے مثلاً کھانا کپڑا وغیرہ خریدنا جائز ہے اور اسی طرح نفقہ وغیرہ کی ضرورت سے کسی شے کا فروخت کرنا بھی جائز ہے البتہ جائداد غیر منقولہ کو کسی حال میں فروخت کرنے کی اجازت نہیں فی کتاب الہبۃ للہدایۃ (واذا وھب للیتیم ھبۃ فقبضھا ولیہ وھو وصی الاب او جد الیتیم او وصیۃ جاز) لان لھولاء ولایۃ علیہ لقیامہم مقام الاب (وان کان فی حجر امہ فقبضھا لہ جائز) لان لھا الولایۃ فیما یرجع الی حفظہ وحفظ مالہ وھذا من

بابہ لانہ لا یبقی الا بالمال فلا بد من ولايته التحصيل وقال صاحب الکفاية تحت (قوله لان لهؤلاء الم) وفي الايضاح ولا يجوز قبض غير هؤلاء الاربعة ارايد بتلك الاربعة الاب ووصيه والجد اب الاب وصيه مع وجود واحد منهم سواء كان الصبي في عيال القابض او لم يكن وسواء كان ذارحم محرم منه او اجنبيا لانه ليست لهؤلاء ولاية التصرف في المال فقيام ولاية من يملك التصرف في المال يمنع ثبوت حق القبض له ثم قال وان لم يكن احد من هؤلاء الاربعة جاز قبض من كان الصبي في حق حجة وعياله ولم يجز قبض من لم يكن في عياله لانه اذا كان في عياله فله عليه ضرب ولاية لم (فتم القدير ج ۲ ص ۴۹۲) وفي الهداية ونوع اخر ما كان من ضرورة حال الصغار وهوشاء ما لا بد للصغير منه وبيعه واجارة الاطوار وذلك جائز ممن يعوله وينفق عليه كالاخ والعم والام والملقط اذا كان في حجرهم واذا ملك هذا النوع فالولي اولى به الا انه لا يشترط في الولي ان يكون الصبي في حجة (هداية اخيرين مذ ۴۶ متفرقات كتاب الكراهية) وفي الفتاوى الحامدية (ص ۲۹۶) ثم ان ما مر ان عائل اليتيم يملك بيع ما لا بد منه خاصا بغير العقار من نحو المنقولات اما العقار فليس له بيعه ولو مع وجود المسوفا لما في الدر المختار حيث قال وهذا اي بيع العقار للمسوف لو البائع وصيا لا من قبل ام واخ فانهما لا يملكان بيع العقار مطلقا ولا شراء غير طعام وكسوة الم تأمل ام وقال صاحب البدائع في تعليل هذه المسئلة لان الوصي خلف الموصي قائم مقامه فلا يثبت له الا قدس ما كان للموصي وهو قضاء الدين والحفظ الم (ربدائع جلد ۵ ص ۱۵۵) جب معلوم هو گيا که اولياء اربعه کئے ولايت مال اس کو پہنچتی ہے جس کو حق حضانتہ حاصل ہو اور یہ ظاہر ہے کہ صورت مسئلہ میں حق حضانتہ نانی کو حاصل ہے پس ولايت حفظ مال بھی نانی کو حاصل ہے ، واللہ اعلم۔ احقر عبد الکريم عفی عنہ ۱۲ شوال ۱۴۲۳ھ۔

ابجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۵ شوال ۱۴۲۳ھ۔

کفارت کا اعتبار مرد کی جانب سے ہر | سوال (۱۲) معروض آنکہ زید نے اپنی بی بی ہندہ کو طلاق

مغلظہ دیدی پھر زینب نے ہندہ کو بعد طلاق مغلظہ رکھ لیا اب وہ دونوں رہنے لگے بعد چند اولاد پیدا ہوئیں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں زینب و بتول جب دونوں لڑکیاں بالغ ہوئیں تو زینب نے ان دونوں کی شادی کر دیا زینب کے ایک لڑکا پیدا ہوا اس کے بعد اس کا شوہر انتقال کر گیا اب عمر و ایک ایسا شخص جس کی خاندان ایسے فعل شنیع اور ایسی فحشائیت سے بالکل پاک ہے بلکہ پشتہا پشت سے اس کی خاندان میں سنا جاتا ہے کہ بہت ہی لوگ سلیم الطبع و دیندار تھے وہ زینب مذکورہ سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کا نکاح اس سے بکراہت ہوگا یا بلا کسی کراہت کے؟ اور جو اولاد اس سے پیدا ہوگی اس کے نسب میں نقصان ہے گا یا نہیں اور آئندہ نسل خراب ہونے کا ڈر ہے یا نہیں؟

الجواب : فی العالمگیریۃ (ج ۲) الکفایۃ معتبرۃ فی الرجال للنساء للزوم النکاح کذا فی محیط السخسی ولا تعتبر فی جانب النساء للرجال کذا فی البدائع فاذا تزوجت رجلاً خیراً منها فليس للولی (ای لولی الرجل) ان یفرق بينهما فان الولی لا یتعیر بان یكون تحت الرجل من لا یکافئه کذا فی شرح المبسوط للامام السخسی و فی الدر المختار (لا تعتبر من جانبها) لان الزوج مستقرش فلا تغیظه دناءة الفراش وهذا عند الكل فی الصحیح كما فی الخبازیة (شامی ص ۵۲۰ ج ۲) و فی تنقیح الفتاوی الحامدیة (ص ۱۲ ج ۱) و جنم بعدم حصوله علی احکام القرشین لقصریح الفقهاء بان الولد یتبع اباہ یقیناً ان عبارتوں سے معلوم ہو گیا کہ اگر کم درجہ کی عورت سے نکاح کر لیا جاوے تو یہ موجب عار نہیں اور نہ اس سے نسب میں کچھ فرق آوے گا کیونکہ نسب باپ سے ثابت ہوتا ہے واللہ اعلم۔ احقر عبد الکریم عفی عنہ۔ ۸ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ۔

البتہ اس صورت میں جو اولاد پیدا ہوگی وہ نجیب الطرفین نہوگی اس سے نسب میں تو فرق نہوگا البتہ عمدگی نسب کی کم ہو جائے گی۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔

سوال (۱۳) علماء دین و مفتیان شرع متین اس باب میں کیا ارشاد بالغیرہ کا نکاح بلا اجازت فرماتے ہیں کہ ایک لڑکی بالغہ کے نکاح کے وقت اس کے والد نے اس کے باپ نے کر دیا انہ نہ تو اس کو مطلع کیا اور نہ اس سے اجازت چاہی بغیر اس کی اطلاع کے اس کا عقد کر دیا بعد عقد ہو جانے کے لڑکی بہت روئی اور بوقت رخصت بھی بہت روئی اور اس کے شوہر نے اس پر ہر قسم کا ظلم و تعدی کرنے میں کوئی کمی نہیں کی اور اس لڑکی کو اپنی جان تلف ہو جانے کا اندیشہ قوی ہے اور اب وہ اپنے

والد کے گھر ہے شوہر کے گھر جانے سے انکار کرتی ہے لہذا گزارش ہے کہ کوئی صورت عند الشریعہ اس کی خلاصی کی ہو سکتی ہے یا نہیں اور اگر ہو سکتی ہے تو وہ کیا صورت ہو سکتی ہے اور عقد مذکور صورت مذکورہ میں جائز ہوا یا نہیں؟ فقط یتوا توجروا۔

الجواب؛ فی الشامی (ص ۲۷۹ ج ۲) وصرح بہ ایضاً فی الذخیرۃ حیث قال بعد حکایۃ الرافعاتین وبعضہم قالوا ان کان مع الصیاح والصوت فہو رد والافہو مرضی وھو الا وجہ وعلیہ الفتویٰ ام اس سے معلوم ہوا کہ اس لڑکی کا رونا اگر ناراضی ہو کر اور رد کرنے کے واسطے آواز کے ساتھ چلا کر تھا تو نکاح صحیح نہیں ہوا البتہ یہ ضروری ہے کہ یہ رونا نکاح کی اطلاع ہوتے ہی پایا گیا ہو اگر نکاح کی خبر پا کر ذرا بھی اپنے اختیار سے خاموش رہی تو نکاح صحیح ہو گیا اور اس کے بعد رونے سے نکاح میں فرق نہ آئے گا فی الدس (فسکت) عن ردہ مختارۃ قال الشامی اما لو اخذھا عطاس او سعال حین اخبرت فلما ذهب قالت لا ارضی او اخذ فمھا شتمتھا فقالت ذلك صح ردھا لان سکوتھا کان عن اضطراب بھی (ص ۲۷۹ ج ۲) اور جس صورت میں نکاح صحیح ہو گیا ہے اس صورت میں علاوہ طلاق کے کوئی صورت علیحدگی کی نہیں۔ احقر عبدالکریم ۲۷ رجب ۱۳۷۲ھ۔

الجواب صحیح۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ - ۲۹ رجب ۱۳۷۲ھ۔

سوال (۱۳) عرض خدمت میں یہ ہے کہ ایک لڑکی کے ماں باپ فوت ہو گئے تھے اس وقت وہ لڑکی تقریباً چودہ سال کی عمر تھی جس وقت اس لڑکی کے ماں باپ فوت ہوئے لیکن اس لڑکی کے ماں باپ نے اپنی زندگی میں رشتہ سگائی کر دی بعد فوت ہونے ماں باپ کے وہ لڑکی اپنے ماموں خالو کے یہاں اسی موضع میں گئی تھی جس موضع میں اس کے ماں باپ نے رشتہ سگائی کر دی تھی وہاں وہ اگر کچھ عرصہ کے بعد ایک اپنے بھولی برادری کے لڑکے کے اوپر عاشق ہو گئی پس جس پر وہ لڑکی عاشق ہوئی اسی سے اپنا نکاح چاہتی تھی اس کے ماموں خالو نے جس وقت یہ بات سنی ایک اور دوسری جگہ اس لڑکی کا نکاح کر دیا براہ زبردستی کے وہ لڑکی وہاں دن پانچ روزہ کر چلی آئی اسی گانوں میں جس میں اس کے ماموں خالو رہتے تھے وہاں آکر بعد ایک مہینہ کے اس لڑکے کو کہیں لیکر چلی گئی جس پر وہ عاشق تھی لہذا حضور اب وہ طلاق نہیں دیتے ہیں جس کے ساتھ میں اس لڑکی کا نکاح ہوا تھا اور نہ وہ اس کو اپنی زوجیت میں لیتے ہیں پس حضور سے ہم لوگ امیدوار ہیں کہ اس لڑکی کا نکاح اس

لڑکے کے ساتھ (یعنی معشوق کے) درست ہو سکتا ہے یا نہیں اور وہ لوگ طلاق تمام عمر نہیں دیتے ہیں عار دنیا کے سبب سے۔

تنقید : (۱) نکاح کے وقت لڑکی نے زبان سے اجازت دی تھی یا صاف انکار کیا تھا یا خاموش رہی تھی صاف صاف لکھیں۔

(۲) نکاح کے بعد خاوند کو ہمبستری کا موقع دیا تھا یا نہیں ان دونوں نمبروں کا جواب آنے پر مسئلہ بتلایا جائے گا اور یہ دونوں پرچے بھی ساتھ بھیجیں اور کسی صاف لکھنے والے سے لکھوا کر بھیجیں۔

جواب تنقید : جس وقت وہ لڑکی لڑکے کے ساتھ گئی ۲۴ سالہ میں لڑکی کی عمر اس وقت بیس سال کی ہو گئی تھی اور اس لڑکے کے ساتھ میں گئے ہوئے عرصہ دو سال کا ہو گیا پس اب عمر لڑکی کی بائیس سال ہو گئی ہے جس وقت وہ لڑکی ماموں اور خالو کے یہاں آئی اس وقت اس کی عمر چودہ سال کی تھی اور نکاح جس وقت اس کے ماموں اور خالو نے اس کی بلامرضی کے دوسری جگہ کیا اور اس وقت بھی عمر لڑکی کی بیس سال کی ہو گئی تھی اور اس نکاح پر رضا مندی نہیں تھی ہم نے خوب اچھی طرح سے حال دریافت کیا ہے ان لوگوں سے جو اس وقت نکاح کے وقت موجود تھے ان لوگوں نے یہ بات کہی ہے کہ ہمارے سامنے نکاح لڑکی کا ہوا ہے مکان چوپال میں اور مکان زناتہ میں نکاح نہیں ہوا ہے بوجہ اس کے کہ وہ لڑکی مسماۃ مقصودہ صاف انکار کر رہی تھیں کیونکہ اس لڑکی کی رضا مندی تو اسی لڑکے سے ہے جس پر وہ ہمیشہ سے رضا مند رہے لہذا حضور کو معلوم ہو کہ اس لڑکی کے ماموں اور خالو نے نکاح چوپال میں اس واسطے کیا تاکہ ہماری حماقت ان دس آدمیوں میں انکاری ہونے سے نہ ہوئے یہ کام نکاح کا پس پردہ ہو جائے ایسا ہی ہوا نکاح ہونے کے بعد وقت دن بجے رات کے اس لڑکی کا ماموں بنام میر جہت و خالو ولی محمد اور عمر انمبر داران ان تینوں آدمیوں نے اپنی ایک رات ملا کر اس لڑکی کے پاس گئے اور اس کا انگوٹھ حیرا ایک کتاب پر لگائے گئے وہ لڑکی تمام رات سوچتی رہی انگوٹھ لگانے کے بارے میں کہ میرا انگوٹھ حیرا لگائے گئے بعد اس بات کے اگلے روز لڑکی کو وہاں صبح دی ڈولے میں بٹھا کر جہاں کی وہ بارات آئی تھی وہاں جا کر وہ لڑکے کو لیکر چلی گئی جس پر وہ عاشق تھی عرصہ دو سال ہو گئے ہیں علاوہ اس کے ہم نے اور عورتوں کے ہاتھ دریافت کیا ہمبستری کا تو ان عورتوں نے بھی یہی کہا کہ ہمبستری اس لڑکے کے ساتھ نہیں ہوئی جس کے ساتھ نکاح چوپال میں ہوا اور وہ عورتیں تینوں اس لڑکی مقصودہ کی بھولی او

ہم وردی اور سہیلی تھی اور اس لڑکے کی ماں اور بہن سے بھی یہی حال معلوم ہوا کہ ہمارے لڑکے کے ساتھ وہ لڑکی ہمبستر نہیں ہوئی اور مسماۃ مقصودا کا بھی یہی بیان ہے کہ نہ میں نے اجازت نکاح کی دی اور نہ کسی نے مجھ سے پوچھا بوجہ اس کے کہ وہ خود ہی جانتے تھے کہ اگر ہم پوچھیں گے تو صاف انکار کر دے گی پس اگر وہ مجھ سے پوچھتے بھی تو میں صاف انکار کر دیتی کیونکہ میں رضامند نہ تھی اور نہ میں وہاں جا کر اس لڑکے سے ہمبستر ہوئی۔ پس حضور کو معلوم ہوئے کہ ہم نے سب حال اچھی طرح دریافت کر کے تحریر کر دیا ہے آپ مسئلہ نکاح کا تحریر کر کے روانہ فرماویں۔

الجواب ؛ واللہ الموفق للصواب۔ قال فی الدرر فان استاذنھا غیر الاقرب کا جنبی او ولی بعید فلا عبرة لسکوتھا بل لا بد من القول کالثیب البالغة او ما هو فی معناه من فعل یدل علی الرضا کطلب مهرھا ونفقتها وتمکینھا من الوطی ودخوله بها برضاھا ظہیریة وقبول التهنئة والضحك سروراً ونحو ذلك بخلاف خدمته او قبول هدیته ام قال الشامی عن المحيط والظہیریة و لو اكلت من طعامه او خدمته کما كانت فلیس برضا دلالة ام وفيه ایضاً قبله باسطی عن الخانیة الولی اذا زوج الثیب فرضیت بقلبها ولم تظهر الرضا بلسانها کان لها ان ترح لان المعترف فیها الرضا باللسان او الفعل الذی یدل علی الرضا نحو التمکین من الوطی وطلب المهر وقبول المهر دون قبول الهدیة وکذا فی حق الغلام (۲۹۳ ج ۲)۔

سائل نے جو صورت واقعہ بیان کی ہے کہ مسماۃ مقصودن کی عمر نکاح کے وقت بیس سال کے قریب تھی اور اس کا نکاح ماموں اور خالو نے بدون اس سے پوچھے کر دیا اس سے اجازت نہیں لی اور وہ جانتے تھے کہ مسماۃ کی رضا اس جگہ نکاح کی نہیں ہے تو یہ نکاح فضولی کا عقد ہوا جس کی صحت اس پر موقوف تھی کہ مسماۃ کی طرف سے یا تو صراحتہ رضامندی کے الفاظ بعد علم نکاح کے پائے جاتے یا کوئی ایسا فعل پایا جاتا جس سے رضا پر دلالت ہوتی۔ صورت واقعہ سے معلوم ہوا کہ مسماۃ نے خبر نکاح منکر رضا ظاہر نہیں کی اور نہ وہ خوشی سے بارات کے ساتھ گئی بلکہ ماموں خالو کے جبر سے گئی اور نہ وہاں جا کر نکاح سے ہمبستر ہوئی نہ اس کو اس کا موقعہ دیا اور وہاں سے آکر اپنی ناراضی کا صاف اظہار کیا تو اگر یہ سب بیانات صحیح اور واقعہ کے مطابق ہیں تو جزئیات مذکورہ کی بنا پر یہ نکاح صحیح نہیں ہوا بلکہ جب مسماۃ نے اس سے ناراضی ظاہر کی اسی وقت کالعدم ہو گیا اور اب مسماۃ مقصودن

جہاں چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ والٹر اعلم۔ ۲۲ رجب ۱۳۵۵ھ۔

سوال (۱۵) ہندہ نابالغہ کا باپ حیل خانہ میں تھا کی دلیل ہو یا باپ کی صریح رضامندی اسے بعد بھی ضروری ہے؟
 ہندہ کے برادر کلاں بالغ نے زید سے ہندہ کا نکاح کر دینے کی بات چیت درست کی رخصتی کے روز باپ بھی آگیا اور کہا کہ اگر زید مجھے کوئٹہ روپیہ دیوے تو میں نکاح کر دینے میں راضی ہوں۔ پس زید نے روپیہ دیدیا اور وہ راضی ہو گیا اور اس کی رضا پر برادر کلاں زید کے مکان میں ڈولی لے جا کر نکاح کر دیا ہندہ ایک ماہ تک زید کے پاس رہی باپ اور برادر وغیرہ خوش و اقارب چند بار آئے گئے بعد ایک ماہ کے بوجہ لالچ دنیوی کے ہندہ کو باپ نے اپنے گھر بٹھا رکھا اور کہا کہ میں تو زید کے ہمراہ نکاح کر دینے پر راضی نہ تھا میرے بیٹے نے نکاح دیا ہے پھر وہ لڑکی بکر کو دیدی، اس کے بعد ایک عالم کو ثالث مقرر کیا اس نے دعویٰ الرجلین علی امراۃ واحدة کا لحاظ کر کے دونوں زوج اور ہندہ کا باپ اور ہندہ کا وکیل اس کا برادر کلاں وغیرہ کے سامنے بڑی مجلس میں موافق طلاق شرعیہ دعویٰ سنا زید کی طرف سے نصاب شہود عدول مستکم جرح موثر سے پایا گیا کہ باپ کوئٹہ روپیہ ہمارے سامنے لیکر راضی ہوا اور بیٹے نے موافق مرضی باپ کے جا کر نکاح کر دیا۔ قاضی صاحب نے وکیل مسماۃ اور زوج ثانی اور باپ کو کہا کہ گواہوں کو قسم دیتے ہو سب نے کہا کہ ہم نے اس کی بات پر اعتبار کر لیا ہم ان کو قسم نہیں دیتے پس قاضی نے بحضور وکیل ہندہ اور زوج ثانی و والد ہندہ و جلسہ عظیمہ حکم دیدیا کہ زید کا نکاح درست ہے اور بکر کا باطل ہے بعدہ مسماۃ کے وکیل اور والد زوج ثانی نے کہا کہ ہم کوئٹہ روپیہ دیتے ہیں اور خلع ہو جانا چاہئے اور خلع کا معنی بھی سنایا گیا کہ خلع طلاق یائن ہوتی ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ یہ شہادت باخود راہم واسطے راضی ہونے کے اور شہرت اس رضامندی کی عام و خاص پر اور عدم اعتراض باپ کا بوقت رخصتی کے اور ایک ماہ تک کمال اختلاط و انبساط اور بغیر قسم کے گواہی کی تصدیق اور التماس خلع بمعنی طلاق یائن نہ بمعنی طلاق مطلق صلح قاطع نزاع۔ آیا یہ کل امر مثبت رضاء والد ہندہ کے اور موجب صحت نکاح زید کے ہیں یا نہیں بصورت وجود و عدم عبارت کتاب و فصل و باب ضرور قلمبند فرماویں جزاک اللہ تعالیٰ خیر الجزاء فقط۔

الجواب؛ قال فی الدرر ولہ امی للولی اذا کان عصبۃ الاعتراض فی غیر الکفو مالہ یسکت حتی تلد منه امہ قال الشامی زاد لفظ یسکت للاشارة الی ان سکوتہ قبل الولادة لا یكون رضاً وان هذا لیست من المسائل التي نزل

فیہا السکوت منزلة القول ام (۲۷۶ ج ۲) ثم قال فی الدس رضا البعض من
الاولیاء قبل العقد وبعدہ کالکل
المهر ونحوہ مما یدل علی الرضا دلالة ام قال الشامی قوله قبل
العقد وبعدہ فیہ ان الرضا قبل العقد یصح علی کل من الاول والثانی (ای النکاح
بالکفو وبغیر الکفو) ام وقوله ونحوہ بالرفع عطفاً علی قبضہ ای ونحو قبض
المهر قبض النفقة او المخاصمة فی احدهما وان لم یقبض وکالتجهیز ونحوہ
فتم ام (ص ۲۸۸ ج ۲)

صورت مسئلہ میں ہندہ نابالغہ کے باپ کا یہ قول کہ زید مجھ کو ستہ روپیہ دیدے تو میں نکاح کر دینے
پر راضی ہوں اس کی رضا پر دلالت دال ہے جبکہ اس کو ستہ روپیہ دیدیا گیا گو ان روپوں کا لینا
اس کو جائز تھا اگر بطور مہر معجل کے نہوں پھر روپیہ لینے کے بعد اس کے صریح الفاظ کی ضرورت
نہیں بلکہ یہ دلالت بھی کافی ہے جیسا کہ عبارت مذکور سے معلوم ہو رہا ہے کہ قبض مہر و قبض نفقہ و تجهیز
و مخاصمہ فی المہر و النفقہ بھی بمنزلہ قول رضا کے ہے اور چونکہ آج کل ہندوستان میں جاہل لوگوں میں
لڑکی پر کچھ رقم لینے کا رواج ہو رہا ہے تو اس رقم کا مانگنا اور اس پر رضا کو معلق کرنا اور بعد میں
اس رقم پر قبضہ کر لینا بھی قرآن رضا سے ہے پس زید کا نکاح صحیح ہو گیا اور بکر کا باطل ہو گیا باقی انبساط
آمد و رفت قائم مقام قول رضا کے نہیں ایسے ہی بکر اور والد ہندہ کا یہ کہنا کہ خلع ہو جانا چاہئے
یہ بھی اقرار بالنکاح نہیں قال فی الدس وقوله لعبدہ طلقھا رجعیۃ اجانۃ للنکاح
الموقوف لا طلقھا او فارقھا لانه یستعمل للمتارکۃ ام قال الشامی ای قوله
طلقھا او فارقھا لانه یستعمل للمتارکۃ فیکون ردّاً ویحتمل الاجازۃ فحمل
علی الرد لانه ادنی لان الدفع اسهل من الرفع ام (ص ۶۱۳ ج ۲) قلت وایضاً
فطلبہ الخلع یحتمل الصلح فی الصورة المستولة فلا یكون اقراراً بصحة
النکاح، واللہ اعلم۔ ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ۔

قاضی نابالغ لڑکے اور لڑکی کا ایجاب و قبول کرالے
اور ولی حاضر نہ ہو تو نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں
سوال (۱۶) اگر ولی تصریحاً نہ اجازت دے نہ
وقت نکاح کے حاضر ہے خصوص لڑکی کا ولی مگر
اور سامان دونوں طرف کے ولی سب کریں مثلاً نسبت ٹھیک کرنا فرش فروش چوہا رہ وغیرہ لوگوں
کا بلانا اور اسی قبیل کے تمام کام کریں لیکن قاضی صرف نابالغ لڑکی و لڑکے سے ایجاب و قبول

کراوے تو ایسی صورت میں نکاح ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب : اگر قاضی کو لڑکی کے یا لڑکے کے ولی نے بلایا ہے کہ تم آکر میری لڑکی یا لڑکے کا نکاح کر دو تب تو اس کی طرف سے قاضی وکیل ہو گیا صرف دوسرے ولی کی طرف سے اجازت کی ضرورت رہی۔ اگر دوسرے ولی نے عقد کے بعد اجازت صراحتہ دیدی یا کوئی فعل ایسا کیا جو اجازت پر دلالت کرے مثلاً لڑکی کے ولی نے جہیز وغیرہ دیا اور لڑکے کے ولی نے جہیز پر قبضہ کیا تو اب دوسرے کی طرف سے بھی اجازت پائی گئی اور نکاح صحیح ہو گیا اور جو افعال سوال میں مذکور ہیں وہ اجازت کے لئے کافی نہیں کیونکہ وہ عقد کے پہلے کے افعال ہیں نہ بعد کے۔ اور اگر قاضی کو لڑکی اور لڑکے کے ولی میں کسی نے نہیں بلایا بلکہ وہ خود ہی خبر نکاح سُنکر آگیا یا کسی اور شخص کے بلانے پر آگیا اور بدون اجازت احد الولیین کے اس نے نکاح پڑھا تو یہ نکاح موقوف رہا جو بعد اجازت اولیا طرفین کے نافذ ہوگا۔ اور اگر ان اولیا میں سے کسی نے اس نکاح کو صراحتہ یا دلالتہ نافذ نہ کیا تو یہ نکاح موقوف ہی ہے گا جس کو یہ صغیرین بعد بلوغ کے نافذ کر سکتے ہیں، بشرطیکہ نکاح کے وقت دونوں عاقل تمیز دار ہوں کہ نکاح کے معنی کو سمجھتے ہوں اور اگر وہ نکاح کو سمجھتے بھی نہ ہوں تو نکاح باطل ہے۔ قال فی الدرر وقبضہ ای الولی المهر ونحوہ مما یدل علی الرضا رضاء دلالة ام قال الشامی کقبض النفقة او المخاصمة فی احدہما وان لم یقبض وکالتجهیز ونحوہ ام (ص ۲۸۸ ج ۲) وفيه ایضا صغیرة تراجت نفسها ولا ولی ولا حاکم ثمہ توقف وصح باجازتها بعد بلوغها لان له مجیزاً وهو السلطان ام قال الشامی والصغیر كالصغیرة ام وقال ایضا قوله صغیرة زوجت نفسها ای من کفو بمهر المثل والا لم یتوقف لان الحاکم لا یمکن العقد علیها بذلک فلا یمکن اجازته فکان عقد بلا مجیز نعم لو کان لها اب او جد وزوجت نفسها کذلک توقف لان له مجیزاً وقت العقد لان الاب والجد یمکنان العقد بذلک ام (ص ۵۱۵ ج ۲) وفي الخلاصة عن الاجناس کل عقد له مجیز حال وقوعه یقف علی الاجازة ومالا مجیز له حال وقوعه لا یتوقف ام (ص ۱۷۱ ج ۲) - ۸ / محرم ۱۳۶۶ھ -

سوال (۱۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ماں کی ولایت سے نابالغ | ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا اور اس کے ساتھ ایک کے نکاح کی ایک صورت

لڑکا تھا اب اس لڑکے کی شادی اس شخص نے گالوں میں کردی لڑکا نابالغ تھا اور لڑکی بالغ تھی جس عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا وہ عورت اس کے یہاں سے چلی گئی اب وہ لڑکا اور لڑکے کی بہو رہ گئی اب اس شخص نے اپنے سوتیلے لڑکے کی منکوحہ بہو کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے وہ جائز ہے یا نہیں۔
الجواب؛ جب تک یہ لڑکا بالغ نہ ہو اور بالغ ہو کر اس عورت کو طلاق ندے اور طلاق کی عدت نگذر جائے اس وقت تک اس عورت سے کسی کا نکاح درست نہیں کیونکہ اس لڑکے کا نکاح اس لڑکی سے درست ہو گیا ہے گو یہ سوتیلہ باپ اس کا ولی نہیں مگر لڑکے کی ماں اس کی ولی تھی اور ظاہر یہ ہے کہ ماں کے علاوہ اس کا کوئی ولی نہیں اور یہ نکاح ماں کی رائے سے رضا سے ہوا ہے لیکن اگر ماں کی رائے اور رضا سے نہیں ہوا تو سوال دوبارہ کیا جائے اور یہ بھی بتلایا جائے کہ اس لڑکے کا کوئی ولی ماں کے علاوہ ہے یا نہیں اور ماں نے یا اس ولی نے اس نکاح کی خبر نہ کر نکاح کو منظور کیا یا اس پر ناراضی و انکار کا اظہار کیا فقط۔ ۱۸ رجب ۱۳۶۶ھ
سوال (۱۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ماموں نے نابالغ بھائی کی موجودگی میں نابالغہ کا نکاح کر دیا الخ اس مسئلہ میں کہ مسمیان زید و ہندہ کو جبکہ ان دونوں کے والدین کا وفات ہو گیا بوجہ نابالغی بغرض پرورش مسمیٰ بکر جو ان دونوں یعنی زید و ہندہ کا ماموں ہے اپنے مکان پر لے گیا اور اپنے لڑکے مسمیٰ بقریہ و سے ہندہ کا بغیر اجازت زید نکاح کر دیا حالانکہ زید و ہندہ اب تک نکاح مذکور پر راضی نہیں ہیں اور اب ہندہ تقریباً دو ماہ سے بالغہ ہے اور عرصہ آٹھ مہینہ سے اپنے بھائی مسمیٰ زید کے یہاں چلی آئی ہے تو صورت مذکورہ میں ہندہ کا نکاح بقریہ و سے از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جبراً۔

الجواب؛ صورت مذکورہ میں چونکہ ہندہ قبل بلوغ و بعد بلوغ اپنے ماموں کے نکاح سے کالہ تھی لہذا نکاح مذکور صحیح نہیں ہوا مطابق حدیث لانکاح الا بولی کے ولی کا ہونا ضروری ہے اس لئے نکاح صحیح نہیں ہوا ہندہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔
 کتبہ محمد عبداللہ مدرس مدرسہ فیض عام۔ ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ۔
 احمد غنی عنہ مدرس فیض عام۔ ۳۰ ج ۱ ۱۳۶۶ھ۔

ماتوں بھی ولی ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے اس کی تحقیق کی ہے اور اس اعتبار سے نکاح ہو جائے گا مگر بلوغ اور علم بالنکاح کے بعد اختیار فسخ حاصل رہتا ہے۔ امام محمد کے نزدیک ماموں ولی نہیں اور امام ابو یوسف صاحب کی اشہر الروایتیں یہی ہے دیکھو ہدایہ اور حسن بن زیاد نے بھی

امام صاحب سے یہی روایت کیا ہے اور الولاية الى العصابات بھی اسی کی موید ہے اور خیال
فسخ کی تاثیر کے لئے قضا کی شرط ہے جو آجکل قریباً اس دیار میں متعذراً محمول ہے اس لئے اگر کوئی
حنفی امام صاحب علیہ الرحمۃ کی دوسری روایت پر فتویٰ دے اور سرے سے نکاح کے انعقاد ہی کا انکار
کرے تو اس پچیدان کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے بہتر ہوگا کہ اس مسئلہ کی تحقیق حضرت مولانا
اشرف علی صاحب مدظلہ العالی سے کر لی جاوے۔ ناچیز عبداللطیف نعمانی مدرس دارالعلوم مئو
اعظم گڑھ۔

الجواب من تھانہ بھون:

صورت مسئلہ میں چونکہ نکاح بولایت ولی صحیح منعقد ہو چکا ہے بشرطیکہ کفو سے بہتر مل پر ہوا ہو اسلئے
اگر ہندہ اس کو بعد بلوغ کے فسخ کرنا چاہے تو قاضی اسلام کے یہاں مرافعہ کرے اور اگر
قاضی اسلام میسر نہیں تو صبر کرے یا کسی طرح خاوند کو خلع پر راضی کرے بہر حال بدون قضا
قاضی یا طلاق زوج کے یہ نکاح فسخ نہیں ہو سکتا اور بدون اس کے ہندہ کو کسی دوسرے شخص
کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔

پہلا جواب کسی غیر مقلد کا معلوم ہوتا ہے وہ بالکل غلط ہے کیونکہ حدیث لانکاح الا
بولی سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بدون ولی کے نکاح نہیں لیکن اس کے کیا معنی ہیں آیا یہ کہ
باطل ہے یا مناسب نہیں دونوں احتمال میں انہوں نے بدون حدیث کے ایک احتمال کو ترجیح
کیونکہ ردی اور اگر ایما امرۃ نکحت نفسها بدون اذن ولیہا فنکاحا باطل پیش کریں
تو اس کی صحت ثابت کریں اور تصحیح حدیث میں کسی محدث کی تقلید نہ کریں ورنہ فہم حدیث میں فقہار
کی تقلید سے کیوں غار ہے۔ دوسرے اگر اس کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو وہ حدیث سے یہ ثابت کریں کہ
خال ولی نہیں اگر حدیث الولاية الى العصابات پیش کریں تو اس کی صحت بدون تقلید
محدثین کے ثابت کریں۔ پھر حدیث ہی سے عصابات کے ایسے معنی ثابت کریں جو خال پر صادق نہ
آتے ہوں۔ نیز یہ بھی بتلائیں کہ اس حدیث میں تو صرف اتنا ہی کہ عصابات کو ولایت حاصل ہوتی ہے
یہ کہاں ہے کہ غیر عصابات کو کسی وقت بھی ولایت حاصل نہیں ہوتی حدیث میں کوئی لفظ نفی کا نہیں
ہے اگر ان امور کو حدیث ہی سے حل نہ کر سکیں تو اہل حدیث ہونے کا اور حدیث سے فتویٰ دینے کا
دعویٰ نہ کریں۔

محبیب ثانی حنفی معلوم ہوتا ہے مگر ان کو امام صاحب کی دوسری روایت ضعیفہ پر فتویٰ

دینے کا خیال ہو رہا ہے۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ ایسے مسائل تو اجتہادات میں بہت کم نکلیں گے جن میں اختلاف علماء یا اختلاف روایات ہو دیکھنا یہ ہے کہ اختلاف کے وقت قوت کس کو ہے قول ضعیف پر فتویٰ جائز نہیں سو ظاہر ہے کہ امام صاحب سے جو روایت اہل متون نے نقل کی ہے اور متون ہی نقل مذہب کے لئے موضوع ہیں وہ یہی ہے کہ عدم عصبات کے وقت ماں کو اور ذوی الارحام کو ولایت تزویج حاصل ہے اور دلیل سے بھی قوت اسی کو ہے اور امام ابو یوسف بھی امام ابو حنیفہ ہی کے ساتھ ہیں ہذا هو الاصح الارجح کما صرح بہ فی فتح القدیر وبسط الکلام فی الدلالة ص ۱۸۲ ج ۳ وفی رد المحتار ص ۵۱۲ ج ۲ باب الولی، واللہ اعلم۔ ۱۰ رمضان ۱۴۲۶ھ

گوئی بہری لڑکی جس کا کوئی ولی نہ ہو | سوال (۱۹) علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک اس کا نکاح کس طرح کیا جائے عورت ہے نہ اس کو مستنا ہے اور نہ کچھ وہ زبان سے کہہ سکتی ہے اور عمر اس کی ۲۱ سال کی ہے اور اشارہ بھی کچھ نہیں سمجھتی مگر کھانے اور پینے کا اور پانچھانے اور پیشاب کی جس وقت ضرورت ہوتی ہے خود کہہ دیتی ہے اور نہ اس کے کوئی ولی ہے اب اس کا نکاح کس صورت سے کرنا چاہئے فقط والسلام۔

الجواب: یہ نہیں ہو سکتا کہ اس لڑکی کا عصبہ کوئی نہ ہو ہاں یہ ممکن ہے کہ عصبہ قریب نہ ہو لیکن عصبہ بعید ضرور ہوگا۔ اگر یہ لڑکی شیخزادی ہے تو سارے شیخ زادے اس کے عصبہ ہیں ان میں جو زیادہ دور نہ ہو وہ اس کا ولی ہوگا مثلاً جو شیخ زادہ اس کی بستی میں ہے وہ دوسری بستی کے شیخ زادے سے مقدم ہے اور اگر شیخزادی نہیں بلکہ مغل پٹھان یا جلاہی وغیرہ ہے تب بھی اتنی بات معلوم ہو سکتی ہے کہ اس لڑکی کے باپ کی رشتہ داری کن کن مواضع میں تھی ابھی مواضع میں اس کے باپ کی رشتہ داری میں جو شخص سب سے زیادہ قریب ہوگا وہی اس کا عصبہ اور ولی ہوگا، ولی کی اجازت سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے واللہ اعلم۔ ۷ رمضان ۱۴۲۶ھ۔

ابن وجد کے لئے ہوئے نکاح میں صغیر | سوال (۲۰) سید سلیمان ندوی نے حنفیہ کے خلاف یہ لکھا وصغیرہ کو خیار بلوغ حاصل نہ ہوئی دلیل ہے کہ اب وجد اگر صغیرہ کا نکاح کر دیں تو انہیں خیار بلوغ حاصل ہونا چاہئے کیونکہ خیار نہ ہونے پر حدیث سے ثبوت نہیں۔ بلکہ حدیث میں ہے کہ جن عورتوں نے آکر دربار رسالت میں باپ کے نکاح پر ناگواری ظاہر کی حضور نے بلا اس کے دریافت فرمائے کہ تم بوقت نکاح نابالغ تھیں یا بالغ نکاح فسخ کر دیا جس سے معلوم ہوا کہ تزویج اب کے بعد حق فسخ رہتا ہے۔

مبسوط، بدائع، بذل وغیرہ میں حضرت عائشہؓ کے واقعہ نکاح سے ثبوت دیا ہے مگر حدیث میں خیار نہ دینے کا ذکر ہے نہیں اور عدم ذکر سے استدلال کیسے ہو سکتا ہے۔ انت ومالك لا بیك سے بھی استدلال بظاہر نہیں ہوتا۔ اب کی تزویج کے بعد صغیرہ بکر کو خیار بلوغ نہ ہونے پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے مگر ثبوت نہیں ملتا حضرت کچھ ارشاد فرمادیں کہ ثبوت کہاں سے ہوا۔

الجواب : اس مسئلہ کی دلیل اجماع امت کافی ہے۔ اب کی تزویج کے بعد صغیرہ بکر کو خیار بلوغ نہ ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ اور اجماع خبر واحد سے اقویٰ ہے۔ فلا حاجة الى الاستدلال بالاخبار وايضا فالاستدلال بنكاح عائشة تام فقد ثبت انه صلى الله عليه وسلم خیر بیریة حین عتقت وقال لبنت حمزة حین زوجها وهي صغیرة لها الخيار اذا بلغت فلو كان الخيار ثابت للصغیرة اذ زوجها ابوها لصرح النبي صلى الله عليه وسلم حین تزوج عائشة بان لها الخيار اذا بلغت والسکوت فی موضع البیان بیان ثبوت ان لا خيار للصغیرة والحال هذه وايضا فقولہ تعالى **وَأَتَّكُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ** اطلق لا ولياً انکاح موليتهم التي لا زوج لها وهذا هو معنى الايم لغة واطلاق ذلك لهم يقتضي تمام العقد بانکاحهم وثبوت الخيار بعد تمام العقد خلاف القياس فيقتصر على موردہ وقد خير صلى الله عليه وسلم الشيب والبكر البالغة ولم يخير الصغیرة الا اذا زوجها غير الاب كما ورد انه زوج امامة بنت حمزة وقال لها الخيار اذا بلغت رفقہم القديس ص ۱۷۵ ج ۳) ولم يثبت انه خير صغیرة زوجها ابوها فلا خيار لها، والله تعالى اعلم۔ ۱۵ صفر ۱۳۴۴ھ

(قائمہ) وفي الجوهر النقي قال ابن المنذر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ولا تنكح البكر حتى تستأذن وهو قول عام وكل من عقد على خلاف ما شرع رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو باطل لانه الحجة على الخلق وليس لاحد ان يستثنى من السنة الا سنة مثلاً فلما ثبت ان ابا بكر الصديق زوج عائشة من النبي صلى الله عليه وسلم وهي صغیرة لا امر لها في نفسها كان ذلك مستثنى منه انتهى كلامه (ص ۱۷۶ و ۱۷۷ ج ۲) وهذا صريح في ثبوت نفی الخيار لعائشة

اما نقلًا وابن المنذر حجة في النقل واما كون السكوت بمعرض البيان بيانًا
ففيه تأييد لما قلنا اولًا فافهم .

بالغیر کی اگر غیر کفو میں نکاح بلا اجازت سوال (۲۱) (۱) علمائے دین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے
ہیں کہ مومن قوم کا ایک مرد کا نکاح شیخ، سید، پٹھان وغیرہ اقوام
اولیا کرے تو نکاح طہل ہے

کی عورتوں سے ہو سکتا ہے یا نہیں ۔

(۲) اور کیا اس عورت کے اولیا کو ایسی صورت میں جب اس سے رضائے خاطر اور بعد بخت
کسی مومن دیندار ذی علم سے نکاح کیا ہے، حق فسخ حاصل ہے؟ بینوا توجبوا .

الجواب: (۱) بدون رضائے عورت کے اولیا کے نہیں ہو سکتا ۔

(۲) اگر کوئی شریف سید شیخ مغل پٹھان عورت اپنے اولیا کی بدون رضائے و اجازت مجھلے
سے نکاح کر لے تو یہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا بلکہ ابتداء ہی سے طہل ہے فسخ کی بھی ضرورت نہیں ۔

وظاهر السواية ان النكاح ينعقد وللاولياء حق الفسخ والاعتراض ولكن
المتأخرين افتوا برباية الحسن عن ابي حنيفة انه لا يصح ولا ينعقد به تو

سوال کا جواب ہے مگر اس مسئلہ کی بنا اس پر نہیں کہ قوم مومن شرعاً ذیل ہے فقد قال
تعالى اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اَتْقٰىكُمْ . فالكرم انما هو بالتقوى والرزالة

بالمعصية . بلکہ اس کی بنا اس پر ہے کہ نکاح کے مصالح عادتاً ہم کفو قوم ہی میں حاصل ہوتے ہیں
اور یہ مشاہد ہے اس کا انکار نہیں ہو سکتا اس لئے شریعت نے نکاح میں کفارت کا لحاظ کیا ہے

تاکہ مصالح نکاح بخوبی حاصل ہوں البتہ اگر عورت کے اولیا راضی ہو کر غیر کفو سے کر دیں تو ان کا راضی
ہونا اس کی علامت ہوگی اس غیر کفو سے بھی مصالح نکاح حاصل ہونے کی امید ہے تو اس صورت

میں غیر کفو سے بھی عورت کا نکاح درست ہے ۔ اور مصالح نکاح صرف میاں بیوی کی رضامندی
میں منحصر نہیں بلکہ اس کے سوا زوج و زوجہ کی قرابت میں رابطہ اتحاد و محبت و تعاوض و تناسل و بیابا

ہی ملحوظ ہے اور یہ بات غیر کفو کے نکاح میں مفقود ہے الا نادراً والنادر كالمعدوم
فلا يعتد به في الاحكام اور غیر کفو سے نکاح کر کے اگر عورت کا خاوند جلد مر جائے اور

لا ولد مر جائے یا بچے چھوٹے چھوٹے ہوں تو اب اس عورت کی امداد اس کا خاندان تو ناراضی
کی وجہ سے کرے گا نہیں تو اس کو بہت تکلیف ہوتی ہے وغیر ذلک من المصالح اس لئے کفارت

کا نکاح میں لحاظ ہے اور یہ امر قوم مومن ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اگر کوئی سید زادی یا شیخ زادی

پٹھان یا مغل مرد سے بدون اپنے اولیاء کی اجازت کے نکاح کر لے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور اگر عدم کفارت میں وہ مرد بڑھا ہوا ہو تو نکاح درست ہے عورت کے ادنیٰ ہونے سے وہ مصالح فوت نہیں ہوتے، واللہ اعلم۔

۲۴ ج ۲ ص ۴۷

سوال (۲۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ لڑکی نابالغہ کا عقد لڑکی کے باپ نے پنتیس سالہ عمر والے شخص کے ساتھ کر دیا لڑکی نے بالغ ہوتے ہی اس کے ساتھ جانے یا رہنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ شخص شراب خوری اور بد چلنی

باپ نے لاعلمی میں نابالغہ لڑکی کا نکاح فاسق سے کر دیا نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ وہ شرابی و بد چلن ہے تو باپ کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوا یا نہیں

وغیرہ کے کاموں میں مصروف رہتا ہے اور نماز وغیرہ کا قطعی پابند نہیں محض عیدین کی نماز شاذ و نادر پڑھ لیتا ہے اور لڑکی قرآن شریف و مسائل ضروری سے واقف ہے اور نماز کی بھی پابند ہے شوہر سے طلاق کے لئے کہا جاتا ہے مگر انکار کرتا ہے لڑکی کا باپ بھی اسے شوہر کے ایسے حالات دیکھ کر نہیں چاہتا کہ میں ایک ایسی شائستہ اور دیندار لڑکی کو ایسے گمراہ شخص کے ساتھ کر دوں جو بالکل احکام شرع کا پابند نہ ہو ہر وقت عقد ولی جائز کو اس کے ناشائستہ حرکات سے بالکل بے خبری تھی پس ایسی صورت میں اس سے طلاق حاصل کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے اور لڑکی کا طلاق مانگنا حق بجانب ہے یا نہیں اور ایسے شخص کے ساتھ ولی جائز کا (بے جانے ہوئے) نکاح کر دینا جائز ہوا یا نہیں؟ بتیو اتوجروا۔

الجواب؛ اگر سوال واقع کے مطابق ہے کہ ولی کو اس شخص کی بد چلنی وغیرہ کا نکاح کے وقت علم نہ تھا اور بعد میں علم ہوا اور ولی خود بد چلن نہیں تو یہ نکاح بالکل صحیح نہیں ہوا لڑکی کو طلاق لینے کی کچھ ضرورت نہیں و بدون طلاق ہی کے دوسرے نیک شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔

قال فی رد المحتار واما اذا كانت صغيرة فنز وجها ابوها من فاسق فان كان عالماً بفسقه صم العقد ولا خيار لهما اذا اكبرت لان الاب له ذلك (ای عند الامام لا عند ہما ۱۲) مالدین ما جنا کما فی الباب السابق واما اذا كان الاب صالحاً و ظن الزوج صالحاً فلا یعم قال فی البرازیة ازوج بنته رجلاً ظنه مصلحاً لا یشرب مسکراً فاذا هو مدمن فقالت بعد الکبر لا ارضی بالنکاح ان لدین ابوها یشرب المسکر ولا عرف به وغلبة اهل بیتها مصلحون فالنکاح باطل بالاتفاق ام (ص ۵۴۶ ج ۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۴ ذیقعدہ ۱۲۸۴ھ

دلائل نکاح میں حقیقی بہن ماموں اور اخیانی بھائی سے مقدم ہے

سوال (۲۳) ایک نابالغہ کے والدین فوت ہو گئے اس وقت اس کا ماموں اور اخیانی بھائی اور حقیقی بہن اور ماں کا پہلا شوہر زندہ ہے،

دلائل نکاح ان میں سے کس کو حاصل ہے؟

الجواب؛ صورت مسئلہ میں ولایت نکاح حقیقی ہمشیرہ کو ہے قال فی الدس فان لم یکن عصبة فالولاية للام ثم لام الاب ثم للاخت لاپ وأُم ثم للاخت لاپ ثم لولد الام الذکر والانشی سواء ام (ص ۵۱۲ ج ۲) واللہ اعلم۔ ۲۰ ذیقعدہ ۱۴۴۰ھ۔

سوال (۲۴) ایک شخص نعمت اللہ مرگیا اور اس نے مرنے سے پہلے اپنے عصبہ کو اور زوجہ کو وصیت کی کہ میری لڑکی نابالغہ شریفین کا نکاح میرے سالے کے لڑکے سے کر دینا۔ عصبہ نے بعد موت مورث کے ایک اقرار نامہ

ولی عصبہ نابالغہ کے نکاح کا حق ماں کو تفویض کر دے
تفویض کے بعد ماں نابالغہ کا نکاح کسی سے کر دے
پھر ولی عصبہ کسی اور سے اس کا نکاح کر دے
تو کون سا نکاح صحیح ہے

اسٹامپ پر تحریر کر کے مسماۃ شریفین کی ماں کے حوالے کیا جس میں یہ لکھا کہ:
”مسماۃ شریفین کا نکاح حسب وصیت نعمت اللہ مسماۃ رحمت (مادر شریفین) کر دے گی مجھے یا میرے قائم مقام کو کوئی عذر نہ ہوگا شادی کا خرچہ مسماۃ رحمت برداشت کرے گی“

اس کے بعد لکھتا ہے:
”اور جس کو مسماۃ رحمت پسند کرے گی وہاں مسماۃ شریفین کا نکاح بمرضی خود کر سکے گی مجھے عذر نہ ہوگا“

اس کے بعد قادر بخش اور مسماۃ رحمت میں کچھ تنازعہ ہو گیا۔ مسماۃ رحمت نے اس خیال سے کہ مبادا تنازعہ کی وجہ سے یہ شریفین کے نکاح میں بھی گڑبڑ نہ کرے شریفین کا نکاح حسب وصیت نعمت اللہ اپنے بھتیجے سے کر دیا یہ خبر پا کر قادر بخش نے شریفین کا نکاح دوسرے شخص سے کر دیا اب ان دونوں نکاحوں میں سے کونسا نکاح صحیح ہے؟

الجواب؛ صورت مسئلہ میں شریفین کا نکاح وہی صحیح ہے جو اس کی ماں بویہ نعمت اللہ نے کیا ہے اور جو نکاح اس کے بعد قادر بخش نے کیا ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ گو قادر بخش عصبہ ہے اور دراصل ولایت نکاح اسی کو حاصل تھی مگر اس نے بذریعہ اقرار نامہ تحریری شریفین کے نکاح

کا اختیار اس کی ماں کو سپرد کر دیا ہے اس کے الفاظ مندرجہ اقرار نامہ تفویض پر صاف دلالت کرتا ہے اور جو عقد بعد تفویض من لہ الحق صادر ہو وہ صحیح ہوتا ہے قال فی البھی وقولھا (ای البالغة للولی) ذلك اليك اذن مطلقاً ثم ذكر مسألة ذكر الولی بین یدیهما اقواما لا یحصون فسکت فلیس برضا ثم قال وهذا كله اذ لم تفوض الامر الیه اما اذا قالت انا راضیة بما تفعله او زوجنی ممن تختاره ونحوه فهو استیذان صحیح اه (ص ۱۱۲ ج ۳) ولا یخفی وجود التفویض من الولی الی الام فی الصورة المسئولة فهو اذن لها مطلقاً بنکاح مولیتہ والاذن قبل العقد کالاجازة بعده لهما فی الدس واذنه لعبدۃ فی النکاح ینتظم جائزۃ وفاسدۃ فبیاع العبد لهما من نكحها فاسد ا بعد اذنه اه وفيه قبله وقوله لعبدۃ طلقها رجعية اجازة للعقد الموقوف اه (ص ۶۱۲ ج ۲) وفي الهدایة فی بیع الفضولی واذن المالك بعده لان الاجازة اللاحقة بمنزلة الوكالة السابقة اه (ص ۴۳ ج ۳) - دوسرے قاضی نے شریفین کا دوسرا نکاح محض صدا اور نفسانیت اور نزاع باہمی کی وجہ سے کیا ہے لڑکی کی مصلحت پر نظر کر کے نہیں کیا اور یہ درست نہیں فکان کمن زوج مولیتہ برجل طمعاً فی مال یعطاه رشوة وهذا یبطل الولاية کذا ههنا والله تعالی اعلم۔ ظفر احمد عفا عنه - ۲۱ ذیقعدہ ۱۴۲۸ھ۔

الجواب صحیح عندی ، اشرف علی عفی عنہ - ۲۱ ذیقعدہ ۱۴۲۸ھ۔

بالعوت بدون اذن ولی کفو میں ہر مثل سے کم پر سوال (۲۵) کیا فرماتے ہیں علمائے حنفیہ ان مسائل میں: اپنا نکاح کرے تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں اگر کسی عاقلہ بالغہ ذات الولی کا نکاح اپنے کفو کے ساتھ اپنی رائے سے ہر مثل سے کم پر نکاح کر لے تو وہ مثل نکاح بغیر الکفو کے غیر صحیح ہوگا یا بنا براس فرق کے جو ذیل کی عبارت میں مذکور ہے صحیح ہوگا اور اولیاء کو صرف اتمام مہر کا مطالبہ ہوگا وہ عبارت یہ ہے۔ فی الدس المختار ولو نکحت باقل من مهرها للولی الاعتراض حتی یتم مہر مثلها ویفرق القاضی بینہما فی رد المختار قوله الاعتراض ما فادان العقد صحیح وتقدم انها لو تزوجت غیر کفو فالمختار رواية الحسن انه لا یصح العقد ولما من ذکر مثل هذه الراية (ای رواية عدم الصحة) ههنا مقضاه انه لا خلاف فی صحة العقد ولعل وجهه انه لا یمكن الاستدراك هنا

باتمام مہر المثل بخلاف عدم الکفارة (باب الکفارة) قلت والمراد بما تقدم
ما في الدر المختار وله الاعتراض في غير الكفو الى قوله وفي في غير الكفو بعدم
جواز اصله وهو المختار للفتوى لفساد الزمان .

الجواب ؛ علامہ شامی نے اس مقام پر جو کچھ لکھا ہے محض ان کی رائے ہے نقل نہیں ہے
اور اس رائے پر صاحب تحریر مختار نے اعتراض کیا ہے بلفظ ولكن التعليل المذكور للاقتضاء
بعدم الجواز في غير الكفو جار في مسألة التزوج بدون مهر المثل ومقتضى
لعدم الجواز تأمل ام (ص ۱۸۵ ج ۱) وفيه ايضا على قوله ومقتضاؤه انه لا
خلاف في مانعه تقدم ان مقتضى العلة انه لا فرق بين المسئلتين ام
ص ۱۹۱ ج ۱ والله اعلم .

قال في العالمة كيرية: ولو زوج ولدا الصغير من غير كفوء بان زوج ابنه
امة او ابنته عبداً او زوج بغين فاحش بان زوج البنت ونقص من مهرها
او زوج ابنه وزاد على مهر امرأته جاز وهذا عند ابى حنيفة وعندهما
لا يجوز الزيادة والخط الابما يتغابن الناس فيه قال بعضهم فاما اصل
النكاح فصحيح والاصح ان النكاح باطل عندهما كذا في الكافي والصحيح
قول ابى حنيفة كذا في المصنفات واجمعوا على انه لا يجوز ذلك من غير
الاب والجد ولا من القاضي ام (ص ۱۸ ج ۲) -

قلت ومقتضى تعليل المتأخرين لرأية الحسن عن ابى حنيفة عدم
الجواز عندنا ايضا خلاصه یہ کہ اس مسئلہ میں یعنی مہر مثل سے کم کرنے میں صاحبین کا قول تو یہ
ہے کہ نکاح صحیح نہیں جبکہ عورت نے خود بلا رضا اولیاء مہر کم کیا ہو یا ولی نے بلا رضا عورت
کے کم کیا ہو اور امام صاحب کے نزدیک نکاح صحیح ہے اور مصنفات میں قول امام ہی کو صحیح کہلے ہے ،
لہذا فتویٰ تو صحت نکاح کے باب میں امام صاحب ہی کے قول پر دیا جائے گا مگر احوط یہ ہے کہ
مہر مثل سے مہر کم نہ باندھا جائے کیونکہ فلائیسے بچپنا اولیٰ ہے ۔ ولیتنبہ لہذا فان الناس

عہ ولیس الحکم خاماً بنکاح الصغیرین بل عام للبالغین ایضاً کما فی
البدائع، وسیاتی ۱۲

عنه غافلون فيرون نقص المهر سنة وثواباً ولا يعلمون ان في ذلك نقص
حق المرأة وسكوت المرأة البالغة المبكر انما يكون رضا بقول النكاح
فقط لا لنقص المهر فان السكوت لا يكون حجة في الاموال والله تعالى اعلم
قال في البدائع ومنها كمال مهر المثل في النكاح الحرة العاقلة البالغة
نفسها من غير كفؤ بغير رضا الأولياء في قول أبي حنيفة حتى لو زوجت نفسها
من كفؤ باقل من مهر مثلها مقدار ما لا يتغابن فيه الناس بغير رضا الأولياء
فللاولياء حق الاعتراض عند ما ان يبلغ الزوج الى مهر مثلها او يفترق بينهما
وعند أبي يوسف ومحمد هذا ليس بشرط ويلزم النكاح بدونه حتى يثبت للأولياء
حق الاعتراض وهاتان المسئلتان اعني هذه المسئلة والمسئلة المتقدمة
عليها وهي ما اذا زوجت نفسها من غير كفؤ وبغير رضا الأولياء لا شك انهما
يتفرعان على اصل أبي حنيفة وزفر واحدي الرأيين عن أبي يوسف ورواية
الرجوع عن محمد لان النكاح جائز واما على اصل محمد في ظاهر الرأية
عنه واحدي الرأيين عن أبي يوسف فلا يجوز هذا النكاح فيشكل التفرع
فتصور المسئلة فيما اذا اذن الولي لها بالتزويج فزوجت نفسها من غير كفؤ باقل
من مهر مثلها (ص ۳۲۲ ج ۲) -

وفي البحر تحت قول الكنز من نكحت غير كفؤ فرق الولي مانصه وهذا ظاهر
في انعقاده صحيحا وهو ظاهر الرأية عن الثلاثة والمفتي به رواية الحسن
عن الامام من عدم الانعقاد اصلا اذا كان لها ولي لم يرض به قبل
العقد وفي الخلاصة وكثير من مشائخنا افتوا بظاهر الرأية وهذا يدل على
ان كثيرا من المشائخ افتوا بانعقاده فقد اختلف الافتاء (ص ۱۲۸ ج ۳) -
قلت ولم يثبت افتاءهم بقول الصاحبين ولا بمقتضى تعليل رواية الحسن
في مسئلة تقليل المهر عن المثل بل صرح في الهندية ان الصحيح في مسئلة
تقليل المهر عن المثل قول أبي حنيفة ان اصل النكاح صحيح ورواية الحسن
عن الامام ليست صريحة في هذه المسئلة وانما هي في الكفاءة فالأحوط الافتاء
بالمع من ذلك اي التقليل واذا وقع التزويج بالاقل من الاب والجد

فینبغی الافتاء بالانعتاد واما من غیرها وھی صغیرۃ فلا والله اعلم۔

یکم صفر ۱۳۵۸ھ -

سوال (۲۶) علماء دین و مفتیان شرع متین ایسی حالت میں کیا فرماتے ہیں۔ ہندہ جس کی عمر دس سال یا کچھ زائد ہے سن تمیز کو پوری طرح پہنچ چکی ہے اور نیک و بد کا بخوبی امتیاز ہے لیکن نابالغ ہے والد اس کا بزور و جبر زید کے ساتھ کہ جس کی عمر ساٹھ سال سمجھی جاتی ہے عقد کرنا چاہتا ہے ہندہ زید کے ساتھ کسی طرح راضی نہیں ہے بلکہ خودکشی و جان کھونے پر آمادہ ہے اس کے والد نے مجبور ہو کر ظاہر کیا کہ زید کے ساتھ نہیں بلکہ بکر کے ساتھ کہ جس کی عمر بھی مناسب ہے عقد ہوتا ہے روز نکاح جب ہندہ کو معلوم ہوا کہ وہی زید بوڑھا آدمی ہے دھوکا دیا جاتا ہے نکاح کے خوف سے بھاگ کر دوسرے شخص کے مکان میں چھپی اس کے والد کو جب خبر ہوئی چھری وغیرہ لیکر اس مقام پر پہنچا اور قتل کرنے پر آمادگی ظاہر کی اور بزور اپنے مکان میں پکڑ لایا اور بلا رضا مندی ہندہ کے نکاح ہو گیا مگر ہندہ نے ایجاب و قبول نہیں کیا برابر انکار رہا ہندہ رخصت ہو کر زید کے یہاں نہیں گئی بعد چار سال کے محض دباؤ و ڈرانے کی غرض سے ایک مقدمہ فوجداری میں ہندہ کے باپ اور اس کے خاص عزیزوں پر زید نے دائر کیا زید کے خاص عزیزوں نے اپنی رہائی و گلو خلاصی ہندہ کے رخصت ہو جانے پر سمجھ کر بزور و جبر رخصت کر دیا اس خوف سے ہندہ وہاں جا کر بیمار ہو گئی اور وہاں بھی وہی نارضا مندی برابر رہی اور سچائی کی نوبت نہیں آئی اب عمر ہندہ کی بیس برس ہے اور اپنے باپ کے مکان میں ہے حبان کھونے پر آمادہ ہے مگر زید کے ساتھ رہنے یا اس کے گھر جانے پر رضا مند نہیں ہے، فقط اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کے ساتھ جو نکاح ہندہ کا بحالت نابالغی بلا رضا مندی ہندہ، ہندہ کے باپ نے کر دیا تھا وہ صحیح نکاح ہوا تھا یا نہیں اور اب ہندہ بالغ ہو گئی ہے اور دوسرا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ کرنا چاہتی ہے بلا زید کے طلاق دئے ہوئے ہو سکتا ہے یا نہیں اور کس طرح سے دوسرا نکاح ہو سکتا ہے؟

تتقیح: ہر ۱۔ کیا ہندہ کے باپ نے اس نکاح میں زید سے کچھ رقم لی ہے یا کچھ رقم لینا طے ہوا تھا۔ یا ہندہ کے باپ کو زید سے کچھ اور طمع تھی صاف صاف لکھا جائے نیز ہندہ کے باپ نے اس نکاح سے پہلے کسی اور لڑکی کے نکاح میں لڑکے والوں سے روپے

لئے ہیں یا نہیں ؟

۲ بروقت نکاح ہندہ کا کوئی اور ولی باپ کے سوا موجود تھا یا نہیں مثلاً ماں، بھائی وغیرہ اور یہ لوگ زید سے ہندہ کا نکاح ہونے پر راضی تھے یا نہیں ؟

۳ زید خاندان وغیرہ کی حیثیت سے ہندہ کا ہم کفو ہے یا نہیں ؟

ان سوالات کے جواب پر حکم نکاح بتلایا جائے گا۔ فقط حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔

۵ صفر ۱۴۲۵ھ

جواب تنقیم : ۱ رقم کی بابت زید اور اس کے بہنوئی نے کچھ لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کیا کہ روپیہ دیکر نکاح کیا ہوں بلا رقم خرچ کئے ہوئے بھلا وہ کیوں ہوتا اور ایسا نکاح ہوجانے کے بعد کثرت رائے اس بات پر اتفاق کرتی ہے کہ ضرور کچھ رقم لی گئی اور قبل نکاح زید ہندہ کے باپ کو بہت سے تحفہ تحائف دیتا تھا اور لڑکوں کی شادی نہ تو اس طرح ہوئی ہے جس میں کوئی خاص عزیز مثل بہنوئی خواہ بہن وغیرہ کے نہ شریک کئے گئے ہوں اور نہ اس طرح کا بے چوڑ معاملہ کہ جس سے لڑکی خود انکار کر دیوے اور زبردستی نکاح مشہور ہو۔

۲ بروقت نکاح ہندہ کی ماں موجود تھی کہ جس کا ارادہ قطعی نکاح کرنے کا نہیں تھا مگر بلحاظ شوہر کے کچھ بس و دم نہیں مار سکتی تھی سوائے ماں کے اور کوئی دوسرا وارث یا عزیز موجود نہیں تھا۔

۳ زید خاندان کی حیثیت سے ہندہ کا ہم کفو نہیں ہے ہندہ کا حسب نسب زید سے کہیں اچھا ہے، زید و ہندہ کے باپ سے کبھی کی جان و پہچان نہ تھی اور نہ آمد و رفت تقریب باہن کبھی تھا۔

دوبارہ تنقیم : زید کس بات میں ہندہ سے گھٹا ہوا ہے دونوں کی ذات کیا کیا ہے اس کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائے گا نیز یہ بھی لکھیں کہ جن لوگوں کے سامنے زید اور اس کے بہنوئی نے اس نکاح میں رقم لینا بیان کیا ہے وہ لوگ دیندار معتبر ہیں یا نہیں فقط ظفر احمد۔

جواب تنقیم دوبارہ : ۱ زید ہندہ کے مقابلہ میں نہیں ہے۔ کیونکہ حسب نسب بشیر سے اپنے برادرانہ وغیرہ برادرانہ میں اچھا سمجھا جاتا ہے اور اب تک اچھا ہے۔ اور اس کا قاعدہ خاص طریقہ اسلام پر ہے اور فرض اسلام و طریقہ مسلمانی کو باقاعدہ ادا کرتی ہے۔ زید کا حسب نسب معمولی درجہ کا ہے اور قاعدہ بالکل خراب ہے یعنی زید کے یہاں کی عورتیں اکثر بازار جانا یا

کہیں دوسری جگہ جانا ہو تو بلا کسی پردہ کے اور بلا کسی امداد یعنی دوسرا مرد جو ان کے گھر کا ہی اس کے ساتھ جانا بلکہ خود تنہا دوسری جگہ جانا جو دیگر اشخاص کے دیکھنے میں بالکل معیوب بات سمجھی جاتی ہے اور بات چیت بالکل اہل ہنود کے قاعدہ سے ملتی ہے۔

۲ زید و ہندہ ہم قوم ہیں اور شیخ کہے جاتے ہیں۔

۳ رقم کے بابت نید ادا اس کے بہنوئی نے ایسے شخص کے سامنے بیان کیا ہے جو دیندار اور نہایت معتبر شخص ہیں اور احکام خدا و رسول سے واقف ہیں علاوہ بریں اور کئی جگہ رقم کا تذکرہ برادری غیر برادری میں بذریعہ زید و اس کے عزیزان مثلاً بہن و بہنوئی وغیرہ سے آچکا ہے۔

الجواب ؛ فی الدر المختار (ولزم النکاح ولو بغین فاحش) بنقص

مہرھا و زیادة مہر (او) زوجھا (بغیر کفو ان کان الولی) المزوج بنفسه بغین راباً او جدّاً (و کذا المولی وابن المجنونة) لم یعرف منهما سوء الاختیار (مجانة و فسقاً) وان عرف لا یصح النکاح اتفاقاً و قال الشاخی تحت (قوله وان عرف لا) بعد الاشکال و الجواب: والحاصل ان المانع کون الاب مشهوراً بسوء الاختیار قبل العقد فاذا لم یکن مشهوراً بذلك ثم زوج بنته من فاسق صح وان تحقق بذلك انه سئ الاختیار واشتھر به عند الناس فلو زوج بنتاً اخری من فاسق لم یصح الثانی لانه کان مشهوراً بسوء الاختیار قبله بخلاف العقد الاول لعدم وجود المانع قبله (ص ۴۹۹ ج ۲)۔

وفی العالمگیریہ (ص ۱۸ ج ۲) ولو زوج ولداً الصغیر من غیر کفو بان زوج ابنه امه او ابنته عبداً او زوج بغین فاحش بان زوج البنت ونقص من مہرھا او زوج ابنه و زاد علی مہر امراة جاز و هذا عند ابی حنیفة ۳ هکذا فی التیین وعندهما لا یجوز فی الزیادة والخط الا بما یتعابن الناس فیہ قال بعضهم فاما اصل النکاح فصحیح والاصح ان النکاح باطل عندهما هکذا فی الکافی والصحیح قول ابی حنیفة ۴ کذا فی المضمومات وفی السطر الاتیة منه والخلاف فی ما اذا لم یعرف سوء اختیار الاب مجاناً او فسقاً اما اذا عرف ذلك منه فالنکاح باطل اجماعاً

وفي تنقيح الفتاوى الحامدية (ص ۱۲۲ ج ۱) (سئل) في هاشمی زوج
صغیرته بغير هاشمی عالمًا بذلت راضيًا به فهل یصح النکاح .
(الجواب) نعم والحالة هذه ام-

ان سب عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اس سوال میں اگر زید کو دین کے اعتبار سے ہندہ کا کفو
بھی تسلیم نہ کیا جائے (جس کو جواب تنقیح میں مجمل بیان کیا گیا ہے) تب بھی نکاح صحیح ہو گیا پس ہندہ
زید سے طلاق لئے بدون دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی کیونکہ ہندہ کے والد کی طمع (اگر وہ
ثابت ہو جائے) اسی نکاح ہندہ میں معلوم ہوئی ہے اس سے پیشتر اس سے ایسا واقعہ نہیں ہوا
جو سو راختیار کی شرط ہے۔ واللہ اعلم کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔ ۱۵ ربيع الاول ۱۳۵۴ھ۔

سوال (۲۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ
توولی دوسری جگہ لڑکی کا نکاح کر سکتی ہے | پھول بہار کے والد بنام عبد الحلیل نے دختر مذکور کی نسبت
زید سے کی تھی اور مرتے وقت یہ وصیت اس کی والدہ اور دادی سے کی تھی کہ پھول بہار کا نکاح
زید سے کرنا کہ جس سے کہ میں نے نسبت کی پس صورت مذکور میں پھول بہار کا ولی نکاح بلا اس کی
والدہ کی اطلاع کے اس کے والد کی وصیت کے خلاف پھول بہار کا عقد کسی دوسرے سے
کر سکتا ہے یا نہیں؟ بتینوا توجروا۔

الجواب؛ اس وصیت پر عمل ضروری نہیں ہے اس لئے ولی بلا اطلاع والدہ کے
وصیت کے خلاف کر سکتا ہے البتہ اگر اس جگہ نکاح کرنے میں کوئی شرعی خرابی نہ ہو تو وصیت کا
محاذ کرنا جائز ہے مگر واجب نہیں فقط احقر عبد الکریم عفی عنہ۔ ۱۹ جمادی الاخری ۱۳۵۴ھ۔
الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۹ جمادی الاخری ۱۳۵۴ھ۔

سوال (۲۸) چہ میفرماید علماء دین و مفتیان شرع
متین اندرین مسئلہ کہ زید اور عمر نجیب الطرفین پابند صوم و صلوٰۃ
بپ بالغ لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی
سے غیر کفو میں کر دے تو نکاح منع ہو جائیگا
ہیں زید اپنی آبائی خاندان سادات سے ہے اور عمر اپنے آبائی خاندان پٹھان سے ہے زید کی
رشتہ داری علاوہ سادات کے دیگر خاندان یعنی پٹھان اور شیخوں سے بھی مشترک ہے علیٰ ہذا
القیاس عمر کی رشتہ داری بھی علاوہ پٹھانوں کے خاندان سادات اور شیخوں میں مشترک ہے حتیٰ کہ
عمر کا نانا خاندان سادات سے ہے کیا ایسی صورت میں زید کی لڑکی عمر کے لڑکے سے منسلک ہو سکتی
ہے یا نہیں جواب با صواب سے مطلع فرمائیے؟

تنقیح: بر لڑکی بالغہ ہے یا نہیں اگر بالغہ ہے تو وہ اس رشتہ پر راضی ہے یا نہیں اور بالغہ نہیں ہے تو زید لڑکی کی کس مصلحت سے اس جگہ نکاح کرتا ہے یا کسی اپنی غرض سے کرتا ہے مفصل لکھیں اور زید کے باپ دادوں میں تو کوئی پٹھان تو نہیں کیونکہ رشتہ داری کا مفہوم اس کو بھی عام ہے۔ فقط۔

جواب تنقیح: بر لڑکی بفضلہ تعالیٰ بالغہ ہے سن پندرہواں سال ہے مگر اس ملک کا یہ رواج نہیں ہے کہ اس کو اس قدر آزادی حاصل ہو کہ اپنے والدین کی موجودگی میں بوجہ شرم و لیاظ کے اپنے تمیں رضامندی ظاہر کر سکے۔

(۲) زید کو کوئی مصلحت یا غرض دیوی نہیں ہے محض خداوند تعالیٰ کی رضامندی و رضا جوئی درکار ہے بدیں خیال خاندان سادات یا شیخوں میں ہنوز کوئی لڑکا پابند صوم و صلوة دستیاب نہیں ہوا اور جو ملتے بھی ہیں وہ زمانہ کے بگڑے ہوئے روشن خیال خٹلمین وضع میں نظر آتے ہیں۔ برعکس اس کے عمر اور اس کے اولاد بفضلہ تعالیٰ نجیب الطرفین اور پابند صوم و صلوة ہیں لہذا ایسی صورت میں شریعت کیا اجازت دیتی ہے؟

(۳) زید کے آباء و اجداد میں سوائے سادات کے کوئی شیخ یا پٹھان نہیں گذرا البتہ فرقہ انات سے جملہ مشترک ہیں فقط۔

الجواب: اگر لڑکی بالغہ ہے اور باکرہ ہے اور اس کا ولی غیر کفو سے نکاح کرتا ہے اور لڑکی اس نکاح پر خاموش رہے یا زبان سے اس کو منظور کرے تو نکاح صحیح ہے غیر کفو سے نکاح کرنا اس صورت میں مضائقہ نہیں رکھتا واللہ اعلم۔ احقر عبد الکریم عفی عنہ ۸ رجب ۱۳۵۵ھ، الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ، ۸ رجب ۱۳۵۵ھ۔

سوال (۲۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عمر نے انتقال کیا ایک زوجہ و دختر مسماۃ ہندہ و برادرزادہ حقیقی مسمیٰ بہ زید و نسبہ پھوپھی و خالہ زاد برادر چھوڑا ظاہر ہے کہ برادرزادہ حقیقی ولی نا بالغہ لڑکی کا ہے اب ولی مذکور کی خواہش ہے کہ اپنا نکاح خود نا بالغہ سے کرے دریافت طلب یہ ہے کہ اس نکاح کا ولی کون شخص ہوگا اور

عہ یعنی یا اس کو حیض آنے لگا ہو یا پورے پندرہ سال کی ہو گئی ہو اور اگر حیض نہ آتا ہو اور پورے پندرہ سال کی نہ ہو تو نا بالغہ ہے اگر ایسا ہو دوبارہ سوال کیا جائے ۱۲ از حضرت مولانا عظیم العالی۔

یہ نکاح کس کی اجازت سے ہوگا۔ بحوالہ کتاب جواب دیں اللہ آپ لوگوں کو اجر دے گا۔
الجواب من بعض العلماء:

صورت مسئلہ میں برادرزادہ حقیقی خود نکاح کر سکتا ہے اور وہ خود اجازت دے گا بشرطیکہ لڑکی نابالغہ کا نقصان کسی قسم کا متصور نہ ہو۔ اور دیانت و امانت سے اس عقد کو کرے اگر برادرزادہ حقیقی نے نکاح کر لیا اور اس میں نابالغہ کا نقصان ہوا تو بعد بلوغ نابالغہ کو حتیٰ فسخ کا ہوگا جیسا کہ عبارت شرح وقایہ جلد ثانی ص ۱۲ سے ظاہر ہے وصح انکاح الاب والجد عند عدم الاب الصغير والصغيرة بغبن فاحش فی المهر او من غیر کفو لا لغيرهما ای لا یصح لغير الاب والجد انکاح الصغير والصغيرة بغبن فاحش فی المهر او من غیر کفو اتفاقاً والله اعلم بالصواب کتبہ عبد الحمید غفرلہ ساکن قصبہ نگرہنہ،
 لقد اصاب من اجاب محمد عبد الاحد کان الله له ساکن قصبہ نگرہنہ۔
 ۲۷ شوال ۱۳۲۸ھ۔

مرح من بعض العلماء:

مفتی نے جو یہ جواب لکھا ہے کہ صورت مسئلہ میں برادرزادہ حقیقی خود نکاح کر سکتا ہے اور وہ خود اجازت دے گا بشرطیکہ لڑکی نابالغہ کا نقصان کسی قسم کا متصور نہ ہو اور دیانت و امانت سے اس عقد کو کرے ام معلوم مفتی رحمنا اللہ ولہ کا اس انعقاد سے کیا مراد ہے اگر عقد لازمی مراد ہے تو عقد لازم نہ ہوگا موقوفی ہوگا۔ اور مفتی رحمنا اللہ ولہ نے جو یہ جواب دیا ہے کہ۔ اگر برادرزادہ حقیقی نے نکاح کر لیا اور اس میں نابالغہ کا نقصان ہوا تو بعد بلوغ نابالغہ کو حتیٰ فسخ کا ہوگا۔ یہ مفتی رحمنا اللہ ولہ کا تساہل ہے کیونکہ اگر چہ بھائی نے نابالغہ سے غبن فاحش مہر میں اپنے ساتھ نکاح کر لیا تو یہ نکاح باطل ہوگا موقوفی نہ ہوگا اسی واسطے وقایہ متن والا بولتا ہے صح انکاح الاب والجد عند عدم الاب الصغير والصغيرة بغبن فاحش فی المهر او من غیر کفو لا لغيرهما۔ اگر کوئی کہے کہ اگر چہ بھائی نے نابالغہ سے مہر میں غبن فاحش کر کے نکاح کر لیا تو یہ نکاح صحیح ہوگا جیسا کہ شرح وقایہ میں ہے وان فعل غیرہما قلہما ان یفسخا بعد البلوغ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شائع وقایہ سے یہاں وہم واقع ہوا ہے جو اس نکاح کو صحیح ہونا بتاتا ہے حالانکہ نہ لازمًا نہ موقوفًا کوئی نکاح نہیں ہوا۔ چنانچہ درمختار میں ہے وان کان المزوج غیرہما ای غیر الاب و ابیہ لا یصح النکاح من غیر کفو و بغبن فاحش اصلاً و ما فی صدر الشریعہ صح

ولهما فسخه وهم وان كان من كفؤ بمهر المثل صح ولكن لهما اي الصغير وصغيرة
خيار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنكاح بعد انتهائهم ملخصاً -

اور در مختار کی شرح شامی میں ہے قولہ صح ولهما فسخه اي بعد بلوغهما والجملة
قصد بها لفظها مرفوعة المحل على انها بدل من ما اراد محكته بقول محذوف
اي قاعلاً وقوله وهم خبر عن ما وعبارة صدر الشريعة في متنه وصح انكاح الاب و
العجد عند عدم الاب الصغير والصغيرة بغبن فاحش ومن غير كفؤ لا غيرهما
وقال في شرحه اي لو فعل الاب او العجد عند عدم الاب لا يكون للصغير والصغيرة
حق الفسخ بعد البلوغ وان فعل غيرهما فلهما ان يفسخا بعد البلوغ اه ولا
يخفى ان الوهم في عبارة الشرح وقد نبه على ربه ابن الكمال وكذا المحقق
التفتازاني في التلويح في بحث العوارض وذكر انه لا يوجد رواية اصلاً و
اجاب القهستاني بان صحته بالغبن الفاحش نقلتها في الجواهر عن بعضهم و
بغير كفؤ نقلتها في الجامع عن بعضهم قال وهذا يدل على وجود الرواية اه
قلت وفيه نظر فان ما كان قولاً لبعض المشائخ لا يلزم ان يكون فيه رواية
عن ائمة المذهب ولا سيما اذا كان قولاً ضعيفاً مخالفاً لما في مشاهير كتب المذهب
المعتمدة انتهى كلامه ، وقال في هامش شرح الوقاية وهذا يدل على
وجود الرواية وفيه انه قول غير معتبر والاصح بطلان انكاح غيرهما بالغبن
فاحش ومن غير كفؤ من اصله انتهى -

اب صورة مسئوٰلہ کا جواب لکھا جاتا ہے کہ نابالغہ کا چچیرا بھائی جو ولی ہے اگر وہی اپنے ساتھ
نکاح کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو ایسی صورت میں بھی ولی چچیرا بھائی ہی ہوگا اور اپنے ساتھ اپنی اجازت
سے مہر بالمثل میں نکاح کر سکتا ہے مگر نابالغہ کو اختیار ہے کہ بعد بلوغ اس نکاح کو قائم رکھے یا فسخ
کر دے ۔ ہدایہ میں ہے ویجوز نکاح الصغير والصغيرة اذا زوجها الولي فان
زوجهما الاب او العجد يعني الصغير والصغيرة فلا خيار لهما بعد بلوغهما و
ان زوجهما غير الاب والعجد فلكل واحد منهما الخيار اذا بلغ ان شاء اقام
على النكاح وان شاء فسخ انتهى ملخصاً اور جانتا چاہئے کہ صورت مسئوٰلہ میں چچیرا
بھائی نابالغہ کا ولی واصل ہے یعنی خود اپنے ساتھ اگر مہر بالمثل میں نکاح کرنا چاہتا ہے تو یہ نکاح

صحیح ہوگا مگر نابالغہ کو بعد بلوغ فسخ وعدم فسخ کا اختیار ہے شرح وقایہ میں ہے ویتولی طرفی النکاح واحد لیس بفتولی من جانب وهو علی اقسام منها ان یکون الواحد اصیلاً ولیا کا بن العم ینزوج بنت عمہ الصغیرۃ انتہی بتغیر ما۔ حاصل کلام اگر حجیر اجملاً نابالغہ چچا زاد بہن سے ہر بالمثل میں یا بغیر نقصان فاحش نکاح کرے گا تو صحیح ہوگا ورنہ نہیں واللہ اعلم وعلیہ اتم۔ کتبہ عبد الرشید بن شوق نیموی عظیم آبادی رحمہما اللہ تعالیٰ

۳۴۸ھ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ۳ شوال

الجواب من جامع امداد الاحکام

الجواب الثاني صحيح. ولكن خيار الفسخ بعد البلوغ يقتضي قضاء القاضي ويتوقف عليه ولا تنفخ المرأة بفسخ نكاحها بعد البلوغ بدون القضاء وليس في الهند قاض شرعي يتولى فسخ مثل هذا النكاح، والله اعلم۔

ظفر احمد عفاعنه۔ ۱۵ ربيع الاول ۱۳۸۸ھ۔

سوال (۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندو بالغہ کا نکاح اس کے سوتیلے باپ

دھوکہ سے غیر کفو میں نکاح ہو گیا تو طوطی اور اولیاء کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا

نے زید کے ساتھ کر دیا جس نے اپنے کو شیخ انصاری بتلایا بعد نکاح معلوم ہوا کہ زید نور باف ہے چونکہ یہ نکاح لاعلمی میں غیر کفو میں ہو گیا کیا شرعاً یہ نکاح درست اور جائز ہے؟ بینوا تو جردا۔

الجواب: صورت مسئلہ میں نکاح تو ہو گیا لیکن چونکہ زید نے ہندو کو اور اس کے اولیاء کو دھوکہ دیا کہ اپنے کو انصاری ظاہر کیا اور یہی سمجھ کر وہ لوگ نکاح پر راضی ہوئے اس لئے ہندو کو اور اس کے اولیاء کو اس نکاح کے فسخ کرانے کا حق حاصل ہے وہ عدالت میں دعویٰ کر کے نکاح کو فسخ کرا سکتے ہیں اگر حاکم عدالت مسلمان ہو تو اس کا فسخ شرعاً بھی معتبر ہے اگر مسلمان نہ ہو تو اس کے بعد ہندو کو اپنا مقدمہ برادری کی پچایت کے سامنے بھی پیش کرنا چاہئے جس میں کسی عالم کو بھی شریک کیا جائے برادری اس نکاح کو فسخ کر دے گی تو شرعاً نکاح فسخ ہو جائے گا جس کے بعد ہندو دوسری جگہ اپنا نکاح کفو میں کر سکے گی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ الحجیر الناجزہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ظفر احمد عفاعنه۔ ۲۶ شعبان ۱۳۸۶ھ۔



بیان الحق والصواب فی مسئلتہ الکفاءة بالانساب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بعد الحمد والصلوة - کلامی

لا ینسخ کلام اللہ حدیث صحیح بھی نہیں ،
متواتر تو کیا ہوتی اس کی سند میں ایک راوی شہم
بالوضع ہے ملاحظہ ہو تنقیح المشکوٰۃ ص ۴۵ ،
اور آیت فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّکْیَحْنَ
اِذَا تَرَیْضُوْنَ بَیْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ
الایۃ ثببات کے متعلق ہے جو پہلے ذات ازواج
رہ چکی ہیں اس سے مطلقاً تراضی کے اشتراط
پر استدلال کرنا عربیت سے نادانی پر مبنی ہے۔
فقہاء نے تراضی کو ضرور شرط کیا ہے مگر وہ شرط
عام ہے خواہ تراضی زوجین ہو اگر دونوں حُر اور
بالغ ہوں یا تراضی اولیاء و موالی ہو اگر نابالغ
یا غلام باندی ہوں اس آیت سے فقہاء کے
اس قول کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ یہ آیت مطلقاً ثببات
بالغات کے حق میں ہے۔ اور اگر بالفرض
اس سے مطلقاً اشتراط تراضی پر استدلال کیا جائے
تو آگے بالمعروف کی قید بھی تو مذکور ہے جس
میں معلوم ہوا کہ یہ تراضی مطلقاً معتبر نہیں بلکہ
اسی وقت معتبر ہے جبکہ قاعدہ معروفہ کے

مبملاً وحامداً و مصلیاً۔
مخدوم و مکرم حضرت مولانا! السلام
علیکم ، چونکہ میرا اور آپ کا نیز کل اہل حق کا
اعتقاد یہ ہے کہ سوا انبیاء کے کوئی معصوم عن
الخطا نہیں ہے اس لئے اس عریضہ کے لکھنے
کی جرأت کرتا ہوں وہ یہ کہ امر مسلم ہے کہ احکام
قرآن کی تنسیخ صرف آیات قرآن سے ہی ہو سکتی
ہے حسب لا ینسخ کلامی کلام اللہ حدیث
متواتر سے بھی قرآن کے احکام نہیں ترک
ہو سکتے ہیں اور اس لئے حضرت عمرؓ نے زینب
کی حدیث پر عمل نہیں کیا جب یہ امور مسلمہ ہیں
تو کیا استحسان سے نصوص قرآنیہ کو چھوڑنا جائز ہے؟
حال یہ ہے کہ استحسان بھی قیاس ہی کا ایک قسم
ہے یقیناً میرا اور آپ کا اعتقاد یہ ہے کہ جائز
نہیں ہے اب عرض یہ ہے کہ تراضی زوجین فی
النکاح فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّکْیَحْنَ اِذَا تَرَیْضُوْنَ
اِذَا تَرَیْضُوْنَ بَیْنَهُمْ کے نص صریح سے ثابت ہے
اور اس لئے کل فقہاء نے بالاتفاق نکاح کے

انعقاد میں تراضی زوجین شرط اور قید لگایا ہے
 وینعتقد بایجاب و قبول بالتراضی
 آپ کے سامنے ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ قبل از
 بلوغ تراضی نہیں ہے پس اگر کسی نے نابالغ کا
 نکاح کیا خواہ باپ ہو یا دادا ہو پس وہ نکاح
 تراضی بعد البلوغ پر موقوف رہنا چاہئے اس
 لئے کہ باپ دادا کو حق نہیں ہے بغیر مرضی لڑکی کے
 نکاح کرنے کا خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ چنانچہ
 خنسا کی حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے
 اور قرآن کے نص مذکور سے ثابت ہوتا ہے پھر
 یہ فتویٰ دینا جیسے کہ آپ نے بہشتی زیور میں
 تقلیداً درج فرمایا ہے کہ اگر لڑکی کا نکاح باپ
 دادا نے کیا ہو تو بعد بالغ ہونے کے اس کو
 توڑنے اور فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے کتنی
 بڑی جرأت ہے کہ نص قرآن تو باوازا بلند
 تراضی کا اعلان کرتا ہے اور احناف مجھ تقلید
 کی وجہ سے ایک صورت میں بدون تراضی نکاح
 نافذ قرار دیتے ہیں لڑکی بعد بالغ ہونیکے صاف
 انکار کرتی ہے کہ میرے بانیچہ نکاح میری لاعلمی
 میں قبل از بلوغ کیا ہے وہ مجھ کو منظور نہیں ہوتا
 اور احناف کہتے ہیں کہ اگرچہ تم راضی ہو اور اس
 نکاح کو ناپسند کرتی ہو مگر تم کو توڑنے اور فسخ
 کرنے کا اختیار نہیں ہے اس لئے کہ تمہارے باپ
 یا دادا نے کیا ہے تو کیا خدا کے یہاں ابوحنیفہؒ
 احناف کو اس جرأت علی کتاب اللہ سے نجات

موافق ہو اور قاعدہ معروفہ اسلام میں یہی ہے
 کہ نابالغ لڑکی کا نکاح ولی کی رضا سے ہوتا ہے
 اور ولی اگر باپ ہو تو لڑکی کو بعد بلوغ کے اختیار
 نہیں ہوتا جیسا آئندہ حضرت عائشہ رضی اللہ
 عنہا کے نکاح سے اس کا ثبوت آتا ہے اسی
 قید بالمعروف سے حنفیہ نے یہ کہا ہے کہ اگر
 عورت مہر مثل سے کم پر یا غیر کفو سے نکاح پر
 راضی ہو جائے تو یہ رضا معتبر نہیں کیونکہ
 خلاف معروف ہے اس وقت ولی کو حق عقل
 حاصل ہوگا۔ پس اذا تراضوا بینہم کو دیکھ
 لینا اور بالمعروف سے قطع نظر کرنا علم
 نہیں ہے جہل ہے۔ قال ابن العربی
 المالکی فی احکام القرآن لہ قولہ
 تعالیٰ اذا تراضوا بینہم بالمعروف
 یعنی اذا کان کفو الہالان الا یہ
 نزلت فی ثیب مالکۃ امرہا فدل
 علی ان المعروف المراد بالایۃ هو
 الکفاۃ و فیہا حق عظیم للاولیاء
 لما فی ترکہا من ادخال العار علیہم
 وذلک اجماع من الامۃ ام ۸۵ھ
 وانکحوا الا یا علی منکم میں اولیاء
 کو خطاب ہے کہ جن عورتوں کے شوہر نہ ہواؤں کا
 نکاح کر دو۔ ایسے عام ہے ہر غیر ذات زوج
 کو، آگے ارشاد ہے والصالحین من
 عبادکم واما شکہ اپنے غلام اور باندیوں

دلا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، پھر کیونکر ایسی تقلید کو رائہ کی وجہ سے عسکر کے تنگ احاطہ میں مسلمانوں کو قید کیا جاتا ہے اور نسیر کے میدان وسیع میں جانے کی اجازت نہیں دیتے ہیں؟ قرآن تو یوں فرماتا ہے ویوم ینادیہم فبقول ماذا احببتم الہم سلین کیا یہ بھی کہیں سے ثابت ہے کہ خدا ائمہ اربعہ یا اور کسی بزرگ کی تقلید کے بارے پوچھے گا؟

میں سے جو نیک ہوں ان کا بھی نکاح کر دو اسی سے یہ معلوم ہوا کہ نابالغہ اور غلام باندی کے نکاح میں ولی اور مولیٰ کی رضا کافی ہے نابالغہ اور غلام باندی کی رضا شرط نہیں ورنہ یہاں بھی اذا تساموا کی شرط مذکور ہوتی۔ احناف اور شوافع وغیرہم جو مجتہدین کے واسطے سے قرآن و حدیث کو سمجھتے ہیں وہ جرأت علی اللہ نہیں کرتے، جرأت علی اللہ وہ کرتے ہیں جو محض قرآن و حدیث کا ترجمہ دیکھ کر مجتہد بنے بیٹھے ہیں حالانکہ وہ محض مطالعہ ترجمہ سے نہ طبیب و ڈاکٹر بن سکتے ہیں نہ وکیل و پریسٹر، یہ محض دین سے بے اعتنائی ہی تو ہے کہ ہر شخص اس میں رائے کو دخل دیتا ہے۔

آیت ان اکرمکم عند اللہ اتقکم میں فخر بالانساب کی ممانعت ہے مسئلہ کفارت کی نفی کہاں ہے۔ اور جو شخص مسئلہ کفارت کو فخر بالانساب سمجھتا ہے وہ جاہل ہے مسئلہ کفارت کا مدار اسی تعارف پر ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا۔ جس سے معلوم ہوا کہ شعوب و قبائل کو تعارف میں دخل ہے اور نکاح کی بنیاد ہی تعارف پر ہے بدون تعارف کے جو نکاح ہوگا اس میں مقصد نکاح فوت ہوگا زوجین میں الفت

عہ د عاشیہ برصغہ ائندہ

دوسری عرض یہ ہے کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم عام ہے اور اس کا یہی معنی ہے کہ اکرم عند اللہ فی الدنیا والآخرۃ متقی اور پرہیزگار ہے خواہ وہ کوئی ذات ہو عرب یا عجم یا جولا یا دھنیا یا شیخ یا پٹھان یا شیخ یا سید یا علوی یا انصاری یا اور کوئی کلمہ گو ہو اور احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح ہے۔ فاطفر بذات الدین سے عام بذات الدین مراد ہے خواہ کوئی ذات اور کوئی قوم ہو اور کوئی پیشہ کرتا ہو اس سے نہ آپ انکار کر سکتے ہیں نہ اور کوئی منصف مزاج مسلمان اور انکاح میں جو یہ ارشاد ہے اذا وجدت لہا کفو اس سے

وہی ذات الدین مراد ہے چنانچہ دوسری حدیث صحیح میں اس کی تصریح ہے اذا خطب الیک من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوا الا تفعلوه تکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض۔ ہر مومن باللہ ورسولہ سے اس حدیث میں ہر اس مسلمان کو ارادہ کرے گا جو موصوف بالدين المرضی واخلق المرضی ہو خواہ وہ کوئی ذات ہو لیکن تفریق بین المؤمنین جو آپ نے تقلید بہشتی زیور میں درج کیا ہے کہ فلا نے کے یہاں نکاح بے جوڑ ہے اور فلا نے کے یہاں باجوڑ ہے اور نصوص قرآن و حدیث پر غور نہیں فرمایا ہے، اس کا جواب خدا کو دیں گے کیا ابو حنیفہ یا صاحب ہدایہ وغیرہ کی تقلید حجت عند اللہ ہو سکتی ہے؟ ہاں مولانا یہ جو کچھ ہے کفار اور زمانہ جاہلیت کا رسم بد ہے جو بد نصیبی اور تقلید کورانہ سے مسلمانوں میں پھیلائی ہے آپ کے سامنے حدیث صحیح موجود ہے جس میں آنحضرتؐ نے فخر بالانساب کو مانند ضحک عن الضرطۃ زمانہ جاہلیت یا کفار کا رسم بد قرار دیا ہے پس کیونکر نصوص قرآن و حدیث سے چشم پوشی کی جاتی ہے اور محض رسم و رواج کی بنا پر اور تقلید کورانہ کی وجہ سے وہ چیز جس کو آنحضرتؐ

و محبت نہ ہوگی اس لئے نکاح میں تعارف کی ضرورت ہے جو شعوب و قبائل پر مبنی ہے، اس سے کسی خاندان پر کسی خاندان کی ایسی فضیلت لازم نہیں آتی کہ عمل ہی استغفار ہو جائے ان اکرمکم عند اللہ اتقکم کا یہی مطلب ہے۔ پس جو لوگ اس آیت سے ابطال کفارت پر استدلال کرتے ہیں وہ قرآن میں اپنی رائے سے زیادتی کرتے ہیں۔ اگر وہ تدبر سے کام لیتے تو اسی آیت سے کفارت کے مسئلہ کو سمجھ لیتے۔

فاظفر بذات الدین میں مردوں کو خطاب ہے کہ دیندار عورت کو تلاش کرو۔ اور مردوں کے واسطے فقہاء نے کفارت کی شرط کہاں لگائی ہے، مرد جس مسلمان عورت پہلے نکاح کر سکتا ہے، کفارت کی شرط عورتوں کے واسطے ہے، اس سے اس حدیث میں کچھ تعرض نہیں اور جو شخص اس سے عورتوں کے لئے خطاب سمجھے وہ عربیت سے محض نا بلد ہے۔ البتہ اذا خطب الیک من ترضون دینہ وخلقہ میں عورتوں کی بابت مردوں کو خطاب ہے کہ جب تمہاری پس

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) حدیث میں ہر الارواح جنود مجنۃ ما تعارف منها ائتلف وما تناکر منها اختلف فلا دلیل علی کون التعارف فی الآیۃ مخصوصاً بتعارف الاشخاص بل هو عام لتعارف الارواح والاشخاص جميعاً ۱۲ ظ

کفار جاہلیت کی رسم بد فرماتے ہیں حکم اسلام
اعتقاد کیا جاتا ہے اور فقہاء نے جو احادیث
اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں کفارت کے
بابے میں ان کو کون تسلیم کر سکتا ہے جو نصوص
قرآن و احادیث صحیحہ سے خلاف ہیں۔

کوئی ایسا شخص پیغام لائے جس کے دین
اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے اپنی
عورتوں کی شادی کر دو۔ مگر یہاں فقط دین
پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ حلقہ بھی فرمایا گیا ہے،
اور مشاہدہ ہے کہ شعوب و قبائل کے اخلاق
میں باہم زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے، ایک
قریشی سید کے جو اخلاق عالیہ ہوں گے وہ کسی
جلاہے یا تیلی کے نہیں ہو سکتے، اس قید
سے خود کفارت کے اعتبار پر اشارہ موجود ہے
مگر کوئی نہ سمجھے تو اس کا کیا علاج؟ نیز اس
حدیث میں لفظ فسق و فجور اس بات کو بھی بتلا
رہا ہے کہ نکاح میں ولی کی رضا کافی ہے کیونکہ
یہاں اولیاء ہی کو خطاب ہے پس نابالغ
لڑکیوں کی رضا کو شرط بنانا حدیث میں رائے
کو دخل دینا ہے۔

اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ ابو حنیفہؒ اور
صاحب ہدایہ نے جو کچھ کہا ہے حدیث و قرآن
سے سمجھ کر کہا ہے، مگر یہ اس چودھویں صدی
کی حریت اور آزادی کا اثر ہے کہ اخلاف
امت سلف کو تو برا کہتے ہیں اور اپنی رائے
سے دین کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فخر بالانساب
کی ضرورت مذمت کی ہے مگر اعتبار کفارت کی
مذمت نہیں فرمائی اور دونوں کو ایک سمجھنا
سراسر جہالت ہے کیا حدیث میں یہ نہیں ہے

الناس معادن كمعادن الذهب و
الفضة خيارهم في الجاهلية خيارهم في
الاسلام اذا فقهوا اور حديث میں یہ نہیں ہر
الاثمة من قریش اور کیا قرآن میں نہیں ہر
لا يستوى منكم من الفق قبل الفقه و
قاتل . جس میں مہاجرین کو غیر مہاجرین سے
افضل کہا گیا ہے ، کیا قرآن میں نہیں ہے ،
هل يستوى الذين يعلمون والذين
لا يعلمون ، جس میں عالم کو جاہل سے افضل
کہا گیا ہے ، کیا قرآن میں نہیں ہے ام جعل
المتقين كالنجار ، جس میں صلحاء کو فاسقوں
سے افضل کہا گیا ہے یہی وہ امور ہیں جن کی کفارت
میں رعایت ہے ۔

اور بتلایا جا چکا ہے کہ مسئلہ کفارت
صرف احادیث ہی نہیں بلکہ نص قرآن سے
بھی ثابت ہے مگر کوئی نہ سمجھے تو اس کا کیا
علاج ؟ کفارت کے متعلق جو احادیث ہیں
ان میں سے ایک آدھ بھی قابل عمل ہوئی تو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد کیا
کافی نہیں ؟ پھر اس کا انکار کرنے والا منکر
حکم رسول ہو گا یا نہیں ؟

ولقد يسرنا القرآن للذکر کی جو
تفسیر آپ نے سمجھی ہے وہ تفسیر بالرائے ہے ،
یقیناً قرآن عربی فصیح و بلیغ ہے ، اس کا سمجھنا
فصحاً و بلیغاً عربی کا منصب ہے محض ترجمہ

ائمہ احادیث نے شکر اللہ سعیدہم
ان چھ کتابوں میں انہی احادیث کو درج کئے
ہیں جو ان کی تحقیق اور تنقید میں صحیح تھیں اور
جن کو اس وقت تک اہل السنہ والجماعہ مانتے
چلے آتے ہیں پس ان سے خلاف جو احادیث
فقہاء نے نقل کئے ہیں ان کو کون تسلیم کر سکتا
ہے حضرت مولانا اگر آپ قرآن اور احادیث صحیحہ
پر غور فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ کفارت
کے مسائل جو فقہاء نے درج کئے ہیں شاید ان
میں سے ایک آدھ قابل عمل ہو۔ قرآن کے بارے
خلاف رہتا ہے ولقد يسرنا القرآن للذکر
فهل من مذکر۔ پس قرآن تو ہر ذی عقل

عربی و ان بخوبی سمجھ سکتا ہے خدا نے قرآن میں جو یہ فرمایا ہے انا خلقناکم الایۃ اور شعوب اور قبائل بنایا ہے یہ صرف تعارف کے لئے ہر نہ تفاضل کے لئے ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو ایمان لایا وہ ہر مسلمان کا کفو ہوا اور ہر مسلمہ کا نکاح اس سے باجوڑ ہے نہ بے جوڑ خواہ وہ عرب ہو یا عجم یا جولا یا یادھنیا یا اور کوئی پیشہ کرتا ہو۔

جاننے سے قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا چنانچہ اوپر آیات و احادیث گذر چکی ہیں جن کے سمجھنے میں آپ نے غلط فاحش کا ارتکاب کیا ہے، پھر قرآن اگر ذکر کے لئے آسان ہے کو کیا استنباط احکام کے لئے بھی آسان ہے؟ جو اس کا دعویٰ کرے یقیناً جرأت علی اللہ کا ارتکاب کرتا ہے ذکر و استنباط میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ کافروں سے مسلمان عورتوں کا نکاح نہ کرو۔ اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ اسلام لانے کے بعد سب کسب برابر ہیں جو یہ دعویٰ کرتا ہے وہ قرآن میں اپنی رائے سے اضافہ کرتا ہے، پھر ولا تنکحوا میں صاف اشارہ ہے کہ عورتوں کا نکاح کرنا نہ کرنا مردوں کے ہاتھ پر اسی لئے تو مردوں کو خطاب کیا گیا کہ تم ان کا نکاح کافروں سے نہ کرو۔

حدیث میں خلق مرہنی کی رعایت کا حکم ہے وہی تو فقہاء کی شروط کفارت کی دلیل ہے کیونکہ شعوب و قبائل کے اخلاق میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

حضرات صحابہ تو سب کے سب ایسے ہی تھے کہ کفر سے اسلام میں داخل ہوئے تھے اس لئے وہ سب کفو تھے ان میں کسی کے

ہاں احادیث میں جو خلق مرضی اور دین مرضی کفارت فی النکاح کا معیار قرار دیا گیا ہے وہ ضروری اور قابل لحاظ اور طول بالمال اور استطاعت بالبارة بھی شرط ہے اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے مگر یہ جو احناف نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے کہ کفار نو مسلم کے لئے کم از کم ابوان فی الاسلام

ہونا چاہئے جو نص قرآن سے بالکل خلاف ہے
کیوں مانا جاتا ہے صحابہ کرام کے پاک دماغوں میں
ہرگز یہ خلاف نصوص خیالات نہ تھے بلکہ لاکھوں
کو مشرف باسلام کیا اور جو مسلمان ہوا اگرچہ
اس کا باپ کافر ہو وہ کل اہل اسلام کا کفو اور
حقوق میں مساوی ہوتا تھا خود صدیق اکبر
حضرت ابوبکرؓ کا باپ ابو قحافہ مکہ میں کفار کے
ساتھ تھا اور غالباً وہ فتح مکہ سے قبل اسلام
نہیں لایا تھا مگر حضرت ابوبکرؓ کیسی نے یہ
طعن نکیا کہ تمہارا باپ کافر ہے اس لئے تم ہمارا
کفو نہیں ہیں ایسے ہزار ہا مسئلہ موجود ہیں اور
آپ کے سامنے ہیں پھر کیونکر تقلید کو رانہ کی وجہ
سے نصوص قرآن و حدیث اور تعامل صحابہ کرام
بالائے طاق رکھا جاتا ہے اور تفریق بین المؤمنین
کے گناہ کبیرہ میں مبتلا ہوتے ہیں فرقہ ناجیہ
حسبہم الذین علی ما انا علیہ واصحابی
وہی ہیں جو صحابہ کرام کے تعامل کو اپنا دستور
العمل بناتے ہیں اور واللہ باللہ شتم باللہ کہ صحابہ
کرام میں کفارت کے یہ خیالات نہ تھے جن کو
احناف نے اپنا ایمان و اسلام قرار دیا ہے۔

باپ کے کافر ہونے سے دوسرے پر فوقیت
لازم تھی لہذا وہاں ابوان فی الاسلام
معیار کفارت کیونکر ہوتا اس کا ثبوت دینا
چاہئے کہ صحابہ نے نکاح میں عرب و عجم کا بھی
الحاظ نہیں کیا اور حنفیہ کے پاس اس کی دلیل
موجود ہے کہ اس کا لحاظ کیا گیا ہے۔ مردی
البنار بسند عن سلمان رضی اللہ عنہ
قال نفضلکم یا معاشرا العرب لتفضل
رسول اللہ صلی اللہ علیہ ایاکم فلا ننکم
نساءکم ولا نؤمکم فی الصلوۃ قال
الحافظ ابن تیمیۃ فی اقتضاء الصراط
المستقیم وھذا السناد جید ورواہ
الثوری عن ابی اسحق عن ابی لیلی عن
سلمان انہ قال فضلتمونا یا معاشرا
العرب باثنین لا نؤمکم ولا ننکم
نساءکم ۱۷ ص ۷۶۔ حافظ ابن تیمیہ
نے بتلایا ہے کہ یہ حدیث ان فقہار کی حجت
ہے جو کفارت میں عربیہ کا عجمی کے مقابلہ میں لحاظ
کرتے ہیں اور جو شخص احادیث صحیحہ کو صرف
صحابہؓ میں منحصر کرتا ہے وہ اپنی جہالت کا
ثبوت دیتا ہے، مؤطا مالک، مسند احمد ہند
شافعی، مسند ابی حنیفہ، مصنف عبد الرزاق،
مصنف ابن ابی شیبہ، مسند بزار، مسند ابی یعلیٰ
جامع سفیان ثوری، جامع وکیع و مستدرک
حاکم وغیرہ میں ہزار ہا احادیث صحیحہ موجود ہیں۔

آج کل آریہ سماجی پلیٹ فارم کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ اسلام لانا اپنے آپ کو نہ صرف عقبیٰ کے عذاب میں گرفتار کرنا بلکہ دنیا میں بھی عذاب میں پڑ جانا ہے اس لئے کہ تم کو مسلمان اپنی برادری میں شامل نہ کریں گے نہ تم کو لڑکی دیں گے اور نہ تمہاری لڑکی سے شادی کریں گے ہاں آریہ سماجی ہو جاؤ اور شدہ ہو جاؤ تو تم کو ہم دل سے اپنی برادری میں شامل کرتے ہیں تم کو لڑکی دیں گے تمہاری لڑکی سے شادی کریں گے۔ آخرت کے بارے میں تو آریہ سماجیوں کا کہنا اگرچہ غلط ہے مگر دنیا کے بارے بالکل درست ہے اور اس وجہ سے دیگر مذاہب ولے اسلام قبول نہیں کرتے ہیں خادم کا چشم دید واقعہ ہے بہار کے علاقہ میں کاتون کا ایک خاندان مسلمان ہو گیا جن میں بڑے بڑے لوگ تھے، ایک ان میں خان بہادر وکیل محمد جان تھے ان کو اسلام لانے کے بعد لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کرنے میں بڑی دقت پیش آئی یہ دیکھ کر آریہ سماجیوں نے دعوت ارتدادی اور کہا کہ تم شدہ اور آریہ ہو جاؤ ہم ابھی تمہاری لڑکیوں اور لڑکوں کی شادی اچھے سے اچھے گھرانے میں کرتے ہیں مگر چونکہ وہ راسخ الاعتقاد تھے مرتد نہ ہوئے۔

حدیث مذکور میں جو تکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض وارد ہے وہ یہی

آریہ سماج کے مسئلہ کفارت پر اعتراض کرنے سے اگر یہ مسئلہ غلط ہو جائے گا تو ستیا رتھ پرکاش اٹھا کر دیکھو اس میں اسلام کے عقائد و عبادات کا بھی مضحکہ اڑایا گیا ہے تو کیا دوسروں کے اعتراض سے اپنے سارے گھر ہی کو برباد کر دو گے تم تو یہ کہتے ہو کہ مسئلہ کفارت کفار کو اسلام سے روک رہا ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ قربانی ان کو اسلام سے روکتی ہے تیسرا کہتا ہے کہ ختنہ کا مسئلہ مانع ہو رہا ہے چوتھا کہتا ہے کہ نماز کا حکم مانع ہو رہا ہے تو بس اسلام ہی ان کی خاطر مٹا دو۔

پھر مسئلہ کفارت کا یہ مطلب کس نے بتلایا ہو کہ عورت مسلمہ کا نکاح غیر کفو میں ہو ہی نہیں سکتا اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ نابالغ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں نہ کیا جائے کیونکہ نابالغ لڑکی کے نکاح میں تمام مصالح کی رعایت ضروری ہے کیونکہ وہ خود اپنی مصالح کو نہیں سمجھ سکتی۔ اور بالغ عورت کا نکاح غیر کفو میں بدون اس کی مرضی کے نہ کیا جائے، تراضی طرفین کی ضرورت کا تم کو خود اعتراف ہے، نیز عورت بالغہ غیر کفو میں بدون اولیاء کی رضا کے خود نکاح نہ کرے کیونکہ اذا تاکد من ترضون دینہ وخلقہ فن وجوہ سے رضا سے اولیاء کی ضرورت بھی ثابت ہے نیز ترمذی کی حدیث ہے ایما مائت نکحت

کفارت کے نامشروع مسائل میں جو زمانہ جاہلیت کے کفار کی رسم بد میں اور حدیث صحیح اس کا گواہ ہے اور اشاعت اسلام کے لئے سد باب ہیں مگر بدیہی اور تقلید کو نہ انہ آباؤ سے احناف نے ان کو منترزل من اللہ اعتقاد کر لیا ہے۔ یہ میں جو عرض کر رہا ہوں نہ صرف میری رائے ہے بلکہ بڑے بڑے ائمہ سلف کی رائے ہے کفایہ شرح ہدایہ میں سفیان زہری کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اس کفارت سے جو احناف نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے سخت منکر تھے اور فرماتے تھے کہ عرب اور عجم وغیرہ سب برابر ہیں ان میں تفاضل صرف باعتبار تقویٰ کے ہے اور کفایہ میں اس کی تردید میں متعدد احادیث ہیں ایک ان میں سے یہ ہے الناس سواسیۃ کاسنان المشط، علامہ شامی جو بڑے حنفی ہیں اس کی تردید کرتے ہیں آپ کے سامنے یہ کتابیں موجود ہیں آپ نے ضرور ملاحظہ کئے ہوں گے علاوہ بریں نصوص احادیث صحیحہ اور نصوص قرآن سے یہ مسائل احناف خلاف ہیں اور جیسے کہ عرض کر چکا ہوں ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا صاف بتاتی ہے کہ ہر کافر اور مشرک بعد ایمان لانے کے ہر مسلم مسلمہ کا کفو ہے۔ اور اس سے نکاح کرنا بے جوڑ نہیں ہے بلکہ باجوڑ ہے بشرطیکہ اس میں دین مرضی اور خلق مرضی ہو اور استطاعت

نفسہا من غیر ولی فنکاحہا باطل باطل باطل، حیرت ہے کہ اہل حدیث نکاح بدون ولی کو جائز نہیں کہتے اور غیر کفو میں بدون ولی کی مرضی کے نکاح کو جائز کرنا چاہتے ہیں۔ اور اگر عورت اور اس کے اولیاء غیر کفو میں نکاح پر راضی ہوں تو اس سے حنفیہ نے کب منع کیا ہے؟ پس آریہ کا اعتراض حنفیہ کے مذہب پر نہیں ہو سکتا حنفیہ تو صرف اتنا کہتے ہیں کہ تراضی عورت و اولیاء شرط ہے یہ نہیں کہتے کہ نکاح مطلقاً صحیح نہیں، یا عورتوں اور مردوں کو غیر کفو سے راضی نہونا چاہئے۔

سفیان زہری کون ہیں؟ آپ کو نام بھی صحیح نہ آیا، اور اگر کوئی ہو تو میں بتلا چکا ہوں کہ کفارت کا ثبوت احادیث صحیحہ اور قرآن کی دلالت سے موجود ہے اس کے مقابلہ میں حنفیہ پر کسی کا قول حجت نہیں۔

الناس سواسیۃ کاسنان المشط یہ حدیث صحاح میں ہے تو دکھلائی جائے اور غیر صحاح میں ہے تو اس سے احتجاج کا آپ کو کیا حق ہے؟ پھر اس سے مسئلہ کفارت کی نفی کیونکر ہو گئی آدمی آدمی سب برابر ہیں مگر پھر بھی علم و جہل، صلاح و فسق اخلاق وغیرہ کافر فرق موجود ہے اس فرق سے کیونکر آنکھیں بند کی جائیں گی پھر شعوب و قبائل کا تعارف

بالمال والبارۃ رکھتا ہو لہذا چہ جائیکہ وہ سیکڑوں پشتوں سے مسلمان ہو خواہ کسی قوم سے ہو یا کوئی پیشہ کرتا ہو۔

کے لئے ہونا نص قرآن میں موجود ہے اور تعارض ہی مدار کفارت ہے کیونکہ تعارف کی تفسیر حدیث میں ماتعارف منها اختلف آئی ہے جس کے لئے اختلاف لازم ہے اور وہ کفارت ہی میں ہوتا ہے الا نادراً والنادی کالمعدوم حدیث میں جس مساوات کا ذکر ہے وہ اخوت دینی کی مساوات ہے اس میں واقعی سب برابر ہیں اس سے مساوات نکاح کیونکر معلوم ہوئی۔

لا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا کی تفسیر آپ نے غلط کی ہے اور پر تنبیہ کر چکا ہو۔ خلق مرضی کی قید مسئلہ کفارت پر دال ہے کما مر۔

یہاں آپ نے استطاعت بالمال والبراءۃ کی ضرورت بھی تسلیم کی ہے، ذرا بتلایا جائے کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم میں مال اور براءۃ کا کہاں ذکر ہے؟ تم قرآن پر جو چاہو زیادہ کرو تو مجرم نہیں حنفیہ کفارت کو زیادہ کریں تو مجرم؟ سبحان اللہ کیا انصاف ہے، اب ذرا یہ بھی بتلادیا جائے کہ مال اور بارت کی ضرورت جب آپ کو تسلیم ہے تو اس کی کوئی حد ہے یا نہیں؟ اگر کوئی حد نہیں تو مہمل قانون ہو اگر کوئی حد ہے؟ تو حدیث سے اس کا ثبوت دیا جائے؟ اور جب مال کی ضرورت

باب نکاح میں مسلم ہے تو مسئلہ کفارت ہی پر کیوں اعتراض ہے حنفیہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ فقیر مرد عورت غنیہ کا کفو نہیں کیونکہ وہ اس کے مناسب حال اس پر مال خرچ نہیں کر سکتا، اور ایک گنوار لٹھ، کسی شریف زادی کا کفو نہیں کیونکہ وہ اس کی قوت کا تحمل نہیں کر سکتی مثلاً۔

فخر بالانساب کی مذمت مسلم ہے مگر اس کو مسئلہ کفارت سے کوئی تعلق نہیں کما مٹ۔

ابراہیم علیہ السلام کا حضرت حاجرہ سے نکاح ثابت نہیں بلکہ وہ ان کی باندی تھیں اور ثابت بھی ہو تو اس کو مسئلہ کفارت سے کیا تعلق؟ کفارت کی ضرورت عورت کے لئے ہر مرد کے لئے نہیں مرد جس عورت سے چاہے شادی کر سکتا ہو اس سے خاندان پر کوئی اثر نہیں پڑتا حضرت امام زین العابدین کی والدہ شہربانو باندی تھیں مگر اس سے سادات کے نسب پر کوئی اثر نہیں ہوا، افسوس ہے کہ آپ مسئلہ کفارت کو سمجھے بھی نہیں ہیں اور بدون سمجھے اعمتراض کرنے لگے کیا اسی کا نام دین اور دیانت ہے؟

اور فخر بالانساب زمانہ جاہلیت کے کفار کا رسم بد ہے جیسے خندہ گوز وغیرہ۔ چونکہ اسلام ایک فطری اور حقانی قانون خدا ہے اور اس کا کوئی قانون خلاف عقل سلیم نہیں ہو سکتا ہے اس لئے انبیاء نے وہی کیا جو خاد م عرض کرتا ہے۔

ابراہیم ابوالانبیاء نے حضرت ماجرہ کو حرم سرا سے نبوت میں داخل کیا جس سے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے اور ان سے قریش ہیں حال یہ ہے کہ وہ ایک کافر بد معاش زانی بدکار ظالم کے خاندان سے تھیں علیٰ ہذا القیاس جب وہ اور حضرت لوط ارض مقدسہ کو ہجرت کر گئے اور ان کی اولاد پھیلی تو ان کے نکاحیں اس ملک کی عورتوں سے ہوئیں۔ حال یہ ہے کہ وہ یقیناً ہم قوم نہ تھے یہ دونوں حضرات نمود کے ملک سے آئے تھے جو ارض مقدسہ سے دور تھا، پس ہم قوم ہونا کیسا اور کہاں ہے۔

خود حضرت لوط ان لوطیوں سے فرماتے تھے **هؤلاء اتي هن اطهر لکم حال یہ ہر کہ** نہ مذہب ایک اور نہ قومیت، یہ دوسری بات ہے کہ اسلام نے کافر سے نکاح ناجائز کیا اور حضرت لوط کے مذہب میں جائز تھا مگر کفارت فی الاسلام اس طرح پر جیسے کہ امتنا نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے کہاں سے ثابت ہوتا ہے نصوص قرآن و حدیث تو اس کی تردید کرتی ہیں۔

حضرت یعقوبؑ کی ایک بیوی حضرت یوسفؑ کی والدہ تو ان کے خاندان سے تھیں مگر دوسری کنیز تھیں نہ معلوم کس قوم کی تھیں، جامی فرماتے ہیں۔

بیا بنگر کنیزک زادگان را
ز لعل و دین افتادگان را

جب حضرت یعقوبؑ اپنی اولاد کو لیکر مصر گئے تو یقینی امر ہے کہ حضرت یعقوبؑ کے گھر میں غیر ممکن تھا کہ سب کی شادی آپس میں ہو بلکہ قبطیوں سے غلط ملط ہوا جیسے حضرت یوسفؑ نے زلیخا امراۃ العزیز سے نکاح کیا جو بت پرست اور قبطیہ تھیں اس طور پر ان کے بھائیوں کے رشتے بھی قبطیوں میں سرور ہو گئے ہوں گے۔ جب حضرت موسیٰؑ مدین گئے تو وہاں ایک مرد صالح کی لڑکی سے شادی کی جو یقیناً ان کے ہم قوم اور ہم نسب نہ تھے حضرت موسیٰؑ

ہؤلاء بناتی سے حضرت لوط کی بیٹیاں مراد نہیں بلکہ اسی قوم کی عورتیں مراد ہے مطلب ہے کہ مرد مردوں سے مشغول نہ ہوں بلکہ اپنی عورتوں سے منتفع ہوں جو میری بہو بیٹیاں ہیں، اُمت کی عورتیں نبی کے لئے بمنزلہ اولاد کے ہوتی ہیں، اور جب اس وقت نکاح کے لئے اسلام بھی شرط تھا جیسا آپ کو مسلم ہے کہ بعد میں اسلام نے اس کو شرط کیا تو یہ کیوں ممکن نہیں کہ بعد میں کفارت کی بھی شرط ہو گئی ہو۔

جن آیات و احادیث سے تم نے ابطال کفارت سمجھا ہے میں بتلا چکا ہوں کہ وہی کفارت پر دال ہیں کما سر

حضرت یعقوب علیہ السلام کی دوسری بیوی غیر خاندان سے تھی یا حضرت یعقوب کی اولاد نے قبلی عورتوں سے نکاح کیا یا حضرت موسیٰ کی بیوی (احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں مگر اہل حدیث کی حدیث لکھا حفظ ہو کہ اس کو صرف مشہور کہہ کر ٹالا جاتا ہے) کس خاندان کی تھیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جرہم قبیلہ میں شادی کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اقوام کی عورتوں سے نکاح کیا اس کو مسئلہ کفارت سے کیا تعلق ہے؟ یہ سب کچھ دلیل ہے اس کی کہ آپ نے کفارت کے مسئلہ کو مطلق نہیں سمجھا، اس کا ثبوت

اسرائیلی اور وہ مرد صالح نہ معلوم کس قوم کے تھے مشہور تو یہ ہے کہ وہ حضرت شعیبؑ پیغمبر تھے مگر قرآن میں مستجدنی ان شاء اللہ من الصالحین ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مرد صالح تھے۔

حضرت اسماعیلؑ حضرت ہاجرہ کے ساتھ مکہ معظمہ میں رہے جو ان ہونے پر جبریم کے قبیلہ کی کئی عورتوں سے نکاح کیا جن میں سے چند کو طلاق دیا، خود سرور کائنات فخر موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف قولاً اپنی امت کو فخر بالانساب کے رسم بد سے ڈرایا اور فرمایا کہ یہ زمانہ جاہلیت کے کفار کی رسم بد ہے بلکہ فعلاً آپ نے مختلف اقوام کی عورتوں کو اپنے حرم نبویؐ میں داخل کیا تاکہ امت بھری سے یہ رسم بد کفار جاتا ہے حضرت صفیہؓ پوری تھی اور ام ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ فراعنہ کی قوم میں سے تھیں اور یہ دونوں حرم سر اسے پیغمبرؐ میں تھیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے مجوسیہ آتش پرست پارسیہ سے نکاح کیا جس سے سادات کے نسب کا سلسلہ ہے۔

علیٰ ہذا القیاس قرون اولیٰ میں ہزاروں مثالیں ہیں کہ ان بزرگوں نے نکاح میں قومیت کا لحاظ نہ کیا بلکہ حسب ارشاد قرآن فانکحوا ما طاب لکم من النساء جو عورت پسند آئی بشرط مسلمان ہونے کے

دو کہ حضورؐ نے اپنی کسی نابالغ لڑکی کا نکاح غیر کفو سے کیا ہے یا آپ کی کسی لڑکی نے بدو یا آپ کی رضا کے غیر کفو سے نکاح کیا ہے۔

قرون اولیٰ میں اس کی ہزاروں لاکھوں مثالیں ہیں کہ مردوں نے ہر خاندان کی عورتوں سے شادی کی مگر اس سے مسئلہ کفارت کے خلاف کچھ ثابت نہیں ہوتا، اس کا ثبوت دیا جائے کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اپنی

اس سے نکاح کیا پس ثابت ہوا کہ نکاح کے کفارت کے بارے احناف نے جو قومیت اور پیشہ اور عرب اور عجم کا فرق اپنی کتابوں میں درج کیا ہے وہ نہ صرف نصوص قرآن و حدیث سے خلاف ہے بلکہ تعامل انبیاء سے اور تعامل قرن اولیٰ سے بھی خلاف ہے۔

اور دیگر ممالک اسلام میں یہ رسم بدکفار جاہلیت کا زیادہ لحاظ نہیں ہے صرف ہندوستان میں ہنود کے اثر سے یہ رسم جاری ہے ظاہر ہے کہ ہندوؤں میں اس بات کا بڑا احتیاط ہے کہ ہر قوم کی شادی اس قوم میں ہونی چاہئے، یہی رسم ہنود اور کفار مسلمانوں میں جاری ہے اور احناف کی کتابوں میں چونکہ اس کے لئے کچھ مصالحہ ملتا ہے اس لئے دوستوں نے اس کو منزل من اللہ اعتقاد کر لیا ہے اور تفریق بین المؤمنین کے گناہ کبیرہ میں مبتلا ہوتے ہیں اور واعتصموا بحبل اللہ جميعاً ولا تفرقوا کے نص صریح پر عمل نہیں کر سکتے ہیں۔

اور نص صریح ولا یسخر قوم من قوم سے عاقل ہو کے ایک دوسرے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، بلکہ مکینہ اور زہلی کہہ کر غیبت اور بہتان کے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ اپنی نادانی

نا بالغ لڑکیوں کا نکاح غیر کفو سے کیا ہے یا ان کی بالغ لڑکیوں نے بدون رضا سے اولیا غیر کفو سے نکاح کیا ہے اور اس کو جائز سمجھا گیا، بدون اس کے جو کچھ تم نے لکھا ہے اس سے مسئلہ کفارت کے خلاف نہ تعامل انبیاء کا ثبوت ہو سکتا ہے نہ تعامل خیر القرون کا۔

کفار کی رسم بد تو یہ ہے کہ ان کے مرد بھی اپنی گوت کے سوا نکاح نہیں کرتے۔ مسئلہ کفارت کا یہ مطلب جس نے سمجھا ہے وہ جاہل ہے۔ حنفی مرد ہر خاندان میں نکاح کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں ہزاروں کے گھر میں نو مسلم عورتیں موجود ہیں جن کو مسلمان کر کے نکاح میں داخل کیا گیا ہے، مسئلہ کفارت کا جو مطلب ہے وہ بار بار مذکور ہو چکا ہے اس کو اعتصام بحبل اللہ کے خلاف سمجھنا سراسر نادانی ہے بلکہ اس کو اتحاد و اتفاق میں بڑا دخل ہے کیونکہ تعارف کا مدار اسی پر ہے اور بدون تعارف کے اتفاق نہیں ہو سکتا۔

لا یسخر قوم من قوم کو مسئلہ کفارت سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر مسئلہ کفارت کو کوئی جاہل فخر بالانساب کا ذریعہ بنائے وہ خود اس کا ذمہ دار ہے مسئلہ اس کا ذمہ دار نہیں، اگر کوئی شخص نماز پڑھ کر اپنے کو بزرگ اور ولی

اور جہالت اور تقلید کو رانہ آباتی سے اس غیبت اور بہتان کو گناہ نہیں خیال کرتے ہیں بلکہ شیر مادر اعتقاد کرتے ہیں آخر غیب کے غیبت کی تعریف یوں فرمائی ہے ذکر اخاک بسا یکسہ اور یقینی امر ہے کہ کسی شخص کو جولاہا اور دھنیا وغیرہ کہتا اس کو ناگوار معلوم ہوتا ہے پس یہ یقینی غیبت ہے اور رذیل اور کمینہ کہنا یقیناً بہتان ہے چنانچہ ارشاد ہے فان لم یکن فیہ ما تقول فقد بہتہ بل اول الذکر الفاظ بھی بہتان ہے اس لئے کہ ان لوگوں کو بھی یہ الفاظ کہے جاتے ہیں جو ان پیشوں سے مطلق تعلق نہیں رکھتے ہیں اور معزز پیشوں میں اچھی اچھی حیثیت رکھتے ہیں فاعتبرا یا اولی الابصار۔

اسلام جو خدا کا آخری دین ہے اور مسلمانوں کو خیر الامم کا لقب دیا گیا ہے اور اتحاد اور مساوات اور اتفاق اسلام کا اصل المصوب ہے وہ مسلمانوں میں مفقود اور دیگر ملل باطلہ میں بخوبی موجود ہے آریہ سماجیوں کا ذکر تو ہو چکا کہ جو کوئی شرعہ اور آریہ ہو اس کو بلا امتیاز

سمجھنے لگے اور بے نمازیوں کو حقیر جاننے لگے تو کیا اس سے نماز کو کہہ دو گے ؟ اگر جولاہا، دھنیا، موچی وغیرہ پیشہ کی وجہ سے کسی قوم کا لقب ہے تو جو لوگ ان القاب سے برا مانتے ہیں وہ اپنے جائز پیشہ کو برا سمجھتے ہیں اور جائز پیشہ کو برا سمجھنا خود برا ہے، اور اگر یہ لقب پیشہ کی وجہ سے نہیں ہے کسی اور وجہ سے ہے تو اس وجہ کو ظاہر کر کے بتلایا جائے کہ یہ الفاظ غیبت میں کیونکر داخل ہو گئے ؟ کسی پیشہ ور کو اس کے پیشہ کے نام سے یاد کرنا ہرگز غیبت نہیں کتب رجال دیکھو۔ علاج، نداف، خیاط، اسکاف وغیرہ القاب بلا تکلف محدثین نے استعمال کئے ہیں بلکہ وہ تو اعمی، اعمش، اعرج وغیرہ بھی استعمال کرتے ہیں جب کہ کسی کا لقب مشہور ہو جائے، اور اس کو غیبت نہیں سمجھا گیا۔ کسان کو کسان، مہنگی کو مہنگی، چمار کو چمار ہی کہا جائے گا اور کیا کہا جائے گا ؟ فاعتبرا یا اہل الحدیث مدعی الاجتہاد۔

اپنی جماعت میں داخل کرتے ہیں اور بلا تردد اس سے رشتہ داری کرتے ہیں، عیسائیوں میں چار سے لیکر پچاس اور چھترسی شامل ہیں مگر عیسائی ہونے کے بعد قومیت کی جہالت جاتی رہتی ہے اور بلا امتیاز ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور رشتہ داری کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے مگر احناف کے یہ کفارت کے یہ نام معقول مسائل نہ صرف مسلمانوں میں تفریق اور تشتت کا باعث ہیں بلکہ دوسرے اقوام کو اسلام لانے سے روکتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہو جائیں گے تو لڑکوں کی شادی کہاں کریں گے؟

آریہ سماج یا عیسائی جیسا کسی قوم کو اپنی لڑکیاں دیتے ہیں دنیا کو معلوم ہے وہ لڑکیاں تو کیا دیتے کسی کو اپنا حقہ بھی نہیں دے سکتے غلط باتیں بکھنے سے واقعات نہیں بدلا کرتے، ہمارے یہاں سیکڑوں ہندو بھنگی چار مسلمان ہوئے ہیں کسی کو بھی یہ شکایت نہیں کہ مجھے مسلمان عورت نہیں ملتی ہر نو مسلم کو اس کے مناسب مسلمان عورتیں ہمیشہ مل جاتی ہیں، اگر تمہاری طرف نو مسلموں کو مسلمان عورتیں نہ ملتی ہوں تو ان کو ہمارے پاس بھیج دو، اگر وہ واقعی سچے مسلمان ہوں گے ان کو مسلمان عورتیں ضرور مل جائیں گی، واقعہ یہ ہے کہ نہ ہندوؤں کو نکاح کا بہانہ ہے نہ عیسائیوں کو سب کو اس کا یقین ہے کہ مسلمانوں کی برابر کسی قوم میں مساوات نہیں مگر جن لوگوں کو اپنے جائز پیشے کا نام بھی ناگوار ہے یہ سب ان کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔

پھر اگر حنفیوں کے مسئلہ کفارت سے ہندوؤں کو اسلام سے رکاوٹ ہو تو ہندوستان میں کروڑوں مجاہد ہیں، تیلی غیر مقلد موجود ہیں وہ کیوں ان کے سامنے اپنی لڑکیاں پیش نہیں کر دیتے تاکہ ان کو شکایت کا موقع نہ رہے، آخر اسلام تو سب ہی کا ہے فقط شریعوں کا نہیں ہے نہ فقط حنفیوں کا ہے، میں بتلا

چکا ہوں کہ مسئلہ کفارت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ
غیر کفو میں شادی نہ کرو صرف اتنا مطلب ہے
کہ غیر کفو میں بدون رضائے اولیاء و رضائے
عورت کے نکاح نکیا جائے۔

یہ میں عرض کر چکا کہ قرون اولیٰ میں یہ مرض
اور یہ تپ کہنا اور دق زمانہ جاہلیت کے کفار
سے چلا آیا ہے شاید کسی کے خیال میں یہ دوسرے
شیطانی آئے کہ تم نے جو مثالیں پیش کی ہیں
ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرون اولیٰ بلکہ
پیغمبروں نے دوسرے اقوام کی عورتوں سے
نکاح کیا ہے نہ یہ کہ اپنی لڑکیوں کا نکاح دوسرے
اقوام سے کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل
کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کے بارے میں حکم
ہے کہ ان کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو مگر
مسلمان عورتوں کا نکاح ان سے نہیں ہو سکتا
پس اہل اسلام کے بارے میں یہ خیال غلط ہے
سب سے بڑھ کر تو نص قرآن ہے جس پر ایمان لانا
فرض ہے اور قرآن میں یہ صاف حکم ہے و
لا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا اور یہ حکم
ہے و لا تنکحوا المشرکات حتی یؤمنن جس
کا صاف مطلب بلا تاویل یہ ہے کہ جو مشرک
ایمان لائے خواہ وہ عجم ہو یا عرب اور جو مشرکہ
ایمان لائے خواہ وہ عربیہ ہو یا عجمیہ ان کے
ساتھ رشتہ نکاح باہوڑا اور مناسب ہے،
اور کفارت کے جو قیود احناف نے اپنی کتابوں

ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا
سے یہ استدلال کرنا کہ قرون اولیٰ کے مسلمان
اپنی لڑکیاں ہر مسلمان کے نکاح میں دیدیا
کرتے تھے غلط استدلال ہے آیت کے کسی
لفظ سے اس کا ثبوت نہیں ہو سکتا، میں
بار بار بتلا چکا ہوں کہ حنفیہ نے جو شروط کفارت
کیلئے ذکر کی ہیں نصوص قرآن و احادیث
اس کی مؤید ہیں۔ پس جھوٹ اور افتراء
وہ کرتا ہے جو نہ مسئلہ کفارت کی حقیقت

میں درج کئے ہیں اس نص قرآن سے چونکہ خلا ہیں اس لئے وہ جھوٹ اور ناقابل عمل ہیں۔

ہاں یہ دوسری بات ہے کہ اعلیٰ خاندان کے مرد اور عورت حسن خلق اور حسن خلق کے لحاظ سے زیادہ تر بالا اور برتر ہوتے ہیں اور اسی لئے خدا نے کوئی پیغمبر چھوٹے گھرانے میں نہیں بھیجا ہے چنانچہ ارشاد ہے مابعث من نبی الا فی احساب قومہ اور حسن صوری اور حسن معنوی ان دیگر کمالات مرغوبہ ان میں زیادہ ہوتے ہیں اور صفات حسنہ ان میں زیادہ پکے جاتے ہیں اور اس لئے عام طور پر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ میرا نکاح بڑھے گھرانے میں ہو یہ بالکل درست ہے اور قرآن کے اس ارشاد کے مطابق ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء یعنی ان عورتوں سے نکاح کرو جو تم کو پسند ہو مگر یہ امور طبعیہ ہیں اور ہر شخص کی طبیعت کی خواہش اور رغبت مختلف ہوتی ہے وللناس فیما یعشقون مذاہب۔ اور اس میں کوئی ہرج اور مضائقہ نہیں ہے مضائقہ اور ہرج اور ظلم اور نصوص قرآن و حدیث سے خلاف یہ کہ مسلمانوں میں کفارت مختصر عمر کی وجہ سے تفریق پیدا کی جاتی ہے اور یہ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ فلاں کے یہاں نکاح باجوڑ ہے اور فلاں کے یہاں بے جوڑ ہے۔ حضرت مولانا آپ نے سیکڑوں تصنیفات محض خدا کے لئے لکھی ہیں اگر ان مسائل پر آپ

کو سمجھتا ہے نہ قرآن و حدیث کو۔

جبکہ تم کو بھی تسلیم ہے مابعث نبی الا فی احساب قومہ کہ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ شریف خاندانوں میں مبعوث ہوا کرتے تھے، کوئی نبی چھوٹے گھرانے میں پیدا نہیں ہوا تو اس سے خود یہ بات ثابت ہو گئی کہ انبیاء کے خاندان کی لڑکیاں چھوٹے خاندانوں میں نہ جاتی تھیں ورنہ ان کے خاندان دوسروں سے بڑے کیونکر رہتے چھوٹے اور بڑے خاندان کا امتیاز باہمی اختلاط کے بعد باقی نہیں رہ سکتا پس تمہارا وہ قول غلط ہو گیا کہ انبیاء کا تعامل مسئلہ کفارت پر نہ تھا۔ نیز جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے لئے بڑے گھرانوں کو منتخب فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ کسی خاندان کا بڑا ہونا چھوٹا ہونا خدا کی طرف سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب خاندان برابر تھے تو اس حدیث کے کچھ معنی ہی نہیں رہتے کہ انبیاء کیلئے بڑے گھرانے تجویز کئے گئے۔ پس مسئلہ کفارت کا ثبوت خود حق تعالیٰ کے فعل سے ہو گیا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسئلہ کفارت کو تفریق بین الامم کا سبب سمجھنا غلط ہے ورنہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے خود تفریق کی ہو کہ بڑے گھرانوں میں تو انبیاء بھیجے جلاہوت ملیوں میں انبیاء نہ بھیجے۔

غور فرمائیں گے اور جو نصوص قرآن و حدیث میں نے پیش کی ہیں انہی کے مطابق ایک رسالہ تصنیف فرمادیں تاکہ مسلمانوں میں سے یہ تفریق فی کفارة النکاح جاتی رہے اور مثل آریوں اور عیسائیوں کے واعتصموا بحبل اللہ پر عمل کر کے یا ہم رشتہ پیدا کریں تو خدا کے یہاں آپ کو بڑا ثواب ملے گا جو قوم ترقی کے میدان میں قدم رکھتی ہے وہ اس تفریق کو بالائے طاق رکھتی ہے قادیانیوں نے بھی اوٹھایا پس آپ نصوص پر غور فرما کر احناف سے اوٹھائیے۔

هذا والسلام علی من اتبع الهدی
فردہ الی اللہ والرسول۔

خادم عبد اللہ ازکالچ فیض آباد۔

۳ - ۷ - ۱۳۵۸ھ -

تم نے خود اعتراف کیا ہے کہ اس انتخاب کا سبب یہ تھا کہ حسن صوری اور حسن معنوی اور دیگر کمالات مرغوبہ ان میں زیادہ ہوتے ہیں اور صفات حسنہ ان میں زیادہ پائے جاتے ہیں اس کے ساتھ ایک مقدمہ یہ بھی ملا لو کہ نکاح میں الفت اور محبت اور تعلق دائم کی ضرورت ہے اور وہ بدون توافق طبائع کے نہیں ہو سکتا اور توافق طبائع کا مدار انہی صفات کے اشتراک پر ہے جس کا انکار مکابروہ ہے تو اس سے خود مسئلہ کفارت کا ثبوت ہو گیا اور یہ مقدمہ ہر چند کہ عقلی اور بدیہی ہے مگر حدیث اذا تاکم من ترضون خلقه و دینہ فن وجوه سے بھی ثابت ہے کیونکہ شریف خاندان والی کو چھوٹے خاندان والے کے اخلاق پسند نہیں ہو سکتے، اگر انصاف سے غور کیا جائے گا تو معلوم ہو گا کہ مسئلہ کفارت قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس کا انکار نہیں ہو سکتا والسلام علی من اتبع الهدی۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۶ رجب ۱۳۵۸ھ

قلم :- یہ تو اعتراضات کا جواب تھا جس میں فمنا کچھ دلائل بھی آگئے ہیں اب مستقلاً کفارت کے دلائل ملاحظہ ہوں :-

سأوی مسلم من حدیث وأثلة بن الاسقع ان اللہ اصطفیٰ کنانة من بنی اسمعیل واصطفیٰ من بنی کنانة قریشا واصطفیٰ من قریش بنی ہاشم وزاد الترمذی

ان الله اصطفى من ولد ابراهيم اسماعيل ومن ولد اسماعيل كنانة الحديث
قال الحافظ في التلخيص لا يعارض هذا ما رواه الترمذي عن ابي هريرة مرفوعاً
لينتهين اقوام يفتخرون بابائهم الحديث لانه محمول على المفاخرة
المفضية الى احتقار المسلم وعلى البطر وغمط الناس وحديث واثلة تستفاد
منه الكفاءة ويذكر على سبيل شكر المنعم .

وروى الترمذي عن علي رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه و
سلم قال له يا علي لا تؤخر ثلاثاً الصلوة اذا اتت والجنابة اذا حضت
والايم اذا وجدت لها كفواً ، رجاله موثقون كما في الاعلاء وقال البيهقي
امثل ما ورد في اعتبار الكفاءة حديث علي هذا كذا في التلخيص ص ١٦٩ ج ١
وصححه الحاكم في المستدرک وقرأ عليه الذهبي ص ١٦٢ ج ٢ -

وقال الشافعي في اصل الكفاءة في النكاح حديث بريدة لما خبرت لانها
انما خبرت لان زوجها لم يكن كفواً اه اي لان السراجم عند المحدثين
ان زوجها كان عبد كذا في التلخيص ص ٢٦٩ وحديث بريدة متفق عليه مشهور
وقال ايضا روى الشافعي عن ابن ابي فديك عن ابن ابي ذئب عن ابن شهاب
انه بلغه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال قد موافقياً ولا تقدموها
ورواه البيهقي من حديث علي بن ابي طالب وجبير بن مطعم وغيرهما وقد جمعت
طرقه في جزء كبير اه ص ١٢٥ وهذا مما احتج به الشافعية على الكفاءة .

وقال ابن تيمية في اقتضاء الصراط المستقيم ص ٤٦ وايضاً فان عمر بن
الخطاب رضي الله عنه لما وضع اليوان العطاء كتب الناس على قدم انسابهم
فبدأ باقربهم فاقربهم نسباً الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما انقضت
العرب ذكر العجم هكذا كان الديوان على عهد الخلفاء الراشدين وسائر
الخلفاء من بني امية وولد العباس الى ان تغير الامر بعد ذلك وبسبب هذا
الفضل ما اختصوا به في عقولهم والسننهم واخلاقهم واعمالهم اه و
فيه دلالة على اعتبار التقدم بالنسب بالاجماع .

وروى الخلال بسنده عن عمر رضي الله عنه قال لا تمنعن فرج ذوات الاحساب

الامن الکفاء ، احتج به احمد بن حنبل وهو الامام في الحديث فقال
اذ اتى وجه المولى العربية فرق بينهما وهو قول سفیان لقول عمر بن الخطاب
قاله الموفق في المغنی ص ۳۷۲ ج ۷ ، واحتجاج مثل ابن حنبل بحديث صحيح له
وأستدل ابن الجوزی فی التحقيق علی اعتبار الکفاءة بحديث عائشة انه
عليه السلام قال تخيروا النطفكم وأنكحوا الکفاء وله طرق عديدة من حديث
انس وعمر بن الخطاب رواه ابن ماجه والحاكم والبيهقي كذا في العزیز
هو صحيح علی قاعدة السيوطی وصححه بالمرئ في الجامع الصغير ص ۱۲۹ -

کیا ان دلائل کے بعد بھی کسی کو یہ کہنے کا منہ ہے کہ بہشتی زلیور میں جو مسئلہ کفارت کا ذکر
ہے وہ ہندوستان کی ہندو اقوام کا اثر ہے نعوذ باللہ من ذلك . سوچنا چاہئے کہ یہ الزام کہاں
تک پہنچتا ہے جبکہ حدیث و قرآن سے کفارت کا ثبوت موجود ہے . موفق الدین حنبلی امام الحنابلہ
نے مغنی میں اعتبار کفارت پر ائمہ اربعہ کا اجماع نقل کیا ہے ، اشتراط کفارت میں تو علماء کا
اختلاف ہے مگر اعتبار کفارت میں کسی کا اختلاف نہیں . سفیان ثوری کا قول وہی ہے جو امام
ابو حنیفہ وغیرہ کا ہے . ابن رشد نے بھی کفارت کے اعتبار پر اجماع نقل کیا ہے نفس اعتبار
کفارت میں کسی کا اختلاف نہیں اگر کچھ اختلاف ہے تو اس کی تفصیلات و فروع میں ہے ملاحظہ
ہو ص ۱۰ ج ۲ - علامہ ابن العربی مالکی نے آیت وَلَا تَعْصُوهُمْ اِنْ يَنْكَحُوا زَوَاجَهُمْ اِذَا
تَرَوْهُم بِبَيْنِهِمْ بِالْمَعْرُوفِ کی تفسیر میں تصریح کی ہے کہ بالمعروف سے مراد کفارت ہی
پھر فرمایا ہے کہ اعتبار کفارت پر ائمتہ کا اجماع ہے اور یہ عورت کے اولیاء کا حق ہے ملاحظہ
ہو ص ۸۵ ج ۱ - ابن حزم ظاہری اگرچہ کفارت فی الدین کے سوا کسی کفارت کے قائل نہیں مگر
وہ بھی رعایت کفو کو مستحب اور مختار کہتے ہیں قال وانما تخير فانكاح الاقارب لانه
فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم لم ينكح بناته الا من بنى هاشم وبنى
عبد شمس وقال الله تعالى لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ص ۲۲ -
فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ سے کفارت کا ابطال نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں
مردوں کو اختیار دیا گیا ہے عورتوں کو اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ جس سے چاہیں نکاح کر لیں ، انما
المؤمنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم كونكاح سے کچھ تعلق نہیں یہاں اصلاح اور
مصالحت کا ذکر ہے اور اس باب میں سب مسلمانوں کا بھائی بھائی ہونا متفق علیہ مسئلہ ہے ،

دینی بھائی ہونا کفو ہونے کو مستلزم نہیں۔ فاسق فاجر بھی دینی بھائی ہے مگر نص موجود ہے ،
افمن کان مومنًا کمین کان فاسقًا لایستون ۔

مسئلہ اولیٰ بھی یعنی نابالغ لڑکی کا نکاح باپ کر دے تو اس کو بلوغ کے بعد اختیار نہ ہوگا
اجماعی مسئلہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے ابن حزم ظاہری بھی
اس کے قائل ہیں جو قیاس و استحسان سے بمرحل دور ہیں اس کو حنفیہ کا استحسان کہنا جہالت ہے
قال فی المحلی وللاب ان ینزوج ابنته الصغیرۃ البکر مالم تبلغ بغیر اذنہا
ولا خیار لہا اذا بلغت قال والحجۃ فی ذلک انکاح ابی بکر رضی اللہ عنہ النبی
صلی اللہ علیہ وسلم عائشۃ وہی بنت ست سنین وھذا من مشہور غنیۃ
عن ایراد الاسناد فیہ فمن ادعی انہ خصوص لم یلتق الی قوله لقول اللہ
عز وجل لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ . ص ۳۶۰ ج ۹۔

ولم یثبت انہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرھا ولو فعل لنقل کما نقل
تخیرہ لبریۃ حین اعتقت قال ابن المنذر اجمع کل من نحفظ عنہ اھل العلم
ان نکاح الاب ابنته الصغیرۃ جائز اذا زوجها من کفو یجوز لہ ذلک مع کراہتھا
وامتناعھا ثم ذکر حدیث عائشۃ تن زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وانا بنت ست سنین وزوج علی ابنتہ ام کلثوم وہی صغیرۃ عمر بن الخطاب
(مغنی ص ۳۷۶ ج ۷) والبسط فی المطولات وفيما ذکرناہ بالاختصار کفایۃ لاهل
العلم والانصاف والدرایۃ والحمد لله ولی الحمد والھدایۃ صلی اللہ
علی سیدنا النبی محمد وعلی آلہ واصحابہ اولی الفضل والولایۃ والحمد
للہ الذی بعزتہ وجلالتہ ونعمتہ قتما الصالحات ۔

باب الوکالۃ بالنکاح

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین
نکاح کے وقت وکیل نے عورت کے نام
میں غلطی کر دی تو نکاح نہیں ہوا اس بارہ میں کہ بروقت نکاح ہندو اور زینب غلطی ہو گئی کہ
ہندو نے جس شخص کے ساتھ نکاح باندھنے کی اجازت دی تھی اس کے رو برو زینب کا نام

لے دیا گیا اور زینب نے جس شخص کے ساتھ اپنا نکاح باندھنے کی اجازت دی تھی اس شخص کے روبرو ہندہ کا نام لے دیا گیا ان دونوں شخصوں میں سے ہر ایک نے قبول کیا ایسے نکاح کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب؛ صورت مسئلہ میں نکاح نہیں ہوا۔ دونوں کا نکاح دوبارہ صحیح نام کے ساتھ ہونا چاہئے۔ قال فی الدس (ص ۲۵۰ ج ۲) غلط وکیلہا بالنکاح فی اسمہا بیہا بغیر حضورہا لم یصح للجهالة وکذا لو غلط فی اسم بنتہ اھ و فی الشامیۃ تحت قوله لم یصح۔ والظاهر انه فی مسئلتنا لا یصح عند الكل لان ذکر الاسد وحده لا یصح فہا عن المراد الی غیرہ بخلاف ذکر الاسد منسوباً الی اب آخر فان فاطمة بنت احمد لا تصدق علی فاطمة بنت محمد تأمل۔ وکذا یقال فیما لو غلط فی اسمہا اھ۔ و فی العالمگیریۃ ص ۳ ج ۲ رجل له بنت واحدة اسمها فاطمة قال رجل زوجت منك ابنتی عائشة ولم تقع الاشارة الی شخصها ذکر فی فتاویٰ الفضلی انه لا ینعقد النکاح والله اعلم بالصواب۔ ۲۲ محرم سنہ ۱۴۰۰ھ۔

سوال (۲) ایک بیوہ عورت نے اپنی عدت میں ایک شخص کو وکیل مقرر کر کے کہا کہ میرا نکاح بعد گزرنے عدت کے دین محمد سے کر دینا بعد گزرنے عدت کے

معتدہ نے کسی کو وکیل بالنکاح بنایا اور جب اس نے نکاح کروادیا تو اس نے کسی اور شخص سے خود نکاح کر لیا تو نکاح اول صحیح ہی یا نکاح ثانی

وکیل نے نکاح مسماۃ کا دین محمد سے کر دیا جب عورت کو معلوم ہوا کہ میرا عقد وکیل نے دین محمد سے کر دیا ہے تو بعد اس کے دوسرے روز عورت نے اپنی رضا سے ایک اور شخص کے ساتھ اپنا عقد کر لیا آیا نکاح اول جو کہ وکیل مقرر کردہ عورت نے کر دیا ہے بعد عدت کے وہ صحیح ہے یا نکاح ثانی جو عورت نے اپنی رضا سے کر لیا ہے وہ صحیح ہے مہربانی فرما کر ہر ایک سوال کا جواب عبارت کتب مخصوصہ و حدیث شریف و دلیل شرع کے ساتھ تحریر فرما دیں چونکہ سب لوگ کہتے ہیں کہ آیت اور حدیث سے ثابت کر دہت لوگ رسومات بری سے خراب ہو گئے ہیں اس لئے عند اللہ حوالہ کتاب و صفحہ و نمبر وغیرہ تحریر فرما کر اپنی مہربانیت فرما کر مشکور فرما دیں۔ فقط۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں جب عورت نے ایک شخص کو وکیل بالنکاح کر دیا اور اس کو وکالت سے معزول بھی نہیں کیا تو جو نکاح وکیل نے کر دیا ہے وہ نافذ ہو گیا اب عورت نے

جو دوسرا عقد اس کے بعد دوسرے شخص سے کیا ہے وہ بالکل درست نہیں ہوا نکاح اول بدستور باقی ہے لیکن اگر عورت اس دوسرے شخص سے ہم صحبت ہو چکی ہے پس اگر اس کو نکاح اول کی خبر نہ تھی تو اس سے علیحدگی کے بعد ایک عدت دوسری اس عورت کے ذمہ ہوگی۔ بعد انقضاء عدت دین محمد کو اس سے وطی جائز ہوگی باقی نکاح دین محمد کا اس عدت میں بھی باقی ہے گا اور اگر دوسرے شخص کو بھی پہلے نکاح کی خبر تھی تو عورت پر عدت ثانیہ واجب نہ ہوگی۔ فی العالمگیریۃ لو تزوج بمنکوحۃ الغیر وھو لا یعلم انھا منکوحۃ الغیر فوطئھا تجب العدة و ان کان یعلم انھا منکوحۃ الغیر لا تجب حتی لا یحرم علی الزوج وطئھا کذا فی فتاویٰ قاضی خان ام (ص ۹ ج ۲) ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۲۳۵ھ۔

سوال (۳) ایک شخص سے ولی نے کہا کہ جاؤ لڑکی سے جو بالغہ باکرہ ہے نکاح کی اجازت لے آؤ اور اس کے کان میں یہ بات ڈال دو کہ تیرا نکاح فلاں شخص سے کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں یہ شخص ولی

بالغہ عورت اگر غیر ولی کے اجازت طلب کرنے پر سکوت اختیار کرے جبکہ غیر ولی نے خود کو عورت کے ولی کا رسول یا وکیل ظاہر نہ کیا ہو اس صورت میں لڑکی کا سکوت اذن سمجھا جائے گا یا نہیں

کا وکیل بن گیا رسول؟

(۲) اگر یہ شخص جا کر لڑکی سے اتنا ہی کہہ دے کہ ”تیرا نکاح فلاں سے کرتے ہیں“ یہ نہیں کہا کہ مجھے ولی نے بھیجا ہے یا میں اس کی طرف سے وکیل یا رسول ہو کر آیا ہوں اور لڑکی نے اس کی بات سن کر سکوت کیا تو اس صورت میں لڑکی کا سکوت معتبر ہے یا نہیں اور یہ سکوت اجازت پر محمول ہوگا یا نہیں؟

الجواب؛ (۱) قال الشامی بعد تفصیل الفرق بین الوکیل والرسول و حاصلہ انه یصیر وکیلاً بالفاظ الوكالة و یصیر رسولاً بالفاظ الرسالة وبالامر لکن صرح فی البدائع ان افعل کذا و اذنت ان تفعل کذا توکیل و یؤید ما فی الولوجیۃ فذکر انہ قال و افاد انہ لیس کل امر توکیلاً بل لابد مما ینفید کون فعل الامر بطریق النیابة عن الامر فلیحفظ ام ص ۶۱ ج ۲، و فی البہان الرسالة لا تتضمن الوكالة لانھا فوقھا ام (ص ۱۲۸ ج ۲)۔

چونکہ ولی کا یہ قول کہ جاؤ لڑکی سے اجازت نکاح لے آؤ یا اس کے کان میں یہ بات ڈال دو۔ محتمل ہے وکالت اور رسالت دونوں کو اور کوئی لفظ صریح موجب توکیل موجود نہیں بجز

امر کے اور امر محتمل طرفین ہے اس لئے اس کلام کو رسالت پر محمول کرنا لازم ہے کیونکہ وہ ادنیٰ ہی والادنیٰ ہوا المتیقن ۔

(۲) اگر اس شخص نے لڑکی سے جا کر اپنی وکالت یا رسالت کا اظہار نہیں کیا۔ تو اس کے قول کو سنکر لڑکی کا سکوت کرنا مفید اذن نہ ہوگا ۔

قال الشافعي فالرسول لا بد له من اضافة العقد الى مرسله لما مر عن الدرر من انه معبر وسفير بخلاف الوكيل فانه لا يضيف العقد الى المؤكل الا في مواضع كالنكاح والخلع والهبة والرهن ونحوها فان الوكيل فيها كالرسول حتى لو اضاف النكاح لنفسه كان له امر (ص ۶۱۷ ج ۲) ۔

وفي البحر تحت قول الكثر وفيما يضيفه الى المؤكل كالنكاح وغيره يتعلق بالمؤكل الخ مانصه امر والحقوق في كل لا يستغنى الوكيل عن اضافته الى موكله لان الوكيل فيها سفير محض الا ترى انه لا يستغنى عن اضافته العقد الى المؤكل ولو اضافه الى نفسه كان النكاح له نصار كالرسول وهذا لان الحكم فيها لا يقبل الفصل عن السبب لانه اسقاط في تلاشي فلا يتصور صدوره من شخص و ثبوت حكمه لغيره فكان سفيرا الى ان قال وأشار بالكاف في قوله كالنكاح الى بقية افراد هذا النوع ولذا قال في الهداية من اخواته العتق على مال الكتابة والهبة وكذا اذا كان الوكيل من جانب الملتزم امر من ۱۵۲ ج ۲ ۔

قال ابن عابدین فی حاشیة البحر وكذا بقية الصور الا ان يقول الوكيل من جهة طالب التملك هب فلانا او تصدق عليه او اعز او ادعه او ادره عند فلانا او اقضه كذا ولو قال هبني او تصدق علي او اعزني لم يقع له لا للمؤكل امر الى ان قال فعلى هذا قولهم التوكيل بالاستقراض باطل معناه انه في الحقيقة رسالة لا وكالة فلما خرج الكلام مخرج الوكالة لم يصح بل لا بد من اخراجه مخرج الرسالة كما قلنا وبه علم ان ذلك غير خاص بالاستقراض بل كل ما كان تمليكاً اذا كان الوكيل من جهة طالب التملك لا من جهة المملك فان التوكيل بالتمليك صحيح لا بطلب التملك بل هو رسالة هذا ما ظهر لي ^{اي يعمد} من ذكره ، قلت وفي الصورة المستثناة لم يوجد

ما يدل على كون هذا الاجنبى وكيلًا كما قلنا فى الجواب الاول وان سلمنا ان الامر فيه يدل على التوكيل فهو وكيل من جانب الملتبس اى من جهة طالب التملك وقد عرفت ان التوكيل بطلب التملك لا يصح بل هو رسالة وقد تقدم ان الرسول لا يدل له من اخراج الكلام مخرج الرسالة والا لا يكون رسولاً واذ لم يكن رسولاً لم يكن طالباً للاذن من جهة الولي بل من جهة نفسه وهو اذن اجنبى محض فلا يكون سكوت البنت حجاً على المضا لكونه سكوتاً بعد كلام الاجنبى معها لا كلام رسول الولي والله تعالى اعلم و علمه اتم واحكم . ۲۷ صفر ۱۳۶۰ هـ

حکم بايجاب وكيل بالفاظ | سوال (۴) بعونه تعالى . السلام عليكم ورحمة الله وبركاته
افون داده است | حضرت تاج العلماء سراج الفضل مدظلہ العالی !

شرائط ملازمانہ وضوابط تلازمانہ سجا آورده بعد عرض ملازمان ثریا مکان برس اندک محمد رشید احمد وکیل زبیدہ خاتون مع دو شاہد عادل بحضور مجلس در آمدہ ناطق شدہ زبیدہ خاتون دختر محمد نصیر احمد یک ہزار روپیہ مہر متعین نموده بمعرفت من نزد اسد اللہ کہ سپر عبد اللہ اذن نکاح داده است واسد اللہ قبول نموده پس لفظ اذن نکاح داده است از الفاظ ایجاب است یا نہ بابرہین قاطعہ بزیر کلک نادر سلک آورده این بیچمدان را سرفراز دارین فرمایند زیارہ آفتاب عنایت درخشان بادالی یوم التناد .
الجواب ؛ لفظ اذن نکاح داده از الفاظ ایجاب نکاح نیست بلکہ مشعر از توكيل است پس تکلم وکیل بلفظ انشاء لازم بود چون وکیل بعد از ان تکلم بلفظ انشاء نکرده ایجاب محقق نہ شدہ پس تجدید نکاح لازم است و اگر در عرف سائل اذن نکاح بمعنی انشاء نکاح مستعمل است سوال بار دیگر کردہ باید والله تعالى اعلم .
۱۷ رمضان ۱۳۶۰ هـ

فصل فی الجہت از والمہر

زوجه کے مہر میں ستر یا زیادتی کرنا | سوال (۱) کیا حق مہر نکاح کے بعد (دس یا پندرہ سال بعد) ایڑاد ہو سکتا ہے جو شکوتہ کے کہنے پر (جو عموماً دیگر وارثان کا حصہ کم کرنے کی خاطر

کیا جاتا ہے، بابتز ہے یا نہ اور کیا ایسے مہر کو دیگر ورثہ جانتے قرار دیں یا نہ بالخصوص جو مہر از قسم مکان یا زمین زوج نے خفیہ بذریعہ تمسک بعد مدت دراز نکاح کے تحریر کر دیا ہو اور بشرط بھی تحریر کر دی ہو کہ کاغذات سرکاری میں داخل خارج کرادوں گا مگر وہ بھی اپنی پندرہ سالہ بقیہ حیات تحریر تمسک عملدرآمد بھی نہ کرایا ہو اس کو جائز رکھا جائے یا ناجائز؟ واضح ہے کہ تمسک ایک سوتیلی ماں نے اپنے حق میں کبھی خفیہ تحریر کرایا ہو اور والد مرحوم نے اپنی زندگی میں اپنے لڑکوں سے جو دوسری بیوی سے ہوں ذکر تک بھی نہ کیا ہو اور نہ ہی اس کی بابت اپنی باقی ماندہ حیات میں ۱۵ سالہ کاغذات سرکاری میں عملدرآمد نہ کرایا ہو۔

الجواب؛ زیادت مہر میں عقد کے بعد جائز ہے خواہ کتنی ہی مدت کے بعد زیادت کی ہو۔ النبیادة فی المهر صحیحة حال قیام النکاح عند علمائنا الثلاثة کذا فی المحيط فاذا زادها فی المهر بعد العقد لن متہ النبیادة کذا فی السراج الوهاج هذا اذا قبلت المرأة النبیادة امر عالمگیریہ (ص ۲۹ ج ۲) لیکن جب یہ زیادہ خفیہ طور پر ہوئی ہے اور ورثہ زوج کو اس کا علم نہیں ہے تو عورت کے ذمہ دو گواہ قائم کرنا ہے کیونکہ وہ مدعی زیادت ہے اگر وہ دو گواہ اس پر قائم کر دے کہ زوج نے بعد نکاح کے مہر میں اس قدر زیادت کی تھی یا یہ ثابت کر دے کہ زوج نے زیادت مہر کی تحریر دو گواہوں کے سامنے لکھی تھی اور گواہ بھی اس کی گواہی دیں اور بہر صورت یہ دعویٰ اور گواہی کسی قاضی شرعی کے اجلاس میں ہو اور وہ اس گواہی کو قبول کر لے تو زوجہ مقدار زیادت کو ترک کر کے لے سکتی ہے اور اگر وہ گواہ نہ قائم کر سکے تو یقینہ ورثہ سے قاضی قسم لے کہ ان کو اس زیادت کا علم نہیں اور نہ میت نے یہ تحریر ان کے سامنے لکھی ہے اگر وہ قسم کھالیں تو عورت کا دعویٰ باطل ہے ورنہ اس کا دعویٰ قبول ہوگا اور اگر ورثہ اس کو تسلیم کر لیں کہ یہ تحریر میت کے خط کے مشابہ ہے لیکن اس پر قسم کھالیں کہ میت نے ہمارے سامنے کوئی تحریر نہیں لکھی اور نہ ہم کو اس تحریر کا علم ہے تب بھی ان کی قسم معتبر ہے اور عورت کا دعویٰ باطل ہے کیونکہ مجرد تحریر کا شریعت میں اعتبار نہیں ہے فان الخط يشبه الخط هكذا فهمته من القواعد ولما دللہ جنثیة صریحة فمن دقت علیہا فلیحرمہ واللہ اعلم۔

۲۶ ربيع الثاني ۱۴۰۸ھ

نا قابل جماعت عورت کے مہر کا حکم | سوال (۲) ایک شخص نے نکاح کیا تھا بوقت صحبت دیکھا کہ عورت کے صرف پیشاب کا ایک سوراخ ہے اور پستان بھی ہے مگر صحبت کے قابل نہیں تب اس نے اس کو

طلاق دے دیا اب اس کا مہر ادا کرنا واجب ہے یا نہ۔

الجواب؛ جس عورت کے صرف پیشاب کی جگہ ہے جماع کی جگہ نہیں ہے اس سے خلوت کرنا مؤکد مہر نہیں لہذا جب اس کو طلاق دیدی گئی تو شوہر کے ذمہ نصف مہر ادا کرنا واجب ہے مہر کامل ادا کرنا واجب نہیں قال فی العالمگیریۃ ومن الموانع لصحة الخلوة ان تكون المرأة رتقاء او قرناء او عضلاء او شعراء کذا فی التبیین ص ۲۲ ج ۲۔

۱۸ محرم ۱۴۱۸ھ

سوال (۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے مہر ساقط نہیں ہوتا مسماۃ ہندہ یتیمہ نابالغہ سے نکاح کیا لیکن بوجہ نابالغ ہونے کے خلوت

وسمبستری نہیں ہوئی اور ہندہ کسی کے بہکانے سے دن کے وقت بلا اجازت اپنے شوہر کے چوری سے اپنے گھر سے نکل کر اپنی والدہ کے گھر چلی گئی۔ زید نے اس کی اس کی ناجائز حرکت سے ناراض ہو کر ہندہ کے بھائی ولی کو اور والدہ کو اور محلہ کے بچوں کو جمع کر کے ہندہ کی یہ ناجائز حرکت ظاہر کی، اس پر بچوں نے بعد دریافت حالات ہندہ کے بھائی اور والدہ کی رائے سے فیصلہ کر دیا کہ چونکہ ہندہ بلا اجازت شوہر دن کے وقت گھر سے نکل گئی ہے اور شوہر سے فارغ خطی چاہتی ہے اس لئے ہم کو آئندہ زوجین کے باہمی تعلق قائم رہنے کی امید نہیں ہے اور ہندہ کے پھر نکل جانے کا اندیشہ ہے لہذا طرفین کی رضامندی سے سرکاری کاغذ پر اس طرح پر تحریری فارغ خطی ہو گئی کہ زید سے شوہر کا خرچہ معاف کر دیا اور ہندہ کی طرف سے اس کے بھائی ولی نے مہر کی معافی لکھ دی۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر ہندہ کا بھائی ولی یا ہندہ خود بالغ ہو کر کسی کے بہکانے سے زید پر مہر کا دعویٰ کرے تو وہ شرعاً مہر کی مستحق ہو سکتی ہے یا نہیں اور ایسی نابالغہ کے مہر کیلئے جس سے صرف نکاح ہوا ہو خلوت اور سمبستری نہ ہوئی ہو شرعاً کیا حکم ہے وہ مہر کی مستحق ہی یا نہیں؟

الجواب؛ صورت مسئلہ میں اگر زید نے ہندہ کو طلاق دیدی ہے تو ہندہ پر طلاق بائن واقع ہو گئی لیکن ہندہ کے بھائی نے جو ہندہ کی طرف سے مہر کی معافی لکھ دی ہے اس سے مہر کی معافی نہیں ہوئی ہندہ اپنے نصف مہر کی مستحق شرعاً ہے قال فی الدر خلع الاب صغیرتہ بما لہا او مہر ہا طلقت فی الاصح کما لو قبلت ہی وہی میزۃ ولہم یلزم المال لانہ تبرع اہ فان خالہا الاب علی مال ضامنًا لہ اسی ملتزمًا لا کفیلاً لعدم وجوب المال علیہا صح والمال علیہ کالخلع مع الاجنبی فالاب اولی بلا سقوط مہر

روپیہ مہر پر نکاح کیا اس کے بہت مدت بعد دوسری عورت زینب سے پانچ سو روپیہ مہر پر نکاح کیا اور دونوں کو ان کا مہر ادا بھی کر دیا۔ زینب نے ایک روز ارمان کیا کہ تم نے میرا مہر بہت کم رکھا زینب نے اس کی دلجوئی کے لئے یہ قصد کیا کہ تین سو چار سو روپیے اس کے مہر میں اور زیادہ کئے (کیونکہ زیادت بعد العقد بھی اصل کے ساتھ تصریح فقہاء ملحق ہو جاتی ہے) اتنی رقم یعنی تین سو چار سو اس کو اور دیدوں خواہ نقد یا کسی مکان کا ایک حصہ کہ زینب کو فی الحال اس حصہ مکان کی ضرورت بھی ہے لیکن زید کو اس میں تردد یہ ہے کہ جس طرح تمام حقوق میں زوجتین کے درمیان تساوی ضروری ہے کہیں یہ زیادتی مہر احد ہما خلاف عدل نہ ہو جائے اس لئے استفتاء کیا جاتا ہے کہ یہ زیادت فی مہر احد ہما جائز ہے یا نہیں اگر کوئی دلیل صریح نہ ہو تو کوئی نکتہ ہی شافی ہو کافی ہے اور تصریح فقہی اگر مل جائے تو اقرب الی الاقناع ہے فقط۔

الجواب الاول من بعض العلماء:

موافق اس قاعدہ فقہیہ کے کہ زیادت فی المہر بعد العقد ملحق باصل المہر ہے اور ہبہ مبتدئہ نہیں ہے کما یقول بہ الامام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ زیادت فی مہر احدی الزوجات درست ہے خصوصاً اس زوجہ کے مہر میں زیادتی کرنا جس کا مہر اصل سے کم ہو اور اضرائر زوجہ ثانیہ اس سے مقصود نہ ہو (اور اس کو حیلہ ترک عدل و تسویہ بین جو کہ واجب ہے نہ بنایا جائے) خلاف عدل نہیں معلوم ہوتا فتح القدیر کے جزئیہ ذیل سے بھی یہی مفہوم ہو سکتا ہے کہ زیادت فی المہر اگر بطریق رشوت نہ ہو تو درست ہے عبارت اس کی یہ ہے (قوله وان رضیت احدی الزوجات بترك قسمها لصاحبتهاجاز) هذا اذا لم یکن برشوة من الزوج بان زادها فی مہرھا تفعل اذ یتزوجھا بشرط ان یتزوج اخری فقیہ عند ہا یومین وعند المخاطبة یومًا فان الشرط باطل ولا یحل لها المال فی الصورة الاولى فله ان یرجع فیہ الخ اور عنایہ کی یہ عبارت بھی جواز کی طرف مشیر ہے قولہ خلافًا لنفس فانه یقول ان زیادة هبة مبتدأة لا تلحق باصل العقد ان قبضت ملک و الا فلا الخ اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ زیادت کو ہبہ مبتدئہ قرار نہیں دیتے کہ اس کو خلاف عدل کہا جائے کیونکہ یہ تصریح ہے کہ ہبات میں بھی تسویہ بین الزوجات

ضروری ہے کما فی العینی علی البخاری و تمام العدل ایضا بینہن تسوینہن
فی النفقة والكسوة والمهبة ونحوها فقط، واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ.....

۵ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ

الجواب صواب

محمد..... عفا اللہ عنہ

الجواب الثانی من جامع امداد الاحکام

اقول وبالله التوفیق۔ زیادت فی المہر کا ملحق باصل العقد ہونا اس کو مستلزم نہیں
کہ اس کے جملہ احکام مثل مہر کے ہو چنانچہ زیادت کا دخول سے متصف ہونا اور قبل دخول متصف
نہ ہونا اس پر دال ہیں۔

نیز اس زیادت کا ملحق بالاصل ہونا اس کو بھی مستلزم نہیں کہ اس کے لئے مہر کے احکام
مطلقاً نہ ثابت ہوں۔ دراصل اس مسئلہ میں حنفیہ کا امام زفر اور شافعی وغیرہ سے جو اختلاف ہے
اس کا حاصل یہ ہے کہ حنفیہ اس کو محض مہر متانفہ نہیں سمجھتے بلکہ اس کے لئے کچھ احکام مہر کے
اور کچھ احکام مہر کے ثابت کرتے ہیں اور زفر و شافعی اس کو مہر کل وجہ مہر متانفہ سمجھتے ہیں ائمہ
ثلاثہ حنفیہ اس کو مہر ابتداء و مہر انتہاء کہتے ہیں اسی لئے وہ اس زیادت کو حق متعاقدين
میں بحکم مہر کہتے ہیں اور حق ثالث میں مہر و تبرع کما یظہر من کلام الفقہاء ودلیلہ شرط
بقاء الن زوجیۃ لجواز هذا الزیادة علی الظاہر کما فی الدر۔ فلو کان
کالمہر فی جمیع الاحکام لم یکن بقاء الن زوجیۃ شرطاً لان المہر یقی
لو انعدمت الن زوجیۃ کما لا یخفی۔

قال فی النہر والظاہر عدم الجواز بعد الموت والبیونۃ والیہ
یرشد تفسیر المحیط بحال قیام النکاح اذ نقلوا ان ظاہر الروایۃ
ان الزیادة بعد هلاك المبیع لا تصح وفي رواية النواذر تصح ومن ثم
جزم فی المعراج وغیرہ بان شرطها بقاء الن زوجیۃ حتی لو زادها بعد
موتها لم تصح رای لعدم المحل وقت الزیادة (۱۲) والالتحاق
باصل العقد وان کان یقع مستنداً الا انه لا بد

ان یثبت اولاً فی الحال ثم یستند الیہ اور طحاوی نے عدم اشتراط بقار زوجیۃ کو ترجیح دی ہے مگر اس کی بنا ارتفاق باصل العقد پر نہیں رکھی بلکہ یہ کہا ہے و کون ظاہر الرأیۃ عدم الصحة الزیادة بعد هلاک المبیع لا یقتضی ان یكون ظاهراً الرأیۃ هنا الفرق بین الفصلین قام عند المجتهد فانه فی النکاح امر الله تعالیٰ بعدم نسیان الفضل بین الزوجین وهذه الزیادة من مراعاة الفضل اه شامی (ص ۵۵۲ و ۵۵۳ ج ۲) قول اول میں شرط بقار زوجیت کی وجہ یہ تھی کہ صحت زیادت کے لئے وجود محل ضروری ہے اور قول ثانی نے زیادت کو مراعات فضل میں داخل کر کے اس شرط کی نفی کر دی بہر حال یہ مسئلہ سب کو تسلیم ہے کہ زیادت مہر من کل وجہ مثل مہر کے نہیں ہے۔ بلکہ درحقیقت یہ ہبہ من وجہ ہے اور مہر من وجہ ہے۔ ہبہ کی حیثیت سے بعض احکام میں یہ اصل مہر سے منفصل ہے مثلاً بحالت مرض موت مہر مثل پر زیادت باطل ہے لہذا فیہ من ابطال حق الورثة قال فی الدرر وما لزمہ فی مرضہ بسبب معروف بیئۃ او بمعاینۃ قاض علی ما اقربہ فی مرض موتہ ولو دعیۃ والسبب المعروف مالیں بتبرع کنکاح مشاہد ان ہبہ المثل اما الزیادة فباطلة وان جاز النکاح اه (ص ۷۰۸ ج ۲) فہذا کما تری قد ادخل الشہادة هنا فی التبرع وهذا اذا كانت الزیادة فی صلب العقد ولو كانت بعد العقد فتبطل بالاولیٰ وان کان المہر اقل من المثل والعلۃ کونہ تبرعاً فی الاصل ابتداءً کما لا یخفی۔ اور مہر کی حیثیت سے اس زیادت کے لزوم میں قبضہ شرط نہیں اگر ہبہ محض ہوتا تو بدون قبض کے لزوم نہ ہوتا پس حنفیہ کا اس زیادت کو ملحق باصل العقد کہنا صرف باین معنی ہے کہ یہ لزوم میں محتاج قبض نہیں کما یدل علیہ قول صاحب العنایۃ خلافاً لفرق فانه یقول الزیادة ہبۃ

عہ هذا صریح فی ان تلك الزیادة تلحق باصل المہر بعد ثبوته فی الحال وثبوته انما ہو بصورة الهبة والشئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ فیثبت لہا احکام التبرع فی الجملة ۱۲ منہ

مستأنفة لا تلحق باصل العقد ان قبضت مملکت والا فلا الخ باقی تمام احکام اس کیلئے ہبہ کے ثابت ہیں مثلاً قبول مرآة کا شرط ہونا اور زوجیت کا باقی رہنا وغیرہ وغیرہ جو اصل مہر میں شرط نہیں نیز اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ زیادت فی المہر دراصل زیادت فی ثمن المبیع پر قیاس کیا گیا ہے اور زیادت فی ثمن المبیع کے متعلق درمختار میں یہ تصریح ہے لکن انما یظهر فی الشفعة فی الحط فقط قال الشامی لأن فی الزیادة ابطال حق الشفع الثابت قبلها فلا یملک انہ فله ان یاخذ بدون الزیادة (۲۴۳) فعلم ان الزیادة فی العقد لا تسقط ولا تبطل حقاً ثابتاً للغیر قبلها۔

اب صورت مسئلہ کا حکم واضح ہو گیا وہ یہ کہ منکوحہ ثانیہ سے جو قلیل مہر پر نکاح کیا گیا ہے اگر یہ مہر مثل تھا تب تو اس کا مستحق زیادت نہ ہونا ظاہر ہے اور اگر مہر مثل نہ تھا بلکہ اس سے کم تھا تو اس نے اپنے حق کو وقت نکاح کے خود ہی ساقط کر دیا ہے والساقط لا یعود۔ اور اس سے نکاح ہو جانے کے بعد زوجہ اولیٰ کا ہبہ و نفقہ وغیرہ میں حق مساوات ثابت ہو چکا ہے لہذا ثانیہ کے مہر میں زیادت کرنے سے گو وہ اصل عقد کی طرف مستند ہو زوجہ اولیٰ کا حق مساوات باطل نہیں ہو سکتا کیونکہ زیادت فی العقد باوجود استناد الی الاصل کے کسی حق ثابت قبلہا کو باطل نہیں کر سکتی کما مر فی مثال الشفع، بس اس زیادت کا ثمرہ صرف یہ ہو گا کہ وہ مہر میں داخل ہو کر محتاج قبض فی الزم نہیں رہے گا باقی احکام تبرع و ہبہ کے بحال باقی رہیں گے۔ اور اگر زیادت فی المہر کو اصل سے ملحق کر کے موجب العدل والتسویہ نہ مانا جائے تو اس میں ہدم باب القسم باسراء لازم آئے گا کیونکہ پھر تو ہر شخص جو کچھ چاہے گا کسی ایک زوجہ کو دے دیا کرے گا اور یہ کہہ دے گا کہ میں تیرے مہر میں یہ زیادت کر رہا ہوں اور جس جزئیہ کے مفہوم سے مجیب اول نے استدلال کیا ہے وہ استدلال بھی صحیح نہیں، یہ جزئیہ تو غور کرنے کے بعد اس امر پر دال ہے کہ زیادت فی المہر من کل وجہ بحکم مہر نہیں بلکہ اس کی حالت موجودہ کے احکام بھی اس کے لئے ثابت ہوتے ہیں۔ غور کرنا چاہئے کہ اس صورت میں زیادت فی المہر کو جو رشوت

عہ قلت هذا صیح فیما ذکرناہ قبل ان هذه الزیادة مہراً انتہاء فی حق المتعاقدين وتبرع زائد فی حق الثالث فلذا لم یعد۔ ہامن الثمن فی حق الشفع ۱۳ منہ

کہا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زیادت کو قسم کا مقابل کیا گیا ہے اور یہ تقابل اس زیادت کی حالت موجودہ قبل الاستناد ہے ورنہ بعد الاستناد تو یہ زیادت مہر کا جزو ہو کر عوض تبضع ہے اور تبضع شرعاً متقوم ہے اس کا معاوضہ رشوت کبھی نہیں ہو سکتا پس فقہاء کا اس زیادت کو رشوت کہنا صاف بتلارہا ہے کہ زیادت فی المہر کے لئے مطلقاً احکام مہر ثابت نہیں ہوتے بلکہ اس کی صورت موجودہ کے احکام بھی ثابت ہوتے ہیں پس جس صورت میں کہ زیادت بعوض ترک قسم ہو اس وقت تو رشوت ہونے کی وجہ سے باطل ہے کیونکہ قسم متقوم نہیں جس کا عوض دیا جائے اور جس صورت میں کہ عوض ترک قسم نہ ہو اس وقت یہ اُخذی الزوجتین کے ساتھ صلہ زائدہ ہے پس صلہ زائدہ کے احکام ثابت ہو کر استناد الی الاصل کے احکام ثابت ہوں گے اور اس کے لئے صلہ زائدہ کے احکام کافی الجملہ ثابت ہونا اور پر عبارات درمختار و رد المختار وغیرہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ مریض کی زیادت کو فقہاء نے تبرع میں داخل کر کے بدون اجازت و رثہ باطل کہا ہے علیٰ ہذا اس زیادت کو بیع کی صورت میں مبطل حق شفع نہیں مانا گیا اور اس کے لئے قبول وغیرہ کو شرط قرار دیا گیا ہے اسی طرح یہاں بھی اس زیادت سے زوجہ ثانیہ کا حق مساوات جو ثابت قبل الزیادہ ہے باطل نہیں ہو سکتا ہذا و اللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

۳ شعبان ۱۳۳۷ھ

ایسی عورت کے مہر کا حکم جو رضاعی ہیں سوال (۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور ساجدہ نے ایام طفلی میں مختلف ہوا اور لاعلمی میں ان کا نکاح ہو گیا ہو

الاولیات کے با دیگرے مسماۃ ہندہ کا دودھ پیا اور جب یہ دونوں کچھ تھوڑا سن تمیز کو پہنچے تو ایام نابالغی ہی میں مسائل اور احکام دینی کی ناواقفیت کی وجہ سے زید اور ساجدہ کا باہم عقد ہو گیا اور بلوغیت کے بعد کچھ عرصہ تک ان کے درمیان تعلقات شوہری اور زوجیت کے قائم رہے بعد ازاں جب مسئلہ رضاعت سے واقفیت حاصل ہوئی اور بہ تحقیقات اپنے درمیان رضاعی بھائی بہن ہونا پایہ ثبوت سے درجہ یقین کو پہنچا ہوا پایا تو مسماۃ ساجدہ نے زید سے کنارہ کشی اختیار کر کے اس کے گھر سے اپنے میکہ چلی آئی اور زبانی اور تحریری اطلاع اپنے مورثان کو اس امر کی دی کہ اب میں ہرگز زید کے ساتھ تعلقات زوجیت کے نہیں رکھنا چاہتی اس معاملہ میں اگر آپ لوگ سختی بھی کیجئے یا جان سے مار ڈالئے تب بھی میں زید

کے گھر نہ جاؤں گی اور نہ اس سے پھر زوجیت کے تعلقات قائم کروں گی زید نے بھی ثبوت رضاعت کے بعد سکوت اختیار کیا اور نہ پھر کبھی ساجدہ کو اپنے گھر بلایا۔ اس تفرقہ کو چھ سات مہینہ گزرے ہوں گے کہ قصار الہی سے زید کا انتقال ہو گیا چونکہ زید صاحب جائداد تھا اس لئے طبع دنیا سے اب مسماۃ ساجدہ بحق زوجیت وراثتاً و بالعوض دین مہر کے دعویدار ہے تو اس صورت میں کیا مسماۃ ساجدہ زید مرحوم کی جائداد سے بحق زوجیت وراثتاً ترکہ شرعی اور دین مہر پانے کی مستحق ہو سکتی ہے ؟

الجواب : ساجدہ اس صورت میں مہر مثل کی تو مستحق ہے اگر زید سے مہبتری ہو چکی ہو مگر میراث کی مستحق نہیں اور مہر مثل خاندانی مہر کو کہتے ہیں ساجدہ کے جدی خاندان میں عورتوں کا عموماً جو مہر بانڈھا جاتا ہو اس میں ساجدہ کی حیثیت و صورت وغیرہ کا بھی لحاظ کیا جائے گا کہ اس جیسی عورت کا مہر کتنا ہوا کرتا ہے وہ ساجدہ کا مہر مثل ہے اب اگر وہ مہر مقررہ کے برابر ہی ہے تو مہر مقررہ ملے گا اگر کم ہے تو کم ملے گا اگر زیادہ ہے تو مقررہ سے زیادہ ملے گا۔ قال فی الدرر و یجب مہر المثل فی نکاح فاسد و هو الذی فقد شرطاً من شرائط الصحة كشوداه قال الشامی و مثله تزوج الاختین معاً و نکاح الاخت فی عدة الاخت و نکاح المعتدة و الخامسة فی عدة الرابعة اه (ص ۵۷۲ ج ۲) قلت و نکاح المحارم عدة بعضهم فی الباطل و لكن قال الشامی و الحاصل انه لا فرق بينهما (ای الفاسد و الباطل) فی غیر العدة اه (ص ۵۷۵ ج ۲) علی ان هذا النکاح لعله بشبهة لان الزوجین انما یتقنا بالرضاع بينهما بعد بلوغهما بن مان كما یظهر من السؤال فیکون الوطی و طياً بشبهة و الموطوءة بشبهة تستحق مہر المثل كما صرحوا به و اما حرمان الميراث فلما صرح به فی الدرر (ص ۵۷۵ ج ۲) و یتحق الارث باحد ثلاثة برحم و نکاح صحیح فلا توارث بفاسد و لا باطل اجماعاً اه، والله اعلم۔

۷ شعبان ۱۳۳۳ھ۔

سوال (۷) شوہر کو روزانہ بارہ آنہ کی آمد ہے اس میں مہر مہر کا ادا کرنا یکمشت ضروری ہے یا قسط وار بھی درست ہے
 میں ماہانہ دس روپیہ دیتا ہوں اور اس کے سوائے کوئی ملک وغیرہ نہیں آیا وہ ماہانہ دس روپیہ قبول کر سکتی ہے ؟

الجواب ؛ بحالت قیام نکاح تو اقساط کے ساتھ مہر ادا کر سکتا ہے اور بعد طلاق و خلع کے عورت یکمشت کل مہر وصول کرنے کی مستحق ہے اور اس وقت اقساط کم کر کرنا شوہر کے اختیار میں نہیں بلکہ عالم کی رائے پر ہے۔

سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس حکم منع المرأة نفسها عن زوجها بقبض المعجل والتفصيل في ذلك

مسئلہ میں کہ خالدہ خانم اپنے شوہر خالد سے قبل وطی یعنی رخصت ہونے سے پہلے کل زیر مہر یا کوئی جزو زر مہر لینے کی عند الشرع مستحق ہے یا نہیں؟
ربینوا توجسوا، اگر مہر معجل ہو یا مؤجل ہر دو صورت میں مستحق ہے یا کیا؟

الجواب ؛ قال فی الدرر ولها منعه من الوطی ودواعیه والسفر بها ولو بعد خلوة رضیتها لاخذ ما بین تعجیلہ من المهر كله او بعضه او اخذ قدس ما يعجل لمثلها عرفا به يفتى لان المعروف كالمشروط ان لم يؤجل او يعجل كله فكما شرط لان الصريح يفوق الدلالة اذا جهل الاجل جهالة فاحشة فيجب حالا الا التاجيل بطلاق او موت فيصح للعرف لها قال الشامي عن شرح الجامع لقاضي خان انه لو كان المهر مؤجلا ليس لها المنع قبل حلول الاجل ولا بعدا وكذا لو كان المؤجل بعضه واستوفت العاجل وكذا الواجلته بعد العقد ثم قال وعلى قول ابی يوسف لها المنع الى استيفاء الاجل في جميع هذه الفصول اذ الميكن دخل بها الخ قال في الدرر وعن الثاني لها منعه ان اجله كله وبه يفتى استحسانا ولو الجية ام قال الشامي وهذا اذ الميشرط الدخول قبل حلول الاجل فلو شرطه ورضيت به ليس لها الامتناع اتفاقا ام (ص ۵۸۸ و ۵۸۹ ج ۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مہر کی مختلف صورتیں ہیں ؛
۱۔ کل مہر معجل ہو یا بعض معجل ہو یعنی وقت نکاح کے تصریح کر دی گئی ہو کہ مہر کا کل یا بعض معجل ہوگا اس صورت میں عورت کو قبل رخصت و خلوت کل یا بعض جو بھی معجل طے ہوا ہو طلب کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

۲۔ بعض معجل ہو اور بعض مؤجل ہو تو معجل کے وصول کے بعد بقیہ کے بھی مطالبہ کا حق عورت کو ہے لیکن اس کے وصول ہونے پر اپنے نفس کی تسلیم کو موقوف نہیں کر سکتی۔

(۳) کل مؤجل ہو اور اجل طلاق یا موت ہو تو عرف کی وجہ سے تا جیل مجہول صحیح ہے اور اس صورت میں عورت کو طلب مہر کا تو حق ہے مگر اس کے کسی جزو یا کل کے وصول ہونے پر اپنے نفس کی تسلیم کو موقوف نہیں کر سکتی بلکہ اگر شوہر بدون کچھ مہر دے اس کو اپنے پاس رکھنا چاہے تو اس کو حق امتناع نہ ہوگا۔ البتہ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ مہر کل مؤجل ہو تو عورت کو حق امتناع ہے مگر یہ جب ہے کہ شوہر نے دخول قبل الادار کی شرط نہ کی ہو اور یہ شرط کر لی ہو تو اتفاقاً عورت کو حق امتناع نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل مرد کو اس شرط کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ مہر کل مؤجل ہونے کی صورت میں اگر عورت نے یہ شرط کر لی ہو کہ قبل ادار مہر میں دخول کو منظور نہ کر دے گی تو اس کو حق امتناع ہے ورنہ نہیں۔ کیونکہ کل مہر کو مؤجل کرنا ہندوستان میں رائج ہے اور اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ دخول ادار مہر پر موقوف نہیں والمعرفہ کا المشروط پس اگر عورت نے اس امر معلوم عرفاً کی صراحتہ نفی نہیں کی تو گویا وہ بھی دخول قبل ادار پر راضی ہو گئی، ہذا واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۸ ذیقعد ۱۴۳۲ھ۔

صحیح مہر معلوم نہ ہو اور وارث اپنے دعویٰ پر | سوال (۹) عبداللہ خان مرحوم نے دو شادیاں کیں گواہ نہ رکھتے ہوں تو مہر مثل پر فیصلہ ہوگا پہلی بیوی کا انتقال ہو گیا اس کی اولاد موجود ہے اور دوسری بیوی زندہ موجود ہے اور اس سے دو بچے ہیں۔ عبداللہ خان اور ان کے والد نے اس پہلی بیوی کا مہر کسی مقدمہ کی شہادت میں اپنا بیان یہ دیا ہے کہ میری بیوی کا مہر ایک ہزار روپیہ ہے اور ان کے والد نے بھی یہی بیان دیا ہے کہ میرے لڑکے کی بیوی کا دین مہر ایک ہزار روپیہ ہے۔ عبداللہ خان کی بیوی کی بہنوں کا مہر ۵۰۰ ہزار روپیہ ہے اور ان کی چھو بھئیوں کا مہر بھی ایک ہزار روپیہ ہے اور ان کے والد یعنی صاحبزاد خان کی بیوی کا مہر بھی پانچ ہزار روپیہ ہے اور ان کے لڑکوں کی بیویوں کا مہر بھی پانچ ہزار روپیہ ہے اب عبداللہ خان کی اول بیوی کی اولاد یہ دعویٰ کرتی ہے کہ ہماری والد کا مہر پچیس ہزار روپیہ ہے جس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ دوسری بیوی اور اس کی اولاد کو محسوم کر کے خود ہی اپنے والد کی جائیداد پر قابض رہیں اور اپنے سوتیلی ماں اور بھائی بہن کو کچھ نہ دیں، دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں عبداللہ خان مرحوم کی پہلی بیوی کا مہر از روئے شرع شریف کیا قرار دیا جائے؟ عبداللہ خان نے جو وصیت نامہ

مرنے سے پیشتر لکھا ہے اُس میں سب بہن بھائی کو لکھا ہے کہ اتفاق سے رہنا اور دوسری بیوی زندہ کا مہر ایک ہزار روپیہ لکھا ہے جو واقعی ٹھیک ہے مگر پہلی بیوی کے مہر کا کچھ ذکر نہیں لکھا خدا معلوم ادا کر گیا یا مرحومہ نے معاف کر دیا اس کا علم اللہ کو ہے۔

الجواب؛ اگر زوجہ اولیٰ کی اولاد اپنے دعویٰ پر دو عادل گواہ نہیں رکھتے تو مہر مثل پر فیصلہ کیا جائے اور مہر مثل میں عورت کے خاندان کا اعتبار ہے سوال میں ظاہر کیا ہے کہ عبداللہ خان کی سالیوں کا مہر ۵-۵ ہزار روپیہ ہے بس اس کے مطابق پانچ ہزار روپیہ عبداللہ خان کی زوجہ اولیٰ کا مہر قرار دیا جائے کما فی الدس المختار و بعد موتہما فی القدس القول لورثہ و فی الاختلاف (فی اصلہ) القول لمنکر التسمیۃ (لم یقض بشیء) مالم یبرهن علی التسمیۃ (وقال یقض بمہر المثل) کحال حیاء (وبہ یفتی) و فی الشامی تحت قولہ لم یقض بشیء) لان مہر المثل یختلف باختلاف الاوقات فاذا تقادم العہد یتعدى الوقوف علی مقدارہ فتم و ہذا یدل علی انہ لو کان العہد قریباً قفی بہ بحسب قلت وبہ صرح قاضی خان فی شرح الجامع (ص ۵۹۲ ج ۲)۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ، ۱۹ جمادی الثانیہ ۱۳۲۲ھ الجواب صحیح، ظفر احمد۔ ۱۹ ج ۲ ص ۲۲۲ھ۔

سوال (۱۰) کوئی شخص بہت زیادہ اپنی حیثیت سے مہر مقرر کرے جو محض ایک برادری کی رسم کے لحاظ سے ہوا اتنی رقم اس کی حیثیت کے اعتبار سے ادا کرنا ناممکن ہے مہر دینے کی نسبت کہتا ہے کہ یہ ایک فرضی بات ہے کون دیتا کون لیتا ہے اگر اتنا مہر مقرر نہ کروں تو نکاح ہی نہ ہو تو ایسے شخص کی اولاد کو کوئی ولد الزنا کہے یا سمجھے تو گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب؛ اس شخص کی اولاد کو ولد الزنا کہنا حرام ہے اور حرامی سمجھنا بھی بمعنی متعارف جائز نہیں اور حدیث میں جو ایسے شخص کو زانی کہا گیا ہے اس سے مراد گناہ میں مثل زانی کے ہوتا ہے۔ اور مثل زانی پر احکام زانی کے جاری کرنا درست نہیں۔

سوال (۱۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان حکم تجدید نکاح بزیادت مہر از مہر سابق اور اس صورت میں میں شوہر کے ذمہ کونسا مہر واجب ہوگا

شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید عمر ۲۵ سال

اور عابدہ عمر ۱۴ سال ہو دو باوجود بالغین ہونے کے ان کے باہم عقد نکاح اس صورت میں واقع ہوا کہ وکیل اپنے دو شاہدوں کے ہمراہ ایک عام جلسہ میں اگر عابدہ اور اس کے والد کے وکیل بنانے کا اقرار دونوں شاہدین سے کر کر زید کے ساتھ عابدہ کا نکاح ایک سو پچیس روپیہ مہر موجد پر ایجاب قبول کر اسی دیا تھا کہ عابدہ کا ماموں اس جلسہ میں آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مہر بالکل کم ہے چالیس تولہ سونا چاہئے اور اسی پر اصرار کر کے عابدہ کے والد کو بھی مجبور کیا حتیٰ کہ ثانی نکاح چالیس تولہ سونے پر کر اسی چھوڑا حالانکہ زید زوج ایک سو پچیس روپیہ کا بار بھی نہیں اٹھا سکتا اور اس نے تقریب نکاح کا خرچ جو قرض لیکر کیا تھا اس کے ضائع ہو جانے کے خوف سے اور شریعت کی لاعلمی کی وجہ سے طوعاً و کرہاً نکاح ثانی بھی قبول کر لیا۔

(۱) عند الشریعہ کونسا نکاح منعقد ہوا اول یا ثانی؟ (۲) زوجہ کا ماموں نکاح ثانی بالکفر بکے مستحق ہے یا نہیں؟ (۳) نکاح اول کا مہر واجب الادا ہے یا ثانی کا؟ (۴) مہر موجد زوجہ کو کس وقت ادا کیا جاسکتا ہے؟

اس کے چار ماہ بعد زوجہ زوجہ میں باہمی تنازع ہوا اور عابدہ کے والد نے عابدہ کو بے اجازت زید کے مکان سے لیجا کر اپنے مکان پر بٹھا رکھا ہے اور زید کے ہاں آنے نہیں دیتا آیا عابدہ کا نان و نفقہ زید پر واجب الادا ہے یا نہیں مع حوالہ کتب معتبرہ ارقام و فرما کر عند اللہ ما جور و عند الناس مشکور ہوں؟

الجواب؛ قال فی العالمگیریۃ الزیادۃ فی المہر صحیحۃ حال قیام النکاح عند علمائنا الثلاثۃ کذا فی المحيط فاذا زادها فی المہر بعد العقد لزمته الزیادۃ کذا فی السراج الوہاج هذا اذا قبلت المرأة الزیادۃ سواء كانت من جنس المہر اولاً من زوج اولی کذا فی النہر الفائق والزیادۃ تتأکد باحد معان ثلاثۃ اما بالدخول او بالخلوۃ الصحیحۃ واما ببوت احد الزوجین الخ ولتزوج امرأۃ بالف درهم ثم جدد النکاح بالفین اختلفوا فیہ ذکی الشیخ الامام المعروف بخواہر زادہ فی کتاب النکاح ان علی قول ابی حنیفۃ ومحمد لا یلزمہ الالف الثانیۃ ومہر الف درهم وعلی قول ابی یوسف یلزمہ الالف الثانیۃ وبعضہم ذکر الخلاف علی عکس

هذا قال بعض مشائخنا المختار عندنا ان لا يلزمه الالف الثانية كذا
 في الظهيرية رقلت وهذا اذا كان المقصود بالتجديد تجديد النكاح
 هنلا وتلعبا، ففي العالمگیریة ایضا عقب ذلك مانصه وفتوی القاضی
 الامام علی انه لا یجب بالعقد الثاني شیء الا اذا عنی به الزیادة فی
 المهر فحينئذ یجب المهر الثاني كذا فی الخلاصة اه (ص ۲۹ ج ۲)
 پس صورت مسئلہ میں نکاح ثانی تو لغو ہے لیکن چونکہ اس سے مقصود محض زیادت مہر
 تھی اس لئے مہر وہی واجب ہوگا جو دوبارہ مقرر کیا گیا ہے کیونکہ زید زوج نے اس کو برضا
 منظور کیا ہے اس پر اگر شرعی کا تحقق نہیں ہوا اور گواہوں اس صورت میں ولی نہ تھا
 مگر اول تو اس نے والد عابدہ کو اپنے ساتھ متفق کر کے ایسا کیا ہے دوسرے مدار تو زوج
 کے منظور کرنے پر ہے جب اس نے دوسرے نکاح کے مہر کو منظور کر لیا تو اس کی طرف سے
 زیادت فی المہر کا تحقق ہو گیا پس اگر زوجہ مسماۃ عابدہ نے بھی اس زیادت کو قبول کر لیا
 ہو یعنی اس کو دوسرے نکاح کی مہر زائد پر ہونے کی اطلاع ہوئی ہو اور اس پر اس سکوت
 کیا اور نکاح ثانی سے انکار نہیں کیا تو یہ مہر لازم ہو گیا جو دخول یا خلوت سے مؤکد بھی ہو گیا
 اور اگر اس کو اطلاع نہیں ہوئی تو سوال دوبارہ کیا جائے۔

اور مہر مؤجل ہر ملک میں وہاں کی اصطلاح کے موافق ہے بعض جگہ طلاق یا موت
 کے وقت واجب الادا ہوتا ہے اور بعض بلاد میں وقت مطالبہ زوجہ کے ہم کو بنگال
 کی اصطلاح معلوم نہیں اس لئے کچھ نہیں کہہ سکتے۔
 اور عابدہ جو اپنے باپ کے گھر چلی گئی ہے تو اس کے متعلق بھی یہ بات دریافت طلب
 ہے کہ وہ مہر کے متعلق کسی جھگڑے کی وجہ سے گئی ہے یا کسی اور بات پر جھگڑا ہوا ہے؟
 اور یہ بھی لکھا جائے کہ بنگال میں مہر مؤجل کا ادا مطالبہ زوجہ پر واجب ہوتا ہے
 یا طلاق و موت پر؟

اور صورت مسئلہ میں کل مہر مؤجل تھا یا کوئی حصہ معجل بھی تھا اور جو حصہ معجل تھا وہ
 عابدہ کو وصول ہو گیا یا نہیں؟ واللہ اعلم۔ ۸ ربيع الاول ۱۳۶۶ھ

ایسی عورت جو کسی علت کے سبب جماع کے | سوال (۱۲) بعد آداب کے عرض یہ ہے کہ میرے عزیز
 قابل نہ ہے اس کے مہر وغیرہ لکھا حکم ہے | رجن بیگ سلمہ کی شادی قریب گیارہ سال ہوئے

جب ان کی خالہ کی لڑکی سے ہوئی تھی جب لڑکی بالغ ہوئی ہم بستی کے لئے اپنے شوہر کے پاس سوئی شوہر ہم بستی یعنی جماع کے لئے آمادہ ہوا تو اندام نہانی میں ایک سنٹی حائل ہوئی جس کی وجہ سے جماع کرنے سے مجبور رہا دوسرے روز صبح زنا شفا خانہ کی لیڈی نے ملاحظہ کیا تو بعد معائنہ کہا کہ یہ عورت مرد کے قابل نہیں ہے اور نہ ہی اس کے پستان چھاتیاں ابھری ہیں مردوں کا ساسینہ صاف ہے۔ اس وقت لڑکی کی عمر ۲۲ سال ہے، عرصہ تک میاں بیوی نے راز کو پوشیدہ رکھا، شفا خانہ کے معائنہ کرانے کے بعد بھی، آخر جب عزیزوں نے مجبور کیا تب صاف صاف بیان کیا، لیڈی ڈاکٹر نی جوائگریزی میم تھی پھر دوبارہ دیکھا اور کہا کہ لڑکے کی شادی دوسری کر دیہ عورت مرد کے کام کی نہیں ہے لہذا عرض ہے کہ جب دوسری شادی عزیز کی ہو جائے گی تو اس پہلی عورت کا جو ناقابل مرد ہے اس کا کیا حق اپنے شوہر پر ہے گا یا نہیں ہے گا، مہر پانچ سو روپیہ کا ہے طلاق ابھی نہیں دی ہے دوسری شادی جب ہی ہوگی جب اس پہلی سے نجات ملے گی دوسری شادی جہاں ہوگی بات چیت سب طے ہوگئی ہے مگر اس ہی بنا پر پاڑی ہوئی رکی ہوئی ہے کہ پہلی عورت مہر لینے کا حق رکھتی ہے یا نہیں۔ طلاق دینے کے بعد شوہر پر جو کچھ مہر وغیرہ کا حق حقوق ہے۔ براہ کرم بہت جلد اطلاع دیں کہ اس کو طلاق دیکر دوسری شادی کی جاوے اور یہ نکاح بھی اس عورت سے جائز ہوا یا ناجائز جب کہ وہ مرد کے قابل ہی نہ تھی حدیث سے سب باتوں کے جواب سے شاد فرماویں؟

الجواب؛ قال فی الدس والخلوۃ بلامانع حسی وطبعی وشرعی ورتق بفتحین التلاحد قمان بالسکون عظم وعقل بفتحین غدة وصغر لا یطاق معه الجماع کالوطأ فیما یجئ ای فی ثبوت النسب وتاکد المهر من ۵۵۹ ج ۲ وفيه ایضاً ویجب العشرة ان سماها او دونها ویجب الاكثر منها ان سمی الاكثر ویثاکد عند وطأ او خلوۃ صحت او موت احدھا ویجب نصفه بطلاق قبل وطأ او خلوت (صحت) وعاد النصف الی ملک النزوج بمجرد الطلاق اذ لم یکن مسلماً لھا وان کان مسلماً لھا لم یطیل ملکہا منه بل توقف عوده الی ملکہ علی القضاء او الرضی ام ص ۵۴۲ ج ۲ . وفيه ایضاً فی باب القسم یجب ان یعدل فیہ ای فی القسم بالتسوية

فی البیتوتۃ و فی الملبوس والمأکول والصحبۃ لانی المجامعة کالمحبۃ بل
 یتحب بلا فرق بین فحل وخصی و عنین و محبوب و مریض و صحیم و صبی
 دخل بامرأته و بالغ لم یدخل بحر یحشا و اقرا المصنف و مریضۃ و
 صحیحة و حائض و ذات نفاس و مجنونة لا تخالف و رتقاء و قرناء و
 و صغیرۃ یمکن و طہا اھ (ص ۶۵۵ ج ۲)۔

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے کہ اس عورت سے نکاح درست ہو گیا اور
 (۱) اگر اس عورت کو طلاق دے دی گئی تو وہ نصف مہر کی مستحق ہوگی۔
 (۲) اور اگر طلاق نہ دی گئی تو زوج کے مرنے پر وہ مہر کامل کی مستحق ہوگی اسی طرح اگر یہ
 زوجہ مر گئی تو اس کے ورثہ شوہر سے پورے مہر میں حقدار ہوں گے۔
 (۳) اگر طلاق نہ دی گئی بلکہ اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیا گیا تو یہ زوجہ بھی دوسری
 کی طرح نفقہ و مسکن اور شب بامی میں مساوات کی مستحق ہوگی اس کا حق ان امور میں
 دوسری سے کم نہ ہوگا ہاں صرف جماع مساوات کی مستحق نہیں کیونکہ وہ جماع کے قابل
 ہی نہیں اگر قابل بھی ہوتی جب بھی جماع میں مساوات کرنا واجب نہیں صرف مستحب
 ہوگا واللہ اعلم۔
 ۱۱۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۶ھ۔

سوال (۱۳) ایک کنواری عورت کے والدین جس کی عمر
 سترہ برس کی ہے اس کی شادی (ایک شریف نوجوان پر دی
 کسی شخص سے کرتے ہیں) بعد رخصتی شب عروسی کے اول
 وقت میں جبکہ عورت کی ساس کچھ مطابق رسم نصیحت پندرہ گرتے جاتی ہے تو عورت نہایت
 شرم سے اپنی ساس سے کہتی ہے کہ اماں جو کچھ آپ نے فرمایا یہ درست ہے میں اس کو
 سن کر کیا کروں میں اس قابل ہی نہیں کہ میں ان کے پاس یا وہ میرے پاس آسکیں میں
 مجبور ہوں زیادہ دریافت حال پر عورت نے کہا کہ میرا جسم اور عورتوں کا سانہیں ہے
 قدرت نے پیشاب کے واسطے صرف چھوٹا سا سوراخ عطا کیا ہے تو اسپر اس کی ساس
 دو عورتوں کو بلاتی ہے اور اس کا جسم دیکھ کر تصدیق کرتی ہے کہ دلہن کا بیان سچ ہے۔

عہ اور ان ورثہ میں شوہر بھی ہے اس کا حصہ شرعی مہر میں سے معاف ہو جائے گا ۱۲ اشرف علی

کہا جاتا ہے کہ شادی کیوں کرائی۔ وہ جواب دیتی ہے کہ میرے ماں باپ میں ایک وقت بحث بھی ہوئی مگر میرے والد نے والدہ کو ڈانٹا جو میں نے سنا اور مجھے بھی خاموش کر دیا گیا میں مجبور تھی۔ چنانچہ لڑکے کہنوز اس عورت کے پاس نہیں جانے دیا اس کے والدین کو بلایا گیا وہ اپنی خطا پر نادم ہو کر لڑکی کو گھر واپس لے گئے اور کہا کہ ہم علاج کرا کر واپس کریں گے علاج کرایا گیا چار برس سے ہنوز آرام نہیں ہوا۔ لڑکا حیران ہے کہتا ہے کہ طلاق ہی دلا دو میں دوسری جگہ شادی کر لوں میری عمر مت ضائع کرو اس عورت کے ماں باپ زور دیتے ہیں کہ مہر اور ہمارا سامان واپس کر دو۔ لڑکا غریب ہے مجبور ہے لڑکا کہتا ہے میرا اس میں کیا قصور ہے کیا مجھے آپ نے آگاہ کیا میری شادی کرنے کا کیا یہی نتیجہ ہے شادی اسی لئے ہوتی ہے کہ ایسے دھوکہ دیا جائے محض کسی ناجائز لالچ سے جس کی تم کو خبر بھی افسوس ہے۔ امیر ہے کہ با مہر فتویٰ مرحمت فرماویں اور چونکہ حضور سادہ کارڈ پر جواب صادر فرماویں گے کچھ تفصیل ضرور ہو کہ ہر آدمی وقت فیصلہ سمجھ سکے حضور کے جواب کا انتظار ہے (۱) یہ کراہی بقبول ہوئے یا نہیں؟ (۲) نکاح ہوا یا نہیں (۳) اس دھوکہ کی صورت میں مہر واجب ہوا یا نہیں؟ جبکہ یہ عورت اور اس کے ماں باپ کا قصور سے زیادہ والسلام

الجواب؛ صورت مسئلہ میں نکاح درست ہو گیا کیونکہ صحت نکاح کے لئے عورت کا عورت ہونا کافی ہے قابل جماع ہونا ضروری نہیں۔ اب اگر اس کو طلاق دی گئی تو چونکہ یہ طلاق قبل از دخول و خلوت صحیحہ ہے اس لئے شوہر پر مہر کامل تو واجب نہ ہوگا ہاں نصف مہر واجب ہوگا۔ اور مہر عورت کا حق ہے جو نکاح سے واجب ہو جاتا ہے، عورت یا والدین کے قصور سے مہر ساقط نہیں ہو سکتا ہاں اگر بیوی مہر کو معاف کر دے تو وہ اپنا حق معاف کر سکتی ہے واللہ اعلم۔ ۲۲ رجب ۱۴۲۶ھ۔

سوال (۱۳) بعد سلام مسنون دیگر مالک کی مجھے خبر نہیں مگر ہندوستان میں عام طور پر رواج ہے کہ شادی میں لڑکے اور لڑکی کو سسرال سے شادیانہ کپڑے دیئے جاتے ہیں میرے خیال میں عوام اور خواص سب ہی اس کو لازم اور واجب سمجھتے ہیں کیونکہ کوئی شادی آج تک ایسی نہ دیکھی گئی اور نہ سنی گئی کہ جس میں کپڑے نہ دیئے گئے ہوں کپڑے دینے کے لئے لوگ بہت کچھ اہتمام کرتے ہیں اور شادی کا ایک ضروری جزو سمجھتے ہیں کیا یہ ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ لوگ قولاً اور فعلاً ثابت کر رہے ہیں۔ جناب حضرت نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی متعدد شادیاں کیں۔ ان کی بنات طہیات کی شادیاں ہوئیں کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شادیوں میں کپڑے لئے دیئے تھے۔ حضرات صحابہؓ اور صحابیاتؓ کی شادیوں میں کپڑوں کے لین دین رائج تھی۔ حضرات تابعین اور تبع تابعین نیز ائمہ دین متین کے زمانے میں یہ رسم و رواج سمجھا یا نہیں اگر نہیں تھا تو کب سے رواج ہوا شادیوں میں شادیاں نہ کپڑے لئے دیئے جائیں یا نہیں۔ جو حکم شرعی ہو مفصل مدلل تحریر فرما کر مخلوقات خدا کو راہِ راست سے واقف فرمائیں اور عند اللہ ما جو رہوں۔

الجواب : باپکا اپنی لڑکی کو نکاح کے وقت جہیز دینا سنت نبویہ سے ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو شادی کے وقت جہیز دیا ہے۔ اسی طرح نکاح کے وقت شوہر کا عورت کو زیور کپڑے وغیرہ دینا سنت سے ثابت ہے۔ حضرت علیؓ نے جس وقت نکاح کے بعد حضرت فاطمہؓ کے پاس جانا چاہا لو حضورؐ نے فرمایا اعطھا شیئا قال ما عندی ما اعطھا قال فاین درعک الحطیة الحدیث و فی حدیث الواہبۃ نفسہا الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و لم یکن لہ فیہا غرض فقام رجل و قال زوجنیہا یا رسول اللہ ان لم یکن لک بہا حاجۃ فقال ہل عندک ما تعطیہا قال لا الا ازاری قال فالتمس شیئا ولو خاتما من الحدید الحدیث کلا ہما صحیح۔

ان روایات سے ثابت ہے کہ شوہر کو عورت کے پاس جانے سے پہلے اس کو کچھ دینا چاہئے یہ عورت کا حق ہے۔

پس شادی میں کپڑے زیور وغیرہ دینے کا جو رواج ہے یہ رواج فی نفسہ خلاف شرع نہیں۔ البتہ اس میں افراط و غلو مناسب نہیں کہ اس قدر اہتمام کیا جائے جس سے پریشانی ہو اور قرض کا بار عظیم ہو جائے۔ باقی اپنی حیثیت کے موافق اہتمام کرنا شریعت کے موافق ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور لڑکے کو جو جوڑا دیا جاتا ہے اس کا ثبوت جزئی تو نہیں ہے مگر کلی ثبوت حدیث

عہ قلت ذکر الحافظ حدیث جہازہا و کذا حدیث علیؓ اعطھا درعک الحطیة فی ترجمۃ فاطمۃ من الاصابۃ (ص ۱۵۸ و ۱۵۹ ج ۸) ۱۲ ظنی

تہاد و اتحاوا سے اس کا بھی ہے کیونکہ اس کا منشا محض اکرام و محبت کا اظہار ہے اگر غلو نہ ہو تو اس کا بھی مضائقہ نہیں، واللہ اعلم۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ۔

ادائیگی مہر میں شوہر اور بیوی کے **سوال** کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس درمیان بعض شرائط کا حکم مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے کہ تمہارے دو ہزار روپیہ مہر ہے مگر اس شرط پر کہ تم کو اگر میں نے بلا کسی وجہ کے طلاق دے دیا یا گھر سے نکال دیا تو مہر دے دوں گا خواہ معجل ہو یا غیر معجل ہو کوئی تخصیص نہیں ہے اگر اس قسم کے وجوہات پیش نہ آئے تو مہر نہ دوں گا آیا یہ شرط فاسد ہے یا صحیح ہے نیز اس صورت میں مہر مثل ہوگا یا رقم مذکورہ مبلغ دو ہزار روپیہ جو متعین ہے ادا کرے گا اور عورت کی طرف سے یہ عہد ہے کہ ہر طرح سے خاوند کی فرمانبرداری ہوں گی۔ اور اگر خاوند کی مرضی کے خلاف کوئی کام مجھ سے سرزد ہوئے تو معاہدہ مندرجہ بالا کالعدم و باطل تصور ہوگا آیا اس آخری شرط کے ماتے کے بعد مہر مثل ہوگا یا نہیں صاف تحریر فرماویں۔ بغرض مزید تفصیل نقل اذرا تا بھی ارسال ہے۔

نقل اقرار نامہ ملخصاً

منقرۃ مسماۃ لطیفۃ الخ سے نکاح ثانی کر کے اپنی زوجیت میں لایا ہے مسماۃ مذکور کا مہر دو ہزار روپیہ شرائط ذیل پر قرار پایا ہے کہ ہر دو معاقدین کا خداوند عالم اتفاق و محبت سے زندگی بسر کر ائے۔ اگر خاوند بلا کسی وجہ یا قصور کے طلاق دے یا گھر سے نکال دے تو مبلغ دو ہزار روپیہ دینا پڑے گا۔ آگے چلکر بیوی کا اقرار ہے اگر خاوند کی مرضی کے خلاف کوئی کام مجھ سے سرزد ہوئے گا تو یہ معاہدہ مندرجہ بالا کالعدم و باطل تصور ہوگا اور منقرۃ خاوند کو کوئی عورت شادی شدہ یا نکاح ثانی میری موجودگی میں رکھنے کا ہرگز اختیار نہ ہوگا۔ دیگر یہ بھی فرماویں کہ خاوند کے کاروبار خانگی بذمہ عورت کون کون سے ضروری ہیں؟ زیادہ والسلام۔

الجواب: یہ شرط فاسد ہے اور عورت مدخول بہا ہے تو وہ ہر حالت میں دو ہزار کی مستحق ہے خواہ اس کو طلاق دی جائے یا نہ دی جائے گھر سے نکالا جائے یا نہ نکالا جائے اور صورت مسئلہ میں مہر مثل کا کوئی احتمال نہیں لعدم التردید فی

کمیتۃ المہر وعدم تعلیقہ علی شیء وانما علق اداءہ وعدم اداءہ علی شرائط
بعد ما جعل المہر الفین کما هو ظاہر من نقل اقرار فامۃ، واللہ اعلم۔
اور عورت کے عہد سے بھی مہر کا ابطال نہیں ہوا بلکہ وہ عہد ہی لغو ہے وہ جب تک
صراحتاً معاف نہ کرے اور خوشی سے معاف نہ کرے تو معاف نہ ہوگا۔
اور بیوی کے ذمہ چار باتیں لازم ہیں جن پر شوہر اس کو مجبور کر سکتا ہے :
(۱) جب شوہر مجامعت کے لئے بلاوے اور عورت بیمار نہ ہو تو انکار نہ کرے۔
(۲) شوہر اگر زینت کا طالب ہو تو اس کے لئے زینت و آرائش کیا کرے بشرطیکہ
زینت خلاف شرع نہ ہو۔

(۳) شوہر کے گھر سے بدون اس کی اجازت کے باہر قدم نہ رکھے نہ کسی نامحرم کے
سامنے چہرہ کھولے۔

(۴) جس شخص کا گھر میں آنا شوہر کو گوارا نہیں اس کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے۔
ان امور کے سوا اور کسی بات پر مرد عورت کو مجبور نہیں کر سکتا اگر مجبور کرے گا،
گنہگار ہوگا۔ البتہ عورت کو دیانۃً واجب ہے کہ شوہر جس مباح شرعی کام کرے
اور اس کی طاقت سے باہر کام نہ ہو اس کو بجالاتے خواہ شوہر کو اس کے حکم کا حق ہو یا
نہو گو وہ بلا استحقاق کسی زائد کام کا بدون رضا کے حکم کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ لیکن اگر وہ
عمل شرعاً مباح اور عورت کی قدرت میں لگتا تو عورت بھی مخالفت امر زوج سے گنہگار
ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یکم ذی الحجۃ ۱۴۲۵ھ

سوال (۱۶) مہر مثل کی تعریف جو فقہاء نے لکھی ہے
مہر مثل کی تحقیق نہ ہو سکے یا وہ عرفاً مختلف ہو تو کس مہر پر فیصلہ کیا جائے
اگر اس کی تحقیق نہ ہو سکے یا وہ عرفاً مختلف ہو تو پھر کس مہر پر

فیصلہ کیا جائے گا یا مہر مسمیٰ ہی ہر حالت میں معتبر ہوگا؟
الجواب؛ فقہاء نے جو مہر مثل کی تعریف لکھی ہے اس کی تحقیق کی ضرورت وہاں
ہے جہاں اختلاف صفات زوجین سے مہر خاندانی مختلف ہو جاتا ہے اور جہاں مہر خاندانی
ہر حال میں واحد ہو کہ خاندان کی ہر لڑکی کا مہر اس سے کم نہ ہوگا اور غالب احوال میں زیادہ
بھی نہیں ہوتا الا نادراً لعارض تو وہاں مہر خاندانی ہی مہر مثل ہوگا اور ہندوستان
میں اکثر مقامات پر ہر قوم کا مہر ہر شہر میں رواجاً معین ہے اس سے کم و بیش نہیں ہوتا

پس اسی کو مہر خاندانی کہا جائے گا اور اگر کسی قوم میں مختلف مہور ہوں تو ہر لڑکی کی پھوپھویں، اور چچا زاد بہنوں کا مہر اس کے حق میں مہر مثل ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ یکم صفر ۱۴۲۸ھ
 سقوط مہر کے متعلق ”بیان القرآن“ سوال (۷)، آپ کے مترجم قرآن عظیم کے والمحصنت کی ایک عبارت کی تشریح کے حاشیہ پر یہ مضمون مرقوم ہے کہ اگر صحبت یا خلوت نہیں ہوئی اور مرد چھوڑ دے تو نصف مہر لازم ہوگا یہ تو ظاہر ہے اور آگے یہ لکھا ہے کہ اگر عورت ایسا کام کرے جس سے نکاح ٹوٹ جائے تو پھر بالکل مہر لازم نہ آئے گا اس سے کفر مراد ہے یا اور کچھ ہے؟

الجواب: عورت کی جانب سے نکاح ٹوٹنے کی صورت ایک یہ بھی ہے کہ عورت مرتد ہو جائے اور اس کے علاوہ دوسری صورتیں بھی ہیں مثلاً کافر مرد و عورت کا نکاح ہوا تھا مرد مسلمان ہو گیا اور عورت نے اسلام سے انکار کر دیا۔ یا عورت نے خاوند کے بیٹے سے بشہوت تقبیل کی۔ یا رضاع کا تحقق ہوا یعنی ایک بالغہ سے کسی نے نکاح کیا اور ایک چھوٹی بچی سے جس کی عمر دو سال سے کم ہو اور کبیرہ نے صغیرہ کو دودھ پلا دیا اور اب تک اس سے دخول نہ ہوا تھا تو کبیرہ کا مہر ساقط ہو گیا اور دونوں حرام ہو گئیں کما فی العالمگیریہ ص ۲۵۰ اذا تزوج الرجل صغیرۃ وکبیرۃ فارضعت الکبیرۃ الصغیرۃ حمتا علی الزوج ثم ان لم یدخل بالکبیرۃ فلا مہل لها ثم یاخیر بلوغ وعتق کی حالت میں عورت نے نکاح فسخ کر دیا۔ یا کفو نہ ہونے کے سبب، کما فی العالمگیریہ ص ۲۳۲ وان جاءت الفراقۃ من جهتها فلا تجب (ای المتعة) کر دھا و ابائھا الاسلام و تقبیلھا ابن الزوج بشہوة و الرضاع و خيار البلوغ و خيار العتق و عدم الکفاءة الی ان قال وکل موضع لا تجب المتعة فیہ عند عدم التسمیة لانصف المسمی عند وجودھا کذا فی التبین کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔

سوال (۱۸) زید نے اپنی زوجہ کا مہر ادا کر دیا مہر کا روپیہ زید کی زوجہ کے پاس موجود ہے اب وہ مہر کا روپیہ خیرات کر دیوے یا کسی مسجد یا مدرسہ وغیرہ میں صرف کر دیوے تو جائز ہے یا نہیں علاوہ اس کے مہر کا روپیہ کس کام میں لانا چاہئے؟

لہ یعنی اگر صحبت یا خلوت سمیت پہلے شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ دلاور حسین (دکھائی)

الجواب : اس کی ملک ہے اس کو پورا اختیار ہے جو چاہے کرے۔
قتیلہ : اگر یہ روپیہ اتنا ہے کہ حج ہو سکے اور اس نے حج نہ کیا ہو تو حج کرنا فرض ہو
 اور اگر حج کے لئے کافی نہ ہو یا حج کر چکی ہو تو خواہ جمع رکھے اور زکوٰۃ ادا کرتی ہے یا شوہر
 کو دیے یا اقارب وغیرہ پر صدقہ یا ہدیہ صرف کر دے خواہ خیرات کر دے ہر طرح اختیار ہے۔
 ۱۵ رمضان ۱۲۸۸ھ

سوال (۱۹) زید ولی بالغ جو چھپر بھائی ہندہ نابالغہ کا ہے اس نے
 ہندہ سے گواہوں کے سامنے بعض پندرہ ہزار روپیہ دین مہر کے اپنا نکاح کر لیا اور اس دیار
 میں مہر معین نہیں ہے کسی کا چالیس ہزار کسی کا تیس ہزار کسی کا پچیس ہزار کسی کا بیس ہزار
 کسی کا پندرہ ہزار کسی کا دس ہزار علیٰ هذا القیاس ہوا کرتا ہے۔ اور ہندو کی ادائیگی عورتوں
 میں یا اس قبیلہ میں جو ہندہ کے باپ کے قبیلہ کے مماثل ہو۔ کوئی ایسی عورت جو اپنے نکاح
 کے وقت میں ہندہ کے ساتھ مساوات و مماثلت رکھتی ہو نہیں موجود ہے کہ اس
 عورت کا جو مہر مقرر ہوا ہو وہی مہر ہندہ کا قرار دیا جائے تو یہ پندرہ ہزار غنیمت فاحشہ ہے
 یا نہیں اور جبکہ ایسی کوئی عورت جو دونوں میں عقد کے وقت مساوات ہو نہیں ملتی ہو تو
 یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں۔ اگر نہیں صحیح ہے تو صحیح ہونے کی کیا صورت ہو؟ بینوا تو جہاں۔
الجواب من بعض العلماء :

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العليم الحكيم۔ جبکہ
 اس دیار میں تقدیر مہر بمقدار معین نہیں ہے اور نہ کوئی ایسی عورت خاندانی موجود ہے جس
 میں ہندہ کے اوصاف کا اجتماع ہو تو ولی بالغ کو نابالغہ سے چالیس ہزار یا پچیس ہزار میں
 اپنے ساتھ نکاح کرنا تھا تا کہ پندرہ ہزار میں غنیمت تصور نہ ہوتا چونکہ ولی نے اپنے ساتھ پندرہ ہزار
 میں بلا وجود عورت متساویہ مماثلہ نکاح کیا ہے لہذا یہ نکاح صحیح ہوگا ولی کو پھر نکاح بلا مہر
 مقرر کئے کرنا چاہئے کہ اگر پہلا نکاح صحیح نہ ہوا ہو تو نکاح ثانی صحیح ہوگا۔ فتاویٰ ہندیہ
 میں ہے و اذا زوج غیر الاب والجد الصغیرۃ فالاحتیاط ان یعقد مرتین
 مرة بمهر مسمی ومرة بغیر مہر مسمی لامرین احدہما انہ لو کان فی التسمیۃ
 نقصان لا یصح النکاح الاول ویصح الثانی بمہر المثل والثانی ان الزوج لو کان
 حلف بطلاق امراة یتزوجها بلفظ ان اتزوج او بلفظ کل امراة اتزوجها

ینعقد الشانی بمهر المثل وتحل انتہی وھکذا فی فتاویٰ قاضی خان وقال فی رد المحتار (ص ۵) نقلاً عن البحر ولذا ذکر فی الخانیة وغیرھا ان غیر الاب والجد اذا زوج الصغیرة فلا حوط ان ین وجھا مرتین مرۃ بمهر مسمی ومرۃ بغير التسمیة لانه لوکان فی التسمیة نقصان فاحش ولم یصح النکاح الاول یصح الشانی ولس للتزویج من غیر کفو حیلۃ کمالا یخفی ۔

ہاں اگر کوئی عورت ہندہ کے دادہالی عورتوں میں سے یا اس قبیلہ میں سے جو ہندہ کے باپ کے قبیلہ کے مماثل ہو۔ ایسی عورت ہو کہ جو اوصاف ہندہ میں ہوں وہ اس میں بھی ہوں تو اس عورت کا جو مہر ہے وہی ہندہ کا ہوگا، اگر اس عورت کا مہر ہندہ ہزار مقرر ہوا تھا تو ہندہ کا بھی ہندہ ہزار یا آٹھ نو ہزار تک ہو سکتا ہے ایسی صورت میں دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں۔ اور مہر بالمثل کی تعریف عالمگیری میں یہ لکھی ہے۔ ومہر مثلھا یعتبر بقوم ایہا اذا استویا سنا وجمالاً وبلداً وعصلاً وديناً وبکارۃ وکذا یشرط ان تستویا فی العلم والادب وکمال الخلق وان لا یكون لهما ولد۔ کذا فی التبیین لکبہ محمد عبدالرشید ۔

انتہی، واللہ اعلم بالصواب ۔ ذوالقعدہ ۱۳۲۸ھ ۔

الجواب من جامع امداد الاحکام:

اس میں شک نہیں کہ دوبارہ تسمیہ مہر نکاح کر لینا احوط ہے لیکن مہر مثل دادہالی خاندانی ہی میں منحصر نہیں بلکہ اگر کسی عورت کا مثل دادہالی خاندان میں نہ ہو تو نانہالی خاندان سے مہر مثل اس کا معلوم کیا جائے اگر اس میں بھی نہ مل سکے تو دوسرے اجنبی خاندانوں میں جو خاندان اس عورت کے باپ کے خاندان کا عرفاً مماثل ہو اُس سے مہر مثل معلوم کیا جائے نیز یہ امر بھی قابل تنبیہ ہے کہ مہر مثل میں جن اوصاف کے اندر عورتوں کی مماثلت کو فقہاء نے بیان کیا ہے اُس سے یہ مراد نہیں کہ سب اوصاف میں مماثلت شرط ہے بلکہ بعض اوصاف میں بھی مماثلت کافی ہے صرح بہ فی الشامیۃ (ص ۵۸۳ ج ۲) اس کے بعد امید ہے کہ اُس عورت کا مثل اُس کے دادہیالی خاندان میں بھی مل جائے گا ۔ واللہ اعلم ۔ ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ ۔



فصل فی القسم عند تعدد الازواج

دن کے وقت بیویوں کے درمیان عدل کرنا واجب نہیں | سوال (۱) بہشتی زیور سے معلوم ہوا ہے کہ بیبیوں کے درمیان رات میں برابری ضرور چاہئے دن میں برابری نہیں ہے تو اگر کسی بی بی کی باری میں اس کے یہاں دن کو کھانا کھا کر دوسری بی بی کے گھر چس کے یہاں باری نہیں ہو دن کو علیحدہ چار پانی پر جا کر سو رہے تو درست ہے یا نہیں ؟

الجواب ؛ یہ صورت درست ہے، واللہ اعلم ۔ ۲۷ سوال نمبر ۲۷۔

بیویوں کے درمیان عدل کرنے کے معنی | سوال (۲) متعدد ازواج میں عدل کا حکم قرآن سے اور فقہاء کے کلام پر ایک اسٹیکال کا جواب ثابت ہے اور وہاں اسے عام لکھا گیا ہے جس کے معنی یہ سمجھ میں آتے ہیں کہ کم از کم امور اختیار یہ میں تو من کل الوجہ عدل ہونا چاہئے یعنی سفر میں اور نفقہ میں اور وطن میں، سفر میں بھی پھر فقہاء نے اجازت دی ہے کہ خواہ جسے لے جاوے ۔ نفقہ میں موسرہ اور معسرہ کی حالت کا اعتبار کیا ہے جس سے ممکن اور اغلب ہے کہ ایک کی حیثیت تو روپیہ ماہوار کی ہو اور ایک کی دس روپیہ ماہوار کی ۔ وطن میں بھی عدل نہیں ہے بلکہ اختیاری زوجہ پر موقوف ہے ۔ اس کے بعد عدل واقعی نہیں رہتا بلکہ ایک فرضی دکھاوے کی صورت رہ جاتی ہے کہ قسم میں دونوں برابر ہیں ۔

الجواب ؛ آپ نے عدل کے معنی تسویہ سمجھے ہیں اس لئے غلط فہمی ہوئی عدل کے معنی جور کے مقابل ہیں یعنی ہر چیز کے ساتھ اس کے مناسب اور حق واجب کے موافق برتاؤ کرنا پس اگر زوجین یسار و اعسار میں مساوی ہیں تو نفقہ میں تسویہ ورنہ حسب حیثیت عدل واجب ہے ۔ تعدد ازواج کی صورت میں تسویہ صرف بیوتہ و صلوات زائدہ میں واجب ہے جبکہ سب حرائر ہوں بقیہ امور میں عدل ہی واجب ہے نہ کہ تسویہ ۔ ۸ سوال ۔

مسائل متعلقہ نکاح

حضرت امام حسینؑ اور حضرت | سوال (۱) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جو مال شہر بانو کے نکاح کی تحقیق غنیمت میں آیا تھا اس میں حضرت شہر بانو رضی اللہ عنہا آئیں تھیں اور وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادہ بڑے صاحب کو بغیر نکاح کئے ہوئے دے دی گئیں

لہ یعنی ظلم ۔ دلاور حسین بیکلہ دیشی ۔

چونکہ اتنا تو مجھے معلوم ہے کہ جو مال غنیمت میں اس زمانہ میں آیا کرتا اور اس میں عورتیں یا لڑکے آتے تھے وہ ویسی ہی تقسیم کر دیا جائے یا کرتا تھا یا آزاد کر دیا جاتا تھا ان سے نکاح اللہ تعالیٰ نے جائز نہیں رکھا تھا اور یہ شیعہ لوگ جو ہیں وہ کہتے ہیں کہ نکاح ہوا ہے۔ ہمارے سہو پال میں ایک شخص سید صاحب مشہور ہیں وہ تو سنت جماعت ہیں انہوں نے اپنے مکان میں ایک شیعہ صاحب یعنی میر صاحب کو مہمان ٹھہرا لیا ہے وہ شخص رات دن ہر شخص سے مناظرہ کیا کرتا ہے چونکہ میں بھی ان کے مکان میں رہتا تھا ایک روز مجھ سے میر صاحب نے گفتگو کری، میں نے ان سے سوال کیا کہ ایک بات تم بتاؤ انہوں نے حامی بھری اور فرمایا کہ کہنے میں نے پھر ان سے سوال کیا کہ میر صاحب آپ ہر شخص سے مناظرہ کرتے ہیں ایک بات ہماری جواب دے دو حالانکہ میں نے ان سے صرف چھپتا تندر یافت کیا کہ تم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو حق مانتے ہو تو پھر نکاح تم حضرت شہر بانو کا کہاں سے ثابت کرتے ہو چونکہ ہم نے تو سنا ہے کہ نکاح ثابت نہیں ہے اور نہ نکاح ہوتا ہے جب مال خلافت میں آتا ہے تو ان کا نکاح رب العالمین نے جائز نہیں رکھا ہے لہذا میر صاحب غلطی پر ہوا و نیز میں نے ان کو یہ کہا کہ جو لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو حق مانتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے نکاح جائز نہیں رکھا ہے وہ سید تو حلالی اور جو اس کو نہیں مانتے ہیں وہ حرامی ہیں۔

الجواب؛ غنیمت میں جو باندیاں آتی ہیں ان کے ساتھ باندی رکھ کر تو بیشک نکاح جائز نہیں۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ جس شخص کو باندی دی جائے وہ اس باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو ممکن ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہر بانو رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا ہو بدون تحقیق کے اس احتمال کو رد نہیں کیا جاسکتا نیز سائل کا یہ قول بھی غلط ہے کہ سید لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو نہیں مانتے وہ حرامی ہیں، حرامی یا حلالی ہونے میں خلافت کے مانتے نہ مانتے کو کیا دخل؟ فقط۔ ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ

سوال (۲) بیوی کے ذمہ شوہر کے لئے روٹی پکانا اور گھر کے روٹی پکانا واجب نہیں ہے یا نہیں؟

الجواب؛ زوجہ کے ذمہ شوہر کی خدمت و اعمال بیت دیاۃ واجب ہیں قضاء نہیں لہذا شوہر اس کو مجبور نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر انکار کرے گی گنہگار ہوگی (بشرط قدر تھا)

وعدم عجزها، قال فی الدس استاجرا ما أتته لتخبر له خبز اللأكل لم یحین
وللیع جاز۔ صیرفیه۔ قال الشامی قوله لم یحین لان هذا العمل من الواجب
عليها دیانة..... وافاد المصنف آخر الباب ان استیجار المرأة للطبخ
والخبز وسائر اعمال البيت لا تعتقد ونقله عن المضمات ط قلت كأنه
لانه واجب عليها دیانة ثم راجعت باب النفقة فرأيتہ علل به وزاد ولو
شریفة لانه علیه السلام قسم الاعمال الخ وهذا يدل على ما قدمنا
من ان المقتی به عند المتأخرین فی الاستیجار علی الطاعات ما نصوا علیه
لاكل طاعة اهـ ص ۵۹ ج ۵۔ ۳ شعبان ۱۳۱۵ھ

سوال (۳) ایک مسلمان شخص نے ایک مشرکہ عورت کو کلمہ
منکوحہ نو مسلمہ اگر بت خانہ میں جا کر افعال شرکیہ کرے تو مسلمہ ہی یا نہیں وغیرہ پڑھا کر نکاح میں لایا یا بعد نکاح کے وہی عورت اپنے
بت خانوں میں جاتی ہے اور وہاں کس رسم وغیرہ بھی بجالاتی ہے اور اسکے لڑکے وغیرہ تو سخت تعصب کرتے ہیں کہ مسلمان مذہب کچھ نہیں
جب تمام گھر والے بت خانے میں جاتے ہیں تو ان کے خاوند بھی ساتھ جاتے ہیں جو کچھ مشرکوں
کے یہاں رسم و رواج ہے سب دیکھ بھال کرتے ہیں نہ اپنی عورت کو منع کرتے ہیں نہ اولاد کو
ایسے گھروں میں دعوت ہونے سے کچھ کھا سکتے ہیں یا نہیں اگر کسی قوم کے پیشوا نے کھائی تو اس
کے پیچھے اقتدار کرنا جائز ہے یا نہیں حالانکہ یہ پیشوا خوب حالت سے واقف ہے اگر نہیں
دیکھا تو سنا ضرور ہے۔

الجواب؛ جب وہ عورت بدستور بت خانہ میں جاتی ہے اور وہاں جا کر افعال
شرکیہ کرتی ہے اور اسکی اولاد کہتی ہے کہ مسلمان مذہب کچھ نہیں تو یہ عورت اور اس کی اولاد
مرتد ہے اور اگر شوہر بھی ان کے افعال شرکیہ سے راضی ہے تو وہ بھی مرتد ہے اس کے ساتھ
سلام و کلام و تعلقات وغیرہ نہ رکھنا چاہئیں جب تک کہ یہ سب ان افعال سے توبہ نہ کریں
اور توبہ کے بعد تجدید نکاح بھی لازم ہے مقتداؤں کو ایسے شخص کے یہاں دعوت قبول نہ کرنا
چاہئے لیکن اگر کوئی بیبیائی سے قبول کرے تو اس کے پیچھے نماز درست ہے گی۔ واللہ اعلم۔
۶ شعبان ۱۳۲۳ھ

سوال (۴) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی بہن سے زنا کرے اور حمل
بیوی حرام نہیں ہوتی قرار پائے یا نہیں تو اس کی اصل بیوی اس کے تحت میں ہے گی یا نہیں؟

لہ تحت فروع قبیلہ باب ضمان الأجیر من کتاب الاستیجار ۶ : ۶۲ - ایچ - ایم سعید کمپنی - دلاور حسین بکھارشی۔

الجواب؛ بیوی کی بہن سے زنا کرنے سے اصل بیوی حرام نہیں ہوتی اس کا نکاح بحال باقی ہے ہاں زانی کو گناہ شدید ہوگا۔

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس شہرانی بیوی کو والدین کے گھر سے جبراً لاسکتا ہے صورت میں کہ ایک شخص کی منکوحہ عقد نکاح کے ایک سال بعد اپنے والدین کے گھر چند روز کے لئے بغرض ملاقات گئی فی الحال عرصہ دو سال کا ہوتا ہے کہ زوجہ مذکورہ اپنے والدین کے گھر سے شوہر اب تک برابر نان و نفقہ سے خبر گیری کرتا رہا اور چاہتا ہے کہ اپنی بیوی کو اپنے گھر لے آئے مگر بیوی کے والدین بعضے مصالح دنیویہ کی وجہ سے رضامندی سے چھوڑنا نہیں چاہتے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا شوہر کو شرعاً اختیار ہے کہ بحجر و اکراہ اپنی بیوی کو یا باستعانت قانون گورنمنٹ اپنی گھر لے آئے اگر ایسا اختیار ہے تو کتاب کا حوالہ بقید صفحہ تحریر فرما کر ممنون فرماویں۔

الجواب؛ فی تنویس الابصار ولها منعه من الوطی والسفر بها ولو بعد و طی و خلوة رضیتها لاخذ ما بین تعجیلہ اوقدس ما یعجل لمثلها عرفان لم یوجہل کلمہ وقال الشامی (قوله والسفر) الاولی التعبير بالاخراج كما عبر فی الکتر ليعم الاخراج من بیتها كما قاله شارحوه ط (قوله لاخذ ما بین تعجیلہ) علة لقوله ولها منعه او غاية له واللام بمعنى الى (قوله اوقدس ما یعجل الم) ای ان لم یبین تعجیلہ او تعجیل بعضه فلها المنع لاخذ ما یعجل لها عرفان فی الصیرفیه الفتوی علی اعتبار عرف بلد هما الم (ص ۵۸۷ و ۵۸۸ ج ۲)۔

پس اگر وہ شخص مہر معجل ادا کر چکا ہے تو اس کو اختیار ہے کہ باوجود عورت یا اس کے والدین کی رضامندی نہ ہونے کے عورت کو لے آئے اور اگر مہر معجل ادا نہیں کیا تو جب تک ادا نہ کیا جائے اس وقت تک عورت کو اختیار ہے کہ وہ آنے سے انکار کر دے۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۵ ج ۲ ص ۳۳

اور اگر عرف یہ ہو کہ مہر کل موجد ہو تا ہو جو موت یا طلاق ہی کے وقت مانگا جاتا ہے جیسا کہ ہماری اطراف میں عرف ہے تو پھر عورت کو انکار کا کچھ حق نہیں اور مسافت قصر سے کم مسافت میں شوہر جہاں چاہے اس کو لیجاوے اور اپنے گھر پر تو جبراً لاسکتا ہے فقط طفر احمد عفا عنہ ۱۶ ج ۲ ص ۳۳

سوال (۶) کیا یہ صحیح ہے کہ انسان اگر سفر میں جائے کسی ضروری کام کے لئے اور اس کا وہ کام اب تک ختم نہ ہو اور اس میں چار ماہ ہو جائیں تو بیوی سے چار ماہ میں نہ ملنے سے وہ گنہگار ہوتا ہے؟ یا کہ وہ مختار ہے کہ جہاں تک چاہے سفر میں رہ سکے۔

الجواب؛ اس صورت میں گناہ ہونا مطلقاً لازم نہیں بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ بیوی سے دیا نہ اتنی مدت تک نہ ملنے سے گناہ ہوتا ہے جس میں اندیشہ اس کی عفت زائل ہونے کا ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ اس کو غیر مردوں کی طرف التفات ہوگا اب اس کو شخص اپنی بیوی کی حالت میں غور کر کے دیکھ لے کہ اس کی بیوی کتنی مدت تک مرد سے صبر کر سکتی ہے اور کتنی مدت میں اس کو مرد کی طرف اشتیاق ہوتا ہے بعض فقہاء نے انداز سے چار ماہ اس کی مدت مقرر کی ہے وہی مدۃ الایلاء وبہا امر عمرؓ ان لا یحبس رجل فوقھا فی الجیش۔ مگر اختلاف حالات و امزجہ سے اس میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے، واللہ اعلم۔ ۱۲ ج ۱ ص ۱۳۶ھ

سوال (۷) کیا مرد پر عورت کا حق ہے کہ رات کو اپنے بستر پر وہ رات کو اپنے بستر پر لٹائے یا فقط ایک گھر میں۔ یا کچھ بھی ضروری نہیں دوسرے گھر میں بھی رکھ سکتا ہے اور ایفائے حق جماع کے لئے کبھی کبھی اپنے پاس لانے سے ادائے حق سے سبکدوش ہو جائے گی غرض رات کو سونے میں عورت کا حق کہاں پر سونا ہے؟

الجواب؛ مرد کے ذمہ عورت کو اپنے بستر پر لٹانا واجب نہیں یہ واجب ہے کہ رات کو اسی گھر میں سوئے جہاں عورت سوتی ہے بلکہ دیا نہ یہ واجب ہے کہ عورت کے پاس جانے میں اتنی دیر نہ کرے جس سے عورت کے فساد خیال کا خطرہ ہو البتہ اگر کسی کے دو بیویاں ہوں اور وہ ایک گھر میں سوتا ہو تو اس پر دوسری کے گھر سونا بھی واجب ہے تسویۃ وعدلاً فی البیتوتہ۔ اور یہ اس وقت ہے جبکہ عورت کو خاوند کے باہر لیٹنے سے وحشت نہ ہوتی ہو اور اگر وحشت ہوتی ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے اور یہ بھی بتلایا جائے کہ دفع وحشت کی اور کوئی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں فقط۔

۱۵ ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ

سوال (۸) اکثر پہاڑی مقامات پر خرید و فرخت مستورات کی ہوتی ہے کسی ہندوستانی خرید کردہ عورت سے (کثیر یا حرم یا بغیر نکاح و طی کا حکم

باندی، بغیر نکاح و طی جائز ہے یا نہیں اور ناجائز ہے تو بغیر موجودگی گواہان محض ایجاب و قبول اور تعین مہر کے نکاح ہو سکتا ہے یا موجودگی گواہان ضروری ہے؟ فقط

الجواب: اول تو اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں دوسرے جن روایات میں جواز ہے ان میں قید ہے کہ وہ کفار اس کو جائز سمجھیں اور یہ بھی ہنوز متحقق نہیں (اشرف علی) اس لئے ان خرید کردہ عورتوں کو باندی بنا کر اون سے طی وغیرہ کرنا جائز نہیں نکاح کر لینا چاہئے اور نکاح کے لئے دو گواہوں کا ہونا شرط ہے بدون دو گواہوں کے نکاح نہ ہوگا فقط
احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۴ صفر ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ

بدون ادائیگی مہر معجل بیوی سے جماعت درست ہے یا نہیں | سوال (۹) در مسئلہ مرقومہ علمایہ محققین
چہ میسر مایند۔

بدون مہر معجل جماعت رواست یا نہ ؟
الجواب: مہر معجل ادا کرنے سے قبل عورت کو حق ہے کہ مہبستری اور خلوت سے انکار کر دے شوہر کو جبر کرنا جائز نہیں ہے اور اگر ایک مرتبہ خلوت یا مہبستری کی اجازت دیدی اور بعد میں پھر انکار کر دے تب بھی امام صاحب کے نزدیک انکار کا حق رکھتی ہے پس اس صورت میں شوہر کو اس پر حیر کرنا بھی مختلف فیہ ہے امام اعظم کے نزدیک اس صورت میں بھی جبر حلال نہیں ہے کما قال الشامی تحت قول الدس (لہا منعه) و اشار الی
انہ لا یحل لہ وطیہا علی کرا منہا ان کان امتناعہا لطلب المہر عندہ
وعندہما یحل کما فی المحيط بحر وینبغی تقیید الخلاف بما اذا کان
وطئہا اولاً برضاہا اما اذا لم یطأھا ولم یخل بہا کذلک فلا یحل
اتفاقاً۔ اور حق منع میں چونکہ امام صاحب کا قول مفتی بر ہے لہذا حرمت استمتاع میں
بھی (جو کہ اس کی فرع ہے) انہیں کا قول معتبر ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم - ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ

بیوی کے بعض حقوق کی وضاحت | سوال (۱۰) السلام علیکم۔ بعد قد مبوسیٰ مسنونہ کے
گزارش ہے کہ احقر نے خط میں دو ضروری مضمون کے متعلق سوال کیا تھا ان میں سے
ایک کا جواب کافی مل گیا دوسرے کے متعلق سوال فرماتے ہیں وہ مضمون خانگی انتظام
کے متعلق تھا۔ یعنی احقر کو نوکری کرنے کی وجہ سے ہمیشہ سفر میں رہنا پڑتا ہے اور گھر میں

مری نہ رہنے کی وجہ سے بیوی صاحبہ کو خورد و پوش دیکر ان کے والد صاحب کے گھر میں رکھتا ہوں انہوں نے بھی رضا مندی ظاہر کر کے قبول کر لیا۔ مگر بیوی صاحبہ بوجہ خانگی چون و چرا کے جو عورتوں میں ہوتا ہے وہاں رہنے پر راضی نہیں اس پر حضور والا نے سوال فرمائے ہیں (اپنے پاس کیوں نہیں رکھتے) جواب دیا تھا کہ اپنے پاس رکھنے کا دو صورت ہے ایک یہ کہ اپنا گھر رکھوں اور خود بھی بوجہ مری نہ ہونے کے نوکری چھوڑ کر مکان رہوں ان میں کئی طرح کی خرابی ہے ایک یہ کہ ملک میں عام و خاص سب لوگ بدعت و رسوم کے عادی ہیں مکان پر رہ کر ان کے شرور سے محفوظ رہنا دشوار ہوگا، دوسرے ملک میں حلال روزی کی کوئی صورت نہیں لہذا معیشت میں تنگی ہونے کا اندیشہ ہے، تیسرا جمعیت قلب جو اہم ہے فوت ہونے کا اندیشہ ہے۔ ثانی صورت یہ ہے کہ جہاں نوکری کرتا ہوں ان کو ہی وہاں لیجاؤں مگر یہ بھی دو وجہ سے نہیں ہو سکتا ہے ایک یہ کہ وہ اور ان کے والد صاحب سفر میں جانے پر راضی نہیں، دوسرا یہ کہ جہاں نوکری کرتا ہوں وہ محض ایسا گاؤں ہے کہ جو وظیفہ احقر کو ملتا ہے اس سے کوئی مسافر اپنے اہل و عیال کے ساتھ وہاں رہنے کا انتظام کرنا بڑا دشوار ہے۔ اب قابل دریافت یہ ہے کہ باوجود ان موانع کے ان کی رضا مندی کو لحاظ کر کے گھر میں مقیم ہونا پڑے گا یا حسب دستور خورد و پوش دیکر ان کے والد صاحب کے گھر رکھا جائیگا اس پر حضور والا نے ارشاد فرمائے ہیں یہ مشورہ ہے یا مسئلہ، مشورہ دینا میرا معمول نہیں مسئلہ کسی خاص شبہ کے سبب پوچھا جاتا ہے اس میں کیا شبہ ہوا جو حکم شرعی پوچھنے کی ضرورت ہوئی، جواباً عرض کرتا ہوں یہ مسئلہ ہے مشورہ نہیں۔ اس میں خاص شبہ ہوا کہ اپنی مصلحت و منافع پر نظر کر کے بیوی صاحبہ کو باوجود عدم رضا ان کی حسب دستور خورد و پوش دیکر ان کے والد صاحب کے پاس رکھنا احقر کے لئے شرعاً جائز ہوگا یا نہیں۔ از روئے شفقت کے جواب سے ممنون فرماویں۔

الجواب؛ عورت کا یہ مطالبہ پورا کرنا تو ضروری ہے کہ اس کو الگ مکان دیا جائے اور اس کو اس پر مجبور کرنا درست نہیں کہ اپنے والد کے ساتھ رہے۔ البتہ عورت کا یہ مطالبہ کہ اس بستی میں نہ رکھا جائے اس کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ پس والد صاحب کے مکان کا کوئی مستقل حصہ جس میں کسی اور کا دخل نہ ہو یا اس کے متصل کوئی دوسرا مکان جیسا موقع ہو عورت کے واسطے لے دینا کافی ہے۔ ایک ضروری امر قابل غور ہے۔

یہ ہے کہ خاوند کی آمد و رفت عورت کے پاس بقدر ضرورت ہوتی رہتی ہے یا نہیں اگر عورت کی ضرورت (یعنی خواہش نفسانی) کا لحاظ کر کے اس کی آمد و رفت کافی مقدار میں ہوجاتی ہے تب تو یہی جواب ہے جو صلا میں لکھا گیا ورنہ دیانۃً یہ ضروری ہے کہ عورت کو اپنے ہمراہ رکھے یا آمد و رفت میں بقدر ضرورت اضافہ کرے واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔
الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔
۲۸ سوال مشکہ۔

کتاب الطلاق

باب ایقاع الطلاق

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع تین اس مسئلہ میں کہ زید صاف دل سے چھوڑ دیا ہے اور اس کی بہن میں کھانا پکانے کی بابت نزاع ہوا بہن کہتی ہے کہ جب تم نے نکاح کر لیا ہے تو تم بیوی کو کیوں نہیں لاتے؟ میں نے سنا اور اس مکان میں جا کر معلوم کیا کہ تمہاری بیوی حاملہ ہے تم وہاں جاتے ہو اس کو کیوں نہیں لاتے؟ زید نے جواب میں کہا میں تو سجادوں (نام ایک مہینہ کا ہے) میں گیا پھر نہیں گیا میں اس کو نہیں لاؤنگا میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے میں نے تین بار کہا ہے میں صاف دل سے چھوڑ دیا ہے پھر پوچھنے سے وہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق دیا ہے میں نے طلاق دیا ہے میں نے طلاق دیا ہے زبان بندی بالاکا حاصل یہ ہے کہ زید کی بہن کے پاس طلاق کی جو خبر دی اس سے عورت اس کی مطلقہ ہوگی یا نہیں زبان بندی بالاکا خبر ہے یا انشاء بصورت اول خبر سے طلاق ہو سکتی ہے یا کیا اور حسب زبان بندی زید کے ایقاع یا یا گیا یا نہیں بغیر ایقاع کے طلاق واقع ہوگی یا نہیں اور جمیع عقود میں انشاء شرط ہے یا نہیں؟ مخفی نہ رہے کہ ماجرائے مذکور میں پیشتر اس کے زید نے طلاق بالکل نہیں دی اب سوال یہ ہے کہ اس خبر سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں برحق جواب حسب مسائل فقہ و اصول کے تحریر فرمائیے ماجر ہوں گے۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں قائل کا یہ قول کہ میں نے صاف دل سے چھوڑ دیا ہے، اس کا قرینہ ہے کہ اس کی مراد انشاء ہے خبر نہیں لہذا منکوہ زید پر تین طلاق واقع

ہو گئیں اب بدون تحلیل کے کسی طرح اس سے نکاح درست نہیں، واللہ اعلم۔

۱۔ جہادی الاولیٰؑ

”ہم تم کو طلاق دیدیں گے“ کہنے | سوال (۲) شوہر نے ایک قصور کے متعلق اپنی بی بی سے پوچھا

سے طلاق واقع نہیں ہوتی | اس کی بی بی نے اپنے قصور کا اقرار کیا، شوہر نے اپنی بی بی

کے قصور کے اقرار کو خوب سمجھ لیا وہ اپنے قصور کے اقرار سے سراپا قصور وار ہے لیکن

شوہر نے اقرار کو اپنی بی بی کے اوپر ایسی حیثیت سے ظاہر کیا اور کہا کہ جس میں بی بی کو معلوم

ہو کہ شوہر نے ہمارے قصور کو سمجھا نہیں ہم بے قصور ثابت ہوئے اور شوہر کو بھی منظور تھا کہ

جس میں بی بی کے اوپر اس کے قصور کے اقرار پر اس کے قصور کی نا سمجھی میری ظاہر ہو،

اس خیال سے شوہر نے بی بی کے اوپر اس کے قصور کی نا سمجھی اپنی ظاہر کی اور سوچا کہ اگر قصور پر سزا کرے

تب بھی بڑھ ہو جائے گی اور نہیں سزا کرے جب بھی بڑھ ہو جائے گی۔ بلکہ مناسب سمجھا کہ اس

کے قصور کے اقرار پر اس کے قصور کی نا سمجھی اپنی ظاہر کر کے اس کو ڈرایا اور کہا کہ اگر

ایسا قصور تم کئے ہو تو تم سے ہوئی ہوتی تو تم کو ہم طلاق دیدیتے اور حقیقت میں بی بی کا قصور

اور قصور کے اقرار کو سمجھتے ہوئے شوہر نے ایسا جملہ کہا ہے اور اس کے ہفتہ روز کے بعد کسی قصور

پر غصہ ہو کر کہا کہ اگر تم کو ہم طلاق نہیں دیں تو تم ہم کو چار کہنا تم کو ہم طلاق دیدیں گے تین مرتبہ ایسے

جملہ کو شوہر نے کہا ہے لیکن شوہر کو طلاق کے جملوں کا کچھ یاد خیال نہیں ہے بوجہ ہوش و شک

کے سخت مجبور ہے اگر کوشش کرتا ہے کہ یاد و خیال کریں تو چند طرح کے وہم طلاق کے جملوں

کا خیال دل میں پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ جملہ کہا ہو شاید یہ جملہ کہا ہو غرض ہر

چند طرح کے وہمی جملے خیال میں آتے ہیں شوہر کو اپنی تشفی بخش کوئی جملہ یاد و خیال نہیں ہے

اور نہ کچھ بیان کر سکتا ہے ایسی حالت میں

..... شوہر نے بی بی سے پوچھا کہ فلاں فلاں وقت میں ہم نے طلاق کا جملہ تم کو کس

طرح کہا تھا بی بی نے بیان کیا کہ فلاں فلاں وقت میں آپ نے کہا ہے کہ اگر ایسا قصور تم کئے

ہوتی تو تم سے ہوئی ہوتی تو تم کو ہم طلاق دیدیتے اور اس کے ہفتہ روز کے بعد آپ نے کہا ہے

کہ اگر تم کو ہم طلاق نہیں دیں تو ہم کو چار کہنا تم کو ہم طلاق دیدیں گے بی بی کے بیان پر شوہر کو کامل

تشفی اور یقین اور پورا وثوق ہے اور بی بی کے بیان کو ہم حق سمجھتے ہیں اور بی بی نیک بخت حق گو

اور پرہیزگار ہے اس کے بیان پر استفتا ارسال خدمت ہو جواب کے سر فرار فرمایا جائے ہے

۱۔ یعنی جرم۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں طلاق نہیں ہوئی فقد صرح الفقہاء بعدم وقوع الطلاق بصیغۃ المضارع الا اذا غلبت فی الحال والله اعلم۔
۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ۔

سوال (۳) ایک شخص کے گھر میں اسکی بیوی، بہن اور بھائی طلاق دی تو کیا حکم ہے | کے درمیان جھگڑا ہو رہا تھا اتنے میں وہ شخص گھر آنکر اس کے چھوٹے بھائی کو جھگڑا فرو کرنے کیلئے مارا اس سے اس کی ماں اس شخص مذکور پر غصہ ہوئی اور بہت گالی دی اس کے بعد وہ شخص غصہ میں آنکر کہا کہ میں ہفتہ عشرہ میں مکان چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جاؤں گا اس کے بعد اس کی ماں بولی کہ تم اس بد صورت عورت کے لئے مکان چھوڑنا چاہتے ہو اسی وقت وہ شخص بہت غصہ میں تھا کہ مارے غصہ کے سارا بدن کانپتا تھا ایک مکان پر اطمینان سے کھڑا ہو نہیں سکتا تھا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو گئے تھے اسی وقت اس کی زبان سے "ایک طلاق دو طلاق تین طلاق دیا میں" نکل آیا اس کے بعد جب خیال ہوا تو بے اختیار رونے لگا اور کہتا تھا کہ میں نے یہ کیا کیا میرے دل میں طلاق دینے کا ارادہ نہیں تھا خدا جانے کس طرح میرے منہ سے یہ کلمہ نکل آیا۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں اس شخص کی عورت کو اپنے خاوند سے الگ ہو جانا چاہئے اور وہ یہی سمجھے کہ مجھے کو تین طلاق دی گئی ہیں اس کو ہرگز جائز نہیں کہ وہ شوہر کو اپنے اوپر قابو دے یہ حکم تو عورت کے لئے ہے۔ اور مرد کو چاہئے کہ اگر اس کے نزدیک واقعی غصہ میں اس کی عقل و حواس درست نہ رہے تھے اور اس کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ میں زبان سے کیا کہہ رہا ہوں تو وہ کسی حاکم مسلم کے پاس جا کر یہ دعویٰ کرے کہ میں غصہ میں مغلوب الحواس و زائل العقل ہو گیا تھا اور طلاق میں نے بالکل بے خبری کی حالت میں دی ہے حاکم اس سے گواہ طلب کرے گا اس کے بعد اگر حاکم شرعی فیصلہ کرے کہ میرے نزدیک یہ طلاق واقع نہیں ہوئی تب وہ عورت اس کے لئے حلال ہو سکتی ہے اور بعد حاکم مسلم کے فیصلہ کے عورت کو بھی اس شخص کے پاس رہنا جائز ہوگا اور بدو لن حکم حاکم کے ہرگز عورت کو اس کے پاس رہنا جائز نہیں کیونکہ بظاہر تین طلاق پڑ چکی ہیں واللہ اعلم۔ ۲۸ جمادی الثانیہ

سوال (۴) زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دی مگر یہ یاد نہیں کہ دو دیں یا تین | نہیں کہ تین طلاق دی یا دو اور کسی جانب جھل بھی نہیں صورت

مسئلہ میں طلاق بائن واقع ہوگی یا مغلط ہے

الجواب؛ قال فی الخلاصة رجل حلف بالطلاق وشك الرجل انه
 طلق واحدة او ثلاثا فهي واحدة حتى يستيقن او يكون اكثرتنه على خلافه
 ۱۷ ص ۲۷۱۲ - صورت مذکورہ میں دو طلاق مانی جاوے گی لیکن اگر عورت کو تین طلاقیں
 میں شک نہ ہو تو اس کو شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں اور اگر اسے بھی شک ہو تو اس کے
 لئے وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا، واللہ اعلم۔ حررہ ظفر احمد بامرسیدہ حکیم الامت ۹ شعبان۔
سوال (۵) ہدیہ سلام سنون۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین
 سیغہ مضارع میں طلاق دینے کا حکم | اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر محمودہ بالغ کا عقد شرعی منظر بالغ پسر عمرو سے اس کی
 خواہش پر بالعوض پانچہزار شرفی زر سرخ محمد شاہی مہر کے بلا اجازت و اطلاع عمرو کے کر دیا،
 نکاح کے بعد مطلع ہونے پر عمرو اور اس کے دیگر اعزائے اس نکاح سے اظہار ناخوشی کیا،
 اور منظر کو کہ اس وقت تک زید کے پاس مقیم تھا اس ارادہ سے طلب کیا کہ میں منظر کا دیگر اعزا
 کی خوشی و رضا مندی سے دوسرا عقد کروں گا، عمرو کی ایسی تحریر آنے پر منظر نے اپنے باپ کے
 پاس جانے کی اجازت طلب کی اور یہ کہا کہ اور لکھ دیا کہ میں حسب طلب اپنے والد عمرو کے وطن
 جاتا ہوں اگر وہاں پہنچ کر میرے اس نکاح کے معاملہ نے کوئی دوسری نوعیت اختیار
 کی اور میرا عقد ثانی کسی دوسری جگہ قرار پایا یا اندر میعاد دس ماہ کے میں نے وطن سے
 واپس آ کر محمودہ کی رخصتی نہ کرائی تو یہ تحریر میری محمودہ دختر زید کے حق میں بطور طلاق کے
 متصور ہوگی اور بعد انقضاء میعاد معینہ زید کو اپنی دختر محمودہ کے دوسرے عقد کر دینے
 کا اختیار ہے میری طرف سے کوئی رکاوٹ نہ ہوگی اب میعاد معینہ میں عرصہ دس ماہ کا باقی ہے
 اور منظر کی واپسی کی اس وقت تک کوئی امید نہیں معلوم ہوتی میعاد معینہ گزر جانے کے بعد
 محمودہ منکوحہ کے حق میں شریعت غرا کا کیا حکم ہے جبکہ محمودہ اور منظر کے درمیان خلوت بھی نہ
 ہوئی ہو اور ایسی صورت میں مہر کے واسطے کیا حکم ہے ؟

الجواب؛ صورت مذکورہ میں اگر دس ماہ میعاد معینہ کے اندر منظر نے محمودہ کی رخصتی
 نہ کرائی تو محمودہ پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ اور ہر چند کہ قول منظر بطور طلاق متصور
 ہوگی الخ سیغہ مضارع کا ہے اور مضارع سے وقوع طلاق نہیں ہوتا مگر جب مضارع
 بمعنی حال غالب ہو جائے تو فقہاء نے اس سے وقوع طلاق کی تصریح کی ہے اور آج کل

تعلیمیاتیہ جماعت نے کچھ ایسا محاورہ اختیار کر لیا ہے کہ وہ حال کے موقع میں اکثر صیغہ مضارع کا استعمال کرتے ہیں لہذا ہمارے نزدیک اس کلام میں مضارع سے حال ہی مراد ہے اور بعد میعاد معینہ گزر جانے کے محمودہ پر طلاق عائد ہو جائے گی جس کا قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد کلام منظر میں یہ لفظ بصورت حال مذکور ہے اور بعد انقضاء میعاد معینہ زید کو اپنی دختر محمودہ کا دوسرا عقد کرنے کا اختیار ہے الخ یہ صیغہ انشاء اور ایقاع پر صاف دلالت کر رہا ہے، قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ: (رسئل) فی رجل قال لن زوجته: تنکونی طالقاً ثلاثاً بصیغۃ المضارع وغلب استعمالہ فی الحال عرفاً فهل یقع علیہا الطلاق؟ (الجواب) نعم کما افتی بہ الخیر السملی، واطال الکلام علی حاشیتہ علی البحر فی اجعہا، ام ص ۶۰۶ ج ۱۔

اور صورت مذکورہ میں محمودہ پر عدت لازم نہوگی وہ بلا عدت دوسرا نکاح کر سکتی ہے، اور منظر سے وہ نصف مہر وصول کر لینے کی مستحق ہوگی واللہ اعلم۔ ظفر احمد عفا عنہ۔
صح الجواب، اشرف علی، ۲۲ رمضان ۱۴۱۰ھ۔ ۲۲ رمضان ۱۴۱۱ھ۔

”طلاق دادم“ کہنے کے بعد سوال (۶) السلام علیکم۔ در رمضان شریف ۱۴۱۱ھ یک طلاق بائن کا لفظ بولنے کا حکم استفتاء در خدمت گرامی عرض داشتہ شد خلاصہ مضمونش آنکہ شخص جاہل زن خود را گفت طلاق دادم طالب علمی اور تلقین نمود کہ برائے انفصال مناقشہ ہو کہ طلاق بائن دادم ان جنیں گفت بعد دیگر طالب علم گفت کہ بائن را نمی فہمید برائے اطمینان جانبین گفتہ آید کہ جواب دادم باز ان شخص جنیں گفت از آنجناب جواب مورخہ ۲۷ شوال ۱۴۱۱ھ جنیں رسید کہ طلاق مغلط واقع شد و از جانب حضرت مفتی صاحب دیوبند جواب ارشاد گردید کہ دریں صورت طلاق بائن شدہ است مغلط نشدہ است توجیہ جواب حضرت مفتی صاحب در فکر قاصر نمی آید مگر وجہ مؤید جواب ایساں در بیاض واحدی منقولاً عن بیاض ہاشمی در جواب استفتاء ہرنگ استفتاء مادیدہ شد کہ البائن لا یلحق بالبائن پس در صورت مسئلہ عنہا ہم حسب ارشاد مفتی صاحب عم فیضہ صرف طلاق بائن واقع خواہد شد نہ مغلط چنانچہ رقمزاد آنجناب است زیرا کہ دریں صورت یک جمعی ارادۃ و دو بائن بالتفریق تقلیداً از ان شخص صادر گشتہ پس از یک جمعی و یک بائن تغلیظ نمیگردد و دو بائن دیگر بہ بائن اول

ہم لاحق نہیں ہوتا کہ حکم طلاق کردہ آید باید کہ بر جواب خود ثانیاً نظر غائر گماشتہ از تحقیق خود ماستمندان را مستفید فرمایند و اصل سوال و جواب را از دفتر فتاویٰ تلاش فرمایند فقط

الجواب: اگر میں نے اس صورت مسئلہ میں طلاق مغلظ کا فتویٰ دیا ہے تو میں اس سے رجوع کرتا ہوں اس صورت میں صرف دو ہی طلاق واقع ہوئیں مگر دونوں بائن ہیں، تجدید نکاح سے تعلق زوجیت قائم ہو سکتا ہے۔ غالباً منشاء میرے اس فتویٰ کا یہ ہوا کہ شخص مذکور نے دوبارہ لفظ طلاق بائن و ادم لکھا ہے اور یہ لفظ محض بائن نہیں ہے بلکہ بائن صریح ہے کہ اس سے بدون نیت کے وقوع طلاق ہو جاتا ہے پس میں نے اس کو صریح سمجھ کر بائن کو اس کے ساتھ ملحق کر لیا اور اس صورت میں صاحب نہر و بحر کا قول یہی ہے جو میں نے لکھا ہے مگر محقق یہ ہے کہ بائن صرف صریح زوجی سے ملحق ہوتا ہے نہ صریح بائن سے حقیقہ الشامی (۲۷، ۷۷۳) لہذا قول محقق کو اختیار کر کے میں اپنے پہلے قول سے رجوع کرتا ہوں والسلام

شوہر نے عمار سے تین لکیر لکھیں اور کہا **سوال (۷):** کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ مجھ سے عبد اللہ ولد اللہ دیا قوم او ان ساکن

”ایک دو تین میرے گھر سے چلی جا“

موضع ارڑ ضلع جہلم تحصیل پنڈداد نچاں۔ احقر عرصہ سے بیمار تھا میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم مجھ کو تمام زیور و جس سے میں اپنی بیماری کا علاج کراؤں فروخت کر کے، میری عورت نے کہا میرے پاس زیور نہیں اور جس جگہ احقر نے زیور رکھا تھا وہاں بھی تلاش کیا مجھ کو نہ ملا اور پھر میں نے اپنے عزیزوں سے دریافت کرایا میری عورت نے ان کو بھی یہ کہہ دیا کہ زیور میرے پاس نہیں اسی کے پاس یعنی عبد اللہ کے پاس ہے، میں نے پھر اپنی عورت سے کہا کہ اگر تم مجھ کو زیور نہ دو گی تو میں تم کو لاٹھی سے ماروں گا اس نے پھر بھی نہیں بتلایا میں نے اس سے کہا کہ تو یہ تین لکیر لاٹھی سے کھینچ دیتا ہوں کہ ایک دو تین گھر سے نکل جا اور اتنے زیور دیوے گی گھر میں نہ آنے دوں گا عورت نے اپنے بھائی اور ماں کے پاس چلی گئی تھوڑے عرصہ کے بعد اس کے بھائی اور ماں نے کہا کہ تم زیور ہم کو دو جس سے ہم گذر کریں اس نے ان کو جواب دیدیا کہ زیور میرے پاس نہیں ہے انہوں نے اس کو تنگ کیا اس کاؤں ایک آدمی ہمارے یعنی عبد اللہ کے گاؤں کا گیا ہوا تھا اس عورت نے کہا کہ تم میرے خاوند سے کہہ دینا کہ مجھ کو لیجاؤ اس نے میرے سے آکر کہا کہ تمہاری عورت کہتی ہے کہ مجھ کو لیجاؤ میں نے اس آدمی کو جواب دیا کہ تم پھر کبھی جاؤ تو اس سے یہ کہنا کہ اگر تو تمام زیور دیوے تو چلی آؤ ورنہ خیر

اس نے کہا یعنی عورت نے کہا کہ میں تمام زیور دے دوں گی مجھ کو میری عورت نے بہت آدمیوں میں جھوٹا کر دیا تھا کہ زیور میرے پاس نہیں ہے عبداللہ کے پاس ہے میں نے اسی وجہ سے اس آدمی سے کہا کہ تم زیور لے آؤ تاکہ ان آدمیوں کو کل حال معلوم ہو جائے کہ واقعی زیور عورت کے پاس ہے۔ وہ آدمی زیور اور عورت کو لے آیا میں نے وہ زیور اس آدمی کے پاس امانت رکھی کہ ابھی تم ہی رکھو جب کبھی موقع ہوگا تم ان ہی آدمیوں میں مجھ کو دنیا جس کے سامنے مجھ کو عورت نے جھوٹا بنایا کچھ عرصہ کے بعد اس نے عورت اور مجھ کو بہت آدمیوں کے سامنے زیور دیدیا، اب میری عورت میرے گھر میں ہے ہمارے گاؤں کے آدمی کہتے ہیں کہ تیرا نکاح نہیں رہا ہمارے گاؤں میں شیعہ لوگ بہت رہتے ہیں وہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ تم پنجوقتہ نماز پڑھتے ہو پھر بے نکاح عورت گھر میں رکھے ہو، اب میرا نکاح رہا یا کہ نہیں آپ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب کے اور شبیر علی صاحب کے بھی دستخط کرا دیں اور حوالہ حدیث کا بھی دیدیں عین عنایت ہوگی اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمادیں اس مسئلہ کی خوب صفائی کر دیوں، فقط والسلام۔

الجواب: اگر سائل نے ایک دو تین کہتے ہوئے زبان سے لفظ طلاق نہیں کہا تو محض لکیریں کھینچ کر ایک دو تین کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی قال فی العالمگیرية امرأة قال لها زوجها انا استنكف عنك فقالت المرأة كالبزاق في الفم فان كنت تستنكف عنها فارم بها فقال الزوج تف تف ورمي بالبزاق وقال رميت ونوى الطلاق لا تطلق كذا فی الظهيرية اه ص ۲۷۰ وفيه ايضا: ولو قالت طلقني فضر بها وقال لها اينك طلاق لا يقع وفي مجموع النوازل سئل شيخ الاسلام عن ضرب امراته وقال دار طلاق قال لا تطلق و سئل الامام احمد القلانسي عن وكس امراته وقال اينك يك طلاق ثم وكسها ثانيا وقال اينك دو طلاق وكذا الثالث تطلق ثلاثا فشيم الاسلام يقول سمي الضرب طلاقا فيبطل والامام احمد يقول سمي الطلاق فيقع اه (ص ۲۷۲ ج ۲) قلت وفي الصورة المسئلة لم يسم الطلاق بل خط خطوطا وقال يك ودو وسه فلا تطلق على قول احده، والله اعلم۔

سوال (۸) ایک شخص مسمی حافظ زین العابدین جو کہ جمعہ وعیدین کے کاہن نامہ کے مطابق طلاق واقع ہو جانے کا حکم پیش امام اور مقتدا رہیں۔ اپنی بی بی کی کاہن نامہ میں بشرط لکھوا کر اپنے ہاتھ سے دستخط کر کے خود جا کر حبسری کروادیا۔ کہ (آپ کی واپس کی ولی وارث کی بلا اجازت اور آپ کی کل مہر ادا کر کے اس کاہن نامہ کی پشت پر وصول دینے کے بغیر کوئی عورت سے نکاح بیاہ نہ کروں گا۔ اگر کروں تو وہ عورت اسی وقت میرے حق میں ایک دو تین طلاق ہوگی) اتفاقاً بی بی سے کوئی بات میں ناموافق ہوئی تب وہ طیش میں آکر نہ بی بی سے اجازت لیا نہ بی بی کے ولی وارث سے اجازت لیا۔ نہ مہر ادا کیا۔ دوسری ایک عورت سے نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ خفت جفت بدباش خانہ دار لکھنے لگا۔ پس مطابق شرع شریف کے اس کی دوسری عورت مطلقہ بسہ طلاق ہوگی یا نہ۔ اور اس عورت کے ساتھ خلوت صحبت کرنا اس کے لئے زنا میں محسوب ہوگا یا نہ۔ اور اس سے اگر اولاد ہو تو حلال زادہ ہوگی یا نہ۔ اور اس شخص کے پیچھے اقتدار درست ہوگی یا نہ؟ بینوا تو جی وا۔

الجواب: صورت مسئلہ میں دوسری عورت سے نکاح کرتے ہی اس پر تین طلاق واقع ہو گئی ہیں اب بدون حلالہ کے وہ عورت زین العابدین کے حلال نہیں نہ اس سے زنا شو کا معاملہ درست ہے اور اس حالت میں جو وطی ہوگی وہ حنفیہ کے نزدیک زنا ہوگی مگر اولاد کو حرامی نہ کہا جائے گا لانہ کالوطی بشبهة ولان وقوع الطلاق فی هذه الحالة مختلف فیہ بین الاثمة فافهم؛ واللہ اعلم۔ اس شخص کی اقتدار مکروہ ہر نماز تو ہو جائے گی مگر دوسرا نیک امام میسر آسکتا ہو تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی اور اگر دوسرا امام میسر نہ ہو اور نہ اسکو الگ کرنے کی قدرت ہو تو بلا کراہت نماز درست ہو واللہ اعلم۔ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ۔

سوال (۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ شوہر اور گواہ ایک مرد اور ایک عورت ہو زوجہ نابالغہ کو غصہ کے سبب تو ماں اور بہن ہیں دو چار مرتبہ کہہ دیا کسی نے کہا بیوقوف کیا کہہ رہا ہے کہتے ہی طلاق طلاق سات یا آٹھ بار کہہ دیا دوسرے یا تیسرے روز اس شخص سے تحقیق کی گئی تو اس نے انکار کر دیا کہ میری زبان سے یہ الفاظ نہیں نکلے (یعنی جو الفاظ اوپر ذکر کئے گئے ہیں) لیکن ایک مرد اور ایک عورت گواہ ہیں اس باب میں شرع شریف کا کیا حکم ہے۔ دیگر مذکورہ بالا صورت میں دو مرد اگر گواہ ہوں تو کیا حکم ہے؟

الجواب؛ شوہر کا تو ماں میں بچہ کہنا تو لغو ہے اس سے کچھ نہیں ہوتا مگر اس کے بعد جو اس نے سات آٹھ بار طلاق کا لفظ کہا ہے اور اب اس سے انکار کرتا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر زوجہ نے طلاق کا لفظ تین بار سن لیا ہو تو اس پر واجب ہے کہ اپنے کو مطلقہ مغلطہ یعنی مطلقۃ الثلاث سمجھے اور شوہر سے علیحدہ ہو جائے اور اس کو اپنے اوپر ہرگز قابو نہ دے۔ اور اگر زوجہ نے خود یہ الفاظ نہیں سنے تو اگر دونیک مردوں یا ایک نیک مرد اور دونیک عورتوں نے اس سے ایسا بیان کیا کہ شوہر نے طلاق کا لفظ تین مرتبہ یا اس سے زائد دفعہ استعمال کیا ہے جب بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر ایک مرد اور ایک عورت گواہ ہے تو اس سے قضاء ثبوت طلاق نہیں ہو سکتا جب تک شوہر خود اقرار نہ کرے البتہ اس صورت میں اگر خیر دینے والا ثقہ ہو یا ثقہ تو نہ ہو مگر عورت کے دل کو یہ بات لگی کہ یہ مرد یا عورت سچ کہہ رہی ہے تو اس کو شوہر سے الگ ہو جانا ضروری ہے اور بعد عدت گزارنے کے دوسرا نکاح کسی دوسرے سے کر سکتی ہے گواہی یہ ہے کہ الگ تو ہو جائے مگر نکاح غیر سے نہ کرے قال فی الدر من الجوہرۃ اخبرھا ثقة ان زوجها الغائب مات او طلقھا ثلثا اذ اتاھا منه کتاب علی ید ثقة بالطلاق ان اکبر رأیہ انه حق فلا بأس ان تعتد وتزوج الخ قال الشافعی وقولہ فلا بأس یفید ان الاولی عدمہ ام (ص ۱۰۱۲ ج ۲) وفيہ ایضاً تحت قولہ علی ید ثقة هذا غیر قید ام وفيہ (۷۰۹) والمراۃ کالقاضی اذا سمعته او اخبرھا لا یحل لها تمکینہ ام۔ ۳ رد المحتار ج ۲ ص ۲۳۰

سوال (۱۰)، کیا فرماتے ہیں علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ طلاق میں عورت کی طرف اضافت کی تحقیق اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بی بی کو ایک کام خانگی کرنے کو کہا وہ نہیں کی اس لئے میں نے ان کو لات و غیرہ کچھ مارا پھر بھی وہ کام نہیں کی پھر جب اور مارنے کو ارادہ کیا وہ میری ماں کے پیچھے بھاگی اور ماں حائل ہونے کی وجہ سے نہیں مار سکا تب میں نے یوں کہا کہ ایک طلاق دو طلاق تین طلاق بائن اس گھر کا کھانا اگر کھائے گی تو حرام کھائے گی ان سے جب پوچھا کہ یہ جو تم نے کہا کہ اس گھر کا اگر کھانا کھائے گی تو حرام کھائے گی کس کو کہا کیا تمہاری ماں کو کہا یا تمہاری بی بی کو کہا؟ اس نے جواب دیا کہ طلاق جس طرف جائے گی یہ بھی اس طرف جائے گا اب بحکم شرع کیا اس کی بی بی مطلقہ ہے یا طلاق ہوگی؟ بینوا بال دلیل۔

اس مسئلہ میں علماء اردو سرتقی ہیں۔

فرق اول کہتے ہیں کہ مطلقہ بسہ طلاق ہوگی چونکہ صریح الفاظ سے طلاق دیا اگرچہ تم کو یا نام لیکر نہیں دیا مگر اضافت معنویہ موجود ہے بوجہ واقعہ مذکورہ کے اور وہی اضافت معنویہ وقوع طلاق کا شرط ہے لہذا فی الشامی لتركه الاضافة ای المعنوية فانها الشرط اور اگرچہ لفظ دیا نہیں کہا مگر لفظ طلاق مصدر ہونے کی وجہ سے طلاق واقع ہوگی دیا وغیرہ کا محتاج نہیں ہے لہذا فی الشامی قوله وفي انت الطلاق او الطلاق الخ بيان لما اذا اخبر عنها بمصدر معترف او منكيا او اسما فاعل بعد مصدر كذلك۔ پس صورت مسئلہ میں طلاق ہو جائے گی فقط

فرق ثانی کہتے ہیں کہ صورت مذکورہ میں طلاق واقع نہ ہوگی چونکہ اضافت نہیں ہے اور لفظ دیا وغیرہ کچھ نہ کہا۔ دلیل ان کی عبارت قاضی خان کی ہے کہ ”ارتو زن من سه طلاق“ لا تطلق امرأته لانه ما اضاف الطلاق اليها، وقوله رجل قال لا امرأته اگر تو زن من سه طلاق مع حذف الباء لا يقع الخ

الجواب: فرق اول کا قول صحیح ہے اضافت طلاق جو شرط وقوع ہے اس میں اضافت معنویہ کافی ہے اور خطاب کے وقت اضافت معنویہ موجود ہوتی ہے قال الشامی والخطاب من الاضافة المعنوية وكذا الاشارة وصرح قبله ان الشرط هي المعنوية لا اللفظية قال ولا يلزم كون الاضافة صريحة كلامه لما في البحر لو قال طالق فليل له من عنيت فقال امرأتی طلقت امرأته اه الى ان قال ناقلا عن البحر امرأة طالق او قال طلقت امرأة وقال لدا عن امرأتی يصدق اه ويفهم منه انه لو لم يقل ذلك تطلق امرأته لان الظاهر ان من له امرأة انما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها اه (ص ۵۰۵ ج ۲)

ملخصاً۔ اور خانہ وغیرہ میں جو مذکور ہے کہ ارتو زن من سه طلاق لا تطلق لانه ما اضاف الطلاق اليها۔ اس میں اور صورت واقعہ میں فرق یہ ہے کہ جزئیہ خانہ اس

عہ پہلے یہاں یہ لکھا گیا تھا کہ جزئیہ خانہ دیانت پرمحول ہو اور قضاء طلاق بدون اضافت صریحہ کے بھی واقع ہے چکیہ اضافت معنویہ خطاب اشارہ موجود ہو چونکہ عورت مثل قاضی کے ہر اس لئے دیانت پر (باقی بر صفحہ آئندہ)

صورت میں ہے جبکہ قرآن سے اضافت الی الزوجہ متعین نہو لان الکلام محتمل الصرف
عن زوجته اذ لم یضف الطلاق الیہا۔ اور صورت مسئلہ میں قرآن قویہ عالیہ مقابلہ
ارادہ اضافت طلاق الی الزوجہ متعین ہے اما الحال فالغضب وارادة ضربها واما
المقال فقوله طلاق جس طرف جائے گی یہ بھی اسی طرف جائے گی اور پس صورت مسئلہ میں
قضاء بھی طلاق واقع ہو چکی ہے اور دیانہ بھی لما سیاتی۔ قال الشامی عن القنیة
عازیا الی البرهان لصاحب المحيط رجلٌ دعته جماعة الی شرب الخمر،
فقال انی حلفت بالطلاق انی لا اشرب وکان کاذبا فیه ثم شرب طلقت وقال
صاحب التحفة لا تطلق دیانہ ام وما فی التحفة لا یخالف ما قبلہ لان المراد
طلقت قضاء فقط لما مر انه لو اخبر بالطلاق کاذبا لا یقع دیانہ بخلاف
الهازل فهذا یدل علی وقوعه وان لم یضف الی المرأة صریحا نعم یمکن
حملة علی ما اذالم یقل الی اردت الحلف بطلاق غیرها فلا یخالف ما فی
البزازیة ام وهو ما ذکرہ اولاً قال لہا لا تخرجی من الدار الا باذنی فانی
حلفت بالطلاق فخرجت لا یقع لعدم ذکر حلفہ بطلاقہا ویحتمل الحلف
بطلاق غیرہا فالقول لہ قال الشامی المفہوم من کلام البزازیة انه لو
اراد الحلف بطلاقہا یقع لانه جعل القول لہ فی صرفہ الی طلاق غیرہا ام
دملخصاً متفرقا، ص ۵۰۵ ج ۲) پس جن جزئیات میں اضافت صریحہ نہونے کی وجہ سے
عدم وقوع کا حکم مذکور ہے ان کا مطلب یہی ہے کہ اگر زوج ارادہ طلاق زوجہ کا انکار کرے
اور قرآن بھی ارادہ زوجہ پر قائم نہوں تو طلاق واقع نہوگی لیکن اگر قرآن اضافت الی الزوجہ
پر قائم ہوں تو قضاء بہر حال واقع ہے جبکہ اضافت معنویہ خطاب یا اشارہ موجود ہے، اور
عورت مثل قاضی کہے وہ اپنے کو مطلقہ ہی سمجھے اور انکار زوج کو ہرگز قبول نہ کرے، اور
صورت مسئلہ میں تو زوج ارادہ طلاق زوجہ کا منکر بھی نہیں پس اس صورت میں تو
قضاء و دیانہ ہر طرح طلاق واقع ہو چکی۔ واللہ اعلم۔ ۹ جہادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ۔

دبقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فتویٰ نہیں دیا جاسکتا ام پھر اس کو حضرت شیخ کے ارشاد سے بدلا گیا
اور تحریر "ازالۃ الاغلاق" جواب سابق ہی پر لکھی گئی ہے ۱۲ منہ

تفصیل الجواب

الملقب

بازالۃ الاعلاق عن اضافة الطلاق

اقول وبہ نستعین۔ جواب سابق پر دو شے کہے ہیں۔ ایک یہ کہ غانیہ وغیرہ کا جزیئہ "ارتوزن من سہ طلاق" بحذف الباء لا تطلق لانہ ما اضاف الطلاق الیہا عدم وقوع طلاق میں مطلق ہے اس کو دیانت کے ساتھ کس دلیل سے مقید کیا گیا ہے دوسرے یہ عبارت بزازیہ لا تخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق لایقع لعدم ذکرہ حلفہ بطلاقہا ویحتمل الحلف بطلاق غیرہا فالقول لہ سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اگر زوج ارادۃ طلاق مخاطبہ کا انکار کرے تو قضاء بھی اس کا قول معتبر ہوگا۔ اسی طرح جزیئہ بحسبہ لو قال امراة طالق او طلقت امراة ثلثا وقال لہ عن املائی یصدق سے بھی تصدیق قضاء مفہوم ہوتی ہے اور جواب سابق میں یہ کہا ہے کہ قضاء صورت مسئلہ میں انکار ارادۃ طلاق مخاطبہ کی تصدیق نہ ہوگی اس کی کیا وجہ۔

اشکال اول کا جواب یہ ہے کہ کلام فقہار میں ایسے جزییات کا حکم جن میں اضافت لفظیہ نہیں ہے (اور اضافت معنویہ یعنی مخاطبت موجود ہے) مختلف مذکور ہے۔ کہیں حکم وقوع طلاق ہے اور کہیں عدم وقوع طلاق۔

خلاصہ میں ہے لو قالت طلقتی فضر بہا وقال اینک طلاق لایقع ولو قال اینک طلاق یقع یہاں تو اینک طلاق میں اضافت لفظیہ ہونے کی وجہ سے عدم وقوع کا حکم ہے اس کے بعد بیرونی مجموع النوازل سئل شیخ الاسلام عن ضرب امأته وقال دارالطلاق قال لا تطلق وسئل الامام احمد القلاسی عن وکن امأته وقال اینک یدک طلاق ثم وکنها ثانیاً وقال اینک

عہ جس کی طرف حاشیہ صلا ۳ میں اشارہ کیا گیا ہے ۱۲ منہ

دو طلاق وکذا الثالث قال تطلق ثلاثا۔ شیخ الاسلام يقول سمي الضرب طلاقاً فبطل والامام احمد يقول سمي الطلاق ضرباً اھ (ص ۷۶ ج ۲)۔ اس میں یہ اختلاف تو مذکور ہے کہ ضرب کو طلاق کہا ہے یا طلاق کو ضرب، لیکن کسی نے نہیں کہا کہ ایک طلاق میں اضافت نہیں اس لئے طلاق نہیں ہوئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اضافت کا تحقق دونوں کے نزدیک ہر حالانکہ اوپر اینٹ اور اینٹ میں جو فرق کیا گیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اینٹ میں لفظی اضافت نہیں تو اب بابت پڑے گا کہ دوسری جگہ اضافت معنویہ کی وجہ سے (جو کہ مخاطبت ہے) وقوع کا حکم کیا گیا ہے، اب اس کے سوا کیا وجہ تطبیق ہوگی کہ جزئیہ اولیٰ کو دیانت چرمل کیا جائے اور ثانیہ کو قضا پر ورنہ ایک کو خطا پر چرمل کرنا ہوگا۔

اس کے بعد خلاصہ ہی میں ہے فی الفتاویٰ فی المحيط (فی) دار طلاق ینوی لعدم الاضافة وقيل يقع بغیرنیة وهو الاشبه اھ (ص مذکور) اس میں بھی میرے نزدیک قول اول دیانت پر اور ثانی قضا پر محمول ہے کیونکہ دار طلاق میں واقعی اضافت لفظیہ نہیں جس سے یہ مطلب صریح حاصل ہو کہ اپنے اوپر طلاق سمجھے لیکن اضافت معنویہ کی وجہ سے اشبہ یہ ہے کہ قضا پر بلائیت کے طلاق پڑ جائے۔ اسی طرح خلاصہ (ص ۱۳۰ ج ۲) میں ہے رجل قال لامرأته ہزار طلاق اگر فلان کارکنی واراد به التعلیق لا يتعلق الطلاق بذلك الفعل ولو قال اگر فلان کارکنی ہزار طلاق يتعلق كذا قال صاحب المحيط ومن المتأخرين من قال يتعلق في الوجهين لان طريق المصحة عند تقديم الشرط ادراج الخطاب وهذا قائم عند تاخير الشرط اھ قلت فقد اجمعوا ای صاحب المحيط والمتأخرون علی وجود الامنافۃ فی صورة تقديم الشرط وان معنی قوله اگر فلان کارکنی ہزار طلاق ای تو ہزار طلاق واخلفوا فی صورة التأخیر لان الخطاب لم يوجد الا بعد قوله ہزار طلاق فانهم۔

اسی طرح خلاصہ میں ہے فی نظم النہد ویسی لو قال لامرأته فی حالة الغضب دورقة است و سہ رفت وقد كان طلقها قبل هذا تطليقتين ولانية له لا يقع الثالث (ص ۷۷ ج ۲)۔ اور ظاہر ہے

کہ قیود فقہیہ احترازی ہوتی ہیں پس دلانیت لہ کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نیت ہو تو دو رفتہ است و سہ رفت سے تین طلاق پڑ جائیں گی حالانکہ یہاں اضافت لفظیہ نہیں۔ اور اس مسئلہ میں نیت کی قید اس وجہ سے نہیں ہے کہ اضافت لفظیہ کے فقدان میں قضاء نیت کی ضرورت ہے بلکہ یہ قید اس وجہ سے ہے کہ لفظ دو و سہ دو طلاق و سہ طلاق کے معنی میں صریح نہیں بلکہ کنایہ ہے اور کنایہ بھی وہ جس میں بہر حال نیت کی ضرورت ہے جیسے انت واحدة۔ پس اگر وضع مسئلہ لفظ دو و سہ سے نہ ہوتی بلکہ دو طلاق رفت و سہ طلاق رفت ہوتا تو نیت کی کچھ ضرورت نہ ہوتی اگر پھر بھی نیت کی ضرورت ہوتی تو دو و سہ کے ساتھ وضع مسئلہ لغو ہوگی اور ظاہر ہے کہ دو طلاق رفت و سہ طلاق رفت میں بھی اضافت لفظیہ نہیں ہے۔

پس اس اختلاف کو دیکھ کر میں سمجھتا ہوں کہ اگر وزن من سہ طلاق میں جو اضافت لفظیہ کے نہ ہونے سے حکم عدم وقوع دیا گیا ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ دیانۃ وقوع نہ ہوگا جبکہ زوج ارادۃ طلاق مخاطبہ کا انکار کرے اور قضاء واقع ہو کیونکہ اضافت معنویہ مخاطبت موجود ہے جس کی بنا پر انیک طلاق میں حکم وقوع دیا گیا ہے۔

اور اگر یوں کہے اگر فلان کا کہنی بیک طلاق ففعلت طلقت معناه بیک طلاق ہستی خلاصہ (ص ۲۷۹) اس میں قضاء و دیانۃ ہر طرح طلاق واقع ہو کیونکہ اضافت معنویہ کے ساتھ اضافت لفظیہ بھی موجود ہے (الاقتضاء حرف الیاء متعلقاً محذوفاً و فاء و ہستی و المقضیٰ کالمفوظ)۔

علاوہ ازیں اشکال ثانی کے جواب میں جو وجوہ مذکور ہیں وہ بھی اسی کو مقتضی ہیں کہ جس کلام میں اضافت لفظیہ نہ ہو اور معنویہ موجود ہو وہاں قضاء وقوع طلاق ہوگا گو دیانۃ

عہ و نہ وقد کان طلقها کی قید کا کیا نفع ہے۔

عہ سئل العلامة عبد الحی اللکنوی عن رجل قال لامرأته المدخول بها بلفظ واحد طلاق ست طلاق ست طلاق ست پس از دہ پر سیدہ شد کہ چند طلاق دادی او بجواب گفت کہ من صرف در تائید یک طلاق باقی الفاظ را ادا کرده ام فاجاب بوقوع الطلقات الثلاث قضاء وان القاضی لا یقبل ارادته التکید وان دین (ص ۲۷۸ مع الخلاصة) ۱۲ منہ



نیت زوج معتبر ہو۔

رہا یہ کہ خانیہ وغیرہ میں لا تطلق مطلق ہو اس کا مقید کرنا صحیح نہیں کیونکہ فقہاء موقع تقييد میں اطلاق نہیں کیا کرتے۔ تو یہ اشکال اس لئے مسلم نہیں کہ جزیئیات فقہیہ میں غور کرنے سے ایسی نظائر بہت ملیں گی کہ فقہاء نے مقام تقييد میں اطلاق کیا ہے۔ چنانچہ جواب سابق میں شامی سے جو برہان محیط کا جزیئہ نقل کیا گیا ہے رجل دعته جماعة الى شرب الخمر الخ اس میں طلقت مطلق ہو جس کو شامی نے قضاء سے مقید کیا ہے لان المراد طلقت قضاء الخ و نظائر کثیرہ کمالا یخفی۔

اب رہا دوسرا اشکال کہ لو قال امرأة طالق او قال طلقت امرأة ثلاثا وقال لدا عن امرأتی یصدق اھ سے مفہوم ہوتا ہے کہ عدم اضافت لفظیہ کی صورت میں قضاء و دیانہ ہر طرح تصدیق ہوگی اور جواب سابق میں تصدیق کو دیانت سے مقید کیا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک اس جزیئہ میں تو اگر زوج ارادۃ طلاق زوجہ کا انکار کرے تو قضاء و دیانہ ہر طرح تصدیق ہوگی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جب اضافت لفظیہ ہو اور اضافت معنویہ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ بات یہ ہے کہ امرأة طالق او طلقت امرأة میں نفی ارادۃ زوجہ معروفہ کی تصدیق قضاء اس لئے ہوتی ہے کہ دراصل حالاً اس کلام اضافت نہ لفظی ہے نہ معنوی ہے بلکہ صرف ایک قرینہ خارجیہ سے یعنی عادت سے اضافت پیدا کی گئی ہے وھو قولہ لان العادة ان من له امرأة انما یحلف بطلاقھا لا بطلاق غیرھا بخلاف صورت مسئلہ کے کہ اس میں عورت کو مخاطب کر کے ایک طلاق دو طلاق کہا ہے گو لفظ تجھ کو وغیرہ نہیں مگر وہ سامنے موجود ہے اور اسی کو سنایا گیا ہے اور خطاب کا قصد ہے اس لئے اضافت معنویہ بوجہ خطاب کے موجود ہے اب اگر ارادۃ زوجہ مذکورہ کی نفی کرے گا تو یہ قول قضاء قبول نہ ہوگا چنانچہ اگر سبائے امرأة طالق و طلقت امرأة

عہ کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک عورت کو طلاق یا ایک عورت کو میں نے طلاق دی جس میں ارادۃ زوجہ پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اخبار عن الغیر کا بھی احتمال ہے کیونکہ مرد و کالہ غیر منکوحہ کو بھی طلاق دے سکتا ہے ۱۲ منہ

یا امرأتہ طالق کہے تو اس کی زوجہ معروفہ پر قضاء طلاق واقع ہو جائے گی اور اُس کے ارادہ کی نفی معتبر نہ ہوگی گو صراحت یہاں بھی اضافت طلاق کی زوجہ معروفہ کی طرف نہیں کہ نہ اشارہ ہے نہ تسمیہ بلکہ اضافت اُس عورت کی طرف ہے جو کہ اس کی ہوجس میں غیر معروفہ کا بھی احتمال ہے، مگر چونکہ زوجہ معروفہ ایک ہی ہے اس لئے معنی اضافت اسی کی طرف ہے اور اُس کی نفی لغو ہے قال فی البحر لوقال امرأتہ طالق ولم یسمد له امرأة معروفة طلقت استحساناً ولو قال لی امرأة أخرى وأیها عנית لا یقبل إلا ان یقیم البینه اه (ص ۲۵۲ ج ۳)

آیہ کہ عبارت بزازیہ قال لها لا تخرجی من الدار الا باذنی ذانی حلفت بالطلاق فخرجت لا یقع لعدم ذکر حلفه بطلاقها . ویحتمل الحلف بطلاق غیرها فالقول له اه سے مفہوم ہوتا ہے کہ قضاء اُس کا قول معتبر ہے اگر وہ غیر کا ارادہ بیان کرے اور مخاطبہ کی نفی کرے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قضاء یہ جب معتبر ہوگا جبکہ اس کے کوئی اور بیوی بھی مخاطبہ کے سوا ہو ورنہ نہیں قال ابن عابدین فی حاشیة البحر ان قول البزازیة هنا لا یقع ای قضاء فیہ مخالفة لهذا (ای لما فی القنیة عن المحيط رجل دعتہ جماعة الی شرب الخمر فقال الی حلفت بالطلاق الی لا اشرب وکان کاذباً فیہ ثم شرب طلقت اه ای قضاء) ویمكن ان یوفق بینہما بان ما فی البزازیة محمول علی انشاء الحلف لا علی الاخبار وما فی القنیة علی الاخبار لقوله وکان کاذباً فیہ ولكن بعد هذا یرد علی ما فی القنیة ان قوله بالطلاق یمثل الحلف بطلاق امرأة أخرى الا ان یمثل علی انه لیس له امرأة أخرى غیرها فیکون اخباراً عن طلاق مضاف الیها وما فی البزازیة محمول علی ان له غیرها والا لا یصدق بدلیل ما یأتی عن الظہیریة من قوله لو قال امرأتہ طالق ولم یسمد له امرأة معروفة طلقت استحساناً وان قال لی امرأة أخرى وأیها عנית لا یقبل قوله الا ان یقیم البینه اه (ص ۲۵۳ ج ۳)

بہر حال امرأتہ طالق وطلقت امرأة میں قضاء اُس کے قول کی تصدیق کا منشا غلو کلام

عہ یہاں تو مرجع اضافت موجود ہے ۔

عن الاضافۃ حالاً ہے اور عبارت بزازیہ میں اگر لایقہ کو قضا پر محمول کیا جائے نہ کہ دیانت پر تو اس کا محمل یہ ہے کہ حالت کے چند بیویاں ہوں۔ اور اگر کسی کے صرف ایک بیوی ہو اور وہ اس کو لڑائی جھگڑے میں ایک طلاق و دو طلاق بدون اضافت لفظیہ کے کہے تو قضا نفی قصد مخاطبہ کی قبول نہ ہوگی کیونکہ اضافت معنویہ موجود ہے وہو الخطاب اور کوئی بیوی سو آنکھ مخاطبہ کے ہے نہیں تو پھر کیونکر نفی کو مانا جائے فان القاضی انما یتبع الظاہر والله یتولی السرائر صوابہ فی مواضع شتی خلاصہ میں ہے سکران ہرب منہ امرأتہ فتبعہا ولم یظف بہا فقال بالفارسیۃ طلاق ان قال عنیت امرأتی یقع ام (ص ۶۶ ص ۱۲) اور ظاہر ہے کہ قیود فقہیہ احترازی ہیں تو اس میں لم یظف بہا کی قید بتلاتی ہے کہ اگر وہ طلاق ایسی حالت غضب میں عورت کے سامنے کہے تو اس صورت میں قضا عنیت امرأتی کہنے کی ضرورت نہ ہوگی، واللہ اعلم۔

الرجح اشکم۔

فذلک الکلام

بعد جوابات اشکالات کے اب اصل مسئلہ کے متعلق یہ عرض ہے کہ اس میں تو شک نہیں کہ باب طلاق میں دیانت کا مدار صحت معنی پر ہے اور قضا کا مدار تبادر معنی پر۔ گو اس سر دوسرے معنی لینا بھی صحیح ہوں لیکن جب وہ متبادر کے خلاف ہوں گے تو قضا قبول نہ ہونگے اور معنی متبادر ہی کو صریح کہا جاتا ہے قال فی الدرر صریحہ ما لم یستعمل الا فیہ ام قال الطحاوی وقع نظیرہ لصاحب النضر حیث قال هو ما استعمل فی الطلاق دون غیرہ و ہما قاضیان بان اللفظ لو استعمل فی غیر الطلاق ولونادراً یقدح فی صراحۃ فیہ مع انہما نصوا علی ان التریکی یستعمل ہذا اللفظ للطحال ولا یمدق قضا انہ ارادہ بل یحکم علیہ بالطلاق ان یقال ان المراد بالحصہ کثرة الاستعمال فعلى هذا لو قال صریحہ ما کثر استعمالہ فیہ لکان اولیٰ ام (ص ۷۷ ج ۱) قلت وکذا

صاحب البحر والفتح والشامیہ مثله۔ پس اب دیکھنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے لڑائی کی حالت میں ایک طلاق دو طلاق کہے یا فارسی میں ارتوزن منی سے طلاق کہے تو اس سے متبادر ہی ہے کہ تجکو ایک طلاق دو طلاق اور ارتوزن منی سے طلاق ہستی اور اس کا خلاف کچھ متبادر نہیں گو لغت صحیح ہو سکتا ہے جیسا کہ صاحب بزاز یہ نے کہا ہے کہ لا تخرجہ الا باذنی ذانی حلفت بالطلاق میں کسی دوسری عورت کی طلاق کا بھی احتمال ہے مگر یہ احتمال ایسا ہی ہے جیسا انت طالق میں طلاق عن الوثاق وعن القید کا احتمال اور یا طالق میں سبب و تم کا احتمال کہ قضاء مسموع نہ ہو گا گو دیانۃ بوجہ صحت معنی کے مسموع ہو جائے پس سو اُس صورت کے جو شامی نے بیان کی ہے کہ بزاز یہ کے قول کو اس پر محمول کیا جائے کہ مرد کی دوسری بیوی بھی حریف ہو اور کوئی وجہ اس کلام کی صحت کی نہیں اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ بیوی کو خطاب کر کے ایک طلاق دو طلاق کہنا اور ارتوزن منی سے طلاق کہنا اس سے متبادر یہ ہے کہ ارتوزن منی سے طلاق ہستی، تو اب اس میں عدم وقوع کا مطلقاً حکم کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ بلکہ ان کو دیانت پر حمل کرنا لازم ہے لا ینقال الصریح انت طالق واذالہ یکن لفظ انت مذکوراً لا یبقی صریحاً فکیف یحکم بالوقوع قضاء اذا انکر ارادة المخاطبة به قلت لفظ انت لا دخل له فی الصراحة وبقی الکلام صریحاً بدوۃ اذا کان معنی الخطاب متبادراً قال ابن عابدین فی حاشیۃ البحر الصریح ما فیہ مادة ط ل ق ک طالق وطلاق وتطلیق ونحوہ فقوله انت طالق صریح ولا مدخل لقوله انت فی صراحۃ (ص ۲۶۱ ج ۳)۔ ولعل الکلام فی البحث عن المسئلة قد تم وعدم الحمد لله علی ما علموا فہم۔

الرجاء

حضرت شیخ نے اس تحریر کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک فقہاء کی عبارات مطلقہ در باب عدم وقوع بسبب عدم اظہار قوت کو دیانت پر محمول کرنا تفسیر اطلاق ہے کیونکہ لا یقع میں نکرہ تحت نفی ہے جو عام ہے اس کو بلا دلیل خاص نہیں کر سکتے ہاں یقع نکرہ تحت الاثبات ہے جو عموم میں نص نہیں اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس کو عدم وجود قرآن پر محمول کیا جائے اور عبارات مفیدہ کو قرآن پر کافی الجواب۔ قلت والیہ یسئل قلبی لکن فی النفس بعد شیء ولعل اللہ یحد بعد ذلک امراً؟

طلاق میں عورت کے قول کا اعتبار (سوال) بیان زوجہ کا ہر زوجہ و شوہر دونوں جیکہ میاں بیوی میں اختلاف ہو ایک جگہ اس طرح ہے کہ زوجہ دالان کے اندر تھی اور شوہر سائبان میں تھا، اور دالان میں تین دروازے تھے جس میں سے دو دروازے بند تھے اور صرف ایک دروازہ کھلا تھا، میں نے دالان کے اندر سے سنا کہ شوہر نے مجھ کو کہا کہ ”میں نے تم کو طلاق دیا“ مجھے اٹکل سے معلوم ہوا کہ یہ الفاظ تین دفعہ کہا تھا میں نے لفظ ”نہ“ نہیں سنا تھا فقط۔

بیان شوہر کا: میں نے اپنی چھوٹی بہن کو بھیجا کہ جا کر اپنی سہاوج کو بلا لاؤ چنانچہ وہ گئی اور واپس آکر کہا کہ نماز پڑھ کر آویں گی، میں نے کہا اچھا۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد آئیں اور کہا کہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ نیند معلوم ہوتی ہو سونے دو۔ چند منٹ گفتگو ہوتی ہی میں آنکھ بند کئے پڑا رہا کہ وہ اندر مکان کے گئیں میں نے کہا کہ کہاں جاتی ہو جواب ملا کہ آتی ہوں۔ میں نے کہا اچھا۔ وہ اندر سے کہنے لگیں کہ طلاق کا لفظ کیسا کہا ہے؟ میں نے فوراً جواب دیا کہ طلاق کیسا میں نے نام بھی نہیں لیا ہے، انہوں نے کہا کہ شاید سنتے میں فرق ہو گیا ہو، میں خاموش تھا، انہوں نے کہا کہ جانتے ہو طلاق کیسے دیا جاتا ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں، کہا کہ اس طرح دیا جاتا ہے ”میں نے تم کو طلاق دیا“ میں نے کہا ہوں، کہا کہ کہو، اس وقت میں نے کہا کہ ہم نے تم کو طلاق نہ دیا، انہوں نے کہا کہ نہ کا لفظ نہیں کہا جاتا ہے، میں نے کہا کہ ہاں نہ کا لفظ میں نے بہت زور سے نہیں کہا ہے میں سائبان میں تھا اور وہ دالان میں تھیں میں نے پھر کہا کہ طلاق وغیرہ کا نام میں نے نہیں لیا ہے اس کا خیال مت کرنا تب انہوں نے کہا کہ ہاں ہمارے سنتے میں فرق پڑ گیا ہوگا فقط۔

استفتاء: ہر زوجہ و شوہر کا بیان اوپر لکھا گیا ہے گواہ دونوں میں کسی کے پاس نہیں ہیں عرصہ دس بارہ سال کا ہوا کہ یہ واقعہ ہوا تھا اس وقت سے دونوں علیحدہ رہے اور پردہ رہا اب زوجہ و شوہر دونوں راضی ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ اگر شرع شریف اجازت دے تو آپس میں میل کر لیں کیا حکم علما رکاہے احکام شرع سے آگاہ فرمادیں؟

الجواب: صورت مسئلہ میں اگر زوجہ کو خوب بختگی سے یہ یاد ہے کہ شوہر

نے (میں نے تم کو طلاق دیا) تین بار کہا تھا تو اب اس کو اس شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں اور بدون حلالہ کے دوسرا نکاح بھی اس سے نہیں کر سکتی اور اگر تین بار کے سنتے میں شک ہی یعنی تین دفعہ لفظ مذکور کہنے کا ایسا یقین نہیں کہ اس پر حلف کر سکے تو وہ بدون حلالہ کے تجدید نکاح کر کے اس شخص کے پاس رہ سکتی ہے گویا شوہر کے مطابق تجدید نکاح کی بھی ضرورت نہیں تھی مگر جب عورت کو طلاق کا لفظ بدون لفظ "نہ" کے مسموع ہوا ہے تو اس کو بدون تجدید نکاح کے اس کے پاس رہنا اُس وقت بھی جائز نہیں جبکہ تین بار میں شک ہو لائن المرأة كالتقاضی فلا تؤمر الا بعلمها وسماعها ولسنوم التجدید لمضی العدة والا فالطلاق وقع رجعیاً لواقف من الثلث، واللہ اعلم۔

۸، جمادی الاخریٰ ۱۳۴۳ھ

(سوال) ایک شخص نے کسی کی ایک کامین نامہ میں لکھ دیا کہ دوسرا عقد کروں تو اس پر ایک دو تین طلاق ہو جائیگی۔ اس متر نامہ کی خلاف ورزی پر زوجہ ثانیہ پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں

باب کے پاس بھیج دیا تاکہ نکاح کا پیغام کریں اور بات چیت ٹھیک کریں وے لوگ لڑکی کے باپ کے پاس گئے اور نکاح کی درخواست کی۔ لڑکی کے باپ نکاح دینے پر راضی ہوا لیکن یہ بات کہا کہ کامین نامہ نکاح کا قبل عقد نکاح کے رجسٹری کر دینا ہوگا۔ اور کامین نامہ کے شرائط میں اپنی مرضی کے موافق لکھاؤں گا دوسری کوئی کامین پر حوالہ دہرات نہیں۔ اگر یہ بات منظور ہو تو میں اپنی لڑکی اسے نکاح دے سکتا ہوں، وے لوگ اس بات پر راضی ہو گئے اور جا کر نکاح کو آگاہ کیا نکاح نے کامین نامہ لکھوانے کے واسطے کاغذ لکھ کر لڑکی کے باپ کے پاس بھیج دیا اور کاتب کی اجرت بھی ایک پیسہ بھیج دیا۔ پس لڑکی کے باپ نے کامین نامہ لکھوایا اور نکاح کے پاس بھیجا اور ایک شخص نے کامین نامہ مرقومہ نکاح کو پڑھ کر سنایا۔ پس نکاح نے کامین نامہ سنکر اور شرائط و مضامین سے آگاہ ہو کر کامین نامہ پر اپنی دستخط کر کے رجسٹرار کے پاس لے گیا۔ اور اپنا نامہ

لہ نشان انگوٹھا۔

چسپائے پھر دستخط کر کے اپنی طرف سے فیس دے کے کابین نامہ کو رجسٹری کروا دیا۔ بعد اس کے اس لڑکی سے عقد نکاح ہو گیا۔ واضح ہے کہ کابین نامہ مذکورہ میں یہ شرط لکھی گئی تھی کہ (آپ کی اور آپ کے ولی وارث کی بلا اجازت اور آپ کے مہرانے کا کل روپیہ نقد ادا کر کے پشت کابین نامہ ہذا پر وصول لکھوادینے کے بغیر اگر کوئی غیر عورت سے نکاح کروں تو وہ عورت اسی وقت ایک دو تین طلاق ہو جائے گی) اب اس شخص نے اس بیوی کے اوپر ایک دوسری عورت سے نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ بود و باش کرنے لگا۔ نہ بی بی سے اجازت لی اور نہ بی بی کے ولی وارث سے پوچھا۔ اور نہ نہ نقد مہرانہ ادا کر کے پشت کابین نامہ پر وصول لکھوادیا۔ پس اس صورت میں اس کی دوسری عورت مطلقہ نہ طلاق ہو گئی یا نہیں۔ اور اس عورت کے ساتھ خلوت، صحبت کرنا زنا میں محسوب ہو گا یا نہیں اور وہ شخص اس وقت یہ عذر پیش کرتا ہے کہ یہ کابین نامہ میں نے رجسٹری کروایا سو صحیح ہے اور دستخط و تھام بھی میرا ہی ہے لیکن میں نے قبل عقد نکاح کے بین نامہ دیا۔ اور میں نے زبانی اقرار نہیں کیا۔ اور نہ کسی کو اپنے اقرار پر گواہ رکھا۔ اور نہ کسی کو لکھنے کے واسطے حکم دیا۔ پس اس صورت میں اس کا یہ سب عذر مستنا جائے گا یا نہیں۔ اور کابین نامہ قبل عقد نکاح کے ہونا شرط مذکورہ کو مفر ہے یا نہیں۔ اور رجسٹری کردہ کابین نامہ مثل اقرار ای باللسان کردہ خطا کے ہے یا نہیں۔ اور رجسٹری سے اقرار خطا کا ثابت ہوتا ہے یا نہیں، اور رجسٹری کردہ خطا کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب؛ صورت مذکورہ میں دوسری عورت پر نکاح کرتے ہی تین طلاق واقع ہو گئی۔ اور اس سے ~~بلا اجازت~~ سب داخل زنا ہے الا انہا الوقت منہ باولاد بہذا النظمی ~~لا تكون~~ اولاد الزنا و مسلوبۃ النسب بل تعد ولد الحلال لكونہ وطیاً بشیۃ۔ اور شخص مذکور کے جملہ اعذار لغویں جب ناکح نے کابین نامہ خود خرید کر بھیجا اور لڑکی کے باپ کو اختیار دیا کہ جو چاہو لکھوالو،

لے اپنی زوجہ کو خطاب کرتا ہے۔ لے ای اقرار بالا۔

اور خود اجرت کتابت دی اور اس کو سن لیا اور شرائط و مضامین سے آگاہ ہو کر اس پر دستخط کر دے اور اس کو قلم و جہیز کرایا اور اب بھی اقرار ہے کہ یہ دستخط وغیرہ سب میرے ہیں تو یہ بمنزلہ قول باللسان کہے قال فی الشامیة ولو استکتب من آخر کتابا بطلانها وقرأه علی الزوج وخطمه وعنوانه وبعث به الیها فاتاها وقع (الطلاق) ان اقر الزوج انه کتابه اه (ص ۴۰۲ ج ۲) واللہ اعلم۔

۲۲ رجب ۱۳۳۳ھ

تمہ جواب ؛ اقول وبالله التوفیق ۔ صورت سؤلہ میں چونکہ کاہن نامہ قبل نکاح لکھا گیا ہے اس لئے اس میں چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ یوں لکھا ہو کہ اگر میں تجھ سے نکاح کر لوں پھر تیری یا تیرے ولی کی اجازت کے بغیر اور مہر وغیرہ ادا کئے بغیر کسی عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ، اس صورت میں تو جب عورت مخطوبہ سے نکاح کر کے کسی عورت سے اس کی یا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر گیا تو مشکوٰۃ ثانیہ پر طلاق پڑ جائے گی ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یوں لکھا جائے کہ جب تک تو میرے نکاح میں رہے پھر میں تیری یا تیرے ولی کی اجازت کے بغیر اور بدون مہر کل ادا کئے کسی سے نکاح کروں الخ اس صورت میں مشکوٰۃ ثانیہ پر طلاق واقع نہیں ہوگا قال فی العالمگیریة قال لاجنبیة مادمات فی نکاحی فکل امرأة اتزوجها فھی طالق ثم زوجها فتزوج علیها امرأة لا یقع ولو قال ان تزوجتک فمادمات فی نکاحی فکل امرأة اتزوجها علیها والمسألة بحالها یقع کذا فی الوجیز للکرمدری (ص ۱۰۱ ج ۲) قال سیدی حکیم الامتہ والفرق بینہما ان فی الاول علق طلاق الثانیة علی بقاء نکاح الاولی والبقاء لا یتصور بدون الحدوث فلا یصح تعلیق شیء علی بقاء النکاح اذا کان الخطاب مع الاجنبیة فیلغوا الکلام ولا یقع به علی الثانیة شیء۔ وفی المسئلة الثانیة علق الطلاق علی انشاء النکاح بالمخاطبة ویصح انشاء النکاح بكل اجنبیة فیصح التعلیق واذا تزوج علیها اخری طلقت اه پس صورت سؤلہ کا جواب دیا گیا ہے وہ اس بناء پر ہے کہ اس کاہن نامہ کی عبارت کاملہ سے تعلیق طلاق مشکوٰۃ ثانیہ

علی انشاء النکاح بالاولیٰ ہو اور اگر تعلیق انشاء النکاح بالاولیٰ پر نہیں ہے بلکہ اس کے نکاح کے بقا پر طلاق ثانیہ کو معلق کیا ہے تو وقوع طلاق نہ ہوگا چونکہ عبارت کا بن نامہ مختصر تھی اور وہ کسی ایک مراد میں نص نہ تھی اس لئے تردد ہو گیا آپ ان لوگوں کے محاورات و طرز کتابت سے واقف ہیں جس صورت میں داخل سمجھیں اس کا حکم لگائیں۔
۳۰ رجب ۱۴۳۳ھ

(سوال) (۱) زید نے اپنی لڑکی کی شادی عمرو سے کر دی (۲) عرصہ ڈیڑھ سال کا ہو گیا عمرو نے لے جانے سے انکار کر دیا (۳) اگر اس سے طلاق کے واسطے کہا گیا تو کچھ جواب نہیں دیا (۴) کچھ عرصہ کے بعد اس نے ایک خط لکھا جو کہ میرے پاس موجود ہے اور اس میں لکھتا ہے کہ ”یا تو ۸ یوم کے اندر میری بیوی کو روانہ کر دو ورنہ میری تمہاری رشتہ داری نہیں ہے، اور نہ مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت“ مکرر دو فقرے یہ لکھتا ہے کہ مجھ کو ضرورت نہیں چاہئے تم کچھ کرو میں بڑا نیک ہوں اور شادی کر لوں گا۔
(۵) بندہ بہت غریب آدمی ہے خود نان و نفقہ کو محتاج ہے تو کیا میں دوسرا نکاح لڑکی کا کر سکتا ہوں؟

(۶) مکرر فقرہ جو اس نے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ تمہاری لڑکی کی مجھ کو کچھ ضرورت نہیں ہے۔
الجواب؛ عمرو نے جو لکھا ہے کہ مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت نہیں ہے اس لفظ سے طلاق نہیں ہوئی کما فی فتاویٰ قاضی خاں (ص ۲۱۷ جلد ۲) ولو قال لا حاجة لی فیک ونوی الطلاق لا یقع اھ وہکن فی العالمگیریۃ ۳۹
عبد الکریم عفی عنہ۔
الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ۔

(سوال) اگر کوئی شخص پرچہ پر لکھے یا اور کسی شخص کو خطاب کر کے کہے کہ من ازامروز تا زندگی نزد تو تا بعد نکاح زوجہ ام سے طلاق خواہد شد
حکم طلاق بلفظ اگر گئے نزد تو کلام دروغ گویم
کلام دروغ نخواہم گفت۔ اگر گئے نزد تو کلام دروغ گویم تا بعد نکاح۔ زوجہ ام سے طلاق بائن خواہد شد بعد دو ماہ چنداں نکاح کنم۔ ہر زوجہ ام را اکنون طلاق بائنہ دادم بعد دو ماہ اگر وقتے نزد تو دروغ گویم۔ سچ یہی عبارت کہا اور لکھا اور کاتب و قائل

یہ کلام قبل نکاح و بعد نکاح بار بار ساتھ مخاطب مذکور کے جھوٹ بات کہا تو کیا زوجہ پر قائل و کاتب کی طلاق پڑگئی؟ اور اگر مطلقہ ہو جائے تو جتنے نکاح کرے گا تو سب عورت مطلقہ ہو جائے گی یا نہ اور اگر سب عورت مطلقہ ہو جائے تو کیا وہ شخص تمام عمر بے زن رہے گا یا واسطے قائم رہنے نکاح کے کوئی صورت ہو سکتا ہے اور اگر ہو سکے تو وہ صورت کیا از روئے مہربانی جواب سے مشکور و ممنون فرمادیں۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں قائل کے کلام میں دو جملے ہیں ایک ”اگر گئے نزد تو کلام دروغ گویم تا بعد نکاحم زوجہ ام سے طلاق بائن خواہد شد بعد دو ماہ“ یہ تو تعلیق ہی اس کا حکم یہ ہے کہ اگر قائل نے مخاطب سے کلام دروغ قبل از نکاح کر لیا اور پیچھے نکاح کیا اور نکاح کے بعد دروغ نہیں کہا تو منکوحہ پر طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر نکاح پہلے کیا اور کلام دروغ بعد میں کیا تو منکوحہ اولیٰ پر طلاق ثلث واقع ہو جائے گی بعد دو ماہ کے، اور اس کے بعد تعلیق ختم ہو جائے گی۔ دوسری بیوی پر دروغ سے طلاق واقع نہ ہوگی قال فی الشامیۃ قال کل امرأة اتزوجها ففی طالق ان کلمت فلا ینفککم ثم تزوج لا یقع الطلاق علیها وان کلم ثم تزوج ثم کلم طلقت المتزوجة بعد کلام الاول خانیہ (ص ۸۱۳ ج ۲) وفی الدما کلمات الشرطان، واذاه واذاما وکل، وکلمہ ومتی ومتی ما۔ وفیہا تنحل الیمین اذا وجد الشرط مرة الا فی کلمتا قلت ولفظ گئے فی الفارسیۃ بمعنی متی واللہ اعلم۔ اور جملہ ثانیہ میں تعلیق نہیں ہے بلکہ کنوں طلاق دایم انشاء حال پر دل ہے اس سے کسی منکوحہ بعد الکلام پر طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ نظر احمہ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان اگر تو اپنے باپ سے ملے گی یا اپنے باپ کے گھر جائیگی تو تجھ پر طلاق، اور عورت باپ کے مرنے کے بعد باپ کے گھر گئی تو طلاق نہیں ہوگی

شرع چراغ راہ دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ اگر تو اپنے باپ سے ملے گی یا اپنے باپ کے گھر جاوے گی تو تجھ پر طلاق ہے آپ مع کتب معتبرہ و عبارت عربی ارسال فرمادیں کہ آیا اس کا نکاح فاسد ہو گیا یا کہ نہیں جبکہ اپنے باپ کے گھر بعد اپنے باپ کے انتقال کے گئی، بنیوا و حبروا۔

الجواب؛ بظاہر شوہر کے ان الفاظ سے ”کہ اگر تو اپنے باپ کے گھر جاوے گی الخ

وہی مراد ہے جو پہلے جملہ سے مراد ہے یعنی باپ سے گھر جا کر ملنا اس لئے بعد انتقال مالک کے اگر یہ عورت اس کے گھر گئی تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر اس جملہ سے مستقلاً باپ کے گھر سے روکنا مراد ہے جب بھی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ گھر کو باپ کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور موت سے یہ اضافت منقطع ہوگئی قال فی الشامیة لومات مالک الدار (فیما اذا حلفت لا یدخل دار زید) فدخل لا یحنت لا ینتقلها للورثة ولو کان علیہ دین مستغرق قال محمد بن مسلمة یحنت وقال ابواللیث لا وعلیہ الفتوی لانہا وان لم یملکها الورثة وبقيت علی حکم ملک المیت ولكن لم تکن مملوكة له من کل وجه اه (ص ۱۲۸ ج ۳) واللہ اعلم

ربیع الاول ۱۴۲۲ھ

اگر تو چاند جیسی حسینہ نہیں تو تجھ پر تین طلاق (سوال) ایک شخص نے اپنی زوجہ کو کہا کہ اگر تو کہنے سے بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی چاند جیسی حسینہ نہیں تو تجھ پر تین طلاق ہیں اب ایک مولوی صاحب نے کہا ہے کہ اس پر طلاق نہیں واقع ہوئی کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ہم نے جنس انسان کو اچھی صورت میں پیدا کیا ہے، تو اگر عورت جیسی بھی قبیحۃ المنظر ہو وہ چاند سے خوبصورت ہے۔ اور ایک مولوی صاحب نے فرمایا ہے کہ طلاق واقع ہو جاتی ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے جعل الشمس ضیاء والقمس نوراً تو گویا قمر نورانی چیز ہے اور عورت چاند جیسی منورہ نہیں اس واسطے طلاق واقع ہوگئی۔ تحریر فرماؤ کہ کس کی دلیل قوی ہے؟

الجواب؛ الضوء والنور ما یفرق البصر الحسن والجمال ما یمیل بالقلب ویجلبہ الیہ عرفاً صورت مذکورہ میں ہمارے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ گو چاند کا عورت سے انور ہونا یقینی ہو مگر احسن ہونا یقینی نہیں کیونکہ احسن کا مدار صرف نور پر نہیں بلکہ اور بہت سی ادانوں کو بھی اس میں دخل ہے قال الشاعر
فیک من الشمس المنيرة ضوعها ؛ وليس لها منك التبسم والشعر
وقال آخره

خوبی ہمیں کرشمہ ناز و خرام نیست ؛ بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست
اس لئے چاند کا اس عورت سے احسن ہونا مشکوک ہو گیا و لا یقع الطلاق بالشک

قلت ثم ظفرت بجزئية صريحة في الباب ذكر العلامة المحدث
 ابوبكر بن العربي في احكام القرآن له في تفسير سورة التين وقد اخبرنا
 المبارك بن عبد الجبار الازدري اخبرنا القاضي ابوقاسم علي بن ابي علي لقا^{ضي}
 المحسن عن ابيه يومًا كان عيسى بن موسى الهاشمي يحب زوجه حبًا
 شديدًا فقال لها يومًا انت طالق ثلاثا ان لم تكوني احسن من القمر
 فنهضت واحتجبت عنه وقالت طلقتني ربات بليلة عظيمة ولما اصبح
 غدا الى دار المنصور فاخبره الخبر وقال يا امير المؤمنين ان تم علي
 طلاقها تصلفت نفسي غما وكان الموت احب الي من الحياة واظهر
 للمنصور حزنا عظيما فاستحضر الفقهاء واستفتاهم فقال جميع من حضر
 قد طلقت الرجل واحداً من اصحاب ابي حنيفة فانه كان ساكتا فقال له
 المنصور مالك لا تتكلم فقال له الرجل بسم الله الرحمن الرحيم
 والتين والزيتون وطور سينين وهذا البلد الامين لقد خلقنا
 الانسان في احسن تقويم يا امير المؤمنين الانسان احسن الاشياء ولا
 شيء احسن منه فقال المنصور لعيسى بن موسى الامر كما قال فاقبل علي
 زوجتك فارسل ابو جعفر المنصور الى زوجته ان اطيعي زوجك ولا تعصيه
 فما طلقك فهذا يدل على ان الانسان احسن خلق الله باطنا وهو
 احسن خلق الله ظاهرا لجمال هيئته وبديع تركيب الرأس بما فيه و
 الصدر بما جمعه والبطن بما حواه والفرج وما طواه واليدان وما
 بطشاه والرجلان وما احتملاه ولذلك قالت الفلاسفة انه العالم
 الا صغر اذكل ما في المخلوقات اجمع فيه هذا على الجملة وكيف
 على التفصيل يتناسب المحاسن فهو احسن من الشمس والقمر بالمعنيين
 جميعا (ص ۳۱۳ ج ۲) - ۲ / رمضان المبارك سنة ۴۲۵ هـ -

بطور وظیفہ صیغہ طلاق کہنے سے | ایک مولوی صاحب نے ایک جاہل کو تعلیم دی کہ تو کہا کر
 قضاۂ طلاق ہو جاتی ہے کہ یا امراؤنی انت طالق ثلاثا تو خدا تجھ کو بہت
 سامان دے گا اب وہ گھر بیٹھ کر یہ وظیفہ اپنی عورت کو سناتا رہا اور عورت بھی

خوب توجہ سے سنتی رہی آیا طلاق اس عورت پر واقع ہوگئی یا نہ جواب دلیل سے تحریر فرمائیے؟
الجواب؛ اس جاہل کی بیوی پر دینا نہ اس وظیفہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور قضاء واقع ہوگئی پس مرد کو تو اس عورت سے استمتاع جائز ہے لیکن عورت کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ مرد نے میرے پاس جو وظیفہ پڑھا تھا اس کے معنی طلاق کے ہیں تو اس کو اس مرد کے پاس رہنا جائز نہیں وہ اپنے کو مطلقہ ہی سمجھے اور اگر اسے یہ معلوم نہیں ہو تو اس کو بتلانا ضروری نہیں قال فی الشامیة قالت لزوجها اقرا علی اعتدی انت طالق ثلاثا ففعل طلقت ثلاثا فی القضاء لا فیما بینہ و بین اللہ اذالم یبذل الزوج ولم یعلم بمعناه ۱ھ (ص ۹۹۸ ج ۲) ۳۰ ریح الاول
حکم طلاق بازل | (سوال) زید کو دو زوجہ ہے ثانیہ کو طلاق دینے کے واسطے دو ایک بار لوگوں کو بلایا لیکن طلاق نہیں دی بعد چند روز ایک آدمی نے ان سے پوچھا کہ میں نے سنا کہ تم عورت ثانیہ کو چھوڑ دی زید بولا ہاں چھوڑی بعد اس کے پوچھا کتنے طلاق دی وہ بولا تین طلاق اس وقت دو مرد اور دو عورت نے اس اقرار کو سنا۔ اس وقت انہوں نے دوسرے شخص نے پوچھا کہ یکبارگی صاف کر دی زید بولا ہاں یکبارگی صاف گواہوں سے ایک آدمی کہا کہ تمہاری عورت مطلقہ ثلاثہ ہوگئی، زید بولا نہیں ایسا ہی طلاق سے ہرگز طلاق نہ ہوگی۔ زید جاہل ہے مسئلہ طلاق نہیں جانتا لیکن وہ بولتا ہے کہ میں حقیقت میں طلاق نہیں دی سائلوں کا جواب کہا۔ اور زید دعویٰ کذب اور ہزل کا کرتا ہے لیکن اس میں گواہ نہیں یعنی اقرار کذب کا اور ہزل کا گواہ نہیں۔ جیسا کہ کتب فقہ میں الا اذا شهد قبل ذلك لکھا ہی مگر اس قدر جو اوپر گذرا یعنی دو ایک دفعہ لوگوں کو طلاق دینے کے واسطے بلائیں طلاق نہیں دی لیکن انہوں کو خبر کذب کا گواہ نہیں بنائیں، اب وہ لوگ خبر کذب اور ہزل کا گواہ ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے اس حادثہ میں حکم تین طلاق قضاء کیا ہو نہ دینا نہ اور دلیل ان کی یہی شامی کتاب الطلاق لو اقربا لطلاق کاذباً الی قوله وقع قضاء چونکہ قبل مکمل ایسا گواہ نہیں بنایا کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں اقرار کذب اور ہزل کا کروں گا فی الواقع طلاق نہیں دوں گا۔ اگر کوئی ایک عورت قضاء تین طلاق ہو جائے تو اس عورت سے بدو تفریق کے اپنے شوہر کے ساتھ میاں بیوی جیسا برتاؤ کرنا جائز ہے؟ اس حادثہ میں دوسرے

مولوی صاحب دیانتہ اور قضاء عدم وقوع طلاق کا گویا اور بدوین تفریق کے زید کے ساتھ برتاؤ کا حکم دیا چونکہ عند اللہ طلاق نہیں اور دلیل ان کا یہ ہے درمختار مع رد المختار قولہ او ہازلا کی تفسیر میں علامہ شامی نے دلیل خانیہ اور تلویح سے استدلال کیا اور زید جو لوگوں کو طلاق دینے کے واسطے بلایا لیکن انہوں نے سامنے طلاق ندی اس کو منزلہ میں شہادۃ خبر کاذب اور ہزل کا گردانتا ہے اگرچہ زید ویسا نہیں کہتا۔ مولینا تھانوی صاحب نے ایک فتویٰ وقوع قضاء وعدم وقوع دیا منتہی تتمہ جلد ثانی کتاب الطلاق ص ۱۸ میں لکھا ہے وہاں بھی خانیہ اور تلویح کی عبارت سے دلیل پیش کی اس کی کیا توجیہ ہے؟ زید نے دوسری مجلس میں بھی مذکورہ گواہوں کے سوائے اور دو آدمی کے پاس اقرار بالاکیا پوچھا گیا کہ عورت کو چھوڑ دی؟ زید نے بولا ہاں چھوڑ دی کتنے طلاق دی؟ بولائیں طلاق اور بالکل صاف کر دیا۔ فقط۔

الجواب؛ فقہار نے تصریح کی ہر المرأة كالقاضي فلا يحل لها ان تمكنه اذا سعت منه ذلك او علمت به لانها لا تعلم الا الظاهر فتاویٰ حامدیہ (ص ۳۷۷ ج ۱) ومثله فی الشامیہ وغیرہا ایضاً پس بعض علماء نے جو یہ کہا ہے کہ اقرار کاذباً سے قضاء طلاق ہوتی ہے نہ کہ دیانتہ یہ تو صحیح ہے لیکن اس میں اتنی قید کی اور ضرورت ہے کہ اگر عورت نے زوج کے منہ سے الفاظ طلاق خود بخود لئے یا کسی عادل نے اس کو خبر دی ہو تو عورت کو تمکین زوج من نفسها جائز نہیں بلکہ اس پر لازم ہے کہ اپنے مطلقہ ثلاث مطلقہ ہی سمجھے اور دو ایک دفعہ لوگوں کو طلاق دینے کے لئے بلانا اشہاد نہیں ہے بلکہ اشہاد یہ ہے کہ ان سے یہ کہہ دیا جاتا کہ میں کاذباً ہازلا ایسا کہوں گا۔ اور یہ بھی اسی وقت ہے جبکہ زید اس اقرار میں اقرار کاذباً کا دعویٰ کرتا ہو اور اگر ہزل کا مدعی ہے پھر تو قضاء و دیانتہ وقوع طلاقات ثلاث ہو چکا اس صورت میں تو چاہے عورت کو علم نہ بھی ہو جب تک یہ شخص اس بیوی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا قال فی الدس او ہازلاً قال الشامی ای فیقع قضاء و دیانتہ کما یذکرہ الشارح و بہ صرح فی الخلاصۃ و کذا فی البزاریۃ (ص ۶۹۲ ج ۲) واللہ اعلم۔

نوٹ :- ہم نے امداد الفتاویٰ تہم جلد ثانی (ص ۱۰۱) کا مطالعہ کیا اس میں بھی یہی حکم ہے جو جواب ہذا میں مذکور ہے، فلیراجع بتدبر، فقط۔

۱۷ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ

سوال : احمد نے اپنی عورت کو ایک کاغذ کے اوپر اس طرح سے طلاق لکھی کہ میں ڈابھیل کا رہنے والا احمد اسماعیل گارڈی میں اپنی عورت مسماۃ مریم کو جو کہ میرے ساتھ رہتی نہیں ہے آج کے روز اپنی خوشی اور ہوشیاری و عقل سے میں اس کو فارغ خطی دیتا ہوں میں نے آج کے روز سے اس کو اپنے نکاح سے فارغ کر دیا ہوں میں نے اپنی راضی و خوشی سے طلاق دی ہے اس میں کسی کا کچھ چلے گا نہیں میں نے طلاق دیتے وقت پانچ آدمی کے روبرو فارغ خطی دی ہے یہ صحیح ہے دستخط احمد اسماعیل بقلم خود، شاہد اسماعیل ابراہیم بقلم خود، شاہد صالح محمد بقلم خود، شاہد صالح ابراہیم بقلم خود، شاہدہ ابراہیم کی عورت، شاہدہ خدیجہ شیل کی عورت۔ ان پانچ شاہدوں کا یہ اقرار ہے کہ بلا حیر احمد نے ایک کاغذ کے اوپر طلاق اس طرح سے لکھی اور زبانی بھی ہمارے روبرو میں مریم کو تین مرتبہ طلاق دی، اس واقعہ کے بعد تین چار اشخاص احمد کے پاس گئے اور اس سے اس کے متعلق پوچھا تو احمد نے اس بات کا اقرار کیا کہ میں مریم کو طلاق دے چکا ہوں یہ صحیح بات ہے اور کئی آدمی کو وہ کہتا رہا کہ میں طلاق دے چکا ہوں ابھی تک وہ اس طرح کہتا رہتا ہے یہ طلاق سب لوگوں میں مشہور ہو چکی اس کے بعد یہ واقعہ ہوا کہ احمد کا بھائی محمود اس کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا اور احمد کو دیوانہ ثابت کیا اور مریم کے ماموں کے پاس وکیل کی معرفت نوٹس بھیجا کہ یہ دیوانہ ہو گیا ہے اس نے طلاق نہیں دی ہے اور اگر دی ہے تو وہ دیوانہ ہے میں اس کا والی ہوں اس کا طلاق دینا صحیح نہیں، مریم کے ماموں نے یہ جواب دیا کہ طلاق ہو چکی ہے اور احمد دیوانہ نہیں ہے وہ تجارت کرتا ہے سنا بمبئی جاتا آتا ہے مال خریدتا ہے بیچتا ہے اس کے روپے وصول کرتا ہے روپے امانت رکھتا ہے وہاں سے لیتا دیتا ہے ڈاکخانہ میں اس کے نام سے اس کا بڑا بھائی روپے رجسٹری خط وغیرہ بھیجتا ہے وہ وصول کرتا ہے اور حساب کتاب سب اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے تنہا نو ساری سورت وغیرہ جاتا ہے وہاں سے بھی مال لاتا ہے اور خرید و فروخت کرتا ہے اس لئے یہ دیوانہ نہیں ہے صورت مسئلہ میں طلب امر یہ ہے کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں اور مریم اس کے نکاح سے نکل گئی یا نہیں بینوا تو جروا۔

(الجواب : اگر احمد واقع میں دیوانہ نہیں ہے تو ڈاکٹر کے ثابت کرنے سے کچھ نہیں

ہوتا اور دیوانہ وہ ہے جو بے سمجھی کی الٹی سیدی باتیں بکتا ہو اور مارتا اور گالیاں بکتا ہو اور اگر گالیاں نہ بکتا ہو نہ مارتا ہو مگر بے سمجھی کی الٹی سیدی سبکی ہوئی باتیں کرتا ہو تو وہ بھی ایک قسم کا جنون ہے پس اگر احمد عقل کی باتیں کرتا ہو جیسا کہ سوال میں خرید و فروخت وغیرہ درج ہو تو وہ مجنون نہیں اور طلاق واقع ہو گئی و نیز اگر اس کو بعد طلاق دینے کے جو مجنون ثابت کیا گیا ہے اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ طلاق دینے کے وقت بھی وہ مجنون تھا پس جب اس امر کے شاہد موجود ہیں کہ عقل و ہوشیاری سے طلاق دی گئی ہے تو بعد میں اگر واقعہ میں مجنون بھی ہو جاتا تو جو طلاق واقع ہو چکی ہو وہ کیسے باطل ہو سکتی ہو پس مریم اس کے نکاح سے نکل گئی اور بدون حلالہ کے اب اس کا نکاح احمد سے نہیں ہو سکتا قال الشامی تحت قول (الدرس) (والمعتوه) من العتہ وهو اختلال فی العقل هذا ذکرہ فی البحر تعریفاً للجنون وقال یدخل فیہ المعتوه واحسن الاقوال فی الفرق بینہما ان المعتوه هو قلیل الفہم المختلط الکلام الفاسد التذہیر لکن لا یضرب ولا یشتم بخلاف المجنون اھ

احقر عبدالکریم گمٹھلوی عفی عنہ۔ ۲۰ سوال ۴۳ھ۔

الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۰ سوال ۴۳ھ۔

طلاق اور رجعت کی ایک صورت کا حکم (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید نے ایک عورت مسماۃ ہندہ سے نکاح کیا اور قبل جانے مسماۃ مذکورہ کے اپنے سسرال کے مسمی مذکور الصدر نے اسے ایک طلاق رجعیہ دی، اب بوجہ ہونے ناشدنی باہم زوج اور زوجہ مذکورہ کے، مسماۃ مذکورہ قسم اٹھاتی ہو کہ مسمی مذکور نے ابتداءً نکاح سے لیکر اب تک میرے ساتھ ہرگز دخول اور غلوت نہیں کی ہو اور مسمی مذکور کہتا ہو کہ میں نے اپنی عورت مذکورہ سے دخول وغیرہ کیا ہے اور اپنے اس دعویٰ پر گواہ پیش کرتا ہو گواہوں کے نام منذ فہر بل ہیں رمضان ولد حاجی، قطب الدین ولد میر، نور حسن ولد حیات بخش، اللہ دتا ولد اللہ لوک، ان میں سے رمضان اور قطب الدین کا یہ بیان ہے کہ ہم نے زید اور ہندہ مذکورہ کو ایک مکان میں اکٹھا دیکھا ہو جو کہ ان کے پاس تیسرا شخص نہ تھا بلکہ اتنی بات تھی کہ غلہ گندم مسمی مذکور مکان کے سقف پر چڑھا رہا تھا اور باقیوں کا بیان ہے کہ مسمی مذکور کو اپنے سسرال کے یہاں شب و روز آتے جاتے دیکھا ہے۔ کیا یہ طلاق رجعی ہو سکتی ہے یا کہ نہیں اگر طلاق رجعی ہو

تو نکاح ان کا بر حال ہی یا کہ نہیں کیونکہ مسیٰ مذکور عدت ہی میں رجوع کر چکا ہو اگر یہ طلاق چھپہ نہیں تو تجدید نکاح کی ضرورت ہی یا کہ نہیں اگر عورت نکاح نہ کرے تو دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے یا کہ نہیں ؟ بینوا تو جروا ۔

الجواب : طلاق قبل الدخول (خواہ بعد خلوة صحیح ہو) بائنہ واقع ہوتی ہے اور جب زوجین میں دوبارہ دخول اختلاف ہو تو خلوت ثابت ہونے پر خاوند کا قول معتبر ہوتا ہے اور اگر خلوة کا ثبوت نہ ہو تو عورت کا قول معتبر ہوتا ہے ۔ اور واقعہ مذکورہ میں شب و روز سسرال میں آنے جانے کی شہادت شہادت علی الخلوة نہیں ہی باقی رہی شہادت قطب الدین اور رمضان کی سوا اس میں یہ دیکھنا چاہئے کہ جس مکان میں زید اور اس کی بیوی تھے اس کا دروازہ بند تھا یا کھلا ہوا اگر کھلا ہوا تب تو خلوت ثابت نہیں ہوتی اور اگر دروازہ بند تھا تو خلوت ثابت ہو جائے گی بشرطیکہ اس روز رمضان کا روزہ نہ ہو اور دونوں میں سے کوئی ایسا بیمار نہ ہو کہ صحبت نہ ہو سکے اور عورت حائضہ نہ ہو فی الدائم (ولو خلا بها ثم انكرا) اسی الوطاء (ثم طلقها لا) يملك الرجعة لان الشرع لم يكذب به ولو اقرب به وانكرته فله الرجعة ولو لم يخل بها فلا رجعة له لان الظاهر شاهد لها والواجبة وقول الشامي تحت (قوله لان الشرع لم يكذب به) لانه لا يملك الرجعة الا في عدة الدخول لا في عدة الخلوة الخ ص ۸۸ ج ۲ وفي العالملكيرية (ص ۲۲ ج ۲) وفي البيوت الثلاثة او الاربعة واحد بعد واحد اذا خلا بامرأته في البيت القصوى ان كانت الابواب مفتوحة من اراد ان يدخل عليهما يدخل من غير استئذان لا يصح الخلوة وكذا لو خلا بها في بيت من دار وليت باب مفتوح في الدار اذا اراد ان يدخل عليهما غيرهما من المحارم والاجانب يدخل لا يصح الخلوة كذا في فتاوى قاضى خاں وفيه ايضا والخلوة الصحيحة ان يجتمعا في مكان ليس هناك مانع يمنعه من الوطئ حسا او شرعا او طبعيا كذا في فتاوى قاضى خاں ۔ پس اگر خلوت ثابت ہو جائے تو زید کی رجعت صحیح ہو گئی جب کہ رجعت عدت میں تھی اور جب رجعت ہو چکی تو دوبارہ نکاح کی

ضرورت نہیں اور اگر خلوت ثابت نہ ہو تو طلاق بائن واقع ہوگئی عورت جس چاہے نکاح کرے
خواہ زید سے یا اور کسی سے۔ لواللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم مجتہد لوی عفی عنہ۔

۵ ردوی القعدہ ۳۳ھ۔

اور ثبوت رجعت محض شوہر کے قول اور گواہوں کے بیان سے بدون حاکم یا حکم مسلم
کے سامنے بیان کئے نہ ہوگا اور اگر گواہ حاکم یا حکم مسلم کے سامنے گواہی دیں کہ ہم نے دونوں
میاں بی بی کو باقاعدہ خلوت میں یکجا دیکھا ہے اور وہ گواہی قبول کر لے تب ثبوت رجعت ہوگا۔
فقط۔ الجواب صحیح۔ ظفر احمد عفا عنہ، ۵ ذیقعدہ ۳۳ھ۔

طلاق کے ساتھ لفظ انشاء اللہ | (سوال) صورت مرقومہ الذیل کا حکم تحریر فرما کر ممنون و مشکور
ماشاء اللہ کہنے کا حکم | منسراویں۔

کوئی شخص اپنے بھائی کی بیوی کے ساتھ کچھ گفتگو کر رہا تھا اتفاقاً کسی بات کی وجہ سے اس
عورت پر تاشاد ہو کر اپنے باپ سے انصاف چاہا اس وقت شخص مذکور کی ایک بہن بول اٹھی
کہ تم جس بات سے اپنے بھائی کی بیوی پر خفا ہو رہے تمہاری بیوی بھی تو اس طرح کی باتیں تمہیں
کہتی ہے دریغ نہیں کرتی ہے اس نے کہا میں تو نہیں جانتا اگر وہ واقع میں ایسا کہتی ہے تو تم ہی
اُسے دیکھ بھال کر لائی ہو پھر بہن نے کہا کہ تم بھی تو دیکھ کر لائے ہو اس وقت اس نے کہا کہ اگر تم کہتی
ہو کہ میں دیکھ بھال کر لایا ہوں تو ایک دوتین طلاق انشاء اللہ۔

پھر اُس نے اس واقعہ کو کسی منشی جی سے سنا تو وقت کہا کہ میں نے ایک دوتین طلاق
دیا ماشاء اللہ، بار دیگر اُسے پوچھنے سے کہتا ہے میں نے ایک دوتین طلاق دیا انشاء اللہ منشی جی
سے ماشاء اللہ کہنے پر جرح قدر کہتا ہوں کہ میں نے اس دفعہ ماشاء اللہ غلطی سے کہا ہوں ورنہ پہلے ہی
میں نے انشاء اللہ کہا ہے۔

باپ کی شہادت : باپ کہتا ہے کہ میں نے یہ سنا ”میں نے اس بیوی کو ایک دو
تین طلاق دیا“ باپ گھر کے اندر تھا اور مطلقہ آگن میں۔

بہن کی شہادت : وہ کہتی ہے کہ میں نے یہ سنا ”میں نے ایک دوتین طلاق دیا
ماشاء اللہ“ پھر اسے پوچھنے سے کہتی ہے کہ میں نے یہ سنا ”میں نے ایک دوتین طلاق دیا
انشاء اللہ“

اپنی بیوی کی شہادت : وہ کہتی ہے کہ میں نے سنا ”ایک دوتین طلاق دیا ماشاء اللہ۔“

اپنے بھائی کی بیوی کی شہادت : وہ کہتی ہے کہ میں نے سنا " میں نے ایک دو تین طلاق دیا ، فقط ۔

الجواب : چونکہ انشاء اللہ اور ماشاء اللہ کہنے کا ایک ہی حکم ہے اس لئے ہر حال میں طلاق واقع نہیں ہوئی چاہے اس نے انشاء اللہ کہا ہو چاہے ماشاء اللہ فی الدس المختار ومثل ان الاوان لم اذا وما دلمیشا وفي الشامی تحت (قوله وما) ای ما شاء الله تعالى فلا يقع (ص ۸۴۱ ج ۲) وفي العالمگیریة (ص ۱۸۷) لو قال انت طالق ما شاء الله كان وكذا لو قال انت طالق الا ما شاء الله لا يقع شیء کذا فی فتاوی قاضیخان ۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ ، ۹ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ۔
الجواب صحیح ظفر احمد ، ۹ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ۔

مجھ کو ضرورت نہیں ، یا طلاق ہی | (سوال) التماس ہے کہ ایک شخص اپنے بیوی بچے کو چھوڑ کر سی ہو ، سے طلاق کا حکم ایک غیر مذہب کی عورت لے کر فرار ہو گیا تھا اس کی عورت نے کئی سال تک اس کا انتظار کیا مگر وہ واپس آیا نہ کوئی خبر بھی محبوس رہا اپنے ایک برادری کے شخص کے یہاں ایک دوسرے گاؤں میں آکر رہنے لگی بعد کو اس کا خاوند معہ فرار شدہ عورت کے اپنے مکان پر آگیا اس نے اپنی بیوی بچے کی پروا نہ کی اب اس عورت نے اپنے خاوند کے پاس دو شخص ایک اپنی برادری کا دوسرا مسلم جاٹ بھیجے اور ان دونوں سے اس عورت نے کہہ دیا کہ میری طرف سے میرے خاوند کو کہہ دینا کہ مجھ کو آکر لے جاؤ اگر وہ کسی وجہ میرا لیجانا پسند نہ کرے کیونکہ اس کے پاس عورت موجود ہے تو میری طرف سے حکم شرع لے لینا یعنی طلاق کا سوال کر دینا اور جواب لینا لہذا یہ ہر دو شخص اس کے پاس گئے اور اس شخص سے عورت کی طرف سے اول سوال لیجانے کا کیا اس پر وہ جواب دیتا ہے مجھ کو ضرورت نہیں ، تب بعد کو سوال دوسرا یعنی طلاق کا کیا گیا تو جواب دیتا ہے کہ طلاق ہی سی ہو مگر کہا گیا تو پھر کہتا ہے مدت سے طلاق ہی سی ہو ۔ اب عرض ہے کہ یہ لفظ عورت پر طلاق پڑنے والے ہوئے یا نہیں برائے کرم مفصل حکم سے جلد مطلع فرمائیں ، عین عنایت ہوگی زیادہ حرا د ب ، فقط ۔

الجواب : صورت مسئلہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی ونظیرہ فی العالمگیریة

ص ۲۷۲ ج ۲ ولو قال لها بعد ما طلبت منه الطلاق گفته گیر لا يقع وان نوی کذا فی الخلاصہ واللہ اعلم ۔ کتبہ عبدالکریم عفی عنہ ۔
الجواب صحیح ، ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۔ ۹ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ۔

مسئلہ طلاق

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان (شرع) متین نیچے لکھے ہوئے مسئلہ میں کہ زید کی دو بی بیاں ہیں ان دونوں نے آپس میں جھگڑا کیا زید کے نسبتی بھائی (یعنی بی بی کلثوم کے بھائی نے) اگر زید سے پوچھا کہ ترے گھر میں ہمیشہ اسی طرح کیوں جھگڑا ہوتا ہے پس زید بولا کہ تری بہن کو (کلثوم کو) لیجاؤ کہ میں نے اس کو رخصت دی ہوں کہ تین مہینہ ہوئے بعد اس کی نسبتی بھائی نے ثالث کو جمع کیا پس ثالث نے زید سے پوچھا کہ تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو؟ زید نے جواب دیا جو بولا سو بولا پس ابھی میں نے بی بی مذکورہ (یعنی کلثوم کو طلاق بائن دی پس بعد اس کی زید وہاں سے اٹھ کر تھوڑا دور جا کر غضبناک ہو کر مارنے لگا اور کہا بی بی مذکورہ کو کہ تم گھر سے باہر ہو اور زیورات رکھ کر چلے جاؤ اس کے بعد بی بی مذکورہ اپنے بھائی کے ساتھ چلی گئی۔ غرض یہ ہو کہ جناب بی بی مذکورہ پر تین طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور اس شوہر نے بی بی مذکورہ کو رکھ سکتا ہے یا نہیں اگر رکھ سکتا ہے تو کس طرح؟ مینو آجروا۔

(الجواب) صورت مسئلہ میں کلثوم پر دو طلاق قبلانیت واقع ہو گئیں ایک تو میں نے اس کو رخصت دی ہوں کہنے سے کیونکہ حالت غضب میں اس لفظ سے بدون نیت طلاق پڑ جاتی ہے فی تنویر الابصار ونحو اعتدی الی ساحتک فارقتک لا یحتمل السب والرد فی حالة الغضب تتوقف الاقسام علی نیتہ فی الغضب الاولان وقال الشامی تحت (قوله الاولان) ای ما یصلح ردًا وجوابًا وما یصلح سبًا وجوابًا ولا یتوقف ما یتعین للجواب (۶۳ ج ۲) قلت فی اللغة الهندیة رخصت دی مثل ساحتک اور دوسری طلاق صریح دی ہے اور تیسری طلاق گھر باہر ہونے سے واقع ہونے کے لئے نیت کی ضرورت ہو بدون نیت حالت غضب و مذاکرات طلاق میں بھی اس لفظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی کما فی تنویر الابصار ایضاً فتقوا خرجی واذہبی وقومی یحتمل ردًا وقال الشامی ای ویصلح جوابًا ص ۶۱ ج ۲ ومرو توقف هذا القسم علی النية فی حالة الغضب وفيه ایضاً (ص ۶۵ ج ۲) وفي مذكرة الطلاق يتوقف الاول وفي الشامی ای ما یصلح للسب والجواب پس اگر زید نیت طلاق سے انکار کرتا ہے اور وہ حاکم اسلام یا عورت کے سامنے قسم کھا جاوے کہ میں نے اس لفظ سے طلاق کی نیت نہیں کی تو تیسری طلاق واقع نہیں ہوئی اور زید و کلثوم کا نکاح ہو سکتا ہے اور اگر زید نے لفظ مذکور سے طلاق کی نیت کی تھی تو تین طلاق واقع ہو گئیں اور زید و کلثوم کا نکاح جائز نہیں فی الدس

القول له في عدم النية وكفى تحليفها له في منزله فان ابى رفعته للحاكم فان
نكل فرق بينهما مجتبی (شامی ص ۶۲۷ ج ۲) . احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۵ ربيع الاول
الجواب صحیح، نظر احمد رضا اللہ عنہ، ۱۶ ربيع الاول ۱۳۲۷ھ۔

طلاق اور مطلقہ وغیرہ الفاظ سے بیوی کو مخاطب (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید
کرنے سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں

میں بطور تنبیہ اور اظہار نفرت و بیزاری کے طلاق مطلقہ، طلاق پانے کے قابل۔ وغیرہم کلمات کہہ دیئے
اگرچہ زید نے ایسے کلمات ناراضگی میں منہ سے نکالے لیکن ہندہ کو کبھی اس قسم کا خیال بھی نہیں گذرا۔
وہ محض معمولی خانگی جھگڑوں پر محمول کرتی رہی اور نہ یہ کلمے کسی تیسرے شخص کی موجودگی اور مواجہ
میں کہے گئے غرض بجز زید کے کسی کے وہم و گمان میں بھی طلاق کا مذکور نہیں۔ اب زید ان کلمات
کے منہ سے نکال دینے کی وجہ سے چند روز سے اپنی زوجہ ہندہ کو مشکوک نظر سے دیکھتا ہے اور
متردد ہے کہ کہیں ہندہ پر طلاق تو نہیں پڑ گئی، ہندہ کی گود میں زید کا شیر خوار بچہ بھی ہوا اور فریقین
کردنی ناکردنی پر تو یہ استغفار کر کے رجوع کرنے پر مائل ہیں نیز زید کی خانہ آبادی بھی ہندہ کے دم
سے منظور ہو اب مستفسر ہو کہ شرعاً ایسی لغویات کی کیا اصل ہو اور اب رجوع و انابت کے لئے کیا
حکم ہے؟

الجواب؛ قال فی الدر ولوقال لها کونی طالقاً..... او یا مطلقۃ
وقع (ای من غیر نیت لانہ صریح ۱۲ شامی وفیہ ایضاً عن التاترخانیۃ عن المحيط قال
انت طالق ثم قال یا مطلقۃ لا تقع اخری ۱۵ ص ۴۱۳ ج ۲)

صورت مسئلہ میں یہ لفظ تو موجب طلاق نہیں کہ ”طلاق پانے کے قابل“ البتہ طلاق اور
مطلقہ کہہ کر پکارنے سے زوجہ پر ایک طلاق رجعی واقع ہو چکی ہو اگر اس واقعہ کو زیادہ عرصہ نہیں
گذرا اور عدت پوری نہیں ہوئی تو زبان سے بیوی کو اتنا کہہ دیا جائے کہ میں نے رجعت کر لی اور
عدت پوری ہو چکی ہے تو نکاح دوبارہ کر سکتا ہے بشرطیکہ عورت بھی تجدید نکاح پر راضی ہو ورنہ وہ
جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے اور آئندہ ایسی لغویات سے احتراز کرنا لازم ہے قلت ولا یقع
الثانیۃ ولا الثالثۃ بقوله یا مطلقۃ لانها اتصفت بها بالاول فیکون حکایۃ
له۔ واللہ اعلم۔

۲۴ ربيع الاول ۱۳۲۶ھ۔

لوگوں کی ڈاڑھیاں مونڈتے ہیں غرض پابند شریعت نہیں ہیں۔

الجواب : صورت مسئلہ میں اگر زید کی بیوی اس مجلس میں موجود تھی جبکہ زید نے جادی، جادی کہا تھا اور زوجہ زید کہتی ہے کہ اُس نے تین بار یا اس سے زائد یہ لفظ کہا ہے تو اس عورت کو زید کے پاس رہنا جائز نہیں وہ اس سے علیحدہ ہو جاوے اس پر بوجہ اس کے اقرار طلاقات ثلاث کے زید کے پاس رہنا جائز نہیں اور زید اگر تین طلاق کا منکر ہے تو اس کو اس عورت کا اپنے پاس رکھنا جائز ہے گو عورت کو اس کے پاس رہنا جائز نہیں اب اس اختلاف کا ارتفاع مفتی کے فتوے سے نہیں ہو سکتا مفتی اس صورت میں مرد و عورت کو الگ الگ فتویٰ دے گا اس کے ارتفاع کی صورت یہ ہے کہ زوجین کسی حاکم مسلم یا حکم عالم کے پاس مرافعہ کریں وہ تحقیق بقاعدہ شرعیہ کر کے اس واقعہ کا جو فیصلہ کر دے اس پر زوجین کو عمل جائز ہوگا اور اگر زوجہ زید خود اس مجلس نزاع و طلاق میں موجود نہ تھی بلکہ صرف شہود کے بیان سے اس کو علم ہوا ہے تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

۱۱۔ جادی الاولیٰ ۱۳۴۶ھ۔

اس تحریر کے بعد احقر کی رائے بدل گئی اور یہ سمجھ میں آیا کہ اگر صورت مسئلہ میں زید نے طلاق کا لفظ زبان سے نہیں کہا بلکہ صرف جادی جادی مکرر کہا اور عورت کہتی ہے کہ زید نے لفظ جادی تین بار یا زائد کہا ہے اور وہ بھی طلاق کا لفظ مستتابیان نہیں کرتی تو صرف لفظ جادی کے تین بار یا زائد کہنے سے تین طلاق بدون نیت زید کے واقع نہیں ہو سکتیں اور زید کی نیت تین طلاق کی نہ تھی جیسا کہ سوال سے معلوم ہوا اس لئے اس کی زوجہ پر تین طلاق واقع نہیں ہوئیں اور اگر عورت تین مرتبہ اس لفظ کے سننے کی مدعی ہے کہ جاد طلاق دی تو اس صورت میں اس اختلاف کو حاکم یا حکم مرتفع کرے گا وجہ ذلک انا اذقنا الطلاق بلفظ جادی لكونه في معنى نعم وقد رأيت في الخلاصة سئل محمد عن رجل قيل له أطلقت امرأتك ثلاثاً فقال نعم قال القياس ان يقع الثلاث ولكن استحسن واجعلها واحدة اه (ص ۸۵ ج ۲) وفي الخلاصة ايضا وفي ايمان مجموع النوازل سئل نجم الدين عن امرأة قالت لزوجها مرا طلاق كن مرا طلاق كن فقال

عه قلت وهو نظير قوله نعم ادبلي في جواب من سئل اطلقت امرأتك وقد صرح

في الدر والشامية بوقوع الطلاق بهما بلانية (ص ۲۲) فجعله كالصريح لكون السؤال فيه معادراً والله اعلم

الزوج کرم کرم کرم قال تطلق ثلاث وکذا اجاب السيد الامام اشرف بن محمد بن شجاع قال الشيخ الامام عمر بن ابی بکر تطلق واحدة اه (ص ۳۲) قلت ووجه الاول حمل التکرار فی قوله کرم فی جواب التکرار فی قولها مراطلاق کن وهو الظاهر فان کل فرد منه انشاء وحمله الشيخ عمر علی التاکید لکونه محتملاً ایضاً والتاکید فی لفظ الطلاق انما لایجعل واحدة قضاءً للاجماع ولا اجماع فی تکرار مثل قوله کرم بدون لفظ الطلاق فیتوقف کونها ثلاثاً علی نية القائل ولا یقع فوق الواحدة بدون النية هذا ما ظهر لی قلت وهذا الاختلاف انما هو فیما اذا کسرت المرأة قولها مراطلاق کن ثلاثاً واما اذا لم تکررها وقالت مرةً مراطلاق کن وکسر الزوج قوله کرم فی جوابها فالظاهر انه لا یقع الثلاث بدون النية عندهم جميعاً لعدم ما يدل علی کونه انشاء براسه وفي الصورة المستولة لم یثبت تکرار قول المرأة ولم یکن الزوج بتکرار قوله جادی الثلاث فلا یقع الا واحدة او ثنتان حسب ما نوى واللہ اعلم - ۱۴ جمادی الاولی ۱۳۶۷ھ

مکرراً آنکه ان دونوں جوابوں کو احقر نے حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کیا فرمایا کہ جواب اول تو قواعد عامہ کے موافق ہے اور جواب ثانی میں جو جزئیات نقل کی گئی ہیں ان کا مبنی صحیح سمجھ میں نہیں آیا اور جو مبنی ظاہر کیا گیا ہے وہ کچھ جی کو نہیں لگا (اور احقر کاتب بھی اس مبنی کی صحت میں متردد ہے) لیکن چونکہ یہ جزئیات جواب اول کے ظاہراً منافی ہیں اس لئے اس جواب سابق میں بھی تردد ہے اور ثانی میں بھی تردد ہے بوجہ دلیل جزئیات مفہوم نہ ہونے کے، دوسرا سبب تردد یہ بھی ہے کہ ہر زبان کے محاورات جدا ہوتے ہیں ان میں توافق ضرور نہیں اس لئے دونوں جوابوں کو قلم زد کر دیا گیا ہے کسی اور محقق عالم سے استفتا کر لیا جائے اور یہ سب روایات اس کے سامنے پیش کر دی جائیں اللہ اعلم۔

۱۵ جمادی الاولی ۱۳۶۷ھ

ان الفاظ سے طلاق کا حکم کہہ جائے چلے | (سوال) جناب مولانا صاحب گذارش خدمت اقدس
جانے ہی کو تین طلاق سمجھا جائے گا؛ ہے کہ کسی نے اپنی لڑکی کو گھر میں خانہ داماد رکھ کر شادی کی تھی

لیکن بعد عقد نکاح کے اس داماد کو مریبان محلہ داران نے یہ شرط سنائی کہ اگر تم اس بی بی سے یا بیوی کے گھر والوں سے کسی سے جھگڑا فساد کر کے تین ماہ دس دن اور کہیں چلے جاؤ گے تو اس بیوی کا اپنی زوجیت میں کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے ہو یعنی جب تین مہینہ دس دن گزر جائیں گے تو وہ بیوی اپنی خوشی سے دوسرا خاوند قبول کر سکتی ہے اس میں تمہارا کوئی عذر نہ ہوگا تمہارے چلے جانے ہی کو تین طلاق سمجھا جائے گا اس نے کہا ہاں میں نے قبول کیا اب وہ خانہ داماد بعد عرصہ چار سال کے اپنی ساس سے جھگڑا کر کے دوسری جگہ میں چلا گیا سال بھر تک اسی حالت جدائی میں رہا اب جو مریبان محلہ داران بیوی سے اور اس کی ماں سے پوچھتے ہیں تو وہ کہتی ہیں کہ اگر شریعت اجازت دے تو پھر میں اپنے داماد کو گھر میں بلالوں گی یا انہیں کے ساتھ اپنی لڑکی دے دوں گی لیکن اس کے قبل دو تین مہینہ کے انہیں مریبان نے انہوں سے دریافت کیا اس وقت دونوں ماں بیٹی نے ناراضی ظاہر کی اور ماں نے کہا میں اپنی بیٹی کو ہرگز نہیں دوں گی۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ داماد پر کسی صورت وہ راضی ہو گئی ہیں آیا اس رضامندی سے ان کا نکاح باقی رہا یا جاتا رہا؟ موافق کتاب اللہ و سنت رسول اس کے جواب عنایت کیجئے۔

الجواب : اگر صورت واقعہ یہ ہے جو سوال میں درج ہے اور مریبان محلہ داران کے الفاظ یہی تھے جو مذکور ہوئے تو شوہر کے اس کہنے سے کہ ہاں میں نے قبول کیا یہ کلام تعلیق طلاق یا تعلیق تفویض کو موجب نہیں اور شوہر کے چلے جانے سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔ لان قول القائل اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے لیس من الفاظ الطلاق و کذا قولہ تو وہ بیوی اپنی خوشی سے دوسرا خاوند قبول کر سکتی ہے۔ و اما قولہ تمہارے چلے جانے ہی کو تین طلاق سمجھا جاوے گا فقد جعل فیہ غیر الطلاق طلاقاً و هو لغو و فیہ ایضاً من لفظ المضارع المفید للاستقبال المحتمل للوعد فلا یکون قبولہ طلاقاً ولا تعلیقاً سئل شیخ الاسلام عن ضرب امرأته و قال دار طلاق قال لا تطلق، شیخ الاسلام یقول سمی الضرب طلاقاً فی بطل اہم عالمگیریہ ج ۲ ص ۷۳، قلت و فی الصورة المسئلة جعل الغیابة طلاقاً صراحةً ولم یتکلم احد بما یفید تعلیق الطلاق اصلاً، واللہ اعلم۔ ظفر احمد۔

۷۱ ارجمادی الاخری س ۳۶۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین
 اندر اس مسئلہ کہ زوجہ منکوحہ جناب علی منشی مسماۃ
 ایم النساء بی بی بنت فرمان ملا برض در شکم احیا ناچار پانچ روز مبتلا رہتی ہے اور اس کی بجز
 ایک لڑکی کے اور کوئی اولاد بھی نہیں۔

ازیں جہت دوسرا نکاح کرنے کے ارادہ سے ایک دولہن اپنے مکان میں لایا بعد ازاں بقصد
 عقد بست مجلس میں بیٹھ گیا تو اقربا و اولیاء مخطوبہ میں محسن الدین سردار دفعۃً از دست خود ایک
 کاغذ جناب علی کے سامنے رکھ دیا اور بہ تحدید شدت مکرر سر کر یہ کہتے رہے کہ تم اپنی اگلی بی بی
 کو طلاق نامہ لکھ دو تو ہم دوسری دولہن سے تمہارا عقد کر دیں گے۔ تب جناب علی چند منٹ
 سکوت ہو کر شش و پنج میں رہا آخر الامروج بچا سے کچھ کام نہ چلا پھر اپنی پہلی ایم النساء کے نام
 کو قصداً بدل کر امر جان بی بی بنت فرمان ملا کو اس نے تین طلاق دیا اس مضمون کو لکھ دیا،
 لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا اس تحریر تسمیہ تبدیل و عدم نیت سے طلاق واقع ہو گئی یا نہیں؟
 بینوا بحوالہ دلیل تو جروا عند اللہ الجزیل۔

الجواب؛ اگر جناب علی کی نیت طلاق کی نہ تھی اور اس نے اپنی بی بی کا نام اسی ارادہ
 سے بدلا ہے کہ بی بی پر طلاق واقع نہ ہو تو اس کی زوجہ ایم النساء پر طلاق واقع نہیں ہوئی
 قال فی العالمگیریۃ ولو قال امرأۃ عمرة بنت صبیح طالق وامرأۃ عمرة بنت حفص
 ولا نية له لا تطلق امرأته وكذا اذا سى بغیر اسمها ولا نية له فی طلاق
 امرأته فان نوى طلاق امرأته فی هذه الوجوه طلقت امرأته كذا فی
 الذخيرة اہم ملخصاً (ج ۲ ص ۵۸) اور اگر صورت سوال میں اکراہ بمعنی اکراہ شرعی متحقق ہو
 تو یہ ایک دوسری وجہ عدم وقوع طلاق کی ہو جائے گی کیونکہ کتابت طلاق بالاکراہ موجب
 طلاق نہیں صرح یہ فی الدر والشامیۃ فی فصل الطلاق بالکتابۃ، والدلہ اعلیٰ۔
 ۷، رمضان ۱۳۶۲ھ

حکم طلاق بلفظ طلاق ہی سمجھو | (سوال) مخدوم گرامی اعلیٰ حضرت قبلہ و کعبہ ام عالیجناب
 مولانا صاحب مدظلہ العالی !

السلام علیکم معاملہ نکاح لڑکی مسماۃ جمیلہ خاتون کے متعلق حسب الارشاد جملہ صاحبان
 کے بیانات تحریری علیہ علیہ لکھو اگر حضور انور میں پیش کرنا چاہتا ہوں، فقط والسلام۔

نوٹ :- یہ چھ عدد تحریرات تھیں۔ عا میں زوج کا کوئی لفظ موجب طلاق نہیں صرف ایک لفظ مذکور ہے کہ میں نے طے کر لیا ہے کہ میں علیحدگی کر دوں (جو مضامین کا صیغہ ہی تحریر دوم میں یہ لفظ بھی نہیں بلکہ صرف اس قدر ہے کہ زوج نے اول یہ کہا کہ فلاں فلاں صاحب میرے ساتھ مظفر نگر چلیں میں وہاں اس معاملہ کا تصفیہ کر دوں گا پھر اُس سے کہا گیا کہ وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے جب تم تصفیہ کے لئے تیار ہو تو ابھی کر دو اس کے جواب میں زوج نے کہا کہ میں اپنے والدین سے مشورہ کے بعد بتلاؤں گا۔

بقیہ تحریرات میں جو الفاظ تھے ان کو جواب اول میں نقل کیا گیا ہے اور انہی سے بحث کی گئی ہے ۱۲ ففر

الجواب الاول ؛ ان تحریرات میں تحریر سوم و چہارم و ششم میں یہ لفظ مذکور ہے کہ محمود نے کہا ”اب بھی جواب دینے کو تیار ہوں میری طرف سے جواب ہی سمجھیں“ اس کے بعد کسی میں یہ ہے کہ ذرا میں چرتھا دل ہو آؤں وہاں سے اگر تصفیہ کر دوں گا“ کسی میں یہ ہے کہ مجھ کو دعویٰ مہر کا کھٹکا ہے اس لئے مظفر نگر چل کر تم معافی نامہ مہر لکھ دو پھر میں طلاق نامہ لکھ دوں گا۔ بہر حال لفظ جواب سمجھیں طلاق کا صریح لفظ نہیں بلکہ کنایہ ہے اور کنایہ بھی ایسا جو مذکورہ طلاق میں بھی محتاج نیت ہے بوجہ لفظ سمجھیں بڑھانے کے جو ترجمہ گیر وانکار کا ہے جس میں فقہاء نے نیت کی ضرورت کی تصریح کی ہے۔

عالمگیری میں ہے امرأة قالت لزوجها اطلاق ده فقال الزوج داده گیر او کرده گیران نوی یقع ویكون رجعیاً وان لم یسئل یقع ولو قال داده انکار او کرده انکار لا یقع وان نوی (ج ۲ ص ۷۲) قلت وهذا يدل على الفرق بين گیر وانکار فی عرفهم وليس ذلك في بلادنا بل ترجمة كل واحد منهما عندنا واحدة۔ وهذا كما ترى قد صرحوا فيه بالوقوع بالنية مع كون التكلم به بعد مذكرة الطلاق۔ اور تحریر پنجم میں یہ لفظ ہے کہ محمود نے یوں کہا کہ ”میں تو رات بھی طلاق کی بابت کہتا تھا میں تو رات بھی طیار تھا اور اس وقت بھی طیار ہوں جیسا زبان سے کہ دیا ویسے دے دی، اب تو کاغذ وغیرہ لکھنا باقی ہے وہ بھی لکھ دوں گا“

یہ بھی طلاق دینے میں صریح نہیں کیونکہ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جیسا زبان سے کہ دیا کہ میں طیار ہوں ویسا ہی یہ کہنا ہے کہ طلاق دے دی اور اس سے بھی طلاق کا وقوع نہیں

ہو سکتا۔ بہر حال صورت مسئلہ میں جب تک شوہر یہ نہ کہے کہ میں نے یہ الفاظ (جن سے اس وقت جواب میں بحث کی گئی ہے) طلاق کی نیت سے کہے تھے اُس وقت تک طلاق نہیں واقع ہوئی، فقط۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۳ ربيع الاول ۱۴۲۷ھ

الجواب الثاني

من بعض علماء دیوبند

اللهم انت الموفق للصواب

مجھ سے کہا گیا ہے کہ بعض اکابر نے امر کیا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق تو اپنا خیال ظاہر کر۔ اس لئے میں اظہار خیال پر مجبور ہوں اور چونکہ میرا منصب فتویٰ نویسی نہیں ہے اور مفتی کیلئے جس وسعت نظر کی ضرورت ہے میں اس کے بعید تر مقام پر بھی نہیں رکھا جاسکتا ہوں، اس لئے اگر اس میں غلطی ہو تو مستبعد نہیں اور اگر صحیح ہو تو اس کو آمرہ وظلم کی کرامت خیال فرمایا جاوے۔ اس گزارش کا منشا فقط یہ ہے کہ میری یہ تحریر چند پریشان خیالوں کا مجموعہ ہے اگر اکابر امت اس کی تصدیق کریں تو قابل عمل ہے ورنہ ردی کا غلہ سے زیادہ اس کی وقعت نہیں۔ میں ان تمام کاغذات منسلکہ کو دیکھنے کے بعد سمجھتا ہوں کہ صورت زیر بحث میں طلاق بائنہ واقع ہو گئی ہے کیونکہ حسب بیان مستفتی زوجہ غیر مدخول بہا ہے۔ اس خیال کی بنیاد امور ذیل ہیں :

۱۔ اگر اس تدقیق میں وقت صرف نہ کیا جاوے کہ ”دادہ گیر“ اور ”جواب ہی سمجھیں“ میں ترجمہ فرق ہے تاہم جب یہ مان لیا گیا کہ اس قسم کے الفاظ کنایات طلاق میں سے ہیں تو پھر طلاق نہونا دشوار ہے کیونکہ وہ صریح سے صریح الفاظ اظہار نیت کے لئے بول رہا ہے کہتا ہے کہ پہلے بھی طیار تھا اب بھی طیار ہوں پھر اگر ان الفاظ سے نیت طلاق کا پتہ نہیں چلتا ہے تو اور کس طرح چلے گا۔ ہمارے پاس قائل کے الفاظ ہی ایسی چیز ہیں جن سے ہم اس کے ارادہ اور نیت کا پتہ چلا سکتے ہیں اور اگر ایک شخص کے الفاظ ہی اس کی نیت کو نہیں بتلا سکتے ہیں تو اگر کوئی شخص بصراحت بھی کہے کہ میری نیت یہ تھی قابل اعتبار نہ ہونا چاہئے۔ اس سے بھی قطع نظر نہ ہونا چاہئے کہ قتل عمد میں صرف آلہ جارحہ کے استعمال کو نیت قتل کے اظہار کا قطعی ذریعہ مان لیا گیا ہے۔ اگر قائل بالآلات الجارحہ قسمیں کھا کر نیت قتل کا انکار کرے تو معتبر نہیں ہوتا تو جب قصاص ایسی مہتم بالشان چیز میں ایک قوی قرینہ کو اس قدر درجہ

ہے دیا گیا کہ نیت کا انکار معتبر نہیں تو اگر کسی شخص کے الفاظ اس کی نیت کو ظاہر کریں تو نیت پر جزم کرنا امر مستبعد نہیں۔ پس اگر باوجود مذاکرۃ طلاق کے ان الفاظ میں نیت طلاق شرط بھی ہو تب بھی نیت طلاق موجود ہے ملاحظہ ہو کاغذ ۲، ۳، ۴، ۵، ۶۔

۲ تحریر ۵ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ زوج نے کہا کہ ”جیسا زبان سے کہہ دیا ویسے بدی اب تو کاغذ وغیرہ لکھنا باقی ہے“ اس سے صاف ظاہر ہے کہ زوج کے نزدیک تعلقات زوجیت کے انقطاع کے تمام مراحل طے ہو گئے صرف کاغذ پر لکھنا باقی ہے اور ظاہر ہے کہ طلاق لسان سے ہے نہ کتابت سے پس طلاق واقع ہو گئی۔

۳ میرا خیال ہے کہ زوج کے یہ الفاظ کنایہ کی اس قسم میں داخل ہیں جن کو ”صالح للجواب عن سوال المرأة طلاقها فقط“ میں داخل کیا جاسکتا ہے ان میں رد وغیرہ کا احتمال میری فہم سے بالا ہے اور اس قسم کے الفاظ کا حکم فتاویٰ القرویہ میں اس طرح ہے فی حال الرضا لا يقع الطلاق بشئ منها والقول له مع يمينه وفي حال لمذاكرة الطلاق يقع بالصالح للجواب والرد بالنية ويقع الطلاق بالصالح للجواب فقط والصالح للجواب والشم بدون النية وفي حال الغضب يقع بالصالح للجواب فقط بلانية ويقع بالصالح للجواب والرد والصالح للجواب والشم بالنية۔ اسی کے حاشیہ پر ملتقی البحر سے نقل کیا ہے فلوانكر النية صدق مطلقا حالة الرضا ولا يصدق قضاء عند مذاكرة الطلاق فيما يصلح للجواب دون الرد والشم۔ پس میرے خیال میں مذاکرۃ طلاق کی صورت میں یہ الفاظ محتاج نیت بھی نہیں ہیں۔

خلاصہ گزارش یہ ہے کہ یا تو یہ الفاظ محتاج نیت ہی نہیں ہیں اور اگر ہیں تو زوج ہی کے الفاظ اس کی نیت طلاق کو بتا رہے ہیں اور حسب بیان مستفتی زوجہ غیر مدخول بہا ہی لہذا زوجہ مطلقہ بائنہ ہے بلا انقضائے عدت اس کا نکاح دوسرے شخص سے کیا جاسکتا ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ محمد اعزاز علی غفرلہ ۷ ربيع الثاني ۱۴۳۷ھ۔

اقول وبالله التوفيق

احقر کی رائے میں بھی اس صورت میں طلاق بائنہ واقع ہو گئی جس کی تفصیل تحریر بالا میں مذکور ہے۔ فالجواب صحیح فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ دیوبندی۔ □ نشان ہر

احقر بھی حضرت مفتی صاحب کی تحریر سے اتفاق رکھتا ہے۔

الجواب صحیح، احقر محمد حمید حسن عفی عنہ دیوبندی۔

الجواب صواب، نبیہ حسن عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح مسعود احمد عفا اللہ عنہ دارالعلوم دیوبند، ربيع ۱۳۷۴ھ

الجواب صحیح، احقر الزمان گل محمد خان خادم دارالعلوم دیوبند۔

الكلام على ثانی الجواب

(من جامع امداد الاحکام)

والله الملهم للصواب

اقول وبالله التوفيق وهو خير معين ورفیق۔

① فاضل مجیب نے اس میں جس تدقیق میں وقت صرف نہیں کیا درحقیقت وہی قابل غور ہے اور اس میں ان کو تامل و غور کرنا اور وقت صرف کرنا لازم تھا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہم لوگ مجتہد نہیں بلکہ مقلد ہیں پس ہم کو فقہاء کے کلام میں غور کر کے کوئی نظیر مقدمہ کی نکالنا چاہئے تاکہ جواب محض قیاس مقلد پر مبنی نہ ہو بلکہ کلام فقہاء پر مبنی ہو۔ سو ہم نے جو اس واقعہ میں غور کیا تو متکلم کے لفظ ”آپ میری طرف سے جواب ہی سمجھیں“ کی چند نظائر کلام فقہاء میں ہم کو ملی ہیں ایک ”دادہ گیر و کردہ گیر“ جس کو جواب اول میں نقل کیا گیا ہے عالمگیری (ج ۲ ص ۷۵) میں اس جزئیہ کو زیادہ وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ولفظہ فی النفسیة مثل عن امرأة قالت لزوجها با تو نمی باشم قال ناباشیہ گیر فقالت ایں چه سخن بود آن کن که خداے تعالی و رسول خدا فرمود۔ نیگو بگو طلاق تا بروم فقال طلاق کردہ گیر برو۔ هل يقع الطلاق ان نوى الايقاع يقع واحدة اه وفي الخلاصة ولو قالت مرأیله کن فقال یله کردہ گیر ان نوى يقع اه (ج ۲ ص ۹۷) اور ظاہر ہے کہ طلاق کردہ گیر اور یله کردہ گیر الفاظ کنایات طلاق میں سے ہیں ورنہ بعزیمت کے بھی ان سے وقوع نہ ہوتا مگر بایں ہمہ بعد طلب طلاق و مذاکرہ طلاق کے بھی وقوع طلاق کو

عہ قلت وقد مرّ في العالمگیری ان قوله یله کردم ترا تفسیر قوله طلقته عفا حتی یكون رجعیاً

ویقع بدون النیة اه ج ۲ ص ۷۲۔ وانما صار کنایة لزيادة قوله گیر فانهم ۱۲ منه

مقید بالنیۃ کیا گیا ہے۔ اور یہاں یہ بات قابل تنبیہ ہے کہ فقہاء نے جن الفاظ میں باوجود مذکرہ طلاق کے بھی وقوع طلاق کے لئے نیت کو شرط قرار دیا ہے وہاں مطلب یہ ہے کہ تکلم بوقت تکلم کے ان الفاظ سے ایقاع طلاق کی نیت کرے محض قرائن نیت کافی نہ ہوں گے ورنہ مذکرہ طلاق کے بعد جو کہ نیت کا قوی قرینہ ہے کما صرحوا بہ قاطبۃ نیت کا شرط کرنا محض فضول لغو ہوگا۔ اس سے فاضل مجیب کے اس قول کا جواب معلوم ہو گیا کہ:

”جب یہ مان لیا گیا کہ الفاظ کنایات طلاق سے ہیں تو پھر طلاق نہ ہونا دشوار ہے کیونکہ جو صریح سے صریح الفاظ اظہار نیت کے لئے بول رہا ہے کہتا ہے کہ پہلے بھی طیار تھا اب بھی طیار ہوں الخ“

کیونکہ اول تو اس میں صرف آمادگی کا اظہار ہے اور آمادگی بر طلاق عزم طلاق کو مستلزم نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ آمادگی کسی مصلحت یا شرط کے ساتھ مشروط ہو کہ بدون اس کے تحقق کی آمادگی ہی متحقق نہ ہوگی تا بعزم چہ رسد اور واقعہ مسئول عنہا میں زوج نے جس قدر بھی آمادگی طلاق پر ظاہر کی ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اول دین مہر کی طرف سے اس کا کافی اطمینان ہو جائے بدون اس شرط کے تحقق کے نہ اس کی طرف سے آمادگی کا تحقق ہے نہ عزم کا اور اس شرط کے ذکر پر تمام شہود متفق ہیں پس اول تو آمادگی بر طلاق عزم طلاق کو مستلزم نہیں اور اگر ہو بھی تو ان قرائن کی حیثیت مذکرہ طلاق سے زیادہ نہیں مگر فقہاء نظر مذکورہ میں باوجود مذکرہ کے جو ان کے نزدیک قرینہ قویہ نیت طلاق کا ہے پھر بھی نیت زوج کو ضروری بتلاتے ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان الفاظ کے تکلم کے وقت ایقاع طلاق کی نیت شرط ہے جو بدون اقرار زوج کے معلوم نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد میں فاضل مجیب کو اس پر بھی متوجہ کرتا ہوں کہ انہوں نے اس مقام پر قتل کی نظیر بیان کرنے میں سخت مسامحت کی ہے کیونکہ قتل افعال حسیہ میں سے ہے، عقود وفسوخ کی جنس سے نہیں ہے عقود وفسوخ کا تحقق محض الفاظ سے ہوتا ہے اس لئے وہاں صریح و کنایات اور نیت سے بحث لازم ہے اور افعال حسیہ کا وجود الفاظ سے نہیں ہوتا بلکہ فعل حسی سے ہوتا ہے وہاں نیت سے کچھ بحث نہیں۔ پس جب فعل حسی یعنی قتل بالجرحہ کا تحقق ثابت ہو گیا اب نیت قتل کا انکار نفی قتل میں لغو ہے۔ اور اگر طلاق و نکاح کا تحقق بھی ایجاب و قبول یعنی الفاظ سے نہ ہوا کرتا بلکہ کسی عمل سے ہوتا تو بعد ثبوت

عمل یہاں بھی نیت کی بحث کو لغو کہا جاتا اور قتل و زنا میں بھی اگر ایسی صورت ہو جہاں ثبوت زنا و قتل کا مدار بتینہ پر نہ ہو بلکہ صرف اقرار ملزم پر ہو اور اس صورت میں ملزم یوں کہے کہ ”آپ مجھ کو ہی قاتل سمجھ لیں“ یا یوں کہے کہ ”مجھ کو زانی سمجھ لیں“ تو ہم یقین کرتے ہیں کہ ایسے محمل و محتمل اقرار سے فاضل مجیب بھی اُس کو محمل قصاص و محمل رحم نہ قرار دیں گے۔

فاضل مجیب کو طلاق کی نظیر میں نکاح و بیع وغیرہ کا ذکر مناسب تھا جو مثل طلاق کے الفاظ سے ثابت ہوتے ہیں۔ اب وہ غور کریں کہ اگر کوئی شخص نکاح کی مجلس میں ایجاب کے بعد نہ کہے کہ میں نے قبول و منظور کیا بلکہ یوں کہے کہ آپ میری طرف سے قبول ہی سمجھیں تو کیا اس کو بدون نیت کے صریح قبول مانا جائے گا گو وہ اس سے پہلے قبول نکاح پر کیسی ہی آمادگی اور طیاری ظاہر کر چکا ہو؟ یقیناً یہاں آپ بھی یہی کہیں گے کہ یہ الفاظ قبول میں صریح نہیں بلکہ نیت پر مدار رکھا جائے گا اگر اس نے اس لفظ سے انشاء قبول کی نیت کی ہو تو قبول ہے ورنہ محض وعدہ ہے قال فی الخلاصة لو قال لامرأة اجنبية خوشین بڑی ہوئی فقالت داده گیران نوت و هناك شهود صح قال و اما فی البیع و الاجارة و کل ما يتعلق بالمال بان قيل لرجل بع هذه الدار منی فقال فروخته گیر و قبل فلان فلا یصح اه (ج ۲ ص ۹۷)۔

دوسری نظیر واقعہ مسئلہ کی فقہاء کے کلام میں داده انگار و کردہ انگار ہے جس میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ باوجود نیت کے بھی وقوع طلاق نہ ہوگا۔ قاضی خان نے اس کو زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے امرأة قالت لزوجها مرا طلاق ده و قال الزوج داده انگار او قال کردہ انگار لا یقع الطلاق وان نوى كانه قال لها بالعربية احسبى انك طالق وان قال ذلك لا یقع وان نوى اه (ج ۲ ص ۲۱۰) اسی قاضی خان میں (ج ۲ ص ۲۱۴) پر ہے ولو قيل لرجل اطلقت امرأتك فقال عدھا مطلقه او احسبھا مطلقه لا تطلق امرأتھ اه اور اگر تامل صادق سے کام لیا جائے تو لفظ جواب ہی سمجھیں گے ترجمہ طلاق داده گیر سے زیادہ قریب طلاق داده انگار و احسبى انك طالق وعدھا مطلقه ہے اور ان میں فقہاء باوجود نیت کے بھی وقوع طلاق کے قائل نہیں اور داده گیر کا ترجمہ صحیح یہ ہے کہ ”طلاق ہی مان لو“ پس صورت مسئلہ میں اگر متکلم نے یوں کہا ہوتا کہ ”آپ میری طرف سے جواب ہی مان لیں“ تو بیشک لفظ طلاق داده گیر

کی صریح نظیر تھی جس سے بشرط نیت ایقاع بوقت تکلم وقوع طلاق کا ہو جاتا اور جواب ہی سمجھیں میں حکم وقوع طلاق دشوار ہے اور بدون نیت بوقت تکلم کے تو دشوار تر ہی فاضل مجیب وقت صرف کر کے اس میں دوبارہ غور کریں۔

(۲) فاضل مجیب نے اس نمبر میں سخت مسامحت سے کام لیا ہے کہ زوج کے قول کو نقل کر کے یہ نہیں بتلایا کہ ایقاع طلاق کا حکم کس لفظ کی وجہ سے ہر زوج کے الفاظ یہ ہیں ”میں نے تو رات بھی طلاق کی بابت کہا تھا میں تو رات بھی طیار تھا اور اس وقت بھی طیار ہوں جیسا زبان سے کہہ دیا ویسے دے دی اب تو کا غزوہ لکھنا باقی ہے وہ بھی لکھ دینگا“ فاضل مجیب کو چاہئے تھا کہ اس کلام میں وہ لفظ معین کرتے جسے ایقاع طلاق ثابت کیا گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ زوج کے نزدیک تعلقات زوجیت کے انقطاع کے تمام مراحل طے ہو گئے صرف کا غزوہ لکھنا باقی ہے الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مجیب کے نزدیک لفظ ”اب تو کا غزوہ لکھنا باقی ہے“ سے وقوع طلاق کا ہوا ہے حالانکہ یہ لفظ ایقاع میں سے ہرگز نہیں اگر کسی شخص نے ایک مرتبہ بھی انشاء طلاق و ایقاع کا لفظ زبان سے نہ نکالا ہو اور وہ لاکھ مرتبہ یہ کہتا پھرے کہ ”اب تو کا غزوہ لکھنا باقی ہے“ تو ہرگز کوئی مفتی اس لفظ سے ایقاع طلاق کی جرأت نہیں کر سکتا اور اگر لفظ ”جیسا زبان سے کہہ دیا ویسا دیدی“ کو موجب وقوع سمجھا گیا ہے تو فاضل مجیب کو لازم تھا کہ سیاق و سباق کے ساتھ ملا کر اس مہمل جملہ کا مطلب بھی واضح کرتے تاکہ دوسروں کو غور کا موقع ملتا کہ فاضل مجیب نے اس کے کیا معنی سمجھے اور اس کو کس قاعدہ سے موجب ایقاع طلاق قرار دیا ظاہر ہے کہ اس جملہ میں لفظ جیسا ویسا تشبیہ کا حرف ہے جس سے قائل نے ایک شے کے دینے کو زبان سے کہی ہوئی بات کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور زبان سے جو بات اس سے پہلے کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ”میں رات بھی طیار تھا اور اس وقت بھی طیار ہوں“ جس کا مہمل صرف یہ ہے کہ وہ آمادگی بر طلاق کو اعطاء طلاق کے ساتھ تشبیہ دے رہا ہے یعنی تم میری اس ظاہر کردہ آمادگی کو مثل طلاق دینے ہی کے سمجھو اب ہم منتظر ہیں کہ فاضل مجیب فقہ کی کس جزئی سے اس کا ثبوت دیں گے کہ تشبیہ آمادگی بر طلاق باعطاء طلاق یا اس کا عکس موجب وقوع طلاق ہے میرا خیال ہے کہ وہ اس کو ہرگز ثابت نہیں کر سکتے پھر حریت ہی کہ متکلم کے کلام کا تو کوئی جزو موجب وقوع نہیں اور فاضل مجیب اس کا خلاصہ اپنی

عبارت میں نکال کر حکم وقوع کر رہے ہیں۔

اس کے بعد فاضل مجیب نے دوسری مسامحت یہ کی کہ اس امر میں غور نہیں کیا کہ جس لفظ سے وہ نمبر دوم میں بحث کر رہے ہیں اس کا ناقل و شاہد صرف ایک شخص ہے اور ایک شخص کا قول باوجود عدالت کے بھی باب طلاق میں حجت نہیں پھر جس لفظ کے ناقل دو تین بھی ہیں ان میں بھی عدالت شرط ہے فاضل مجیب کو حکم وقوع لگانے سے پہلے یہ معلوم کر لینا ضروری تھا کہ عدد شہادت کامل ہے یا نہیں اور شہود عادل ہیں یا نہیں، اور کوئی وجہ مختصمیت بالزوج یا اتحاد مع الزوجہ تو موجود نہیں اور اس کی ضرورت مجیب اول کو نہ تھی کیونکہ اس نے عدم وقوع کا فتویٰ دیا ہے ولا حاجة في عدم الوقوع الى هذه الشرائط هذا وقد صرح الفقهاء بلزوم الافتاء بالقضاء لا بالديانة كما في أوائل رد المختار وأواخر الحامدية۔

③ اس نمبر میں فاضل مجیب نے فیصلہ کیا ہے کہ میرے خیال میں زوج کے یہ الفاظ کنایہ کی اس قسم میں داخل ہیں جن کو صالح للجواب عن سوال المرأة طلاقها فقط میں داخل کیا جاسکتا ہے الخ

اس کے متعلق عرض ہے کہ ہمارا اور آپ کا محض خیال فتویٰ میں کافی نہیں بلکہ زوج کی طرف جو الفاظ شہود نے منسوب کئے ہیں ان کو فقہاء کے کلام میں غور کر کے کسی جزئی پر منطبق کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ لفظ فلاں لفظ کی نظیر ہے جو محض صالح للجواب ہے، اس لئے یہ بھی محض صالح للجواب ہے اس کے بعد حکم وقوع صحیح ہوگا والا فلا اور محض قاعدہ کلیہ بیان کر دینا کافی نہیں اس سے تو ہر طالب علم واقف ہے۔

آپ کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہے کہ ان میں رد و شتم کا احتمال فہم سے بالا ہے لیکن ان الفاظ میں احتمال وعد و تسلیہ ضرور ہے ہمارے محاورہ میں وعدہ کے وقت کہا کرتے ہیں کہ اس کلام کو ہوا ہی سمجھو، تم میرے پیغام کو نکاح ہی سمجھو، میری بات کو قبول ہی سمجھو۔ اسی قبیل سے یہ قول ہے کہ آپ جواب ہی سمجھیں۔ یعنی جواب ہوا ہی چاہتا ہے۔ اور جب یہ کلام محتمل وعد و تسلیہ ہے تو پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہے کہ یہ صالح للجواب عن سوال الطلاق فقط میں داخل ہے۔ فاضل مجیب غور فرمائیں کہ عورت کے سوال طلاق کے بعد شوہر کا یہ کہنا طلاق دادہ گیر یا یلہ کردہ گیر اس میں کیا احتمال رد و شتم کا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ

ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ جواب سوال طلاق کے سوا کسی شئی کو رد و شتم میں سے محتمل نہیں مگر چونکہ اس میں وہی احتمال وعدہ کا اور امید دلانے کا ہے اس لئے فقہاء نے اس میں باوجود مذکر طلاق کے نیت ایقاع کو شرط کیا ہے اور طلاق انکار و احسبی انک طالقہ وعدہ ہا مطلقہ و احسبہا مطلقہ میں باوجود نیت کے بھی عدم وقوع کی تصریح فرمائی ہے کیونکہ یہ لفظ معنی وعدہ میں صریح ہے جس کی نظیر یہ ہے کہ کوئی سوال طلاق کے بعد یوں کہے طلاق کنم طلاق کنم تو اس سے بوجہ معنی وعدہ کے وقوع نہ ہوگا قال فی الہندیۃ قالت لنزوجہا من باتونمی باشم فقال الزوج مباشر فقالت طلاق بدست تو است مرا طلاق کن فقال الزوج طلاق میکنم وکرر ثلاثا طلقت ثلاثا بخلاف قوله کنم لانه استقبال فلم یکن تحقیقاً بالشک وفي المحيط الوقال بالعربیۃ اطلق لا یكون طلاقا ای مع النیۃ کما صرحوا بہ ۱۲ منہ الا اذا غلب استعمالہ للحال ۵۱ (ج ۲ ص ۴۷)۔

یہ تو جملہ اولی کے متعلق گزارش تھی اب جملہ ثانیہ کے بابت جو تحریر ۵۵ میں ہو عرض ہے کہ لفظ جیسا زبان سے کہدیا ویسے دیدی اب تو کاغذ وغیرہ لکھنا باقی ہے الخ یہ الفاظ طلاق میں سے ہے ہی نہیں کیونکہ اس میں محض تشبیہ اعطاء طلاق بالقول السابق ہو اور اس سے وقوع طلاق کا کوئی احتمال نہیں پھر اس قول میں کہ جیسا زبان سے کہدیا ویسے دے دی اضافت طلاق الی المرأة بالکل نہیں ہے نہ لفظاً کما ہوا ظاہر نہ معنی کیونکہ عورت کو خطاب نہیں نہ بوقت اس کلام کے وہ سامنے تھی اور طلاق کا جو ذکر اس سے پہلے ہو رہا تھا وہ بھی ابہام کے ساتھ بدون اضافت کے تھا قال فی الخانیۃ امرأۃ قالت طلقتی ثلاثا فقال الزوج اینک ہزار طلاق لا تطلق امرأتہ لانه کلام محتمل (ج ۲ ص ۲۱۵) ای لعدم الاضافۃ بخلاف قوله اینکت ہزار طلاق حیث تطلق ثلاثا کما فی الخلاصۃ واللہ تعالیٰ اعلم اور عدم اضافت کا احتمال لفظ اول میں بھی ہے یعنی قول زوج آپ جواب ہی سمجھیں میں کیونکہ بجز ایک شاہد کے

عہ اور یہ بھی پوری نظیر نہیں کیونکہ مضارع میں بعد نیت کے وقوع ہو جاتا ہو اور الفاظ مذکور میں بعد نیت کے بھی وقوع نہیں ہوتا لیکن اس کو محض اس بات کے بتلانے کے لئے ذکر کیا گیا ہو کہ معنی وعدہ کا احتمال وقوع طلاق کی نفی کر دیتا ہے ۱۲ منہ

کسی نے اضافت کی تصریح نہیں کی پس فاضل مجیب کو حکم وقوع طلاق کرتے ہوئے سب پہلوؤں پر غور کرنا لازم تھا اور باب طلاق میں اضافت کا مسئلہ ایسا مشکل ہے جس کو بہت ہی کم لوگ حل کر سکتے ہیں لا اختلاف اقوال الفقہاء فیہا، وتشابه النظائر وتشاکلہا ہذا ما عندی ولم أَلْجُہْدًا فی تحقیق المسئلة وتنقیحہا وشرحہا وتلقيحہا وفوق کل ذی علم علیم فاللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلمو علمہ اتم واحکم ۔

حررہ ظفر احمد ۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ ۔

تحقیق مسئلہ ہدم بزبان عربی | الاستفتاء بر رجل طلق امرأته مرتين وأثناء عدتها ما راجعها وما أمسكها وما طلقها ثالثة حتى انقضت عدتها و بانت منه وهي منفردة منه في بيتها وبعد برهة من الزمان سنم له ان ينكحها نكاحاً جديلاً فنكحها لكن بعد مدة حدثت حادث ما فطلقها طلقاً واحداً . في هذه الصورة يقول عامة الفقهاء الاعلام انها في هذه الطلقة الواحدة حرمت عليه حرمة غليظة حتى لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره وهذا لا يفتقحه حق التققه وما ذكر في الكتب لا ينتقح البتة بل ينصح خلافه فياله من داع عقام ولعمري من اين اخذوا هذا الحكم الشديد الضيق كثير الحرج غايتهما أمن القرآن الحكيم او من السنة النبوية الصحيحة ومن القرآن الشريف لا تصل الى ايديهم الا آية الطلاق مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكُ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيحٌ بِاِحْسَانٍ الْآيَةِ وكلما يغور النظر في الآية يجدها آية من ان يمكن منها اخذ لا كيف والآية تحكم بان الرجل اذا نكح امرأة يملك طلاقات ثلاثة فان طلق مرتين فله اختيار امرين اما يراجعها ويمسكها او يسرحها

عہ لم يتعرض القرآن بذلك صریحاً وانما ثبت ذلك بسنة، فان كانت السنة حجة في ذلك فلتكن حجة في غيره من الاحکام ۱۲ منہ ۔

أي يطلقها مرة ثالثة حيث فسّر النبي صلعم كذا في جواب سؤال الصحابي فابن
الثالثة؛ قال أو ليس حها فالصورة المحكومة عليها في القرآن أن الرج
إذا طلق امرأته مرتين فله أن يراجعها أو يطلقها ثانياً في أثناء عدتها
إذا الرجعة إنما تتصور في العدة والطلقة الثالثة تنفذ إذا وقعت في العدة
فإن طلقها كذا فلا تحل له حتى الآية فقوله تعالى فإن طلقها إعادة للتسريح
المذكور يترتب عليها الحكم الآتي وانت خبير إنما الآية تقتضي أن الطلقة
الثالثة أخرجهما عن صلوحها لمحلية النكاح الجديد بالمطلق حتى تنكح زوجاً
غيره والصورة المستشكلة وراء تلك الصورة لا يوافقها بل يباينها إذ في
هذا ما أمسكها وما سرحها بل تركها على حالها حتى بانّت وعادت إلى
حالتها الأولى حيث لا تحل له حتى ينكحها نكاحاً صحيحاً جديلاً إذ النكاح
بانقضاء العدة قد انعدم بالرمه والنصرم بالكلية ولم يبق أثر البتة
اليس حين بانّت منه بانقضاء عدتها صارت أجنبية منه ولم تصلح
محلاً بالتصريف ولا يحل له وطئها ولا مسها بشهوة ولا ينفذ تطليقها
ثالثاً إذا التطلق إنما تتصور في النكاح أما قبل حدوثه أو بعد زواله
فلا إذ لم يصارف محلاً وهل تجب عليه بعد انبثات عدتها نفقتها
أو كسوتها وغير ذلك ولا اظن أحداً هجس به نفسه فتقوة به الفرج
أن مات هو لا تعتد هي عدة الوفاة ولا ترثه وهو لا يرثها أن ماتت هي
حين بانّت منه بانقضاء العدة فبعد أن نكحها كان نكاحاً جديلاً ولا بد

عه لأنلو توقفت نفاذها على العدة؛ بل تنفذ بعد العدة أيضاً إذا يزوجه ثانياً، وقوله تعالى
”أو تصرّج بإحسان“—يعني التصريح في العدة وبعدها، فمن أين للسائل أن يقيد بزمان
العدة ٩ ١٢ منه .

عنه لقائل أن يقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً فكيف حرمها الله تعالى عليه حتى تنكح زوجاً
غيره؟ فهل إذا نكحت غيره يكون نكاحه بها نكاحاً جديلاً؟ ولا يكون كذا الك إذا نكحها بغير
ذلك، مع أنها صارت أجنبية عنه، لا يرثها ولا ترثه، فإن كان التزوج بزواج آخر غير المرأّة
عن حالها، ولا تتغير بدون ذلك، أي: الحل، فكذا يجوز أن لا يتغير حال امرأة بقضاء
عدتها بعد طلقتين كل التغيير وإن كان قد تغير تغييراً تاماً، فافهم ١٢ منه .

إذا لايجاب والقبول جديدان والتراضي جديد والمهر جديد وكذا الشهود
ولا يمكن أن يكون هذا النكاح هو الأول والا يلزم إعادة المعدوم أو تحصيل
الحاصل وقوانين الشرع لا تساعد شيئاً وهي حينئذ تكون تصلح لنكاح كل
أحد وخطبته وإذا النكاح الأول كان باقياً كانت لم تصلح فاذن قد
ثبت أن النكاح الأول وتوابعه بمنزلة من أن يعد أو يضاف إلى هذا
وصار كان لم يكن شيئاً مذكوراً وانقضاء عدة الطلقة الثانية لا يخرجها
عن صلاحها لمحلية النكاح الجديد بالمطلق نعم أزال مالكية للطلقة الثانية
بالمرة وبعبارة أخرى وطى الزوج الثاني في الصورة المحكومة عليها في
القرآن الشريف لا يملكه للطلقات الثلاثة جديد بالذات بل بالعرض
انما يأهله لأن ينكحها جديد فهذا النكاح الجديد يصير مالكا للطلقات
الثلاثة بالذات أو هو يملك بنفسه للطلقات الثلاثة بعد النكاح و
حيث لا يتوقف نكاح جديد أيضاً لا يتوقف مالكيته للطلقات الثلاثة
البتة والاثراً لم يرد عن رجل من قومه عن رجل من أصحابه صلعم
فيه ضعف ومجهول بيقين كيف يؤخذ منه الحكم الشديد الضيق كثير
الخرج ينبغي لرجل فقيه أن يسلك مسلك اليس والرفق دون العسر و
الرتق مهما أمكن يريد الله بكم اليس ولا يريد بكم العسر ما جعل
عليكم في الدين من حرج سيما إذا قامت عليه الحجة فهي المحجة كيف

عه وإن ادعى أحد أن توقف جواز النكاح بعد الطلقات الثلاث على النكاح بزواج
آخر من الحرج فله يقول السائل بجوازه بدونه ٩ ١٢ منه .

يجترأ أحد وكيف يسوغ لفتيه أن يحرم فرجاً على من أباحه الله تعالى
ليعين من النكاح ويحل على رجل حرماً عليها وليس معه حجة قوية نضيجه
ولا سنة صريحة صحيحة ونحن نذعن أن الصحابة كانوا أعمق علماً و
أروق فهماً وأحق حكماً وأدق فقها ورئياً فتتخير كيف سلكوا هذا
المسلك الوعرة بل نظن وقع الغلط في النقل عنهم نعم يتضح هذا في ما
إذا أمسكها وأرجعها وأعادها اليه في أثناء عدتها حيث تعود اليه
بما بقي وقول ابن عباس رضي الله عنه نكاح جديد وطلاق جديد
لعمري هو أشبه وأحق وأحرى بالقبول ولا يتوقف هذا على نكاح زوج
الثاني أو أصابته إذا لا أثر له ولا تعلق بوجه ما البتة ليس إلا وذكر
الزوج الثاني إنما هو بالاتفاق إذا لم يحدث لعله قد اتفق كذا وأما
بالحكم فلا مساس له البتة كما لا يخفى وتحس أثراً أو تشتم رائحة من
قول حبر الأئمة ابن عباس رضي الله تعالى عنه نكاح جديد وطلاق
جديد أن تجد والنكاح إنما تكون إذا أصابها زوج آخر كلاً ولم يثبت
ولم يتحقق فيها قضاء رسول الله صلى الله عليه وسلم بذلك كيف ولو
كان فما بال حبر الأئمة أمام الأئمة نحرير النجاسة إذ قد خفي عليه مثل
هذا القضاء مع سعة القضاء والعجب على العجب من الفقهاء الإعلام كيف سطحو النظر

عه وكيف يجوز له أن يحلل فرجاً حرمه الله ورسوله لا حد ١٢.

عنه واختلط الصور بعضها ببعض وهو برعاً منه وكيف ما هو والله أعلم ١٣

من السائل.

سه على الناقل تصحيح النقل فإن ابن عباس لعريق بذكر ذلك إلا إذا ما تزوجها بعد

تخلل النكاح بزواج غيره ١٤.

لله يا عجباً ممن لا يحسن العربية ولا كتابة كيف يطعن على الفقهاء الإعلام ويجعل نظره

سطحياً ونظرة غائر أهل هذا الاضلال ١٥ ظن.

ههنا غاية السطحية ولم يعقوها قليلاً فمن عوامها هو مخالف العقل والنقل هذا ولعل الله يحدث بعد ذلك أمراً .

الجواب ؛ أقول وبالله التوفيق . كلما ذكر السائل غلوطة محض لا يلتفت إليها مؤمن في قلبه حب الله ورسوله وعزة الأيمان وليت شعري هل هو مجتهد أم مقلد فان كان مجتهداً فليجعل نفسه عرضة لا متحان لكي يكرم أو يهان وأيضا فلا يجوز لمجتهد أحداث قول قد اجمع السابِقون من المجتهدين على بطلانه وان كان مقلداً فليس له الا التسليم لما قاله الفقهاء المجتهدون قبله ومن اين له ان يعترض على النقل الصحيح والا فيرتفع الايمان عن الشريعة المطهرة على مبلغها الف الف تحية . هذا وقد اجمع المجتهدون من الفقهاء والمحدثون من العلماء والرأسخون من الفضلاء على ان المراء اذا طلق امرأته ثلاثا مجمعة او متفرقة سواء كان بعد ما تزوجها ثانيا بشرط عدم تخلل نكاحها بنزوح آخر دونه فهي طالق عليه ثلاثا تحل له حتى تنكح زوجا غيره . واما ابن عباس فانما قال نكاح جديد وطلاق جديد اذا تزوجها الاول بعد تخلل نكاحها بنزوح آخر فقال يهدم الواحدة والثنتين والثلاث وبمثله قال ابن عمر كما في كتاب الأثر لمحمد بن حسن (رض) ولم يقل ذلك اذا تزوج بها من غير تخلل النكاح بغيره ومن ادعى فعله البيان والى الله المشتكى مما حدثه هذا السائل في الشرع فلم يسبقه احد اليه والله تعالى اعلم .

وايضا فان قوله تعالى او تسريم باحسان ليس بصريح في الطلقة الثالثة وانما يؤخذ منها ذلك ببيان الصحابة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وليس في القرآن ان الرجل يملك على زوجته ثلاث تطليقات وانما فيه الطلاق مرتان فلما كان بيان الرسول بنقل اصحابه حجة في تفسير التسريم بالاحسان بالطلاق الثالث فليكن كذلك قولهم ان التسريم يعنى ما اذا طلقها ثالثا في النكاح الاول او في الثاني او في الثالث

ما لم يتخلل النكاح بنزوح آخر غير، فاقهـ

۸ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۸۱ھ

حکم لزوم کفارہ و عدم وقوع طلاق جبکہ شوہر یہ حلف اٹھائے کہ (سوال) کسی نے حالت غصہ میں خدا کی قسم تیرے ہاتھ کا کھانا کھاؤں تو اپنی ماں سے زنا کروں اپنی زوجہ کو کہا کہ تیرے ہاتھ سے کبھی نہیں کھائیں گے خدا کی قسم اگر کھائیں تو میں میرے ماں کے ساتھ زنا کروں گا کئی دن بعد اس نے اس کے ہاتھ سے کھانا شروع کر دیا اس پر طلاق واقع ہو گا یا نہیں اگر واقع ہو تو کئے طلاق اور کیا کرنا ہو گا اور اگر نہ ہو تو حلف صادق آئے گا یا نہیں اور اگر صادق ہو تو کفارہ لازم ہو گا یا نہیں اگر ہو تو کیسا بالتفسیر لکھنا، فقط؟

الجواب؛ صورت مسئلہ میں یعنی جبکہ بیوی سے یوں کہا خدا کی قسم اگر تیرے ہاتھ کا کھانا کھاؤں تو اپنی ماں کے ساتھ زنا کروں اور پھر اس کے ہاتھ کا کھانا کھالیا تو اس کے طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ قسم کا کفارہ دینا لازم ہو گا۔ واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ، ۹ سوال ۱۲۵ھ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۰ سوال ۱۲۵ھ۔

دفع طلاق کے لئے الفاظ (سوال) معروض یہ ہے کہ ایک شخص نے بلا تلفظ یعنی دونوں طلاق پر تلفظ شرط ہے ہونٹ بند ہونے کی حالت میں اپنی زوجہ کو طلاق دی اور کچھ حرکت دونوں ہونٹ میں اور زبان میں بھی اندر ہی اندر ہوئی یعنی ہلنا یا یا گیا غرض دونوں ہونٹ ایک دوسرے کے ساتھ ملے رہے اور زبان میں اندر ہی اندر حرکت ہوئی اور دونوں ہونٹ میں بھی حرکت ہوئی بند ہونے کے حالت میں جس قدر حرکت ہو سکے اور بے تلفظ اپنی زوجہ کو طلاق دی یہ طلاق واقع ہوئی یا نہ ہوئی امید ہے کہ جواب سے ممنون فرماویں؟

الحاصل یہ طلاق دینا تلفظ کے ساتھ نہ ہوا اور دل ہی دل میں بھی نہیں بلکہ بین بین جیسا کہ تفصیلاً عرض کیا گیا زبان میں اور دونوں ہونٹوں میں بند ہونے کی حالت میں جس قدر حرکت ہو سکے حرکت پائی گئی مگر تلفظ قطعاً نہیں جب تلفظ نہیں تو دل ہی دل میں شمار کیا جائے یا نہیں؟

الجواب؛ صورت مسئلہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ وقوع طلاق کے لئے تلفظ شرط ہے اور منہ بند کر کے جو زبان کو حرکت دی گئی ہو وہ تلفظ نہیں ہر لان المشائخ

اختلفوا في حد النطق والتلفظ على ثلاثة اقوال فبعضهم قالوا هو خروج صوت
يصل الى اذنه (اي ولو حكما كما كان هناك ما لم من صمم ارجلية اصوات او
نحو ذلك قاله الشامي) وبعضهم قالوا هو خروج الصوت من الفم وان لم
يصل الى اذنه لكن بشرط كونه مسموعا في الجملة حتى لو ادى في صماخه الى فيه
يسمع والقول الثالث انه يكفي تصحيح الحرف كما هو المذكور في البحر
رد المحتار وفتح القدير وغيرها من كتب الفقه ولا يخفى ان الصورة
المستولة لا يصدق عليه حد التلفظ على احد من الاقوال الثلاثة اما على
الاول والثاني فظاهر لا يحتاج الى البيان واما على الثالث فنقول ان
المراد بكفاية تصحيح الحرف ان مجرد خروج الصوت (اي الهواء
المتوج) من الفم يكفي وان لم يكن مسموعا قط وليس مرادهم ان مجرد
تحريك اللسان ووضعه على المخارج يكفي بدون الصوت لان الصوت
ما خوذ في حد الحرف كما قال صاحب كشاف الاصطلاحات عرفه القراء
بانه صوت معتمد على مقطع محقق او مقدور وعرفه ابن سينا بانه كيفية للصوت
بها يمتاز الصوت عن صوت آخر (ص ٣١٩) والصوت كيفية تحدث في الهواء
من توجه بسبب قرع او قلع مع المقاومة كما في حاشية الميبدى عن
العلمي . فثبت ان تصحيح الحرف لا يتأتى بدون التوج في الهواء و
لا يخفى ان التوج لا يحدث بغير انفتاح الشفتين والله اعلم .

فائدة :- القول الاول اصح وارجح لاعتماد اكثر علماءنا عليه كما نقله
الشامي عن فتاوى الخيرية واختاره صاحب التنوير في القراءة وقال بعد
يجرى ذلك في كل ما يتعلق بنطق كسمية على ذبيحة وجوب سجدة تلاوة
وعتاق وطلاق وقال صاحب الدرر متفرعا عليه فلو طلق او استثنى ولم يسمع
نفسه لم يصح في الاصح ولكن القول الثالث ايضا مصحح كما في الشامي عن
الخيرية ايضا فينبغي الاخذ بالاحوط اى يعمل بالاول في القراءة والسمية و
الاستثناء وبالثالث في السجدة والعتاق والطلاق وهذا اخر ما اردنا ايلاده في
هذا المقام بتوفيق الملك العزيز العلام ، كتبه الاحقر عبد الكريم عفى عنه ٨ ربيع الاول ١٣٥٨ هـ

حکم طلاق مدہوش وغیرہ (سوال) چہ میفرمایند علمائے شریعت غرا و فضلاء ملت
بیضاء اندرینکہ شخصے مسمی بطفیل علی چہار پنج سال میگذازد کہ وے برضے شدید تا مدت مدید
مبتلا گشتہ بود کہ اندرون دہان او دتلی ہائل و جہر حتی عظیم پیدا شد تکالیف شاقہ و آلام و
ادجاء متنوعہ ازان کشیدہ بود و دوسرے بار طبیب نشتر زدہ آنرا شکافتہ انواع مواد فاسدہ
از لیم و از آب و خون فاسد ازان بر آوردہ بود بالجمہ قریب ہمرگ رسیدہ بود و بر بستر
موت خفتہ اما بسبب بقائے مدت حیات بحکم این مقولہ صادقہ بیت ۷

اگر در حیات بماندہ است دیر ؛ نہ مارت گزاید نہ شمشیر و مشیر
آہستہ آہستہ ازین مرض ہائل سبکدوش گردید اما اثرش تا ہنوز باقی ست کہ اگر خلاف مرضی
چیزے از کسی از زن و فرزند و مادر و برادرش سرزد شود چنان در طیش آید کہ چشمش خیرہ
و دماغش متغیر و عقلش مختل گردد و اقوال و افعال بدون از حد اعتدال و خارج از جادہ
استقامت از و سرزد شود همچون مدہوشان و مجنونان اما بنحیر محض نشود و ادراک و علم و
ارادہ بالکلیہ زوال پذیر نگردد باری وے در چنین حالت اختلال عقل زن خود را طلاق
داد آیا شرعاً از نش مطلقہ ثلاث شدہ است یا نہ و سیکہ حالش دوسہ بار چنین شدہ اگر
دعوی تطلیق در انچنان حالت نماید شرعاً قولش معتبر شود یا نہ؟ مینوا تو جبروا۔

جواب آمدہ از بنگال بغرض تصدیق

در صورت سوال آن شرعاً مطلقہ نشدہ است فی رد المحتار ناالم نعتبر اقوال
المعتوہ مع انه لا يلزم فيه ان يصل الى حالة لا يعلم فيها ما يقول ولا يريده
وأيضاً فيه والذي يظهر لي ان كلام المدّ هوش والغضبان لا يلزم فيه ان
يكون بحيث لا يعلم ما يقول بل يكتفي فيه بغلبة الهذيان واختلاط الجذ
بالهزل كما هو المفتى به في السكّان - وأيضاً فيه فان بعض المجانين يعرف
ما يقول ويريد ويزكر ما يشهد الجاهل به بانه عاقل ثم يظهر منه في
مجلسه ما ينافيه فاذا كان المجنون حقيقة قد يعرف ما يقول ويقصده
فغيره بالاولى فالذي ينبغي التعويل عليه في المدّ هوش ونحوه اناطة الحكم
بغلبة الخلل في اقواله وافعاله الخارجة عن عادته وكذا يقال فيما اختل

عقله کبیرا و لمض او لمصیبة فاجأة فما دام فی حال غلبة الخلل فی الأقوال و
الافعال لا تعتبر أقواله و ان کان یعلمها و یریدها لان هذه المعرفة
والارادة غیر معتبر لعدم حصولها عن ادراک صحیح کما لا تعتبر من الصبی
العاقل انتهى۔ ازین عبارات بخوبی مدرك گردید کہ زن طفیل علی مطلقہ ثلاث نشہ
است اگرچہ وی در ان حالت اختلال عقل بعلم و اراده و قصد ایقاع طلاق داده باشد
بسبب عدم صحت ادراک او دعوی تطلیق او در آنچنان حالت شرعاً معتبر و مقبول نگردد
فی رد المحتار و اذا کان یعتاده بان عرف منه الدہش مرۃ یدق بلا برهان،
فی الهدایة: نصار کما اذا قال طلقت او اعتقت وانا مجنون و المجنون منه کان
معهوداً فی حاشیة الهدایة قوله کما اذا قال انما فالقول قوله حتی لا یقع
الطلاق و العتاق لا ضافته الی حالة منافیة للایقاع ۱۲ ع انتهى فقط والله
اعلم بالصواب۔

المجیب احقر فیض اللہ عفی عنہ مدرس مفتی مدرسہ معین الاسلام ہائے ہزاری چانگام
اصاب فیما اجاب فقد اصاب المجیب المجیب مصیب
خلیل الرحمن عفی عنہ یعقوب عفا اللہ عنہ عبدالوہاب عفی عنہ

جواب از خالفتاہ

یہ تو صحیح ہے کہ مدہوش کی طلاق واقع نہیں ہوتی و لیکن اولاً اس کی تحقیق ضروری ہے
کہ وہ مدہوش ہی یا نہیں۔ یعنی جو حالت سوال میں لکھی ہو اگر اس کو کم از کم دو ثقہ اور شناخت
رکھنے والے آدمیوں نے معائنہ کر کے تجویز کیا ہو کہ یہ شخص مدہوش ملحق بالمجنون ہے تب
مدہوش ہونا ثابت ہوگا اور اگر یہ معائنہ اس وقت ہوا ہو جس وقت کہ اس نے طلاق
دی ہے تب تو یہ دو گواہ کسی حاکم یا محکم کے سامنے گواہی دیدیں اس پر عدم وقوع کا حکم
ہو جائے گا اور اگر طلاق کے واقعہ سے قبل معائنہ ہوا ہو تو معائنہ پر گواہی لینے کے بعد خاوند
سے قسم بھی لی جائے کہ اس وقت اس کا ہوش ٹھکانے نہ تھا تب عدم وقوع کا حکم دیا جائے
بدون یمین اور بیتہ کے عدم وقوع کا فتویٰ دینا درست نہیں فتویٰ میں ضروری قیود
کا ذکر کرنا لازم ہے ورنہ جاہل لوگ فتویٰ دیکھتے ہی اپنا مطلب نکال لیتے ہیں قیود و شرط

کی طرف اصلاً التفات نہیں کرتے، فقط والسلام۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، ۴ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ۔

فصل فی الطلاق الصریح

طلاق صریح میں نیت کا (سوال) کیا فرماتے علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کوئی اعتبار نہیں نے اپنے بیوی کو دو مرتبہ دو شخصوں کے روبرو دو طلاقیں صریح دیں جس کے یہ لفظ تھے کہ میں نے تجھے طلاق دی ہیں نے تجھے طلاق دی اور دونوں مرتبہ یہ کہا کہ تو میری ماں ہے اور یہ الفاظ اس سے حالت غصہ میں نکلے بعد میں یہ کہتا ہے کہ اس کو میری نیت جدا کرنے کی نہ تھی اب اس کے واسطے نکاح جدید کی بغیر حلال ہو سکتی ہے یا نہیں بزرگوار ثانی کئے؟

الجواب: اگر زید نے اپنی بیوی کے متعلق یہ لفظ کہے کہ ”میں نے تجھے طلاق دی“ تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو گئی خواہ اس کی نیت طلاق کی ہو یا نہ ہو، اب اگر یہ لفظ دوبار کہا تو دو طلاقیں رجعی پڑیں جن سے عدت کے اندر نہ نکاح ٹوٹا نہ حرمت ثابت ہوئی عدت کے اندر اگر وہ اس کے پاس چلا جاوے یا شہوت سے اس کو چھوے یا زبان سے یہ کہہ دے کہ میں نے رجعت کر لی تو بدستور نکاح قائم رہے گا اور اگر عدت گزر گئی تو نکاح جدید کی ضرورت ہوگی اور اگر خدا نخواستہ طلاق کا لفظ تین بار زبان سے نکل گیا ہو تو پھر یہ حکم نہیں ہے اگر ایسا ہوا ہو تو دوبارہ سوال کریں تین بار طلاق کا لفظ کہنے سے بدون حلالہ کے کسی طرح نکاح نہیں ہو سکتا۔ باقی زید کا یہ کہنا کہ تو میری ماں ہے اس سے کچھ نہیں ہوا البتہ بیوی کو ایسا لفظ کہنا مکروہ اور بُری بات ہے اور اگر یہ کہا ہو کہ تو میری ماں جیسی ہے تو اس کا دوسرا حکم ہے اگر ایسا ہو تو دوبارہ سوال کیا جائے۔ قال فی الدرر وان قال تعدتہ تخويفاً لم یصدق قضاءہ وفيہ ایضاً ویقع بہا (ای بالفاظ الصریح) واحدة رجعیة وان نوى خلافها ولم یؤشیئاً اھ ص ۲۷ وص ۲ ج ۲ - وفيہ ایضاً ویقع حکم لفظ انت علی مثل امی وکامی مانصہ والا ینو شیئاً او حذفت الکاف لغا۔ ویکرم قولہ انت امی ویا ابنتی ویا اختی ونحوہ اھ ص ۹۳۹ و ص ۹۵۰ ج ۲ واللہ اعلم۔ غفرلہ ۳ رذی الحجۃ ۱۳۳۲ھ

(سوال) ایک شخص بیٹھا تھا دوسرا آدمی جو آیا اس نے کہا کہ بیوی چھوڑ دی بیٹھے ہوئے شخص نے جواب دیا کہ چھوڑ دی اور کچھ نہیں کہا نہ کسی قسم کا دل میں خیال تھا تو بیٹھے ہوئے شخص کے لئے کیا حکم ہے اور اس کے نکاح میں کوئی فرق تو نہیں آیا۔ یہی بیٹھا ہوا شخص اس بات کے کہنے سے جو اوپر معلوم کی دوڑھائی مہینے یا اس سے زائد تین یا چار مہینے بعد اپنی بیوی سے تنہائی ایک مکان میں ہوئی جس میں سوائے شوہر اور بیوی کے کوئی نہیں تھا مگر ہم بستر نہیں ہوئی بوجہ بیوی کی بیماری کے تو اس بیٹھے ہوئے شخص کے لئے کیا حکم ہے نکاح اس کا جائز رہا یا نہیں؟ مدت جو اوپر لکھی دوڑھائی مہینے یا تین چار مہینے یہ ٹھیک یا ذہیں مگر دو مہینے سے کم نہیں اور چار سے زائد نہیں۔

الجواب؛ شامی میں چھوڑ دینے کا ترجمہ سرحت کا لکھا ہے اور سرحت کا لفظ کنایات میں سے ہے اور احتمال رد اور شتم کا نہیں رکھتا اس واسطے طلاق کا واقع ہونا نیت پر موقوف ہے اور جبکہ طلاق دینے کی نیت نہیں تھی تو طلاق نہیں ہوئی، تنویر الابصار میں ہے فی حالة الرضى تتوقف الاقسام على النية فقط والله اعلم۔
کتبہ الاحقر افضل احمد عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح،

عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند، ۱۷ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
الجواب غیر صحیح عندنا قال فی العالمگیریہ ولو قال الرجل لامرأته ترا چنگ بازداشتم او بہشتم او یلہ کردم او پائے کشادہ کردم ترا فہذا کلمہ تفسیر قولہ طلقثک عرفا حتی یكون رجعیاً ویقع بدون النية کذا فی الخلاصۃ وكان الشیخ الامام ظہیر الدین المرغینانی یفتی فی قولہ بہشتم بالوقع بلانیۃ ویكون الواقع رجعیاً الخ ص ۲۷۷ ج ۲۔ اور ظاہر ہے کہ لفظ چھوڑ دی ہماری زبان میں بہشتم کا ترجمہ ہے اور معنی طلاق میں صریح ہے لہذا صورت مسئلہ میں قائل کی بیوی پر طلاق رجعی واقع ہو گئی خواہ نیت ہو یا نہ ہو اگر عدت کے اندر اس نے اپنی بیوی سے قولاً رجوع کر لیا یا اس کو شہوت سے چھو لیا تب تک نکاح فاسد نہیں ہوا ورنہ عدت گزرنے پر نکاح ٹوٹ گیا دوبارہ نکاح کر سکتا ہے، واللہ اعلم۔
حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ بامر سیدی حکیم الامت، ۱۷ رجب ۱۴۱۵ھ

”جانتھے ایک طلاق دیا میں“ اس کو (سوال) ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ
شوہر نے کئی بار کہا تو کیا حکم ہے کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ

میں کہ زید نے اپنی بی بی سے کہا جانتھے ایک طلاق دیا میں۔ جانتھے ایک طلاق دیا میں۔
جانتھے ایک طلاق دیا میں ”مگر بیوی تینوں دفعہ جانے سے انکار کرتی ہے اور کہتی تھی مجھے صاف
کر کے دو تب جاؤں گی اور شوہر ہر مرتبہ جانتھے ایک طلاق دیا میں کہتا رہا اب زید قسم
سے کہتا ہے کہ مجھ کو صرف ایک طلاق دینے کی نیت تھی اور باقی دو دفعہ صرف زوجہ کے جواب
میں اعادہ کیا تھا اور زید قرآن مجید لیکر قسم کھا کر کہتا ہے مجھ کو صرف ایک طلاق کی نیت
تھی اب زید کے زوجہ پر آیا ایک ہی طلاق ہوگی یا دو طلاق یا تین طلاق؟

(الجواب؛ قال فی العالمگیریۃ رجل قال لامرئۃ انت طالق انت طالق
انت طالق فقال عنیت بالاولی الاولی بالثانیۃ والثالثۃ افہا ما صدق
دیانۃ فی القضاء طلقت ثلاثا کذا فی فتاویٰ قاضی خاں متی کسر لفظ الطلاق
بحرف الواو وبغیر حرف الواو یتعد الطلاق وان عنی بالثانی الاولی
لم یصدق فی القضاء کقولہ یا مطلقۃ انت طالق ولو ذکر الثانی بحرف
التفسیر وهو حرف الفاء لا یقع الاخری الا بالنیۃ کقولہ طلقتک فان
طالق کذا فی الظہیریۃ ولو طلقها ثم قال لہا طلاق رادمت یقع اخری
ولو قال طلاق رادہ امت لا یقع اخری اھ ص ۵۶ ج ۲۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ اولیٰ میں اگر عورت مدخلہ ہے تو قضاء تین
طلاق واقع ہوگئی ہیں۔ والمرأۃ کالقاضی لہذا عورت کو یہی سمجھنا واجب ہے کہ مجھ کو تین
طلاق ملی ہیں گو دیانۃ شوہر کی نیت اگر تاکید و افہام کی تھی تو اس کے حق میں طلاق ایک ہی
ہوئی مگر عورت کو ایک سمجھنا جائز نہیں وہ اپنے کو مطلقۃ ثلاث ہی سمجھے اور شوہر کو اپنے اوپر
قابو نہ ہے بلکہ اس سے الگ ہو جائے اور بدون تحلیل کے اس کو اپنے لئے حلال نہ سمجھے۔
واللہ اعلم۔

۶ سوال مسئلہ

شوہر نے دو مرتبہ کہا ”میں نے (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین۔ ایک شخص زید نے
تجھ کو آزاد کر دیا تو میری بہن ہی غصہ و لڑائی میں اپنی زوجہ کو دو دفعہ یہ کہہ دیا کہ میں نے تجھ کو
آزاد کر دیا تو میری بہن ہے۔ بعد دور ہونے غصہ کے ہوش و حواس درست ہونے پر

بہت بچھڑایا۔ اب ایسی طلاق جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ قال فی العالمگیرۃ وکان الشیخ الامام ظہیر الدین المرغینانی یفتی فی قوله بہستم بالوقوع بلانیۃ ویکون الواقع رجعیاً ویفتی فیما سواہا باشتراط النیۃ ویکون الواقع بائنًا کذا فی الذخیرۃ اھ (ص ۲۷۲ ج ۲) وفیہ ایضاً (ص ۲۷۲ ج ۲) واما حکمہ فوقع الفرقة بانقضاء العدة فی الرجعی وبدونہ فی البائن کذا فی فتح القدیر وزوال حل المناکحة متى تم ثلثا کذا فی محیط السرخسی اھ وفی الدرر وان نوى بانث علی مثل امی او کامی بربا او ظہارا او طلاقاً صحت نیتہ ووقع مانواہ لانہ کنایۃ والا یؤ شیئاً وحذت الکاف بان قال انت امی لغا ربکما قوله انت امی ویا ابنتی ویا اختی اھ قال الشامی وفیہ حدیث رواہ ابوداود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع رجلاً یقول لامرأته یا اخیۃ فکرم ذلک ونہی عنہ فلم یمین فیہ حکما سوى الکراهۃ والنہی اھ (ص ۹۵۰ ج ۲) قلت ولفظ آزاد کردن من الصریح عندی فی عرف اهل الهند لا یطلقونہ علی النساء الا فی معنی الطلاق۔

صورت مسئلہ میں زید کی بیوی پر دو طلاق رجعی پڑ گئیں جن سے نکاح نہیں ٹوٹا پہلا نکاح بدستور باقی ہے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں (لیکن نئے سرے سے احتیاطاً طلاق پڑھالیں تو اچھا ہے گو ضرورت نہیں قلت ودجہہ الشبۃ فی کون اللفظ صریحاً او کنایۃً فان بعض الناس یعدونہ کالاعتاق فی العربیۃ وهو کنایۃ ۱۲) اب تک تو نکاح نہیں ٹوٹا لیکن اس کے بعد اگر کسی وقت خدا نخواستہ زید کی زبان سے ایک دفعہ طلاق کا لفظ اور نکل گیا تو پھر اس کی بیوی ہمیشہ ہی کے لئے حرام ہو جاوے گی نکاح سے بھی حلال نہ ہو سکے گی بلکہ اس وقت حلالہ کرنا پڑے گا اول دوسرے مرد سے نکاح کرے پھر وہ طلاق دیدے یا مرجائے تو زید اس کے بعد نکاح کر سکے گا لہذا اب زید کو اپنی زبان ہمیشہ سنبھالنی چاہئے اور طلاق کو کھیل نہ بنانا چاہئے کہ سخت گناہ ہے واللہ اعلم ۱۶ رمضان ۱۴۲۶ھ

”جاتجھ کو چھوڑ دیا“ استقبال (سوال) زید اور زوجہ زید مسماۃ ہندہ میں کچھ معاشرت کی نیت کے ساتھ کہنے کا حکم کے متعلق گفتگو ہوئی ہندہ مذکورہ سے زید نے کہا کہ اب تو میں تجھ کو چھوڑ ہی دیا ہوں اب میں کیا شکایت تیرے والدین سے کروں۔ زید عبارت مذکورہ

کی توجیہ یوں بیان کرتا ہے کہ میرا مقصود نہ طلاق دینا تھا اور نہ میں نے طلاق ماضیہ کے خبر دی بلکہ مقصود صرف تہدید تھی چونکہ میرا خیال تھا کہ اس سے قطع تعلق کر دینا چاہئے اور بناءً علیہ اس جملہ کا صدور ہوا کہ تو طلاق ہونے والی ہے زمانہ استقبال میں اس کو تعبیر کیا لفظ ماضی کے ساتھ نہ باعتبار ماکان کے بلکہ باعتبار مایکون ۔ آیا زید کی یہ نیت شرعاً معتبر ہوگی یا نہیں اگر معتبر نہیں تو طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں ؟

الجواب ؛ زید کا یہ لفظ ”اب تو میں نے تجھ کو چھوڑ ہی دیا ہے“ اردو میں طلاق کے لئے صریح ہے جس سے بدون نیت کے وقوع طلاق کا ہو جاتا ہے اور عبارت سوال بتلا رہی ہو کہ زید نے بھی معنی طلاق کا قصد کیا تھا مگر اس نے ماضی و حال کے اعتبار سے قصد نہیں کیا بلکہ آئندہ کے لحاظ سے قصد کیا ہے مگر یہ نیت لغو ہے کیونکہ صیغہ تطلیق فی الحال میں صریح اس سے تطلیق مستقبل کی نیت صحیح نہیں ہو سکتی پس صیغہ مذکور سے طلاق کا وقوع ہو گیا، واللہ اعلم ۔

۱۵ رذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین تجھے القط کیا، آزاد کیا کے الفاظ سے وقوع طلاق کا حکم اس مسئلہ میں کہ میں نے اپنی لڑکی کی شادی اپنے سگے بھانجے کے ساتھ عرصہ ۳ سال کا ہوا کر دی تھی امسال جو طاعون پھیلا تو میرے بھانجے کے ۳ بھائی مر گئے اور دو تین لڑکیاں اور لڑکے بھی مر گئے ان کی وجہ سے میری لڑکی کو ہر وقت یہ کہا گیا کہ ”تو نے میرے بھائیوں کو کھالیا تو سخت منحوس اور کج بخت ہے جا نکل جا اپنا منہ کالا کر جا میں تجھے ساری عمر کو القط و آزاد کیا“ کچھ روز کے بعد لڑکی کی والدہ لڑکی کو لینے گئیں تھیں تو کہا کہ تم اس کو ساری عمر کو اور سب دن کو لے جاؤ یہ کلمہ سن کر لڑکی کی والدہ لڑکی کو نہیں لائیں پھر دوسرے دن لڑکی کو میں خود لینے گیا جس پر لڑکی کو یہ کہا کہ میں نے ساری عمر کو القط کر دی آزاد کر دی میں اپنے مکان پر لڑکی کو لے آیا پھر چار پانچ دن کے بعد لینے کو آگیا تو میں نے اپنے داماد سے یہ کہا کہ جب تو نے ساری عمر کو القط کر دیا ہے اور آزاد کر دیا ہے تو طلاق دیدے اس کے جواب میں کہا میں طلاق تو نہیں دینے کا ساری عمر کو نہیں رکھوں گا لڑکی کے والدین سے لڑکی کو لیجانے کو کہا پھر لڑکی کے والدین نے کہا کہ ہم دو ماہ کے بعد بھیج دیں گے اس پر سخت ناراض ہو کر کہا کہ تم ساری عمر کو رکھو میں نے القط کیا ساری عمر کو آزاد کیا اور سخت سے سخت الفاظ کہہ کر چلا گیا اور اب پھر بارہ چودہ روز کے بعد لینے کو آگیا۔ اس حالت کے چند لوگ گواہ

بھی ہیں اس معاملہ میں حکم شرع کیا ہے۔ لڑکی کو بھیج دی جائے یا طلاق ہو گئی یا پھر دوبارہ نکاح کیا جائے کیا کرنا چاہئے، اور یہ بھی کہتا تھا کہ میں بھی بڑا ہٹیلہ ہوں اب لینے کو نہیں آنے کا اور تم اس کو اور دوسرا کرادینا، ایک لڑکا بھی اس سے پیدا ہوا ہے اور اس حال کا خود اقراری ہے کہ میں نے یہ لفظ کہے ہیں۔ فقط

تتقیح ۱۔ یہ بتلایا جائے کہ شوہر نے یہ الفاظ۔ جانکل جا، منہ کالا کر جا، میں نے تجھے ساری عمر کو القط کیا، آزاد کیا۔ ایک ساتھ ایک ہی مجلس میں کہے۔ یا الگ الگ کئی مجلسوں میں کہے کہ ایک دفعہ جانکل جا کہہ دیا۔ پھر دوسری مجلس میں یا اسی مجلس میں اور کام کے یا ادھر ادھر کی باتیں کہے پھر منہ کالا کر جا کہہ دیا پھر کسی مجلس میں تجھے القط کر دیا کہہ دیا پھر کسی مجلس میں آزاد کر دیا کہہ دیا یا ایسا نہیں ہوا بلکہ ایک ہی مجلس میں ساتھ ساتھ یہ سب الفاظ کہے نیز یہ بھی بتلایا جائے کہ شوہر کے ان الفاظ کہنے کے بعد لڑکی کو ایام ماہواری کتنی دفعہ ہو چکے ہیں؟ فقط۔

۲۷/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

جواب تتقیح ۱۔ پہلے گھر میں مستورات کے سامنے جانکل جا، کالامنہ کر جا، دفعہ ہو جا ایک مرتبہ ایک جلسہ میں کہا اور اس بات کو چار مہینہ ہو گئے اور جب میں لینے کو گیا تھا تو ساری عمر کو القط کیا ساری عمر کو آزاد کیا دوسرے جلسہ میں کہا پونے دو ماہ ہو گئے اور پھر ان سب باتوں کو اقرار کیا ایک مجمع عام میں سوا مہینہ کی بات ہے اور پھر تیسری مجلس میں یہ کہا کہ میں ساری عمر کو چھوڑ چلا کوئی سوا مہینہ کی بات ہے خود مجھ سے یہ کہا کہ میں تمہاری لڑکی کو ساری عمر کو لینے کو نہیں آؤں گا دوسرا کرادینا یونہی تباہی رکھوں گا کوئی سوا مہینہ کی بات ہے۔ ایام ماہواری کا حساب حضور کو خود ظاہر ہو جائے گا۔ پھر ایک موقع مذکورہ بالا میں یہ لفظ کئی کئی مرتبہ ادھر ادھر کی باتوں کر کے پھر بھی کہا ہے اور زبان سے ایک ساتھ دو ایک دفعہ کہہ کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ اور علیحدہ علیحدہ مجلس میں ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد بھی کہا ہے اور میں سنت جماعت ہوں میرے گھر لڑکی کو آئے ہوئے دو ماہ ہو گئے ہیں اور چار ماہ سے یہ جھگڑے شروع ہو گئے تھے۔

الجواب عن السؤال؛ صورت مسئلہ میں مسماۃ پر دو طلاق رجعی تو ضرور پڑ گئی ہیں شوہر کے اس لفظ سے کہ تجھے القط کیا آزاد کیا، اور اگر اس لفظ کو شوہر نے ایک دفعہ سے زائد کہا تو تین طلاق پڑ چکی ہیں یہ الفاظ تو صریح ہیں ان میں نیت طلاق کی ضرورت نہیں۔

اور اگر شوہر نے جائیداد کا کچھ حصہ دیا، دینے والا کرا، دفع ہو جا بھی طلاق کی نیت سے کہے ہیں تب یہ الفاظ پہلے الفاظ سے مل کر تین طلاق کو مفید ہیں بہر حال یہ لڑکی بعد عدت تمام ہونے کے جو کہ وقت طلاق سے تین حیض ہونے چاہئیں دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے بشرطیکہ طلاق رجعی کی صورت میں شوہر نے رجوع عدت کے اندر نہ کیا ہو اور تین طلاق کی صورت میں تو رجوع لغو ہے۔ واللہ اعلم۔

لفظ ”چھوڑ دی“ صریح طلاق میں ہے (سوال) زید بیٹھا ہے عمر نے کہا کہ بیوی چھوڑ دی زید نے جواب دیا چھوڑ دی اور کچھ نہیں کہا اس الفاظ کے کہنے کے بعد جو اوپر لکھا ہے زید اپنی بیوی سے چھ مہینہ تک بالکل نہیں ملا نہ بات چیت کی نہ صورت دیکھی تو اس کے لئے کیا حکم ہے صاف تشریح کے ساتھ لکھئے ؟

الجواب : فی الشامی (ص ۵۰۷ ج ۲) ولا يلزم كون الاضافة صريحة في كلامه لما في البحر ولو قال طالق فقل له من عنيت فقال امرأتی طلقت امرأته ايضاً وبعد اسطر ويؤيد ما في البحر لو قال امرأة طالق او قال طلقت امرأة ثلثا وقال لما عن امرأتی يصدق امر ويقيم منه انه لو لم يقل ذلك تطلق امرأته لان العادة ان من له امرأة انما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها فقل له الى حلفت بالطلاق ينصرف اليها مالم يد غيرها لانه يحتمل كلامه۔

پس اس کی عورت پر ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی اگر اب تک عدت ختم نہ ہوئی ہو تو رجوع کر سکتا ہے اور عدت ختم ہو چکی تو نکاح ہو سکتا ہے اور اگر وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے اپنی عورت کے متعلق نہیں کہا تو اس سے نیت کا مفصل حال دریافت کر کے لکھا جائے کہ پھر اس نے بیوی سے کونسی بیوی مراد لی ہے فقط۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ، یکم شعبان ۱۴۲۲ھ۔

الجواب صحیح۔

ظفر احمد عفا عنہ، یکم شعبان ۱۴۲۲ھ۔

عہ اور عدت اگر معلوم نہ ہو تو یہاں سے پوچھ لو۔

دو طلاق مرتع دینے کے بعد شوہر نے کہا فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا (سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین
 تو قول ثانی اول کا بیان سمجھا جائیگا یا نقل طلاق ہو کر حرمت مغلط ہوگئی اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی
 کے ساتھ جبراً کر کے کہا ایک طلاق دو طلاق فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا اب اس کی بی بی پر
 کتنی طلاق واقع ہوں گی؟ بینوا تو جروا۔

الجواب؛ صورت مذکورہ میں اس کی بی بی پر دو طلاق بائن واقع ہوں گی کیونکہ مطلق کا
 قول اخیر بیان ہوا اول قول کا یعنی پہلی دو طلاق۔ طلاق بائن ہیں لما فی الہدایۃ فی الجلد
 الثانی فی صفحہ ۳۴۹ فاذا وصف الطلاق بضرب من الزیادۃ والشدة کان بائناً
 مثل ان یقول انت طالق بائن او البتۃ فیکون هذا الوصف لتعین احد
 المحتملین الی الرجعی والبائن۔ پس معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں اس کی بی بی پر دو
 طلاق بائن واقع ہوں گی فقط واللہ اعلم۔ کتبہ احقر محمود اللہ عفی عنہ

الکلام علی الجواب المذکور

یہ جواب غلط ہے اور صورت مسئلہ میں شخص مذکورہ کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئیں اور
 عبارت ہدایہ کا مطلب صرف اتنا ہے کہ جب طلاق کے ساتھ کوئی وصف مفید معنی زیادت
 و شدت ملحق ہوگا تو طلاق بائن ہو جائیگی اس کا مقتضاء یہ ہے کہ شخص مذکور نے جو تیسری بار کہا
 فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا تو وصف بائن سے یہ طلاق بائن ہو گئی۔ رہا یہ کہ اس وصف
 کے بڑھانے سے لفظ طلاق بائن دیا موجب وقوع نہ ہوگا۔ بلکہ پہلے کلام کا بیان ہوگا عبارت
 ہدایہ اس پر دال نہیں۔ والدلیل علی وقوع الثالث بقولہ طلاق بائن دیا مافی رد المحتار
 تحت قول الدر لا یلحق البائن البائن اذا امکن جعلہ اخبار عن الاول
 کانت بائن ابتداء بتطبیقہ فلا یقع لانه اخبار فلا ضرورة فی جعلہ انشاء
 مانصہ اشار بہ الی انہ لا یشرط اتحاد اللفظین فشم ما اذا کان الاول
 بلفظ الکناۃ البائنة او الخلع او الطلاق الصریح اذا کان علی مال او
 موصوفاً بما ینبئ عن البینونة کما علم مما قد مناه بعد کون الثانی
 بلفظ الکناۃ البائنة کالخلع ونحوہ ومما یتوقف علی النیۃ ولو باعتبار
 الاصل کانت حرام بخلاف الکنایات الرجعیۃ فانہا فی حکم الصریح فتلحق

البائن كما مر اه (ج ۲ ص ۷۷)، تحت قول الدس والبائن يلحق الصريح الخ مانصه يدخل فيه الطلاق الرجعي والطلاق على مال وكذا ما مر من الفاظ الصريح الواقع بها البائن مثل انت طالق بائن او البتة او انحشر الطلاق الخ فهذا كله صريح لا يتوقف على النية ويقع به البائن ويلحق الصريح والبائن اه

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ طلاق متاخر کو مقدم کا بیان اس وقت قرار دیا جاتا ہے جبکہ اول سے طلاق بائن واقع ہوئی ہو۔ اور ثانی کنایہ متوقف علی النیۃ ہو۔ اور اگر اول سے طلاق رجعی واقع ہوئی ہو اور ثانی کنایہ موقوف علی النیۃ نہ ہو تو ثانی کو بیان نہیں قرار دیا جائے گا بلکہ وہ اول کے ساتھ ملحق ہو کر عد طلاق کو بڑھا دے گا۔ اور صورت مسئلہ میں لفظ اول و دوم صریح ہے اور لفظ سوم کنایہ موقوف علی النیۃ نہیں بلکہ وہ بھی صریح ہے گو اس سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے اس لئے ثالث اولین سے ملحق ہوگا اور زوجہ پر تین طلاق واقع ہوں گی۔ یہ جواب اس وقت ہے جبکہ متکلم نے لفظ سوم کو اول کا بیان قرار دینے کی نیت نہ کی ہو۔ اور اگر اس نے بیان کی نیت کی ہو تو دیانۃً اس کا قول قبول کیا جائے گا نہ قضاءً اور چونکہ عورت طلاق کے بارہ میں مثل قاضی کے ہے اور اس نے یہ الفاظ خود سننے میں جیسا کہ سوال سے مفہوم ہو رہا ہے اس لئے عورت شوہر کی اس نیت کو قبول نہیں کر سکتی اس پر بھی لازم ہے کہ اپنے کو مطلقۃ الثلث سمجھے اور اس شوہر سے بالکلیہ علیحدگی اختیار کرے اور بعد عدت کے بدون تحلیل کے اس سے نکاح نہ کرے، واللہ اعلم۔

۱۳ صفر ۱۲۷۴ھ

حکم طلاق بلفظ بہشم اورا (سوال) کتب رجل الى سلفه وهو يشكونشوزا مرأته

ترجمہ بالفارسیۃ "بہشم اورا" المعنی

طلقتها بالعربية ثم قال وفرق بيني وبينها معاشرة بمن يلا ثمها بالرفاء والهناء لكيلا يحل بي اثم وكفى به حوباً كبيراً ولا تبال بانها سلفه لك فانك خليلي وشنان ما بينك فهل يقع الطلاق ام لا يتنوا تو جروا .

الجواب ؛ يقع الطلاق لان قوله لا مرأته "بہشم" صريح في الطلاق فيقع الواحدة الرجعية نوى الطلاق اولم ينو شيئاً قال شمس الأئمة الشافعي

بعد ما ذكر الاختلاف بين الاثمة في انه صريح او كناية لكننا نقول نحن اعرف بلغتنا منهم والواقع بهذا اللفظ عندنا تطليقة رجعية سواء نوى الطلاق او لم ينو ونوى الثلاث او لم ينو لان هذا اللفظ في لساننا صريح بمنزلة الطلاق في لسان العرب ثم ان البيان بالكتاب بمنزلة البيان باللسان ولا سيما اذا كان الكتابة مرسومة قال الشمس المذكر بعد ذكر نوعي الكتابة والثالث ان يكتب على رسم الرسالة طلاق امرأته او عتاق عبده فيقع الطلاق والعتاق بهذا في القضاء وان قال عنيت به تجربة الخط لا يدين في القضاء لانه خلاف الظاهر وهو ما لو قال انت طالق ثم قال عنيت به الطلاق من وثاق . اقول وههنا مع ذلك من قرأ تدل على ان الكتاب نوى الطلاق لا غير كما لا يخفى على من امعن نظره في عبارة الكتاب وايضا يقع الطلاق بمجرد الكتابة حيث قال الامام المذکور ثم ينظر الى المكتوب فان كتب " امرأته طالق " فهي طالق سواء بعث الكتاب اليها او لم يبعث هذا والله عنده ام الكتاب واليه المرجع والمآب .

حرره ابو المولى محمد شمس الهدى

صانه الله عن الهلك والردى

نعم الجواب ، مخلص الرحمن اسلام آبادى مدرس مدرسه پانچ باغ

صح الجواب ، محمد عتيق الله خان يوسفى ۱۲ نومبر ۱۳۸۷ھ

اقول

اذا قال الرجل لامرأته " بهشتم ترا از رنے " فاعلم بان هذه اللفظة استعمالها اهل خراسان واهل عراق في الطلاق وانها صريحة عند ابي يوسف حتى كان الواقع بها رجعيًا ويقع بدون النية وفي الخلاصة وبه اخذ الفقيه ابوالليث وفي التفريد وعليه الفتوى كذا في التتارخانية .

احقر الناس منير الدين احمد عفى عنه احد مدرسي المدرسة الاسلامية

الواقعة بپانچ باغ

مورد مسئلہ میں طلاق رجعی واقع ہوگی اور چونکہ عدت گزر گئی ہے لہذا تجدید نکاح

کی ضرورت ہے۔ اصاب من اجاب سید احمد غفرلہ سیٹاپوری مولوی فاضل
 صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ ڈھاکہ
 ما حقه المحقق فهو حق وخلافه باطل۔ حررہ ابو الفضل عبد الحمید
 خادم الطلبة مدرسہ اسلامیہ ڈھاکہ
 وذكر في العالمگیریه ولو قال الرجل لامرأته "تراجنگ بازداشتم" "اوہستم او"
 "یہ کردم ترا" "پائے کشادم ترا" فهذا كله تفسير قوله طلقته عرفاً حتى يكون
 رجعيًا وليقع بدون النية كذا في الخلاصة۔ محمد ناصر الدين عفا الله عنه
 مدرس مدرسہ پانچ باغ
 المحيىب مصيب لاشك فيه كما لا يخفى۔ محمد ايوب علي عفى عنه
 مدرس مدرسہ حماديه ڈھاکہ۔
 طلاق رجعي پڑگئی اب بغیر تجدید نکاح زوج کو اس کے ساتھ مباشرت درست نہیں
 احقر ابو الحسن غفرلہ غازی پوری معلم العربیہ فی المدرستہ الاسلامیہ ڈھاکہ۔
 المحيىب مصيب۔ هذا الصريح ان استعمل في معنى موضوع له وخص به
 محمد سعيد الرحمن عفى عنه مدرس مدرسہ حماديه ڈھاکہ



تتقیح

بجالی الفاظ کا ترجمہ فارسی و عربی اگر لکھتے عربی و فارسی میں صریح ہو تو اس سے یہ لازم نہیں
 آتا کہ بنگلہ میں بھی وہ لفظ صریح ہو پس سوال مذکور کے جواب میں صرف عالمگیری و تاتارخانیہ
 "سے بہستم" کا رجعی ہونا نقل کر دینا کافی نہیں بلکہ اہل عرف بنگال سے اس بات کے نقل کی
 ضرورت ہے کہ یہ لفظ ان کی زبان میں صریح ہے بدون اس کے یہ تمام جوابات ناکافی ہیں
 اور لفظ "بہستم اورا" کے ترجمہ کے بعد جو الفاظ ہیں وہ محض مشورہ وغیرہ پر دال ہیں الفاظ
 الیقاع سے نہیں ہیں اور ان کو مذکرۃ طلاق میں بھی داخل نہیں کر سکتے کیونکہ مذکرۃ طلاق لفظ طلاق
 سے مقدم ہوتا ہے نہ مؤخر قال فی الدر المختار ص ۶۰ ج ۲ نقلاً عن النہر تحت
 قول الدر لا تطلق بها ای بالکنايات الابنية أو دلالة الحال وهي حال
 مذکرۃ الطلاق مانصہ ان دلالة الحال تعم دلالة المقال قال وعلى

هذا فتفسر المذكرة بسؤال الطلاق او تقدیم الایقاع وقال قبله المذكرة
ان تسال هي اواجبي الطلاق اه . قلت ولا شك في اشتراط تقدم
سؤال الطلاق عن لفظ الكناية حتى يحمل الجواب بالكناية على الایقاع
بقريضة السؤال وقد صرح باشتراط التقديم في الایقاع فثبت ان
المذكرة التي تفيد تعيين الكناية لا یقاع انما هي المتقدمة لا المتأخرة
وفي الصورة المسئلة لم توجد المذكرة الا متأخرة فتلغوا والله تعالى اعلم
۲۳ رمضان ۱۴۲۵ھ

فصل فی الطلاق بالكنايات

(سوال) اس خط میں جو عبارت خط کشیدہ
ہے آیا اس سے طلاق ہو گئی یا نہیں اگر ہو گئی
تو کیسی ہوئی ۔

اس کی ماں کو کہدینا کہ دوسری شادی کر دے
اب ہم اس کو نہیں چاہتے۔ کنایہ کے حکم میں ہے
اور طلاق کنایہ کے بعد طلاق صریح کا حکم

جناب بخدمت شریف چچا صاحب جناب چچی صاحبہ و عثماني صاحبہ و سب صاحبان
کو سلام علیکم ، بابو عزیزم لوگوں کو پیار ۔ میں ساتھ خیریت کے ہوں آپ لوگوں کی خیریت
نیک چاہتا ہوں جو دل میں تشفی ہو ۔ دیگر حال یہ ہے کہ ہمارے گھر میں بھاگ گئی ہر کس بات
سے ہم اس کو ایک دم نہیں چاہتے ہیں اس کی ماں کو کہدینا کہ دوسرا شادی کر دے اب ہم
اس کو نہیں چاہتے ہیں ہم کو بہت شرمندہ کیا ہوا اور پھر بھاگ گئی کیا اس کو تکلیف ہو کہ بھاگ
گئی خیر چلی گئی تو کوئی مضائقہ نہیں ہوا اور ہمارا بھی جان ہلکا ہوا اور ہم تو اب جا رہے ہیں جہاز
میں تین چار برس کے لئے اور جو کچھ ہمارے مکان سے لے گئی ہوا اس کو بھیج دو گے اور اس کو
ہم نے طلاق دیتے ہیں دس آدمی کے سامنے خط پڑھا کر سنا دینا اور سوکھا و براتی چچا کے سامنے
سوکھا چچا و براتی چچا و حفیظ بھائی وغیرہ سب کے سامنے ہم طلاق دیتے ہیں سب کو جمع کر کے
خط دیدینا اور سنا دینا اور جناب چچی صاحبہ کو معلوم ہو کہ تم کوئی بات نہیں چھپاؤ گی وہیں سب
بات کہدینا نہیں تو تم لوگ کہو تو ہم اگر کے صفائی کر دے اور نہیں تو خط سے ہو جائے گا تو ہم کو
جانا کیا ضرور ہے ۔

تتقیح :- جب صریح الفاظ طلاق کے اس نے کہدئے اب کنایات کی تحقیق

کی کیا ضرورت ہے البتہ اگر وہ اب رجوع کرنے کا ارادہ کرے اس وقت کنایات کی تحقیق کی ضرورت ہوگی۔ اشرف علی
جواب :- رجوع کرنا چاہتا ہے۔

الجواب ؛ صورت مسئلہ میں تین طلاق واقع ہو گئیں کیونکہ شوہر کا یہ لفظ کہ ”اس کی ماں کو کہہ دینا کہ دوسری شادی کر دے اب ہم اس کو نہیں چاہتے“ کنایہ طلاق کا لفظ ہے اس کے بعد اس نے دو مرتبہ ”اس کو ہم طلاق دیتے ہیں“ تحریر کیا ہے جو کہ طلاق کا صریح لفظ ہے وصریحہ یلحق الباشن اس لئے مجموعہ تین طلاق ہو گئیں، البتہ اگر اس نے دوسرے اور تیسرے لفظ سے انشاء طلاق کا قصد نہ کیا ہو بلکہ پہلے طلاق کی اخبار کا قصد کیا ہو تو اس صورت میں دیانۃً ایک یا دو طلاق ہوں گی تین نہ ہوں گی مگر اس صورت میں اگر عورت کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مجھ کو تین طلاق دی گئی ہیں تو اس کو شوہر کے پاس رہنا اور اس کو اپنے اوپر قابو دینا حرام ہے کیونکہ قضاء تین طلاق ہو ہی چکی ہیں والمرأة كالقاضي، واللہ اعلم۔

اور اگر عورت کو تین طلاق کا علم نہیں ہوا بلکہ ایک یا دو کا علم ہو ہی یا کچھ بھی علم نہیں ہوا تو شوہر کے پاس صورت ثانیہ میں جبکہ اس نے اخبار کا قصد کیا ہو وہ رہ سکتی ہے اور اگر اس نے اخبار کا قصد نہیں کیا بلکہ ہر لفظ میں انشاء کا قصد کیا ہو یا کچھ بھی نیت نہ تھی تو زوجہ پر قضاء و دیانۃً تین طلاق کا وقوع ہو چکا ہے اب بدون حلالہ کے وہ حلال نہیں ہو سکتی واللہ اعلم
وفی التجرید لو قال و هبتك لا هلك ادلا بیک ادلا ملک ادلا لزواج و نوى الطلاق ففی طالق ام خلاصہ (ج ۲ ص ۹۹) فی الدر المختار کسر لفظ الطلاق وقع الكل وان نوى التاكيد دين ام ورد المختار قال فی الفتح والتاكيد خلا الظاهر وعلمت ان المرأة كالقاضي لا يحل لها ان تمكنه اذا علمت منه ما ظاهره خلاف مدعا ام (ص ۶۹ ج ۲) ۱۵ ارجمادی الاخری سنہ ۱۲۸۵
شوہر کا اپنی بیوی کو کہنا ”تم کو حرام کیا“ (سوال ۱) ایک عورت کو اس کے شوہر نے یہ کہا کہ تمہارے ہاتھ کا کھانا کھانا حرام ہے بلکہ تم کو حرام کیا اور قیامت تک تمہاری طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھیں گے جس کو ڈیڑھ برس کا زمانہ ہوا۔ اور اب تک اپنی حالت پر قائم ہے نہ آمد و رفت نہ نان نفقہ۔

۲) جس صورت میں وہ بد باطن ہے اور عورت کو پریشان رکھنے کے لئے صاف بات

نہیں کرتا ہے اور عورت بھی اس کے برتاؤ سے بیزار ہے۔ اور عا کا جو واقعہ گذرا ہے اس کے بعد اس عورت کے والد نے لڑکی کی مرضی سے دوسرے سے عقد کر دیا، یہ عقد جائز ہے یا نہیں؟
 (۳) جو صورتیں اوپر گزری ہیں ان سے اگر عقد جائز نہیں ہوا تو جواز عقد کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب؛ قال فی الدر المختار قال لامرأته انت علی حرام ونحو ذلك كانت معی فی الحرام ایلاء ان نوى التحريم اولم ينوشيثاً وظهاراً ان نواه وهدراً ان نوى الكذب وذاد يانته واما قضاء فابلاء قهستاني وتطبيقاً بانه ان نوى الطلاق وثلاث ان نواها ويفق بانه طلاق بائن وان لم ينو لغلبة العرف اهـ ص ۹۱۰ و ۹۱۱ ج ۲ - وفي رد المحتار ص ۴۶۲ ج ۲ دسأتی وقوع البائن به (ای بالحرام) بلانية فی زماننا للتعرف لا فرق فی ذلك بین محرمه وحرامه سواء قال علی اولاه -

قائل نے اپنی بیوی کو جو یہ لفظ کہا ہے کہ ”بلکہ تم کو حرام کیا“ متاخرین نے عرف کی وجہ سے اس کو طلاق بائن مانا ہے جہاں ہم نے تحقیق کیا ہے ہم کو بھی اس وقت یہی معلوم ہوا کہ بیوی کو حرام کرنے سے عوام کو طلاق کے ہی معنی متبادر ہوتے ہیں دوسرے معنی کی طرف ذہن نہیں جاتا لہذا اس تقریر پر صورت مسئلہ میں طلاق بائن واقع ہوگئی، اور اگر دوسرا نکاح اس عورت کا اس واقعہ سے بعد تین حیض گزرنے کے ہوا ہے تو وہ نکاح بھی صحیح ہوگیا۔ اور اگر سائل کے یہاں لفظ حرام سے کوئی دوسرے معنی بھی مفہوم ہوتے ہیں یا قائل نے کسی دوسرے معنی کا قصد کیا تھا تو وہ اس کو مفصل لکھے پھر جواب دیا جائے گا، واللہ اعلم۔

۶ سوال مستم

(سوال) - نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم - مسئلہ
 شوہر کی نیت کے مطابق ایک طلاق بائن یا تین طلاق کا واقع ہونا۔
 دین شرع متین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں جو شخص اس قسم کا طلاق نامہ لکھ کر اپنی بیوی کو دے جاوے تو اس طلاق نامہ سے طلاق رجعی پڑتی ہے یا طلاق بائن یا مغلطہ پڑتی ہے۔ جواب سے مطلع فرمادیں مہربانی ہوگی۔ طلاق نامہ کی نقل ذیل میں درج ہے :

نقل طلاق نامہ

منکہ عبد الحفیظ ولد محمد مہنگا سکھ موضع کہوئیاں ڈاکخانہ ڈبوالی تحصیل سرسہ ضلع حصار کاہوں کہ رچی دختر کریم بخش موضع سوانہ مال ضلع ریشک کے ساتھ میرا نکاح ہوا میں نے طلاق نامہ

لکھ دیا ہے تاکہ سند ہے مہر اس کا میں چار ماہ کے اندر انشاء اللہ روانہ کر دوں گا جو مبلغ ۱۳۰ روپے ہیں جو مہر میں اس کا ادا نہیں کروں گا خدا کے ہاں دین دار ہوں گا اور میرا اس عورت سے کچھ دعویٰ نہیں اس کے باپ کو اختیار ہے جہاں مرضی ہو بٹھا دیوے ۔

نوٹ :- اصل طلاق نامہ پر عبد الحفیظ کا نشان انگوٹھ ہے اور تین شخصوں کے دستخط اور پانچ شخصوں کے انگوٹھے ہیں ۔

الجواب ؛ قال فی العالمگیریۃ ولو قال فی حال مذاکرة الطلاق بائنتک او ابنتک او بنت منک او لا سلطان لی علیک او سرحک او وهبتک لنفسک او خلیت سبیلک الی آخر الامثلة یقع الطلاق وان قال لم انوالطلاق لم یمصدق قضاءً ۱۔ وفيها ایضاً روی الحسن عن ابی حنیفۃ انه اذا قال وهبتک لاهلک ادلائیک ادلائیک اوللازلواج فهو طلاق اذا نوى ۲۔ پس صورت مسئلہ میں بموجب الفاظ اس طلاق نامہ کے مسماۃ رحمی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی بشرطیکہ شوہر نے تین طلاق کی نیت نہ کی ہو اب بدون تجدید نکاح کے وہ اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہ سکتی اور اگر شوہر نے طلاق نامہ لکھنے سے پہلے یا اس کے بعد زبان سے بھی طلاق دی ہو تو اگر دو بار اس نے طلاق کا لفظ استعمال کیا ہوگا تو مسماۃ رحمی پر تین طلاق پڑ جائیں گے ۔ اسی طرح اگر اس نے زبان سے تو کچھ نہ کہا ہو لیکن طلاق نامہ لکھتے ہوئے تین طلاق کی نیت کی ہو تب بھی مسماۃ پر تین طلاق پڑ جائیں گی ۔ پس دوسری صورت میں عبد الحفیظ سے اس کی نیت کا حال دریافت کیا جاوے اگر اس نے ایک طلاق کی نیت کی ہو تو ایک ہے اور اگر تین کی نیت کی ہے تو تین طلاق مغلظ واقع ہو جائیں گی واللہ اعلم ۔

۱۱ ربيع الثاني ۱۴۳۵ھ

” میں تم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں “ (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین متین و مفتیان شرع مبین کہ زید نے ہندہ کو تہمت زنا لگایا یہ الفاظ شوہر نے کہے

خالد کے ساتھ جو ہندہ کا ماموں زاد بھائی اور اب وہ بمنزلہ حقیقی بھائی ہے اسی خیال پر زید نے ہندہ سے کہا کہ میں تم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں اور اپنے باپ اور قاضی کو بلا لو

۱۲ قلت ثم ظہری ان الواقع فی هذه الصورة طلقان کما سیأتی ۱۲ منہ

میں بخوشی اسی وقت تمہارا نکاح خالد سے کئے دیتا ہوں۔ اب ہندہ زید سے سخت ناخوش ہے اور اس سے قبل زید ہندہ سے ناراضگی کی حالت میں بار بار یہ الفاظ بھی کہہ چکا ہے کہ تم اپنے باپ کے گھر بیٹھی رہو۔ میں اپنے گھر خوش تم اپنے گھر خوش اور خرچ وغیرہ بھی تم کو نہیں دوں گا۔ اب ہندہ زید سے علیحدگی چاہتی ہے اس حالت میں ہندہ کی زید سے علیحدگی کی موافق شرع شریف کے کیا صورت ہونی چاہئے بینوا تو جروا۔ (بعض کلمات دوسرے پرچہ میں ہیں) میں تم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں اور اپنے باپ اور قاضی کو بلا لو میں بخوشی لا دعویٰ ہوتا ہوں۔ اور اسی وقت تمہارا نکاح خالد سے کئے دیتا ہوں۔ میں خوشی سے لا دعویٰ ہوا۔ اور پھر چھاتی ٹھوک کر کہا کہ میں لا دعویٰ ہو چکا، یہ الفاظ تین مرتبہ کہا اور یہ الفاظ کہے ہوئے آٹھ ماہ کا عرصہ ہو چکا اور اس پر پردہ کر دیا گیا ہے۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں عورت پر تین طلاق مغلظہ واقع ہو چکیں اگر زید کو یہ الفاظ کہے ہوئے اتنا عرصہ گزر چکا جس میں ہندہ کو تین حیض آچکے ہوں تو وہ اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے اور اگر تین حیض ان کلمات کے بعد سے ابھی تک پورے نہیں ہوئے تو بعد اتمام عدت دوسرے نکاح کر سکتی ہے زید سے بدون تحلیل کے اس کا نکاح درست نہیں فان قوله علیحدگی اختیار کرتا ہوں بمعنی جدائی وصرح فی الخلاصة مناج ۲ ان فی لفظة جدائی لا یحتاج الی النیة ثم قوله خوشی سے لا دعویٰ ہوتا ہوں اور لا دعویٰ ہو چکا ان کان من الکنایات فانها تلحق بالصریح ولا یحتاج الی النیة فی حالة الغضب فانها لا تصلح الا للطلاق والجواب فی غرضنا کمالا یشفی واللہ اعلم ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۳۷۸ھ

شہر کا کہنا "میرا اس عورت پر کچھ دعویٰ نہیں" (سوال) علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں، یہ طلاق نامہ کی نقل آپ کی خدمت میں ارسال ہے، طلاق لکھنے والا یعنی طلاق دینے والا کہتا ہے کہ میں نے طلاق نامہ لکھتے وقت نیت طلاق رجعی کی تھی اور عدت ہی کے اندر دو گواہوں کے سامنے اپنی بیوی کو رجوع کر لیا تھا اور رجوع کرنے کی خبر بذریعہ خط اپنی عورت کو دیدی تھی آیا یہ رجعت درست ہوئی یا نہیں یا طلاق بائن ہوئی یا مغلظہ؟

نقل طلاق نامہ، منہ عبد الحفیظ ولد محمد مہنگا سکنہ موضع کھوئیاں ڈاکخانہ

ڈیوالی تحصیل سرسہ ضلع حصار کا ہوں کہ رحیمی دختر کریم بخش موضع سوانہ مال ضلع ریتھک کے ساتھ میرا نکاح ہوا تھا میں نے طلاق نامہ لکھ دیا ہے تاکہ سند ہے مہر اس کا میں چار ماہ کے اندر انشاء اللہ روانہ کر دوں گا جو مبلغ تیس روپیہ ہیں جو مہر میں اس کا ادا نہیں کروں گا خدا کے ہاں دیندار ہوں گا اور پھر اس عورت سے کچھ دعویٰ نہیں اس کے باپ کو اختیار ہے جہاں مرضی ہو بٹھا دیوے۔

نوٹ :- اصل طلاق نامہ پر عبد الحفیظ کا نشان انگوٹھا ہے اور تین شخصوں کے دستخط اور پانچ شخصوں کے انگوٹھے ہیں۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں مسماۃ رحیمی پر دو طلاق بائن واقع ہو گئی ہیں ایک طلاق اس لفظ سے واقع ہو گئی میں نے طلاق نامہ لکھ دیا ہے اور دوسری اس لفظ سے میرا اس عورت پر کچھ دعویٰ نہیں فاندہ بمعنی لا سبیل لی علیک ولا سلطان لی علیک والبائن یلحق الصریح فیکون الکمل بائنا پس عبد الحفیظ کا رجوع کرنا صحیح نہیں ہوا۔ ہاں اگر عورت رضی ہو تو نکاح دوبارہ ہو سکتا ہے، واللہ اعلم۔

۲۷ جمادی الثانیہ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین متین مسئلہ ہذا میں کہ مسمی زید نے اپنی بیوی مسماۃ ہندہ سے بوجہ عقیمہ (بائجہ) ہونے کے قطع تعلق کر دیا حتیٰ کہ بات چیت بھی نہیں کرتا اور اکثر یہ الفاظ کہتا رہتا ہے کہ تیرا دل جس جگہ چاہے چلی جائے تیرا روادار نہیں نہ تو میری کچھ لگتی ہے نہ میں تیرا کچھ لگتا ہوں۔ میری طرف سے تنجکو طلاق ہے اور مسماۃ مذکورہ اس پر کہتی ہے کہ ایک کاغذ طلاق نامہ کا مجھے لکھ دے مگر زید مذکور زبانی طلاق تو اکثر دیتا رہتا ہے کاغذ پر طلاق نامہ لکھ کر نہیں دیتا اس لئے کہ عورت مہر کا دعویٰ نہ کرے اور پھر مہر ادا کرنا پڑے گا۔ لہذا ایسی صورت میں مسماۃ مذکورہ کیا کرے کیا ایسی صورت میں طلاق پڑ جاتی ہے یا نہیں اگر ایسی صورت میں طلاق ہو جائے تو کسی دوسرے آدمی سے بعد عدت کے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب؛ صورت مسئلہ میں ہندہ پر تین طلاق پڑ گئیں اب اس کو زید کے پاس رہنا ہرگز جائز نہیں عدت کے بعد وہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے طلاق نامہ لکھنے پر وقوع

عہ لانہ یضمن الاقرار بالطلاق السابق و اقرار بالطلاق اللاحق کما عرف فی موضعہ ۱۲ منہ

طلاق موقوف نہیں ہوا کرتی۔ قال فی العالمگیریۃ ولو قال لہا مرا با تو کاے نیست و ترا با من نے اعطینی ما کان لی عندک واذہبی حیث شئت لا یقع بدون النیۃ کذا فی الخلاصۃ ۱ھ ص ۷۷ ج ۲ قلت وهو فیصد الوقوع بالنیۃ ومذاکرۃ الطلاق فی حکم النیۃ کما عرفت فیقم واحدة بقولہ تیرا دل جس جگہ چاہے چلی جائیں تیرا روادار نہیں والثانیۃ بقولہ نہ میں تیرا کچھ لگتا ہوں نہ تو میری کچھ لگتی ہے فی العالمگیریۃ ولو قال ما انت لی بامرأۃ ولست لک بزوج ونوی الطلاق یقع عند ابی حنیفۃ ۱ھ ص ۷۹ ج ۲ اور جب شوہر نے زبانی طلاق اکثر دی ہے تب تو صراحتہ ہندہ پر تین طلاق واقع ہو گئیں اب وہ بدون تحلیل کے زید کے لئے حلال نہیں ہو سکتی واللہ اعلم - ۱۹ رجب ۱۴۳۷ھ

بامرسیدی حکیم الامت

طلاق بلفظ "جائناح کر" و (سوال) زید نے مسماۃ ہندہ سے کہا کہ اب تو دوسرا نکاح کرے گی ہی فلاں سے "یا یوں کہا" جائناح کر "یا ہندہ کے گھر والوں سے کہا کہ جاؤ دوسرا انتظام کرو" لفظ ثالث سے مقصود طلاق نہیں علیٰ ہذا ما قبل کے دونوں لفظوں سے بھی طلاق کا خیال نہیں۔ زید کہتا ہے کہ میں نے الفاظ مذکورہ اس وجہ سے استعمال کیا کہ آئندہ ہندہ کو عبرت ہو پھر ایسے حرکت ناشائستہ نہ کرے ممکن ہے کہ آئندہ اپنی حرکت نامعقول سے باز آجائے۔ جب مقصود تنبیہ ہے طلاق نہیں تو کیا دلالت حال کا اعتبار کر کے مشروع وقوع طلاق کا حکم لگا سکتی ہے یا نہیں اگر یہ الفاظ مذاکرۃ طلاق اور حالت غضب میں نہ کہے جاویں بلکہ استہزاء کہے جاویں تو کیا حکم ہے؟

(۲) فقہار نے کنایہ کی تعریف یہ کی ہے: ما یوضع لہ ولغیرہ ولا یقع الطلاق الا بالنیۃ او بدلالۃ کحالة الغضب ومذاکرۃ الطلاق۔ سوال یہ ہے کہ دلالت اس وقت بھی معتبر ہے جبکہ کنایات سے مقصود طلاق نہ ہو صرف علیٰ سبیل التنبیہ والتہذیب تلفظ کئے گئے ہوں جیسا کہ صورت مذکورہ میں یا ایسے صورت میں دلالت معتبر نہیں اور طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(۳) اگر زید کی نیت قضاء معتبر نہ ہو تو کیا دیانۃ فیما بینہ و بین اللہ بھی معتبر نہ ہوگی یعنی اگر قضاء ہندہ طالق ہوگئی تو فیما بینہ و بین اللہ بھی طالق ہوئی یا نہیں اگر دیانۃ طلاق نہیں پڑی تو کیا تعلق رکھنا ہندہ سے جائز ہے یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟

(۴) زید نے ہندو دودھ و طلاق رجعی دی (اس واقعہ کے قبل) اور رجعت بھی کر لی پھر ایک دن کے بعد الفاظ کناہ کا تکلم کیا جن سے ایک طلاق بائن پڑی۔ اب سوال یہ ہے کہ دو اور ایک ملکر تین طلاقیں ہوئیں اور ہندو مغلظہ ہو گئی یا ہر ایک کا حکم جدا گانہ ہے مغلظہ نہیں ہوئی۔ ازمنہ متفرقہ کی تین طلاقیں جو مغلظہ ہو جاتی ہیں وہ رجعی اور ایک قسم کے طلاق کا مسئلہ ہے یا دو قسموں کا بھی یہی حکم ہے؟

حاصل مرام یہ ہے کہ اب جواز تعلق کی کوئی صورت ہندو سے ہے یا نہیں بالتفصیل سوالات مذکورہ بالا کا جواب دے کر فلاح دارین حاصل کیجئے فقط بینوا تو جبروا۔

الجواب؛ زید کا یہ قول کہ اب تو دوسرا نکاح کرے گی ہی کناہ یا صریح کچھ نہیں اس سے انشاء طلاق کا قصد محاورات میں نہیں ہو سکتا اور دوسرا اور تیسرا لفظ یعنی یعنی "جناح کر" یا ہندو کے اہل سے کہا "جاؤ دوسرا انتظام کرو" یہ کنایات طلاق میں سے ہے جس کا حکم یہ ہے کہ قضاء دلالت حال غضب باذکرہ کے ہوتے ہوئے بدون نیت کے اس طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر دلالت حال ومقال نہ ہو تو بدون نیت کے وقوع نہ ہوگا۔ اور دلالت حال غضب کے ہوتے ہوئے قضاء نیت تہدید مسموع نہ ہوگی اور عورت قضاء کا سامعہ کرے گی اور دیانۃ جمیع کنایات میں بدون نیت کے طلاق واقع نہیں ہوتی کما یظهر من الذل والشامیۃ (ص ۶۴ و ۶۵ ج ۲) من تعید ہما مسئلۃ وقوع الطلاق بہا بدلالة الحال من غیرنیۃ بالقضاء وتعلیلہما ایہا بانہ صرف عن الظاہر فلذا وقع بہا قضاء بلا توقف علی النیۃ کما فی صریح الطلاق اذ لوئی بہ الطلاق عن وثاقہ قلت وقد مر فی باب الصریح انہ لوئی بہ الطلاق عن وثاق ذین فکذا فی المشبہ فافصو۔

(۲) دلالت قائم مقام نیت کے ہے بلکہ اس سے اقویٰ ہے قال فی الدر فی مذاکرۃ الطلاق یتوقف الاول فقط ویقع بالآخرین وان لم یولان مع الدلالة لا یصدق قضاء فی نفی النیۃ لانہا اقویٰ لكونہا ظاہرۃ والنیۃ باطنۃ ام (ص ۶۵ ج ۲) لہذا دلالت حال کے ہوتے ہوئے نیت کی کوئی ضرورت نہیں بدون نیت کے بھی قضاء وقوع طلاق ہو جائے گا البتہ دیانۃ کنایات سے دلالت حال کے بعد بھی نیت ہی سے وقوع ہوتا ہے بدون نیت کے وقوع نہیں ہوتا۔

(۳) جن صورتوں میں قضاء وقوع طلاق ہوتا ہے اور دیانۃ نہیں ہوتا وہاں حکم یہ ہے

کہ شوہر کو تو بیوی کے ساتھ معاملہ زوجیت جائز ہے لیکن اگر عورت نے الفاظ طلاق کہے یہ وغیرہ خود
مُسے ہیں یا تو کسی عادل نے اسے خبر دی ہے تو اس کو شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں اور نہ تمکین
جائز ہے لانہا کالقاضی لا تقبل منه الا ما یقبلہ القاضی وتسد ما یسدہ۔

رہی دو طلاق رجعی کے بعد تیسری طلاق کنایہ خواہ متصل دے یا منفصل وہ دو پہلی طلاقوں کے
ساتھ مل کر تین طلاق ہو جائیں گی خواہ تیسری کتنے ہی زمانہ کے بعد دے پس جس عورت کو دو
رجعی پہلے مل چکی ہوں پھر عرصہ کے بعد طلاق بائن دی گئی ہو وہ اب تین طلاق کے ساتھ مغلفہ
ہو جائے گی جو بدون تحلیل کے اپنے شوہر کے واسطے حلال نہیں ہو سکتی واللہ اعلم ۱۵۲۲ھ ۱۱۲۲ھ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ
اگر ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ اگر میں تیرے سا
جماع کروں تو میں اپنی ماں بہن کے ساتھ کروں،
تیرے ساتھ جماع کروں تو ماں بہن جماع کروں
میں نے تجھ کو چھوڑ دیا، تیرا میرا کچھ تعلق نہیں
کہنے سے طلاق بائن واقع ہونے کا حکم

میں نے تجھ کو چھوڑ دیا میرا تیرا کچھ تعلق نہیں خواہ تو کہیں رہ میں کہیں رہوں، پھر واپس نہیں
آیا اپنی دوکان میں خود پہنے لگ گیا اور عورت کو گھر چھوڑ گیا پھر گھر نہیں آیا پھر عورت کا
مقدمہ وغیرہ چلایا اور جب اس سے دریافت کیا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے اس کی بدچلتی دیکھ
کر اس سے اظہار ناراضگی کی تھی طلاق کا میرا ارادہ نہیں تھا جب پوچھا جاتا ہے کہ پھر تو اس
کے پاس کیوں نہیں پہنچا تو کہتا ہے کہ یہ بدافعالی سے باز نہیں آتی تھی میرے کہنے پر عمل نہ کرتی
تھی اور مجھ میں اتنی قوت و طاقت نہیں جو مقدمہ چلاؤں یا جس کے گھر میں ہے اس سے مقابلہ
کروں میرا معاملہ اللہ کے یہاں ہے اگر میری ہوگی تو مل جائے گی ورنہ بروز قیامت سمجھوں گا
تو کیا اس سے طلاق ہو گئی یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب؛ اس شخص کا یہ قول تو محض لغو ہے کہ اگر تیرے ساتھ جماع کروں تو اپنی
ماں بہن کے ساتھ کروں "البتہ اُس کا یہ قول میں نے تجھ کو چھوڑ دیا" طلاق میں صریح ہے اور
یہ لفظ "میرا تیرا کچھ تعلق نہیں" کنایہ ہے اور چونکہ مذکر طلاق میں واقع ہوا ہے اس لئے محتاج
نیت نہیں پس اس شخص کی بیوی پر دو طلاق بائن واقع ہو گئیں۔ اگر طرفین راضی ہوں تو عدت
میں یا بعد عدت کے تجدید نکاح کر کے باہم رہ سکتے ہیں اگر تجدید نکاح نہ کریں تو بعد عدت کے یہ
عورت دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے قال فی الہندیۃ ولو قال الرجل ترا چنگ باہم
او بہتم او یلہ کردم ترا فہذا کلمہ تفسیر قولہ طلقک عرفا حتی یكون رجعیاً ویقع بدو

النسبة من الخلاصة (ص ۲۷۲) وفيه ايضا لوقال ان وطئت وطئت اى
فلا شئ عليه كذا في غاية السراجي (ص ۱۴۷) ولحق الباشن بالصریح معرّف
والله اعلم۔ ۲۵ محرم ۱۴۲۵ھ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین متین و مفتیان شرع مبین
”تجھ کو میری طرف سے جواب ہے“ اس مسئلہ میں کہ زینب کا شوہر عرصہ سے زینب کا نان و نفقہ ادا
نہیں کرتا ہے آج جو زینب اپنے نان و نفقہ کے تقاضا کے لئے شوہر کے پاس گئی اور شوہر
سے اپنا نان و نفقہ مانگا تو اس کے شوہر نے جواب میں مندرجہ ذیل الفاظ کہے ”تیرے سترہ
خضم ہیں خدا کی قسم تجھ کو میری طرف سے جواب ہے“ ان الفاظ سے زینب کو کیا سمجھنا چاہئے
طلاق ہوگی یا نہیں اور ہوگئی تو کس قسم کی طلاق ہوئی؟ بینوا تو جروا۔

تنقیہ اول :- یہ الفاظ کتنے مرتبہ کہے اور غصہ میں کہے تھے یا بدون غصہ کے اور عورت
نے ان الفاظ سے قبل طلاق کا مطالبہ کیا تھا یا نہیں اس کا مفصل جواب مع اس پرچہ کے
روانہ کیا جائے۔

جواب تنقیہ اول :- زینب کے شوہر نے الفاظ مذکورہ فی الفتویٰ کو دو بار کہا اور
غصہ کی حالت میں کہا زینب نے اس الفاظ سے قبل طلاق کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔
تنقیہ ثانی :- اس استفتاء کے متعلق ابھی یہ امر قابل تحقیق ہے کہ خاوند کیا کہتا
ہے اس لفظ کہتے وقت کیا نیت بتلاتا ہے اور یہ بھی لکھیں کہ نفقہ کا مطالبہ کرنے پر فوراً اس نے
یہ لفظ مذکور فی السؤال کہہ دیئے یا مطالبہ کے بعد اور کچھ گفتگو بھی ہوئی تھی صاف لکھیں کہ یہ
الفاظ کس سوال اور گفتگو کے بعد کہے تھے؟

جواب تنقیہ ثانی :- زینب بغرض دریافت نیت بوقت تکلم الفاظ مذکور فی الفتویٰ
شوہر کے پاس گئی شوہر نے ہاتھ پکڑ کر دروازہ کی طرف کر دیا اور کہا کہ میں تجھ سے کہہ چکا ہوں
تجھے میری طرف سے جواب ہے چاہے جہاں جا“ ان الفاظ کو چند مرتبہ کہا۔ نیز وہ الفاظ
فی السؤال شوہر نے اس مطالبہ کے بعد فوراً ہی کہہ دیئے تھے اور کچھ گفتگو نہیں کی تھی۔

الجواب ؛ صورت مسئلہ میں شوہر کا بیوی کو ہاتھ پکڑ کر نکالنا اور یہ کہہ دینا کہ تجھے
میری طرف سے جواب ہے چاہے جہاں جا“ معنی طلاق کو مفید ہے لفظ جواب ہمارے
محاورے میں کنایہ ہے جو غضب وغیرہا کے قرینہ کے بعد محتاج نیت نہ ہے گا لہذا زینب پر

صورت مسئلہ میں ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ان الفاظ کو چند دفعہ کہنے سے متعدد طلاق نہ ہوں گی لان البائن لا یلحق البائن اور عدت پہلی بار کے قول سے شمار ہوگی۔

۹ جمادی الثانیہ ۱۳۵۵ھ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع لفظ ”صاف جواب ہے“ سے بشرط نیت طلاق بائن واقع ہوگی

میں اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی نابالغ کا نکاح ایک شخص بالغ کے ساتھ کر دیا اس کے کچھ عرصہ بعد اس شخص کو لڑکی والے نے کہا کہ تم اپنی بیوی کو لے جاؤ اس کا انتظام کھانے پڑے کا کرو میں غریب آدمی ہوں مجھ سے خرچ نہیں اٹھ سکتا ہے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ میں ذمہ دار نہیں ہوں تمہاری خوشی ہے اور تم کو اختیار ہے کہ اپنی لڑکی کا چاہے جہاں نکاح کر دو میں مزاحم نہیں ہوں میری طرف سے صاف جواب ہے میں تمہاری لڑکی کو نہیں رکھ سکتا ہوں اور نہ رکھوں گا۔ اور اب تک یہ لڑکی منکوحہ نابالغ ہی ہے بالغ بھی نہیں ہوئی ہے صرف اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا تھا اور بلکہ اس شخص نے اس سے پہلے ایک اپنی بیوی جان سے مار ہی ڈالی تھی یہ شخص ظالم اور خونی بھی ہو چکا ہے اب اس لڑکی کا باپ لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر سکتا ہے یا کہ نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ یہ غریب آدمی ہے اس قدر خرچہ نہیں اٹھا سکتا ہے برائے عنایت اس کا جواب با صواب مرحمت فرمائیں بنیو اتوجزئہ الجواب؛ صورت مسئلہ میں اگر اس شخص نے لفظ ”صاف جواب ہے“ سے یا اس کے قبل الفاظ سے نیت طلاق کی ہے اس لڑکی پر ایک طلاق بائن واقع ہو چکی ہے لان قولہ ”چاہے جہاں نکاح کر دو“ و قولہ ”صاف جواب ہے“ مستعمل فی الطلاق عرفاً ولکنہ کنایۃ فیحتاج الی النیۃ۔ پس بعد انقضاء عدت کے اس لڑکی کا دوسرا نکاح ہو سکتا ہے۔ اور اگر زوج نیت طلاق سے انکار کرے اور اس پر حلف کر لے تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

۱۵ شعبان ۱۳۵۴ھ

لفظ حرام سے بلا نیت طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے (سوال) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے

کہ تم میرے واسطے حرام ہو گئی تو اس کا شرع میں کیا حکم ہے؟

الجواب؛ صورت مسئلہ میں اس شخص کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہو گئی اگر تین کی نیت نہ کی ہو اور بدون دوبارہ نکاح کئے وہ اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی اور اگر تین کی نیت کی ہے تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ قال فی الشامیۃ والحاصل ان المتاخرین

خالقوا المتقدمين في وقوع البائن بالحرام بلا نية حتى لو قال لما نولم يصدق
 لأجل العرف الحادث في زمان المتأخرين إلى أن قال أن لفظ حرام معناه
 عدم حل الوطئ ودواعيه وذلك يكون بالإيلاء مع بقاء العقد وهو غير متعارف
 ويكون بالطلاق الرافع للعقد وهو تسمان بائن ورجعي لكن الرجعي لا يحرم الوطئ
 فتعين البائن وكونه المتحقق بالصريح للعرف لا ينافي وقوع البائن به فان الصريح
 قد يقع به (البائن) كتطبيقه شديداً كما أن بعض الكنايات قد يقع به الرجعي
 مثل اعتدى ونحوه والحاصل أنه لما تعورف به الطلاق صار معناه تحريم
 الزوجة وتحريمها لا يكون إلا بالبائن اهـ (ص ۶۳ ج ۲) قلت وكذا هو عرفنا
 أهل الهند تعورف للطلاق ولا يفهم به إلا إيلاء في العرف أصلاً وأدله أعلم.

المرحوم مشه

وہیری زوجیت سے باہر ہو وہ میرے لئے مرگئی اور
 میں اس سے مرگیا کہنے سے بلا نیت طلاق واقع نہیں ہوگی
 سوال : کیا فرماتے ہیں مندرجہ ذیل بیان کے واسطے ؟

جناب خالد خان بات یہ ہے کہ میں آصف نگر جا رہا ہوں اور بر خور دار حافظ کو (جو ایک
 سال عمر کا ہے) اپنے ہمراہ لے جا رہا ہوں اور تمہاری ہمیشہ بغیر میری اجازت کے چلی آئی ہے
 یہ کام اچھا نہیں۔ اس واسطے وہ میری زوجیت سے باہر ہے وہ میرے لئے مرگئی اور میں
 اس سے مرگیا فقط۔ یہ ایک ردی کاغذ پر ہے دستخط کوئی نہیں ہے شہادت کوئی نہیں نہ زوجہ
 سامنے ہے صرف ردی کاغذ پر لکھا ہے۔ سوال : کیا یہ طلاق ہوگئی نکاح سے خارج ہوگئی
 زوجیت سے باہر ہے یہ کہنا درست ہے کیوں کہ وہ پاس نہیں نکاح سے باہر نہیں کہا۔

الجواب : صورت مسئلہ میں زوج کی نیت پر مدار ہے اگر اس کی نیت طلاق کی
 تھی تو طلاق واقع ہوگئی ورنہ نہیں لہذا فی العالمگیریہ (ص ۶۹ ج ۲) ولو قال ما انت لي
 بامرأة ولست لك بزوجة ونوى الطلاق يقع عند أبي حنيفة وعندهما لا يقع وفيه
 أيضاً (ص ۷۱ ج ۲) وان كانت (ای الکتابۃ) مستبينة غیر مرسومة ان نوى
 الطلاق يقع والا فلا فقط - کتبہ عبدالکریم عفی عنہ، ۲۸ ج ۱ مشہ

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ، ۲۸ ج ۱ مشہ

تجہ سے کوئی سروکار نہیں نہ میں شوہر (سوال) اگر کسی نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ اگر اس مکان نہ تو زوجہ کہنے سے طلاق کا حکم سے فلاں مکان میں گئی تو مجھے تجھ سے کوئی سروکار واسطہ نہیں اور نہ میں شوہر اور نہ تو زوجہ اور وہ عورت اُس مکان میں چلی گئی جس کی ممانعت تھی اور وہاں ہی ہے۔ ایسی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں ؟

الجواب : فی العالمگیریۃ (۲ ج ۶۹) ولو قال لم یبق بینی و بینک شیء و نوى الطلاق لا یقع فی الفتاوی لم یبق بینی و بینک عمل و نوى یقع فی العتابیہ ولو قال لہما را با تو کارے نیست و ترا با من نے اعطی ما کان عندک لا یقع بدو النیۃ اہ خلاصہ (ص ۹۸ ج ۲) و فی الدرلست لک بن وج اولست لی بامرأة طلاق ان نواہ خلافا لہا اہ قال الشامی اشار بقولہ طلاق الی ان الواقع بہذہ الکناۃ رجعی اہ (ص ۴۴ ج ۲) و فی الشامیۃ تحت قولہ (فلا یرد الی) ای اذا علمت ان الضمیر فی باقیہا عائذ الی الالفاظ المذکورۃ فی المتن فلا یردان غیرہا من الفاظ الکنایات قد یقع بہ الرجعی من کل کناۃ فیہا ذکر الطلاق الی (ص ۶۶ ج ۲) و فیہ بعد اسطر عن البعض وجود الطلاق مقتضی اومضمماً۔

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں اگر نیت طلاق کی تھی تو ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی اور اگر طلاق کی نیت نہ تھی تو ظاہر کیا جاوے کہ کیا نیت تھی۔ ۲ رجب ۱۴۲۷ھ

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء کرام اہل السنۃ والجماعت رانڈ کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں۔ اگر طلاق کی نیت نہ کہے ہوں تو طلاق واقع نہیں ہوگی کثر اللہ جماعتہم سوالات مستفسرہ ذیل کے جواب میں :- ہندہ کا نکاح جبکہ عمر اس کی گیارہ سال کی تھی زید کے ساتھ ہوا۔ بعد شادی ہندہ اپنے میکہ میں قریب ڈیڑھ سال رہی اور میاں بیوی میں یکجائی و تنہائی (زفاف) نہیں ہوا بعد میں زید بیمار ہوا قریباً ۱۵ یا ۱۶ روز تک بیمار رہا۔ اس عرصہ بیماری میں زید نے اور اس کے رشتہ داروں نے ہندہ کو اس کے میکہ میں چند مرتبہ بلاوا بھیجا۔ لیکن ہندہ اپنے خاوند زید کے مکان نہیں گئی اور زید کی وفات کے ۳ یا ۴ یوم قبل زید نے اپنے حقیقی چچا کو ہندہ کو لانے کے لئے بھیجا اس لئے کہ ہندہ سے مہر بخشوا لیا جاوے۔ لیکن ہندہ نہیں آئی یہ واقعہ زید کے پاس بیان کیا گیا زید نے کہا کہ ”رانڈ کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں“ بعد میں زید مر گیا۔ اس واقعہ کے ایک ماہ بعد ہندہ کا نکاح خالد کے ساتھ ہندہ کی سسرال میں جبکہ وہ زید کی وفات کے بعد اپنی سسرال میں آئی ہوئی

تھی کر دیا گیا بعد نکاح ہندہ نے اپنی والدہ و بھائیوں سے بلا رضا مندی اس کے نکاح پڑھادیا جانا بیان کیا۔ اس کی بابت ہندہ کے بھائی نے جملہ مسلمانانِ ڈیڈوانہ کے سامنے سوال پیش کیا۔ انہوں نے گواہان کو جن کے سامنے مذکورہ الفاظ زبید نے استعمال کئے تھے بلایا و نیز قاضی طلب کیا گیا۔ گواہ عبداللہ کا یہ بیان ہے کہ زبید نے اس کے سامنے قریب ۸ بجے رات کو موجود رحیم بخش و سمن یہ کہا تھا کہ ”راند کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں“

ذمہ دار قاضی کا یہ بیان ہے کہ میں نے نکاح پڑھانے والے کے کہنے پر نکاح پڑھانے کی اجازت دے دی تھی۔ نکاح پڑھانے والے کا (یعنی سپر قاضی کا) بیان ہے کہ میرے پاس زبید کی وفات سے ۶ یا ۷ روز بعد زبید کا چچا سمن میرے پاس آیا اور کہا کہ زبید کا مہر دیکھ دو کیونکہ متوفی نے مرنے سے پہلے یہ کہا تھا کہ راند کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں اس کا مہر دے دینا۔ چنانچہ مہر دینا ہی اس پر نکاح پڑھانے والے نے کتاب دیکھ کر نکاح ثانی بلا عدت ہو سکے کا کہہ دیا پھر نکاح پڑھانے والے نے سمن رحیم بخش و عبداللہ گواہان متذکرہ بالا کو بلا کر دریافت کیا تھا تو گواہان نے اس کے سامنے یہ کہا تھا کہ مرنے والے نے یہ الفاظ کہے تھے کہ ”راند میرے کام کی نہیں مت بلاؤ اس کا مہر دینا“ اس پر نکاح پڑھادیا گیا اور ان کا استدلال بہشتی زیور حصہ چہارم ص ۳۵۳ باب رخصتی سے پہلے طلاق ہو جانے کا بیان پر ہے جس میں جملہ گول مول لفظوں پر طلاق کا ہونا قیاس کیا گیا ہے، گواہ سمن موجود نہیں ہو گاؤں گیا ہوا ہے لیکن اس امر کو رفع حجت و اطمینان دائمی کے لئے دریافت کرنا ضروری ہے۔ لہذا بحالات مذکورہ شرعاً ہندہ کا نکاح خالد کے ساتھ جائز ہوا ہے

سوال رضا مندی اور بلا رضا مندی کی یہ کیفیت ہے کہ نکاح پڑھانے والے کا یہ بیان کہ اس نے ہندہ سے دریافت کیا کہ خالد کے ساتھ تم نکاح پڑھنے کے لئے رضا مند ہو تو اس کی تصدیق عمر اور بکر گواہان سے کی۔ ہندہ سے دریافت کیا گیا تو اس نے ایسی رضا مندی دینے سے قطعاً انکار کر دیا اور قریب عمر اور بکر کی موجودگی بیان کی اور ایک شخص حامد کو بتلایا جس کا یہ بیان ہے کہ ہندہ نے میرے سامنے نکاح سے انکار کیا۔ جب قاضی پیچھے ہٹ گیا پھر ہندہ نے کہا کہ میں اپنی سسرال کا گھر چھوڑنا نہیں چاہتی پھر اس نے رضا مندی دے دی۔

عہ بہشتی زیور حصہ چہارم میں طلاق کنایہ کا حکم بھی تو دیکھنا چاہئے تھا جس میں تصریح ہے کہ بدون نیت کے یا مذکورہ طلاق کے وقوع طلاق نہ ہوگا۔ ۱۲ ظفر

صورت مذکورہ بالا میں

- ① رضامندی صریح یا معنوی ہوتی ہے یا نہیں ؟
- ② کیا زید کے الفاظ کہ راند میرے کام کی نہیں مت بلاؤ طلاق بالکنایہ کی حد کو پہنچتے ہیں ؟
- ③ اگر طلاق کی حد کو پہنچتے ہیں تو کونسی طلاق پڑے گی ؟
- ④ اگر طلاق بالکنایہ کی حد کو نہیں پہنچتے ہیں تو خالد کے ساتھ ہندہ کا نکاح ناجائز ہے یا جائز ؟

غرضیکہ حالات مندرجہ بالا کو بغور ملاحظہ فرما کر بالتشریح جواب معہ حوالہ حدیث و فقہ و قرآن عنایت فرمایا جاوے بیٹو! توجروا۔

الجواب ؛ یہ لفظ ”راند کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں“ الفاظ طلاق میں سے طرحہ نہیں اور کنایہ کی اس قسم سے ہے جو سب و شتم کو بھی محتمل ہیں اور جو کنایات محتمل سب و شتم ہوں ان سے طلاق کا واقع ہونا جمیع حالات میں نیت زوج پر موقوف ہے اور صورت مسئلہ میں زید نے اس لفظ سے ارادہ طلاق بیان نہیں کیا پس ہندہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور جب نید اس واقعہ کے تین چار روز کے بعد مر گیا تو ہندہ پر عدت و فوات چار ماہ دس دن واجب ہو گئی لکونہا منکوحہ غیر مطلقہ وقت موتہ اور چار ماہ دس دن گزرنے سے پہلے جو ہندہ کا نکاح خالد کے ساتھ ہوا ہے وہ صحیح نہیں ہوا اور اب اگر ہندہ خالد ہی کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو وفات زید سے چار ماہ دس دن گزرنے کے بعد نکاح خالد سے کر سکتی ہے اور اگر خالد کے سوا کسی اور سے کرنا چاہے تو اگر خالد سے ہمبستری ہو چکی ہے تو جب تک خالد سے علیحدگی کے بعد دوسری عدت نہ گزرے غیر خالد سے نکاح درست نہیں اور اگر خالد سے ہمبستری نہیں ہوئی تو دوسری عدت کی ضرورت نہیں اور عدت ثانیہ تین حیض ہے اگر ہندہ کو حیض آتا ہو اور اگر حیض نہ آتا ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے اور اس کو بھی واضح کیا جائے کہ خالد سے ہمبستری ہوئی تھی یا نہیں، واللہ اعلم۔

۲۱ رذی الحجہ ۱۴۲۹ھ

(سوال) محمد یامین سکھ سپر حافظ قطب الدین مرحوم سکھ دیوبند لفظ آزاد کے کنایہ ہونے اور نہ ہونے کی تحقیق اپنی جار ملازمت سہارنپور سے اپنی اہلیہ کو لینے کی غرض سے دیوبند آیا چونکہ اہلیہ سجائے اپنے والدین کے اپنی پھوپھی کے ہاں گئی ہوئی تھی اہلیہ سے کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی، اہلیہ کے برادر سید حسن سے کہا گیا کہ تم ڈولی سے اپنی ہمیشہ کو اپنے یہاں لے آؤ میں اس سے کچھ گفتگو کروں گا۔ برادر اہلیہ نے کہا کہ میں بعد نماز جمعہ ڈولی بھیج دوں گا

چنانچہ میں تین بچے کے قریب سسرال میں گیا وہاں پر خسر صاحب کے دریافت کرنے پر کہ کیا تم لینے کے لئے آئے ہو، میں نے ظاہر کیا ہے کہ ہاں لینے ہی آیا تھا مگر خسر صاحب نے اس پر کچھ ناراضگی ظاہر کی میں خاموشی ان کی گفتگو کو سنتا رہا بعدہ سید حسن برادر اہلیہ سے دریافت کیا کہ تم سے ڈولی کے لئے کہا تھا اس پر جواب ملا کہ والد نے منع کر دیا ہے اس وجہ سے ڈولی نہیں بھیجی، میں سید حسن کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے سید محمد محترم کے مکان پر جہاں میری والدہ بھی مقیم تھیں گیا سید حسن نے واپس مکان چاہا تو میں نے اس کو یہ کہہ کر روک لیا کہ باغ دیکھئے شبیر احمد کے ہمراہ چلیں گے مگر شبیر احمد اس وقت تک اپنے مکان سے نہیں آئے تھے، میں نے والدہ صاحبہ سے کہا کہ جب کبھی لے جانے کا ذکر ہوتا ہے تو خسر صاحب کو ناگوار گذرتا ہے اس سے بہتر ہے کہ آپ یہاں سے کسی کو بھیج کر سہارنپور سے اپنا اسباب منگالو اور یہاں ہی رہو کیونکہ وہاں مکان کرایہ پر ہے اور اسباب کی وجہ سے خالی مکان کا کرایہ دینا پڑتا ہے، والدہ صاحبہ نے جواب دیا کہ دو چار روز میں میں بہو کو لے کر چلی آؤں گی مکان کو ابھی نہیں چھوڑنا چاہئے، کیونکہ مجھے اس وقت یہ خیال نہ تھا کہ خسر صاحب اہلیہ کے بھیجنے پر رضا مند نہیں ہیں۔

میں نے والدہ کو جواب دیا کہ میری طرف سے تم بھی آزاد ہو اور وہ بھی آزاد ہے جب چاہو آؤ میری تکلیف کی کسی کو بھی پرواہ نہیں اور میرا نقصان کرا رہی ہو اس وقت یہ الفاظ محض اس نیت سے کہے گئے تھے کہ گویا تم دونوں کو میری کچھ فکر نہیں ہے طلاق کی نیت سے یہ الفاظ نہیں کہے گئے اور میں ایک خط خسر صاحب کو لکھنے کے لئے وہاں ہی بیٹھ گیا خط لکھتے ہوئے دیکھ کر والدہ نے کہا کہ میرے منہ کو کیوں کبل بندھوا رہے ہو، میں نے جواب میں باوازا کہا کہ میں بے شرع نہیں ہوں اور نہ میں طلاق نامہ لکھ رہا ہوں محض ایک خط لکھ رہا ہوں جس کا جواب سید حسن مجھے لادے گا اور میں شام کی گاڑی سے واپس چلا جاؤں گا، تھوڑی ہی دیر میں شبیر احمد بھی آگئے اور والدہ صاحبہ کے اشارہ پر کاغذ کو میرے ہاتھ سے لینا چاہا، میں ان کو یہی جواب دیکر کاغذ واپس لے لیا کہ مجھے خط پورا کرنے دو پھر دیکھ لینا چنانچہ میں نے خط کو پورا کر کے شبیر احمد کو دے دیا کہ اب تم خود بھی پڑھ لو اور والدہ صاحبہ کو بھی سنا دو، اس خط کو شبیر احمد نے پڑھا اور سید محمد محترم کو جو اس وقت مکان میں موجود تھے دکھانے کے لئے اندر لے گئے میں بھی بعد کو اندر گیا تو سید محمد محترم نے مجھ سے کہا کہ تم عقلمند ہو بڑوں کو اس قسم کے خطوط نہیں لکھا کرتے اس خط کو مت بھیجو اور اگر وہ تمہاری اہلیہ کو نہیں جانے دیتے تو تم ہی خاموش ہو جاؤ

دیکھیں کب تک رکھتے ہیں اپنے آپ بھیج دیں گے۔ میں نے اس خط کو اپنے پاس رکھ لیا اور باہر آکر دیکھا تو سید حسن نہیں ملا، میں نے وہ خط مولوی نور الحسن صاحب کو دکھایا مولوی صاحب نے اس کو پڑھ کر پھاڑ دیا اور کہا کہ بڑوں کو ایسے الفاظ نہیں لکھا کرتے۔ کیونکہ میرے خط میں الفاظ سخت تھے، اس وجہ سے میں بھی خاموش ہو گیا مگر خط میں اہلیہ کا کوئی تذکرہ نہ تھا۔ اگلے روز شام کے وقت مجھے معلوم ہوا کہ اہلیہ کی پھوپھی آئی تھیں اور کہتی تھیں کہ سید حسن نے یہ جا کر کہا کہ محمد یامین نے طلاق دے دی ہے۔ چنانچہ ان کو جواب دیا گیا کہ یہ بالکل غلط ہے اور یامین صبح سے باغ میں گیا ہوا ہے۔ شام کو جب میں باغ سے واپس آیا تو والد صاحب نے یہ قصہ مجھ سے کہا۔ میں نے مولوی نور الحسن صاحب کو اطلاع دی کہ ایسی افواہ اڑادی گئی ہے اگر اس خط کو نہ پھاڑتے تو اس وقت وہ خط ان کو دکھا کر تسلی کر دی جاتی خیر مولوی صاحب نے اس وقت تو مجھ سے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ہم خود اس معاملہ کو حل کر دیں گے، سید حسن بچہ ہے وہ اس معاملہ کو کیا جانے۔ اتوار کے روز صبح کو مولوی صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ تمہارے خسر صاحب بلاتے ہیں۔ چنانچہ میں گیا اور خسر صاحب سے گفتگو کی میں نے خسر صاحب کو یقین دلانا چاہا کہ میں نے طلاق نہیں دی اور نہ طلاق کے الفاظ استعمال کئے مگر ان کو یقین نہیں آیا اور یہ کہہ کر چلے گئے کہ شام کو اس کا جواب دوں گا، چنانچہ میں نے پیر کے روز خود اہلیہ کی پھوپھی اور برادر اولاد حسین سے اس واقعہ کی تردید کی اور شام تک انتظار دیکھ کر منگل کے روز اپنی جائے ملازمت پر سہارنپور واپس چلا آیا۔ جو اصلی اور صحیح واقعات شروع سے اخیر تک گزرے ہیں وہ نہایت ایمان داری اور سچائی کے ساتھ اس تحریر میں درج کر دیئے، میں طلاق کو عدم طلاق اور عدم طلاق کو طلاق بنانا نہیں چاہتا اور قسمیہ تحریر ہے کہ میرے الفاظ بہ نیت طلاق نہ تھے۔ اس پر مفتیان شرع متین فتویٰ دیں کہ آیا اس واقعہ سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ تاکہ میں اور اہلیہ آخرت کی خرابی سے بچ جاویں، فقط۔

الجواب؛ حامداً ومصلیاً، جو الفاظ سوال میں مذکور ہیں وہ کنایات طلاق کے ہیں لیکن مابعد کلام اور متکلم کا ان سے طلاق کا ارادہ نہ کرنا معنی طلاق کی ان الفاظ سے نفی کر رہا ہے اس لئے اس صورت میں دیانۃً کسی قسم کی طلاق شرعاً واقع نہیں

عہ ہم نے اپنے جواب میں اس کا کنایات طلاق سے ہونا صورتہ مسئلہ میں تسلیم نہیں کیا ۱۲ ظفر

ہوگی، واللہ اعلم بالصواب۔

رقمہ ضیاء احمد عفا عنہ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ

الجواب صحیح، عنایت الہی عفا عنہ۔

الجواب من جامع امداد الاحکام بتھانہ مبھون؛ واللہ الموفق للصواب

صورت مسئلہ میں متکلم کا یہ قول کہ ”میری طرف سے تم بھی آزاد ہو اور وہ بھی آزاد ہے جب چاہے آؤ“ نہ کنایات طلاق سے ہے نہ صریح سے اس لئے اس سے کسی قسم کی طلاق پڑنے کا احتمال نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کنایہ وہ ہے جس میں احتمال ارادہ رفع قید نکاح بھی ہو اور اس کے غیر کا احتمال بھی ہو اور لفظ آزاد ہر حالت اور ہر استعمال میں کنایہ طلاق نہیں بلکہ یہ کنایات میں اُس وقت داخل ہے جبکہ خلاف ارادہ طلاق کا قرینہ کلام میں نہ ہو مثلاً یوں کہا جائے کہ میری بیوی آزاد ہے یا تو آزاد ہے یا وہ آزاد ہے اور وہ ہر طرح مجھ سے آزاد ہے اور تو پوری طرح آزاد ہے ان استعمالات میں بیشک یہ کنایات کی قبیل سے ہے اور اگر ارادہ طلاق کا قرینہ قائم ہو تو پھر یہ لفظ صریح ہو جاتا ہے مثلاً یوں کہا جائے کہ میری بیوی میرے نکاح سے آزاد ہے۔ یا میں نے اس کو اپنے نکاح سے آزاد کیا۔ اور میں نے اس کو اپنے سے آزاد کر دیا۔ اور اگر کلام میں عدم ارادہ طلاق کا قرینہ قائم ہو جائے تو پھر یہ نہ صریح طلاق سے ہے نہ کنایات سے مثلاً یوں کہا جائے کہ تو آزاد ہے جو چاہے کھاپی او میں نے اپنی بیوی کو آزاد کیا چاہے وہ میرے پاس ہے یا اپنے گھر اور وہ آزاد ہے جب اس کا جی چاہے آوے۔ ان استعمالات میں ہرگز کوئی شخص محض مادہ آزاد کی وجہ سے اس کلام کو کنایہ طلاق سے نہیں کہہ سکتا بلکہ اباحت افعال و تخیر وغیرہ پر محمول کرے گا بشرطیکہ اس کو محاورات لسان پر کافی اطلاع ہو اور ایک لفظ کا صریح طلاق اور کنایہ طلاق ہونا اور گاہے دونوں سے خالی ہونا اہل علم پر مخفی نہیں ملاحظہ لفظ طالق اور طلق تک معنی طلاق میں شرعاً صریح ہے لیکن انت مطلقۃ بسکون الطاء من الاطلاق فکنایۃ ولو صرح بنحو انت طالق عن الوثاق او القید فانہ یصدق قضاء و دیانۃ فی عدم ارادۃ الطلاق الرافع لقید النکاح الا اذا قرنہ بعد فلا یصدق اصلاً صرح بہ فی الدرس والشامیۃ فی باب الصریح وهل هذا الا ان اللفظ یختلف فی الدلالة علی معناه بحسب اختلاف استعماله وان کان مادۃ

واحدة في جميع الاستعمالات -

پس ہمارے نزدیک صورت مسئلہ میں متکلم کا اپنی ماں کو خطاب کر کے یہ کہنا کہ ”تم بھی آزاد ہو اور وہ بھی آزاد ہے جب چاہے آؤ“ اس میں ”جب چاہے آؤ“ یہ قرینہ نفی ارادہ طلاق کا ہے نیز اس کے ساتھ یہ بھی قرینہ ہے کہ متکلم نے اپنی ماں کو بھی آزاد کہا ہے اور وہاں یقیناً معنی طلاق مراد نہیں تو اس سے اس کے قرین پر بھی اثر ہو سکتا ہے کہ جو معنی آزاد کے اول جملہ میں ہیں وہی دوسرے جملہ میں ہوں گے اور لفظ جب چاہے آؤ نے اس کو واضح کر دیا کہ مراد آزادی آمد و رفت کی ہے نہ کہ نکاح سے آزادی اور اس کے بعد سائل نے اُسی جلسہ میں یہ بھی تصریح کر دی کہ میں بے شرع نہیں ہوں نہ طلاق نامہ لکھ رہا ہوں جس سے ارادہ طلاق کی نفی مؤکد ہو گئی۔ پس صورت مسئلہ میں طلاق کے وقوع کا کوئی احتمال نہیں اور زوجہ سائل کو عدۃ طلاق گزارنا جائز نہیں جب تک کہ اس کے پاس دو ثقہ عادل اُن الفاظ کا متکلم کی زبان سے صادر ہونا بیان نہ کریں جو اس مادہ میں موجب وقوع طلاق ہو سکتے ہیں جس کی قدرے تفصیل اوپر گزر چکی۔ اور سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسماۃ کے پاس خبر لیجانیوالا سوائے اس کے بھائی کے اور کوئی نہیں تو اس صورت میں اگر اس کا بھائی ایسے الفاظ بھی بیان کرے جو درحقیقت موجب طلاق ہوں جب بھی مسماۃ کو اس کی تصدیق جائز نہیں جبکہ شوہر اس سے منکر ہے، واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔

۲ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ

(سوال) اپنی عورت کے ساتھ نزاع کے وقت مرد کی کتایہ طلاق کے اندر اگر نیت میں شک ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی زبان سے الفاظ ”نکل جا، اپنی ماں کے گھر چلی جا“ نکلے۔

ان الفاظ کے نکلنے کے بعد اس کو جب نیت کا خیال ہوا تو شک پڑ گیا کہ نیت تھی یا نہیں عورت کو ان الفاظ کے احکام کا علم نہیں۔ وہ خاوند کے ہاں رہتے پر مصر ہے، اور طلاق کا مطالبہ نہیں کرتی۔ پس ارشاد فرمایا جائے کہ:

(۱) نیت کے مشکوک ہونے کی صورت میں طلاق پڑ جائے گی یا اس شک کا لحاظ کر کے عورت سے تعلقات رکھنا جائز ہے؟

(۲) خدا نخواستہ اگر ان الفاظ سے طلاق واقع ہو جائے تو رجوع کی کیا صورت۔ مخفی مباد کہ دو تین سال قبل اسی قسم کے الفاظ عورت کے سوال ”پالنا ہو تو پالو ورنہ چھوڑ دو“ پر

جاؤ اپنی ماں کے گھر جاؤ“ بلا نیت طلاق تک پہنچا اس خیال سے کہ ان الفاظ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے ”گوشتہ ہو جاؤ اب مجھ سے کچھ تعلق نہ رہا“ کہا گیا۔ بنا براستفقا بعض علماء نے طلاق واقع ہنگام اور بعض نے بلا نیت واقع نہ ہوگی فرمایا اس لئے احتیاطاً اس وقت تجدید نکاح کر لیا گیا تھا۔

الجواب؛ قال فی الدرر علم انه حلف ولم یدس بطلاق او غیره لغاکما لو شک أطلق أم لا (ص ۲۵۷ ج ۲) چونکہ صورت مسئلہ میں لفظ صریح نہیں بلکہ کنایہ محتاج نیت ہے اور نیت میں شک ہے اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی۔

۲۰ شعبان ۱۴۲۶ھ

(سوال) زید نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دی عدت کے بعد عمرو نے زوجہ زید سے نکاح کر لیا یہ خبر یا کر زید طلاق سے منکر ہو گیا اور عمرو پر دعویٰ دائر کر دیا چونکہ زید رپیہ والا تھا عدالت سے مقدمہ جیت گیا۔ اب زید نے عمرو کو مجبور کیا کہ تم اس کو طلاق دو۔ عمرو نے کہا کہ جب تم نے اس کو طلاق ہی نہیں دی تھی تو میرا نکاح ہی نہیں ہوا پھر میری طلاق کی کیا ضرورت ہے۔ زید نے کہا کہ تم کو طلاق دینا پڑے گی ورنہ تمہاری خیر نہیں چونکہ زید ایک زبردست آدمی تھا اس لئے عمرو اس کے سامنے مجبور ہو گیا بالآخر اس نے کسی قدر فاصلہ کھڑے کھڑے یوں کہا ”تلا ہے، تلا ہے، تلا ہے“ اور طلاق کی نیت نہیں کی بلکہ اپنے اوپر سے بلا ٹالنا چاہی اس لئے یہ مہمل لفظ استعمال کیا۔ پس صورت مسئلہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔

الجواب؛ اس سوال کا جواب چند مقدمات پر مبنی ہے۔ مقدمہ (۱) اس میں تو شک نہیں کہ عوام طلاق دیتے ہوئے مخارج سے ادائے حروف کی سعی نہیں کرتے اسی لئے فقہاء نے تلاک، تلاغ وغیرہ کو بھی موجب طلاق قرار دیا ہے (۲) نیز حرف اخیر جبرین وقف ہو عام طور پر بعض اہل ہند صاف نہیں بولتے اور بعض دفعہ شبہ ہو جاتا ہے کہ شاید اکتفاء حروف اخیر کو حذف کر دیا ہے مثلاً دوست کا دوس گوشت کا گوش جناب کا جنا، سلام کا سلا مفہوم ہوا کرتا ہے (۳) اس میں بھی شک نہیں کہ لفظ تلا اگر بدون قرینہ کے استعمال کیا جائے لفظ مہمل ہے یا مختلف معانی کو محتمل ہے کہ جوتے کا تلا مراد ہے یا کیا (۴) اور اگر مذکورہ طلاق

کے بعد یا بیوی کے سامنے غضب کی حالت میں استعمال کیا جائے تو ان قرآن کے انضمام سے متبادر یہی ہوگا کہ طلاق مراد ہے اور اکتفاء یا سرعت نطق کی وجہ سے حرف اخیر حذف کر دیا، یا مفہوم نہیں ہوا۔

خلاصہ یہ کہ یہ لفظ کنایات طلاق سے ہے جو مذکرہ وغیرہ کے وقت طلاق کو موجب ہوگا۔ چونکہ صورت مسئلہ میں عمرو نے یہ لفظ مذکرہ طلاق کے بعد استعمال کیا ہے اس لئے قضاء اس سے وقوع طلاق ہو گیا اور اضافت الی الزوجہ معنی موجود ہے کیونکہ زید نے اُسی عورت کی طلاق پر اکراہ کیا تھا جس کے متعلق نزاع تھا۔ لیکن چونکہ عمرو کی نیت طلاق کی نہ تھی اس لئے دیانۃ وقوع طلاق نہیں ہوا۔ اور قضاء بھی عمرو کا دعویٰ عدم نیت یمین کے بعد قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ گو ایک قرینہ مذکرہ طلاق مؤید ارادۃ طلاق بلفظ تلا ہے مگر دوسرا قرینہ یعنی اکراہ مؤید ارادۃ فرار عن الطلاق باستعمال اللفظ المہمل المغیر ہے کیونکہ اکراہ کی حالت میں غالب یہ ہے کہ طلاق کی نیت ہوتی اب اگر لفظ صریح ہو تو دعویٰ عدم نیت بوجہ صراحت کے رد ہوگا اور اگر لفظ مصحف یا مغیر ہو اور مکرہ یہ دعویٰ کرے کہ میں نے تصحیف عمداً کی ہے تاکہ طلاق واقع نہ ہو تو یہ دعویٰ یمین کے ساتھ مقبول ہوگا اور اصل یمین قاضی کے سامنے ہونا چاہئے مگر طلاق کے معاملہ میں عورت کا القاضی ہے اس لئے یہ بھی کافی ہے کہ عورت گھر ہی میں شوہر سے قسم لیلے اگر وہ قسم کھالے کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی بلکہ فرار عن الطلاق کی تھی تو اس کے بعد عورت کو عمرو کے نکاح میں بدستور رہنا جائز ہے۔

والمسئلة ماخوذة عن الدر والشامية (ص ۷۱۳ ج ۲ و ص ۷۱۴ ج ۲) باب

الصريح والكنايات - والله اعلم - ۵ رمضان ۱۴۲۶ھ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین میں نے ہندہ کو اجازت دی ہے کہ جس سے چاہے نکاح کر لے مجھ کو کچھ غرض نہیں کہنے سے بلا نیت طلاق یا ن کا وقوع اس مسئلہ میں کہ ہندہ ایک شریف خاندان کی لڑکی بیاعت بے وارثی ہونے کے دھوکہ سے زید کے نکاح میں آگئی۔ زید

تارک الصلوٰۃ تارک الجمعہ تارک الصوم ہندہ کو نان و نفقہ نہیں دیتا تھا نہ اس کے بچوں کو پرورش کرتا تھا اور اگر کبھی دو چار ماہ کو ہمراہ لے بھی گیا تو قسم قسم کی ایذا سے ہندہ کو دق کرتا رہتا تھا اور اس کو اس کی ماں بیوہ کے پاس لا کر خود بھی اپنا خرچ اس کی ماں بیوہ کے ذمہ ڈال دیتا تھا حتیٰ کہ والدہ ہندہ سخت محتاج اور پریشان تھی عرصہ آٹھ نو سال تک اس ظلم کو بوجہ

بے وارثی سہتی رہی اور باقی یتیم پریشان رہ گئے سب مال دھمکا دھمکا کر زید کھا گیا۔ اب عرصہ ایک سال سے زید ایک عورت نامحرم سے تعلق بے جا کر کے فرار ہو گیا اور ہندہ اور ہندہ کی والدہ کو مکرر سہ کر رہا آدمیوں کے سامنے یہ جواب دے گیا کہ میں نے بخوشی اجازت دی ہندہ اور نکاح کر لے، ہندہ سے کہا کہ میں نے تجھ کو خوشی سے اجازت دی تو جس سے چاہے نکاح کر لے مجھ کو کچھ غرض نہیں میں نان و نفقہ دوں نہ کمائی کروں تجھ کو اپنے نفس کا اختیار ہے۔ اب ہندہ نے ایک سال کے بعد اپنے خورد و نوش کے لئے مزدوری اختیار کی ہے آیا ہندہ کو باہر نکلتا کسی کے گھر جانا یا کسی کے بچہ کو دودھ پلانا یا دوسرا نکاح کر لینا جائز ہے؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب؛ اگر صورت سوال صحیح ہے تو صورت مسئلہ میں ہندہ پر طلاق بائن واقع ہو گئی لان الذن فی النکاح بمعنی ابغی الازواج فیقید الطلاق اذا کان فی حالة الغضب او المذکرۃ وعندی ان قوله "میں نے ہندہ کو اجازت دی کہ جس سے چاہے نکاح کر لے مجھے کچھ غرض نہیں" بمنزلۃ قوله ابرأتک عن الزوجیۃ وبہ یقع الطلاق من غیرنیۃ فی الرضاء والغضب (عالمگیریہ ص ۷۰ ج ۲) فکذا هذا الکلام بمجموعہ کالصریح عندی وکذا قال بعض اهل اللسان ووافقونی علیہ اسی طرح زوج کا یہ قول "مجھے کچھ غرض نہیں" بمعنی قوله لاعلاقۃ لی بہا ولا سبیل لی علیہا اور اس سے پہلا کلام ارادۃ محض طلاق کو مفید ہے اس لئے بھی طلاق بائن میں شک نہیں پس ہندہ زید کے اس قول کے بعد سے تین حیض گزار کر جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے، واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

خلاصہ یہ کہ اگر جیز و اول کا موثر ہونا کچھ خفی بھی ہو مگر جیز و ثانی میں کچھ خفا نہیں ۱۲ اشرف علی

۲۵ شوال ۱۴۲۶ھ

حکم بعض الفاظ کتایہ | (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں زید اپنے زوجہ مشکوہ ہندہ نامی کو عرصہ ڈھائی سال کا ہوا بسبب تنازعہ و نفاق باہمی کے یہ الفاظ کہہ کر کہ تو میرے شرع سے باہر ہو گئی ہے۔ میرے لائق نہیں ہے۔ میں تیرا راضی ساتھی نہیں ہوں۔ میرے گھر سے نکل جا۔ جہاں تیرا جی چاہے جا۔ ہم سے کوئی واسطہ نہیں اپنے گھر سے نکال دیا۔ ہندہ مجبوراً اس کے پاس سے چلی آئی اور چونکہ اس کا کفیل اور دستگیر نہ تھا اس نے اپنے گھر گذر معاش اور اوقات بسر کے لئے اپنے ایک ہم کفو بکر نامی کے یہاں قیام کیا اور اس گزشتہ

ڈھائی سال تک ہندہ علی الاعلان جو کہ زید و نیز تمام لوگوں کو بخوبی ظاہر تھا بغیر نکاح کئے ہوئے بکر کی زوجیت میں اس وقت تک رہی اور بکر مطابق سلوکات زن و شوہر ہندہ کے ہر قسم کے پرورش نان نفقہ اور ضروریات کا ذمہ دار رہا۔ زید نے نکاح دینے کے بعد گھبر ہندہ کو نہ رکھا نہ اس کے کسی قسم کے نان نفقہ کی فکر کی اور نہ کوئی تعلقات زن و شوہر کے قائم رہے اب عرصہ اٹھارہ یوم کا ہوا کہ زید قضاء الہی سے فوت ہو گیا ایسی صورت میں اس وقت ہندہ کو بکر کے ساتھ نکاح پڑھانے کے لئے زید کے فوت ہو جانے کی وجہ سے سوگ کرنے اور ایام عدت پورا کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں اور یہ کہ ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ بغیر ایام عدت پورا کئے ہوئے اب اس وقت ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب : زید کا یہ قول ”تو میرے شرع سے باہر ہو گئی“ اس میں شرع سے مراد نکاح ہے اس لئے معنی طلاق میں صریح ہے لکونہ مثل قوله ابرأتک عن الزوجية وقد صرح فی الہندیۃ بکونہ صریحاً فی الطلاق (ص ۷۰ ج ۲) اس لئے ایک طلاق تو اس لفظ سے پڑ گئی اس کے بعد کہا ہے میرے گھر سے نکل جا یہ کنایہ ہے جو وقوع طلاق میں بہر حال محتاج نیت ہے اس کے بعد کہا ہے ”مجھ سے کچھ واسطہ نہیں“ یہ بحالت مذاکرۃ طلاق محتاج نیت نہیں اس لئے ہندہ پر دو طلاق بائن واقع ہو گئیں اور عدت کے بعد اس کا نکاح بکر سے جائز ہے اور عدت طلاق کے وقت سے شمار کی جاوے گی جب طلاق کے وقت سے تین حیض پورے ہو چکیں اُسی وقت نکاح درست ہے غالباً اس ڈھائی سال میں تین حیض ہندہ کو آگئے ہوں گے اگر نہ آئے ہوں تو تین حیض پورے ہونے کے بعد بکر سے نکاح کر لے۔ اور بکر کے ساتھ جو ہندہ ڈھائی سال تک رہی اور اُس سے مقاربت ہوئی یہ محض زنا ہے اس کی وجہ سے کوئی عدت لازم نہیں۔ واللہ اعلم۔

۲ ذیقعدہ ۱۳۶۸ھ

طلاق بائن کی ایک صورت کا حکم (سوال) نخدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و حامی شرع متین اس باب میں کہ زید نے زبیدہ سے جو بیوہ تھی اس کی رضامندی سے عرصہ گیارہ سال کا ہوتا ہے نکاح کیا اور زید بسلسلہ ملازمت پر دس چلا گیا کچھ عرصے بعد زبیدہ کا زید کے نام یہ خط پہنچتا ہے کہ اس خط کے دیکھتے ہی فوراً کہہ دینا کہ کہ میں نے تم کو آزاد کر دیا زید نے کراہتا ایسا ہی کیا اور ذریعہ تحریر زبیدہ کو اس کی اطلاع دے دی زید کو اس معاملہ سے زبیدہ کی جانب سے بدگمانی ہوئی اور وہ یہ سمجھ چکا کہ کسی دوسرے

شخص کی وجہ وہ زید کے نکاح میں نہیں رہنا چاہتی۔ مگر زید عرصہ دو یا تین سال بعد جب وطن آتا ہے تو زبیدہ کو حسب معمول اپنا مائل پاتا ہے اور زید اُس کو کسی قسم کی طلاق اس وجہ سے نہیں دیتا کہ وہ ہر طرح سے اس کی فرمانبرداری نظر آتی ہے اور بدگمانی کے متعلق حلف اٹھا کر صفائی کر دیتی ہے زید اُس سے مقاربت کرتا ہے اور پھر تھوڑے عرصے رہ کر پردیس چلا جاتا ہے، پردیس جانے کے بعد بعض ذرائع اور قرائن معتبرہ سے زید یہ معلوم کر لیتا ہے کہ زبیدہ کا ناجائز تعلق کسی غیر شخص سے ہے۔ اس پر وہ سخت برہم ہو کر لکھ دیتا ہے کہ مجھ سے تیرا کوئی تعلق نہیں رہا یا میں نے تجھ کو آزاد کر دیا وغیرہ مگر زبیدہ کی جانب سے اس بات کے قبول کرنے یا نہ کرنے کا کوئی جواب ملنا یا نہ ملنا یا نہ نہیں رہا مگر زید اس کو اپنی کم علمی کی وجہ سے سمجھ چکا کہ زبیدہ مجھ سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ اور حرام ہو گئی بلکہ اثنائے تذکرہ میں زبیدہ کی نسبت مطلقہ ہونے کا ذکر بیان کرتا ہے اور اس کو اپنی بہن وغیرہ سے تعبیر کرتا رہا ہے۔ اب زید عرصہ نو سال بعد پھر وطن واپس آیا ہے تو زبیدہ کہتی اور دعویٰ کرتی ہے کہ میں تجھ پر کسی طرح حرام نہیں ہوئی میں تیری منکوحہ ہوں از روئے شرع شریف مجھ پر کوئی طلاق وغیرہ عائد نہیں ہو سکتی اور بدگمانی کی نسبت ہر طرح حلف وغیرہ اور خدا سے واحد کو درمیان کر کے قسم کھا کر کہتی ہے کہ اگر میں نے تیری امانت میں خیانت کی ہو یا سوائے تیرے کسی غیر شخص سے حرام کیا ہو تو قیامت میں میرا دامن اور تیرا ہاتھ ہوگا اور اگر تو بلا وجہ اور بے گناہ محض بدگمانی اور قیاس پر مجھے چھوٹا ہے تو قیامت میں تیرا دامن اور میرا ہاتھ ہوگا۔

اب زید نہایت مضطرب ہے اور چاہتا ہے کہ زبیدہ کو نہ چھوڑے بشرطیکہ شرع متین کی رو سے زبیدہ اس کی ہو سکتی ہو۔ مینوا تو جروا۔

نوٹ :- زبیدہ کا نکاح بغیر کسی مقررہ دین ہر کے ہوا تھا تو کیا شرع پیمبری کا مقررہ ہر ادا کرنا ہوگا؟

زبیدہ کا نکاح ایک عالم اور ایک جاہل جو گواہ کی صورت میں تھا دو شخصوں کے مواجہ میں ہوا تھا وہ نکاح صحیح ہے یا غیر صحیح مینوا تو جرو۔

تفتیح :- زید نے زبیدہ کا خط آنے پر جو زبان سے کہا کہ میں نے تجھ کو آزاد کیا اور زبیدہ تحریر زبیدہ کو اُس کی اطلاع بھی دیدی۔ اس کے متعلق یہ امر تنقیح طلب ہے کہ زید نے خط پڑھ کر یہی الفاظ مذکور کہے یا بیوی کا نام لیکریوں کہا کہ میں نے زبیدہ کو آزاد کر دیا۔ اور

صورت اولیٰ میں جبکہ ”میں نے تجھ کو آزاد کیا“ کہا ہو نیت طلاق کی تھی یا نہیں؟ اور زبیہ کو جو بذریعہ تحریر اطلاع دی کن الفاظ سے اطلاع دی وہ الفاظ صحیح طور پر بلا کم و بیش لکھے جائیں فان وجوه الاضافه فی الخطاب مع عدم المخاطب مختلف فیہ کما یظہر من عبارات الفقهاء الّتی ذکرها فی رد المحتار (ص ۵۰۵ ج ۲) والخلاصہ (ص ۹۱ ج ۲) اس کے بعد جو زید نے بدگمانی کی وجہ سے زبیہ کو یہ لکھا کہ میرا تجھ سے تعلق نہیں رہا میں نے تجھ کو آزاد کر دیا۔ اس لفظ سے زبیہ پر طلاق بائن پڑ گئی۔ لیکن یہ امر تنقیح طلب ہی کہ اس نے ان دونوں لفظوں کو ایک شمار کیا یا دونوں کو الگ الگ بہ نیت طلاق استعمال کیا ہے۔ رہا یہ کہ اب زبیہ سے زید کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں اس کا جواب تنقیح بالا پر دیا جائے گا۔ سائل کو مذکورہ بالا دونوں تفسیحوں کا جواب دینا چاہئے تاکہ یہ واضح ہو کہ زبیہ پر تین طلاقیں واقع ہوئیں یا اُس سے کم۔

اور مہر مقرر نہ کرنے کی صورت میں زوجہ کا خاندانی مہر شوہر کے ذمہ لازم ہوتا ہے اور ایک عالم اور ایک جاہل مل کر دو گواہ پوسے ہونے سے بھی نکاح منعقد و صحیح ہو جاتا ہے واللہ اعلم۔

جواب تہفیم ۱۔ (۱) زبیہ کا خط بایں مضمون ہمدست ہوا تھا کہ یہ خط پہونچتے ہی تم کہہ دینا کہ میں نے تم کو آزاد کیا چنانچہ زید نے صرف اسی قدر الفاظ کہے تھے (کہ میں نے تم کو آزاد کیا) بعد زمانہ کے باعث اس قدر خیال نہیں رہا کہ زبیہ کا نام بھی لیا تھا یا نہیں یہ الفاظ کہتے ہوئے زید کو نیت طلاق کی تو نہ تھی مگر اپنی لاعلمی کی وجہ سے خیال کرتا تھا کہ اب زبیہ اُس سے چھوٹ گئی۔ زبیہ کو جو اطلاع دی گئی وہ بھی الفاظ مذکورہ کا اعادہ تھا بس۔ (۲) چونکہ زید اپنے خیال میں یہ تصور کر چکا تھا کہ زبیہ اس سے گئی ان الفاظ سے وہ آزاد ہو گئی مگر نیت طلاق کی پھر بھی نہ تھی۔ بار اول مجبوراً و کراہت زبیہ کے لکھنے پر یہ الفاظ کہے گئے بار دیگر بدگمانی کی وجہ۔ اس کے بعد ایک عرصے تک خط و کتابت بند رہنے سے زید زبیہ کی بدگمان ہو کر ہمیشہ اس کو مطلقہ تصور کرتا رہا مگر دوبارہ کبھی ایسے الفاظ نہیں کہے گئے بلکہ محض تحسیراً۔

(۳) ایک صاحب جو عالم بھی ہیں مغالطہ ڈال رہے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ تا وقتیکہ زبیہ نکاح کے وقت خود موجود رہ کر اپنی زبان سے ایجاب و قبول نہ کرے یا اس کی جانب سے

کوئی وکیل درمیان میں نہ ہو صرف ایک عالم اور ایک جاہل کے موجود رہنے سے بلا واسطہ نکاح صحیح نہیں ہوا ناکہ وکیل یا گواہ نہیں بن سکتا، واللہ اعلم۔

مفصلاً نکاح کی کیفیت مکرر عرض کرتا ہوں زبیدہ نے زید سے کہا کہ میں تجھ سے راضی ہو چکی تو میرا نکاح پڑھو لے چنانچہ زید نے ایک عالم سے عرض کیا انہوں نے زبیدہ کی موجودگی یا اس کی جانب سے کسی وکیل وغیرہ کی موجودگی کی ضرورت تصور نہ فرما کر محض زید کے بیان پر بھروسہ کر کے ایک جاہل شخص جو ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا نکاح پڑھ دیا اور خود زید سے ایجاب و قبول کرایا تو کیا ایسی صورت میں نکاح صحیح ہو گیا اور اگر صحیح نہیں ہوا تو کیا اس وقت تک زید و زبیدہ کا تعلق ناجائز رہا اور اس کا ذمہ دار کون ہے؟ بیٹو! تو ہر وا۔

الجواب: (۱) صورت مسئلہ میں زید نے جو زبیدہ کا خط پڑھ کر یہ لفظ کہا کہ ”میں نے تجھ کو آزاد کیا“ اس سے طلاق نہیں پڑی کیونکہ اضافت موجود نہیں خطاب بوقت حضور مخاطب اضافت ہے وقت غیبت میں اضافت نہیں قال فی الخلاصة ان الکتابۃ من الغائب کا الخطاب من الحاضر (ص ۹۱ ج ۲) قلت فیہ دلالة علی ان الخطاب من الغائب لیس بشیء۔

البتہ اس کے بعد جو بدگمانی کی وجہ سے زید نے زبیدہ کو لکھا کہ میرا تجھ سے تعلق نہیں رہا میں نے تجھ کو آزاد کر دیا“ اس سے زبیدہ پر طلاق بائن پڑ گئی دوبارہ نکاح کر کے تعلق زوجیت قائم ہو سکتا ہے بدون نکاح کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔

(۳) اس عالم نے صحیح نہیں کہا ناکہ شاہد ہو سکتا ہے۔ قال فی الدس امر الالب رجلاً ان ین زوج صغیرتہ فزوجها عند رجل او امرأتین والحال ان الالب حاضرهم لانه یجعل عاقدًا حکماً والا لا ولو زوج بنتہ البالغة العاقلۃ بمحض شاهد واحد جائز ان کانت ابنتہ حاضرة لانہا تجعل عاقدۃ و الا لا والاصل ان الامر متی حضر جعل مباشر ام (ص ۴۴۹ ج ۲) قلت وفیہ ایضاً ان الواحد یتولی طرفی العقد اذا لم یکن فقولاً من الطرفين وفي الصورة المسئلة وکلت زبیدہ زیداً التزوج نفسها منه فصار اصیلاً وکلیلاً فیجوز العقد بعقد العالم عند شاهد واحد وزید حاضر واللہ اعلم۔

۲۴ ذی الحجۃ ۱۴۲۶ھ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی کے ساتھ جھگڑا کر کے کہا "ایک طلاق دو طلاق فضل کی

دو طلاق صریح دینے کے بعد شوہر نے کہا "فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا" تو قول ثانی اول کا بیان سمجھا جائیگا یا مستقل طلاق ہو کر حرمت مغلطہ ہوگئی

لڑکی کو طلاق بائن دیا اب اس کی بی بی پر کتنی طلاق واقع ہوں گی؟ بینوا تو جبروا۔
الجواب: صورت مذکورہ میں اس کی بی بی پر دو طلاق بائن واقع ہوں گی کیونکہ مطلق کا بیان خبر بیان ہے اول قول کا یعنی پہلی دو طلاق، طلاق بائن ہیں کما فی الہدایۃ المجلد الثانی صفحہ ۳۴۹ فاذا وصف الطلاق بضراب من الزیادة والشدۃ کان بائناً مثل ان یقول انت طالق بائن او البتۃ فیکون هذا الوصف لتعین احد الماحتملین الی السرحی والبائن۔ پس معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں اس کی بی بی پر دو طلاق بائن واقع ہوں گی، فقط واللہ اعلم۔

کتبہ احقر محمود اللہ عفی عنہ

الکلام علی الجواب المذکور

یہ جواب غلط ہے اور صورت مسئلہ میں شخص مذکور کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئیں۔ اور عبارت ہدایہ کا مطلب صرف اتنا ہے کہ جب طلاق کے ساتھ کوئی وصف مفید معنی زیادت و شدت ملحق ہوگا تو طلاق بائن ہو جائے گی اس کا مقتضار یہ ہے کہ شخص مذکور نے جو تیسری بار کہا فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا تو وصف بائن سے یہ طلاق بائن ہو گئی۔ رہا یہ کہ اس وصف کے بڑھانے سے لفظ طلاق بائن دیا موجب وقوع طلاق نہ ہوگا بلکہ پہلے کلام کا بیان ہوگا عبارت ہدایہ اس پر دال نہیں والدلیل علی وقوع الثالث بقولہ طلاق بائن دیا مافی رد المحتار تحت قول الدر لا یلحق البائن البائن اذا امکن جعلہ اخبار عن الاول کانت بائن ابتک بتطلیقہ فلا یقع لانہ اخبار فلا ضررۃ فی جعلہ انشاء اھ ما نصہ اشار بہ الی انہ لا یشرط اتحاد اللفظین فشم ما اذا کان الاول بلفظ الکناۃ البائنة او الخلع او الطلاق الصریح اذا کان علی مال او موصوفا بما ینبئ عن البینونة کما علم مما قد مناه بعد کون الثانی بلفظ الکناۃ البائنة کالخلع ونحوہ مما یتوقف علی النیۃ ولو باعتبار الاصل کانت حرام

طلاق بالکتابت کی ایک صورت | سوال - کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع
 متین اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی بچپن میں ہوئی۔ مگر زید نے بالغ ہونے کے کچھ مدت بعد عمر دے
 کہا کہ ایک طلاق نامہ لکھو۔ تو عمر دے پوچھا کہ کیا تم اپنی بی بی کو طلاق دو گے؟ تو زید نے کہا ہاں تو عمر دے
 نے تین طلاق لکھ کر زید کو دیدیا اور زید نے اسے بکیر کو دیا کہ اس کو پڑھ کر سنا دو۔ زید نے سننے
 کے بعد طلاق نامہ پر دستخط نہیں کیا اور طلاق نامہ لکھ رکھا لیا۔ کچھ روز کے بعد زید نے اس کو پہاڑ
 ڈالا۔ اس کے بعد زید کے گھر والوں کو خیال ہوا کہ اس کی بی بی کو بلایا جائے تو زید نے کہا کہ میں

نے ایک طلاق نامہ لکھوایا تھا مگر اس پر دستخط نہیں کیا تھا۔ اگر طلاق واقع ہو گئی ہو تو نہ بلایا جائے اور اگر نہ واقع ہوئی ہو تو بلایا جائے اور پنچایت میں لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیوں لکھوایا تھا تمہاری کیا نیت تھی تو زید نے جواب دیا کہ چھوڑنے کی نیت تھی لیا اسی صورت میں طلاق ہوگی یا نہیں ؟

الجواب :- اگر واقعہ صرف اتنا ہی ہے جتنا سوال میں درج ہے کہ مرد نے خود طلاق نامہ لکھ دیا زید نے مضمون نہیں بتلایا تو زید کی بیوی پر طلاق نہیں پڑی اور اگر زید نے مضمون طلاق نامہ اپنی زبان سے عمر کو بتلایا کہ اس مضمون کا طلاق نامہ لکھ دو تو اس مضمون کو بیان کر کے سوال دوبارہ کیا جائے۔

قال في رد المحتار وكذا كل كتاب لم يكتب به بخطه ولم يمل به بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقرأ به (ص ۲۴۹) والله اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ - اذتھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۰، محرم ۱۴۲۹ھ

فصل فی تفویض الطلاق

تفویض طلاق کی ایک صورت اور اس کا حکم | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین دین مسئلہ کہ ایک شخص مسمیٰ اسمعیل نے اس کے بڑے بھائی مسمیٰ آدم کو کہا کہ یہ عورت مسمیٰ خدیجہ کی طلاق دینا یا نہ دینا ہر حال میں مجھے اختیار ہے تو چاہے میری طرف سے طلاق دے یا نہ دے تو جیسا بھی کریں اس پر راضی ہوں اور تجھے طلاق دینے میں میری رضا ہے۔ اب یہ شخص مسمیٰ آدم کو ایک شخص مسمیٰ ابراہیم اور دوسرے شخص مسمیٰ حسن نے پوچھا کہ تیرے بھائی کی عورت مسمیٰ خدیجہ کو طلاق کے بارے میں تو کیا کہتا ہے تو آدم نے جواب دیا کہ ہمارے بھائی کی عورت مسمیٰ خدیجہ کو طلاق دی چھوڑی ہے اب گھڑی گھڑی طلاق دینے کی ضرورت نہیں اس کو تو طلاق ہی ہے طلاق ہے کیا آدم کے یہ کہنے سے دو آدمی کے سامنے طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟ وہ مع حوالہ کتب جواب دیجئے۔ بینوا توجروا۔

تنقیح :- (۱) مسمیٰ آدم نے یہ الفاظ اسی مجلس میں کہے ہیں جس میں اسمعیل نے اس کو اپنی بیوی کی طلاق کا اختیار دیا تھا یا دوسری مجلس میں کہے ہیں ؟ (۲) اگر اسی مجلس میں کہے ہیں تو ان الفاظ سے پہلے اور اسمعیل کے کلام کے بعد درمیان میں آدم نے کوئی کام یا کلام اجنبی کیا ہے یا نہیں ؟ ان دونوں سوالوں کے جواب کے بعد حکم شرعی بتلایا جائے گا۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۰، ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

جی (ب) تنقید :- (۱) مسمی اسمعیل نے آدم کو یہ اختیار پہلے دو چار روز پہلے بھی دیا تھا اور جس روز کہ یہ الفاظ کہے اس روز بھی چار گواہوں کے دہرہ اسمعیل نے آدم کو تاکید یہ کہا کہ میری عودت مسمی خدیجہ کی طلاق چاہے اس مجلس میں دے ہر جگہ ہر مجلس میں تجھے اختیار ہے اور میری رضا ہے ۲۔ جب اسمعیل نے یہ کلام کہا فوراً آدم اسمعیل کے مکان سے جس جگہ یعنی مسجد کے سامنے جماعت مومنین جمع ہو رہی تھی آیا اور مذکورہ حروف مذکورہ گواہوں کے دہرہ کہہ دے یعنی کہہ کر اور پھر خود کسی کام کے واسطے چلا گیا درمیان میں کوئی اجنبی بات آدم یا اسمعیل نے نہیں کی اور اسی وقت کا ذکر ہے مذکورہ حروف مذکورہ گواہ کے علاوہ بھی دیگر کئی شخص نے سنے ہیں فقط۔

الجواب :-

صورت مذکورہ میں جب اسمعیل نے آدم سے یہ الفاظ کہے کہ (میری عودت مسمی خدیجہ کی طلاق دینے کا تجھے اختیار ہے) اگر اسمعیل کی نیت میں طلاق کا اختیار دینے کی نہ تھی تو آدم کے ان الفاظ مذکورہ سے خدیجہ پر صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوئی ہے ایک سے زیادہ واقع نہیں ہوئی۔ عدت کے اندر اسمعیل اپنی بیوی سے رجعت کر سکتا ہے اور اگر اسمعیل کی نیت میں طلاق کا اختیار دینے کی تھی تو آدم کے ان الفاظ سے خدیجہ پر تین طلاق واقع ہو گئیں کیونکہ اسے تین مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کیا ہے اس صورت میں خدیجہ بدون ملاح کے اسمعیل کے واسطے حلال نہیں ہو سکتی اور اگر اسمعیل کی کچھ نیت نہ تھی تب بھی ایک طلاق رجعی ہوئی۔

قال في العالمگیریّة اذا قال لها طلقی نفسك سواء قال لها ان شئت
اولا فلها ان تطلق نفسها في ذلك المجلس خاصة وليس له ان يعزلها
قال الرجل طلق امرأتی وقرنه بالمشتبہ وهو كذلك اھ وفيه اذا قال لها طلقی
متی شئت قلبا ان تطلق حتی شارفت فی المجلس وبعده اھ قلت وفي الصورة مستولة
فی من الطلاق الیہ بلنفظ العموم فلهی نظیر الثانیة

تفویض طلاق میں مجلس علم میں طلاق واقع کرنا شرط ہے | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و
مفتیان شیعہ متین مسئلہ ذیل میں کہ مسمی عبدل ولد پیرخان جو کہ مسماۃ چنیاں کہارن غیر مسلمہ کے ساتھ
تعلق ناجائز رکھتا تھا (جب مسماۃ خورن بنت نبی بخش سے شادی کرنے گیا تو نبی بخش نے ناجائز تعلق کے سبب سے عبدل سے ایک اسٹاپ
تحریر کرایا کہ اگر دوبارہ میں ایسا کام کروں گا تو نبی بخش کو اور میری عودت کو اختیار ہے جیسا کہ نمبر ۵
میں تحریر ہے کہ میں اپنے نکاح سے لاد عوی ہوں۔ اب عبدل نے اس چنیاں کہارن کو دوبارہ

اپنے گھر لایا ہے اور ناجائز تعلق قائم کیا اور حوراء اپنے والد کے گھر چلی آئی ہے اور کہتی ہے کہ مجھ کو اختیار دیا تھا اس لئے میں نکاح سے خدج کو اختیار کرتی ہوں۔ آیا یہ حوراء عبدل کے نکاح سے خدج ہوتی یا نہ؟ اور میرم کا بھی عبدل مرتکب ہوا ہے۔ بیوی تو جروا

المستفتی بلیف احمد ولد کا دل ملک گجرات
صلح پنج محل تھبہ مد

نقل اسٹامپ شامل استفتاء ہے ملاحظہ ہو۔

اقرار نامہ

لکھنے والا میں بنام عبدل ولد پیرخان ساکن دھارہ محلہ چھتری پورہ، لکھتی ہوں ایسا کہ
بنی بخش ولد بخشا سلاوٹ ساکن دھارہ محلہ کھاری باوڑی ان کی لڑکی مسماۃ حوراء سے میری شادی
ہونا قرار پایا ہے اس کی نسبت چند کلمہ حسب ذیل بطور سند کے لکھتی ہوں۔

①۔ لڑکی بنی بخش صاحبہ مسماۃ حوراء کی بھر منگنی دیجے جگہ ہو گئی اس کی نسبت
جو جھگڑا چار پنج یا عدالت سے بھر جاوے گا وہ دینا مجھ کو منظور ہے۔

②۔ دوسری: میں لڑکی کو شہر دھارہ میں سے کہیں لیجانے کا مجاز نہیں دوں گا ورنہ کے لئے دیگر
جگہ میں خود جاؤں گا۔

③۔ لڑکی کو کسی طرح کی تکلیف وغیرہ پہنچانے کا مجھے اختیار نہیں۔ اقرار میر حوراء جب چاہے
لے سکتی ہے۔

④۔ لڑکی کو کسی طرح کی تکلیف ہوگی تو میرے سر بنی بخش کو اختیار ہے فوراً وہ میرے
بغیر اجازت میرے مکان سے لے جانے کا اختیار ہے۔

⑤۔ میرا برتاؤ برخلاف اگر ظہور میں آوے گا تو میرے سر صاحب کو مجاز ہے کہ میں اپنے
نکاح سے گویا لادعوی ہو گیا۔ اسی قدر مجاز مسماۃ حوراء بنت بنی بخش کو بھی ہے وہ اپنے
اقراء نکاح سے دور ہو سکتی ہے۔

الجواب

صورت مسئلہ میں رسمی بنی بخش کو تو طلاق واقع کرنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ عبدل کے
یہ الفاظ کہ میرے سر صاحب کو مجاز ہے کہ میں اپنے نکاح سے گویا لادعوی ہو گیا۔ تفویض طلاق
کے الفاظ نہیں البتہ عبدل کے یہ الفاظ (اسی قدر مجاز مسماۃ حوراء بنت بنی بخش کو بھی ہے
وہ اپنے اقراء نکاح سے دور ہو سکتی ہے) تفویض طلاق کے الفاظ ہیں جو کہ برتاؤ برخلاف ظہور میں

آنے پر معلق ہے پس اگر مسمیٰ عبدل کا برتاؤ اس کے وعدہ کے برخلاف ظہور میں آیا ہے تو مسماۃ حوالہ کو اپنے نفس پر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہے مگر شرط یہ ہے کہ جس مجلس میں مخالفت کا علم ہوا ہے اسی مجلس میں فوراً اپنے کو طلاق دے اگر اسی مجلس کے اٹھ جانے کے بعد طلاق اختیار کرنا چاہے تو وقوع طلاق نہ ہوگا جیسا کہ آگے آتا ہے۔ صورت سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسماۃ حوالہ نے یہ الفاظ کہ میں نکاح سے خروج کو اختیار کرتی ہوں اپنے باپ کے گھر جا کر کہے مجلس علم مخالفت میں نہیں۔ اس لئے صورت مسئلہ میں اس پر طلاق واقع نہیں ہوئی اوداب اختیار اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ واللہ اعلم

فی مجمع النوازل لوقال للمصکاک اکتب لہا خط الامر علی انی متی سافرت بغیر اذنہا فہی تطلق نفسها واحدة كلما شاءت یصیر الامر بیدہا فی تطلقہ واحدة او مالم یصل۔ عالمگیری ج ۲ ص ۸۵ (ص ۸۵ ج ۲) مسئلہ جدی عن جعل امر امرأتہ بیدہا اگر قمار کند ثم قام فطلعت المرأة نفسها ثم ادع الزوج انک قد علمت حد ثلثة ايام ولم تطلق فی مجلس علمک و قالت المرأة لا بل علمت الآن فطلعت نفسي علی الفور لمن یکون؟ اجاب: ان القول للمرأة کذا فی الفصول العادیه اہ قلت والمسئله نظیر الصورة الثانية فی کن التفویض موقفا علی المجلس والله اعلم۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و تفویض طلاق کے اندر مجلس علم میں طلاق واقع کرنا شرط ہے؟
 شرع میں تین اسس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا نکاح ہندہ کے ساتھ کیا۔ جس کو عرصہ پانچ سال اور کچھ ماہ کا گزر گیا نکاح کے تین سال اور کچھ ماہ بعد بوجہ باتمی نا اتفاق کے ہندہ کو ایک افراد نامہ بطور اطمینان کے بابت دینے مان و نفقہ اور نہ کرنے مادہ پیٹ و برتاؤ بے رحمانہ و ظالمانہ کے اپنے ہاتھ سے تحریر کر کے دیدیا اور ہندہ کو اپنے گھر لے گیا بعد کو قریب ایک ماہ کے بعد ہندہ کو مادہ پیٹ کر اور اس کی چیز وغیرہ اتار کر اس کے والدین کے گھر بھیج دیا کہ جس کو عرصہ دو سال اور کچھ ماہ کا گزر گیا تاہنوز مان نفقہ کچھ نہیں دیا حالانکہ اپنے تحریری افراد نامہ میں یہ تحریر کر چکا ہے کہ اگر کسی وجہ سے زوجہ منقر سے نا اتفاقی ہو جاوے اور عرصہ تین ماہ تک مبلغ دس روپیہ ماہوار کے اس کو نہ بھیجوں تو بموجب شرع محمدی کے اپنی زوجہ منکوحہ کو طلاق تفویض کروں کہ وہ قید نکاح سے اختیار آزادی کا رکھتی ہے اب سوال یہ ہے کہ بموجب تحریر زید کے اگر ہندہ پر غلبہ واجب ہوگئی ہو تو فتویٰ دیجئے خداوند کریم اجر خیر ہے
 مقام شہر میرٹھ محلہ مہا بیر پورہ۔ منشی حبیب الرحمن

الجواب :- قال فی العالم گیریه وقد وردت الفتوی عن قال لا امرأ ته
اگر بعد از ده روز پنج دنیا زبیر نام فامر بیدرک لتطلق نفسک متی شئت ده روز گزشت دال زده ساینده
هل لها ان تطلق نفسها قلت نعم اه (ص ۲۸۳ ج ۲)

وفیها ایضا التفویض المعلق بشرط امان یكون مطلقا عن الوقت واما ان
یكون موقتا فان كان مطلقا بان قال اذ قدم فلان فامرک بیدک فقدم فلان فالامر
بیدها اذا علمت فی مجلسها الذی قدم فیله الى ان قال ولو قال اذا
مضی هذا الشهر فامرها بید فلان فمضی الشهر فامرها بیده فی مجلس
علمه وان علم بعد شهرین لان التفویض معلق بمضی الشهر والمعلق بالشرط
یسیر مرسل عند وجود الشرط ووارسل التفویض بعد مضی الشهر
یقتصر علی مجلس علمه فكذا هذا اه (ص ۲۸۳ ج ۲) صورت مسئلہ میں جب تفویض کے
بعد تین مہینہ بدون نفقہ گزر جانے پر عہدت نے اپنے کو طلاق نہیں دی حتی کہ دو سال گزر گئے تو اب ہندہ
اپنے اوپر خود طلاق واقع نہیں کر سکتی اس کو چاہیے تھا کہ جب سے شوہر نے نفقہ بند کیا تھا اسی وقت
سے دن شمار کرنا شروع کرتی اور اس وقت سے جب تین ماہ پورے ہو جاتے تو اسی ساعت اور
اسی مجلس میں اپنے آپ کو طلاق دیدیتی مگر ہندہ نے ایسا نہیں کیا اس نے تین ماہ بدون نفقہ کے
گزرنے کے بعد اپنے کو طلاق نہیں دی تو اب تفویض ختم ہو چکی وہ اپنے کو خود طلاق نہیں دے سکتی۔
(البتہ اگر زوج نے زبانی یہ بات کہی ہو کہ تین ماہ تک نفقہ نہ دوں تو ہندہ ہر وقت اپنے کو قید نکاح سے
آزاد کر سکتی ہے تو ہندہ اب بھی اپنے کو طلاق دے سکتی ہے "والشرع علم")

تفویض طلاق کے اندر مجلس علم میں طلاق واقع کرنا شرط ہے | سوال :- کیا دہلتے ہیں علماء

دین و شرع متین اس مسئلہ نکاح میں کہ ایک عہدت کا شوہر عرصہ ۸ سال سے پردیس چلا گیا اور اپنی کسی
حالت سے آگاہی نہیں دیتا اور وہاں سے نہ کچھ خرچ دیتا ہے لہذا اس عرصہ کے اندر چوبیس نوکری کرتے
ہوئے بڑی مشکل سے گزری اور کسی طرح اپنے دن کاٹے اور اپنی عصمت کو قائم رکھا نیز کسی سبب سے اس
کی ملازمت جاتی رہی پھر وہ ۳ برس بے کار رہ کر بڑی مصیبتیں اٹھاتی رہی جب بہت تنگ ہوئی تو خیالات
کچھ تبدیل ہوتے ہوئے پھر برادریوں سے واد خواہ ہوئی لیکن برادری جواب دینے سے قاصر تھے جب
بہت پیچھے پڑی تو برادریوں نے اس کے بھائی سے کہا کہ تم اس کی پردیش کرو اس کے بھائی نے انکار
کیا اور کہا کہ میری ماں کی بات نہیں ہے اس وقت برادریوں نے اس کے بھائی سے کہا کہ تم ہم سب کی

طرف سے ایک پچایت نامہ اس کے پاس تحریر کر دیا کہ جملہ پنج تم کو بتا کید لکھتے ہیں کہ تم دیکھتے ہی خط کے بہت جلد آؤ یا تم اس کو طلاق دید کیونکہ اس کا گز نہیں ہوتا ہے اس برادر یوں کی تحریر پر اس نے یہ جواب تحریر کیا کہ ہم آپ لوگوں سے ۲ ماہ کی مہلت چیت میا کہ بہر کی ادد مانگتا ہوں بیساکہ میں ضرور آجاؤں گا اگر میں اپنے وعدہ پر نہ آؤں تو اس کو اختیار ہے میرا سب برادر یوں کو السلام علیکم لہذا اس تحریر پر اس کی طلاق ہو سکتی ہے یا نہیں چنانچہ پھر وہ ایک سال تک انتظار کرتی رہی بعد دس سال کے پریشانی ادا ہوا کہ اپنا نکاح ثانی ایک برادی سے کر لیا۔ اب اس کے بھائی وغیرہ اس کے خلاف ہو کر یہ کہتے ہیں کہ اس نے بلا ہم لوگوں کی مرضی نکاح کیوں کیا ادد ہر قسم کی جھوٹی دلیلیں کرتے ہوئے ستر برس عورت کے بیٹھے رہنے کا مسئلہ پیش کرتے ہیں اس لئے تمام لوگوں کو بڑی تشویش اس مسئلہ میں ہو رہی ہے بھلا یہ ایسی صورت میں کس حد تک سمجھا جاوے اور اگر وہ بیٹھی رہے تو کیا کھائے مفقود کی کوئی جائیداد نہیں جس کے گز ہو اس کے خویش اقربا اس کے شریک نہیں۔ عورت کے بھائی وغیرہ میں قوت کھلانے کی نہیں جو دو برس بھی نباہ سکے ستر برس تو کیا دس برس میں قلع قمع ہو گیا یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ پھیلا سا زمانہ نہیں ایسی عمریں اور ایسی نیتیں نہیں اس قدر مستقل مزاجی نہیں پھر اس قدر مدت دراز کی قید میں رہ کر کیسے گزر کرے اور کس طرح متحمل ہو سکے یہاں عیسائیوں کی پر فریب گھاتوں میں لانے والی باتیں ادھر ادھر پھیلائی جایا کرتی ہیں جس وقت غافل پاتے ہیں فوراً دام میں پھانس لیتے ہیں ایک واقعہ ابھی ایک عورت کا اسی طرح گزر چکا ہے جو پٹھان لوگوں نے اسے ۶ حصہ تک جھلیا کیا اور اس کو بہت آزادی دیتے ہوئے ایک مدت سے تڑپا رہے تھے پریشانی اٹھاتے اٹھاتے تنگ ہو چکی تھی۔ گھبرا کر پھنس گئی اس وجہ سے ایک برادی نے جب یہ دیکھا کہ یہ بھی فریب اس کے یہو پنج جانے والی ہے جب دس برس کے بعد جب اس کے شوہر کی تحریر پر جواب پاتے ہوئے نکاح میں لے لیا۔ لہذا ان دونوں مسئلوں کا جواب بہت جلد برائے خد امع ثبوت قرآن و حدیث اور چند علما دین کی مہروں کے عنایت فرمایا جائے۔

غلام محی الدین خان مددس

فلاح گوٹہ مقام مسکنواں ڈاکخانہ مسکنواں بازار مکتب اسلامیہ متصل مسجد ہیں۔

الجواب :- فی العالمگیریۃ التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان یکون موقتا فان کان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فامرک بیدک فقدم فلان فالامر بیدھا اذا علمت فی مجلسھا الذی قدم فیہ

الی ان قال ولو قال اذا مضى هذا الشهر فامرها بید فلان فمضی الشهر فامرها بیدہ فی مجلس علمہ وان علم بعد شهرین لان التفویض معلق بمضی الشهر والمعلق بالشرط یصیر مرسلًا عند وجود الشرط ولو ارسل التفویض بعد مضی الشهر یقتصر علی مجلس علمہ فکذا اھذا ۱۔ (مبج ۸۳)

صورت مسئلہ میں اگر دو مہینے گزرنے کے بعد ہی فوراً اس مجلس میں جس میں بروقت تمام ہونے مدت کے وہ موجود ہوتی اپنی زبان سے یہ کہہ دیتی کہ میں اپنے نفس کو اختیار کرتی ہوں تب اس پر طلاق واقع ہو جاتی لیکن جب دو مہینے کے بعد مدت گزرنے لگی اور عورت نے اپنے نفس کو اختیار نہیں کیا تو اب وہ اپنے اوپر طلاق واقع نہیں کر سکتی لہذا جب تک شوہر طلاق نہ دے اس وقت تک کسی سے اسکا نکاح درست نہیں ہو سکتا پس جو نکاح دوسرا اس عورت نے کیا ہے وہ صحیح نہیں ہوا۔ باقی جتنی باتیں سائل نے لکھی ہیں وہ سب فضول ہیں ساٹھ ستر برس کا انتظار مفقود کی زوجہ کے لئے اور صورت مسئلہ میں جب شوہر کے پاس خطوط پہنچے ہیں اور اس کی جگہ معلوم ہے تو وہ مفقود نہیں ہے اس صورت میں تو اگر شوہر سو برس تک بھی طلاق نہ دے جب بھی یہ عورت کسی سے نکاح نہیں کر سکتی اب صرف ایک صورت ہے وہ یہ کہ برادری کے لوگ شوہر کو مجبور کر کے اس سے جبراً طلاق دلوادیں باقی یہ جو سائل نے لکھا ہے کہ عورت اس طرح کیونکر گزر سکتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی عورت سے کوئی شخص بھی نکاح نہ کرے تو وہ کیا کرے گی پس یہ عورت بھی وہی کرے جو ایسی عورت کیا کرتی ہے یعنی صبر کرے اور محنت و مزدوری سے اپنا کام چلائے اور اگر وہ مؤخر ہو تو مسلمانوں کو چاہیئے ایسی عورت کے لئے چندہ کر کے اسکی معیشت کا سامان کر دیں تاکہ وہ کفار کے پھندہ میں نہ آ جاوے۔

۲۶ رجب المرجب

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین تفویض طلاق میں مجلس شرط ہے؟

اس مسئلہ میں کہ زید نے بروقت نکاح ایک اقرا نامہ تحریر کیا اور اس اقرا نامہ کی رو سے یہ تسلیم کیا کہ اگر میں عقد ثانی کروں تو میری زوجہ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے کو مطلق تصور کرے منجملہ دیگر شرائط یہ ایک شرط بھی ہے اب زید نے دو سال کے بعد عقد ثانی اس وجہ سے کیا کہ والدین نے زید کی زوجہ کو زید کے ہمراہ جانے سے روکا۔ اسی شرط متذکرہ بالا کی بنا پر زید کی زوجہ خود کو مطلق تصور کر کے عقد کرتی ہے ایسی صورت میں یہ عقد جائز ہوگا؟ اور زوجہ زید مطلق تصور کی جا سکتی ہے؟

(الجواب)۔ قال فی العالمگیریۃ والخیار اذا کان موقتاً یبطل بمضی الوقت

سواء علمت او لم تعلم بخلاف ما اذا كان غير موقت كذا في السراج الوهاج
 (ص ۲۵) وفيه ايضا التفويض المعلق بشرط اما ان يكون مطلقا عن الوقت
 واما ان يكون موقتا فان كان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فامرک بیکک فقدم
 فلان فالامر بیدها اذا علمت فی مجلسها الذی قدم فیہ (ص ۲۵ ج ۲)
 صورت مسئلہ میں اگر زوجہ اولی زید نے عقد ثانی کی خبر سننے ہی اسی مجلس میں یہ کہہ دیا تھا کہ میں طلاق کو اختیار کرتی
 ہوں تب تو وہ مطلق ہو سکتی ہے اور اگر خبر سننے کے بعد فوراً اسی مجلس میں ایسا نہیں کہا تو اب کچھ نہیں ہو سکتا۔
 اختیار اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ۲ سوال اسکے

سوال تفویض طلاق کی ایک صورت :- گزارش یہ ہے کہ دو قلم از روئے بندہ نوازی تحریر فرما کے
 اس مسئلہ کے جواب سے مطلع فرمادیں صورت مسئلہ بعینہ یہ ہے کہ زید نے اپنے بھائی عمر د کے پاس ایک
 خط لکھا تھا کہ میں پردیس یعنی دوسرا ملک میں ہوں میری بیوی کا حق مجھ سے ادا نہیں ہوتا ہے اس لئے
 میری طلاق دینے کی جو طاقت اور قوت ہے وہ اس کو سپرد کرتا ہوں اگر وہ چاہے تو دوسرے جگہ نکاح
 بیٹھ سکتی ہے فقط اور کچھ تفصیل نہ کی۔

- ۱۔ عمر نے اس خط کو اپنے پاس رکھا اور کچھ ظاہر نہیں کیا اس وقت منکورہ مطلق ہوگی یا نہیں۔
 - ۲۔ پھر اگر منکورہ نے اس خبر کو سن کر طلاق اختیار کرے تو کتنے واقع ہوگا۔ فقط والسلام
- احقر محمد بدیع الزماں نواکھالی

جواب :- صورت مسئلہ میں یہیغہ تفویض طلاق کا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جس وقت عورت کو
 تفویض کا علم ہوا اسی وقت مجلس علم میں ہی طلاق لے لیگی تو طلاق پر مجاہدے گی اور اگر اس کو تفویض کا علم
 ہی نہ ہوا یا علم ہو اور وہ طلاق نہ لے تو وقوع طلاق نہ ہوگا ایسے ہی اگر مجلس علم کے بعد طلاق لے تب بھی
 وقوع نہ ہوگا یا مجلس علم میں سنتے ہی کسی اور بات میں لگ جائے جس کو تفویض سے کچھ علاوہ نہیں پھر
 اس بات کے بعد میں طلاق لے تب بھی کچھ نہ ہوگا۔

قال فی الدرر فلها ان تطلق فی مجلس علمها بحد مشافهة او اخبار او ان طال
 یوما او اکثر ما لم تقم لتبذل مجلسها حقیقة او حکما بان تعمل ما یقطعہ
 معایدل علی الاعراض (ص ۱۸ مع الشامی)

- ۲۔ صورت مسئلہ میں عورت بعد علم کے اگر تین طلاق لینا چاہے تو لے سکتی ہے کیونکہ شوہر کے الفاظ
 یہ ہیں کہ ”میرے طلاق دینے کی جو طاقت اور قوت ہے وہ اس کو سپرد کرتا ہوں“ اس سے

بطا ہر تین طلاق تک کی تفویض مفہوم ہوتی ہے اور اگر شوہر کی نیت ان الفاظ سے تین طلاق سپرد کرنے کی نہ تھی بلکہ ایک ہی طلاق سپرد کرنے کی نیت تھی تو عدت صرف ایک لے سکتی ہے۔ واللہ اعلم

احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۵۴۳

سوال - مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق اپنے باپ کو سپرد کیا تھا کتنے روز کے بعد اس کے باپ نے وہ طلاق دینے کا حق سسر اس کی بیوی پر طلاق واقع کر سکتا ہے

اس شخص کے سسر کو سپرد کیا ہے۔ اس شخص کے سسر نے طلاق دیکر اپنی بیٹی کو عدت کے بعد دوسرے سے نکاح دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا و تہجد۔ بحوالہ کتاب معتبرہ زیادة، فقط والسلام

عاصی محمد حسین خان موضع الکیہ پوسٹ بوگیا ضلع جسر
(جواب :- طلاق میں وکیل کو اختیار نہیں کہ دوسرے شخص کو وکیل بنائے اس لئے سسر کو طلاق دینے کا اختیار نہیں ہے۔

فی الدر المنکب لادیوکل الاباذن آمره و فیہ بعداً سطر (والتفویض الی راثیہ)
کا عمل برامیک (کالاذن فی التوکیل) الی فی طلاق وعتاق (شاہی مج ۳۳۴)
احقر عبدالکریم عفی عنہ

نوٹ :- اگر سسر طلاق دینے کے بعد عدت کے شوہر نے یا عورت کے خسر نے بھی کچھ کہا ہو تو اس کو لکھ کر دوبارہ سوال کیا جاوے۔ ۱۲
ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۵ ذیقعد ۱۴۲۷ھ

سوال - کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید مندرہ کو شادی کر کے پندرہ روز بعد پردیس چلا گیا۔ قریب تین سال تک پردیس میں رہا۔ نہ خود پوش دے رہا نہ خط و خطوط سے خبر گیری کر رہا۔ نہ خط لکھنے سے جواب دیتا ہے۔ شادی کے وقت ایک کابین نامہ جس طری کر کے دیا تھا اب زوجہ مذکورہ کو بہت تکلیف ہو رہی ہے اس صورت میں اس کابین نامہ کی شرائط کے مطابق وہ زوجہ اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے یا نہیں۔ بر تقدیر اہل بلا اطلاع زوج ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بر صورت ثانیہ اطلاع کے بعد جواب نہ دینے سے طلاق کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا و تہجد

پردیس میں رہا۔ نہ خود پوش دے رہا نہ خط و خطوط سے خبر گیری کر رہا۔ نہ خط لکھنے سے جواب دیتا ہے۔ شادی کے وقت ایک کابین نامہ جس طری کر کے دیا تھا اب زوجہ مذکورہ کو بہت تکلیف ہو رہی ہے اس صورت میں اس کابین نامہ کی شرائط کے مطابق وہ زوجہ اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے یا نہیں۔ بر تقدیر اہل بلا اطلاع زوج ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بر صورت ثانیہ اطلاع کے بعد جواب نہ دینے سے طلاق کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا و تہجد

کابین نامہ کی دفعہ نمبر ۵ کا اردو ترجمہ حسب ذیل ارسال خدمت ہے :-

اگر میں چھ مہینے سے زیادہ مدت تک کوئی پردیس میں رہوں یا دیس میں رہ کر بی بی مذکورہ کی خبر گیری نہ کروں یا شرط بالا میں سے کوئی شرط کا خلاف کروں یا شرط کی کوئی جزو کے خلاف کروں یا پورا نہ کروں تو شرط خلاف کرنے کے بعد زوجہ مذکورہ جس وجہ سے چاہے ہر وجہ سے ہم کو تین طلاق دینے کے لئے میرے اختیار زوجہ مذکورہ کو سپرد کیا اس سپرد کردہ اختیار کی قوت سے جو کوئی وجہ سے طلاق دے تو میں کوئی عدالت میں زوجیت کا دعویٰ نہیں کر سکیں گا اور نہیں کروں گا اس بنا پر کا بین نامہ لکھ دیا۔

تنقیح بر سوال

یہ کا بین نامہ نکاح کے قبل لکھا گیا ہے یا نکاح کے بعد؟
جواب تنقیح :- کا بین نامہ نکاح کے بعد لکھا گیا ہے۔

الجواب :- اس کا بین نامہ میں جو الفاظ طلاق ہیں وہ لغویں اس واسطے اس کا بین نامہ کی بنا پر عورت کو طلاق کا کوئی حق نہیں ہے فی الدر المختار اما حنک طالق او بری لیس بستی ولو ذی بہ الطلاق وفي رد المختار لان محلیۃ الطلاق قائمۃ بحال بہ فالادضاۃ الیہ فی غیر محلہ فیلغو غزو اللہ اعلم۔

تنبیہ :- ہمارے ملک میں اس جملہ مذکورہ فی سوال کے یہی معنی ہیں جو موجب طلاق نہیں یعنی ہم کو طلاق دینا ترجمہ ہے۔ تطلیق (ایسا) کا۔ اگر بنگالہ میں جو فقرہ استعمال کیا ہے اس کا یہی مطلب ہے تو یہ کا بین نامہ بیکار ہے جیسا کہ جواب لکھا گیا اور اگر ہم کو طلاق دینا بنگالہ میں ترجمہ ہوتا۔ تطلیق (ایسا) کا تو پھر کا بین نامہ معتبر ہوگا اور عورت کو صورت مسئلہ بالا میں طلاق واقع کر لینے کا اختیار ہوگا اور خاندانہ کو اطلاع دینا وقوع طلاق کی شرط نہیں ہے۔

ولا یردان التفویض المعلق بحرف ان یقتصر علی مجلس وجود الشرط کما هو المصرح بہ فی کتب الفقہ فی الواقعۃ المستولیۃ عنہا تعلیق بحرف ان لان فی ہذہ الواقعۃ علق التفویض بلفظہ "مذکورہ شرط کے خلاف کرنے کے بعد الخ وحکمہ ما فی العالمگیریہ (صفحہ ۱۲) من انہ قال لہا ان لم اوصل الیک خمسۃ دنانیر بعد عشرۃ ایام فامرک بیدک فی طلاق حتی شئت فمضی الایام ولم یرسل الیہا النفقۃ ان کان الزوج ارادیہ الفو لہا الایقاع وان لم یرد الفور لا تمک الایقاع حتی یموت احدهما کذا فی الوجیز للکردری ۱۰۔ والظاهر المتبادر ان الزوج فی ہذہ الواقعۃ

المستولة عنها لم يرد الفوز فالمرأة بالخيار من حين وجود الشرط الى الموت ولا يقتصر خيارها على مجلس وجود الشرط فقط والسلام -

عبد الکريم عفی عنہ از تھانہ بھون مورخہ ۱۵۴۰ھ

تفویض طلاق بالتعلیق بلفظ، اگر میں عورت کو وقوع طلاق کا اختیار مجلس وقوع شرط و مجلس علم بالوقوع تک خاص ہوتا ہے

سوال - ما قولکم ایھا العلماء العظام رحمکم اللہ تعالیٰ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

کہ ایک شخص مسمی صفی اللہ نے اپنی بی بی مسلمات آسیہ خاتون کے کاہن نامہ میں چند شرطوں کو افراد کے دستخط کیا اور محکمہ سرکار میں رجسٹری کرایا منجملہ شرطوں میں سے چوتھی شرط یہ ہے کہ اگر مرے رشتہ دار کے ساتھ آپ کی مخالفت ہو یا مرے گھر کی آب و ہوا موافق نہ ہو۔ آپ اپنی سکونت کے لئے جہاں چاہیں وہیں پردہ پوشی کر کے مسلمان شریف عورتوں کی طرح خود دو پوشی میں بیٹھے اوقات بسر کرتے رہیں گے۔ اپنی طبیعت خواہ مقام سے دوسرے مقام نہیں لے جاسکیں گے اور شرط اخیر یہ ہے کہ اگر مرقومہ بالاشروط نہیں سے کسی شرط کو یا کسی شرط کے کوئی جز کو خلاف کر دے تب آپ کو مرے تین طلاق دینے کی اختیار ہے وہ آپ کو آج ہی سے سپرد کرتا ہوں۔ آپ اختیار مفوضہ کی رو سے خود محتاد ہونے کے نفس نفیسہ کو ایک دو تین طلاق دے کے مرے زوجیت کے دعویٰ سے دہائی پاکے دوسرا شوہر قبول کر سکتی ہیں۔ اب صفی اللہ مذکور نے بعض شرائط کاہن نامہ کے مخالفت کی ہے خصوصاً شرط مرقوم الصدہ کو۔ لہذا آسیہ خاتون مذکور نے شرط اخیر کے مطابق اپنے نفس پر ایک دو تین طلاق واقع کر کے دوسرا شوہر قبول کر سکتی ہے یا نہیں آپ اس کا جواب بالتفصیل کتب فقہ سے دیویں اور قدامتے بزرگ سے نعمت دلائین حاصل کریں۔

(الجواب :- اگر اس اقرا نامہ پر صفی اللہ نے نکاح ہونے کے بعد دستخط کئے ہیں تو یہ اقرا نامہ صحیح ہے اور اس کے بموجب جب کسی شرط کا خلاف ہوا ہو اور اسی وقت منکوحہ نے اپنے اوپر طلاق واقع کی ہو تو طلاق ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

اور اگر دستخط بعد نکاح نہیں بلکہ نکاح سے پہلے ہوئے ہیں تو یہ اقرا نامہ لغو ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ دہلی۔

الجواب صحیح

الجواب صحیح

محمد منظر اللہ غفرلہ، امام مسجد فتحپوری دہلی عبد الوحید عفا اللہ عنہ مدرسہ فتحپوری دہلی۔

الجواب صحیح

الجواب صحیح

خادم العلماء سلطان محمود، مدرسہ فتوحی دہلی بندہ ضیاء الحق عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب صحیح

الجواب صحیح

محمد شفیع عفی عنہ مدرسہ مولوی عبدالرب صاحب مرحوم دہلی محبوب الہی غفرلہ مدرسہ مولوی عبدالرب صاحب دہلی

الجواب صواب

الجواب صحیح

ضیاء احمد عفی عنہ مفتی مدظلہ منظر علوم سہارنپور عبد اللطیف عفا اللہ عنہ مدرسہ منظر علوم سہارنپور

۲۰ شوال ۱۳۸۸ھ

۲۳ شوال ۱۳۸۸ھ

قد صح الجواب بغير اتياب

بندہ حسن عفا اللہ عنہ الجواب بالجواب

ریاض الدین عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند مدرس دارالعلوم دیوبند محمد عزیز علی غفرلہ مدرس دارالعلوم دیوبند

۱۲ شوال ۱۳۸۸ھ

۱۰ شوال ۱۳۸۸ھ

۱۲ شوال ۱۳۸۸ھ

مہر مدرسہ دارالعلوم دیوبند

شہر المحیب المہیب حیث اجاد واصحاب فیما اجاب انہ ہو الحق لا ریب فیہ

ولامرئہ ولا ترتیاب فیہ ولا فریہ وماذا بعد الحق الا الضلال کتبہ نقلم

وقالہ نقلم حقر العبد محمد نور الشرائع کمالی غفرلہ ربہ دارالعلوم دیوبند

جامعہ قاسمیہ ۲۴ شوال ۱۳۸۸ھ

الجواب من جامع امداد الاحکام بتہانہ بھون

صورت مسئلہ میں تفویض طلاق بالتعلیق ہے اور تعلیق لفظ اگر سے ہے اور تفویض معلق کا حکم یہ ہے کہ جس وقت شرط کا وقوع ہو اور عورت کے سامنے وقوع ہو تو عورت کو ایقاع طلاق کا اختیار مجلس وقوع تک ہے۔ بعد انقضائے مجلس اس کو اختیار نہ ہے گا اور عورت کے سامنے وقوع شرط نہ ہو تو جس مجلس میں اس کو وقوع شرط کا علم ہوا ہے۔ اسی مجلس تک عورت کو ایقاع طلاق کا اختیار ہے اس کے بعد نہیں۔ پھر لفظ اگر سے تعلیق ہو تو ایک بار وقوع شرط سے تعلیق باطل ہو جاتی ہے اس کے بعد وقوع شرط سے حکم تعلیق ثابت نہ ہوگا۔

قال فی العالمگیرۃ التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان یکون موقتا فان کان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فقدم فلان فالامر بمیدھا اذا علمت فی مجلسھا الذی قدم فیہ وان کان موقتا بان قال اذا قدم فلان فالامر بیدک یوما او قال ایوم الذی یقدم فیہ فالامر بیدھا فی

ذلك الوقت كله اذا علمت بالقدوم ولا يبطل بالقيام عن المجلس (الخلاصة)
 (مبحث ۲۲) وفيه ايضا الفاظ الشرطان واذا واذا ما وكل وكما ومتى ومتى ما ففى
 هذه الالفاظ اذا وجد الشرط اخلت اليمين وانتهت لانها لا تقتضى العموم
 والتكرار فوجود الفعل مرة تم الشرط وانخلت اليمين فلا يتحقق الحث بعد
 الا فى كلما لانها توجب عموم الافعال الى ان قال والفاظ التى للشرط بالفارسية
 اگر و همی و همیشه و هرگاه و هر زمان و هر بار فالاول بمعنى قوله ان فلا يثبت الدرة و
 الثانى بمعنى متى فلا يثبت الامرة والثالث كالثانى ومعناها واحد وفى الرابع
 والخامس يثبت مرة لانه بمعنى كل وهو الصحيح والسادس بمعنى كلما يثبت كل
 مرة كذا فى محيط السرخى (مبحث ۹۲)

اور ظاہر ہے کہ کابین نامہ کی شرط اخیر میں تعلیق لفظ اگر کے ساتھ ہے کوئی لفظ معنی کما
 کا ترجمہ نہیں اور تعلیق مطلق ہے موقت نہیں۔

ابن ذہب نے اس تفویض معلق کی وجہ سے ایقاع طلاق کا اختیار صرف اس مجلس
 میں تھا جس میں زوج نے عورت کے سامنے پہلی بار کسی شرط کی مخالفت کی تھی یا جس مجلس میں عورت
 کو مخالفت کا علم ہوا تھا اگر اس کے سامنے وقوع مخالفت ہوئی تھی اس مجلس کے بعد عورت کو ایقاع
 کا اختیار باقی نہیں رہا اور دوسری بار کسی شرط کی مخالفت سے بھی عورت کو اختیار حاصل ہو گا کیونکہ
 ایک بار مخالفت شرط سے تعلیق باطل ہو چکی ہے اور عورت نے پہلی بار مخالفت کے وقت مجلس عام
 مخالفت میں اپنے اوپر طلاق واقع نہیں کی جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے تو اب اس کابین نامہ کی وجہ سے جو اختیار
 اس کو حاصل تھا وہ باطل ہو چکا خواہ کابین نامہ کی تکمیل نکاح کے بعد ہی ہوئی اور اگر پہلے تکمیل ہو چکی تھی تو اس کا
 لغو ہونا تو ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تہانہ بھون ۲۸ شوال ۱۳۸۵

نکاح کے بعد عورتوں کو پیش آنے والے مصائب کا سہل علاج | سوال :- آج کل عورتوں کو نکاح کے
 بعد جس قدر پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے۔ محتاج بیان نہیں کبھی مرد ظلم کرتا اور بے رخی سے پیش آتا ہے کبھی
 بال بچوں سے بیفکر ہو کر پردیس چلا جاتا اور لاپتہ ہو جاتا ہے۔ کبھی نامزد بھگتا ہے۔ بعض دفعہ بارہ کا
 نکاح دلی اپنی رائے سے کر دیتا ہے اور بعد نکاح عورت مرد میں تو افق نہیں۔ بعض دفعہ مرد مجنون بھی ہو جاتا
 ہے۔ اگر ہندوستان میں قاضی شرعی کا وجود ہوتا تو ان سب پریشانیوں کا علاج تھا مگر اب جبکہ تہائی

ہے کہ زوج سے مخالفت صادر ہو چکی اور عورت نے ہنوز ایقاع نہیں کیا بلکہ استفادہ کر رہی ہے۔

شرعی موجود نہیں۔ عورتوں کو سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے وہ نکاح کو منسوخ کرنے کے لئے عدالت میں دعویٰ دائر کریں تو بعض دفعہ حاکم غیر مسلم اس کا فیصلہ کرتا ہے جو شرعاً معتبر نہیں بعض حاکم مسلم فیصلہ کرتا ہے مگر وہ قاعدہ شرعیہ کی پابندی سے فیصلہ نہیں کرتا اس لئے وہ فیصلہ بھی قابل اطمینان نہیں ہوتا پس علماء سے دریافت کیا جاتا ہے کہ اس صورت کا کوئی سہل علاج ارشاد فرمائیں۔ تاکہ عورتیں مصیبت کے وقت اس پر عمل کر کے ظلم و مصیبت سے نجات پائیں۔ **بینوا تو جروا و لکم الاجر الجزیر**۔
الجواب :-

حیلة اخرى في اصل المسئلة ان تقول امرأة للمحلل زوجت نفسي منك على ان امری بیدی اطلق نفسي كلما ارید ثم یقبل الزوج فیصیر الامر بیدها تطلق نفسها كلما ادات (عالمگیریہ ص ۲۶۲)

صورت مسئلہ میں عورتوں کی اس مصیبت کا سہل علاج یہ ہے کہ عورت بوقت نکاح کے (یا اس کا وکیل قاضی نکاح خواں) مرد نکاح سے یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے نکاح میں (یا قاضی یوں کہے کہ میں نے مسماة فلان بنت فلان کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیدیا کہ معاملہ کا اختیار مسماة فلان کے ہاتھ میں ہوگا وہ جب اور جس وقت چاہے گی اپنے آپ کو طلاق دے لیگی اس کے جواب میں مرد نکاح یوں کہے گا کہ میں نے قبول کر لیا تو معاملہ عورت کے اختیار میں ہوگا وہ جب اپنے اوپر مصیبت و ظلم دیکھے اپنے آپ کو خود ایک طلاق بائن دیکر شوہر کے نکاح سے نکل جائے گی اور اس صورت کے جواز میں علماء حنفیہ کا اختلاف نہیں ہے بعض لوگوں نے اس کو نکاح معلق میں داخل سمجھ کر شبہ کیا ہے مگر درحقیقت یہ نکاح معلق نہیں بلکہ نکاح منجز ہے جو شرط اختیار معلق ہے۔ نکاح معلق وہ ہے کہ اس وقت نکاح ہی نہیں جیسے عورت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو نکاح میں دیدیا اگر میرا باپ راضی ہو یا مرد یوں کہے میں نے قبول کر لیا۔ اگر زید راضی ہو اس صورت میں نکاح نہیں ہوتا اور اگر اصل نکاح کو معلق نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ کوئی شرط زائد لگائی جائے تو یہ جائز ہے۔ جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مجلس عقد میں نکاح اسی وقت ہو رہا ہے مگر اس کے ساتھ ایک شرط ہے جس کو شوہر سے منوایا جاتا ہے۔ فافہم والشرع تعالیٰ اعلم۔

حرره الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون۔ خالقہ امدادیہ ۲۸ دیقعدہ ۱۴۲۹ھ



فصل فی تعلیق الطلاق

”اگر تو اس گھر میں آئی تو تجھے سات طلاق ہیں“ | سوال - کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں

زید نے مع اپنی زوجہ کے ایک مکان میں رہتے تھے اور وہ مکان ان کا ذاتی نہ تھا اور نہ وہ کرایہ دار تھے بلکہ صاحب خانہ کے زیرینہ مراسم کی وجہ سے وہ وہاں فرودکش تھے کچھ عرصہ گزرنے پر کسی معاملہ میں زید کی ان مکان والوں سے لڑائی ہو گئی اور زید نے غصہ میں اپنی زوجہ سے یہ الفاظ کہے کہ اگر تو اس گھر میں آئی تو تجھے سات طلاق ہیں۔ یا اگر تو نے اس گھر میں قدم رکھا تو سات طلاق ہیں۔ یا تجھ کو اس گھر میں سات طلاق ہیں اور اسی وقت سے زید نے مع اپنی زوجہ کے وہ مکان چھوڑ دیا اور الگ مکان کرایہ پر لے کر رہنے لگے جب سال ڈیڑھ سال کا عرصہ گزرا تو زید کی اس پہلے مکان والوں سے حن سے اس کی لڑائی ہوئی تھی اور جس بنا پر علیحدگی اختیار کی گئی تھی مصالحت ہو گئی۔ تو اب زید یہ چاہتا ہے کہ اپنی زوجہ کو اس مکان میں اپنی مرضی سے بھیجے۔ تو کیا زید اپنی مرضی سے اپنی زوجہ کو اس مکان میں بھیج سکتا ہے اور طلاق تو نہیں ہوگی؟

سید رشید احمد - فیض بازار محلہ قاضی داڑہ دہلی۔

(الجواب :- صورت مسئلہ میں اگر زید نے اپنی بیوی کو یہ الفاظ ”اگر تو نے اس گھر میں قدم رکھا تو سات طلاق ہیں“ اس بنا پر کہے ہیں کہ ان گھر والوں سے لڑائی ہوئی تھی تو بعد مصالحت کے یہ طلاق معلق باقی نہ رہے گی اور بیوی کو وہاں بھیجنے سے طلاق نہ ہوگی۔ مثل السلطان اذا حلف النساء لیرفعن الیہ خبر کل داعی فی المدینة کان علی مدة اقامته ومثله تحلیف رب الذی الغریم ان لا یمخرج من البلد الا باذنه تنقید بقیام الدین - شامی ص ۸۴۹
والحاصل ان الیمن تخصص بدلالة الحال والعادة والعرف صرح به فی الشاہیة ص ۸۵ ج ۲ - وقال فی باب یمین الفور انفراد الامام باظهارها وكانت الیمن اولاً قسمین موبدة مطلقاً ومؤقتة وهذه موبدة لفظاً ومؤقتة معنی تنقید بالحال اما بان تكون بناءً علی امر حالى كما مثل او تقع جواباً لکلام یتعلق بالحال ۱۷ ص ۱۳ ج ۳ -

باقی بہتر یہ ہے کہ بیوی کو اس گھر میں بھیج نہ بھیجے کیونکہ الفاظ زید کے عام ہیں اور مسئلہ اختلافی ہے اور اختلاف سے بچنا اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۰ صفر ۱۴۲۸ھ

تعلیق طلاق کی ایک خاص صورت اور اس کا حکم **سوال :-** ایک مرد کا ایک عورت سے ناجائز تعلق ہے ایک روز اسی مرد نے اس عورت سے کہا کہ اگر میں شادی بھی کسی اور عورت سے کر لوں اس وقت بھی اگر تجھ کو اپنے تصرف میں نہیں رکھوں گا تو میری بیوی طلاق ہو جاوے گی اب وہ اس ناجائز تعلق کو چھوڑ کر اور کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا طلاق واقع ہو جاوے گی یا نہیں۔

الجواب :- اگر قائل کا مقصود اس قول سے صرف اس فاحشہ کو راضی کرنا تھا اور منکوحہ آئندہ پر ایقاع طلاق کا قصد نہ تھا تو اس صورت میں اگر وہ کسی عورت سے شادی کر لے اور اس فاحشہ سے تعلق قطع کر دے۔ منکوحہ پر طلاق نہ پڑے گی اور اگر ایقاع طلاق کا قصد تھا تو منکوحہ پر نکاح کرتے ہی۔ طلاق بائن پڑ جائے گی۔

فی العالمگیرية اذا قال لامرأته في حالت الغضب ان فعلت كذا الى شخص مسنين
تصیری مطلقۃ منی واراد بذک تخویفہا ففعلت ذلک الفعل قبل القضاء المدة التي
ذكرها فانہ یسئل الزوج هل كان حلف بطلاقها فان اخبر انه كان حلف بطلاقها
یعمل بنخبه ویحكم بوقوع الطلاق وان اخبر انه لم یحلف به قبل قوله كذا في
المحیط (ص ۲۱۱) اور وقوع طلاق کی صورت میں طلاق بائن بلاعدۃ کے ہوگی اور اس سے
یمن ختم ہو جائے گی پھر اسی عورت سے اسی وقت دوبارہ نکاح کرے تو دوبارہ طلاق نہ ہوگی۔

الفاظ الشرط ان واذا واذا ما وکل ومتی ومتی ما ففی هذه الالفاظ اذا وجد الشرط
المحلت الیمن و انتہت لانها لا تقتضی العموم والتکرار فوجود الفعل مرة تم
الشرط والمحل الیمن فلا یتحقق المحث بعد الاخر کما (ھ) (ص ۹۲ ج ۲ عالمگیر)
البتہ اگر یہ حیلہ کرے کہ کسی عورت سے خود نکاح نہ کرے بلکہ اس کی طرف سے کوئی دوسرا شخص بدون
اس کے امر کے از خود ایجاب قبول کر لے اور یہ زبان سے اس نکاح کو نافذ نہ کرے بلکہ عملاً نافذ کر دے
کہ بیوی کے پاس چلا جاوے تو اس صورت میں منکوحہ پر بالکل طلاق نہ ہوگی۔ فی الظہیریۃ فی
المشانی من المطلق لو قال ان تزوجت امرأة فلهی طالق ثلاثا فالحیلة فی ذلک ان یعقد
فضولی بینہما عقد النکاح فی مجیزہ بالفعل، لا یحث (ھ) کذا فی تنقیح الفتاوی
الحامدیہ (ص ۲۱۱) وفیہ ایضا صیغۃ المضارع لا یقع بها الطلاق (لا اذا غلب
فی الحال صرح به الکمال بن الہمام (ھ) (ص ۲۸ ج ۱) اور بظاہر اہل بیگامہ (طلاق ہو جاوے گی)
کے لفظ کو بمعنی حال ہی استعمال کرتے ہیں لہذا وقوع طلاق کا حکم دیا گیا اور اگر بمعنی استقبال کے استعمال

ہوتا ہو تو وقوع طلاق نہ ہوگا۔ الا اذا لوی الحال۔ والشرع علم

طفہ احمد عفا اللہ عنہ۔ ۵ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ

تعلیق طلاق کی ایک صورت | سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو عمر کے یہاں جانے سے بحالت کہ زید و عمر میں خصوصیت ناپاتی تھی منع کیا اور اپنے اقامت کے شہر سے زوجہ ہندہ کو اس کے والدہ کے مکان پر جو عمر کی سکونت گاہ سے کچھ فاصلہ پر ہے روانہ کرتے وقت کہا کہ تجھے صرف والدہ کے مکان پر جانیکی اجازت ہے مگر عمر کے یہاں کی اجازت نہیں اگر گئی تو تین طلاق ہیں۔ ہندہ زید سے رخصت ہو کر میکے گئی اور تقریباً تین ماہ تک وہاں مقیم رہی حالانکہ عمر کا مکان بھی وہاں سے قریب ہی فاصلہ پر تھا مگر نہیں گئی۔ اور اپنے شوہر زید کے پاس چلی آئی کچھ دنوں بعد پھر ہندہ کو میکے جانیکا اتفاق ہوا اس نے اپنے شوہر سے یہ اجازت طلب کی کہ اگر مجھے آپ کی غیر موجودگی میں کہیں جانے کی ضرورت درپیش آئے تو مجھے یہ اختیار حاصل ہے کہ میں ہر حالت میں جاسکوں زید نے یہ کہہ کر رخصت کیا کہ ہاں اجازت ہے کہ تو اپنی والدہ کے ہمراہ کہیں جاسکتی ہے چونکہ گذشتہ بعض وعدات اور طلاق والی باتیں زید، عمر و ہندہ کے خیال میں تھیں کہ جس شرط پر طلاق معلق تھا ان صورتوں میں اب اگر ہندہ اپنی والدہ کے ساتھ بھائی عمر کے ہاں کسی ضرورت سے جائے تو کیا زید و ہندہ کے درمیان طلاق واقعی ضرور ہوگا نہیں؟ بیوا تو حبروا۔

حافظ محمود احمد امام ہندوستانی مسجد سہروردہم (اپر بھما)
الجواب :- صورت مذکورہ میں جب ہندہ پہلی مرتبہ اپنے میکے گئی اور زید نے روانہ کرتے ہوئے اس سے یہ کہا کہ تجھ کو صرف والدہ کے مکان پر جانیکی اجازت ہے مگر عمر کے یہاں کی اجازت نہیں اگر گئی تو تین طلاق ہیں اھ۔ یہ طلاق اسی سفر کے ساتھ مخصوص تھی جب ہندہ اس سفر میں عمر کے یہاں نہیں گئی تو اس کلام سے اسٹندہ وقوع طلاق نہ ہوگا پس دوسری مرتبہ جب ہندہ اپنے میکے گئی اور شوہر سے اسے پوچھا کہ اگر مجھے آپ کی غیر موجودگی میں کہیں جانے کی ضرورت پیش آئی تو مجھے یہ اختیار حاصل ہے کہ میں ہر حالت میں جاسکوں اور زید نے یہ کہہ کر رخصت کیا کہ تو اپنی والدہ کے ہمراہ کہیں جاسکتی ہے۔ اس سفر میں اگر ہندہ اپنی والدہ کے ساتھ عمر کے یہاں چلی جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ لیکن اگر زید نے پہلے کلام سے ہمیشہ کے لئے ممانعت کا قصد کیا ہو اور ہمیشہ کے لئے کیس وقت کے جانے پر تین طلاق واقع کرنے کی نیت کی ہو تو اس صورت میں دوسری سفر میں اگر ہندہ اپنی ماں کے ساتھ بھی جائے گی تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی والشرع علم۔ طفہ احمد عفا اللہ عنہ ۱۸ رجب ۱۴۰۸ھ

اگر اس گھر میں جاؤ گی تو طلاق ہو جاؤ گی، کا حکم [سوال]۔ معظم مکرم محترم بندہ حضرت مولانا محمد شرف علی صاحب دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ خاکسار بہ سسر پرستی جناب دلدار خان صاحب کانپور شہری میں ملازم ہے وہ قطع مکان کا خانہ کے ہیں قرب و مکانیت دونوں مکانوں کی یکساں ہے اور ایک دوسرے مکان میں جانیگا ماستہ بھی ہے میں ایک قطعہ میں رہتا ہوں دوسرے میں داروغہ عبدالجلیل صاحب جو کارخانہ میں ملازم ہیں رہتے ہیں میں نے اپنی بھادج بیوہ کے ہمراہ جن کے دو لڑکے ہیں بعض دور اندیشوں کے خیال سے یام رمضان شریف گذشتہ میں عقد کر لیا ہے۔ اہلیہ سابقہ و حال دونوں اس مکان میں مشترک رہتی ہیں خورد و نوش نشست و برخاست یک جہاں ہے باہمی بظاہر کوئی شکایت نہیں ہے کل بروز بدھ قبل مغرب جب کارخانہ سے فرصت پا کر گھر گیا تو اہلیہ سابقہ کو غمگین دیکھ کر دریافت کیا کیسا مزاج ہے ادھوں نے میری ذات پر رنج کا اظہار کیا اور چند کلمہ جھوٹ کہے جس سے مجھ کو ناگوار معلوم ہوا میں نے کہا نماز پڑھ لوں تو تمہارا انتظام کر دوں وہ ناخوش ہو کر بالاخانہ پر جانے لگیں اس وقت میں نے روک کر کہا کہ چابی مکان کی اور زیور دیدہ وہ چابیاں دیکھ بالاخانہ پر چڑھ کر اندر سے کوڑ بند کر لیا میں نماز مغرب میں مشغول ہو گیا نماز کے بعد بالاخانہ پر گیا معلوم ہوا نہیں ہیں۔ داروغہ عبدالجلیل صاحب کے گھر میں ہیں بعد اہلیہ بہت سمجھانے کے بعد گھر واپس آکر بالاخانہ پر چلی گئیں نہ مجھ سے مخاطب ہوئیں نہ معذرت کیا بہر صورت جب مجھ سے صبر نہ ہو سکا تو میں نے اپنے لڑکے زید الدین کو پکار کر کہا کہ اپنی والدہ کو کھانے کے لئے بھیج دے بعد تامل وہ بالاخانہ سے اتر کر باورچی خانہ میں جا کر تنہا کھانا کھانے لگیں میں آنگن میں بیٹھا غصہ میں کچھ باتیں فراد و نشیب کی بطور نصیحت کرتا رہا اسی حالت میں یہ کہہ کر اٹھا کہ اگر اس گھر میں جاؤ گی طلاق ہو جاؤ گی اور متواتر اس کلمہ کو کہا اور دروازہ کھرکی میں احتیاطاً قفل لگا دیا کہ اس امر کا وقوع سہوایا عمدانہ ہو۔ بہشتی زیور میں اس مسئلہ میں غور کیا گیا جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ بالکل مطابقت کرتے ہیں۔

تنقیح از جانب حضرت مولانا تھانوی مد فیضہم
اس مقام پر بہشتی زیور کی عبادت نقل کرنا چاہیئے تاکہ مطابقت دیکھی جاوے۔

(بقیہ خط بالا)

یہ میری سرگذشت ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان الفاظوں کو جو میں نے غصیناکہ ہو کر کہے ہیں اور یہ نیت نہیں ہے کہ اگر ایسا ہوگا تو یہ ہوگا بلکہ غصہ میں کہ گیا کہ کسی شرعی حکم سے واپس لے سکتا ہوں اور اس کے بعد داروغہ عبدالجلیل صاحب کے گھر میں اہلیہ کے جانے کا کچھ حرج تو نہیں ہے۔ داروغہ

عبدالحمید کے گھر میں تنہا ہیں اور نہایت نیک اور حافظ قرآن ہیں اور ان کے بچے ہوئے دالہ ہے۔ کوئی ظاہری معاشرت ان کے ساتھ نہیں ہے۔ اگر ان کو کوئی تکلیف پہنچے پھر اہل ہونے کی حالت میں پہنچی تو مردت اور حق ہمسائیگی کے خلاف ہے اور حق تلفی ہے بایں وجہ قطع مراسم اچھا نہیں معلوم ہوتا موجودہ کبیڈگی و کشیدگی کا باعث عقد ثانی ضرور ہے۔ اگر میں اہلیہ ثانی کو علیحدہ مکان میں رکھوں تو بھی ان کی کشیدگی مجھ سے دفع نہ ہوگی یہ خلقی مادہ ہے۔ زیادہ والسلام۔ اسٹل آپ کا خادم سعادت علی از کا پور ٹینری کا پور سہا پورہ۔

جواب تنقیح از جانب سائل

قبلہ حاجات حضرت مولانا شرف علی صاحب دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج مقدس بموجب ارشاد حضور دالہ مسئلہ مندرجہ بہشتی زیور جس سے اس نادان نے اپنے کلمات کو منطبق کئے ہیں ذیل میں درج کر کے اطمینان کا طالب ہے۔ زیادہ والسلام۔ مسئلہ مندرجہ بہشتی زیور حصہ چہارم منگ اپنی بی بی سے کہا اگر اس گھر میں جادے تو تمھکو طلاق۔

(الجواب :- صورتہ مسئلہ میں سائل نے صیغہ مضارع کا استعمال کیا ہے جس سے طلاق کا وقوع اس وقت ہوتا ہے جبکہ مضارع کا استعمال بمعنی حال غالب ہو گیا ہو۔ اردو میں چونکہ حال و استقبال کا صیغہ جدا جدا ہے اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مضارع بمعنی حال غالب ہے۔ پس صورتہ مسئلہ میں سائل کا یہ قول کہ آئندہ اگر اس گھر میں جادگی طلاق ہو جاوے گی۔ تعلیق طلاق نہیں بلکہ محض وعید اور دھمکی ہے جیسا کہ سائل کے بیان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسکا ارادہ تعلیق کا نہ تھا۔ لہذا اگر زوجہ اس گھر میں چلی جاوے گی تو شرعاً طلاق عائد نہ ہوگی۔ قال فی العاقلگیریۃ اذا قال لا امرأتہ فی حالۃ الغضب ان فعلت کذا فی خمس سنین تصیری مطلقۃ حتی و اراد بذکرک تخویفھا ففعلت ذلک الفعل قبل انقضاء المدة التي ذکرھا فانہ یسئل الزوج هل کان حلف بطلاقھا فان أخبر انہ کان حلف یعمل بخبرہ و یحکم بوقوع الطلاق۔ و ان أخبر انہ لم یحلف بذکر قبل قیل لہ کذا فی المحيط ص ۲۲۱ لیکن اگر زوج کی نیت محض دھمکی کی نہ تھی بلکہ طلاق کو معلق کرنے ہی کی نیت تھی تو اس گھر میں جانے سے زوجہ پر طلاق پڑ جائے گی لہذا اسٹل اپنی نیت کو خود سوتح سمجھ لے اور اس صورت ثانیہ یعنی نیت تعلیق میں صرف طلاق رجعی ہوگی جس سے عدت کے اندر نکاح فرج نہیں ہوتا۔ زبان سے بھی رجعت کر سکتے ہیں اور

تقبیل وغیرہ سے بھی رجعت ہو جاتی ہے اور ایک مرتبہ بعد پھر آئندہ اس گھر میں عورت کے جانے سے دوبارہ اس پر طلاق نہ ہوگی۔

لَدُنْ اَنْ وَاِذَا مَا وَاكَلٍ وَاَمْتٍ وَاَمْتٍ مَا قَفِيْ هَذِهِ الْاَلْفَاظُ اِذَا وَجَدَ الشَّرْطَ
اَنْتَهَتْ اَلْيَمِيْنُ وَاَنْتَهَتْ لَا نَهَا لَا تَقْتَضِي الْعُمُوْمَ وَالْمُكَرَّرَ اَمْ (عالمگیری ص ۱۲۲)
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

تنبیہ :- بہشتی زیور کی عبارت میں جس کا سائل نے سوال دیا ہے ہیغہ مضارع نہیں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں (مسئلہ) اپنی بی بی سے کہا تھا اگر اس گھر میں جادے تو تجھ کو طلاق ہے اور وہ چلی گئی اور طلاق ہو گئی (ص ۲۵ ج ۴) ان الفاظ کے ساتھ وقوع شرط پر وقوع طلاق لازمی ہے کیونکہ الفاظ انشاء صریح موجود ہیں اور سائل کے الفاظ میں (طلاق ہو جادے گی) کا لفظ ہے جو کہ انشاء میں صریح نہیں۔ واللہ اعلم

حرمہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۸ محرم ۱۴۲۲ھ
اگر تو اس بات کا تذکرہ کسی سے کریگی تو تجھ پر تین طلاق اور پھر بعد اس سوال - ایک شخص (زید) میں خود تذکرہ کی اجازت دیدی تو کیا حکم ہے۔ نے اپنی بیوی سے ایک واقعہ بیان

کیا اور اس کے پوشیدہ رکھنے کے لئے کہا مگر اس کی عورت نے کہا کہ میں اس کا تذکرہ ضرور کروں گی خاوند (زید) نے اس بات کو پوشیدہ رکھنے کی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی عورت کو قسم دیدی۔ کہ اگر تو اس کا تذکرہ کسی سے بھی کرے گی تو تجھ پر تین طلاق، معاملہ دفع دفع ہوا اور عورت نے کسی سے تذکرہ نہیں کیا مگر یہ دونوں ایک ہی جگہ قیام پذیر رہے۔ بیس پچیس روز کے بعد ان دونوں میں کچھ عرصہ کے لئے جدائی ہونے لگی یعنی (زید کی) عورت جس کو قسم دی گئی تھی اپنے میکے یا کسی قریبی عزیز کے یہاں جانے لگی۔ چلتے وقت خاوند نے اپنی بیوی سے نہ معلوم کسی مصلحت سے یاد دلائی یہ کہہ دیا کہ اگر اس واقعہ کا جس پر مندرجہ بالا قسم دی گئی ہے کسی سے تذکرہ بھی کر دے گی تو کوئی حرج نہیں ہے میں اپنی قسم واپس لیتا ہوں کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اس اجازت دیتے وقت قسم لینے والے (خاوند) کی نیت بھی قسم کے واپس لینے کی تھی۔ اس قسم کے واپس لینے کے بعد سے ابھی تک عورت نے کسی سے تذکرہ نہیں کیا ہے مگر خیال ہے کہ مبادا اس خیال سے کہ خاوند نے اجازت تو دیدی ہے ذکر نہ کر دے۔

اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ اگر وہ عورت جس کو قسم دی گئی ہے اس اجازت سے فائدہ حاصل کر کے ذکر کر بھی دے تو کیا اس عورت پر طلاق تو نہیں پڑے گی اور خاوند کو اس قسم یا شرط کے واپس لینے کا حق حاصل ہے یا نہیں ہا ایک امراد بھی قابل ذکر ہے کہ خاوند کی نیت قسم دیتے وقت کوئی خاف نہیں

تھی یعنی وہ شرط کو واپس لے گا یا نہیں اور نہ اس وقت کسی اجازت کا خیال تھا البتہ اجازت دیتے وقت اس امر کی نیت ضرور تھی کہ اگر یہ کہہ دے تو کوئی طلاق پڑے۔

السائل جمیل احمد نائب تحصیلدار مقام الور لاویہ دروازہ

الجواب :-

صورت مسئلہ میں زید کا اپنی عہدت کو اس طرح قسم دینا کہ "اگر تو اس بات کا تذکرہ کسی سے کرے گی تو تجھ پر تین طلاق" عرفاً اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جب تک اخفا کی ضرورت ہے اس وقت تک اگر کسی سے تذکرہ کیا تو یہ حکم ہے پس جب شوہر کے نزدیک اخفا کی ضرورت باقی نہیں رہی اس کے بعد اگر وہ عہدت کسی سے تذکرہ کرے تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

قال في العالمگیرية رجل خرج مع الوالی وحلف بالطلاق ان لا يخرج الا باذنه وسقط منه شيء ورجع لذلک لا تطلق ولو حلف علی امرأته بطلاقها ان لا تخرج من الدار الا باذنه او حلف السلطان رجلاً بطلاق امرأته ان لا يخرج من البلدة الا باذنه او حلف صاحب الدين مديوناً ان لا يخرج من البلدة الا باذنه فاليمين مقيدة بحال قيام الزوجية - والسلطنة والدين بابت المرأة وعزل السلطان وسقط الدين واغلت اليمين ثم لا تعود ابداً وان عادت الولائية للزوج والسلطان وعاد الدين ام صیح ۱۱ - وفيها ایضاً ولو قال لها اگر تو باکے حرام کنی فانت طالق ثلثاً فابانها فجاء معها في العدة طلقت عندهما لانهما يعتبران عموم اللفظ والابو يوسف لم يعتبر الغرض فعلى قياس قوله لا تطلق وعليه الفتوى ام صیح ۱۲ - لیکن اگر صورت مسئلہ میں عورت احتیاط رکھے اور وہ بات کبھی کسی سے نہ کہے تو یہ بہتر ہے۔ والشرع سلم

حرره الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۲ محرم ۱۳۳۱ھ

اگر اپنے بچہ کو فلاں قصبہ میں پانچ سال تک روانہ کروں تو اس کی ماں پر تین طلاق۔ بعد میں بچہ کو خود وہاں لے گیا۔

اس مسئلہ میں کہ زید ایک شہر کا رہنے والا ہے جس کا نکاح ایک قصبہ میں ہوا جو بندہ عسریل دوستو میں پر واقع ہے چونکہ زید کو اس کے سسرال والے اپنے قصبہ میں بود و باش اختیار کرنے پر مجبور کرتے تھے اس لئے جب کبھی زید کی منکوحہ اپنے پیر (میکے) جاتی تو اس کی واپسی میں زید کے

خسرال والے کچھ نہ کچھ جھگڑا ضرور کرتے ایک مرتبہ زید کی بیوی اپنی بہن کی شادی میں شرکت کے لئے قصبہ میں بلائی گئی زید نے اپنی بیوی کو پسند نہ کر دیا کی اجازت دیدی مگر اپنے تین سالہ لڑکے کو اس خیال سے روک لینا چاہا کہ اس بچہ کے میرے پاس ہونے سے نہ تو خسرال والوں کو میری بیوی کے روکنے کی جرأت ہوگی اور نہ خود بیوی بھی بوجہ مہر مادی وہاں ٹانڈ قیام کر سکے گی۔ مگر زید کی بیوی نے بچہ کے اپنے ہمراہ لیجانے میں سخت اصرار کیا لیکن زید نے مذکورہ مصلحت کی وجہ سے اپنی بیوی کی بات نہ مانی، روانہ ہوتے وقت بیوی نے غصے سے کہا تم دیکھنا میں اپنے باپ کو بھیج کر بچہ کو کیسے بلاتی ہوں اس پر زید نے یہ قسم کھائی اگر میں بچہ کو کسی طرح بھی قصبہ کو پانچ سال تک روانہ کروں تو اس کی والدہ پر تین طلاق جو تواتر کا حکم رکھیں۔ بیوی کے چلے جانے کے بعد ایک سال تک اس طرف سے لڑکے کی طلبی میں اور زید کی طرف سے بیوی کی طلبی میں خط و کتابت ہوتی رہی جس میں ایک خط مولوی ڈاکٹر عبد الرزاق صاحب نقشبندی کا وصول ہوا جو خسر زید کے ملاقاتی اور زید کے مشفق ہیں اس خط میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے خسر زید کے خاص الفاظیوں تحریر کئے کہ ”ہم آپ کو اپنی لڑکی کے روانہ کرنے میں کچھ عذر نہیں ہم کب نہیں کہتے (یعنی سمجھنے میں ہم کو انکار نہیں) وہ بچہ کو لائیں اور ان کو (بچہ کی والدہ کو) لے جائیں یہاں (قصبہ میں) جو لوگوں نے افواہ اڑا رہے کہ اب وہ ہرگز نہ آئیں گے اور اپنا قطع تعلق کر لیا ہے۔ وہ جھوٹے ٹھہریں اور لڑکا روانہ کرنے کی اگر قسم کھائی ہے تو ساتھ لانے میں قسم بھی نہیں لڑتی مخالفین کی افواہ بھی رد ہوتی ہے۔ ہم روانہ کرنے سے انکار نہیں کرتے، چنانچہ اس خط سے جب زید نے اپنے خیال اور نیت کے موافق اپنے خسر کا بھی خیال لڑکے کے لیجانے اور قسم میں خسر ابی واقع نہ ہونے میں پایا تو بلحاظ سہولیت طرفین قسم کھانے کے ایک سال بعد بچہ کو اپنے ساتھ لے گیا۔ قسم میں الفاظ خاص کسی طرح بھی روانہ کروں سے زید کی مراد اور نیت میں اس کا مقصد بہ استثناء خود دوسرے کے ساتھ کسی طرح بھی روانہ نہ کروں گا ہے۔ جو جب اور محل قسم یعنی زید کی بیوی کا غصے سے یہ کہنا کہ تم دیکھنا کہ میں اپنے باپ کو بھیج کر بچہ کو کیسے بلاتی ہوں۔ اس کے جواب میں صاف ظاہر ہیں اور لفظ روانہ کروں کے صریح و حقیقی معنی عرف میں دوسرے کے ساتھ سمجھنے کے ہوتے ہیں۔ لہذا زید کا یہی مطلب تھا۔ الحاصل مذکورہ صورت میں کیا زید کی بیوی پر طلاق واقع ہو سکتی ہے؟

بینو و توجرو۔ المستفی عبد الرحمن شاہجہان خان عفی عنہ

محلہ کالو پور، سوداگر پول احمد آباد۔

(الجواب :- قال في (عالمگیریہ و لوقال لها (اگر تو بکسے حرام کنی) فانت طالق ثلاثا فابانها فجامعها في العدة طلقت عندها لانهما يعتبران عموم اللفظ و ابو یوسف یعتبر بالغرض فعلى قیاس قوله لا تطلق و علیه الفتوی الم ص ۱۰۱ صورت مسئلہ میں جب زید کی غرض اذنیہ کلام مذکور میں یہ بھی کہ کسی دوسرے کے ساتھ کبھی نہ روانہ کروں گا تو لڑکے کو اپنے ساتھ لیجانے سے اس کی ذبح پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

حرره الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ اذ تھانہ بھوں خانقاہ امدادیہ ۲۶ صفر ۱۳۸۱ھ

اگر تو فلاں شخص سے بات کرے تو تجھ پر تین طلاق اور اپنے ذہن میں اجازت دینے کی صورت کو مستثنیٰ کر لیا۔ سوال :-

ایک شخص اپنی بیوی سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر تو فلاں شخص سے بات کرے گی تو تجھ کو تین طلاق مگر اس کے خیال میں یہ بات سچی کہ موقع ضرورت پر بات کرنے کی اجازت دیدوں گا مذکور خطاب میں لفظ ہمیشہ وغیرہ جو دوام پر دلالت کرے نہیں ذکر کیا پس اس صورت میں اگر اپنی بیوی کو اس شخص سے بات کرنے کی اجازت دی تو وہ عورت بات کر سکتی ہے یا بات کرنے سے طلاق واقع ہوگی۔

مذکور خطاب عام ہے مقید بوقت محدود میں نہیں۔ خادم محمد عبدالقادر۔ از مقام کلاں ضلع جنوبی اڑکٹ

(الجواب :- قال في الدر المختار الايمان بنية على الفاظ لا على الاغراض (م ص ۱۱۰ ج ۲) وفيه ايضا نية تخصيص العام بصلح ديانته (جماعا فلو) قال كل امرأة اتزوجها فهي طالق ثم قال نويت كذا لا يصح صدق قضاء وفي رد المحتار وحمله لا اتزوج امرأة وقوى حبشية او عربية فانها بعض افراد العام لان الانسان انواع حبشية وعربية ورومي (م ص ۱۱۱) قلت وكذا الكلام متنوع الى ضروري وغير ضروري فلو نوى احد النوعين يصح - صورت مسئلہ میں جبکہ زوج کی نیت اس کلام سے کہ اگر تو فلاں شخص سے بات کرے گی تو تجھ کو تین طلاق، بے ضرورت دے اجازت بات کرنا تو بوقت ضرورت شوہر کی اجازت سے اگر وہ بات کرے تو اس پر طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔ ۲، سوال ۱۳۸۱ھ

حالت اگر وہ میں تعلیق طلاق کا حکم | سوال :- چہ فرمایند علماء دین متین رحمہم اللہ تعالیٰ انہیں

کہ دو برادران مسلمان عبدالودود و عبدالنصیر میاں جی بحضور مجمع عام کہ چند کس عالمان شریعت غرائز دران حاضر بودند اول نمودند کہ روزے بوجہ خصومت گدھے متخاصمیں برایشان غلبہ کردہ ہر دو برادران را مکر خانہ بردند و صاحب خانہ کہ سرگرم متخاصمیں بود ایشان را بھی زد و میگفت کہ گوئی کہ بجانہائے پنڈت و امید علی منشی و یوسف ماتھی پیش بخوابد رفت چونکہ برادران مذکور بدست تغلیں عاجز آمدہ

بودند فحارہ رہائی نمی دیدند ناچار گفتند نخواہیم رفت باز گفتند کہ بگوئیکہ در تہانہ و در کچری بے اجازت
من نخواہید رفت برادران گفتند نخواہیم رفت باز پرسید اگر روید بر زنان شما طلاق ثلث خواہد شد
یا نہ برادران پاسخ دادند خواہد شد باز سوال کرد چہ خواہد شد گفتند طلاق خواہد شد باز پرسید
کہ چہ چیز طلاق خواہد شد گفتند آیانی دانید کہ چہ چیز طلاق شود باز سوال نمود زنان شما طلاق خواہد
شد یا نہ گفتند آری بے اکنون سوال اینکہ در صورت مرقومہ بر تقدیر صحت معاملہ در حالیکہ برادران
مذکور در خانہاے نامیدگان کہ ایشان بالفعل با حیات باقی نیستند و در تہانہ و کچری بلا اجازت متغلب
آمد و شد نمودند حسب حکم مذہب حنفی بر زنان مسمیاں طلاق ثلث واقع شود یا چہ واضح باشد
کہ کسے از مسمیاں مذکور و زنان ایشان بر طلاق ماضی نیست بلکہ بخلاف آن بخوف آنکہ فتویٰ
عالمان درین باب بر وقوع طلاق صادر یا بدست نغمین ہستند و پیوستہ گریہ و زاری ہی دارند
تا آنکہ زنان ایشان از مادر مخ معاملہ خود و فروش ترک گفتہ اند - بنو توجہ ۱۹ -

(الجواب :-) طلاق واقع نخواہد شد بچند وجوہ - اول این کہ از جهت
ثبوت تعلقی بخرابا بشرط اتصال کلام باید - سکوت و انفصال مانع تعلق است و فصل کلام میرود
بیمیں رافشاہد - مکافی فتاویٰ قاضی خان فی باب الایمان السکوت یمنع تعلق الجزا
بالمشرط و ایضاً فیہ رجل اخذہ السلطان و اراد ان یحلفہ فقال لہ قل بایزد
فقال الرجل بایزد ثم قال السلطان کہ برور آدینہ بیائی فقال الرجل برور
آدینہ بیایم فلم یات الرجل یوم الجمعة قالوا لم یحنت لانہ لما قال لہ قل بایزد
و سکت صار فاصلاً فلا یصیر یحینا بعد ذلک انتہی -

وجہ دوم آنکہ مسمیاں مذکور حسب شروط یمین در خانہائے نامیدگان کہ پنڈت و امید علی منشی
و یوسف مانجھی اند زفستہ اند بلکہ در خانہائے ورثہ ایشان رفتہ اند کہ بعد موت ایشان خانہا در ملک
دار ثمال انتقال یافتہ است کافی فتاویٰ قاضی خان رجل حلف و قال لا مرأتہ طلاق
ان دخلت دار فلان فمات صاحب الدار فدخل ان لم یکن للیمیت دین مستغرق
لا یحنت لانہا انتقلت الی الورثۃ وان کان علیہ دین مستغرق الی قولہ
قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ لا یحنت فی یمینہ و در فتاویٰ سراجیہ نوشتہ
حلف لا یجد خل دار فلان فدخل بعد الموت لہ یحنت انتہی -

پس در حالیکہ مسمیاں بلا اجازت متغلب مذکور در تہانہ و کچری رفتہ اند بوجہ فوات

شرط اول کہ رفتن در غائبی نامیدگان بود حث لازم نیاید - زیرا کہ جزا بر سر دو گونه شرط
 مرتب بود کافی نماید سراجیہ - حلف لایکم فلانا و فلانا سو میخت بکلام
 احد ہما انتہی - و فی فتاوی قاضی خان لوقال کل امرأة انتزوح مادمتما
 حیین او قال بالفارسیہ - ہرز نے کہ بخواہیم تا ایشان زندہ اند تطلق
 کل امرأة يتزوج فی حیوتہما لان کلمہ کل توجب تعمیم النساء وان مات
 احد ابویہ فتزوج امرأة تکلموفیہ وعن محمد بن ابیہا لا تطلق
 وتسقط اليمين بموت احد ہما وبہ اخذ فقیہ ابو الیثا لون شرط
 الحث التزوج فی حیوتہما ولم یوجد انتہی و فی الحمادیہ رجل
 حلف لایکم فلانا و فلانا فہذا علی ثلثہ اوجہ اما ان نوى أن یحث
 بکلام کل واحد منہما او نوى ان لا یحث حتی یکمہما او لم ینو
 شیاً ففی الوجه الاول اذا کم احد ہما یحث لانه نوى ما یحتملہ و فی
 الوجه الثانی لا یحث ہا لم یکمہما لانه نوى حقيقة ما تکلم بہ و فی
 الوجه الثالث کذا الک انتہی -

پس ہر حال باولہ بالامیر بن می شود کہ حث لازم نیاید فلا تطلقان ولا احد ہما
 ہکذا حکم الکتاب واللہ اعلم بالصواب - الکاتب العاصی مختار احمد صدیقی
 کالی پور

تنقیح الجواب من جامع امسدا الاحکام
 قال فی العالمگیریہ ص ۲۵۵ - قيل لرجل الست طلقت امراتک فقال بلی
 تطلق کانه قال طلقت لانه جواب الاستفهام بالاثبات ام وفيها ایضا رجل قال
 لغيره اطلقت امراتک فقال نعم بالهجاء او قال بلی بالهمجاء ولم یتکلم بہ
 يقع (یطلق) کذا فی فتاوی قاضی خان ام وفيها ایضا قيل لرجل اطلقت
 امراتک ثلثا قال نعم واحدة قال القیاس ان يقع علیہا ثلث تطليقا ولكنا
 نستحسن ونجعلها واحدة ام قلت وجه الاستحسان زیادة قوله واحدة
 بعد قوله نعم فلو کان کتفی بقوله نعم وقعت ثلث تطليقات کما لا یخفی وفيها
 ص ۱۱۶ ج ۲ - رجل اراد السفر فخلعه صهرا وقال ان غبت بعد هذا عن امراتک

فلم ترجع اليها عند رأس الشهر فامرأتك طالق فقال المختن بالفارسية
هست ولسويزد على ذلك ثم غاب أكثر من شهر طلقت امرأته لأنه
اجاب كلام الصهر والجواب يتضمن إعادة ما في السؤال فتطلق امرأته كذا
في فتاوى قاضي خان (ح) فقول القائل في الصورة المستولة اگر وید بر زنان شما
طلاق ثلاث خواهد شد یا نه برادران پاسخ دادند خواهد شد - فهو بعينه نظير هذه
المسائل فصح التعليق بالشرط فاذا وجد الشرط طلقت امرأتاهما وما نقله
المجيب من قاضي خان ان السكوت يمنع تعليق الجزاء بالشرط - معناه ان ينطق
بالشرط ويسكت ثم ينطق بالجزاء بعده مثلاً لو قال المتغلب للاخوين قولا
اگر دویم و قال اگر دویم شو قال المتغلب قولا بر زبان ما طلاق ثلاث خواهد شد و
قالا بر زنان ما طلاق ثلاث خواهد شد لا تطلق امرأتاهما في هذه الصورة لان
الجزاء قد انفصل عن الشرط وبقى قولهما "بر زنان ما طلاق ثلاث خواهد
شد منفرد عنه ولا يقع به شيء لأنه بمعنى الاستقبال لا للنشاء في
الحال واما في الصورة المستوكة فان المتغلب نطق بالشرط والجزاء معاً
فلا انفصال بينهما وقال في الجواب "خواهد شد و باز گفتند آری فهو نظير
ما اذا قال نعم في جواب قول القائل اطلقت امرأتك فافهم نعم لو نوى الانواء
بقولهما خواهد شد وبقولهما آری معنى التنجيز ولم يروا معنى
التعليق بالشرط لا يقع الطلاق على امرأتيهما لكونه بمعنى الاستقبال
المنجز وقد عرفت عدم وقوع الطلاق بالاستقبال تنجيذاً - وهذا انما
هو في الديانة واما في القضاء فلا يصح ارادتهما معنى التنجيز بهذا
الكلام لكونه خلاف الظاهر قال العلامة الشامي قال في الخانية رجل
حلف رجلاً فحلف ونوى غير ما يريد المستحلف ان بالطلاق والعقاق و
نحوه يعتبر برنية المحالف اذ لم ينو المحالف خلاف الظاهر ظاهراً كان المحالف
او مظلوماً وان كانت اليمين بالله تعالى فلو المحالف مظلوماً فالنية فيه
اليه وان كان ظالماً يريد ابطال حق الغير اعتبر برنية المستحلف وهو قول
ابي حنيفة ومحمداه قلت وتقييده بما اذا لم ينو خلاف الظاهر يدل على

ان المراد باعتبارنية المحالف اعتبارها في القضاء اذ لا خلاف في اعتبار نيته
ديانة وبه علم الفرق بينه وبين مذهب الخصاف فان عنده تعتبر نيته
في القضاء ايضا وليفتي بقوله اذا كان المحالف مظلوماً (ص ۱۵۲ ج ۳)
وعلى هذا فلا محاب بعدم وقوع الطلاق ما لم يستفسر الزوجان عن
نيتها بقولهما خواهد شد وبقولهما آردے انهما بل اراد هذا الكسب معنى التعليق او معنى التبخير - واما قول
المجيب في الوجوب الثالث پس در حالیکه مسمیان بلا اجازت متغلب مذکور در تهمانه و کچھری ذمتہ اند
بوجہ شرط اول کر رفتن در خانهائے نامیدگان بود حنث لازم نیاید زیرا کہ جزا بہر مرد و شرط مترتب
بود کمافی فتاویٰ سراجیہ حلف لا یمکلم فلاناً و فلاناً لم یحنث بکلام احدہما و ففیہ نظیر ایضاً من وجوہ:
الاول لان ترتب الجزاء علی مجموع الشرطین لا یظهر ما لم یبین المحالف او المستحلف انہ اراد الترتب
علی المجموع کما نقلہ المجیب عن الحمادیہ فی قول رجل حلف لا یمکلم فلاناً و فلاناً فہذا علی ثلاثہ اوجہ الاول فلا یصح الجواب
بعدم الوقوع قبل البیان والثانی لانہ یظهر من السؤال ان المستحلف حلف اولاً علی عدم الدخول فی بیت
الرجال المعالمین فلما اقر الاخوان بذلك اخذ منها العہد ثانیاً علی عدم الذهاب الی دیوان الحکومتہ
بغیر اذنہ فلم یجتمع الامیران فی عہد واحد لا سیما اذا جعلنا السکوت فاصلاً بین الکلامین فکیف
یصح ترتب الجزاء علی مجموع العہدین بل الظاہر ترتبہ علی شرط عدم ذبا بہما الی دیوان بغیر اذنہ فقط
وقد وجدہ ذلک فلازمہ وقوع الطلاق ولو سلم ان الکلام یحتمل ترتب الجزاء علی المجموع ایضاً فانما
یحاب بعدم الوقوع اذ ابلینا انہما لو یاذلک او نویا الحنث بکل واحد منهما فلا شک فی الوقوع باحد الشرطین
ولو لم یکن لہما نیۃ فالظاہر الوقوع ایضاً لان المتغلب انما اخذ العہد علی کل واحد من الامیرین علی حدیقہ علی حدیقہ
وبعد ما اخذ العہد علی امر ثم اخذ العہد ثانیاً علی امر آخر والسکوت یعد فاصلاً فالاصل فی ہذا الکلام تعلیق
الشرط بالعہد الثانی المتصل بہ فقط دون الاول فافہم - واللہ تعالی اعلم بصورت مسئلہ میں یہ امر تنقیح
طلب ہے کہ بر داران مظلومین نے اپنے قول میں لفظ خواہد شد و لفظ آردے سے کس معنی کا قصد کیا تھا آیا
ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم نے افعال مذکورہ کئے تو ہماری بیبیوں پر طلاق ہو جائے گی یا تعلیق بالشرط
کا قصد نہ تھا بلکہ تبخیر کا قصد تھا یا کچھ نیت تھی اسی طرح بصورت معنی تعلیق آیا ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر
ہم نے یہ افعال مذکورہ مجموعی طور پر کئے تو طلاق ہو گئی یا علیحدہ علیحدہ ہر امر کے ارتکاب پر طلاق کو معلق کرنا
مقصود تھا یا ان میں سے بھی کسی ایک شق کی نیت تھی جب تک اس تنقیح کا جواب نہ آجائے اس وقت تک وقوع
یا عدم وقوع طلاق کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا واللہ اعلم - حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ بہر شوال ۱۳۷۲ھ

جواب تنقیح :- اگر تو زبان درازی کرے تو تجھ سے تعلق نہ رکھونگا اور نیت کچھ نہیں کی تو کیا حکم ہے۔
 براستفسار از نیات ایشان ہر دو برادران صاف می گویند کہ ایشان نیت تطلیق مطلق
 نہ تعلیقانہ تنجیزاً بلکہ رہائی از دست المتغلبین منظور داشتہ چیزی گفتند ہر چہ گویا ندید۔ علاوہ این کہ
 این سوالات و جوابات کہ میاں ہر دو فریق رخت پیار پیے و بالاتصال نبود بلکہ سائل در بیان سوالات
 خود گاہ گاہ بارہ فقائش توجہ می داشت و باہم شور می کردند کہ در باب این دو برادران چہ کنند و چہاں چہ
 نیز ایک صاف وجہ یہ ہے کہ تھانہ اور کچہری میں حکام کی طلب پر مجبوری گئے (از خود نہیں گئے) اور
 اس سے حش نہیں ہوتا ہے۔

(الجواب :-)

سوال و جواب سے معلوم ہوا کہ مسمیان نے تعلق و تنجیز وغیرہ کا کچھ قصد نہیں کیا ان کا ارادہ صرف
 رہائی از دست متغلبین تھا۔ نہ مسمیان نے طلاق خواہ شدہ و آد سے وغیرہ میں یہ نیت کی کہ یہ جزا مجموعہ
 شرط کیا تھ یا صرف اول کی ساتھ ہے۔ نہ ثانی کے یا صرف ثانی کے ساتھ ہے نہ اول کے۔ پس اس
 صورت میں چونکہ لفظ طلاق صرف بولایا ہے جس سے ایقاع و وقوع بدون نیت کے بھی ہو جاتا ہے۔ نیت
 پر لفظ کنایہ سے وقوع موقوف ہوتا ہے۔ نہ صرف مح سے اور ضغیہ کے نزدیک طلاق مکروہ واقع ہے۔

ووجه ان المبتلی اذا ابتلی ببلیتین یختار اھو نھما فامکرہ اذا نطق بلفظ
 الطلاق للتوقی عن الضرب وجد منه اختیاره للطلاق علی الضرب وهذا
 بعینہ هو الارادة لا یوجد الرضا فی تلك الحالة والطلاق لا یتوقف علیہ
 فثبت تعلیق الطلاق من الرجلین المذکورین واما ینویا ارتباطہ بجمع
 الشرط او واحد منھا معینا فالظاهر ارتباط بالشرط الاخیر۔ ماذکرہ
 السائل ان المستخلف قال اولاً بگوئید کہ در خانہائی پندرت و امید علی و یوسف مانجھی پیش
 خواہید رفت، برادران گفتند نخواہیم رفت۔ باز گفت (یعنی ثم قال بعد سکوتہ لیسر از زمان السکوت ہر زمان
 اجابتہ الاخین لکلامہ ونحوہ) بگوئید کہ در تھانہ و کچہری بلا اجازت من نخواہید رفت گفتند نخواہیم رفت
 پر سید اگر روید (یعنی در تھانہ و کچہری لکونہ مذکور متصلہ و مابعدہ منفصلہ بالسکوت ونحوہ) ہر زمان
 شما طلاق ثلث خواہ شد۔ یا نہ گفتند خواہ شد و لو سلمنا السکوت فاصلا بین کل واحد من
 الشرط فلا ینحی ان لفظہ روید یقتضی تقدیر المفعول فلا بد منه۔ ولو نوی
 الخالف شیئاً معیناً یرجح ارادته وإلا فالراجح الاقرب۔ وعلی کل حال قوله

اگر روید طلاق ثلث خواہد شد یا نہ لیس بمرتبط مجموع الشرط بدون النیت بل الظاہر ارتباط بالآخر
فحب وقد وجد الشرط فلا بد من وقوع الثلث ظاہر باقی ان وقوع الشرط لم یکن باختیار الی یقین
بل کان بطلب الحکام و ہونی حکم الاکراہ - قلت نعم ہذا مما یرجح الافتاء بعدم وقوع الطلقات - لان
شرط الحنث وجودی و ہذا الذہاب الی الدیوان و ہو فعل اختیاری فیتوقف علی الاختیار - و ینعدم بالعدم
کما لو حلف لا اسکن ہذا الدار فقیل و منہج ادلم یکنہ الخروج لحد دلیل و نحوہ لم یحث لانی بعد مسکن
لا ساکن - فلم یحقق شرط الحنث - حققہ فی رد المحتار (جلد ۲ ص ۱۱۰ ج ۲ ص ۸۵۲ و ۸۵۴)

و ایضاً یقید الذہاب الی الدیوان بما اذا کان لمناصرتہ المستحلفین وللاذعان علیہم لالو کان لغرض آخر
فان غرض المستحلف انما ہوا الاول لا الثانی - والیمین یتقید بمقتضی الحال ودلالہا - کذا ینبغی ان یفہم ہذا
المقام - فلا حسرہ کہ اگر مسیمان عدالت و کچہری میں از خود بمقابلہ مستحلفین نہیں گئے بلکہ بطلب حکام
گئے ہیں تو صورت موجودہ میں طلاق ان کی ازواج پر واقع نہیں ہوتی - اسی طرح اگر از خود بھی عدالت و
کچہری میں جائیں - لیکن مستحلف کے مقابلہ کیلئے نہ جائیں - بلکہ کسی اور غرض سے جائیں تب بھی طلاق واقع نہ ہوگی -
ہاں اگر مستحلفین سے خصوصیت کرنے کے لئے از خود کچہری میں بدون اذن مستحلف گئے ہوں یا جائیں تو طلاق
واقع ہو جائے گی - اور اس صورت میں بھی اگر از خود نہ گئے ہوں بلکہ بطلب حکام گئے ہوں یا آئندہ جائیں تو طلاق
کا وقوع نہ ہوگا - کما مر والشرعہ، حررہ الاحقر طفر احمد عفا اللہ عنہ - ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ از تھانہ بھون خانقاہ
اگر تو زبان درازی کرے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا " اور نیت کچہری کی تو کیا حکم ہے؟ سوال :- کیا فرماتے

ہیں علما دین شرع متین اس مسئلہ میں ایک شخص نے حالت غصہ میں اپنی بی بی سے کہا اگر تو زبان درازی کرے
گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا کیونکہ وہ عورت زبان کی تلخ ہے اور اس وقت ان دونوں میں باہم تکرار
تھی اور میاں نے یہ لفظ بہت مرتبہ کہا کہ تو سختی کلام سے باز آ مگر اس کلام سے یعنی باہم تکرار سے
و عورت باز نہ آئی اس کے بعد بہت مرتبہ آپس میں تکرار ہوئی اور میاں کی نصیحت اس پر اثر نہ کی
ابھی تک وقتاً فوقتاً جھگڑا ہو ہی جاتا ہے اس واقعہ کو ہوئے تخمیناً چھ برس ہو جب سے تین بچے بھی ہوئے اب
شوہر کے دل پر یہ دوسوسہ غالب ہوا کہ جب میں نے بی بی سے کہا کہ اگر تو سختی کلامی سے باز نہ آئے گی تو
تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا اسی وقت یہ بھی دو ایک مرتبہ کہہ دیا کہ اگر تو زبان درازی کرے گی تو تعلق نہ رہے
گا مگر شوہر کے خیال میں یہ بات تھی کہ کوئی ایسی لفظ نہ نکل جائے جس سے طلاق ہو جائے فقط عورت
کو دھمکی دیتا تھا کہ شاید عورت اس بات کے کہنے سے کھٹکا کرے کہ ایسا نہ ہو میاں طلاق دیدے
مگر وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئی اسی واقعہ کے بعد بہت مرتبہ تکرار ہوئی - اب شوہر اس بات پر نادم ہے

کہ میں نے حالت غصہ میں یہ بھی دو ایک مرتبہ کہہ دیا ہے کہ اگر پھر سخت کلائی کرے گی تو تعلق نہ رہے گا کبھی تو دل کہتا ہے کہ یہ بات کہا اور کبھی دل کہتا ہے کہ نہیں یہ لفظ نہیں کہا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ کوئی لفظ ایسا نہ نکل جائے جس سے طلاق ہو جائے اب نہ دل یکدم ہاں کہتا ہے اور نہ یکدم نہیں کہتا اور جب یہ واقعہ ہوا تھا اس وقت کوئی بات نہ تھی بعد میں یا چار برس کے دلپر غلبان اور شک غالب ہوا ایسی پیش میں تھا آج چھٹے برس حضور کے پاس تحریر کیا اب حضور غور سے ملاحظہ فرمائیں طلاق ہوئی کہ نہیں اگر ہوئی تو دوسرا نکاح ہو سکتا ہے کہ نہیں کیونکہ تعلق نہ رہے گا ایک یا دو مرتبہ کہا تھا یا طلاق بائن پڑ گئی۔ حضور صاف اردو زبان میں جواب تحریر فرمائیں۔ تاکہ سمجھ میں آجائے اور جبکہ یہ کہا تھا کہ تعلق نہ رکھوں گا تو اس وقت کوئی لفظ بگڑ نہ تھی۔ کیونکہ اس وقت کوئی بات کا یہ خیال نہ تھا کہ میں نے ایسی بات کہہ دیا جس سے طلاق ہوا۔ بہت دنوں کے بعد یہ خیال ہوا کہ شاید میں نے اسی غصہ کی حالت میں یہ لفظ تعلق نہ رہے گا دو ایک مرتبہ کہہ دیا ہے مگر اس میں بھی شک ہے کبھی تو دل کہتا ہے ہاں کہا اور کبھی کہتا ہے نہیں کہا اور نہ اس جگہ پر کوئی دوسرا شخص تھا کہ اس سے دریافت کیا جائے۔ کہ کیا لفظ کہا۔ فقط والسلام۔

الجواب :-

قال في العالمکریۃ اذا قال لامرأته في حالت الغضب ان فعلت کذا الى خمس سنين تصیری مطلقۃ منی وارا دینک تخویفها ففعلت ذالک الفعل قبل انقضاء المدة التذکرها فانه یسئل الزوج هل کان حلف بطلاقها فان کان اخبر ان کان حلف یعمل بخبره ویحکم بوقوع الطلاق علیها وان کان اخبر ان لم یخلف به قبل قوله کذا فی المحيط ام ص ۲۵۱۶ —

جب صورت مسئلہ میں شوہر کی نیت عودت کو دھمکانے کی تھی خصوصاً جبکہ اس نے الفاظ کنایہ استعمال کئے ہیں صاف طلاق کا لفظ نہیں بولا اور کنایہ سے وقوع طلاق بعد نیت کے ہوتا ہے جو کہ یہاں مفقود ہے تو شوہر کے اس قول سے کہ اگر تو زبان دراز کا کرے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا یا تعلق نہ رہے گا عودت پر طلاق نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

حدہ الاحقر فخر احمد عفا اللہ عنہ ۲، سوال سنگہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔

اگر تو نہ آویگی تو تین طلاق شوہر کا یہ کہنا اور طلاق کا آخر زندگی میں واقع ہونا سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بنام بقریہ بن عبدل کی طرف سے مریم بنت رسول بخش کو لکھتا ہے کہ معلوم ہو کہ میں نے سنا ہے کہ تیرا باپ مجھ پر فریادی کرے گا تو وہ فریادی کر کے میرا کیا

اکھاڑ لے گا تو بھی آنے کو بولی مگر آئی نہیں ابھی بھی کہتا ہوں کہ تو چلی آ۔ باپ کے سکھانے پڑھانے میں مت
 پڑا اگر تو نہ آدے گی تو تجھ پر تین طلاق تو میری بیٹی میں تیرا باپ دیکھ پھر بھی کہتا ہوں کہ تو آئندہ بہت
 پچھتاوے گی وہ نہ چلی آ۔ میں نے تیری خطا معاف کی تجھ سے کچھ نہ کہوں گا نہیں تو تیرا بیچھا ہرگز نہ چھوڑوں گا
 فریادی کا خیال بھول جا یہ خط پڑھ کر پھاڑ پھاڑ کر پھینک دینا۔ فقط۔ بقریدی بن عبدال نے جو ایسی
 صورت میں تین طلاق لکھا ہے تو تین طلاق واقع ہو گئے یا نہیں اور لکھا تو میری بیٹی میں تیرا باپ اس لفظ
 کے کہنے سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ اور بقریدی نے کوئی دن تا مدینہ وقت مقرر لکھا نہیں ہے
 ایسی صورت میں تین طلاق واقع ہوئی یا نہیں شرعاً حکم کیا ہے خلاصہ تحریر فرمادیں ؟
 (الجواب :-)

جب بقریدی بن عبدال نے صبر یہ لکھا ہے کہ اگر تو نہ آدے گی تو تجھ پر تین طلاق، اور کوئی مدت
 آنے نہ آنے کی متعین نہیں کی اگر اس کی نیت میں بھی کوئی مدت نہ تھی تو ابھی اس کی زوجہ پر طلاق نہیں پڑی بلکہ
 زندگی بھر نہ آوے تو آخر وقت زندگی میں طلاق پڑے گی۔

لأنه طلاق معلق على العدم والعدم متحقق مستمر لكنه معلق
 بالمستقبل معلق لجميع زمان الاستقبال لوجوده فلا يتعين له وقت
 الى ان ينتهي الى آخر جز من الحياة فيتضح فيقع اه كذا في الشامي (ص ۸۱ ج ۲)
 اور اگر اس نے معنی فور کی نیت کی تھی اور مطلب یہ تھا کہ اگر خط دیکھتے ہی فوراً نہ آدے گی تو طلاق یا
 کوئی خاص مدت ذہن میں تھی مثلاً اس ماہ میں نہ آوے گی تو طلاق۔ اس صورت میں جب اس کی نیت
 کے خلاف عورت کی طرف سے عمل درآمد ہوا اسی وقت طلاق پڑ جائیگی۔ بہر حال اس مسئلہ میں طلاق کا
 واقع ہونا یا نہ ہونا اس پر موقوف ہے کہ شوہر نے کسی مدت تک نہ آنے کی نیت کی تھی یا کچھ نیت
 نہ تھی۔ صورت اول میں اس مدت تک نہ آنے سے طلاق ہو جائیگی اور دوسری صورت میں زندگی
 بھر نہ آنے سے طلاق ہوگی اب شوہر اپنی نیت کا حال سوچ کر عمل کرے۔ واللہ اعلم قال فی البدوئیۃ
 تخصیص العام لصح دیاناً اتفاقاً (ص ۱۵۱ ج ۳)

وفیه ایضاً فی لا تخرجی الا بذنی لو نوی الاذن مرة دین و امثالہما (ص ۱۵۱ ج ۳)
 حمدہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۲ رجب ۱۴۲۸ھ

اگر شرائط کی خلاف ورزی کی تو وہ خلاف ورزی بمنزلہ طلاق بائن متصور ہوگی اس صورت میں طلاق کا حکم

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماہ باجرہ بیگم کا نکاح اپنے تائی کے بڑے مسمی

محمد ابراہیم کے ساتھ ۱۹۱۱ء میں ہوا۔ تقریباً پانچ سال تک مسی محمد ابراہیم نے اپنے مسماہ ہاجرہ بیگم سے اپنے بدچلن اور آوارگی کے باعث بے اتفاقی رکھی۔ چنانچہ مسماہ ہاجرہ بیگم کے رشتہ داروں نے جو مسی محمد ابراہیم کے رشتہ دار بھی تھے محدثہ ۳۱ مئی ۱۹۱۷ء کو تنگ آکر اپنی برادری کے چند معزز اشخاص کو اکٹھا کر کے مسی محمد ابراہیم سے اس مضمون کا ایک اقرار نامہ۔ جس کی نقل استفتاء ہذا ہے۔ لینا پڑا کہ اگر مسی ابراہیم اپنا چال چلن درست نہ کرے اور اپنی زوجہ مسماہ ہاجرہ بیگم کو مان و نفقہ خورد پوشتن و بود باش میں اسالتش نہ دے اور حق زوجیت جو بروئے شرع شریف اس پر لازم و واجب ہے۔ کما حقہ ادا نہ کرے تو شرائط متذکرہ صدر میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی مظهر مقرر سے ثابت ہونے پر وہ خلاف دوزی بمنزلہ طلاق بائن تصور ہوگی۔ استر اقرار نامہ دینے پر بھی مسی محمد ابراہیم نے اپنا چال چلن درست نہیں کیا۔ عرصہ تیرہ چودہ سال میں ایک کوڑی گھر میں نہیں دی۔ اور نہ اپنی زوجہ مسماہ ہاجرہ بیگم کو گھر میں آباد کیا۔ مسماہ ہاجرہ بیگم اپنے چچا کی رطک مسماہ سکینہ بیگم کے گھر میں گزر اوقات کرتی رہی۔ اور اپنے والد کی زمین کی جو اناج وغیرہ آتا تھا اور آتا ہے اس سے اپنا پیٹ پالتی رہی۔ اتفاقاً اس کی ہمشیرہ سکینہ بیگم کو اپنے والد کے پاس بردوان جانا پڑا۔ مسماہ ہاجرہ بیگم بھی اس کی ہمراہ بردوان برین خیال چلی گئی کہ چونکہ اس کا خاوند وہاں اپنے چچا کے پاس موجود ہے۔ ممکن ہے وہ اس کے وہاں جانے سے التفات کرنے لگے۔ مسی محمد ابراہیم کے چال چلن اور آوارگی میں فرق نہ آیا۔ لیکن چونکہ خاوند بیوی کا ملنا جلنا وہاں ہوتا تھا۔ مسی محمد ابراہیم کے نطفے سے مسماہ ہاجرہ بیگم کو حمل قرار پانگیا۔ وضع کے لئے مسماہ ہاجرہ بیگم واپس امرتسر آگئی۔ لڑکا جس کا نام محمد حسین ہے۔ اور جس کا عمر تقریباً پانچ سال ہے تولد ہوا۔ مسماہ ہاجرہ بیگم کا خیال تھا کہ اس کا خاوند شاید صاحب اولاد ہو کر درست ہو جائے۔ لیکن لڑکے کی ولادت کے بعد آج تک مسی محمد ابراہیم نے ایک جتنہ تک بھی اپنی زوجہ کو نہیں بھیجا نہ خطوط کا جواب دیا۔ اور نہ خود آج تک امرتسر آیا۔ نہ ہی اس کو مسماہ ہاجرہ بیگم کے آباد کرنے کا خیال ہے۔ چونکہ ان حالات میں مسماہ ہاجرہ بیگم کی باقی عمر کا گذرنا محال ہے۔ اسی لئے التماس ہے کہ جو شرعی حکم اس بارہ میں ہو اس سے مطلع فرمادیں کہ آیا مسماہ ہاجرہ بیگم بروئے اقرار نامہ مطلق ہو چکی ہے یا نہیں تاکہ مسماہ مذکورہ کا عقد نکاح کسی دوسرے شریف آدمی کے ہمراہ کرادیا جاوے۔ اور وہ باقی ماندہ زندگی آرام سے گزارے۔

غلام احمد الحق رفیع محمد خواجہ عفی عنہ۔ پوسٹ ماسٹر ڈگشاں۔

کیا مسماہ ہاجرہ بیگم بروئے اقرار نامہ لڑکے کی ولادت سے پہلے ہی مطلق ہو چکی ہے یا نہیں؟

(نقل اقرار نامہ جو ایک روپیہ کے کاغذ پر لکھا گیا تھا)

شک محمد ابراہیم ولد محمد رمضان قوم کشمیری ساکن امرتسر کٹرہ کھریا سنگہ کوچ سلطان پہلووان کاہون جو کہ
منظہر کا عقد نکاح برائے شرع محمدی ہجرہ مسماۃ ہاجرہ بیگم بنت کریم شیخ قوم کشمیری ساکن امرتسر کٹرہ
کرم سنگہ نے پڑھا ہوا ہے اسماۃ مذکورہ بخاتمہ بطریق منکوحہ عورت کے آباد ہیں۔ اب عرصہ تخمیناً پانچ
سال سے باعث بے اتفاقی مظہر باہمی زلفین میں شکر و بختی ہے۔ اس لئے اب مظہر بہ ثبات عقل و بقایا ہی ہوش
بلا ترغیب تحریری اقرار کرتا ہے اور لکھ دیتا ہے کہ مظہر مقرر مسماۃ ہاجرہ بیگم منکوحہ خود کو ہر طرح سے نان و نفقہ
و خود پوشش و دود بایش میں اسایش دیا کرے گا۔ اور ہر طرح کے حقوق زوجیت جو بندہ مظہر سے بڑے
شرع شریف واجب و لازم ہیں۔ کا حق ادا کیا کرے گا۔ کسی طرح کی تکلیف مسماۃ ہاجرہ بیگم مذکورہ کو نہ دے
گا اور اپنے چال چلن میں جو اوارگی آج سے سابق حق ترک کر کے نیک چلن بن کر گزراوقات کیا کرے گا۔ اگر
شرائط متذکرہ صدر میں سے کسی ایک بشرط کی خلاف ورزی مذنی مظہر مقرر سے ثابت ہوگی تو وہ خلاف ورزی
بمنزلہ طلاق بائن کے تصور ہوگی جس میں میرا کچھ غدر قابل سماعت نہ ہوگی۔ اور مسماۃ مذکورہ مطلقہ سمجھی جاوے گی
اس لئے یہ چند حروف اقرار نامہ تحریر کر دئے کہ سند ہے اور وقت ضرورت کے کام آویں۔

تحریر تباریخ ۳۱ مئی ۱۹۱۴ء بقلم غلام رسول، عرصی نویس کٹرہ کرم سنگہ

العبد محمد ابراہیم مذکور داغ دہل برہنڈی چب۔ عمر ۳۳ سال۔

دستخط محمد ابراہیم۔

دستخط گواہ شدہ۔ خواجہ محمد عبدالعزیز ولد خواجہ عبدالوہاب قوم کشمیری سوداگر۔

دستخط۔ میان عبدالسبحان ولد امیر الہی قوم کشمیری۔ دستخط۔ محمد عبداللہ ولد محمد رمضان قوم کشمیری

المجواب :-

بموجب عبارت اقرار نامہ مذکورہ کے جس وقت مسمی ابراہیم کی طرف سے زوجہ کے نان و نفقہ وغیرہ میں
خلاف ورزی اقرار کی ظاہر ہوتی ہے۔ اسی وقت سے مسماۃ ہاجرہ بیگم مطلقہ بائن ہوگی (علم طلاق بلفظ اگر شرائط
کی خلاف ورزی کی تو وہ خلاف مذنی بمنزلہ طلاق بائن متصور ہوگی) اور اگر اس وقت سے اس وقت تک
اس کو تین حیض آپکے ہیں تو وہ عدت سے بھی فارغ ہوگئی۔ فراغ از عدت کے بعد وہ اپنا دوسرا نکاح جس
جگہ سے کر سکتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔ حرمہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون صفحہ ۴۲
تعلیق طلاق کی ایک صورت :- اس کا بین کے بارے میں منکہ نا کج سید احمد ولد بخشا علی
حاجی مرحوم ساکن یوپی شمالی۔ صلح کیا بہتم مسماۃ شوالی بنت منور علی مرحوم ساکن ایضا بعض مہر مبلغ ہفت
سیم درانج باصحت ذات و ثبات عقل بلا جبر و اکراہ بہ ہیں یک شہ طر قوم الذیل در جبالہ عفتہ خود

آوردہ دال شریعہ موصوفہ المصدر ای کہ باسماء ماجدہ خاتون بنت مولوی عبد الجلیل صاحب ساکن
 وغیرہ ایضا کہ الحال منکوحہ منست بوجہ عدم موافقت در خانہ پور بطور ناشدہ سکونت می در ذہان و حجت
 شہابی در سبک ازدواج من منسک مانند ہرگز ہر آئینہ امردن و شہابی بطور نیامد و اگر خلاف این در ذمہ بر
 ماجدہ خاتون مذکورہ ۳ طلاق واقع خواہد شد این چند کلمہ بطور کابین نامہ دادم تا عند الحاجة
 بکار آید۔ این کابین بالا مذکورہ کہ ایک مولوی صاحب نے لکھا وہ جس کے واسطے لکھا وہ بھی مولوی اور ناکح
 مولوی صاحب نے محض دستخط کیا اور زبان سے اقرار نہیں کیا۔ اور دستخط ہرگز نہ کرتا لیکن ان کے مربیوں نے
 بہت اصرار کئے۔ اور عبارت کابین میں بھی نقص معلوم ہوا وہ نقص یہ ہے کہ اگر خلاف این در ذمہ بر ماجدہ
 خاتون مذکورہ ۳ طلاق واقع خواہد شد کہ واقع خواہد شد ہیضہ استقبال ہے اور ہیضہ استقبال
 سے بغیر ارادہ طلاق، طلاق واقع نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ واقع خواہد شد خبر ہے۔ والخبر محتمل الصدق
 والکذب الا والموضع للاخبار قد استعمل فی الانشاء یہ خلاف قیاس ہے اور خلاف قیاس اپنے مولوی میں مختصر
 ہے وہ ماضی ہے نہ لفظ واقع خواہد شد اور وقوع طلاق کے واسطے انشاء ہونا چاہیے۔ خواہ تعلیق ہو
 یا تنجیز ہو یہ نقص خیال کر کے دستخط کی اگر یہ شبہ نہ ہوتا۔ ہرگز دستخط نہ کرتا کیونکہ طلاق کا منشاء
 بالکل نہیں ہے۔ اب عند وجود شرط طلاق طلاق واقع ہو گیا یا نہیں اگر ہو گیا پس اس کا مطلب کیا ہے
 ان فعلت کذا الی خمسين سنة تصیری مطلقۃ بطلاقها بل قال علی وجہ
 التخويف لم يقع ويكون القول قول الزوج كتبه في الخانية بينوا وجرؤا۔
 الجواب عند وجود الشرط :-

صورت مذکورہ میں مسماۃ ماجدہ خاتون پر تین طلاق واقع ہو گئی ہیں فقہان لان المضارعة فی القضاء
 بالشرطیہ غالب للانشاء قد عوی خلاف الظہر فلا یقبل القاضی ولا المرأة لانها کاتفاضی لا تعلم الا
 الظاهر پس ماجدہ پر واجب ہے کہ اپنے کو مطلقۃ الثلث سمجھے اور زوج سے علیحدہ ہو کر عدت تمام
 کر کے وہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اور عبارت عالمگیر سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس میں تعلیق
 طلاق علی فعل المرأة ہے اور عورت کی فعل پر طلاق کو معلق کرنے میں تخويف کا احتمال بعید ہی بلکہ ممکنہ
 کے طور پر کسی کام سے روکنے کے لئے ایسا کر دیا کرتے ہیں لہذا وہاں نیت زوج کا اعتبار ہے اور یہاں تعلیق علی
 فعل الزوج ہے۔ ان میں تخويف وغیرہ کا احتمال نہیں لہذا نیت زوج معتبر نہیں۔ لان لفظ الطلاق صریح
 فقط والشرع علم۔

حمدہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲ منفر ۱۳۳۳ھ

لفظ طلاق واقع خواہد شد سے تعلیق طلاق پر شبہ کا جواب سوال :- عرضداشت اس کے شخص سے کہ نوشتن

را از زمرہ علامت شمارہ حب پہلی ترتیب بار اول بزمن دوم معیت ، زن اولش در خانہ پدر خویش بزمن اول
یک کا بین نامہ کہ صرف از ای مانحن فیہ در قرطاس منقول بداد و ہم کا بین دوم این کہ اوز لحم میکند
بلغظ واقع خواہد شد کہ در کا بین اول جزائے شرط واقع شدہ باستقبالیت آن طلاق عند الشرط
واقع نگردد۔ چنانچہ در تنجیز نگردد۔ و صراح تنجیز نباشد در تعلیق را ہم صراح نباشد کہ جزائے
شرط قبل تعلیق تنجیز و فعل مستقبل مرتجی را شاید ، همچنین مرتعلیق را نیز و حکم ہر دو درین باب یکیت
عبادت کا بین اول و آن یک شرط موصوف الصدراہ کہ تا زوجیت مسامۃ ثوابی در سلک ازدواج من
منسک ماند با مسامۃ ماجدہ خاتون بنت مولوی عبدالحلیل ساکنہ سینگ حلقہ ایضاً علاقہ مذکورہ ضلع مروریہ
کہ الحال منکوحہ ست و بعد اتفاق و موافقت در خانہ پدر خویش سکونت و نہ دہرگز امر زن شونی بظہور نیامد
و اگر خلاف و زرم برستورہ ماجدہ موصوفہ سے طلاق واقع خواہد شد۔ فقط

تصحیح الجواب :-

قال فی تنقیح الفتاوی الحامریۃ سئل فی رجل قال لزوجتہ تکو فی طلقۃ ثلثا
بصیغۃ المضارع و غلب استعمالہ فی الحال عرفا یقع الطلاق (الجواب) نعم کما
افتی بہ الخیر الرملی و اطال الکلام علی ذلک فی حاشیئۃ علی البحر فراجعہا
(ص ۴۶ ج ۱)

صورت مسئلہ میں زوج کا یہ قول " اگر خلاف و زرم برستورہ ماجدہ سے طلاق واقع خواہد شد " عرفاً تعلیق
طلاق ہے اور خواہد شد۔ اس موقع میں وعدہ کے لئے نہیں ہوتا بلکہ انشاء طلاق بوقت وجود شرط پر
دلالت کرتا ہے اور تعلیق چونکہ امر مستقبل ہی کی ہوتی ہے اس لئے اس کے واسطے مستقبل کا صیغہ استعمال کیا
جاتا ہے پس عرفاً یہ کلام وقوع طلاق ثلث بوقت شرط کو مقتضی ہے اور قضاء وقوع ہی کا حکم کیا جائے گا
والمرأۃ کا لغاضی کے قاعدہ سے عورت کو بھی لازم ہے کہ اپنے کو مطلقہ ثلث سمجھے اگر شرط کا وقوع ہو گیا
تنبیہ :- سائل نے جو بہشتی زیور کی عبارت سے استدلال کیا ہے وہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ بہشتی زیور
کی عبارت صراحۃً معنی وعدہ پر دلالت کر رہی ہے و نہ کسی نے کہا یوں سمجھو کہ طلاق دو ٹوکا تو اس سے
طلاق نہیں ہوتی اسی طرح کسی بات پر یوں کہا کہ اگر فلاں کام کرے گی تو طلاق دیدوں گا تب بھی طلاق نہیں ہوتی
(ص ۳۰ ج ۲) ان الفاظ میں معنی وعدہ و تخویف مرأۃ کا احتمال ہے اس لئے طلاق نہیں ہوتی اگر سائل بھی یوں
کہتا کہ " اگر خلاف و زرم ماجدہ را سے طلاق دادہ خواہد شد۔ تو اس پر بھی وقوع کا حکم نہ ہوتا باقی اس

کے موجودہ الفاظ میں تو وعدہ و تحریف کا کوئی احتمال ہے ہی نہیں صاف تعلیق انشاء طلاق ہے۔
واللہ اعلم۔

ہمارے سوا کسی سے نکاح کریں تو اس کو طلاق ہوگی، سے تعلیق طلاق کا حیات زوجہ کے ساتھ مقید ہونا جبکہ شوہر کی نیت ان

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک نہایت اہم کام کے لئے آن قبلہ کو تکلیف دینے کو مستفید ہوا امید قوی کہ حضور احقر کی گستاخی معاف فرما کر جواب شافی سے احقر کو مطلع فرما کر مطمئن و سرفراز فرمائیں اور اللہ اس ناچیز کے ہر طرح کی دینی و دنیاوی بہبودی کے لئے دعا فرمادیں احقر نے اپنی اہلیہ سے کسی بات پر اس طرح وعدہ کیا تھا کہ اگر تمہارے سوا کسی سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہوگی میری اہلیہ کو آج تقریباً تیرہ برس ہوئے انتقال ہو گیا جیسے میں اس خوف سے کہ شاید اور نکاح کرنا جائز نہ ہوگا اس مدت دراز تک بغیر نکاح کئے رہا اب مجھ سے رہا نہیں جاتا طبیعت بھی اکثر ناسازم تھی۔ علاج سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا میری کل عمر ۳۶ برس کی ہے۔ اب حضور سے التجا ہے کہ اس کے جواز کی شرفاً کوئی صورت ہے یا نہیں اگر ہے تو کس طریقہ سے یہ جائز ہو سکتا ہے ازراہ کرم خلاصہ تحریر فرما کر اس ناچیز کو سرفراز فرمائیں۔ اطباء کی بھی یہی رائے ہے کہ بغیر نکاح کے صحت ٹھیک نہیں ہوگی۔

تنقیح :- ان الفاظ کے کہتے ہوئے کچھ نیت بھی تھی یا نہیں یعنی یہ نیت کہ زندگی میں کروں تو طلاق یا یہ نیت تھی کہ کسی وقت بھی کروں تو طلاق یا کچھ نیت نہیں تھی یا نیت یاد نہیں نیز طلاق کا لفظ ایک دفعہ کہا تھا یا زیادہ اس کا جواب دیا جائے۔ فقط

۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ از تھانہ بھون

جواب تنقیح :-

ایک بار تو یوں اپنی اہلیہ کو اعتبار دلائی غرض سے کہ سوائے ان کے اور نکاح نہ کروں گا اور اگر کروں گا تو طلاق ہوگی وعدہ کیا تھا پھر اسی مجلس میں ان سب باتوں کے آخر میں یہ بھی کہا تھا مگر تمہاری اجازت دینے سے ضرور ہم کر سکیں گے مطلب یہ تھا کہ تمہاری اجازت دینے سے یہ شرط باقی نہ رہے گی زندگی یا موت کی بات یاد نہیں اور طلاق کا کئی دفعہ کہنا بھی یاد نہیں چند روز بعد مرض الموت میں ہم کو نکاح کی اجازت دی تھی۔ مجھے یہ فکر ہے کہ اخیر میں یہ بات جو میں نے کہی شرعاً معتبر ہوگی یا نہیں اور اس مجلس میں سوائے ان سب باتوں کے اور کوئی ذکر نہ تھا

(سید سراج الحق)

(جواب :- صورت مسئلہ میں یہ تعلق طلاق حیات زوجہ کیساتھ مقید تھا۔ لہذا اس کی موت کے بعد سائل کو نکاح درست ہے۔ قال الشامی تحت قول الدر حنث لا یرجع الدار ثور جمع لشیئہ لا یحنت لخصہ والمحاصل ان هذا المسئلة تخصصت الیہین فیہا

بدلالة العادة و العادة مخصصة كما تقرر في كتب الاصول ونظير ذلك
ما في الخانية اهتمته امراته بجارية فخلف لا يمسها انصرف الى المس الذي
تكره المرأة ۱۷ (۲۵۸۵۰) ونظير ولو حلف الوالي ليعلمنه بكل مفسد

تقييد بحال ولا ية ۱۸ شامی (ص ۸۲۳ ۲۵)

اور ظاہر کہ شوہر یہ قسم عورت کو اعتبار دلانے اور راضی کرنے کے لئے کھائی تھی پس حیات زوجہ کے ساتھ مقید ہوگی اور
بہتر یہ ہے کہ عورت سے نکاح کیا جائے اول قلیل مہر پر جو ادنی مقدار مہر ہے ہاذا ذی امرۃ نکاح کیا جائے اور
قبل دخول اس مہر کا نصف عورت کو ادا کیا جائے اس احتمال پر کہ شاید تعلیق میں نیت دوام کی ہو اور اس پر
طلاق واقع ہوگئی ہو پھر اسی عورت کے ساتھ معاہدہ نکاح اس کی اجازت سے مہر کامل پر کر لیا جائے۔

واذا النسي طلق واحدة ام متین او ثلثا محمل علی الادنی اور ایک بار طلاق کے بعد دوبارہ
طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ حکماء وغیرہ الفاظ عموم میں سے کوئی نہیں ہے فقط والشرع اعلم

حرره المولانا الصوفی الاستاذی مکرم طغرا احمد صاحب عفا اللہ عنہ از خانقاہ۔ امدادیہ تھانہ بھون ۱۳۴۲ھ

تعلیق طلاق کی ایک صورت | سوال :- میں اُن تکالیف کو محسوس کرتے ہوئے جو میری زوجہ محمودہ بیگم

بنت شیخ عزیز الرحمن صاحب مرحوم کو میری طرف سے اس وقت تک میری لاپرواہی اور بدسلوکی کی وجہ سے
برداشت کرنی پڑی۔ حسب ذیل تحریر اپنے ہوش و حواس اور بلا کسی جبر کے اس کی تسکین کے لئے پیش کرتا ہوں کہ

آج بتاریخ ۲۲ جولائی ۱۳۴۲ء سے لے کر ۶ ماہ کے اندر اندر میں اپنی بیوی موسومہ بالا پر ثابت کردوں گا میں

اس کو حسب حیثیت تمام عمر خوش رکھوں گا اور یہ کہ میرے تعلقات خوشگوار رہیں گے جس کا ثبوت میری بیوی کی

تصدیق ہوگی گویا صرف میری بیوی کو حق ہوگا کہ وہ میرے تعلقات خوشگوار یا ناخوشگوار کو ظاہر کرے اگر میں

مقررہ متذکرہ میعاد یعنی چھ ماہ میں اس قسم کے تعلقات ثابت نہ کر سکا اور یہ کہ میری بیوی نے اس کے خلاف

ظاہر کیا تو میری طرف سے اس کو تین طلاق ہوگی۔ گویا میرا اور اس کا تعلق شرعی قائم نہ رہے گا (دستخط عبد الحمید)

(استفتاء ۱۷۰۰)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسنی عبد الحمید نے اپنی تحریر کے مطابق اس

عرصہ میں مجھ کو خوش نہ رکھا اور نہ یہ ثابت کیا کہ وہ مجھ کو آئندہ خوش رکھیں گے بلکہ اس عرصہ میں بھی برابر مجھ کو

تکالیف و مظالم کا شکار بنائے رکھا میرا بیان ہے کہ وہ اپنی تحریر کے مطابق مجھ کو خوش نہ رکھ سکے میعاد

مقتضی ہو چکی اس لئے میں فتویٰ علما دین سے طلب کرتی ہوں کہ اس تحریر کے مطابق میرا اس سے قطع تعلق

ہو گیا یا نہیں؟ بنیوا تو جروا۔ (نوٹ) اس چھ مہینے کے بعد سے میں اپنے والدین کے یہاں مقیم ہوں

تنقیح ۱۔

مہدت مستور میں مسنی عبد الحمید کیا کہتا ہے کیا وہ بھی اس کو تسلیم کرتا ہے کہ شرط طلاق متحقق ہوگئی یا وہ تحقق شرط سے انکار کرتا ہے۔ اس کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائے گا۔ نیز عبد الحمید کی تحریر میں جو یہ لفظ ہے "اور یہ کہ میری بیوی نے اس کے خلاف ظاہر کیا" اس میں حرف (یہ کہ) کیا ہے یہ محض فضول لکھا ہے یا اس سے عطف مراد ہے اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ "میں اس قسم کے تعلقات کو ثابت نہ کر سکا یا میری بیوی نے اس کے خلاف ظاہر کیا" بہر حال سائل کے ذہن میں اس عبارت سے جو مطلب آیا ہو اس کو بیان کرے اور اپنی بستی کے دوچار عقائد سے بھی پوچھے کہ اس عبارت سے کیا مطلب مفہوم ہوتا ہے۔ فقط
احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۵ / محرم ۱۴۲۵ھ

جواب تنقیح بالا :

۱۔ مسنی عبد الحمید کوئی جواب کسی تحریر کا نہیں دیتا بلکہ سنا ہے کہ وہ اپنے مکان پر بھی نہیں ہے اس کو نوٹس اور رجسٹری خطوط بھجولے گئے مگر جواب نہیں دیا اس کی خاموشی بظاہر اسی پر دال ہے کہ وہ طلاق کا منکر ہے۔

۲۔ (یہ کہ) سے تجدید اپنے پہلے قول کی ہے جو یہ ہے کہ میں اس کو حسب حیثیت تمام عمر خوش رکھوں گا اور یہ ہے کہ میرے تعلقات خوشگوار رہیں گے بظاہر یہ مراد ہے کہ خورد و نوش وغیرہ کی کفالت اپنی حیثیت کے موافق رکھوں گا یہ فقرہ اول کی مراد ہے اور فقرہ دوم سے یہ مراد ہے کہ میرے دوسرے تعلقات زن و شوہر کے بھی خوشگوار ہوں گے مگر دونوں باتوں میں وہ ناکام رہے نیز لفظ (یہ کہ) بطور عطف کے واقع ہوا ہے۔
۳۔ مستور کے ذہن میں تو دونوں امور کے متعلق بھی آتا ہے جو عرض کیا گیا اور اس کے متعلق چند دوسری جگہ فتویٰ بھجویا تھا اس کی عبارت بجنسہ یہی تھی جو اس استفاد کی ہے وہاں سے جواب حسب ذیل آئے ہیں جو نقل ہیں
(از دیوبند الجواب -

شوہر کے تحریر کے مطابق مسماہ محمودہ بیگم بنت شیخ عزیز الرحمن پرتین طلاق واقع ہوگئی اور زوجین کا باہمی قطع تعلق ہو گیا اب علاقہ نکاح کا مابین ان کے باقی نہیں رہا۔ مسماہ مذکور کو اختیار ہے کہ بعد ختم ہونے عدت دوسرے شخص سے حسب قاعدہ شریعہ نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۶ محرم ۱۴۲۵ھ

الجواب از مدرسہ ارشاد العلوم لاہور :- الجواب الشرح الموفق للصاب
جبکہ شوہر نے طلاق کو اپنی بیوی کے فعل اور اس کے بیان اور اظہار کے ساتھ معنی کیا ہے تو حسب تعلق

زوج بموجب بیان اخبار زوجہ بلا حلف صوریہ مستفسر میں طلاق مذکور کے واقع ہو جانے میں کوئی تردد نہیں ہے درغما میں ہے ۔ وما لا یعلم وجودہ الا منھا صدقت فی حق نفسھا خاصۃ استحصاناً بلا یمین استھلی ۔

شامی میں اس قول پر تحریر فرماتے ہیں :- وجہ الاستحصان ان هذا الامر لا يعرف الا من قبلها وقد ترتب عليه حكم شرعي فيجب عليها ان تخبر كي لا تقع في الحرام اذا الاجتناب عنه واجب عليهما شرعا فيجب طريقه وهو الاخبار فتعينت له فيجب قبول قولها التخرج عن عهدة الواجب زيلعي استھلی ۔ هذا حكم الكتاب والله اعلم ۔

العبد	العبد الجواب صواب	العبد
محمد غفران حسین احمد مجدی	محمد ریحان حسن احمد مجدی	محمد شجاعت علی عفی عنہ
ناظم مدرس ارشاد العلوم واقع ریاست امروہو جالپور	مدرس ارشاد العلوم رامپور	مدرس مدرسہ ارشاد العلوم رامپور
(مہر)	(مہر)	

از فرنگی محل ککھنو، ہوا مصوب

صورت مسئلہ میں طلاق ہو گئی زن دشوہر کا تعلق زوجیت منقطع ہو گیا عورت کو بعد عدت اپنا دوسرا نکاح کر لینے کا اختیار ہے واللہ اعلم بالصواب ، کتبہ محمد شفیع حجت الشرائع انصاری فرنگی محل ککھنو امیدوار ہوں کہ بعد ملاحظہ جواب قوی مرحمت فرمایا جاوے فقط خاکسار ظہیر الدین محمود تہرا بیرم خان محلہ مفتی صاحب چھتہ والی حویلی دہلی

۲۴ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ

الجواب من جامع امداد الاحکام

صورت مسئلہ میں شوہر مسمی عبد الحمید نے طلاقات ثلاث کو دو باتوں پر معلق کیا ہے ایک مدت ششماہ میں خوشگوار تعلق کو ثابت نہ کر سکا (زوجہ زوج کا فعل ہے) دوسرے بیوی کا اس کے خلاف ظاہر کرنا (جو بیوی کا فعل ہے) پس شرط طلاق تحقق جب ہوگا کہ دونوں باتیں پائی جائیں ۔ سوال سے دوسری شرط کا تحقق تو ظاہر ہے ۔ کیونکہ مسامہ کا بیان ہے کہ عبد الحمید مذکور اپنی تحریر کے مطابق مجھ کو خوش نہ رکھ سکے ۔ اور مسمی عبد الحمید کے سکوت سے اور اپنی بیوی کے بیان کے خلاف بیان نہ دینے سے شرط اول کا تحقق بھی ہو گیا ۔ کیونکہ وہ میعاد مقررہ میں قولاً حجۃ اپنی طرف سے خوشگوار تعلق کو ثابت نہیں کر سکا اور

عام طور پر محاورات میں ثابت کرنا اور ثابت کر سکا اثبات قولی ہی میں مستعمل ہے اور اگر اس سے اثبات عملی ہی مراد لیا جاوے جیسا کہ ”اس کا یہ قول کہ میں ۲۲ جولائی سے چھ ماہ کے اندر اندر اپنی بیوی پر ثابت کر دوں گا کہ میں اس کو حسب حیثیت تمام عمر خوش رکھوں گا“ اس کا قرینہ ہے کہ اس کی مراد ثابت کرنے سے قولی اثبات نہیں بلکہ عملی اثبات ہے مگر چونکہ اس کے بعد عبد الحمید مذکور نے اس عملی طریقہ ثبوت کو محض بی بی کی تصدیق میں منحصر کر دیا ہے اور بیوی اس کی تصدیق نہیں کرتی بلکہ اس کے خلاف ظاہر کرتی ہے اس لئے عبد الحمید مذکور کی طرف سے عملی ثبوت بھی نہیں پایا گیا اور ہر حال میں شرط دوم کی طرح شرط اول کا تحقق بھی ہو گیا اس لئے وجود شرط کے ساتھ مسامہ محمودہ بیگم پر تین طلاق واقع ہو گئیں اگر مسمیٰ عبد الحمید کو شرط اول کے تحقق میں کچھ کلام ہو تو وہ اپنا خدشہ ظاہر کرے ہم کو صورت واقعہ سے دونوں شرطوں کا تحقق معلوم ہوتا ہے اس لئے تین طلاق واقع ہونے کا قویٰ دیا جاتا ہے۔

واللہ اعلم حرره الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ - از تھانہ بحون، ۲۴ محرم ۱۴۲۵ھ
نعم التوضیح و نعم التنقیح - اشرف علی، ۲۴ محرم ۱۴۲۵ھ

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء
ادب و جب کروں جس سے کروں اسے تین طلاق ہیں۔
دین و مفتیان شرع متین اس
مسئلہ میں کہ زید نے یہ عہد کیا کہ فلاں کام جو محرمات شرعیہ سے ہے ہرگز نہیں کروں گا اور اگر اس کام کو
کروں تو میں جو نکاح کروں اور جب نکاح کروں اور جس سے نکاح کروں اسے تین طلاقیں ہوں پھر ایک
مدت کے بعد زید نے جس کام کے نہ کرنے کا عہد کیا تھا اسے کیا تو اب ظاہر ہے کہ علماء اخاف کے نزدیک
جس عہد سے نکاح کرے گا وہ مطلقہ شدہ ہو جاوے گی۔ اور حیلہ جواز جیسا کہ در مختار میں مذکور ہے
کہ اگر کوئی فضولی نکاح کر دے اور زید اسے قبول کر لے تو نکاح ہو جاوے گا اور تین طلاقیں نہیں ہوں گی تو
یہ اتفاقی صورت ہے کہ کوئی فضولی کسی کا اتفاقاً نکاح کر دے اور نیز آخر زید کب تک اس انتظار میں رہے کہ
مردے از غیب بدون آید و کاہے بکند۔ اور نہ معلوم فضولی اس کا نکاح کس سے کرے اور کب کرے
اور وہ نکاح اس کی منشاء کے موافق بھی ہو یا نہیں ہو۔ یہاں دو صورتیں زید کی نکاح کی حیلہ علیحدہ تحریر
کی جاتی ہیں۔ درخواست ہے کہ ان کے بھی جواز و عدم جواز پر فتویٰ تحریر فرمایا جاوے۔

۱۔ اول یہ کہ زید کسی شخص کو اپنا وکیل بنائے اور اسے اپنے نکاح کا مختار کر دے اور وہ وکیل
مجلس نکاح میں کہ جس میں خود زید بحیثیت زور ہو جو وہ زید کا نکاح کر دے تو یہ نکاح اگرچہ زید کے امر

سے ہو گا مگر یہ صادق آئے گا کہ زید نے اپنا نکاح خود نہیں کیا اور زید کے نکاح کا انعقاد زید کے قول سے نہیں ہوا اور زید نے جو عہد کیا ہے چونکہ وہ قضیہ شرطیہ ہے اور اس میں ہے کہ میں جو نکاح کروں اور جس سے جب نکاح کروں اسے تین طلاقیں ہوں تو یہ نکاح چونکہ زید نے نہیں کیا بلکہ زید کے وکیل نے کیا ہے اس لئے افراد مقدم میں داخل نہیں ہو گا اور جب افراد مقدم سے خارج ہوا تو تالی کو بھی مستلزم نہیں ہو گا اس لئے چاہئے کہ نکاح درست ہو اور طلاقیں واقع نہ ہوں۔ لہذا عرض یہ ہے کہ اس صورت میں طلاقیں ہوں گی یا نہیں (تذیل) جب مجلس نکاح میں زید کا نکاح خود زید کے سامنے اس کے وکیل نے کر دیا تو اب قاضی کو زید سے قبول یا عدم قبول کے دریافت کی ضرورت ہے یا نہیں اور اگر قاضی نے دریافت کیا اور زید نے کہہ دیا کہ میرا نکاح جو میرے وکیل نے کر دیا ہے۔ وہ مجھے قبول ہے تو کچھ حرج تو نہیں ہے لہذا اس صورت میں کہ زید کسی کو اپنا وکیل بنا کر اس طرح نکاح کرانے طلاقیں ہوں گی یا نہیں ؟

۲: — دوسری صورت یہ ہے کہ زید نے کسی شخص کو وکیل تو نہیں بنایا بلکہ ایک سے یا ایک سے زیادہ آدمیوں سے یہ واقعہ بیان کیا اور سمجھایا کہ اگر میں خود قبول کروں گا تو طلاقیں ہو جائیں گی یا میں کسی کو وکیل بناؤں گا جب بھی طلاقیں ہو جائیں گی بلکہ میری نکاح کی یہ صورت ہے کہ میرے بغیر امر اور بغیر وکیل بنائے کوئی شخص قبول کرے۔ میری طرف سے نکاح ہو جائے گا۔ اور وہ ایک آدمی — یا ایک سے زیادہ معاملہ کو سمجھ کر چپ ہو رہیں اور نکاح کے وقت وہ ایک آدمی یا ان آدمیوں میں سے جنہیں سمجھایا گیا تھا کوئی قبول کرے تو نکاح درست ہو گا یا نہیں اور طلاقیں واقع ہوں گی یا نہیں ؟

تذنیب :- اگر اس آدمی کے قبول کرنے کے بعد لڑکی والے اصرار کریں کہ زید کو بھی قبول کرنا چاہئے اور زید بایں الفاظ قبول کر لے کہ اس آدمی نے جو میرا نکاح کر دیا ہے وہ مجھے منظور ہے تو طلاقیں ہوں گی یا نہیں ؟ فقط ۳۰ رجب ۱۲۵۷ھ عرض ہے کہ فتویٰ مفصل تحریر فرمایا جاوے جو ہر شق پر مفصل ردی ڈالے اور قابل تسکین ہو۔ پتہ :- سروج مالوہ حکیم فخر احمد خان طیب ریاست۔

الجواب :-

۱: — صورت اولیٰ میں وکیل کے نکاح کرتے ہی طلاق پڑ جائے گی اس لئے کہ فعل وکیل فعل مؤکل ہے ظاہر ہے کہ وکیل اپنا نکاح نہیں کر رہا بلکہ بامر مؤکل مؤکل کا نکاح کر رہا ہے۔ اور شرعاً فعل وکیل مؤکل کی طرف سے مضاف ہوتا ہے خصوصاً نکاح و طلاق میں کہ ان میں وکیل محض معروضیہ ہوتا ہے اور دلیل اس کی آئندہ آتی ہے۔ تذیل کا جواب یہ ہے کہ جب زید نے خود کسی کو وکیل بنایا ہے۔ اس صورت میں چاہے زید اپنی زبان سے قبول کرے یا نہ کرے بہر حال نکاح کے ساتھ ہی طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

۲: — دوسری صورت میں نکاح فضولی کے بعد طلاق واقع نہ ہوں گی بشرطیکہ زید کسی سے امر کے ساتھ یہ نہ کہے کہ تو فضولی بن کر میرا نکاح کر دے بلکہ صفت قاعدہ بیان کر دے کہ اگر کوئی فضولی بن کر ایسا کر دے گا تو میرا کام ہو جائے گا نیز یہ بھی شرط ہے کہ زید فضولی کے عقد کو زبان سے قبول نہ کرے بلکہ فعلاً نافذ کر دے کہ خاموش رہ کر اسی وقت عودت کے پاس مہر کا کچھ حصہ بھیج دے اور اس کے بعد اس کے پاس چلا جاوے اور بہتر یہ ہے کہ کسی محقق عالم کے سامنے اپنا واقعہ بیان کر دے اور یہ کہہ دے کہ مجھے عقد فضولی کی حاجت ہے یہ نہ کہے کہ تم فضولی بن کر ایسا کر دو۔ عالم واقعہ ہی سے سمجھ جائے گا۔ کہ سائل کو ایسی حاجت ہے پھر وہ بد مل اس کے کچھ کہے خود ہی عقد کر دے گا۔

قال الشامي ناقلاً عن البحر عن البرازية وينبغي ان يحجى الى عالم ويقول له ما حلف واحتياجه الى عقد الفضولي فيزوج العالم امرأة ويجيز بالفعل وكذا اذا قال لجماعة لي حاجة الى نكاح الفضولي فزوجوه واحدهم اما اذا قال لرجل اعقد لي عقد فضولي يكون توكيداً (ص ۱۱۶ ج ۲) جواب تذنیب :-

زبان سے قبول کرنے سے پھر طلاق پڑ جائیں گی اس لئے نکاح فضولی کو زید زبان سے قبول نہ کرے بلکہ فعلاً نافذ کر دے یعنی عورت کے پاس چلا جائے یا مہر کا کچھ حصہ عورت کو پہنچا دے۔ قال الحموی فی شرح الاسناد قوله فالجیلة ان یزوجہ الفضولی ویجیزہ بالفعل هذا هو المختار كما فی الزیلعی وعلیه الفتوی كما فی المنہج الغفار نقلاً عن الخانیة لكن فی جامع الفصولین فی فصل الرابع والعشیرین فی تصرفات الفضولی ان الاصح انه لا یبحث بالقول ایضاً وقد تقدم ان الفتوی علی خلافه وانما یبحث بالفعل لان المحلوف علیه هو الزوج وهو عبارة عن العقد وهو یختص بالقول والاجازة بالفعل کبعث المهر او شئ منه والمراد الوصول اليها ذكره المصدر الشهيد وقيل سوق المهر يكفي مطلقاً لان المجرور الاجازة بالفعل وقد تحقق بالسوق وبعث الهدية لا يكون اجازة لانها لا تختص بالنكاح (ص ۲۲۰)

هذا والله تعالى اعلم ، حرره الاحقر ظفر احمد عفا الله عنه ۱۲ شعبان ۱۴۲۳ھ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

استفتا اہل شافعیہ ضمیمہ اول | کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان

شرع متین کہ زید نے یہ عہد کیا کہ فلاں کام نہیں کروں گا اور اگر کروں تو جو نکاح کروں اور جب نکاح اور جس عورت سے نکاح کروں اسے تین طلاقیں ہوں اور پھر ایک مدت کے بعد زید نے اس کام کو جس کے نہ کرنے کا عہد کیا تھا اسے کیا تو اب اگر زید کوئی نکاح کرے تو امام شافعی کے نزدیک طلاقیں ہوں گی یا نہیں؟

الجواب :-

حنفی مفتی کو مذہب غیر پر فتویٰ دینے سے فقہانے منع کیا ہے لہذا ہم فتویٰ مذہب شافعی پر نہیں دے سکتے۔
فی الرد ان المفتی لا یفتی صاحب الحادثة بما یتوصل به الی فسخ الیمن فلا نقول له ارفع الامر الی شافعی او حکمہ فی ذلکہ او استفتہ یقول یقح علیک الطلاق لان علیہ ان یحییٰ بما یعتقدہ و لیس له ان یدلہ علی ما یہدم مذہبہ
(ص ۱۲ ج ۲ شامی) فقط حرره الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ
مہون - ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رجب خان نے اپنی بیوی شہر اتن کو یہ تحریر لکھ دی کہ اگر میں اپنے بھائی کے گھر جاؤں تو تم پر طلاق ہے اس کے بعد رجب خان اپنے بھائی کے گھر گیا تو شہر اتن نے جانے کے ایک ماہ بعد رجب خان کو جو کہ پریس میں تھا بذریعہ جبری کے خط لکھا کہ تم تحریر کے بعد اپنے بھائی کے گھر گئے تھے لہذا مجھ پر طلاق پڑ گئی اب تم مجھے اپنی زوجہ نہ خیال کرو مجھے اپنے نفس کا اختیار ہے اس پر رجب خان نے جاہل ملاؤں سے جن کو یہ اپنی نادانی سے عالم کامل سمجھتا ہے دریافت کر کے لکھا کہ میں نے علمائے در یافت کیا انہوں نے بتلایا ہے کہ اس صورت میں طلاق نہیں پڑی یہ جواب رجب خان کا اپنے بھائی کے گھر جانے کے دو ماہ بعد یعنی قبل انقضائے عدت کے یا پانچ ماہ کے بعد یعنی بعد انقضائے عدت کے آیا اس کے بعد سے اب تک کہ ڈھائی برس گزر چکے رجب خان نہ تو اپنے وطن شہر اتن کے پاس آیا اور نہ کوئی مراسلت و مکاتبت طرفین سے ہوئی۔ غرض رجب خان سے کوئی فعل دال علی الرجوع نہ پایا گیا اور نہ اس نے رجوع کر لی ہو تو اس کا اب تک شہر اتن کو کوئی علم نہیں ایسی صورت میں یہ تو ظاہر ہے کہ طلاق رجعی واقع ہو گئی لیکن سوال طلب یہ امر ہے کہ اسے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہ اور اگر بعد نکاح کے شوہر یہ کہے کہ میں نے تو لا زمانہ عدت ہی میں رجوع کر لی تھی مگر تمہیں میں نے اب تک اطلاع نہیں دی تھی اور وہ اپنے رجوع قوی پر بیٹھ بھی پیش کرے تو ایسی صورت میں نکاح ثانی قضا و دیانہ باقی رہے گا یا نہ اور یہ کس کی زوجہ سمجھی جائے گی اور اس نکاح ثانی سے دنیا و آخرت میں شہر اتن اور اس کا زوج ثانی کسی عقوبت کے مستحق ہوں گے یا نہ زوجہ کو ایک دشواری یہ ہے کہ رجب خان بد چلن ہے

اس لئے زوجہ جب خان سے بذریعہ خط وغیرہ یہ استفسار نہیں کر سکتی کہ تم نے ایام عدۃ میں قولہ رجوع کیا تھا یا نہ کیونکہ اس استفسار سے وہ فوراً متنبہ ہو جائے گا کہ مجھے شرعاً قولہ بلا اعلان زوجہ حق رجوع تھا جس کی وجہ سے رجوع نہ بھی کیا ہوگا جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے پھر بھی وہ جھوٹ موٹ اپنے رجوع کو ظاہر کرے گا اور جھوٹے گواہوں سے ثبوت بہم پہنچالینگا ایسی حالت میں زوجہ کو مفرک کیا صورت ہے؟ جواب ہر جہ کا دیانتہ و قضا دونوں کے اعتبار سے مفصل و مدلل مرحمت فرمایا جائے۔ فقط بینوا تو جروا۔

الجواب :-

صورت مسئلہ میں مطلقہ مذکورہ کو کسی شخص سے اپنا نکاح کر لینا درست ہے اور اگر بعد نکاح کے زوجہ اول یہ دعویٰ کرے کہ میں نے عدت میں قولہ رجوع کر لیا تھا اور حاکم مسلم کے سامنے اس پر بیٹہ قائم کر دی تو زوجہ ثانی میں اور عدت میں تفریق کرادی جائے گی اور مطلقہ مذکورہ پر نکاح ثانی کرنے سے کچھ گناہ نہ ہوگا۔

قال في الدرر من باب اعلامها بالثلاث تنكح غيره بعد العدة فان
نكحت فرق بينهما وان دخل شتمى ۱ قال الثاني قوله لثلاث تنكح غيره
اولى من قول الهداية لثلاث تنكح في المعصية اذ لا معصية فيه مع عدم
علمها بالرجعة وان اجيب بان المعصية لتقصيرها بترك السؤال لما
فيه من ايجاب السؤال عليها (ص ۸۷۲ ج ۲) وقوله فرق
بينهما اي اذا ثبت المراجعة بالبينة وقوله وان دخل اي الزوج الثاني ۱
حمده الاحقر طفر احمد عفا الله عنه

۴، سوال ۳۳۳ از تھانہ بھون

سوال : نکاح سے قبل کا بین نامہ میں لکھ دیا کہ اگر تمہارے زندہ رہنے کی حالت میں نکاح کروں
تو دوسری بی بی مطلقہ ثلاثہ ہو جائے گی اور زوج اول کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیا۔ تو دوسرا
نکاح کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی الخ

کیا فرماتے ہیں حضور اس مسئلہ میں کہ زندہ رہنے کو ایک کا بین نامہ دیکھے نکاح کیا اس میں دکھا ہوا
تھا کہ اگر تمہارے زندہ رہنے کی حالت میں اگر دوسرا اور شادی کروں تو وہ دوسری بی بی مطلقہ ثلاثہ
ہو جاوے گی مگر یہ شرائط نامہ عدت نکاح کے دو مہینہ قبل ہوا ہے۔ اور یہ کا بین ہندو سب جسٹس
کے پاس رجسٹری ہوا ہے وہ سب شرائط شادی کے مجلس میں پڑھا نہیں اور سنایا بھی نہیں گیا اور ناک

انکار کرتا ہے کہ یہ ایک شرط جو کابین میں لکھا گیا ہے وہ ہرگز مجھے معلوم نہیں اس طفر کے بے یوں کی زیر کی اور چالاکی سے یہ شرط لکھی گئی میں نے خود کابین لکھا نہیں پڑھا بھی نہیں اگر میں جانتا کہ ایسا ناقابل شرط کابین میں لکھی گئی ہے تو میں ہرگز راسخی نہ ہوتا۔ بعد شادی زید کو معلوم ہوا کہ ہندہ بے نمازی ہے موافق شریعت کے ہر قسم کا علاج کیا مگر کام میں نہ آیا۔ ایک روز بہت عذاب کیا چند ساعت کے بعد ہندہ نے کہا کہ اگر جان تن سے نکل جاوے تب بھی نماز نہ پڑھوں گی۔ یہ جواب عجیب سن کر زید نے اس ہندہ کو تین طلاق بائن دیکر دوسرا شادی کر لیا۔ اس حالت میں زید کی دوسری بی بی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں ؟

الجواب :- طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ کابین نامہ نکاح سے پہلے لکھا گیا ہے اور تعلیق میں طلاق ثانیہ کو نکاح اولیٰ کے ساتھ مشروط نہیں کیا گیا بلکہ امر آخر یعنی زندہ رہنے کی حالت کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے اور اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

قال فی العالمگیریہ قال لاجنبیۃ ما دمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجھا فھی طالق ثم زوجھا فزوج علیھا امرأۃ لا یقع ولو قال ان تزوجتک فمادمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجھا علیھا المسئلۃ بحالھا یقع کذا فی الوجیز للکردی ۱۴ (ص ۱۰۱ ج ۲) قال سیدی حکیم الامت والفرق بینھما ان فی الاول علق طلاق الثانیۃ علی بقاء نکاح الاولی والبقاء لا یتصور بدون الحدوث وهو معدوم فی الاجنبیۃ فلا یصح تعلیق شئی علی بقاء النکاح اذا کان الخطاب مع الأجنبیۃ فیلغو الکلام ولا یقع بہ شئی وفی المسئلۃ الثانیۃ علق طلاق الاخری علی النکاح بالاولی ویصح انشاء النکاح بکل اجنبیۃ فصح التعلیق واذا تزوج علیھا اخری طلقت ۱۵ قلت وقولہ ان تزوجت علیک فی حیاتک معناه فی حیاتک بعد نکاحی کمالا یحیی فکان فیہ تعلیق الطلاق علی بقاء نکاح الاولی۔ نیز جب عرفا اس کلام کا کہ۔ اگر تمہاری زندہ رہنے کی حالت میں دوسری اور شادی کروں تو مطلب یہ ہے کہ جب تک تم میرے نکاح میں زندہ رہو تو اب جبکہ اس شخص نے اولیٰ کو طلاق بائن دیکر نکاح ثانی کیا ہے تو ثانیہ پر وقوع طلاق کی کوئی وجہ نہیں۔

قال فی العالمگیریۃ ولو قال ان تزوجت علیک فالتی اتزوج طالق فطلق

امراتہ طلاقاً بائنائشہ متزوج امرأۃ آخری فی عدتہا لا تطلق اھ
(ص ۱۰۱ ج ۲) نیز جب تعلیق زید نے خود نہیں لکھی اور نہ اس کو کابین نامہ پڑھ کر سنایا گیا بلکہ دیے
ہی دستخط کر لئے گئے تو یہ تعلیق اس اعتبار سے بھی لغو ہے واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۶ ذیقعدہ ۱۴۳۸ھ

سوال: تعلیق کے بعد تنجیز طلاق کا حکم کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اول تو
اپنی زوجہ کو یہ تحریر بھیجی کہ تم جو کہتی ہو کہ میں نے تم کو بارہ دن مکان میں بند رکھ کر بے آب و دانہ مجھ سے کیا
اور مارنے کو تیار تھا اگر تم اس دعویٰ میں صادق ہو تو تم پر طلاق واقع ہے۔ یہ شرطیہ طلاق ہے پھر جب
زوجہ کے اقرباء نے کہا کہ تم نے تو طلاق کا وعدہ کیا تھا یہ مہل الفاظ کیوں لکھے تو زید نے جستہ جواب
دیا کہ آپ لوگ کیا کرتے ہو یہاں ہم نے تو طلاق دیدیا ہے طلاق دیدیا ہے طلاق دیدیا ہے اب جھگڑا
ہی کیلئے بیسوں بار گھر میں اصرار یہ الفاظ کہئے اب طلاق ہوئی کہ نہیں۔

حکیم امانت اللہ ڈاکٹر نامہ معونات بھجن محلہ ڈومین پورہ عظم گڑھ
جواب:- زید نے جو الفاظ بعد میں چار آدمیوں کے سامنے کہے ہیں ان سے تین طلاق مغلطہ واقع ہو گئیں۔
قال فی الدرر ویبطل تنجیز الثلاث للحرۃ والسنین للدمۃ تعلیقہ الثلاث او واحدھا
(ص ۸۱۴ ج ۲) اور اس کا قول میں نے تو طلاق دیدیا ہے طلاق منجر ہے اس میں کوئی تعلیق نہیں۔

واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون - ۱۰ محرم ۱۴۳۵ھ

سوال: تعلیق طلاق کی ایک خاص صفت کا حکم کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عباس علی
نے اپنی دختر مسماۃ فاطمہ کا نکاح شامیاں سے کر لینے کی بات طے ہو چکنے پر شامیاں سے ایک اس قسم کا
اقرار نامہ کہ اگر اس نے عقد کے بعد دس دن کے اندر کابین نامہ رجسٹری کر کے نہ دیا تو مسماۃ مذکورہ کو تین
طلاق ہو جائے گی کا مطالبہ کیا چنانچہ جب طلب برضائے طرفین اقرار نامہ کا مسودہ ہوا اور شامیاں و دیگر
حاضرین کے سامنے پڑھ کر سنایا گیا مگر چونکہ رجسٹری کا خرچ عباس علی کا ذمہ تھا۔ اور وہ دس دن کے
اندر خرچ کے مہیا کرنے سے عاجز رہا لہذا اس نے بطور خود مہلت کی مدت میں اور دس روز کا اضافہ کر دیا
اور اقرار نامہ کے دس کے ہندسہ کو کاتب کے ہاتھ عقد سے پہلے بیس بنوا دیا۔ مگر اس بات کی خبر دوسرے
کسی کو یہاں تک شامیاں کو بھی نہیں کی اس کے بعد عقد ہوا۔ عقد ہو چکنے کے بعد نکاح خوال نے اقرار نامہ کا
پلیٹا ہوا پرچہ ہاتھ لیکر بغیر پڑھے دو لہلہ سے دریافت کیا کہ اقرار نامہ تم کو منظور ہے اس نے جی ہاں کہہ کر جواب دیا
بعد ازاں دس دن کے بعد بیس دن سے پہلے کابین نامہ کی رجسٹری ہوئی۔ یہ بھی واضح رہے کہ کاتب نے جس

وقت اقرار نامہ کے دس کے ہندسہ کو بیس بنایا اس وقت عباس علی وہاں موجود نہیں تھا اور نہ عباس علی کو لکھنا پڑھنا آتا ہے۔ امی محض ہے صرف کاتب کی بات پر اعتبار کر کے دعویٰ کرتا ہے۔ اب عباس علی کہتا ہے کہ ہم نے یہ کاروائی عقد سے پہلے کی تھی اور منظوری کے وقت استیصال نامہ میں بیس نہیں تھا اور کاتب بھی معترف ہے کہ عباس علی کے کہنے سے اس نے عقد اور منظوری سے پہلے دس کو بیس بنادیا تھا اور ان کے خلاف کوئی ایسا گواہ جو یہ بتا سکتا ہو کہ منظوری کے وقت بیس نہیں تھا بلکہ دس تھا اور انہوں نے یہ کاروائی عقد اور منظوری کے بعد میں کی اب اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہوگا عباس علی اور کاتب کی بات کی تصدیق کی جاوے گی یا نہیں اور بالوے مذکورہ کو دس دن کے بعد بیس دن سے پہلے طلاق ہو جاوے گی یا نہیں۔

تمیز سوال :-

جناب عالی میں نے کل گزشتہ ایک استفتاء حضرت کی خدمت میں بھیجا مگر پرچہ جو اس کے ہمراہ بھیجنے کے لئے لکھا تھا لفاظ میں استفتاء کے ہمراہ وہ پرچہ دینے کو بھول گیا اب گزارش یہ ہے کہ وہ استفتاء مذکورہ جس میں عباس علی کی بیٹی مسماۃ فاطمہ مسکوچہ مسمی شامیاں کی طلاق ہونے نہ ہونے کے متعلق دریافت کیا گیا۔ لہذا جہاں تک جلد ممکن ہو جواب بادلای وحوالہ کتب لکھ کر بھیج دیں۔ کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ طلاق ہو گئی۔ اس وجہ سے لوگ بہت تردد میں ہیں اور مسماۃ مذکورہ اب تک شامیاں کے پاس رہتی ہے اور اس سے حاملہ ہوئی لہذا جلد جواب غایت فرمادیں۔ تاکہ اس کے مطابق عمل کیا جاوے۔ والسلام۔

نذیر احمد۔ ڈاکخانہ لال موہن چرکسیہ ضلع بریال (بنگال)

الجواب :- قال صاحب البحر الرائق وفيها (المحيط) دعا امرأتہ الى الوقاع فأتت فقال متى يكون قالت غدا فقال ان لم تفعلی هذا المراء غداً افانت طالق ثم نيامتی مضی الغد لا یحیث وهذا یتشبی من قولهم وان المحلوف علیه ناسیا یحیث والجواب ان الحنث شرط ان یطلب منها غداً وتمتنع ولم یطلب فلا استثناء (ص ۲۲ ج ۴) وهكذا فی الدر المختار وقال لا یقع بدل لا یحیث وقال الشامی تحت (قوله لا یقع) لان الحنث شرطه ان یطلب منها غداً او تمتنع ولم یطلب بحره ونحوه فی التارخانیة عن (المتفق قلت ومقتضاه ان النیان لا تاثیر له هنا لکن سیاتی فی الایمان تعلیله بان امکان البر شرط لبقاء الیمین بعد انعقادها کما هو شرط لانعقادها خلافاً لابن یوسف ولا یخفی ما فیہ فان امکان البر محقق بالتذکر علی انه یلزم ان یکون النیان عذراً

فی عدم الحث فی غیر هذه الصورة ایضا وهو خلاف المنصوص فافهم
(مشک ۲ ج ۲) و فی العالمگیریه (ص ۱۲ ج ۲) سکران دعا امرأتہ الی فراشہ
فابت فقال لہا ان امتثلت وساعدتہ والافانت طالق فاعده تہ بعدہ ما
دعاہا فی المستقبل بعد الیمین لا یحث وان دعاہا فی المستقبل ولم تساعدہ حث
قال مولانا ویلغی ان یحث اذا لم تساعدہ وان لم یجدہ الدعای لان
الناس یریدون بھذا الامتثال للامر السابق اھ۔ بحر الرائق و شامی کی روایت سے
معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئلہ میں طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ عباس علی نے حبسری کا مطالبہ نہیں کیا اگر وہ
مطالبہ کرتا اور پھر شامیاں حبسری نہ کرتا تو طلاق واقع ہوتی لیکن اگر وہاں یہ عرف ہو کہ دوبارہ مطالبہ کئے
بدون بھی ان الفاظ سے شامیاں کے ذمہ حبسری کرنا لازماً مفہوم ہوتا ہو تو صورت مسئلہ میں طلاق واقع
ہو گئی جیسا کہ عالمگیر یہ کی روایت میں مصرح ہے۔ واللہ اعلم۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ سوال میں سائل نے لکھا ہے کہ حبسری کا خرج عباس علی کے ذمہ تھا اور
ظاہر یہ ہے کہ شامیاں بھی اس کو جانتا تھا کہ خرج میسر ذمہ نہیں۔ پس اس کا بین نامہ کی اس عبارت کہ
اگر اس نے عقد کے بعد دس دن کے اندر کا بین نامہ حبسری کر کے نہ دیا۔ تو مسماۃ پر تین طلاق ہو جائیں
گی۔ کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ شامیاں سے اگر مطالبہ نہ کیا جاوے تو وہ خود اپنے خرج سے حبسری
کر کے دے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دس دن کے اندر اگر عباس علی اس سے حبسری کا مطالبہ کرے تو
اس کا ساتھ دے اس سے انکار نہ کرے چونکہ عباس علی نے دس دن کے اندر مطالبہ ہی نہیں کیا اس لئے
شامیاں حلف میں حانت نہیں ہو ایہ جواب تو اس معنی پر ہے جو اس عبارت سوال سے ہم سمجھتے ہیں باقی
اگر کچھ اور مطلب ہے تو یہ جواب نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

اور ایک امر قابل تحریر یہ ہے کہ کا بین نامہ حبسری کرانے کے متعلق جو اقرار نامہ ان لفظوں سے لکھا ہے

ہ البتہ اگر یہ الفاظ ہوتے کہ اگر فلاں عودت سے نکاح کروں اور اتنے روز تک کا بین نامہ حبسری نہ کرادوں
تو اس پر تین طلاق تو وہ تعلیق صحیح ہو جاتی کما فی العالمگیر (ص ۲۲) التعلیق بصریح الشرط وهو
ان یدکر حرف الشرط یو شرفی المرأة المعینۃ و غیر المعینۃ والتعلیل
بمعنی الشرط یعمل فی غیر المعینۃ کما لو قال المرأة التي اتزوجها فہی طالق فلا یعمل فی المعینۃ
فان قال هذه المرأة التي اتزوجها فہی طالق فتزوجها لا تطلق کذا فی معراج الدرر البیضاء

رک اگر اس نے عقد کے بعد دس دن کے اندر کاہن نامہ رجسٹری کر کے نہ دیا تو مسماۃ مذکورہ کو تین طلاق ہو جاوے گی) وہ اقراء نامہ یعنی یہ تعلیق طلاق صحیح نہیں ہوتی تھی اگر فقط اس تحریر کے بعد نکاح ہو جاتا اور کاہن نامہ کی رجسٹری نہ ہوتی تو طلاق نہ ہوتی لیکن عقد کے بعد اس اقراء نامہ کو منظور کرنا لاشاً تعلیق قرار دی جاوے گی اور چونکہ اس کو یعنی زوج کو دس ہی روز کی تعلیق کا علم تھا اس لئے دس روز پر معلق ہوگا۔ اگر عقد کے بعد منظور کی وقت زوج کو اس تغیر کی اطلاع ہو جاتی تو بیس روز کی تعلیق صحیح ہو جاتی اور اب چونکہ دس روز کی تعلیق صحیح ہے اس لئے اسی شرط کے وقوع پر طلاق واقع ہو جاوے گی اور اس شرط کا وقوع ہونے یا نہ ہونے کی تفصیل اوپر معلوم ہو چکی ہے۔ والروایات

هذه في الدر ويكفي معنى الشرط الا في المعينة باسم (والنسب او اشارة فلو قال امرأتی اتزوجها طالق تطلق بتزوجها ولو قال هذه المرأة الخ لتعريفها بالاشارة فلغا الوصف وقال الشامي تحت (قوله باسم والنسب) الذي في البحر وغيره ونسب بالواو وقال فلو قال فلانة بنت فلان التي اتزوجها طالق فتزوجها لم تطلق اه اى لانه طالغا الوصف بالتزوج بقي قوله فلانة بنت فلان طالق وهي اجنبية ولم توجد الاضافة الى الملك فلا يقع اذا تزوجها (قوله او اشارة) التعريف بالاشارة في الحاضرة و بالاسم والنسب في الغائبة حتى لو كانت المرأة حاضرة عند الحلف لا يحصل التعريف بذكر اسمها ونسبها ولا تلغو الصفة ويتعلق الطلاق بالتزوج الخ (ص ۸۳ ج ۲) وقال الشامي ايضا وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يملأه بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقرانه كتابه اه

ملخصنا (ص ۸۳ ج ۲) وفي العالم الكبير (ص ۱۱۶ ج ۲) رجل اراد السفر خلفه صهره وقال ان غبت بعد هذا عن امرأتك فلم ترجع اليها عند رأس الشهر فامرأتك طالق فقال الختن بالفارسية هست ولم يزد على ذلك ثم غاب اكثر من شهر طلقت امرأته لانه اجاب كلام الصهر والجواب يتضمن اعادة ما في السؤال فتطلق امرأته كذا في فتاوى قاضي خان اه والله اعلم بالصواب۔

تنبیہ : حمل کے متعلق بصورت عدم وقوع طلاق تو سوال کی ضرورت ہی نہیں اور اگر وہاں کے محاذہ میں یہ الفاظ موجب طلاق ہوں تو حمل سے سوال دوبارہ کیا جاوے۔ احقر عبد الکریم گتہوی عم ۲۵، ذوالفقہ ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۶ ذیقعدہ ۱۴۳۷ھ

اس کہنے کا حکم کہ فلاں کام نہ کروں تو مجھ پر زن طلاق ہے | سوال :- بحضور حضرت مولانا داود الانام فیضیہم
مرد عن یہ ہے کہ ایک شخص کی مویشی چوری ہوئی ایک معرز نے چوروں کے پاس جا کر کہا کہ مویشی واپس کر دو
چوروں نے کہا کہ ہم واپس کر دیں گے۔ چار ماہ تک یہی کہتے رہے بعد چار ماہ کے انہوں نے کہا کہ ہم نہیں دیتے
تب اس معرز نے بسبب غصہ کے اپنے جی میں کہا کہ میں بھی ان چوروں کا اتنا ہی نقصان کروں گا جتنا انہوں نے
کیا ہے۔ اگر نہ کروں گا تو مجھ پر زن طلاق ہے اب معرز کو اللہ میاں سے خوف آگیا کہ چوری کا کام کیوں کروں
اب ملتس ہوں کہ ان الفاظ کا کیا حکم ہے؟ فقط

تنقیح :- اس کا کیا مطلب ہے آیا صرف دل میں خیال کیا زبان کو حرکت نہیں ہوئی یا زبان سے بھی
مکمل آہستہ کہا کہ اللہ کسی نے نہیں سنا نیز طلاق کا کوئی عدد بھی کہا یا نہیں؟
جواب تنقیح: حضور سائل سے دریافت کیا گیا سائل نے زبان کو حرکت بھی دی بلکہ ایک "یہ" کے
رد پر یہ لفظ کہا اللہ ایک دفعہ کہا ہے صرف۔
(الجواب ۱:-)

فی العالمگیریۃ (ص ۳۳) وان حلف لیفعلن کذا یبداً بالفعل مرة واحدة
سواء کان مکرهًا فیه او ناسیًا او وکیلًا عن غیرہ فاذا لم یفعل لا
یحکم بوقوع الحنث حتی یقع الیأس من الفعل وذلك یموت الخالف
قبل الفعل فیجب علیہ ان یومی بالکفارة او یفوت محل الفعل
کما لو حلف لیضرب بن زیدًا اولیا کلن هذا الرغیف فمات زید واکل
الرغیف قبل اكله یحنث الخ

اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ شخص ان چوروں کا نقصان نہ کرے اور ان میں سے کوئی مر جاوے تو ایک
طلاق جہی واقع ہو جاوے گی اور اگر وہ چور زندہ رہیں تو عمر بھر طلاق واقع نہ ہوگی لیکن اس معرز کی موت
کے وقت طلاق واقع ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔ احقر عبد الکریم عفی عنہ۔

خانقاہ تھانہ بھون۔ الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔

یکم شعبان ۱۴۳۷ھ

(سوال) (۱) کوئی شوہر بی بی سے لڑائی کیا اور بی بی پکانے جا رہی تھی اسوقت یوں بولا تم مت پکاؤ تمہاری ہاتھ کا پکایا ہوا چیز ہم کھا نیسے تم طلاق ہو جاؤ گی۔ یا یوں بولا اگر کھائے تو تمپر طلاق ابھی یا جب یا ہمیشہ اب تو کوئی لفظ جیسے ہمیشہ یا جب کھائے تو طلاق ہوئے استعمال نہیں کیا اب سوال یہ ہے کہ (۱) جب کھائے تب طلاق ہوتا یا نہیں (۲) اگر شوہر کا لفظ یہ ہے کہ اسدن یا اسوقت کھائے تو طلاق ہوئے (۳) اگر ہمیشہ لفظ یعنی جب کھائے تب ہوئے (۴) اگر کچھ لفظ خاص نہیں تھا صرف اوپر بیان کیا گیا ویسا بولا۔ تب جب کھائے تب طلاق ہوتا یا نہیں۔

فدیہ

محمد سید عتیق اللہ وکیل

الجواب :- صورت مسئلہ میں اگر شوہر کی نیت یہ ہے کہ اسدن یا اسوقت کھاؤں تو طلاق۔ تو اسدن یا اسوقت کے بعد اسکے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانیسے طلاق نہ ہوگی اور اگر ہمیشہ کی نیت تھی تو جب کھا ئیگا اسوقت طلاق ہو جاؤ گی لیکن ایک طلاق واقع ہو نیسے یہ تعلیق ختم ہو جاؤ گی کیونکہ تعلیق بلفظ اگر ہے کما کیسا تھ نہیں جو عموم فعل و تکرار کو مفید ہو پس ایک طلاق واقع ہو نیسے بعد دوبارہ اسکا پکایا ہوا کھانیسے طلاق نہ پڑیگی۔ اور ایک طلاق سے نکاح میں نقصان نہیں آتا جب کہ عدت کے اندر اندر رجوع کر لیا جائے اور کچھ نیت نہ تھی تو بظاہر اس کلام سے متبادر یمین الفور ہے جو اسوقت اور اسی حالت کے ساتھ مقید ہوتی ہے جس میں یمین صادر ہوئی اسکے بعد کیسا تھ یمین کا تعلق نہیں ہوتا وقال الشامی فی یمین الفور تھیأت للخروج فقال لا تخرجی وحلف فاذا جلست ساعة وخرجت لا یحنت لان قصدہ منعها من الخرج الذی تھیأت له فکانہ قال: ان خرجت الساعة و هذا اذا لم یکن له نية فان نوى شيئا عمل به شر نبلا لیه اه (مجلد ۳) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۱ رمضان ۱۴۲۹ھ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اندر یہ صورت کہ عبدالمالک تعلقہ دار نے اپنا نکاح مسماۃ خیر النساء سے کیا اور اس

طلاق معلق بلفظ "اگر" میں مرتبہ واحدہ سے یمین منخل ہو جاتی ہے اس لئے دوسری مرتبہ نکاح کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

بی بی کو کاہن نامہ چند شرائط کا دیا جسمیں یہ شرط بھی تھی کہ تمہارے زمانہ نابالغی سے تا زمانہ بلوغ یعنی تمہاری زندگی میں دوسرا نکاح کوئی نہیں کرونگا اگر دوسرا کوئی نکاح بیاہ کیا تو زوجہ ثانیہ پر تین طلاق واقع ہوگی اور وہ مجھ پر حرام ہوگی۔ پھر بعد چند مدت بوجہ ضرورت اس نے دوسرا نکاح کر لیا اولیاء زوجہ اول نے اس عقد ثانی کی خبر سنکر اس کاہن کی شرط کو دکھلایا کہ یہ ثانی بی بی پر تو طلاق ہو گئی پھر اس کے بعد زوج مذکور الصدر نے اس شرط کی واپسی لکھوائی کہ اب بخوشی دوسرا نکاح کر لیں اسمیں بھکوپچہ عذر نہیں بعد ازاں عبدالمالک نے عقد ثالث کیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زوجہ ثالثہ پر طلاق ہوتی ہے یا نہیں اگر ہوتی ہے تو عبدالمالک کیلئے علالی ہو نیکی کیا صورت ہے؟ بنو اتوجروا الجواب :- صورت مسئلہ میں زوجہ ثالثہ پر طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ

یہ طلاق معلق بلفظ "اگر" ہے جو ترجمہ ان و اذا کا ہے جس کا حکم یہ ہے کہ مرتبہ واحدہ سے یمین منخل ہو جاتی ہے قال فی العالمگیر بیعنا لفظ الشرط ان و اذا و اذا ما وکل و کما و متی و متی ما ففی هذه الالفاظ اذا وجد الشرط اخلت الیمین و انتہت لانہا لا تقضی العموم و التکرار فبوجود الفعل مرة تمام الشرط و اخلت الیمین فلا یحقق الحنث بعدہ الا فی کما لانہا توجب عمودا لافعال اھ (صفحہ ۹۲) قلت و فی الصورة المسئولة لیس الطلاق بمعلق بکما کما هو الظاہر من الفاظ السؤال، واللہ اعلم۔ حرره الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ، رمضان ۱۴۱۰ھ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اندر یہ صورت کہ زید نے عمرو سے بطور علف کے کہا اگر میں نے تمہاری کوئی شکایت تمہارے مکان والوں سے بغرض نقصان پھونچانے کے کی ہو تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے خارج ہوں اور نکاح کرتے ہی طلاق ہو اور علف کھاتے وقت یقین تھا کہ کوئی شکایت نہیں کی اور بعد میں کوئی لفظ شکایت کا معلوم ہو جائے یعنی یمین لغو کی صورت ہو تو کیا حکم ہے۔ اور اگر اطمینان کیلئے

احتیاطاً شافعی المذہب پر اعتقاد رکھے تو جائز ہے یا نہیں؟ بلینوا توجروا۔
فقط عبدالصمد مبین سنگی۔

الجواب :- جب تک غلبہ ظن بالیقین شکایت کرنیکا نہ ہو اسوقت تک یہ کلام موجب وقوع طلاق بر منکوحہ نہیں۔ پس تردد سے منکوحہ پر طلاق نہ ہوگی اور اگر یمن کے وقت یقین یا غلبہ ظن تھا کہ شکایت نہیں کی اسی بنا پر قسم کھالی بعد میں معلوم ہوا کہ شکایت کی تھی تو دیانہ یہ حلف موجب طلاق منکوحہ نہ ہوگا ہاں قضاء موجب طلاق ہو جائیگا۔ فان القاضی لا یقبل الا الظاهر والمرأة كالقاضی۔ اور اگر حلف کیوقت غلبہ ظن یا علم شکایت کرنیکا تھا تو اب اپنی اطمینان کیلئے شافعی المذہب پر اعتقاد رکھنا اس شرط سے جائز ہے کہ نکاح بھی کسی شافعی عورت سے کیا جائے۔ حنفی عورت سے اس مسئلہ میں مذہب شافعی پر اعتقاد کر کے نکاح جائز نہیں کیونکہ منکوحہ کے مذہب میں نکاح کیساتھ ہی طلاق واقع ہو چکی ہے تو عورت کو اُس کے مذہب کے خلاف کامرتکب بنانا اور دھوکہ میں رکھنا جائز نہیں۔ اس صورت میں اگر حنفی عورت سے نکاح کیا جائے تو فضولی کو واسطہ بنایا جائے جسکی تفصیل زبانی عالم محقق سے معلوم ہو سکتی ہے یا اولیاء زوجہ سے اس واقعہ کو بیان کر کے یہ کہا جائے کہ میں نے ایسا حلف کر لیا تھا جسکی وجہ سے منکوحہ پر نکاح کرتے ہی ایک طلاق بائن واقع ہو جائیگی اس لئے منکوحہ کو بھی اسکی اطلاع کر دی جائے اور نکاح دوم مرتبہ کیا جائے پہلی دفعہ نکاح کر کے طلاق واقع ہوگی دوبارہ اسی عورت کی اجازت سے پھر نکاح کیا جائے گا تو اب دوبارہ طلاق کا وقوع نہ ہوگا کیونکہ حلف میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو کلام کی طرح موجب تکرار طلاق ہو اور نہ آپس میں عدولت کا ذکر ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ

۱۹ رمضان ۱۴۲۶ھ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے تعلیق کر دی

حکم تعلیق طلاق بلفظ جو عورت میں نکاح میں لاؤنگا مجھ پر طلاق ہے۔

ایسے طور سے کہ زید نے کہا اگر میں یہ فعل کرونگا تو جو عورت میں نکاح میں لاؤنگا۔ مجھ پر طلاق ہے اب اس سے وہ فعل تین چار مرتبہ صادر ہوا۔ تو آیا جو عورت طلاق ہو جاوے گی وہ مطلقہ ہوگی ساتھ طلاق رجعی کے یا مغلطہ ہوگی۔ اور اگر تعلیق سے پہلے اس کا منکوحہ ہو تو

وہ مطلقہ ہوتی ہے یا نہ اور اگر مطلقہ ہوتی ہے تو مطلقہ رجعی ہوتی ہے یا مغلطہ؟ بیہودہ توجہ والے
المعروض کترین عبد الرزاق از مدرسہ میرٹھ صدر بازار۔
الجواب : اگر زید نے تعلیق مذکور میں یہی کہا ہے جو سوال میں مذکور ہے کہ مجھ پر
طلاق ہے تو یہ کلام لغو ہے اس سے یہ تعلیق طلاق نہیں ہوئی اور اس صورت میں کسی
عورت سے نکاح پر طلاق کا وقوع نہ ہوگا نہ رجعی کا نہ بائن کا فقد صرح الفقهاء
بأنه ان قال انا منك طالق لم يقع وان نوى وان قال انا منك بائن يقع به
بائنة ان نوى (در ص ۴۲) اور اگر یہ کہا ہے کہ اس پر طلاق ہے تو سوال واضح
کر کے دوبارہ کیا جائے۔

فقط حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ الرشوالہ

بصورت تعلیق اگر عدد طلاق میں شوہر کو شک ہو (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس
اور بیوی کہتی ہو کہ شوہر نے تین طلاق کہا تھا۔ مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ یہ کہتی ہے کہ تو نے
تو طلاق رجعی واقع ہو گئی یا مغلطہ جبکہ شرط پائی گئی ہو۔ تین طلاق کو کہا تھا زوج طلاق دینے کا اقرار ہی ہے

لیکن یہ کہتا ہے کہ مجھے تین طلاقیں معلق کرنیکا شک ہے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ تین
طلاقیں معلق کی ہیں ہاں ایک طلاق ضروری ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت
میں تین طلاق رجعی متصور ہے یا مغلطہ؟ بیہودہ توجہ والے

عبد الرحیم موضع نگلہ ضلع میرٹھ

الجواب : صورت مذکورہ میں جب عورت کو تین طلاقیں معلق کرنے کا یقین ہے
تو اس مرد سے علیحدگی واجب ہے اسکو اسکے ساتھ رہنا جائز نہیں بلکہ عدت کے بعد
جس سے چاہے نکاح کر لے پھر اگر دوسرا شخص بعد دخول کے طلاق دیدے تو زوج
اول سے نکاح کر سکتی ہے بعد عدت ثانی کے اور یہ جب ہے کہ عورت کو تین طلاق کا یقین
ہو اور اگر اسکو یہی شک ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ رہا یہ کہ مرد تین طلاق
کا منکر ہے اور اسکو اس میں شک ہے تو اس اختلاف کا فیصلہ مفتی نہیں
کر سکتا بلکہ قاضی اسلام کر سکتا ہے یا وہ مسلمان شخص جس کے پاس
فریقین فیصلہ کیلئے مقدمہ پیش کریں اور وہ قاعدہ شرعیہ کے موافق تحقیق کیلئے

فیصلہ کرے مگر جب عورت کو تین طلاق کا یقین ہو تو اسکو قاضی یا محکم کے پاس مرا فہ جائز نہیں جب کہ زوج سے علیحدہ ہو جانے پر قادر ہو یا اگر زوج سے علیحدہ ہونے پر قادر نہ ہو تو مرا فہ کرنا چاہئے پھر اگر فیصلہ عورت کے قول پر نہ ہو تو عورت کو گناہ ہوگا بلکہ زوج کو گناہ ہوگا اگر وہ کاذب ہے۔ واللہ اعلم۔

حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدیہ ۱۲ شوال ۱۳۶۸ھ

تعلیق طلاق بآء دین کی ایک صورت کا حکم (سوال) مدیون نے وعدہ کیا کہ دائن کو مبلغ لکھ ماہ بھادون میں یکمشت ادا کر دوں گا بلا عذر اگر اس وقت ندوں تو میری عورت پر تین طلاق پڑ جائے اھ ماہ بھادون قبل کچھ مدت کہا کہ دائن کی برادرزادی جو کہ میری بہو ہے وہ چالیس روپیہ میری مکان سے چوری کر کے لی گئی اور دائن کو دیدیا جو کہ اسکا چچا ہے مگر چوری کا ثبوت اب تک نہیں ہوا غوام نے اور نیز حیدر مولویوں نے مجلسیں کیں مگر شور و شغب ہو گیا اور کچھ ثابت نہ ہوا، اب عرض ہے کہ سرقہ ثابت ہو کر دائن کو روپیہ بلجانا بھی ثابت ہو جائے یا سرقہ ہی ثابت نہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں تعلیق طلاق کا کیا حکم ہوگا بصورت عدم ثبوت سرقہ وعدم وصول دین الی الدائن وقوع جزا تو ظاہر ہے مگر بصورت ثبوت بھی راجح وقوع جزا ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ مدیون کی عبارت (یکمشت ادا کر دوں گا) میں نسبت ایصال الی نفسہ ہے اور بصورت ثبوت سرقہ وصول دراہم الی الدائن ایصال من نفسہ بتایا گیا حالانکہ وہ ایصال پر قادر تھا اگرچہ وہ مال مسروقہ کے سوا دوسری دراہم دیدیتا سوال کے قیود کو ملحوظ فرما کر جواب سے سرور الوقت فرمائیں۔ عہ

عبدالسلام ڈاکٹرانہ بنچے رامپور معرفت پوسٹا سٹریٹ ضلع تیرہ ملک بنگلہ

عہ اور اگر یہ حکم عورت کے خلاف فیصلہ کرے اور عورت کو تین طلاق کا یقین ہے قلت فہو کما قضی القاضی بعد وقوع الثالث لعدم الشهادة وهي متيقنة بالمثل فان المحكم كالقاضي الا في الحدود والقصاص قال الشافعي وفي البزارية عن الاوزجندی انها ترفع الامر للقاضي فان حلف ولا بنية لها فلا ثم عليه اھ قلت ای اذا لم تقدر على الفداء والهرب ولا على منع عنها فلا ینافی ما قبلہ اھ (ملک ج ۲) قلت قوله اذا لم تقدر الخ قيد لقوله ترفع الاموالی القاضي ومغادره انها لا ترفع الامر الى القاضي اذا قدرت على احد الامور المذكورة والله اعلم. ظفر ۳

عہ آجکل اس ضلع کا نام کلا ہے۔ دلاور حسین کلائی۔

الجواب : ہاں الفاظ تعلیق کے ظاہری مقتضا تو وہی ہے جو سائل نے سمجھا ہے لیکن بدالالت حال یہ تعلیق محتمل تخصیص کو ہے جسکی نظیر یہ ہے جو فقہار نے باب الیمین میں بیان کی ہے لو سلف لیخبرن الوالی بکل ودا مرید دخل فی البلد فوعزل الوالی فلا یحنت بنتک الاخبار لانہ مفید بحال ولایتہ ایسے ہی ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ عالف کا یہ کہنا کہ دائن کو بھادون میں للعہ یکثمت ادا کر دو نگا اگر ندوں تو بیوی پر تین طلاق پڑ جائے اھ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اگر دائن کسی ذریعہ سے خود اس رقم کو میرے مال سے وصول نہ کرے، کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر دائن اس کے مال میں سے للعہ خود سرقہ کر لیتا تو اس صورت میں عالف بوجہ عدم اداء کے حائث نہوتا کیونکہ عالف نے اداء دین کی بابت حلف کیا ہے اور اس صورت میں وہ دیون نہیں رہا اسطرح اگر دائن نے خود سرقہ نہیں کیا بلکہ کسی دوسرے نے عالف کے مال میں سے للعہ چورائے اور دائن کو دیدئے اور دائن کو سرقہ کا حال معلوم ہے تو اس کے ذمہ اس کا اظہار واجب ہے اور بیعت کتمان وہ بھی سارق ہوا لہذا دیون دین سے بری ہو جائے گا اور عدم اداء سے حائث نہوگا یہ اس صورت میں ہے جب کہ سرقہ کا واقعہ صحیح ہو اور اس رقم مسرقہ کا دائن کے پاس پہنچنا محقق ہو جائے گو شہادت سے ثبوت نہو مگر عالف کے نزدیک یہ امر محقق ہو چکا ہو اگر ایسا نہ ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون ۲۶ ج ۲۷

تعلیق طلاق کی ایک صورت | (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں زید نے ہندو سے نکاح کیا اور نکاح کے کچھ عرصہ بعد اقرار نامہ ایک روپیہ کے کاغذ پر تحریر کیا جسکی عبارت معصودہ بعینہ نقل کی جاتی ہے :

اقرار کرتا ہوں کہ زوجہ خود اور موجودہ بچہ کی پرورش کا خرچ حسب حیثیت خود ماہ بمہ ماہ ہر ایک ماہ کی یکم تاریخ کو ان کے والدین کے نام بذریعہ منی آرڈر روانہ کرتا رہو گا کوئی ماہ ناغہ نہ کرونگا بصورت عدم ادائیگی خرچ مقررہ بالا مسلسل تین ماہ متواتر روانہ نہ کروں تو زوجہ میری اس وقت میری جانب سے مطلقہ مقبور کی جاوے گی اور زوجہ میری مذکور کو اختیار ہوگا کہ وہ مجھ سے دوری علیحدگی اختیار کرے اور اسکے والدین کو اختیار ہوگا کہ وہ برائے آئندہ اسکی

تجویز ثانی برضی خود جائے دیگر کردے میں اوسمیں کوئی عذر اعتراض نہ کرونگا اگر کرونگا تو وہ میرا عذر و برودے برادری و اہل محلہ و حکام وقت قطعی قابل سماعت نہ ہوگا اور ساتھ ہی پورے اصل اقرار نامہ کی نقل بھی روانہ کی جاتی ہے جس میں سے یہ عبارت روانہ کی گئی ہے کہ یہ اقرار نامہ ۸ اگست ۱۹۲۸ء کو لکھا گیا۔ زید نے اکتوبر ۱۹۲۸ء کے آخر میں جبکہ تین ماہ گزر جانے والے تھے محض مبلغ صر پانچ روپیہ عورت کے والدین کے نام روانہ کئے اس سے پہلے بالکل روانہ نہیں کیا اب یہ دوسری سٹہ ماہی گزر رہی ہے ابھی تک کچھ روانہ نہیں کیا ہے۔ لائق سوال یہ امر ہے کہ عبارت بالا کے اعتبار سے اس عورت پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور کس صورت میں تین طلاق واقع ہوگی؟ فقط۔

حافظ محمد غوث محلہ اندر کوٹ توپچی واڑہ شہر میرٹھ

الجواب :- بغیر خرچ بھیجنے کے کوئی سہ ماہی گزر جائیگی تو زید کی زوجہ پر طلاق واقع ہو جائیگی اسوجہ سے کہ زوجہ کہہ سکتا ہے کہ سہ ماہی گزشتہ میں میری حیثیت پانچ ہی روپیہ کی تھی یا اگر حیثیت کی مقدار معین کر کے وقوع طلاق کو معلق کرنا اسکے نہ بھیجنے پر تو مقدار سے کم بھیجنے پر طلاق واقع ہو جاتی ہے لہذا زید کی زوجہ پر اب تک طلاق واقع نہیں ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔ اجابہ و کتبہ حبیب المسلمین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

صورت مندرجہ سوال میں زید کا زوجہ مطلقہ ہوگی کیونکہ زید کہتا ہے کہ ہر ماہ کی یکم کو ماہ بے ماہ خرچ بھیجا کروں گا اور مسلسل متواتر تین ماہ روانہ نہ کروں تو مطلقہ متصور ہوگی جبکہ زید نے اول ماہ کی یکم کو اور دوسرے ماہ کی یکم کو اور تیسرے ماہ کی یکم کو خرچ نہیں بھیجا تسلسل تو اترا جاتا رہا شرط کا تحقق ہو گیا طلاق پڑ گئی۔ ہدایہ میں جو اضافہ الی شروط وقع عقیب الشرط۔ واللہ اعلم ریاض الدین عفی عنہ

ہمارے نزدیک پہلا جواب صحیح ہے کہ زید کی زوجہ پر اب تک طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ مسلسل تین ماہ خرچ روانہ نہ کرنا اسوقت صادق آسکتا ہے جبکہ پورے تین مہینے بدون خرچ بھیجے گزر جائیں اور صورت مسئلہ میں اگست کا مہینہ ناقص ہے اور اکتوبر میں خرچ آہی گیا اور عرف یہ ہے کہ جس مہینے کے اندر کوئی معاملہ ہوتا ہے تو ابتداء

اُسی تاریخ سے ہوتی ہے پس لازم ہے کہ اس مہینہ کی آٹھ تاریخ سے تیسرے مہینہ کی آٹھ تاریخ تک زمانہ بدون خرچ بھیجے گزر جاتا تو طلاق واقع ہو جاتی مگر یہاں تو اس مدت کے اندر ہی خرچ آ گیا ہے لہذا طلاق واقع نہ ہوگی اب دوسری سہ ماہی کی ابتدا ۸ نومبر کے بعد سے ہوگی خرچ پہنچنے کی تاریخ سے نہ ہوگی کیونکہ بظاہر زید نے یہ خرچ ایک سہ ماہی کا بھیجا ہے اور چونکہ اقرار نامہ میں خرچ کی مقدار کو واضح نہیں کرایا گیا بلکہ زید نے اس کا معیار اپنی حیثیت پر رکھا ہے اسلئے اسکو یہ گنجائش ہے کہ اس خرچ کو پوری سہ ماہی کا خرچ بتلائے اگر عورت زید کی حیثیت اس سے زائد سمجھتی ہے تو حکومت سے مرافعہ کرے کہ اس اختلاف کا فیصلہ حکومت ہی کر سکتی ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر طغرا احمد عقاعدہ

از تھانہ بھون صہ رمضان ۱۴۲۸ھ

(سوال) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
ابا بعد معروض خدمت اقدس ہے کہ حسب تحریر جناب صورت مسئلہ کے متعلق کا بین نامہ کی سنگالہ عبارت اور بعینہ اردو ترجمہ مع تقریر فریقین پیش خدمت ہے امید قوی کہ مع الدلائل جواب تحریر ہو ویگا اور حضور پر نور کے دستخط مبارک سے مزین فرمایا جاویگا دیگر عبارت کا بین نامہ کی مسئلہ مبعوث عنہا سے کوئی تعلق نہیں رکھتی وہ بالکل علیحدہ باتیں ہیں لہذا تحریر نہیں کی گئی۔

العارض احقر الناس محمد عبد الغنی غفرلہ ولوالدیہ ۲۱ دسمبر ۱۴۲۸ھ

ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ: اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کی کا بین نامہ میں چند شرائط لکھ دیں انہیں سے ایک یہ ہے کہ آپ کے زندہ رہتے ہوئے میں دوسرا کوئی نکاح نہیں کرونگا اور سر یہ نہیں رکھوں گا اور نکاح فضولی نہیں کرونگا اگر کروں یا رکھوں ظاہر ہوتے ہی وہ عورتیں (۱) (۲) (۳) طلاق ہوئے۔ اگر اتفاقاً دوسرے نکاح کرنیکی ضرورت ہوئے تو آپ اور آپ کے اولیاء سے علیحدہ علیحدہ اذن لیکر کرونگا۔

بعد مدت کے اس شخص نے بلا اذن ولی کے فقط زوجہ سے اذن لیکر دوسرا نکاح کیا ہے اب اس دوسری زوجہ کی طلاق پڑنے میں علماء دو فریق ہیں۔ ایک فریق ایک طلاق بائن

کہتے ہیں۔ دوسرا فریق طلاق ثلاثہ مغلطہ فرماتے ہیں۔

(تقریر فریق اول یعنی قائلین واحد طلاق بائن)

یہ ہے کہ صورت مرقومہ میں ایک طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ جملہ (۱) (۲) (۳) طلاق ہوئے
تفریق طلاق ہے اور طلاق غیر المدخول بھاکی تفریق طلاق سے ایک طلاق بائن ہوتی ہے بدلیل۔
قال لزوجه غیر المدخول بها انت ثلاثا وقعت وان فرق بوصف نحو انت
طالق واحدة واحدة او خبر نحو انت طالق طالق او جمل نحو
انت طالق انت طالق انت طالق بانت بالاولی ولم تقع الثانية والثالثة۔
(در مختار مع رد المحتار)

(تقریر فریق ثانی یعنی قائلین ثلاثہ مغلطہ یہ ہے)

کہ صورت مسئلہ میں طلاق ثلاثہ مغلطہ واقع ہوگی دو وجہ سے (وجہ اول) یہ ہے کہ صورت
مسئلہ کو انت طالق واحدة واحدة پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ آسمیں
تین احاد کو جدا گانہ کہا ہے اور صورت مسئلہ میں تین احاد کو جمع کرتے ہوئے کہا ہے یعنی (۱)
کیسا تھ اور (۱) جمع کر کے (۲) اور (۲) کیسا تھ اور (۱) جمع کر کے (۳) کہا گیا۔ اور آخر کلام مغیر ہے
واسطے اول کلام کے پس ۱-۲-۳۔ طلاق کے لفظ سے مجموع تین طلاق دفعۃً واقع ہوئیں متفرق
طور پر کیونکہ تفریق طلاق پر محمول ہونیکے لئے یہ شرط ہے کہ آخر کلام مغیر اول کلام کا ہو جیسا کہ
فتح القدیر۔ مصری ج ۲ ص ۳۹۲ میں ہے۔ قوله وان فرق الطلاق بانت بالاولی ولم
يقع الثانية) وذلك كقوله انت طالق طالق طالق لانه ليس في اخرا الكلام
ما يغير اوله ليتوقف اوله فلم يقع بطلاق الاول شيء فان قيل لو
قال بالواو طالق و طالق و طالق واحدة واحدة واحدة فالحكم
كذلك مع ان الواو للجمع وهو يغير حكما التفريق اذا الحاصل به كالحاصل
بطلاق ثلاثا وحكمها مختلف لان في التفريق تبين بواحدة فيلغى
ان يتوقف الصدر فيقع الثلث كما قال مالك واحمد قلنا الجمع
الذي يباين التفريق حكما هو الجمع بمعنى المعية المغير له كلفظ ثلاثا
ونحوه وليس الواو للجمع بهذا المعنى الخ اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ لفظ ثلاثا
مغیر تفریق ہے پس واحدة کے بعد اگر ثلاثا مذکور ہو تو فقط واحدة سے ایک طلاق واقع ہوگی

بلکہ ثلاثاً پر موقوف رہنے کی وجہ سے مجموع تین طلاق واقع ہوگی جیسا کہ صورت مسئلہ میں ہے۔
 سوال۔ یہ تو تنجیز طلاق میں ہے اور صورت مسئلہ تو تعلیق طلاق ہے اور شرط و جزا ایک
 کلام ہے اور اسمیں اخیر کلام (جزا) اول کلام (شرط) کا مغیر نہیں ہے جواب ۱۔ ۲۔ ۳۔
 طلاق کا لفظ جب حکم میں تقریق کے نہیں ہے بلکہ حکم میں جمع کے ہے تو صورت تعلیق میں اس کا حکم
 بعینہ ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثاً کے حکم میں ہوگا یعنی بعد وجود شرط کے تین
 طلاق واقع ہونگی کما لا یخفی (وجہ ثانی) یہ ہے کہ قاعدہ مسلمہ فقہیہ ہے الطلاق یقع بعد
 قرن بہ لا بہ نفسہ اور ولا بد من کون العدد متصلہ بالایقاع۔ درمختار
 مع رد المحتار ج ۲ ص ۴۹ مصری، بحر الرائق مصری ج ۳ ص ۳۱۵ اور صورت مرقومہ
 میں ایقاع کے لفظ (یعنی طلاق ہوئے) کیساتھ ۳ کا عدد متصل ہے نہ ۱۔ اور ۲۔ پس ۳ ہی
 موثر ہوگا نہ ۱۔ اور ۲۔ پس طلاق ثلاثہ مغلطہ واقع ہوگی۔ سوال۔ ۱۔ اور ۲ کے عدد سے
 ۱۔ طلاق۔ ۲۔ طلاق مراد ہے پس ۱۔ اور ۲ بھی متصل یا لطلاق ہے جواب فقہ کا متفقہ
 قاعدہ ہے الوقوع بلفظ لا بقصدہ درمختار۔ ۱۔ اور ۲ کیساتھ جب طلاق ملفوظ نہیں
 مراد اور مقصود ہونے سے وقوع طلاق میں ہرگز موثر نہیں ہوگا۔ انتہی۔ اب معروض خدمت
 اقدس ہے کہ کس فریق کا حکم صحیح اور نافذ ہے با دلائل تحریر فرما کر بندگان خدا کو ورطہ ہلاکت
 سے نجات دیوں! جزاکم اللہ تعالیٰ خیراً۔

الجواب: فریق ثانی کا جواب صحیح ہے یعنی صورت مسئلہ میں طلاق ثلاثہ کی تعلیق
 ہوئی تھی اور وجود شرط کی وقت ہر سہ طلاق مجموعہ واقع ہو گئیں اور فریق اول نے جو قاعدہ
 نقل کیا ہے وہ صحیح تو ہے لیکن اسمیں کلام ہے کہ صورت مسئلہ میں جو الفاظ تحریر کئے گئے
 ہیں وہ تفریق طلاق پر دال ہیں یا نہیں اور اردو کے الفاظ کو عربی پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے
 کیونکہ دونوں کا محاورہ عدد معدود کے استعمال میں مختلف ہے اور اردو فارسی کا محاورہ اس
 باب میں متحد ہے اسلئے فارسی پر قیاس کیا جاوے گا اور فارسی کے جزئیہ کا حکم خلاصہ
 الفتاویٰ ص ۵۷ ج ۲ میں صریح موجود ہے قال وکذا لو قال اگر فلا نہ بری کہتم
 از من بیک طلاق و دو طلاق و سہ طلاق فتزوجھا تطلق واحدة ولو قال بیکی و
 دو و سہ طلاق ثم تزوجھا یقع الثلاث و تمام ہذا فی خذائے
 الوقعات اھر اور جب صریح جزئیہ موجود ہے تو قواعد میں غور کرنیکی حاجت نہیں

اسلئے فریق ثانی کے ادلہ کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی فقط
 تنبیہ : سوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ میں وقوع طلاق کا حکم اس بنا پر
 کیا گیا ہے اس شخص نے اولیاء زوجہ سے اجازت نہیں لی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ
 اولیاء زوجہ سے اجازت لے لیتا تو طلاق واقع نہ سمجھی جاتی اور یہ صحیح نہیں اسلئے لکھا جاتا
 ہے کہ کاہن نامہ میں طلاق کے متعلق جملہ ختم کرنیکے بعد جو کلام مستأنف لکھا ہے کہ
 اگر اتفاقاً دوسرے نکاح کی ضرورت ہوتی تو الخ یہ جملہ طلاق کی قید نہیں بلکہ کلام مستقل
 ہے اور جملہ تعلیقہ میں صرف تاحیات عورت کیساتھ طلاق آخری کو معلق کیا ہے پس اگر
 اولیاء سے بھی اجازت لیکن نکاح ہوتا تب بھی وقوع کا حکم کیا جاتا اور اب جب تک
 زوجہ اولی حیات ہے اسوقت تک کوئی نکاح کرے گا تو منکوحہ جدیدہ پر تین طلاق واقع
 ہو جاوے گی اگرچہ وہ نکاح زوجہ اور اولیاء زوجہ کی رضامندی ہی سے ہو بلکہ اس عورت
 موجودہ کو جس کیلئے یہ کاہن نامہ مذکورہ لکھا ہے یہ شخص اگر طلاق دیدے تب بھی عورت
 موجودہ کی حیات میں دوسری عورت سے نکاح کرنے پر طلاق مغلفہ ہو جاوے گی البتہ
 جس عورت پر طلاق ہو چکی ہے اس سے عورت مذکورہ کی حیات میں بھی بعد زوج ثانی مع شرائط
 معلومہ نکاح کیا جاوے تو وقوع طلاق کا حکم نہ کیا جاوے گا قال فی تنویر الابصار و
 الفاظ الشرط ان و اذا و اذا ما و کل و کلما و متی و متی ما و فیہا (کھا
 (تنحل الیمین اذا وجد الشرط مرة الا فی کلما الخ) (شامی ص ۲۷۵) -
 اور صورت مسئلہ میں اگر کروں یا رکھوں تو وہ عورتیں الخ مشتمل ہے کلمہ ان پر لفظاً اور
 کلمہ کل پر تقدیراً۔ پس اس قول کی عموم انکھ پر دلالت نہوگی فقط عموم منکوحات پر دلالت
 ہوگی کہ پہلی مرتبہ ہر عورت نے نکاح موجب طلاق ہوگا قال الشامی تحت (قولہ و کذا
 کل امداء الخ) ای اذا قال کل امرأة اتزوجها طالق والجبلة فیہ ما فی البحر
 من انه ین وجه فضولی و یجین بالفعل کسوق الواجب الیہا او
 یتز وجہا بعد ما وقع الطلاق علیہا لان کلمة کل لا تقتضی التکرار (ص ۲۷۵)
 کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ تھانہ بھون۔ الجواب صحیح ظفر محمد عفا عنہ ۲۳ ج ۲ سنہ ۲۵ ما شاء اللہ (از حضرت مولانا ظہیر)
 عہ چونکہ دلائل مسطورہ میں کلام ہے جسکے واسطے بسط کی ضرورت ہے اسواسطے اس مختصر رکھایت کی بلا ضرورت تطویل نہیں کی گئی ۱۲ منہ
 عہ صورت مسئلہ میں تزویج فضولی کی بحث شامی میں دیکھی جاوے قبیل فصل المشیئة باب النذر ۱۲ منہ

ارزادہ سے بین باطل ہو جاتی ہے تعلیق باطل نہیں ہوتی (سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں جوابات مشرح اور صاف ہوں صحیح حالات حسب ذیل ہیں۔

سوال اول: زید حنفی نے اپنی حالت بلوغ میں کہ ابھی اسکی شادی نکاح نہیں ہوئی تھی اس سے قبل ہی کسی صاحب کے کہنے پر اس طرح پر حلف کیا کہ اگر میں آئندہ فلان فعل حرام شرعی کا مرتکب ہوں تو میری بیوی پر طلاق اور جب کبھی میں نکاح کروں میری بیوی پر طلاق اور انشاء اللہ وغیرہ کچھ نہیں کہا دو تین دن کے بعد اسے معلوم ہوا کہ انشاء اللہ کہنے سے یہ تعلیق طلاق کیلئے مفید نہیں رہتی لیکن انشاء اللہ حنفی مذہب کے مطابق متصل ہونا چاہئے تاہم اگر منفصل یعنی اب بھی اس نیت سے انشاء اللہ کہہ لیا جائے تو امام شافعی کے مسلک کے مطابق جائز ہے پھر حال زید نے انشاء اللہ کہہ لیا اور عرصہ تک اپنے حلف پر قائم رہا پھر بد قسمتی سے نکاح سے قبل ہی اس فعل حرام شرعی کا مرتکب ہو گیا جس پر حلف کیا تھا اور زید کو اپنے حادث ہونیکا یقین کامل ہو گیا کہ اب میں تمام عمر شادی نہیں کر سکتا اگرچہ شافعی کے مذہب کے مطابق وہ جواز سمجھتا تھا مگر حنفی ہونے کے ساتھ یہ گوارا نہ ہوا کہ محض نفس کے لئے مذہب راجح کو ترک کرے بہت پریشان ہوا اور بالقصد کلمہ کفر زبان سے نکال کر بالقصد مرتد ہو گیا تاکہ عقود اسلامی سے چھوٹ جائے اور کوئی ذمہ داری نہ رہے پھر تجدید کلمہ کر کے مسلمان ہو گیا اب اس کا یہ خیال ہے کہ اس جیلہ ارتداد کی وجہ سے وہ تعلیق مفقود ہو گئی اور میں نکاح کر سکتا ہوں جواب عنایت ہو کہ اسکو نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں اور پھر اسکا نکاح باقی رہے گا یا نہیں صاف مشرح ارشاد ہو۔

عبدالرحمن از حیدر آباد دکن

الجواب وهو الموفق للصواب: في الدر المختار (وهو) ای الکفر (ببطلها) اذا عرض بعدها (فلو حلف مسلما ثم ارتد) والعياذ بالله تعالى (ثم اسلم ثم حنث فلا كفارة) اصلا لما تقرران الاوصاف الراجعة للمحل يستوي فيها الابتداء والبقاء وقال الشافعي تحت قوله (لما تقرر) علة لكون الكفر العارض مبطلا لليمين كالکفر الاصلی (ص ۹۵ ج ۳) وقال ايضا (ملك) تحت قوله (وشرطها الاسلام) واعلم ان اشتراط الاسلام انما يناسب

عمہ کہاں لکھا ہے ۱۲ اشرف علی

الیمن بالله تعالیٰ والیمن بالقرب نحو ان فعلت کذا فعلى صلاة واما الیمن بخیر تقرب نحو ان فعلت کذا فانت طالق فلا یشترط له الاسلام کما لا یجفی اور روایت اولی سے معلوم ہوا کہ ارتداد سے یمین باطل ہونیکے وجہ یہ ہے کہ کفر منافی یمین ہے اور روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ کفر منافی تعلیق نہیں پس جب تعلیق کیلئے اسلام شرط نہیں ہے تو ارتداد سے تعلیق باطل نہیں ہوتی پس ارتداد سے اعمال اسلام کا بطلان وغیرہ بحد نقصان و خسارہ حاصل ہوا اور جو نفع اپنی غلطی سے سوچ کر اس قدر جرم عظیم کا ارتکاب کیا وہ حاصل بھی نہ ہوا۔

اور اب بھی وہی صورت اختیار کرنی پڑیگی جو ارتداد سے قبل ہو سکتی تھی بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس وقت دریافت نہ کیا اور معصیت سے بچنے کے واسطے اس المعاصی کو ترجیح دی جو بعید از قیاس ہے اللہ تعالیٰ ایسی کجی اور اغوائے شیطانی و نفسانی سے پناہ میں رکھے (آمین ثم آمین)۔

اب حنفی مذہب کے مطابق حسب تصریحات فقہاء اس شخص کے واسطے نکاح کی ایک سبیل ہے وہ یہ کہ کوئی فضولی اسکا نکاح کر دے اور یہ اس نکاح فضولی کو قولاً قبول نہ کرے بلکہ فعلاً قبول کرنا ظاہر کرے مثلاً کل یا بعض مہر ادا کر دے اس طرح نکاح بھی صحیح ہو جائیگا اور اس عورت پر طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

تنبیہ : فضولی اسکو کہتے ہیں جو اپنی طرف سے بطور خود بغیر وکالت و ولایت کسی دوسرے کا نکاح کر دے پس اگر یہ شخص کسی کو یوں کہے کہ تم فضولی ہو کہ میرا نکاح کر دو تو اس کے کہنے سے وہ وکیل بن جائے گا فضولی نہ رہے گا اور مقصود حاصل نہ ہوگا اس واسطے کسی سے فضولی بننے کی درخواست نہ کرے بلکہ دو تین آدمیوں کے سامنے یوں کہے کہ مجھے اس کی ضرورت ہے کہ کوئی فضولی میرا نکاح کر دے پھر ان میں سے کوئی شخص بطور خود اسکی طرف سے ایجاب یا قبول کر لے کما فی الشامی عن البحر وینبغی ان یحییٰ الی عالم ویقول له ما حلف و احتیاجہ الی نکاح الفضولی فیزوجه العالم امرأة ویجین بالفعل فلا یحنت و کذا اذا قال لجماعة لی حاجة الی نکاح الفضولی فزوجه و احدمنہم اما اذا قال لرجل اعقد لی عقد فضولی یکون توکیلا اور (مبیہ) فقط واللہ اعلم

(سوال) عبدالرحمن اور اسکی بیوی ہاجرہ میں باہمی منازعت

تھی اسبوجہ سے ہاجرہ اپنے ماموں کے گھر مقیم تھی ماموں اس کو خاوند کے سپرد کرنے سے (منہ آنکھ وہ کافی اطمینان اسکے ساتھ حسن معاشرت کا نہ والے) مانع و حارج تھا عبدالرحمن ایک مرتبہ ہاجرہ کو لینے کیلئے ماموں کے گھر آیا اور اطمینان کیلئے یہ تحریر لکھدی الفاظ تحریر بعینہ یہ ہیں۔
 میں کہ عبدالرحمن پسر حاجی عبدالکریم مرحوم قوم شیخ ساکن گڑھی پختہ ضلع مظفرنگر کا ہوں جو کہ میری زوجہ ہاجرہ خاتون اپنے حقیقی ماموں مسمی عبدالحکیم کے یہاں ہے میں اسکو اپنے یہاں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں کہ جس وقت اسکے ماموں مسمی عبدالحکیم اسکے بلانے کا نوٹس چھکودینگے میں اندر میعاد ایک ماہ کے اپنی زوجہ کو اسکے ماموں کے مکان پر پہنچاؤنگا اور انکار نہ کرونگا اور اگر اس صورت میں نہ بھیجوں اور بھیجنے سے انکار کروں تو اس انکار سے میری زوجہ کو طلاق بائن واقع ہو جائیگی۔

اس تحریر کے لکھنے پر ہاجرہ کا ماموں اس کو عبدالرحمن کے ساتھ بھیجنے پر آمادہ ہو گیا مگر چونکہ زیور یہاں موجود نہ تھا بلکہ دہرہ دون کسی کے پاس رکھا ہوا تھا اسلئے زیور کے انتظار میں بتراضی طرفین اس وقت ہاجرہ کو نہیں بھیجا گیا اور خاوند بخوشی اس کو چھوڑ کر گڑھی چلا گیا چار پانچ روز کے بعد پھر آیا اس وقت بھی زیور دہرہ دون سے نہ آیا تھا۔ شوہر پھر زیور کی انتظار کیوجہ سے چھوڑ کر چلا گیا اس دفعہ ماموں کے دل میں کچھ شبہات پیدا ہو گئے پھر تیسری دفعہ شوہر آیا تو ماموں نے اس سے اپنے شبہات پیش کئے اس پر عبدالرحمن نے مزید اطمینان کیلئے زبانی یہ الفاظ کہے : ”اگر میری طرف سے بدگمانی ہے کسی قسم کی مار پیٹ کروں تو زبانی الفاظ سے تم لوگوں کو اطمینان کر دیتا ہوں وہ یہ کہ اگر میں ماروں تو میری طرف سے جواب ہے۔ یہ جملے کہتے وقت فوراً ہی یہ کہا کہ میں نے ان الفاظ سے نیت طلاق کی نہیں کی۔“

ماموں نے ان الفاظ کو لکھوانا چاہا خاوند نے لکھنے سے انکار کیا اور اپر تنازع بڑھ گیا اور عبدالرحمن نے کہا کہ بھیجیو نہ بھیجو تم کو اختیار ہے میں لکھوں گا نہیں اور پھر یہ کہا کہ ”وہ میری تحریر،“ فروری ۱۹۲۹ء کی جو تین لکھائی تھی وہ میں نے اسی روز کیلئے لکھی تھی آج سے وہ میری تحریر کا عدم ہو گئی کیونکہ اس روز میرے ساتھ نہیں بھیجا الج، اس کے بعد خاوند نے بلانے کا نوٹس دیا تو بعض مصالح کی بنا پر یہ تجویز کیا گیا کہ لڑکی نوٹس کا جواب خود دے اور یہ لکھے کہ میں تیار ہوں تم آکر لیجاؤ چنانچہ خود آکر لیگیا۔ اور وہاں جا کر لڑکی پر تشدد کیا۔ مار پیٹ بھی ہوئی۔ ماموں نے بلانے کا نوٹس دیا تو بھیجا نہیں

پھر خود لینے کیلئے گیا اس وقت بھی نہیں بھیجا۔ اسپر ماموں نے یہ سمجھ کر کہ ایک ماہ تک نہ بھیجنے کی وجہ سے طلاق پڑ گئی ہے۔ خفیہ لڑکی کو اس کے گھر سے نکال کر ہمراہ لے آیا اب سوال یہ ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

جواب اول از دیوبند:

بحث و تفتیش کے بعد سوال میں یہ جزو قابل غور رہ گیا ہے کہ عبدالرحمن کی پہلی تحریر جسمیں انکار کو طلاق قرار دیا ہے وہ کس چیز پر معلق ہے آیا ماموں کی عدم ممانعت پر یا اپنے فعل یعنی لیجانے پر کیونکہ عبارت تحریر بغیر اسکے کہ بطور اقتضاء النص کے کوئی عبارت مقدر مانی جائے درست نہیں ہو سکتی اور تقدیر عبارت دو احتمال ہیں۔

(۱) اول یہ کہ میں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں کہ اگر اسکا ماموں بھیجنے میں خارج و مانع نہ ہو تو پھر جب وہ بلائیکا میں بھیجنے سے انکار نہ کروں گا تو یہ انکار طلاق بائن ہوگا۔

(۲) دوسرے یہ کہ میں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں کہ اگر میں اس کو لے گیا تو جب ماموں بلائیکا تو بھیجنے سے انکار نہ کروں گا الخ الغرض یہ تعلیق کسی فعل مقدر پر ہے یا ماموں کے فعل بھیجنے اور عدم ممانعت پر اور یا اپنے فعل یعنی لیجانے پر۔

پہلی صورت میں وقوع طلاق ظاہر ہے کیونکہ ماموں اسکے بھیجنے سے اسوقت خارج و مانع نہیں ہوا لہذا تحقق شرط کی وجہ سے یہ تحریر تعلیق منعقد رہی اور جب خاوند نے ماموں کے بلانے پر بھیجنے سے انکار کیا تو طلاق واقع ہو گئی۔

اور دوسری صورت میں عدم وقوع طلاق متعین ہے کیونکہ لیجانے کا تحقق اسوقت نہیں ہوا اب مدار بحث ان دونوں احتمالات میں سے ایک کی تعیین یہ ہے جسکے لئے کوئی حتمی چیز تو خیال میں نہیں آتی۔ البتہ قرائن احتمال اول کیلئے زیادہ معلوم ہوتے ہیں واللہ اعلم۔

قرینہ اولی یہ ہے کہ گفتگو اور بحث ابتداء سے خاوند کے فعل یعنی لیجانے میں نہ تھی بلکہ ماموں کے فعل یعنی ارسال و عدم ممانعت میں کلام تھا قرینہ ثانیہ تحریر لکھنے کا منشاء کوئی ابتداء کی تعلیق نہ تھی کہ اپنے فعل پر

معلق کیا جاتا بلکہ ماموں کا اطمینان دلانا مقصود تھا اسکی عدم ممانعت کے صلہ میں یہ تعلیق بطور اطمینان دلانے کے کی گئی ہے۔

قرنیہ ثانیہ خاوند نے اپنی آخری گفتگو میں خود یہ الفاظ کہے ہیں کہ:

وہ میری تحریر کا عدم ہو گئی کیونکہ اس روز میرے ساتھ نہیں بھیجا اس میں تصریح ہے کہ وہ اس تحریر کو اسلئے کا عدم کہتا ہے کہ بزعم خود ماموں نے نہیں بھیجا اپنے نہ لیجانے کو حجت میں پیش نہیں کرتا بلکہ ماموں کے نہ بھیجنے کو سبب سقوط تعلیق قرار دیتا ہے یہ قرائن احتمال اول کے موید ہیں جن سے وقوع طلاق مستفاد ہوتا ہے اور احتمال ثانی کا قرینہ صرف یہ ہے کہ اس نے اپنے الفاظ میں یہ کہا ہے کہ میں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں جسمیں لیجانے کا تذکرہ ہے بھیجنے کا نہیں۔

پھر احتمال اول پر تو خواہ تعلیق کو عین موبد قرار دیا جائے یا موافقت بالمرة الاولى بہر دو صورت طلاق واقع ہوگی کیونکہ عدم ممانعت اول مرتبہ متحقق ہو چکی۔ اور احتمال ثانی پر موبد ہونے کی صورت میں طلاق ہوگی کیونکہ باخر لیجانا متحقق ہو گیا جو شرط تعلیق تھا ولو بعد حیثین۔ اور موقت بالمرة الاولى ہونے کی صورت میں طلاق نہ ہوگی کیونکہ مرتبہ اولیٰ میں لیجانا متحقق نہیں ہوا باقی درمیانی گفتگو جسمیں یہ لفظ کہے تھے کہ اگر میں ماروں تو میری طرف سے جواب ہے، یہ زائد سے زائد کتا بہ طلاق ہو سکتا ہے مگر خاوند نیت طلاق کا انکار کرتا ہے اگر وہ اس پر حلف کرے تو ان لفظوں سے کوئی طلاق نہ پڑے گی اس لئے اس سے تعرض جواب میں نہیں کیا گیا، واللہ اعلم۔ بندہ محمد شفیع دیوبندی

جواب دومہ ران تھا نہ بھون:

احقر کے فہم ناقص ہیں یہ آتا ہے کہ صورت مسئلہ میں گو لفظاً عین موبد ہے ولیکن عرفاً قرینہ مقالیہ کے باعث یہ عین مقید ہے اسی سلسلہ گفتگو میں لیجانے کیساتھ یعنی اگر میں اس سلسلہ میں لیگیا اور ماموں کے بلانے پر نہ بھیجا تو طلاق واقع ہوگی اور اگر اس سلسلہ میں نہ لیگیا تو اس صورت میں تعلیق نہیں ہے و نظیرہ ما فی الہدایہ وغیرہ من انه اذا استخلف الوالی رجلاً لیعلمہ بكل دلع

عہ الاطلاق ۱۲ منہ

دخل البلد فهذا على حال ولايته خاصة اور اس طرح زبانی تعلیق یعنی اگر
 ماروں تو جواب ہے وہ بھی مقید ہے اسی وقت لیجانے کیساتھ لدلالة الحال عليه
 عرفاً اور اس وقت لیجانا متحقق نہیں ہوا لہذا دوسرے موقع پر لیجانے سے خاوند کے ذمہ
 اس تعلیق کی پابندی ضروری نہ تھی اور عدم پابندی سے طلاق واقع نہ ہوگی خواہ اس
 نہ لیجانے کا باعث ماموں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو بہر حال نہ لیجانے سے مین باطل ہوگئی
 اور مفتی صاحب نے جو تحریر فرمایا ہے کہ نہ لیجانے پر آئندہ تعلیق نہیں بلکہ نہ بھیجنے پر ہے
 اور ماموں نے بھیجنے سے انکار نہیں کیا اس لئے تعلیق باقی رہی اور نہ بھیجنا اقتضاء معلوم
 ہوتا ہے اسمیں احقر کو یہ اشکال ہے کہ اقتضاء کوئی دوسرا لفظ نکالا جاتا ہے جبکہ
 اس کے بدون کلام صحیح نہ ہو اور یہاں کلام بالکل صحیح ہے کیونکہ لیجانے پر تعلیق کرنا بالکل
 صحیح ہے پس کسی قرینہ پر دوسرا لفظ نکالنے کی حاجت نہیں خواہ قصہ کچھ ہی تھا مگر اس نے تعلیق
 کو مشروط کیا ہے لیجانے کیساتھ اور جو لفظ اس نے نہیں کہے وہ بلا ضرورت اس کے ذمہ نہ
 لگائے جاوینگے اور اخیر میں اس نے جو کہا کہ تم نے بھیجا نہیں اس سے وہ اپنے نہ لیجانے کی
 وجہ بیان کر رہا ہے اسمیں یہ اقرار نہیں ہے کہ تمہارے بھیجنے پر مین تعلیق کو معلق
 کیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
 خانقاہ امدادیہ تھا نہ بھون۔

جواب سوم از سہارنپور:

حامداً ومصلياً۔ اولاً جواب لکھا جاتا ہے اسکے بعد دوسرے جوابات کے متعلق
 عرض کیا جائیگا تحریر طلاق نامہ کے موافق اگر عبد الرحمن نے نوٹس کے بعد ایک ماہ کے اندر
 اپنی زوجہ کو اس کے ماموں کے یہاں نہیں بھیجا اور انکار کر دیا تو اس کی زوجہ پر ایک
 طلاق بائن واقع ہوگئی اور اگر ایک ماہ کے اندر اس نے اسکے بھیجنے سے انکار نہیں کیا بلکہ

معہ یعنی اسی سلسلہ میں ۱۲ منہ

معہ یعنی اس سلسلہ میں جانا نہیں ہوا بلکہ اس کو ماموں نے منقطع کر دیا اور بھیجنے سے صریح انکار کر دیا ۱۲ منہ

۱۲ اشکال سے قطع نظر کر کے اگر بھیجنے کو معلق علیہ کہا جاوے تب ہی اس پورے سلسلہ میں حارج نہ ہونا

مشروط ہوگا اور جب اخیر میں حارج ہو گیا تو شرط فوت ہوگئی ۱۲ منہ

وہ خود نہیں آئی یا اسکو کوئی لینے نہیں گیا تو طلاق واقع نہیں کیونکہ زوج نے جو طلاق نامہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ ”اپنی زوجہ کو اس کے ماموں کے مکان پر پھونچا دوں گا اور انکار نہ کروں گا“ یہ محض وعدہ ہے جو تعلیق سے خارج ہے تعلیق اس کلام کے بعد ہے۔

اور جو الفاظ اس نے زبانی کہے ہیں کہ ”اگر میں ماروں تو میری طرف سے جواب ہے“ یہ کنایات طلاق سے ہیں اسکے متعلق اس نے یہ بیان کیا کہ اس سے میری نیت طلاق کہ نہیں تھی اس میں محض اسکا قول معتبر نہیں ہاں اگر وہ حلیفہ بیان کرے کہ اس سے میری نیت

طلاق کی نہیں تھی تو اسکا قول معتبر ہے والقول له بيمينه في عدم النية ويكفي

تعليفها له في منزله فان ابي دفعته للحاكم فان نكل فرق بينهما دربرشائے

اور مولانا محمد شفیع صاحب نے جو معلق علیہ میں تشقیق فرمائی ہے احقر کے خیال ناقص میں اسکی ضرورت نہیں اور مفتی ثانی کی رائے اس کے متعلق درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ زوج خود اپنی تحریر میں لکھتا ہے کہ: اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں، لہذا اسکی تصریح کہہ ہوتے ہوئے احتمال آخر کی ضرورت نہیں باقی اس تعلیق کو یمین مقید قرار دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا اسوجہ سے کہ زوج کا اس وقت نہ لیجانا اور بعد میں تین بار آنا اور تیسری مرتبہ میں یہ الفاظ کہنے کہ آج سے وہ میری تحریر کا عدم ہو گئی یمین مقید ہونیکے صریح مخالف ہے اور مفتی ثانی نے جس قرینہ مقالہ کیوجہ سے اسکو مقید قرار دیا ہے وہ اتنا صریح نہیں نیز اسکی مفتی صاحب نے جواب میں تعبیر ہی نہیں فرمائی اسلئے یمین مقید قرار دینا قطعاً صحیح معلوم نہیں ہوتا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حرمہ سعید احمد مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۳ ارشوال ۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۹۹ھ

احقر کے نزدیک یہ جواب اقرب (الی ظاہر الفاظ السؤال) معلوم ہوتا ہے۔

بندہ عبد الرحمن غفرلہ

خلاصہ جوابات

(۱) جواب دیوبند کا یہ حاصل ہے کہ ایک طلاق بائن واقع ہو چکی ہے کیونکہ

لے یہ توجب ہوتا جبکہ مقید کہا جاتا اول روز کیسا تھا اور سلسلہ گفتگو کیسا تھا مقید کیا گیا اور گفتگو کا

سلسلہ ہنوز چل رہا تھا تو دوبارہ دوبارہ آنا خلاف کیسے ہوا ۱۲ عبد الکریم عفی عنہ

گفتگو بھیجنے پر ہو رہی تھی اس واسطے تقدیر کلام کی یوں ہوگی کہ اگر اسکا ماموں بھیجنے میں (اسوقت) خارج نہ ہو تو پھر جب وہ بلاویگا میں بھیج دوں گا اور اگر ایک ماہ تک نہ بھیجوں تو طلاق بائن واقع ہو جاویگا اور ماموں اسوقت بھیجنے میں خارج ہوا نہیں بلکہ زیور کی وجہ سے بتراضی طرفین بھیجنے میں تاخیر ہوئی ہے۔

(۲) اور احقر کے خیال ناقص میں خط کشیدہ تقدیر کی ضرورت نہیں بلکہ صریح لفظ جو اس نے شروع کلام میں استعمال کئے ہیں وہی مقدر مانے جائیں گے تقدیر یوں ہوگی کہ اگر میں اسوقت لیگیا یعنی اس سلسلہ میں تو پھر جب اسکا ماموں بلاویگا الخ اور اس وقت وہ لیکر نہیں گیا بلکہ ماموں نے انکار کر دیا اور انکار سے وہ سلسلہ گفتگوئے صلح کا منقطع ہو گیا اسلئے دوسرے موقع پر لیجانے کے بعد ماموں کے بلانے سے بھیج دینا لازم نہ تھا لہذا اس نہ بھیجنے سے طلاق نہیں ہوئی۔

(۳) جواب سہارنپور کا حاصل یہ ہے کہ تقدیر تو وہی صحیح ہے جوٹ میں لکھی ہے لیکن اس وقت کیسا تھا لیجانے کی قید مسلم نہیں بلکہ جب کبھی بھی لے گیا ہو بہر حال خاوند کے ذمہ لازم تھا کہ ماموں کے بلانے پر ایک ماہ کے اندر بھیج دیتا چونکہ اس نے بھیجا نہیں اس واسطے طلاق واقع ہو گئی۔

اختلاف کا منشا یہ ہے کہ جواب ۱ میں تعلیق کیلئے دو شرطیں قرار دی گئی ہیں اول لیجانا دوسرے اس وقت لیجانا جبب اول کو اسی وقت کی قید تو تسلیم ہے مگر بجائے لیجانے کے بھیجنے میں خارج نہ ہونا قید لگاتے ہیں اور جبب ثالث کو اسی وقت کی قید میں کلام ہے اور لیجانے کو تسلیم کرتے ہیں اور جواب ۲ میں جو ہر دو قید ملحوظ رکھی ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ خاوند کے یہ لفظ لکھے کہ میں اسکو اپنے ہاں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں الخ اس سے بوجہ صیغہ حال کے ونیز عرفی کے اسی وقت یعنی اسی گفتگو کے دوران میں لیجانے کی شرط ظاہر ہے، فقط واللہ اعلم۔

یہ خلاصہ مع اصل اجوبہ حضرت مولانا مدظلہم العالی کینہ مدت میں پیش کیا گیا حضرت والائے ملاحظہ فرما کہ مولوی حبیب احمد صاحب کو بھی بلایا اور احقر کو بھی اور بعد گفتگو کے یہ طے فرمایا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی یعنی جواب دوم کو صحیح فرمایا اور جواب دوم پر عاشیہ عہد مولوی حبیب احمد صاحب نے

وضاحت کیلئے اور حاشیہ سے حضرت والا نے تائید کے واسطے لکھوایا فقط والسلام
 احقر عبد الکریم مکتھلوی عفی عنہ
 مورخہ ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان
 سرے داماد سے اس تحریر پر کہ تو میرے حکم
 اور مرضی کے بغیر گھر سے نکلیگا الخ الی قولہ تو میری
 لڑکی کو تین طلاقیں ہو جائیگی الخ دستخط کر لئے
 پھر شوہر اس کے مظالم سے تنگ آکر بغیر اجازت کے
 نکل گیا تو اسکی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔

باب کے گھر رہنے لگا اور بعد چند مدت کے عورت کے
 باپ کے ساتھ جھگڑا ہوا اور گھر سے نکل کر کوئی دوسری جگہ پر اکیلا رہنے لگا اور بعد چند
 مدت کے وہ مرد پھر عورت کے باپ کے گھر رہنے کیلئے آیا تب اس عورت کے باپ نے اس قسم سے ایک
 کاغذ لکھ کر اس پر اس مرد کے دستخط کروائے کہ اگر اب کے تو میرے حکم اور مرضی کے بغیر میرے
 گھر سے نکلیگا اور میرے حکم اور مرضی کے بغیر کوئی کام کرے گی یا کسی جگہ پر نوکری کرے گی تو میری
 لڑکی کو تین طلاقیں ہو جائیگی اور اب اس مرد پر عورت کے باپ نے بہت ظلم کیا اور تکلیف
 دی تو وہ مرد بدون عورت کے باپ کے حکم اور مرضی کے گھر سے نکل کر دوسری جگہ پر اکیلا رہنے
 لگا اور نوکری کرنے لگا تو اب ایسی صورت میں عورت اس مرد کے نکاح میں رہ سکتی ہے یا
 نہیں اور اگر نہیں تو اسکی کیا دلیل ہے اور اگر رہ سکتی ہو تو اب کیا کرے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: صورت مسئلہ میں اس عورت پر تین طلاق واقع ہو چکیں خسر نے اس
 شخص پر جو ظلم کیا ہے اس کا گناہ خسر کے ذمہ رہیگا مگر اس ظلم کی وجہ سے جائیکہ حکم طلاق
 کے بارے میں وہی رہیگا جو بلا ظلم جانے سے ہوتا حکما ہو و مصرح فی کتب الفقہ و
 نقل فی الفتاویٰ الہندیہ عن الخلاصۃ وقوع الطلاق و فی
 آخرہ لان الا تیان مکرمًا او ناسیًا او عامدًا سواء فی تحقیق الحنث فقط
 واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
 مورخہ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ

(سوال) مخدوم و محترم دامت برکاتکم
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
 التماس ہے کہ ان دونوں ہمارے اطراف
 میں ایک مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہو رہا ہے
 واقعہ ہے کہ ملک بنگال میں گورنمنٹ کی طرف سے
 قاعدہ مقرر ہے کہ نکاح و طلاق دونوں کی رجسٹری
 نکاح سے قبل کا بین نامہ میں لکھ دیا کہ ہمارے تمہارے
 درمیان نکاح قائم رہتے ہوئے اگر ہم بلا اجازت
 تمہاری دوسری عورت کے ساتھ نکاح کریں تو
 اسکو طلاق ہے الخ پھر شوہر بلا اجازت زوجہ اولیٰ
 کی موجودگی میں دوسرا نکاح کر لے تو زوجہ پر
 طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔

ہوتی ہے یعنی زوج اپنی زوجہ کو ایک کا بین نامہ لکھ کر دیتا ہے اسی کی رجسٹری ہوتی ہے اور
 اُس میں یعنی کا بین نامہ میں بہت سی شرطیں ہوتی ہیں جسکے آخر میں وہ لکھتا ہے کہ اگر میں ان
 تمام شرطوں میں سے کسی ایک شرط کے بھی خلاف کروں تو میری زوجہ کو اختیار ہے کہ وہ اپنے
 نفس کو طلاق دیکر آزاد ہو جائے مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا، فی الحال ایک نکاح ہوا ہے اور
 محفل عقد میں قبل نکاح ہونیکے زوج نے اویا ئے مخطوبہ سے زبانی اقرار کیا اور کا بین نامہ
 بھی لکھ کر دیا اُس میں منجملہ تمام شرائطوں کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ہمارے تمہارے درمیان
 نکاح قائم رہتے ہوئے اگر ہم بلا اجازت تمہاری دوسری عورت کیساتھ نکاح کریں تو اس کو
 طلاق ہے۔ بعد اس اقرار کے عقد پڑھایا گیا۔ نکاح ہونے کے کچھ دن بعد اُس نے ایک دوسری
 عورت سے نکاح کیا اور زوجہ اولیٰ سے اجازت بھی نہ لیا۔ اب علماء میں اختلاف پیدا ہو گیا۔
 بعض زوجہ ثانیہ کے مطلقہ ہونے کے قائل ہیں اور بعض نہیں۔ احقر نے بھی اپنی استعداد
 کے موافق تحقیق کی مگر تشفی نہیں ہوئی بلکہ اور بھی الجھن بڑھ گئی۔ لہذا رفع شک کیلئے مکلف ہے
 امید کہ اس تصدیقہ معاف فرما دیں گے اور جواب شافی عنایت فرما دیں گے

فتاویٰ عالمگیری میں لکھتے ہیں۔ رجل قال لاجنیتہ ماعدت فی نکاحی
 فنکل امرأۃ اتزوجھا فھی طالق ثم تزوجھا فتزوج علیھا امرأۃ لایقع۔
 اس سے معلوم ہوا کہ وقت تعلیق معلق بہ کا موجود ہونا شرط ہے اور یہاں پر نکاح معلق
 بہ ہے وہ وقت تعلیق موجود نہیں لہذا زوجہ ثانیہ مطلقہ نہیں ہوگی، اور قاضی خان میں
 ایک جگہ پر دیکھا رجل قال ان تزوجت امرأة من بنات فلان فھی طالق
 ولیس بفلان وقت الیمین بنت شرجاءت له بنت فتزوجھا الحالف
 قالوا لا یحنت فی یمینہ ولیشترط قیام البنت وقت الیمین ولا یدخل

فی الیمین ما یحدث بعد الیمین۔ اسکے بعد نظیر میں ایک مسئلہ اور بھی لائے ہیں
اُسکے بعد لکھتے ہیں۔ الا ان هذا الجواب یوافق قول محمدؐ۔ اہا فی قیاس قول
ابی حنیفہؒ وابی یوسفؒ یدخل فی هذه الیمین ما صحت موجودہ
وقت الیمین وما یحدث بعده كما لو حلف ان لا یكلم ابن فلان
ولیس بفلان ابن ثم ولد له ابن وكلمه الخالف یحتمل فی قول ابی حنیفہ
وابی یوسف رحمہم اللہ ولا یحتمل فی قول محمدؐ اس عبارت سے معلوم
ہوتا ہے کہ امام محمد صاحبؒ کے نزدیک وقت تعلیق معلق بہ کا ہونا ضروری ہے اور شیخین
کے نزدیک ضروری نہیں، اب مسئلہ مستفسرہ میں امام محمدؐ کے قول سے تو زوجہ ثانیہ
مطلقہ نہ ہوگی کیونکہ قبل نکاح یہ سب شرطیں ہوتی نہیں اور شیخین کے قول کیطرف نظر
کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زوجہ ثانیہ مطلقہ ہو جائیگی اگرچہ وقت تعلیق نکاح نہیں ہوا
تھا مگر نکاح ثانی کیوقت زوجہ اولی اسکے نکاح میں موجود ہے لہذا تعلیق صحیح ہوگی
اور زوجہ ثانیہ مطلقہ ہوگی۔

قاضی خان فصل فی رسم المفتی میں لکھتے ہیں۔ وان كانت مختلفا فیہا بین
اصحابنا فان كان مع ابی حنیفہ رحمہم اللہ احد صاحبیہ یاخذ
بقولہما لوفور الشرائط واستجماع ادلة الصواب فیہا اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ شیخین کے قول کو اس جگہ ترجیح ہوگی۔ اور زوجہ ثانیہ مطلقہ ہو جائیگی۔ لیکن
عالمگیری سے جو جزئیہ نقل کیا وہ اس قدر صاف ہے کہ دوسری بات قبول کرنے میں الجہن
پیدا ہوتی ہے۔ اسلئے آپکی طرف رجوع کیا تاکہ سیدھا راستہ دکھلا دیں و اللہ اعلم و علمہ اتم
واعلم۔ المكلف خادم العلماء فذوی ابوسعید محمد عبدالشہید ہاتھ تیری لڑا کہا لوی۔

الجواب: مکرری السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپنے عالمگیریہ کے جزئیہ میں غور نہیں فرمایا۔ عالمگیریہ میں عبارت مذکورہ کے بعد یہ بھی
لکھا ہے۔ ولو قال ان تن وجنت فمادت فی نكاحی فكل امرأة اتزوجها
علیہا والمسئلة بحالها يقع كذا فی الوجیز للكری (صلیہ) اس سے معلوم ہوا کہ
صورت اولی میں عدم وقوع طلاق کا سبب یہ ہے کہ اجنبیہ کے بقاء نکاح کو امرأۃ متزوج
علیہا کی طلاق کا مدار بنایا گیا ہے اور جب اس سے نکاح نہیں ہوا نہ اسکے نکاح پر دوسری

عورت کے تزوج کو مرتب کیا گیا تو کلام لغو ہو گیا اور یہ بالکل ایسا ہے جیسا کوئی کسی عورت کو راستہ میں دیکھ کر یہ کہہ دے کہ اگر میں اس عورت کے اوپر کوئی اور نکاح کروں تو ثانیہ کو طلاق۔ یقیناً یہ کلام بالاتفاق لغو ہے کیونکہ وہ اجنبیہ نہ اسکے نکاح میں ہے نہ اسکے نکاح پر دوسرے نکاح کو مرتب کیا گیا۔ اور صورت ثانیہ میں وقوع طلاق کا سبب یہ ہے کہ گویاں بھی عورت اولیٰ ہنوز اسکے نکاح میں نہیں مگر اسکے نکاح پر دوسرے کے نکاح کا ترتیب ظاہر کر کے ثانیہ کی طلاق کو معلق کیا گیا ہے یہ تعلیق صحیح ہے کیونکہ اس صورت میں ثانیہ کو اولیٰ کے لحاظ سے متزوج علیہا کہنا ہی صحیح نہیں۔

خلاصہ یہ کہ ثانیہ کو اس شرط سے طلاق دی گئی ہے کہ وہ متزوج علی الاولیٰ ہو اور متزوج علی الاولیٰ ہونا اسپر موقوف ہے کہ یا اولیٰ نکاح میں ہو یا اولیٰ کے نکاح پر ثانیہ کے نکاح کو مرتب کیا گیا ہو کیونکہ بغیر اسکے ثانیہ متزوج علی الاولیٰ نہ ہوگی پس عالمگیر کے جرنیہ سابقہ میں عدم وقوع طلاق کا سبب کلام کا لغو ہونا ہے اور امام صاحب اور محمدؒ میں جو اختلاف ہے وہ اس صورت میں ہے جبکہ کلام کے معنی صحیح ہوں کہ اجنبیہ کی طلاق کو خود اسکے نکاح پر معلق کیا گیا ہو اس صورت میں یہ گفتگو ہے کہ اس اجنبیہ کا وقت تعلیق کے موجود ہونا ضرور ہے یا نہیں اور صورت سوال میں اجنبیہ کے نکاح پر اسکی طلاق کو معلق نہیں کیا بلکہ ثانیہ کی طلاق کو اس بات پر معلق کیا گیا ہے کہ وہ اولیٰ کے اعتبار سے متزوج علیہا ہو اور جب اولیٰ خود منکوحہ نہیں نہ کلام میں اسکے نکاح پر ثانیہ کا نکاح مرتب ہے تو ثانیہ کو متزوج علی الاولیٰ کہنا غلط ہے، فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظفر احمد عفاعنہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۹ شوال ۱۴۲۸ھ

طلاق معلق سے بچنے کا حیلہ | (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین

اس مسئلہ میں کہ زید نے غصہ میں اپنی منکوحہ سے یہ کہا کہ اگر تو اپنے باپ کے گھر جاوے گی تو تجھے تین طلاق ہیں اور اب تک وہ اپنے باپ کے گھر نہیں گئی۔ اب دریافت کرنا ہے کہ کوئی صورت ایسی بھی ہے کہ وہ اپنے باپ کے گھر چلی بھی جایا کرے اور طلاق نہ پڑے فقط والسلام

احمد حاجی موسیٰ ڈابھیلی

الجواب: صورت مسئلہ میں حیلہ یہ ہے کہ شوہر اپنی اس بیوی کو ایک طلاق

بائن ویدے اور عدت طلاق گزر جانے پر عورت اپنے باپ کے گھر چلی جاوے تو اس
 جانے سے طلاق واقع نہ ہوگا کیونکہ وہ اس وقت نکاح میں نہیں ہے اور اس جانے سے
 طلاق معلق کی تعلیق ختم ہو جائے گی کیونکہ کوئی لفظ تعلیق میں تکرار فعل پر مال نہیں
 نہ استمرار زمان پر اسکے بعد شوہر اس عورت سے نکاح کی تجدید کرے اب نکاح میں
 آنے کے بعد بھی وہ اپنے باپ کے یہاں آمد و رفت کر سکے گی لانحلال الشرط قال
 فی الہندیۃ اذا حلف بثلاث تطلیقات ان لا یكلم فلا نفا السبیل
 ان یطلقها واحدة بائنة ویدعها حتی تنقضی عدتها ثم یكلم
 فلا نائمیتزوجها کذا فی السراجیہ (ص ۲۶۱) واللہ تعالیٰ اعلم۔
 نطفہ احمد عفا اللہ عنہ۔

۱۰۔ اذ یقعہ ۴۹ تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۔

www.ahlehaq.org

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین حکم تعلیق طلاق زوجہ ثانیہ بحیات زوجہ اول۔

صورت مسئلہ مندرجہ ذیل کے بارے میں کہ عمر و ملکی رواج کے مطابق برات بیکر زید کے پاس گیا تو زید نے کہا کہ بغیر تحریر سند طلاق اضافی کے عمر و کو نکاح دختر نہیں دوں گا لہذا بعد چند قیل و قال کے عمرو نے ایک کاتب کو سند تحریر کرنیکی اجازت دی جو صرف بحرف ذیل ہیں درج کی جاتی ہے۔

من کہ علی افسر شاہ ولد عبداللہ شاہ قوم سید شہیدی ساکن نژان تحصیل مظفر آباد کا ہوں، چونکہ اس وقت ساتھ قائم عقل و حواس خمسہ یہ سند بیوی جان دختر بیولا شاہ ساکن موضع بہیکٹری والا کی زیر نکاح خود لا کر تحریر کر دیتا ہوں کہ اگر در حین حیات عورت مذکورہ کوئی دیگر عورت نکاح کروں تو تین طلاق سے طلاق ہوگی وہ عورت ثانیہ سند مذکورہ الصدر میں زید اور عمرو کا مخالف بایں طور ہے کہ زید کا دعویٰ ہے کہ بیوی جان کی تمام زندگی میں علی افسر شاہ دوسری عورت سے نکاح نہیں کر سکتا اگرچہ بیوی جان کو طلاق ہی دیدے۔ کیونکہ الفاظ عمرہ صریح ہیں۔ اور زید در مختار کی اس عبارت کو بھی بطور استدلال پیش کرتا ہے: لان الایمان مبنیۃ علی الالفاظ لا علی الاعراض، در مختار۔ وفی رد المحتار علی ہذا لوقال لامرأتہ کل امرأۃ اتزوجھا بغیر اذنک فھی طالق، فطلق امرأتہ طلاقاً بائناً او ثلاثاً شو تزوج بغیر اذنہا طلقت لانہ لم یتتدیمینہ ببقاء نکاح الخ، اور عمرو کا دعویٰ ہے کہ اگر بیوی جان کو علی افسر شاہ طلاق دیکر دوسری عورت سے نکاح کر لے تو جائز ہے عمرو کی حجت دو مفتی صاحبان کا فتویٰ ہے، ایک مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ سند میں جو عورت کا لفظ ہے یہ لفظ بقاء نکاح کا فائدہ دیتا ہے اور یہ جو لفظ ہے کہ تین طلاق ہوگی یہ اس کا کہنا ایسا ہے جیسے ”طلقت امرأتی من ثلاث تطلیقات“ اور من بعضیہ ہے حین حیات والی ترکیب یہ ترکیب اضافی ہے ترکیب اضافی چنداں مفید نہیں ہوا کرتی۔ دوسرے مفتی صاحب ”حین حیات“ کے لفظ پر صاحب ہدایہ وغیرہ کتب فقہ کی تقریر جو لفظ حین پر ہے وہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لفظ حین کی صورت میں یہ حلف چھ ماہ میں ختم ہو جائیگا والا جو نیت کہہ یگا اور در مختار کے ان جزئیات کو بھی بطور استشہاد پیش کرتے ہیں جیسے ”لیعلمنہ بکل داع“ میں حالف کے حلف مستحلف کی ولایت کے ساتھ مقید ہے اس طرح علی افسر شاہ

کی یہ حلف بھی بیوی جان کے نکاح کے ساتھ مقید ہے جس طرح حلف کفیل کے اس شہرے بدون اذن مکحول لہ کے نہ نکلونگا بقائے دین و کفالہ کے ساتھ مقید ہے البتہ علی افسر شاہ کے بھی۔ بنکاح بیوی جان مقید ہے اور مدار الیمین کا عرف پر ہونا ہے جیسے در مختار میں ہے جلد ۲ ص ۱۹۱: مدار الیمین علی العرف - بینوا و توجروا - الجواب: جس شخص نے حین حیات میں لفظ ”حین“ کو چھ ماہ پر محمول کیا ہے اس نے بالکل غلط کہا کیونکہ لفظ ”حین“ کا چھ ماہ کیلئے ہونا لغت عربیہ کے ساتھ شخص ہے اور وہ بھی اس وقت جبکہ لفظ ”حین“ مطابق ہو جیسے یوں کہے: ”واللہ افعل کذا الحین“ اور جبکہ مضاف ہو تو اس صورت میں کوئی اس کا قائل نہیں کہ لفظ ”حین“ چھ ماہ کیلئے ہے جیسے لا اکملک حین شبابک مثلاً۔ اور لغت فارسیہ وغیرہ میں اس لفظ کا چھ ماہ کیلئے ہونا مسلم نہیں اور جس شخص نے لفظ ”حین حیات“ کی وجہ سے مطلقاً وقوع طلاق علی الزوجۃ الثانیۃ کا فتویٰ دیا ہے اس کا قول قضاء صحیح ہے کیونکہ ظاہر اس لفظ سے یہی ہے وقوع طلاق علی الثانیۃ بیوی جان کی حیات پر معلق ہے نہ کہ بقاء زوجیت پر۔

البتہ اگر علی افسر شاہ اس امر کا دعویٰ کرے کہ میں نے ”حین حیات“ سے تا وقت حین حیات اور نکاح من کی نیت کی تھی تو وہ حلف واثق کے ساتھ اس نیت کو بیان کرے تو جواب میں دوبارہ غور کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۸ جمادی الاول ۱۴۲۸ھ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شخص مسمیٰ عبدالرحمن بحضور مجلس ثبوت عقل بلا جبر و اکراہ اپنی بیوی سے خانگی معاملات میں ناراض ہو کر بلکہ بیوی کے اصرار سے مرد نے محرک کو کہا: دو طلاق دو نکاح بشرطیکہ زیورات مجھے دینے پر رضا مند ہو تو بیوی نے کہا کہ میں زیورات سب دید و نگے یعنی بیوی زیورات دینے پر راضی ہو گئی یعنی قبول کیا تو شخص مذکور نے محرک کو کہا: دو طلاق لکھو تو محرک نے اسکی اجازت سے دو طلاق لکھ دی

اب اس کے بعد عورت نے زیورات مرد کے حوالہ نہ کیے پس صورت مسئلہ میں شرعاً طلاق واقع ہوگی یا نہیں ؟

اب عرض یہ ہے کہ صورت مسئلہ عنہا میں اس دیار کے علماء کا اختلاف ہے : بعض کا یہ قول ہے کہ طلاق نہ ہوگی چونکہ یہ تعلیق بالشرط ہے اور شرط معدوم ہے اسلئے مشروط بھی معدوم » اذافات الشرط الخ » یعنی شرط حوالہ زید کو قرار دیتے ہیں، اور یہ بھی قول ہے کہ لکھوانے سے طلاق واقع نہ ہوگی، دلیل یہ پیش کرتے ہیں » لو اکرہ علی ان یکتب طلاق امرأته فکتب لا تطلق لان الکتابة اقيمت مقام العبرة باعتبار الحاجة والحاجة هنا — اور دوسری جماعت علماء کا یہ خیال ہے کہ لکھوانے سے بھی طلاق واقع ہوتی ہے۔ » کما قال الشامی :- ولو قال للکاتب : اکتب طلاق امرأتی کان اقراراً بالطلاق وان لم یکتب » اور دوسری وجہ وقوع طلاق کی یہ ہے کہ مرد کا قول » دو طلاق لکھو اگر زید دینے پر رضا مند ہو اسمیں صرف قبول سراً پر طلاق واقع ہوگی کیونکہ شرط پائی گئی۔ مشروط بھی مرتب ہونا چاہیے کیونکہ عورت رضا مند ہو گئی تھی اگرچہ حوالہ نہ کیا ہو۔ » کما فی البحر نقلاً عن الخانیة :- ولو قال لامرأته انت طالق علی ان تعطينی الف درهم فقالت : قبلت تطلق للحال وان لم تعط الفاً۔ وکذا فی الشامی : اذا قال لها : علی ان تعطينی کذا فہی تعلیق علی فعل مستقبل صالح للمعاوضة فیشرط قبولها لیلزمها المال فصار کانه علقه علی القبول اذ به يحصل غرضه من الطلاق بعوض وتطلق بالقبول وان لم تعطه فی الحال۔ — اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبول مرأۃ کو شرط قرار دیا ہے چونکہ شرط قبول مرأۃ پائی گئی اسلئے جزاء یعنی وقوع طلاق بھی مرتب ہوگا اور حوالہ زید شرط نہیں۔ کما یظهر من عبارة المرقومۃ۔

اب جناب عالی کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ کون سے فریق حق پر ہے دو قلم تحریر فرمادیں، اگر عدم وقوع والا حق پر ہے تو ان دلائل کا کیا جواب ہوگا جو فریق ثانی نے وقوع طلاق پر پیش کیا؟ فقط والسلام

سائل عبد الکریم از سندی پرائنگ اسکول۔

علاقہ بہو تھیدنگ ضلع اکیاب۔

تنقیح :- وہ تحریر مجنسہ یا اسکی نقل بھیجی جائے جو محرر نے شوہر کے حکم سے لکھی ہے اس کے بعد حکم بتلایا جائیگا۔ یہ تحریر بھی واپس کی جائے فقط۔

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ

جواب تنقیح :- حسب تحریر جناب عالی نقل طلاق نامہ روانہ خدمت ہے جو حسب ذیل ہے :-

نقل طلاق نامہ :- باعث تحریر یہ ہے کہ میں عبد الرحمن بن فلاں باشندہ مقام فلاں اقرار کرتا ہوں چونکہ میری بیوی ہندہ اپنے زیور وغیرہ مجھے دیدینے پر رضامند ہو گئی ہے اسلئے میں دو طلاق دیکر طلاق نامہ کا کاغذ دے رہا ہوں تاکہ عند العدالت مجھے دعویٰ کا حق نہ رہے۔

وخط عبد الرحمن طالق

اب حضور واللہ سے درخواست ہے کہ تحریر فرمادیں کہ قائل بالوقوع کا قول صحیح ہے یا قائل عدم وقوع کا۔ والسلام۔

الجواب :- صورت مسئلہ میں عورت پر دو طلاق واقع ہو گئی ہیں۔

بالدلائل التي ذكرها السائل واما قول من قال بان الطلاق لو يقع بدليل ما في الشامية وغيره «ولو اكره على كتابة الطلاق الخ فقد سها سهواً بيئاً فان الجزئية المذكورة انما هي في الاكراه ولا اكراه هنا۔ واما قوله بان الطلاق معلق فغلط ايضاً لفقدان حرف الشرط في قوله «دو طلاق لکھو» وفي طلاق نامتہ التي امر بكتابتها وانما كان الشرط قبل ذلك ولا عبرة به حيث لم يقيد ايقاعه به فافهم، والله تعالى اعلم۔

حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۸ جمادی الاول ۱۲۸۰ھ

فصل

فی طلاق المریض و الصبی و السكران و المجنون

«اللوح المنقوش فی حکو طلاق المدہوش» (سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ (۱) زید نے اپنی

منکوحہ کو غصہ کی حالت میں یہ کہا کہ میں نے تجھ کو تین طلاق دی، تو مجھ سے پردہ کرے، اس صورت میں تین طلاق پڑیں گی یا ایک؟ ہندوستان میں فرقہ غیر مقلدین کے نزدیک ان لفظوں سے صرف ایک طلاق ہوتی ہے آیا اس قول پر فتویٰ دینا یا ضرورت کے وقت اس پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے بعد میں یہ دعویٰ کیا کہ میں نے غصہ میں مغلوب العقل ہو کر طلاق دی تھی۔ مغلوب العقل جس کی طلاق شرعاً واقع نہیں ہوتی کسے کہتے ہیں اور طلاق دیگر کوئی شخص مغلوب العقل ہو نیکاً دعویٰ کرنے لگے تو اس دعویٰ کے قبول ہو نیکاً کیا شرائط ہیں؟ (۳) ایسی صورت میں عورت مطلقہ کیلئے شرعاً کیا حکم ہے؟ آیا اس کو شوہر کے اس دعویٰ کا قبول کرنا اور اس کے نکاح میں رہنا جائز ہو گا یا نہیں؟ بیسوا و فکرو اللہ للاموال صواب و لکم عند اللہ جزیل ثواب۔

الجواب :- (۱) صورت مذکورہ میں آئمہ اربعہ و جماہیر سلف و خلف کے نزدیک تین طلاق واقع ہو گئیں اور منکوحہ زید اس پر حرام ہو گئی بابت بدوین تحلیل کے ہرگز اس کیلئے جائز نہیں ہو سکتی۔ اور ان لفظوں سے ایک طلاق واقع ہو نیکاً فتویٰ بحز گمراہ شخص کے کوئی نہیں دے سکتا فقہاء حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ اگر قاضی اسلام تین طلاق کے ایک ہو نیکاً فیصلہ کر دے تو اس کی قضاء باطل ہے حالانکہ مسائل مجتہد فیہا میں قضاء قاضی سے ایک جانب راجح ہو جاتی ہے مگر اس صورت میں خود قضاء باطل ہو جاتی ہے کیونکہ اس مسئلہ میں جن لوگوں نے جمہور امت کا خلاف کیا ہے فقہاء نے ان کے خلاف کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ بوجہ اجماع منعقد ہو جانے کے اس مسئلہ میں اجتہاد

کی گنجائش نہیں رہی۔

قال في عدة ارباب الفتوى (ص ۲۳) لا ينزل قوله لها انت طالق ثلاثاً
طلقة واحدة ولا يفتي بذلك الا من اضل الله تعالى والواقع ثلاث
طلقات وقد بان ان بيونتر كبرى لا تحل له الا بعد زوج آخر اه

وفي رد المختار :- (ص ۲۸۸ ج ۲) وذهب جمهور الصحابة والتابعين
ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلاث (الى قوله) وقد ثبت
النقل عن اكثرهم صريحاً بايقاع الثلاث ولم يظهر لهم مخالف فماذا بعد
الحق الا الضلال وعن هذا قلنا: لو حكم حاكم بانها واحدة لم ينفذ
حكمه، لانه لا يسوغ الاجتهاد فيه فهو خلاف لا اختلاف اه

وقال الامام النووي في شرح مسلم (ص ۴۷۸ ج ۱) قد اختلف
العلماء فيمن قال لامرأته انت طالق ثلاثاً فقال الشافعي ومالك وابو
حنيفة واحمد وجمهور العلماء من السلف والخلف: يقع الثلاث اه
اور جس حدیث سے غیر مقلدین نے وقوع طلاق واحدہ پر استدلال کیا ہے
اسکو محقق ابن ہمام نے منسوخ بتلایا ہے اور امام نووی نے بعض کا ضعیف ہونا اور
بعض کا مؤول ہونا ثابت کیا ہے لہذا غیر مقلدین کے فتویٰ پر اس صورت میں عمل
کرنا ہرگز درست نہیں اور جوابی فتویٰ دے وہ تصریحات علماء حنفیہ کے موافق سراسر
گمراہ ہے، فماذا بعد الحق الا الضلال۔

(۲) مغلوب العقل جسکی طلاق واقع نہیں ہوتی وہ ہے کہ جسکی عقل غصہ یا خوف
وغیرہ کی وجہ سے جاتی رہی ہو۔ اور اس سے باتیں بہکی بہکی صادر ہونے لگیں اور مجنونوں
جیسے افعال ظاہر ہونے لگیں جیسا کہ بعض لوگ غصہ میں برتن توڑنے پھوڑنے اور دیوار
وغیرہ میں سر مارنے لگتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جو شخص غصہ وغیرہ میں ایسا تو اس باختہ ہو جائے
کہ اس پر جنون کے آثار پائے جانے لگیں وہ شرعاً مدہوش ہے اور ایسے مغلوب العقل کی
طلاق واقع نہیں ہوتی۔

قال في الفتاوى الكاملية: (ص ۲۸) سئل عن المدهوش هل يعتبر
طلاقه فاجبت، بان المحقق الرملي رفع اليه سوال عن المدهوش هذا

لفظه سئل في طلاق المدهوش هل هو واقع ام لا وما تعيب المدهوش وهل القول قوله في الدهش بما جاب عنه بقوله صرح في التتارخانية نقلًا عن شرح الطحاوي بعدم وقوع طلاق المدهوش وكذا المحقق ابن الهمام في فتحه وكذلك المرجوم العلامة الغزالي في متنه تنوير الابصار: واعلم انهما اجمعا على ان غير العاقل لا يقع طلاقه الا اذا كان زوال عقله بسبب السكر مما هو معصيته فانه يقع طلاقه زجرًا له عندنا فدخل في غير العاقل كل من زال عقله مجنونًا او عته او برسام او اغماء او دهش والمجنون داء معروف (الى ان قال) والدهش ذهاب العقل من ذهل او وله (الى ان قال) والمدهوش هنا الذاهب العقل بسبب احدهما فاذا علمت ذلك علمت التسوية في الحكم بين طلاق المجنون وبين طلاق من ذكر والمجنون اذا عرف انه جن مرة فطلق وقال عاودني المجنون فشكمت بذلك وانا مجنون ان القول قوله بيمينته وان لم يعرف بالمجنون مرة لم يقبل قوله كما في الثانية و التتارخانية وغيرهما فظهر لك من هذا ان المدهوش ان عرف منه الدهش مرة فالقول قوله بيمينته وان لم يعرف لم يقبل قوله قضاء اليمين اذ الثابت بالبينه كالثابت عيانًا اما ديانته فيقبل لانه اخبر بنفسه اه قلت: ولا يفتى في ذلك بالديانة لما ثبت ان المرأة في احكام الطلاق كالقاضي لا يجوز لها ان تصدق الزوج فيما يخالف الظاهر ولا يحل لها ان تمكنه من نفسها اذا علمت منه ذلك كما سيأتي اس عبارت سے مغلوب العقل میں، زوال عقل و ذهاب عقل کا شرط ہونا اور اس کا

عہ قال في عدة ارباب الفتوى (ص ۲۸ ج ۱) وما لا يصدق فيه المرأة عند القاضي لا يفتى فيه كما لا يقضى فيه وقال في شرح نظم النقاية وكما لا يدينه القاضي كذلك اذا سمعته منه المرأة او شهد به عندها عدول لا يسعها ان تدينه لانها كالقاضي لا تعرف منه الا الظاهر انتهى ۱۲ منہ -

مجنون کے مشابہ ہونا صافی مصرح ہے۔

وقال فی رد المحتار: (ص ۴۰۰ ج ۲) وللحافظ ابن القیم الحنبلی رسالة فی طلاق الغضبان قال فیہا: انه علی ثلاثة اقسام احدها ان يحصل له مبادی الغضب بحيث لا یتغیر عقله ویعلم ما یقول ویقصدہ وهذا لا اشکال فیہ۔ الثاني: ان یبلغ النہایة فلا یعلم ما یقول ولا یریدہ فهذا لا ریب انه لا ینفذ شیء من اقوالہ۔ الثالث: من توسط بین المرتبتین بحيث لو یصل کالمجنون فهذا محل النظر والادلة تدل علی عدم نفوذ اقوالہ اھ ملخصاً من شرح الغایة الحنبلیة لکن اشار فی الغایة الی مخالفتہ فی الثالث حیث قال ویقع طلاق من غضب خلافاً لابن القیم اھ وهذا الموافق لما عندنا کما مر فی المدہوش اھ

اس میں تصریح ہے کہ غصہ کے تین درجے ہیں:

ایک یہ کہ: غصہ کے ابتدائی آثار پیدا ہوں اور اسکی عقل متغیر نہ ہو اور جو بات وہ کہتا ہے اسکو جانتا ہے اور ارادہ سے کہتا ہے اسکی طلاق بلاشبہ واقع ہے۔
دوسرے یہ کہ: غصہ انتہا کو پہنچ جائے حتیٰ کہ اسکو یہ بھی خبر نہ رہے کہ اسکی زبان سے کیا نکل رہا ہے اور قصد و ارادہ بھی باقی نہ رہے (اور مجنون کی طرح ہو جائے) اسکی طلاق بلاشبہ واقع نہیں ہوتی۔

تیسرے یہ کہ: اسکی حالت ان دونوں درجوں کے بین بین ہو کہ مجنون کی طرح نہ ہو اور حنفیہ کے نزدیک اسکی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے، وجہ قالت الخابلة ولم یعتبروا بقول ابن القیم فی ذالک، اس کے بعد علامہ شائع نے اپنی ایک رائے ظاہر کی ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ مغلوب العقل کی طلاق واقع نہ ہونے میں یہ شرط میرے نزدیک ضروری نہیں کہ اسکو اپنی بات کی خبر نہ رہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور نہ یہ ضروری ہے کہ ارادہ و قصد بھی باقی نہ رہے بلکہ صرف اتنا کافی ہے کہ اس سے غصہ میں بہکی بہکی باتیں صادر ہونے لگیں اور بے ڈھنگا پن افعال میں ظاہر ہو۔

ونضہ والذی یتھری ان کلام المدہوش والغضبان لا یلزم فیہ ان یکون بحیث لا یعلم ما یقول بل ینکفی فیہ بغلبة الہذیان و

اختلاف الجحد بالهزل كما هو المفتى به في السكران على ما مر ولا ينافيه تعريفا
الدهش بذهاب العقل فان الجنون فنون (ص ۱۰۴ ج ۲)
لیکن یہ علامہ شامی کی ذاتی رائے ہے فتویٰ نہیں ہے کیونکہ اوپر انکے کلام سے معلوم
ہو چکا ہے کہ قسم ثالث میں حنفیہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جاتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ
مذہب حنفیہ میں مغلوب العقل کی طلاق واقع نہ ہو نیکیلئے عدم شعور و عدم ارادہ بھی شرط ہے
اور آگے چل کر علامہ شامی نے اپنی اس رائے پر خود ہی اشکال قوی بھی وارد کیا ہے جس کا جواب
بہت تکلف کر کے دیا ہے۔

ونصه نعم يشكل عليه ما ساقى في التعليق عن البحر وصرح به
في الفتح والخائنة وغيرهما وهو لو طلق فشهد عنده اثنان انك
استثنيت وهو غير ذاك ان كان بحيث اذا غضب لا يدري ما يقول يقع
طلاقه والا فلا حاجة الى الاخذ بقوله انا استثنيت وهذا شكل جدا
اس سے صاف ظاہر ہے کہ حنفیہ کے نزدیک غلبہ عقل کیلئے عدم شعور شرط ہے اور علامہ شامی
نے جو اس کو سکران پر قیاس کر کے محض ہذیان اور غلط افعال کو کافی سمجھا ہے درحقیقت یہ قیاس
مع الفارق ہے لان السكر مزيل للعقل عادة فيحكمو باد في القرائن بزوال
العقل بخلاف الغضب ونحوه فانه ليس بمزيل للعقل عادة فلا يحكمو
فيه بزواله الا بقريضة قريضة وهو ان يكون بحيث لا يدري ما يقول
ويبقى عليه الشعور وايضا فان طلاق السكران يقع عندنا زجرا له و
طلاق المدهوش لا يقع فقياس احدهما على الآخر غير صحيح فان
الطلاق الصادر عن المكلف لا يحكمو بعده وقوعه الا اذا تحقق انه
صار كالمجنون — اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ فتویٰ منقول پر ہوا کرتا ہے کسی مصنف
کی رائے پر فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ الا اذا ظهر تائيد بالمنقول، اور تمام کتب
فتاویٰ میں مدهوش کی تعریف میں زوال عقل و ذهاب عقل وغیرہ الفاظ اس پر دال ہیں کہ عدم شعور
بھی اس میں شرط ہے۔

قال في تنقيح الفتاوى الحامدية (ص ۳۸) الدهش هو ذهاب العقل
من ذهل اوله وقد صرح في التنوير والتارخانية وغيرهما بعدم وقوع

طلاق المدہوش فعلیٰ ہذا حیث حصل الرجل دہش زال بہ عقلہ
وصار لا شعور لہ لا یقع طلاق و القول قولہ بيمينہ ان عرف منہ
الدہش وان لم یعرف منہ لا یقبل قولہ قضاء الابینۃ، کما صرح
بذالک علماء الحنفیۃ اھ۔

اس میں لفظ "صار لا شعور لہ" بالکل صاف ہے اور علامہ شامی نے
تنقیح میں اس پر کلام نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے نزدیک فتویٰ اس پر ہے
کہ مغلوب العقل بے شعور ہونا بھی شرط ہے کیونکہ یہ کتاب علامہ شامی کی "رد المختار"
کے بعد کی تصنیف ہے پس رد المختار میں جو رائے مذکور ہے وہ فتویٰ نہیں۔ بلکہ محض
ایک عالمانہ بحث ہے اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ابحات ابن ہمام میں فتویٰ نہیں دیا
جاسکتا (حالانکہ وہ مثل مجتہد ہیں) پس دوسروں کی رائے اور بحث پر فتویٰ کیونکر ہو سکتا ہے
پس جب کوئی شخص طلاق کے بعد مغلوب العقل ہو نیکاً دعویٰ کرے اس کے قبول ہونیکے
لئے سب سے اول شرط یہ ہے کہ طلاق دینے کے وقت غلبہ عقل اور دہش کی جو علامتیں
اوپر مذکور ہوئی ہیں یعنی ہلکی ہلکی باتیں کرنا، افعال میں بے ڈھنگاپن ظاہر ہونا وغیرہ وغیرہ
پائی گئی ہوں اور وہ یہ دعویٰ کرے کہ میری زبان سے طلاق کا لفظ بے خبری میں نکل گیا تھا
میں نے اس کا ارادہ و قصد نہ کیا تھا اور مجھے شعور تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں دوسرے یہ کہ واقعہ
طلاق سے پہلے بھی اسکو ایسا واقعہ پیش آچکا ہو کہ وہ غصہ میں خارج از عقل ہو جاتا ہو
اور لوگ اسکو جانتے ہوں اس صورت میں قاضی شرعی شوہر سے قسم لیکر اسکی بات کو قبول
کرے اور عدم وقوع طلاق کا حکم کر دے اور اگر پہلے کبھی اسکو ایسا واقعہ پیش نہیں آیا یا آیا
مگر لوگ نہیں جانتے کہ غصہ میں یہ شخص خارج از عقل ہو جاتا ہے تو اس صورت میں قاضی
بدون دو گواہوں کے شوہر کا یہ دعویٰ قبول نہ کرے کہ میں مغلوب العقل تھا و قدمرت
حلالۃ فیما مر عن الکاملۃ والفتاویٰ الحامدیہ اس پر تنبیہ ضروری ہے کہ
شوہر سے قسم یا گواہ دو ذوں حالتوں میں قاضی شرعی یا حکم لیگا۔ غیر قاضی حکم کے سامنے قسم
کھالینے یا گواہ قائم کر دینے اور اس کے فیصلہ کر دینے سے کچھ نہ ہوگا نہ بیوی اسکے لئے حلال
ہوگی نہ وہ شرعاً مدہوش مانا جائیگا۔

قال فی الدر :- قیدنا بتحلیف الحاكم لانهم الما لم یصلحوا علی ان

یحلف عند غیر قاضٍ ویکون بسئياً فهو باطل لان اليمين حق القاضي مع طلب الخصم ولا عبرة ليمين ولا نكول عند غیر القاضي اهـ (ص ۲۵۲ - ج ۲)
 وفي الهندية :- ولو حلف بطلب المدعى يمينه بين يدي القاضي من غير استحلاف القاضي فهذا ليس بتحليف فان التحليف حق القاضي . كذا في القنية و
 هكذا في البحر اهـ (ص ۱۰ - ج ۵) — قلت :- واشترط مجلس القضاء في
 البينة لا يخفى على احد . قلت :- ولكن يكفي تحليف المرأة اياه كما ذكرناه في
 باب الكنايات قال في الدر :- ويكفي تحليفها له في منزله فان ابي رفعته
 للحاكم فان نكل فرق بينهما مجتبیٰ اهـ قال الشامي فان نكل اي عند القاضي
 ان النكول عند غيره لا يعتبر (ص ۲۲۴ ج ۲)

(۳) عورت کیلئے اس صورت میں حکم یہ ہے کہ وہ شوہر کے اس دعویٰ کو قبول نہ کرے کیونکہ مغلوب العقل ہونا عاقل بالغ کی حالت سے خلاف ظاہر ہے اور امور مخالفہ للظاہر میں عورت بمنزلہ قاضی کے ہے کہ جس طرح قاضی کو انکی تصدیق جائز نہیں اسی طرح عورت کو بھی تصدیق جائز نہیں۔ پس وہ یہی سمجھے کہ مجھ کو تین طلاق دیدی گئیں اور اب میں اسکے لئے حلال نہیں۔ اور جب تک قاضی شرعی قسم لیکر یا گواہ لیکر یہ فیصلہ کر دے کہ زید مغلوب العقل تھا اور اسکی طلاق واقع نہیں ہوئی اس وقت تک عورت کو اپنے اوپر زید کو قدرت دینا قطعاً حرام ہے۔

قال في تنقيح الفتاوى الحامدية (ص ۱۲۴ ج ۱) وقال في الخانية لوقال انت طالق انت طالق انت طالق وقال اردت به التكرار صدق ديانته وفي القضاء طلقت ثلاثاً اهـ . ومثله في الاشباه والحدادی وزاد الزيلعي ان المرأة كالقاضي فلا يحل لها ان تمكنه اذا سمعت منه ذلك او علمت به لانها لا تعلم الا الظاهر اهـ والله اعلم وعلمه اتعوا حکم۔

حرره الاحقر ظفر احمد عفا الله عنه ۴ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ

عقل زائل ہو جانکی صورت میں (سوال) ایک شخص کی والدہ نے انکی زوجہ کو بیحد طلاق واقع نہیں ہوتی

گالی دی لہذا اس نے کہا کہ اے والدہ! آپ کیوں مفت

میں گالی دیتی ہیں۔ خبردار! اچھا نہ ہوگا اس گفتگو پر اسکی والدہ نے شام کو انکے والد صاحب سے کہا تمہارا لڑکا مجھے ایسی ویسی کہتا ہے ازیں وجہ اسکے والد اور والدہ اور چچا وغیرہ سب نے ملکر انکو

مارنا شروع کیا اس حالت میں اس کے منہ سے ”اے سالہ جاتین طلاق“ نکلا تب اس سے پوچھا گیا تم نے طلاق کس کو دی؟ اس نے جواب دیا میں نے تو طلاق کسی کو نہ دی اور میرے منہ سے کیا نکلا معلوم بھی نہیں میں بسبب مار کے بے ہوش تھا ہنوز اسکی زوجہ اس صورت میں مطلقہ ہوگی یا نہ ہوگی؟

الجواب :- قال فی العالمگیریتا :- ولو زال عقله بالضرب او ضرب هو علی راسه حتی زال عقله وطلق لا یقع طلاقه کذا فی فتاویٰ قاضی خان اھ (ص ۵۵ ج ۲)

صورت مسئلہ میں اگر شخص مذکور کی عقل ضرب سے زائل ہو گئی تھی جیسا کہ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں بسبب مار کے بیہوش تھا تو اسکی طلاق زوجہ پر واقع نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم
حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۶ صفر ۱۴۲۸ھ

نابالغ کی طلاق کا حکم (سوال) ایک مسئلہ دریافت کرتا ہوں فقہ کی کتابوں میں طلاق نابالغ کے عدم جواز کو تحریر کرتے ہیں مگر سرخسی کی ایک روایت جو مسلم الثبوت کے اخیر صفحات پر اور (شامی ج ۲۔ ص ۲۹۰) باب نکاح الکافر وغیرہ میں نقل کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ عند الحاجة نابالغ کی طلاق صحیح ہے اس عند الحاجة سے عام مراد ہے یا صرف ارتداد اور مجبوب کی صورت کی تخصیص ہے جواب سے مشرف فرمائیں گے یہ روایت سرخسی کی شامی ج ۲۔ ص ۳۹۰ پر موجود ہے مسلم الثبوت مجتہدائے اخیر میں بھی ہے۔ فقط والسلام۔

بندہ عبدالشکور مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

الجواب :- شامی اور درمختار کی پوری عبارت میں غور نہیں کیا گیا اس سے خود معلوم ہو رہا ہے کہ ابتداء صبی کی طلاق واقع نہیں ہو سکتی ہاں، جب ضرورت کے وقت قاضی صبی میں اور اسکی بیوی میں تفریق کر دے تو اس وقت یہ تفریق طلاق شمار ہوتی ہے۔

حتى اذا تحققت الحاجة الى صحة ايقاع الطلاق من جهته لدفع الضرر كان صحيحاً فاذا اسلمت زوجة والى فرق بينهما وكان طلاقاً عند الب حنیفة ومحمد رحمهما اللہ واذا ارتد والعیاذ باللہ وقعت البینونتا وكان طلاقاً عند محمد الى ان قال وحاصله انه كالبالغ في وقوع الطلاق

منہ بھذہ الاسباب الا انه لا یصح ایقاعہ منہ ابتداءً للضرر علیہ و
مثله المجنون اھ (ص ۶۳۹ ج ۲)

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ یہ حکم اپنی صورتوں کے ساتھ مخصوص ہے جہاں ضرورت
کی وجہ سے قاضی کو تفریق بین الصبی والمجنون و بین زوجتھا کا اختیار دیا گیا ہے اس سے یہ لازم
نہیں آتا کہ سرخسی جواز طلاق من الصبی ابتداءً کا قائل ہیں ورنہ لازم آئیگا کہ جواز طلاق مجنون
کے بھی وہ قائل ہوں ولو یقل بہ احد، واللہ اعلم۔

وصح الشامی فی باب الطلاق (ص ۶۹۱ ج ۲) بتخصیص هذا الوقوع
بالارتداد والجب وقال محشی الدرر وجوزہ احمد اھ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۹ جماد الثانی ۱۴۲۵ھ

(سوال) زید نے اپنی بنت صغیر سن کو عمر کے ابن
نہ اس کا ولی دے سکتا ہے | صغیر کے ساتھ نکاح کر دیا مرد یا ام کے بعد لڑکی بالغ ہو گئی اور
لڑکا نابالغ رہا اب جانبین چاہتے ہیں کہ زید کی کسی کم سن لڑکی سے عمرو کے اس لڑکے کی شادی
کرائیں پہلی لڑکی کو کون طلاق دے گا (یعنی صغیر طلاق کا مالک ہوگا یا اس کا والد) اس مسئلہ
میں حوالہ کتب دینی سے جواب ارشاد فرمائیں بہت سے علماء ممنون ہونگے۔

سائل عبد الصمد مدرسہ محمدیہ نواپارہ ڈاک خانہ خاص ضلع جسر

الجواب :- جب شوہر نابالغ ہے تو اسکی بیوی کو کوئی طلاق نہیں دے سکتا
بلکہ اس لڑکے کے بلوغ کا انتظار لازم ہے وہ بالغ ہو کر خود طلاق دے تو وقوع طلاق
ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔

صرح بہ فی الدرر والشمیہ : باب الطلاق بقولہ : والصبی ولو مراہقاً

ای لا یقع طلاقہ ص ۶۹۱ ج ۲ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون ۱۸ رجب ۱۴۲۸ھ

(سوال) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک جوان عورت مسماۃ ہندہ مسلمان قوم نائی ایک مسلمان مرد زید کے ساتھ اپنے شوہر محمود
کے گھر سے نکل گئی مسماۃ ہندہ کے شوہر محمود کی عمر اس وقت نو سال ہے مسماۃ ہندہ پانچ چھ مہینہ

کے بعد واپس آئی۔ اسکی واپسی پر محمود نابالغ کا باپ احمد حسین نے اپنے لڑکے کا نکاح اس وقت پڑھا ہے جب محمود کی عمر ۴ سال کی تھی کہتا ہے کہ تو میرے لڑکے محمود کے قابل اور کام کی نہیں ہے، میرے گھر سے نکل جا، وہ نکل گئی، چونکہ مسماۃ ہندہ کے ماں باپ مر چکے ہیں اس وجہ سے وہ آوارہ پھر رہی ہے لوگوں کے کہنے سے مسماۃ آمادہ ہے کہ اگر میرا نکاح کسی مرد جوان سے کر دیا جائے تو پابندی کے ساتھ رہونگی اور اسکے شوہر کا باپ احمد بھی چاہتا ہے کہ اگر کوئی صورت ایسی ہو کہ جس سے طلاق ہو جائے تو میں خود طلاق دیدوں یا اپنے لڑکے سے دلا دوں لہذا یہ التماس ہے کہ جو مناسب صورت طلاق کی ہو اس سے سرفراز فرمائیں تاکہ اس مسماۃ کو فعل بد سے بچانے کی کوئی تدبیر کی جائے۔ اگر اسکی طلاق نہ ہوئی تو جن لوگوں نے اسلامی ہمدردی اور ایک مسلمان عورت کو اب سے عزت بچانے کیلئے اپنے یہاں رکھ لیا ہے انکو کیا کرنا چاہیئے؟ ان میں مسماۃ کی کفالت کرنیکی قدرت نہیں ہے اور چند روز سے مسماۃ ہندہ کے شوہر کا باپ احمد بھی غریب ہو گیا ہے خود نان شبینہ کا محتاج ہے محمود لڑکا کمزور ہے مزدوری کے قابل نہیں ہے اگر امداد کر کے احمد سے کہا بھی جائے کہ تو رکھ لے تو وہ اس وجہ سے اور بھی رکھنے سے مجبور ہے کہ وہ اپنی برادری سے علیحدہ کر دیا جائیگا۔

کمترین عبد السلام عفی عنہ از کانپور محلہ نیجباغ ۹ جمادی الثانی ۱۳۳۷ھ

الجواب : نابالغ بچہ کی طلاق واقع نہیں ہو سکتی اور خسر بھی طلاق کا اختیار نہیں رکھتا جب وہ لڑکا بالغ ہو جائے پھر اسکو اختیار ہے چلے اس عورت کو رکھے یا نہ رکھے اور جب وہ عورت جوان ہے تو اس کا نان و نفقہ خاوند کے ذمہ سے بشرطیکہ وہ خود خاوند کے گھر سے نہ جائے اور اگر خود کہیں چلی جائے تو اسکو نفقہ نہ ملے گا ہاں چلی جائیکے بعد پھر واپس آجائے تو پھر نفقہ کی مستحق ہوگی۔ اور اگر وہ عورت خاوند کے گھر رہنا چاہے اور خسر نکال دے تو اس صورت میں عورت کا نفقہ واجب رہیگا اور اگر صغیر مفلس ہے تو اسکی زوجہ کا نفقہ صغیر کے باپ پر ادا کرنا لازم ہے اگر ہندوستان میں قاضی اسلام ہوتا تو اس صورت میں وہ خسر کو بہو کے نفقہ پر مجبور کرتا یعنی اس نابالغ کے باپ کو اس صغیر کی بیوی پر نفقہ خرچ کر نیکاح حکم کیا جاتا اور کہدیا جاتا کہ بعد بلوغ کے لڑکے سے نفقہ کا رجوع کرے اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ باپ نے صغیر کی بیوی کے نفقہ کی ضمانت نہ کی ہو، اور اگر وہ ضامن بن گیا ہو خواہ قولاً صریحاً یا عرفاً دلالت لان المعروف کا مشروط تو خود باپ ہی کے ذمہ اس صورت میں نفقہ عورت صغیر کا واجب ہوگا، اور ہندوستان کا عرف یہی ہے کہ اگر لڑکی بالغ ہو جائے اور لڑکا نابالغ ہو تو لڑکے کا باپ اپنی بہو کے نفقہ کا ضامن ہوتا ہے۔

قال في الشامية عن الخانية، وكانت كبيرة وليس للصغير مال لا يجب على
الاب نفقتها ويستدين الاب عليه ثم يرجع على الابن اذا يسراه. وفي
الحاكم فان كان صغيراً لا مال له لم يؤخذ ابوه بنفقة زوجته الا ان
يكون ضمنها اه ومثله في الزيلعي وغيره، قلت وهو مخالف لما سيذكره
الشارح في باب النفقة من الفروع حيث قال: وفي الدر المختار، والمفتي، ونفقة
زوجة الابن على ابيه ان كان صغيراً فقيراً او مña اه اللهم الا ان يحمل ما
سياق على انه يومر بالانفاق ليرجع بما انفقه على الابن اذا يسراه ^{٥٨٦} ^{٥٨٧} وفي الدر
وفي الدر في باب النفقة، ويجبر الاب على نفقة امرأة ابنه الغائب ولدها
وكذا الامر على نفقة الولد لترجع بها على الاب اه وتاق له الشامي بما قال
انفا ان معناه الامر بالانفاق (ص ١١٠٩ ج ٢) -

اور جب قاضی اسلام نہیں تو عورت یا تو برادری اور پنچائیت کے سامنے یہ واقعہ پیش کرے یا عدالت موجودہ میں خسر پر نان و نفقہ کا دعویٰ دائر کرے یا صبر کرے باقی یہ جو سائل لکھا ہے کہ اگر طلاق کی کوئی صورت نہ ہوئی تو عورت آوارہ ہو جائیگی۔ اسکی ہم ذمہ دار نہیں جبکہ ان بلاد میں قاضی اسلام نہیں اگر قاضی اسلام ہوتا تو ہم اسکی تدبیر یہی بتا دیتے اور پنچائیت کا فیصلہ نہایت ظلم پر مبنی ہے کہ وہ خسر کو بہو کے نفقہ و سکنی سے روکتی ہے اسکی شرارت کی سزا کچھ اور دی جائے اسکے حق نفقہ و سکنی کو کیوں باطل کیا جاتا ہے خسر کو لازم ہے کہ پنچائیت کے اس فیصلہ کی پرواہ نہ کرے اور بہو کو اپنے گھر رکھ کر نفقہ دے۔

فقط مولوی عبدالکریم بقلم طفر احمد عفا عنہ

۲۵ ۲۵

فصل فی طلاق الثلاث واحکامہ

مطلقہ ثلاثہ کا حکم | (سوال) ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی پھر اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے جب تک عورت کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ نہ ہو جائے اور اس سے طلاق نہ ملی پہلے کے ساتھ نکاح جائز نہیں لیکن کیا دوسرے نکاح کے ساتھ صحبت بھی شرط ہے اگر عورت انکار کرے یا مرد خود نہ چاہے یا اسی وقت دوسرے کے ساتھ نکاح کرے طلاق دلوادیں اور پہلے شوہر کے ساتھ اسی وقت نکاح کر دیں کسی طرح صحیح جائز ہے؟

الجواب :- اگر تین طلاق دیدی ہیں تو جب تک دوسرا شوہر اس عورت سے صحبت نہ کرے اس وقت تک حلال نہیں ہیں پہلے شوہر سے نکاح جب درست ہے جبکہ دوسرا شوہر صحبت کے بعد طلاق دے اور طلاق کے بعد عدت بھی گزر جائے۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفاعنہ۔ ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ

(سوال) ایک وقت میں تین طلاق دینے سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ

حافظ رجب نے ۲۴ نومبر ۱۴۱۹ء کو بحالت غصہ اپنی بیوی کو بہت آدمیوں کے سامنے چار مرتبہ اسطور سے طلاق دی کہ تین مرتبہ اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا کہ ”تجھ کو طلاق دیا“، ”تجھ کو طلاق دیا“، ”تجھ کو طلاق دیا“ اور ایک مرتبہ نام لیکر کہا کہ ”فلانی تجھ کو ہم نے طلاق دیا“ درمیان میں لوگوں نے ہر چند سمجھایا اور منع کیا ایسا نہ کرو۔ زبان بند کرو ورنہ بعد میں افسوس کرو گے مگر اس نے ایک نہ مانا اور طلاق دی ہے۔ حافظ رجب مذکور کی مطلقہ طلاق پانے کے بعد ایک روز زوج کے گھر دوسروں کی نگرانی میں رہی، دوسرے روز اپنے باپ کے گھر چلی گئی اور اب تک اپنے باپ کے گھر میں ہے ہر چند لوگوں کے اغواء سے حافظ رجب نے غیر مقلد علماء سے استفتاء کیا چنانچہ انہوں نے اپنے اعتقاد کے مطابق لکھ دیا کہ ایک ہی طلاق ہوئی اور رجوع ممکن ہے اسی فتویٰ کی بہانے پر حافظ رجب نے ۱۲ فروری ۱۴۲۰ء کو چند آدمی جمع کر کے یہ کہا کہ میں نے اپنی عورت کو طلاق دی تھی تم لوگ گواہ رہو کہ میں رجعت کرتا ہوں اور مطلقہ سے اس سے ملاقات تک نہیں اسلئے کہ وہ اپنے باپ کے گھر میں ہے اور اس لفظی رجعت

کے وقت بھی اقرار طلاق بدون حالت غصہ موجود ہے کیونکہ زوجین ہمیشہ سے حنفی المذہب ہیں، اسلئے بربناء مذہب حنفیہ جو حکم شریعت ہو بحوالہ عبارت کتب جواب ثانی سے ماحور عند اللہ و ممنون عند الناس ہونگے۔ المستفی۔ بچی نذاف سوامہ محلہ ابو علم پٹی ضلع الہ آباد۔

الجواب :- صورت مذکورہ میں ائمہ اربعہ و جمہور سلف و خلف کے نزدیک تین طلاق واقع ہو گئیں اور منکوحہ حافظہ رجب ہمیشہ کیلئے اسپر حرام ہو گئی اب بدون تحلیل کے ہرگز اس کیلئے حلال نہیں ہو سکتی اور اس صورت میں ایک طلاق واقع ہونیکا فتویٰ بحزب گمراہ شخص کے کوئی نہیں دے سکتا۔

قال: فی عدة ارباب الفتوی (ص ۲۳): ولا یبذل قوله لها: انت طالق ثلاثاً طلاقاً واحدة، ولا یفتی بذلك الا من اضله الله تعالى. والمواقع ثلاث طلاقات وقد بانت بینونة کبری لا تحل له الا بعد زوج آخر اه
وفی رد المحتار: (ص ۲۸۸ ج ۲): وقد ذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الى انه یقع ثلاث (الی ان قال) وقد ثبت النقل عن اکثرهم صریحاً بايقاع الثلاث ولو یظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلوع وعن هذا قلنا لو حکم حکموا بانها واحدة، لو ینفذ حکمه، لانه لا یسوغ الاجتهاد فهو خلاف لا اختلاف اه
پس صورت مذکورہ میں غیر مقلدین کے فتویٰ پر عمل کرنا ہرگز جائز نہیں۔ واللہ اعلم

حرره الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۸ جمادی الآخر ۱۳۸۵ھ

(سوال) کیا حکم ہے اس معاملہ میں شریعت مطہرہ کا

طلاق کناہیہ کے ساتھ طلاق صریح

مکر تین طلاق واقع ہو گئیں

کہ زید اپنی بیوی ہندہ سے کسی وجہ سے ناخوش ہو گیا اور اس نے

غصہ کی حالت میں ایک خط اپنی ساس اور بیوی کے نام لکھا۔ زید نے کوئی تاریخ نہیں لکھی اور نہ مضمون خط کے آخر میں اپنا دستخط کیا لیکن خط کے مضمون میں ایک مقام پر اپنا نام ظاہر کر دیا ہے اور اس میں مطلق شبہ نہیں ہے کہ مذکورہ خط زید کا لکھا ہوا ہے زید اپنی ساس کو برا بھلا لکھنے کے بعد اپنی بیوی کو لکھتا ہے » اگر چلو بھر پانی ملے تو ڈوب مرو، منہ کالا کر کے نکل جاؤ، میں تم سے عاجز تم مجھ سے بیزار میں تم سے ہمیشہ کیلئے الگ تم سے نفرت تم اپنا انتظام کر لو، مجھ سے اب

کوئی مطلب نہیں۔ خبردار! آج کی تاریخ سے مجھ کو غیر سمجھ کر (جیسا کہ تم نے آجکل سمجھا ہے) کوئی خط مت لکھنا میں تمہارا خط دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا، مجھ کو آج معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے باپ کا بدلہ لینا چاہتی ہو اگر تم بدلہ لو گی تو میں بھی باپ کا بیٹا ہوں بیٹی نہیں ہوں تم ضرور بدلہ لو۔ میں نے تم کو آزاد کر دیا اپنے باپ سے لکھ کر لے کر لو اور جس دن کہو میں آ کر باضابطہ آزاد کر دوں اور قطع تعلق کر لوں میرے لئے تو قطع تعلق ہو گیا میں تو بیزار ہوں۔ اچھا ہے کہ تم الگ ہو جاؤ اور دوسرا عقد کر لو۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مضمون مندرجہ بالا سے کیا طلاق واقع ہو گئی اور اگر ہوئی تو رجعی ہے یا بائن؟ اگر رجعی ہے تو کس شکل سے اور کس مدت کے اندر رجعت ہو سکتی ہے۔ اور اگر بائن طلاق پڑ گئی تو ہندہ کیلئے اب کیا حکم شریعت ہے؟

السائل شیخ محمد زکریا ساکن پچھلی شہر ضلع جوہنور

الجواب :- صورت مسئلہ میں زید نے متعدد الفاظ کنایات طلاق میں سے استعمال کئے ہیں مثلاً "منہ کالا کر کے نکل جاؤ" میں تم سے ہمیشہ کیلئے الگ ہوں تم اپنا انتظام کر لو" مجھ سے کوئی مطلب نہیں" ان سب کے بعد اس نے لکھا ہے "میں نے تم کو آزاد کر دیا" جو کہ اردو میں طلاق کیلئے صریح ہے۔ پھر لکھا ہے: "میرے لئے تو قطع تعلق ہو گیا" یہ بھی ارادۂ طلاق کا مؤید ہے۔ لہذا صورت مذکورہ میں اگر زید اقرار کرے کہ یہ خط اس کا لکھا ہوا ہے تو ہندہ پر تین طلاق مغلط پڑ گئیں اب بدون حلالہ کے زید سے نکاح درست نہیں۔

وفي العالمگیریۃ :- والحق ابو یوسف بخلیۃ اربعۃ اخری ذکر منها فارقته
وفي الفتاوی :- لم یبق بینی وبينک عمل ونوی یقع . ولو قال ابعدي عني
ونوی الطلاق یقع .

وفي مجموع النوازل :- لو قال لها: اذهبي الى جهنم، ونوی الطلاق یقع، ولو
قال: اعتقتك، طلقت بالنیۃ اهـ (ص ۶۹ و ۷۰ - ج ۲)

وفیه :- لا یقع بها ای بالکسایات الطلاق الا بالنیۃ او بدلالۃ حال اهـ
قلت :- وفي الصورة المسئلة دلالة الحال شاهدة بارادة الطلاق - والله اعلم

ظفر احمد عفا الله عنه

۲ رمضان ۱۴۲۸ھ

یکبارگی تین طلاق دیدینے سے تین طلاق واقع ہو جائیگا (سوال) صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور زمانہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دو برس تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں بھی جاری تھا کہ کوئی شخص یکبارگی تین طلاق دیتا تھا تو وہ ایک طلاق شمار کیا جاتا تھا تو مولانا صاحب وہ ایک طلاق شمار کرنے کی علت کیا تھی کیا سب سے ایک ہی طلاق ہوتا تھا جس سے ایک طلاق قائم کیا جاتا تھا۔ اسکی دلیل بھی تحریر فرمادیں کیونکہ غیر مقلدین اس حدیث کے اوپر دلیل پکڑتے ہوئے حنفی کو گمراہ کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حنفی کی کوئی دلیل قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

۱۔ حنفی لوگوں کی ایک جلسہ میں تین طلاق کا دینا وہ طلاق تین واقع ہونا کون سی آیت اور کون کون سی حدیث شریف سے ثابت ہے وہ آیت اور حدیث شریف تحریر فرمائیں؟

۲۔ یہ حدیث جس کا اشارہ تحریر ہے یہ حدیث ناسخ ہے یا منسوخ ہے؟

۳۔ جو لوگ تین طلاق دیکر ایک قائم کر کے عورت کو رکھ لیتے ہیں انکو قیامت کے دن عذاب ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو اسکی دلیل کیا ہے؟

۴۔ حدیث مذکورہ صحیح ہے یا غیر صحیح؟

۵۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس حدیث کے خلاف حنفی عمل کرتے ہیں تو ان کو عذاب ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- قال الله تعالى: الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَإِنْ سَاكَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسَرَّعَ بِإِحْسَانٍ إِلَىٰ أَنْ قَالَ: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَيْثُ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔ قال الحافظ في الفتح: قال القرطبي: وجهة الجمهور في لزوم من حيث النظر ظاهرة جداً وهو أن المطلقة ثلاثاً لا تحل للمطلق حتى تنكح زوجاً غيره ولا فرق بين مجموعها ومفرقها لغةً وشرعاً وما يتخيل من الفرق صوري الغاء الشرع اتفاقاً في النكاح والمعتق والاقارب (ص ۳۱۸) اهـ

قلت: وقد اخرج الطبري في تفسيره عن انس وعن ابى هريرة وعائشة وابن عباس وابن عمر كلهم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الرجل يطلق زوجته ثلاثاً ثم تزوج برجل آخر هل تحل للاول قال لا حتى

یذوق عسیلتها وتذوق هی من عسیلتہ، وهو حدیث مشہور ومطلق لم یفرق
 فیہ بین المجموع والمفترق۔ واخرج البخاری حدیث امراة رفاعة انھا قالت
 طلقنی رفاعة (الی) ثلث تطليقا وانی نكحت بعده عبد الرحمن —
 وفيه — قوله عليه الصلاة والسلام لا حتى يذوق عسیلتك وتذوق
 عسیلتہ۔ واخرج البخاری عن عائشة: ان رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فترجعت
 فطلق فسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتحل للاول قال لا حتى يذوق
 عسیلتها كما ذاق الاول (فتح الباری ص ۳۳ ج ۲)
 قال الحافظ: فالتمسك بظاهر قولها طلقها ثلاثاً فانه ظاهر
 في كونها مجموعة اهـ۔

وقال النووي: واجتج الجمهور بقوله تعالى: ومن يتعد حدود
 الله فقد ظلم نفسه لا تدري لعل الله يحدث بعد ذلك اهـ
 قالوا معناه: ان المطلق قد يحدث له ندم فلا يمكنه تداركه لوقوع
 البينونة فلو كانت الثلث لم يقع طلاقه هذا لا رجعيًا فلا يندم،
 واحتجوا ايضا بحديث ركانة انه طلق امرأته البتة فقال له النبي
 صلی اللہ علیہ وسلم: ما اردت الا واحدة قال آله ما
 اردت الا واحدة فهذا دليل على انه لو اراد الثلاث لوقعن والا
 فلم يكن لتحليفه معنى اهـ (ص ۴۷۸ ج ۱)

واخرج ابو داود بسند صحيح من طريق مجاهد قال: كنت ابن
 عباس فجاءه رجل فقال: انه طلق امرأته ثلاثاً، فسكت حتى ظننت انه
 سيردها اليه فقال ينطلق احدكم فيركب الاحموقة ثم يقول يا ابن عباس!
 يا ابن عباس! ان الله قال: ومن يتق الله يجعل له مخرجاً..... وانك
 لم تتق الله - فلا أجده لك مخرجاً عصيت ربك وبانت منك امرأتك اهـ
 كذا في الفتح (ص ۳۱۶ ج ۸)

قلت: وزاد الطبري ثم قرأ ابن عباس قوله تعالى: يا ايها النبي
 اذا طلقتم النساء فطلقوهن في قبل عدتهن اهـ واخرج الطبري

له یہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت ہے، اور مشہور قراءت "اعدتھن" ہے۔ دیکھئے تفسیر طبری ۹: ۳۱۸
 من سورة الطلاق۔ دلاور حسین عفی عنہ

بسند صحيح عن الزهري في قصة فاطمة بنت قيس فقالت فاطمة بيني وبينكم كتاب الله قال الله جل ثناؤه : فطلقوهن لعدهن حتى بلغ لعل الله يحدث بعد ذلك امرا قالت : فان امر يحدث بعد الثلاث وانما هو في مراجعة الرجل امرأته اه ملخصا ص ٨٤ ج - واخرج عن الحسن وعكرمة بسند صحيح يقولان المطلقة ثلاثا والمتوفى عنها زوجها لا سكنى لها ونفقة قال فقال عكرمة : لعل الله يحدث بعد ذلك امرا فقال ما يحدث بعد الثلاث اه ص ٨٨ ج - ٢٨ - واخرج الطبري في تفسير قوله تعالى : الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان ط عن عروة بن الزبير وقادة وابن زيد وغيرهم قالوا كان الطلاق قبل ان يجعل الله

الطلاق ثلاثا ليس له ان يطلق الرجل امرأته مائة ثم ان اراد ان يراجعها قبل ان تحل كان ذلك له فجعل الله الطلاق ثلاث تطليقات اه ملخصا واسانيدها صحاح - وقال السيوطي في الدر المنثور ص ٣٤ ج - ١) واخرج الترمذي وابن مردويه والحاكم وصححه والبيهقي في سننه عن عائشة انها قالت : كان الناس والرجل يطلق امرأته ماشاء الله ان يطلقها وهي امرأته اذا ارتجعها حتى نزل القرآن : الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان - واخرج ابن مردويه والبيهقي عن عائشة قالت : لم يكن للطلاق وقت يطلق امرأته ثم يراجعها ما لم تنقض العدة فانزل الله فيه الطلاق مرتان فوقت لهم الطلاق ثلاثا يراجعها في الواحدة وفي اثنتين وليس في الثالثة رجعة حتى تنكح زوجا غيره - واخرج ابوداؤد والنسائي والبيهقي عن ابن عباس ان الرجل كان اذا طلق امرأته فهو احق برجعتها وان طلقها ثلاثا ففسخ ذلك فقال : الطلاق مرتان اه قلت : وقواه الحافظ في الفتح (ص ٢١٤ - ج - ٨) قال السيوطي واخرج مالك والشافعي وابوداؤد والبيهقي عن محمد بن اياس بن البكير قال طلق

رجل امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها ثم ريد له أن ينكحها فجاء
يستفتي فذهبت معه أسأل له فسأل أبا هريرة وعبد الله بن عباس
عن ذلك فقالا: لا نرى أن تنكحها حتى تنكح زوجاً غيره قال إنما كان
طلاقاً إياها واحدة قال ابن عباس: إنك أرسلت من يدك ما كان لك
من فضل اهـ (ص ٢٤٨ ج ١) قلت: - واحديث مالك صحاح أخيه
محمد في موطاه (ص ٢٥٩) عن مالك عن الزهري عن محمد بن عبد الرحمن
بن ثوبان عن محمد بن إياس بن البكير وكلهم ثقات لا يسأل عن مشاهير
وأخرج مالك أنه بلغه أن رجلاً قال لابن عباس: إنني طلقت امرأة
مائة تطليقة فماذا ترى عليّ؟ فقال له ابن عباس: طلقت منك بثلاث
وسبع وتسعون اتخذت بها آيات الله هزواً مالك أنه بلغه رجلاً
جاء إلى ابن مسعود فقال: إنني طلقت امرأة بمائة تطليقات فقال ابن
مسعود فماذا قيل لك قال قيل لي إنها قد بانت مني فقال ابن مسعود:
صدقوا اهـ (ص ١٩٩) قلت: وبلاغات مالك صحاح كما تقرر عند
المحدثين. والجواب عن حديث طاووس عن ابن عباس الذي أخرجه
مسلم وغيره بوجه الأول أن حديث طاووس هذا شاذ خالف فيه
العدد الكثير من أصحاب ابن عباس وهي طريقة البيهقي فإنه ساق
الروايات عن ابن عباس بلزوم الثلاث ثم نقل عن ابن المنذر أنه
لا يظن بابن عباس أنه يحفظ عن النبي صلى الله عليه وسلم شيئاً
ويفتي بخلافه فتعين المصير إلى الترجيح والخذ بقول الأكثر
أولاً من الأخذ بقول الواحد إذا خالفهم. وقال: ابن العربي هذا
حديث مختلف في صحته فكيف يقدم على الإجماع اهـ كذا قال الحافظ
في الفتح (ص ٣١٤ ج ٨) — وفي زاد المعاد لابن القيم قال البيهقي
فهذه رواية سعيد بن جبير وعطاء بن أبي رباح ومجاهد وعكرمة و
عمرو بن دينار ومالك بن الحارث ومحمد بن إياس بن البكير قال وروينا
عن معاوية بن أبي عياش إلا نصارى كلهم عن ابن عباس أنه أجاز

الثلاث وامضاهن اه (ص ٢٥٨ ج ٢) - الثاني: دعوى الاضطراب، قال القرطبي في المفهم وقع فيه مع الاختلاف على بن عباس الاضطراب في لفظه وظاهر سبابة يقتضي النقل عن جميعهم ان معظمهم كانوا يرون ذلك والعادة في مثل هذا ان يفشو الحكم وينتشر فكيف ينفر دبه واحد عن واحد قال فهذا الوجه يقتضي التوقف عن العمل بظاهره ان لم يقتض القطع بطلانه اه كذا قال الحافظ في الفتح (ص ٣١٨ ج ٨) قلت: - ودليل الاضطراب ان اباداؤد اخرج به بلفظ: اما علمت ان الرجل كان اذا طلق امرأته ثلاثا قبل ان يدخل بها جعلوها واحدة، قال الحافظ: فتمسك بهذا السياق من اعلى الحديث اه (ص ٣١٨ ج ٨) الجواب الثالث: انه ورد في صورة خاصة فقال ابن سريج وغيره: يشبه ان يكون ورد في تكرير اللفظ كان يقول انت طالق انت طالق انت طالق وكانوا اولاً على سلامة صدورهم يقبل منهم انهم ارادوا التاكيد فلما كثرا الناس في زمن عمر وكثر فيهم الخداع ونحوه مما يمنع قبول من ادعى التاكيد جعل عمر اللفظ على ظاهر التكرار فامضاه عليهم - وهذا الجواب ارتضاه القرطبي وكذا قال النووي بهذا الصرح الا جوبة (فتح ٣١٨ ج ٨) الجواب الرابع: - حمل قوله ثلاثاً على المراد بها لفظ البتة كما في حديث وكافة سواء وهو من رواية ابن عباس ايضاً فكان بعض رواية حمل لفظ البتة على الثلاث لاشتغال التسوية بينهما فرواها بلفظ ثلاث، وانما المراد لفظ البتة وكانوا في العصر الاول يقبلون ممن قال اردت بالبتة الواحدة فلما كان عهد عمر امضى الثلاث في ظاهر الحكم اه كذا قال الحافظ في الفتح (ص ٣١٨ ج ٨) وحاصل هذا الجواب عندنا ان لفظ البتة كان في العصر الاول من الكنايات لم يكن صريحاً في ارادة التحريم المغلظ فيقبل ممن قال اردت به واحدة فلما كان عهد عمر تتابع الناس في استعمال هذا اللفظ وصار كالصرح في

معنى الحرمة المغلظة وامضى عمر به الطلقات الثلاث والحقه بقول
القائل انت طالق ثلاثاً لعرف اهل زمانه يؤيده ما اخرجہ مالک عن
یحیی بن سعید عن ابی بکر بن حزم: ان عمر بن عبد العزیز قال: البتة ما
يقول الناس فيها قال ابو بكر فقلت له كان ابا بن عثمان يجعلها واحدة
فقال عمر بن عبد العزیز لو كان الطلاق الفاما ابقت البتة منه شيئاً
من قال البتة فقد رمى الغاية القصوى ومالك عن ابن شهاب عن مروان
بن الحکم كان يقضى في الذي يطلق امرأته البتة انها ثلاث تطليقات
ومالك عن ابن شهاب يقول في الرجل يقول لامرأته برأت مني و
برأت منك انها ثلاث تطليقات بمنزلة البتة ام (ص ۲ مؤطا مالک)
فهذه كلها تدل على ان لفظ البتة كان عندهم بمنزلة الطلقات الثلاث
عرفاً۔۔۔ فان قلت: فلما انعقد الاجماع على كون البتة ثلاثاً فلم
خالف الحنفية فيه؟۔۔۔ قلنا:۔۔۔ كان سبب الاجماع عرف اهل زمانهم
والا فهذا اللفظ في الاصل من الكنايات فلما تغير العرف في زمن ابی حنیفة
تغير الحكم ايضاً وعاد الى اصله وعلى هذا فمعنى قول ابی الصهباء
لا بن عباس تعلم انها كانت الثلاث تجعل واحدة على عهد رسول
الله صلى الله عليه وسلم وابی بكر وثلاثاً من امارة عمر قال ابن عباس
نعم، يعني اتعلم ان لفظ البتة الذي يراد به الان الطلقات الثلاث
كانت تجعل واحدة في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابی بكر وصدرامن
خلافة عمر قال ابن عباس فلما كان في عهد عمر تابع الناس في الطلاق
فاجازه عليهم يعني تابع الناس في الطلاق في الثلاث هذا والله تعالى اعلم۔
تین طلاق دینے سے تین طلاق واقع ہونگی دلیل حق تعالیٰ کا یہ قول ہے، اَلطَّلَاقُ
مَرَّتَانٍ فَاِمْسَاكِ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِجْ بِاِحْسَانٍ۔ الى قوله، فَاِنْ طَلَّقَهَا
فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ یعنی طلاق رجعی دو طلاق ہیں اسکے
بعد یا تو تاعدہ کے موافق بیوی کو روک لے یا خوبی سے علیحدہ کر دے، آگے ارشاد ہے کہ دو کے
بعد اگر دوسری طلاق دی تو وہ عورت اب شوہر کیلئے حلال نہ رہے گی جب تک وہ کسی دوسرے

سے نکاح نہ کرے، اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاق کے بعد حرمت منغلظہ ثابت ہو جاتی ہے خواہ ایک مجلس میں دی یا الگ الگ دو مجلسوں میں کیونکہ الفاظ آیت کے مطلق ہیں اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم مطلق ہی ہے جیسا کہ آئندہ آئیگا۔ دوسری دلیل حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ”ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدری لعل الله یحدث بعد ذالک امراً“ جو کوئی خداوندی حدود سے تجاوز کرے اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ اے (طلاق دینے والے) شخص تجھ کو کیا معلوم ہے شاید حق تعالیٰ اسکے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دیں (یعنی شاید طلاق کے بعد تجھ کو ندامت ہو اور تو بیوی کو رکھنا چاہے اسلئے حد سے آگے نہ بڑھ) اور طلاق رجعی کی حد پہلی آیت میں معلوم ہو چکی ہے کہ دو تک ہے) پس اگر تین طلاق دینے سے ایک ہی واقع ہوا کرے تو لازم آتا ہے کہ حد سے تجاوز کرنے میں اسکو کچھ بھی ندامت نہ ہو حالانکہ آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ حد سے تجاوز کرنے والا اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔ اور شاید بعد میں اسکو ندامت ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاق دینے سے تین ہی پڑتی ہیں اور جو تفسیر ہم نے ان آیات کی بیان کی ہے احادیث سے اسکی تائید ہوتی ہے چنانچہ ملاحظہ ہو:

(۱) طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت انسؓ و ابوہریرہؓ و حضرت عائشہؓ و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دی ہوں پھر اس نے دوسرے شخص سے نکاح کیا ہو اور اس نے بھی طلاق دیدی ہو تو وہ پہلے کیلئے حلال ہو گئی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ جب تک وہ اس کا مزہ نہ چکھے اور عورت اس کا مزہ نہ چکھے یہ حدیث مشہور ہے جس میں حضورؐ نے تین طلاق کا حکم عام بیان فرمایا ہے خواہ تینوں ایک مجلس میں دی گئی ہوں یا الگ الگ۔

(۲) بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دیں پھر اس نے نکاح کیا پھر اس (دوسرے) نے بھی طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ وہ پہلے شوہر کیلئے حلال ہو گئی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک وہ دوسرا بھی اس کا مزہ نہ چکھے جیسا کہ پہلے نے مزہ چکھا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس میں لفظ طلقھا ثلاثاً سے ظاہری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں

طلاق ایکدم سے دی گئی ہیں (ص ۳۲۱ ج ۸)۔

(۳) رکازہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو لفظ البتہ سے طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ کیا تم قسم کھا کر کہہ سکتے ہو کہ تم نے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی رکازہ نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بتلا رہی ہے کہ اگر رکازہ نے تین طلاق کی نیت کی ہوتی تو تینوں واقع ہو جاتیں اگر تین کی نیت سے بھی ایک ہی واقع ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رکازہ سے قسم لینا بیکار ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے ملاحظہ ہو نووی شرح مسلم ص ۱۱۶ (۴) ابوداؤد نے بسند صحیح مجاہد سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک شخص آیا اس نے کہا کہ میں نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دی ہیں ابن عباس نے (کچھ دیر) سکوت کیا جس سے مجھے گمان ہوا کہ شاید وہ اسکی بیوی کو اسی کی طرف واپس کر دینگے مگر ابن عباس نے فرمایا کہ بعض لوگ جا کر حماقت کرتے ہیں پھر آکر (مجھے) پکارتے ہیں۔ اے ابن عباس! اے ابن عباس! حالانکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں »ومن یتق الله يجعل له مخرجاً« جو شخص خدا سے ڈرے گا حق تعالیٰ اس کے لئے راستہ نکال دینگے اور تو نے خدا سے خوف نہیں کیا اسلئے میں تیرے واسطے کوئی راستہ نہیں پاتا تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ سے جدا ہو گئی (فتح ص ۳۱۶) اور طبری کی روایت میں اتنی اور زیادتی ہے کہ ابن عباس نے یہ آیت پڑھی »یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن فی قبل عدتھن اھ«۔ اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس شخص نے تین طلاق ایک مجلس میں دی تھیں کیونکہ متفرقاً تین طلاق دینا معصیت نہیں ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ بایں وجہ یہ فرمایا کہ تیری بیوی تجھ پر حرام ہو گئی اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاق ایک مجلس میں ایک دم سے دی جائیں تو وہ واقع اور لازم ہو جاتی ہیں۔ (۵) طبری نے سند صحیح کے ساتھ زہری سے قصہ فاطمہ بنت قیس کو روایت کیا ہے جس کے آخر میں فاطمہ بنت قیس کا یہ قول ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں »لا تدری لعل الله یحدث بعد ذالک امراً« اے مخاطب! تو نہیں جانتا شاید حق تعالیٰ اسکے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دیں، فاطمہ بنت قیس نے کہا کہ بتلاؤ تین طلاق کے بعد کونسی نئی بات پیدا ہو نیکی امید ہے پس یہ حکم جو اس آیت میں مذکور ہے طلاق رجعی کا ہے اھ (ص ۸۸ ج ۲۸)۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ تین طلاق کے بعد پھر رجعت وغیرہ کی کچھ گنجائش نہیں رہتی۔
 (۶) طبری نے آیت، الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان کی تفسیر میں عروۃ بن الزبیر اور قتادہ وابن زید وغیرہم سے روایت کی ہے وہ سب کہتے ہیں کہ پہلے طلاق کیلئے کچھ حد نہیں تھی آدمی اپنی بیوی کو سوا طلاق دیدیتا پھر اگر عدت تمام ہونے سے پہلے وہ رجوع کر لیتا تو اسکو یہ حق حاصل تھا پھر حق تعالیٰ نے طلاق کی حد تین تک مقرر کر دی (کہ اب تین طلاق کے بعد رجوع کا حق بالکل نہیں رہتا) اھ (ص ۲۷۷ ج ۱) انکی اسناد صحیح ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ تین طلاق زبان سے نکالتے ہی عورت بالکل حرام ہو جاتی ہے۔

(۷) علامہ سیوطی درمنثور میں فرماتے ہیں کہ ترمذی اور ابن مردودہ اور حاکم نے روایت کی ہے اور حاکم نے اسکو صحیح کہا ہے نیز بیہقی نے بھی اپنی سنن میں بیان کیا ہے سب کے سب حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ پہلے لوگ اس حالت میں تھے کہ ایک آدمی اپنی بیوی کو جتنی چلے طلاق دیدیتا اور جب وہ رجوع کر لیتا تو وہ اسکی بیوی ہی رہتی تھی یہاں تک کہ آیت «الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان» نازل ہوئی، دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے طلاق کی حد مقرر کر دی، پس ایک اور دو میں رجوع کر سکتا ہے اور تین میں رجعت کا حق نہیں جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔

(۸) ابو داؤد اور نسائی نے اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ پہلے جب آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیدیتا تو اسکو رجعت کا حق حاصل رہتا تھا اگرچہ اس نے تین ہی طلاق دیدی ہوں پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا (اب تین کے بعد حق رجوع حاصل نہیں)۔ اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے قوی کہا ہے۔

(۹) علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ مالک اور شافعی اور ابو داؤد اور بیہقی محمد بن ایاس بن بکیر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں قبل دخول کے پھر وہ استفتاء کرتا ہوا آیا تو میں بھی اس کے ساتھ مسئلہ دریافت کر نیکلئے ہو لیا تو اس نے حضرت ابو ہریرہ و ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا دونوں نے فرمایا کہ ہم تیرے واسطے اس عورت سے نکاح جائز نہیں سمجھتے جب تک وہ تیرے سوا کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے، اس نے

کہا کہ میں نے تو اسکو ایکدم سے طلاق دی تھی، ابن عباس نے فرمایا کہ تو نے اپنے ہاتھ سے وہ فضیلت خود نکال دی جو تجھے حاصل تھی۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو امام محمدؒ نے اپنے مؤطا میں مالک سے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ تین طلاق ایکدم دینے میں بھی تینوں واقع اور لازم ہو جاتی ہیں۔

(۱) امام مالک مؤطا میں فرماتے ہیں کہ انکو یہ حدیث پہنچی ہے کہ ایک شخص نے ابن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاق دیدیں تو آپ میرے لئے کیا فرماتے ہیں؟ ابن عباس نے فرمایا کہ وہ عورت تین طلاق سے تجھ پر حرام ہو گئی اور ۹ طلاقوں سے تو نے خدا کی آیات سے استہزاء کیا۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث بھی پہنچی ہے کہ ایک شخص ابن مسعودؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو دو سو طلاق دیدیں۔ ابن مسعود نے کہا پھر تجھ سے لوگوں نے کیا کہا کہنے لگا کہ مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ وہ عورت مجھ پر حرام ہو گئی۔ ابن مسعود نے فرمایا کہ لوگوں نے سچ کہا اھ (ص ۱۹۹)۔ میں کہتا ہوں کہ بلاغات امام مالکؒ محدثین کے نزدیک صحیح ہیں اور اس سے بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص سو طلاق یا دو سو طلاق ایک دم سے دیدے تو تین طلاق پڑ جاتی ہیں۔ گو ایک ہی لفظ سے طلاق دی۔ اور ایک ہی مجلس میں دے یہ دلائل تو جمہور کی طرف سے ہیں اب اس حدیث کا جواب سنئے جو غیر مقلد اپنی دلیل میں بیان کرتے ہیں اسکے چند جواب ہیں:

(۱) یہ کہ اس حدیث کو ابن عباس سے صرف طاؤس نے روایت کیا ہے اور ابن عباس کے دوسرے شاگرد یعنی سعید بن جبیر و عطاء بن ابی رباح و مجاہد و عکرمہ و عمرو بن دینار و مالک بن حرث و محمد بن ایاس بن بکیر و معاویہ بن ابی عباش انصاری اسکے خلاف ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے تین طلاق کو (ایک مجلس میں ایک لفظ سے) نافذ اور واقع کیا ہے چنانچہ بیہقی نے ان سب روایتوں کو نقل کر کے ابن منذر کا قول بیان کیا ہے کہ ابن عباس پر یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات یاد رکھتے ہوئے اسکے خلاف فتویٰ دیں پس لا محالہ ان میں سے ایک کو ترجیح دینی لازم ہے اور ظاہر ہے کہ جو بات جماعت کثیر نے ابن عباس سے بیان کی ہے اسکو اخذ کرنا ایک شخص کی روایت کو اخذ کرنے سے زیادہ بہتر ہے جبکہ وہ ایک شخص کے خلاف روایت کرتا ہے (فتح الباری ص ۳۱۷-۸ ج)۔ حاصل یہ ہوا کہ طاؤس کی روایت شاذ

ھے اور روایت شاذ مردود ہوتی ہے۔

(۲) طاؤس کی یہ روایت مضطرب ہے قرطبی نے مفہم شرح مسلم میں کہا ہے کہ اس حدیث میں باوجود اصحاب ابن عباس کے مخالفت کے الفاظ میں بھی اضطراب واقع ہے اور نیز طاؤس کی اس حدیث سے بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ اکثر صحابہ کو یہ بات معلوم تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین طلاق کو ایک سمجھا کرتے تھے اور ایسی بات عادتاً شائع اور منتشر ہونی چاہئے تھی پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ اسکو نقل کرنے والا ایک ہی شخص ہے (یعنی طاؤس) اور وہ بھی ایک ہی شخص سے روایت کرتا ہے (یعنی ابن عباس سے) اگر یہ مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتا اور اکثر صحابہ اسکو جانتے تو بہت سے تابعین بہت سے صحابہ سے اسکو روایت کرتے اسلئے اگر اسکو قطعی طور پر باطل نہ کہا جائے تب بھی طاؤس کی حدیث پر عمل کرنے سے توقف کرنا لازم ہے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر طاؤس کی روایت کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک خاص صورت کے متعلق ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص الفاظ طلاق کو تین بار مکرر کہے کہ تجھکو طلاق تجھکو طلاق تجھکو طلاق اور پھر یہ دعویٰ کرے کہ میری نیت صرف ایک طلاق دینے کی تھی اور میں نے تین بار محض تاکید کیلئے کہا تھا تو اس صورت میں زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والوبکر اور تین سال خلافت عمر میں شوہر کا قول مان لیا جاتا تھا کیونکہ اس زمانہ میں لوگ جھوٹ نہ بولتے تھے صلاحیت اور تقویٰ کا اس زمانہ میں غلبہ تھا، حضرت عمر کے زمانہ میں جب کذب و خداع لوگوں میں زیادہ ہو گیا تو حضرت عمر نے حکم دیدیا کہ اب جو شخص تین بار لفظ طلاق مکرر کہہ کر ایک طلاق کی نیت کا دعویٰ کرے گا قضاء یہ دعویٰ قبول نہ ہوگا۔ قرطبی اور نووی نے اس مطلب کو صحیح کیا ہے۔ اور اگر صاف یہ کہہ دے کہ تجھکو تین طلاق تو اسکو کسی وقت میں ایک شمار نہیں کیا گیا اور نہ حدیث اس پر دال ہے۔

(۴) چوتھا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں راوی نے لفظ البتہ کی جگہ لفظ ثلاثا کہہ دیا ہے کیونکہ اس وقت لفظ البتہ اور تین طلاق کا یکساں ہونا مشہور تھا چنانچہ روکا نہ کی حدیث میں بھی بعض راویوں نے لفظ "البتہ" کی جگہ لفظ "ثلاثا" کہہ دیا ہے، پس مطلب حدیث کا یہ ہے کہ ابوالصہباء نے ابن عباس سے دریافت کیا کہ کیا آپ کو یہ بات

معلوم ہے کہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ و شروع خلافت عمرؓ میں "طلاق" البتہ کو (جو آجکل تین طلاق شمار ہوتے ہیں) ایک طلاق شمار کیا جاتا تھا بن عباس نے کہا ہاں اہ۔ سو بات یہ ہے کہ لفظ البتہ اصل میں کنایہ ہے اور کنایات کا قاعدہ یہ ہے کہ اس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور اگر تین طلاق کی نیت کرے تو تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں پس ابتداء زمانہ اسلام میں یہ لفظ تین طلاق کیلئے صریح نہ تھا ایک طلاق کی نیت قبول کی جاتی تھی پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسکا استعمال تین کے معنی میں بہت شائع ہو گیا حتیٰ کہ وہ اس معنی میں صریح ہو گیا کنایہ باقی نہ رہا اسلئے حضرت عمرؓ نے حکم دیدیا کہ اب اس لفظ سے طلاق واحد کی نیت قبول نہ ہوگی کیونکہ اب کثرت استعمال سے یہ تین طلاق کے معنی میں صریح ہو گیا ہے باقی یہ مطلب اس کا ہرگز نہیں کہ صاف صاف تین طلاق دینے کے بعد بھی بوجہ اتحاد مجلس کے یا بوجہ اتحاد کلمہ کے انکو ایک شمار کیا جائیگا جو کوئی یہ دعویٰ کرے وہ دلیل بیان کرے اور جو دلیل غیر مقلد بیان کرتے ہیں اسمیں علاوہ شذوذ و اضطراب کے یہ دو احتمال قوی موجود ہیں۔ جو ہم نے بیان کیے ہیں "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" یعنی احتمال کے ہوتے ہوئے استدلال باطل ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں یہ کہ جماعت ہیرامت کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ تین طلاق ایک مجلس میں ایک ہی لفظ سے دی جائیں تو وہ ضرور واقع ہو جاتی ہیں۔ خواہ مدخول بھا ہو یا نہ ہو اور ایک مجلس میں تین لفظ سے دی جائیں تو اس میں مدخول بھا وغیرہ مدخول بھا کی حالت سے فرق ہو جاتا ہے، مدخول بھا پر بالا جماع تینوں پڑ جاتی ہیں۔ اور غیر مدخول بھا میں اختلاف ہے اور اجماع کی مخالفت حرام ہے لہذا جو لوگ یہ کہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے ایک واقع ہوتی ہے وہ مرتکب معصیت اور سخت گمراہ و گناہ گار ہیں۔

قال الحافظ في الفتح: وفي الجملة فالذي وقع في هذه المسئلة نظير ما وقع في مسئلة المتعة سواء اعني قول جابر انها كانت تفعل في عهد النبي صلى الله عليه وسلم واني بكر وصدر من خلافة عمر ثم نهانا عمر عنها فانتبهينا فالراجح في الموضعين تحريم المتعة واليقاع الثلاث للاجماع الذي انعقد في عهد عمر على ذلك ولا يحفظ ان احدا في عهد عمر خالفه في واحدة منهما وقد دل اجماعهم على وجود ناسخ

وان كان خفي عن بعضهم قبل ذلك حتى ظهر لجميعهم في عهد عمر
فالمخالف بعد هذا الاجماع منابذله وانجمهون على عدم اعتبار
من احدث الاختلاف بعد الاتفاق (ص ۳۱۹ ج ۸) والله اعلم۔

لفظ طلاق کو تین بار کہنے سے | (سوال) شخصہ جاہل نزد عالمی برای طلاق دادن
مطلقہ مغلفہ ہو جانے کا حکم، بزن خود آمد ہماں عالم صاحب بہ طالب علمے خود فرمود کہ این را

تلقین طلاق نموده ایقاع طلاق کنان او بروئے خود طالب علم باں شخص گفت کہ طلاق
بائن بدہ آں گفت «طلاق دادم» بعدہ طالب علم ہمیں خیال نموده کہ برائے دفع مناقشہ زوجین
طلاق رجعی کافی نیست باں شخص گفت کہ بگو طلاق بائن دادم بعدہ گفت طلاق بائن دادم و
آن دم ہماں عالم صاحب فرمود کہ لفظ بائن را مردم بے علم نمی فہمند برای اطمینان طرفین گفتہ
آید کہ جواب دادم باز آں شخص بزن خود گفت کہ جواب دادم (و جواب دادن در عرف این
ملک بائن می شود) دریں صورت بر مستفتی عنہما طلاق رجعی واقع شد یا بائن یا مغلفہ
آن شخص بے علم بود مرادش طلاق مطلق دادن بود بغیر لحاظ وصفی و عددی مگر حسب
گفتن طالب علم و عالم تفسیراً باز طلاق بائن بعدہ جواب دادم گفتہ۔ از تکرار چنین الفاظ
(جواب دادم و بائن) مراد ملقن ان طلاق دہم مراد مرد مطلق تقدیر طلاق نبود
صرف تعیین نوع طلاق (بائن) بود، بیستہ ان وجب و بالبرہان۔

سائل بندہ دین محمد فیروز شاہی معلم مدرسہ مقام پٹا اسٹیشن پیارہ گوٹھ ضلع لاڑکانہ (سندھ)
الجواب :- صورت مسئلہ میں تین طلاق مغلفہ واقع ہو گئیں اب بدون حلالہ
کے عورت اس مرد کیلئے حلال نہیں ہو سکتی۔

قال فی العالمگیرۃ: متى كر لفظ الطلاق بحرف الواو وبغير حرف الواو
يتعدد الطلاق وان عني بالثانية الاولى لم يصدق في القضاء اه (ص ۵۶)
قلت: وفي الصورة المستولة لا يصدق ديانة ايضاً لان الزوج جاهل
تكلم بما لقنه الملقن واما التفسير بالبائن ونحوه فهذا انما هو في
ذهن الملقن فحسب لا في ذهن المطلق كما يظهر من السؤال، والله اعلم۔

۲۔ شرالہ

عہ اس سوال کے جواب سے بعد میں رجوع کیا گیا۔

(سوال) زید نے اپنی بیوی سے کہا ”جا تجھکو طلاق دی میں نے“ پھر کہا ”جا تجھکو دو طلاق دی“ تو عورت اگر مدخل بھاہے تو تین واقع ہو گئیں۔

طلاق دی میں ”اب زید کے پاس ۵ شخص موجود تھے دو شخص کہتے ہیں کہ زید نے صرف ”جا تجھکو دو طلاق دی میں“ کہا اور ”جا تجھکو طلاق دی میں“ نہیں کہا اور باقی تین ہی شخص کہتے ہیں کہ زید نے پہلے ”جا تجھکو طلاق دی میں“ کہا تھوڑی دیر کے بعد کہا ”جا تجھکو دو طلاق دی میں“ اور زید ان تین شخصوں کی گواہی کو انکار کرتا ہے حالانکہ پانچوں شخص ایک ہی جگہ پر بیٹھے تھے اور زید پہلے دو شخص کی شہادت کا اقرار کرتا ہے۔ اب صورت مذکورہ میں کتنی طلاق پڑیگی؟ اور صورت اولیٰ میں آیا ایک ہی طلاق پڑیگی یا تین؟ اور صورت ثانیہ میں دو طلاق پڑیگی یا نہیں؟ جواب مدلل بحوالہ کتب مرجع فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب :- قال فی العالمگیریۃ: ولو قال للمدخولة انت طالق واحدة لا بل ثنتين يقع الثلاث اه (ص ۶۱ ج ۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسری صورت میں اگر شوہر نے پہلے ”جا تجھکو طلاق دی میں“ کہہ کر پھر ”جا تجھکو دو طلاق دی میں“ کہا ہے تو عورت پر اگر وہ مدخلہ ہے تین طلاق واقع ہو گئیں اور پہلے ”جا تجھکو طلاق دی میں“ نہیں کہا تھا تو صرف دو طلاق واقع ہوئیں اور غیر مدخلہ کا حکم دوسرا ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۶، سوال ۱۳۱۰ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ان مسائل میں کہ: (۱) ایک شخص اپنی بیوی کو کسی وجہ سے زد و کوب کیا پھر وہاں سے اندازاً پچاس قدم ہٹ کر کہنے لگا کہ ”ایک طلاق، دو طلاق، سات طلاق“ بس اس سے اسکی بیوی مطلقہ ہو گئی یا نہیں؟ اور ایک طلاق دو طلاق جو الفاظ مذکورہ اس سے مراد اضافت معنویہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- قال فی الشامیۃ: ولا يلزم كون الاضافة صريحة في كلامه لما في البحر: لو قال طالق فقیل له: من عنیت؟ فقال: امرأتی طلقت امرأتہ اه۔

وفي البحر :- لو قال : امرأة طالق او قال طلقت امرأة ثلاثا و قال لمرأتي يصدق او ويفهم منه انه لو لم يقل ذلك تطلق امرأته لان العادة ان من له امرأة انما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها فقوله اني حلفت بالطلاق ينصرف اليها ما لم يرد غيرها لانه يحتمله كلامه اه (ص ۷۰۵ ج ۲)۔

صورتِ مذکورہ میں جب اس شخص نے ایک طلاق دو طلاق سات طلاق کہنے کے بعد یہ نہیں کہا کہ میری مراد بیوی کو طلاق دینا نہیں بلکہ کسی اور کو طلاق دینا ہے تو اب اسکی بیوی پر تین طلاق مغلظ واقع ہو گئیں کیونکہ بظاہر اسکی نیت اسی عورت کو طلاق دینے کی ہے جس کو زور و کوب کیا تھا پس بدون تحلیل کے وہ عورت اپنے شوہر کیلئے حلال نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان
تو چلی جا، کہنے سے وقوع طلاق کا حکم۔

شرع متین دریں مسئلہ کہ زید اپنی زوجہ کے ساتھ ہمیشہ تکرار اور جھگڑا کرتا ہے جب وہ زیادہ تنگ کرتا ہے اسکی زوجہ اپنے باپ کے یہاں چلی آتی ہے دو چار مہینہ کے بعد پھر زید آتا ہے معافی چاہتا ہے پھر لے جاتا ہے چند روز وہاں رہتی ہے پھر اپنی زوجہ کے باپ کو زید تحریر کرتا ہے اسکو لیجاؤ اسی طرح چند مرتبہ ایسا واقعہ ہو چکا ہے اب آخر میں جو تکرار ہوا اسکے بعد زید نے اپنا لڑکا بیوی سے چھین لیا اور یہ کہا: ”جا تجھ کو آزاد کیا، اور طلاق دی، تو چلی جا،“ اس نے باپ کو بلا کر اسکے ہمراہ چلی آئی۔

جسکو عرصہ آٹھ ماہ کا ہو چکا ہے۔ زید نے لینے آیا اور نہ خرچہ دیا۔ اس صورت میں زید کی بیوی کو طلاق ہو گئی یا نہیں۔ اور اس کا نکاح دوسری جگہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مولوی محمد یعقوب۔

الجواب :- صورت مسئلہ میں عورت پر تین طلاق واقع ہو چکی ہیں۔ اگر لفظ ”چلی جا،“

سے نیت طلاق کی، کی ہو۔ ایک اس لفظ سے ”جا تجھ کو آزاد کیا،“ دوسری اس لفظ ”اور

طلاق دی،“ تیسری اس لفظ سے ”تو چلی جا،“۔ لان اذہبی و اخرجی کنا بینه و

البائنی يلحق الصریح۔ البتہ اگر شوہر نے ”تو چلی جا،“ سے تیسری طلاق کا قصد نہ کیا ہو

بلکہ تاکید پہلے کلام کا اثر و نتیجہ بیان کر نیکا قصد کیا ہو تو تین طلاق واقع نہ ہونگی صرف دو

طلاق واقع ہونگی۔ لان نحو اذہبی و اخرجی لا يقع به الطلاق الا بالنیة

مطلقاً سواء كان حالة الرضى او الغضب او المذاكى ؤ صرح به الشاىء .

(ص ۶۵ ج ۲)

پس اگر شوہر نے » تو چلی جا « سے بھی طلاق کا قصد کیا ہو تب تو یہ اسکے لئے بالکل حرام ہو چکی کہ بدون حلالہ کے دوسرا نکاح بھی اس سے نہیں ہو سکتا اور اگر اس لفظ سے طلاق کا ارادہ نہ تھا تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس آٹھ ماہ کے عرصہ میں عورت کو تین حیض آچکے جب تو وہ زید کے نکاح سے نکل چکی اور دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے اور اگر اس عرصہ میں تین حیض نہیں آئے تو ابھی عدت پوری نہیں ہوئی، دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی۔ بلکہ اگر زید رجوع کرنا چاہے تو تین حیض گزرنے سے پہلے رجوع کر سکتا ہے، تجدید نکاح کی ضرورت نہیں اور اگر تین حیض آچکے تو اس صورت میں جبکہ دوسری طلاق واقع ہوئی زید سے دوسرا نکاح ہو سکتا ہے، حلالہ کی ضرورت نہ ہوگی اور تین حیض کے آنے یا نہ آنے کے باب میں عورت ہی کا قول معتبر ہوگا اور اگر اختلاف ہو تو عورت کا قول مع قسم کے معتبر ہوگا۔

قالت: مضت عدتي وانكر الزوج فالقول لها لا نهامينة ،

(در مختار ص ۸۷ ج ۲) واللہ اعلم۔

حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

مورخہ ۲۵ صفر ۱۳۵۷ھ۔

» تجھ کو قطعاً چھوڑ دیا، تو میری بیوی گری سے نکل گئی تجھ کو بائیکاٹ کر دیا « سے وقوع طلاق کی ایک صورت کا حکم۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو بارہا اس قسم کے الفاظ

تحریر کئے ہیں جیسا کہ نقل ایک تحریر کی منسلک استفتاء ہذا ہے الفاظ یہ ہیں: » اب آج کی تاریخ سے ہم سے اور تم سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ہم نے تم کو قطعاً چھوڑ دیا ہے جو تمہارا دل چاہے سو کرو، تم میری بیوی گری سے بخدا قطعاً نکل گئی ہو میں تم سے مستثنیٰ ہوں اور تم کو قطعاً بائیکاٹ کر دیا ہے «

جناب والا! یہ الفاظ مکرر کر رہے خطوط میں لکھا ہے مگر باوجود اس تحریر کے نشست و برخاست بات چیت بند نہیں ہوئی پس اس صورت میں کیا ہندہ پر طلاق بائن ہوئی یا مغلظ؟ امیدوار ہوں کہ جواب با صواب مع حوالہ کتاب تحریر فرماویں،

بیتوا تو جروا ۔ کترین محمود عالم از فیض آباد۔

معرفت حکیم عادل حسین عفا عنہ ۳ جمادی ۱۳۵۷ھ

(نقل تحریر منجانب ذید بنار ہندہ)

ہندہ کو معلوم ہو کہ اب آج کی تاریخ سے ہم سے اور تم سے کچھ تعلق نہیں ہے اور میں نے تم کو قطعاً چھوڑ دیا ہے اور نہ اب میں تمہاری زندگی بہر صورت دیکھوں گا۔ اگر میں اپنے ایک باپ کا پیدا ہوں تو ضرور یہ ہی بات کر کے دکھاؤں گا اطلاق لکھا گیا ہے لہذا تاکیداً لکھا جاتا ہے کہ تم اسکو مثل نوٹ کے سمجھو اور مذاق نہ سمجھو ورنہ تم بہت بہت پچھتاؤ گی اور سخت رُو و گی آئندہ تم کو اختیار ہے اور اب تم اپنی تمام عمر بھر کیلئے مجھ سے ہاتھ دھو کے۔ ہائے! میں جدا ہوں جو تمہارا دل چاہے سو اب تم کرو تم اب میری بیوی مری سے بخدا قطعاً نکل گئی ہو میں تم سے مستثنیٰ ہوں اور اب حلف کی رو سے میں دس آدمیوں کے سامنے کہہ دوں گا کہ یعنی خالد کی لڑکی مجھ سے ۲۵ شب برات سے ترک ہو گئی ہے ایک مہینہ بھر تک مجھ سے ہندہ سے تعلق رہا اور پھر بعد اسکے ہندہ نے میرے خلاف از حد یہ نالائقی حرکتیں کیں۔ اسلئے میں نے اسکو ترک کر دیا اور جو اب تمہارا دل چاہے شوق سے کرو اور نہ اب تمہاری صورت دیکھوں گا اگرچہ تم ایک اپنے باپ سے پیدا ہو گی تو اسکو جھوٹ نہ سمجھو گی اور تم کو قطعاً بائیکاٹ کر دیا ہے حلف کی رو سے میری بیوی ہندہ نہیں ہے زندگی بھر تک اسکی اب صورت نہ دیکھوں گا اور اب یہاں سے بھی کہیں دور جاتا ہوں جب تک تم لکھنؤ رہو گی تب تک میں یہاں سے الگ رہوں گا اور جب تم الہ آباد چلی جاؤ گی جب میں یہاں رہوں گا اب تک میں نے کوئی طرح کی بات چیت نہیں کی ہے مگر اب ایسا کروں گا پھر چاہے لفٹننٹ گورنر چلے آئینگے تب بھی میں تمہارے قریب نہ آؤں گا اور بھی میں نے اپنا انتظام الگ کر لیا ہے زیادہ کیا لکھوں۔

مؤرخہ ۲۲ جولائی ۱۳۵۷ھ بقلم خود انداز بخانی ٹولہ ضلع گولڑہ - ۱۲

واضح رہے کہ شوہر نے خط میں انہی جملوں کو "ہندہ میری بیوی نہیں، خالد کی دختر میری کوئی نہیں، میری کوئی نہیں، میری کوئی نہیں وغیرہ، تین تین مرتبہ لکھا ہے۔ برائے کرم اس کی روشنی میں جواب عنایت فرماویں کہ زید کی بیوی مطلقہ ہو گئی یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ میں مسماۃ ہندہ پر تین طلاق مغلظہ واقع ہو چکیں، ایک اس لفظ سے ”میں نے تم کو قطعاً چھوڑ دیا ہے“ جو طلاق میں صریح ہے۔ دوسری اس لفظ سے ”تم میری بیوی گری سے قطعاً نکل گئی ہو“ جسکے معنی زوجیت سے نکلنا ہے تیسری اس لفظ سے ”تم کو قطعاً بائیکاٹ کر دیا ہے تم میری بیوی نہیں ہو“ اھ۔ ان کے علاوہ اور الفاظ بھی اس خط میں موجب طلاق ہیں جو قرینہ سابقہ سے ملکر طلاق کو موجب ہیں لیکن یہ الفاظ تو بہت صاف ہیں۔ وقد صرح الفقہاء بلحق البائن بالصیغ — پس ہندہ کو اس شوہر سے یعنی زید سے قطعاً علیحدگی اختیار کر لینا چاہئے اور اس تحریر کے بعد سے تین حیض عدت کے پوری کر کے وہ جس سے چاہے نکاح کر لے اور زید سے ہی نکاح کرنا چاہے تو جب تک دوسرے شخص سے نکاح اور دخول اور طلاق یا موت زوج ثانی اور اتمام عدت نہ ہو اس وقت تک وہ زید سے نکاح نہیں کر سکتی ہے کہ تین طلاق کا یہی حکم ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ از تھانہ بھون

خانقاہ ابراہیم - ۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

اگر مجھے مارنے کا اختیار نہیں، تو میں نے (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین طلاق دی، تین مرتبہ یہ جملہ کہنے سے و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ طلاق مغلظہ واقع ہوگی۔

عمو! اپنی بیوی پر کچھ کارخانگی نقصان کر دینے پر غصہ ہوا اور دو ایک طمانچہ بھی مارے اس پر عمو کا بھائی آکر مانع ہوا اور ڈانٹتے ہوئے کہا تجھے کیا اختیار ہے مارنے کا۔ عمو نے جھنجھلا کے کہا کہ ”اگر مجھے مارنے کا اختیار نہیں ہے تو میں نے طلاق دی“ اور تین مرتبہ یہی کہا۔ اب عند الشرع انکے لئے کیا حکم ہے،

پتہ :- نیازمند قاضی ابوالحسن تجارہ راجپوتانہ محلہ قاضیان۔

الجواب :- قال فی الدر :- وأن لا یقصد بہ المجازاة ، فلو قالت : یا سفلہ ! فقال : ان کنت کما قلت فانت کذا تنجین کان کذا لک اولا اھ۔

وفي الشامية: والمختار والفتوى انه ان كان في حالة الغضب فهو على المجازاة والا فعلى الشرط اهـ (ص ۸۱۲ - ج ۲) قلت: والظاهر من صورة السؤال كونه تنجيزاً والتعليق للمجازاة دون الشرط -

ہمارے نزدیک صورت مسئلہ میں تین طلاق واقع ہو چکی ہیں اس شخص کی بیوی کو اس صورت میں اسکے پاس رہنا جائز نہیں اور نہ اب بدون حلالہ کے اسکو اس شخص سے نکاح درست ہے عدت کے بعد وہ کسی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔ باقی اور علماء سے بھی دریافت کر لیا جائے۔

فقط حرره الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۳۰ جماد الاخریٰ ۱۳۶۷ھ

طلاق بائن کے بعد تین طلاق دی (سوال) زید نے اپنی منکوحہ کو کہا ”تو میرے اوپر تو بیئو نہ غلیظ ہو جائیگی یا نہیں“ حرام ہے پھر اسی وقت کہا کہ ”تین طلاق سے طلاق ہے“ چونکہ تین طلاقیں صریح لفظ سے بائن غلیظ کہلاتی ہیں اور بائن کے ساتھ بائن ملحق نہیں ہوتی اس قاعدہ کے مطابق یہاں اس صورت میں بائن خفیہ ہوگی یا بائن غلیظ اگر ملحق ہو کر بائن غلیظ ہوگئی تو ”عینی شرح کنز“ کی اس عبارت کا کیا مطلب ہوگا؟ والبائن لا يلحق البائن الا اذا كان معلقاً صورته اذا قال لامرأته: ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثاً ثم ابانها فدخلت الدار وهي في العدة طلقت ای وقع علیہا الثلاث المعلق۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بصورت تنجیز اسی وقت طلاقات ثلاث واقع کرے تو ملحق نہ ہونگی اور صرف لفظ حرام سے بائن خفیہ ہو جائیگی۔ بندہ محمد عرفان۔

الجواب :- صورت مسئلہ میں منکوحہ زید مطلقہ ثلاثہ ہوگئی ہے بدون تزوج بزواج آخر و حصول طلاق اذاں و گذشتن عدت زید کیلئے حلال نہیں ہو سکتی۔ اور سائل نے جو شبہ کیا ہے کہ تین طلاقیں صریح لفظ سے بائن غلیظ کہلاتی ہیں اور بائن کو بائن ملحق نہیں ہوتی یہ شبہ غلط ہے کیونکہ ”البائن لا يلحق البائن“ میں بائن سے وہ مراد ہے جو بلفظ کنا یہ ہو اور بائن بلفظ صریح ہو وہ بائن و صریح دونوں

کو ملحق ہوتا ہے۔

قال فی الدر :- الصریح یلحق البائن والبائن یلحق الصریح ما لا یمتدح الی نیتہ بائناً کان الواقع بہ او رجعیاً "فتح" فمنہ الطلاق الثلاث فیلحقہما (ای البائن والصریح) وكذا الطلاق علی مال فیلحق الرجعی لا یلحق البائن اھ۔

قال الشافعی : ای اذا عرفت ان قوله الصریح یلحق الصریح والبائن المراد بالصریح فیہ ما ذکر ظہر ان منہ الطلاق الثلاث فیلحقہما ای یلحق الصریح والبائن فاذا بان امرأتہ ثم طلقها ثلاثاً فی العدة وقع وهی واقعة حلب — قال فی الفتح القدير : الحق انه یلحقها لما سمعت من ان الصریح وان کان بائناً یلحق البائن ومن ان المراد بالبائن الذی لا یلحق هو ما کان کناية اھ۔ وتبعہ تلمیذہ ابن الشحنة فی عقد الغرائد وكذا صاحب البحر والنہر والمنع والمقدسی والشرنبلالی وغيرہم وهو صریح فانقلناہ انفاً عن الخلاصة وایدہ صاحب الدرر والغریب كما نذکرہ قریباً خلافاً لمن رجح عدم وقوع الثلاث فانه خلاف المشہور كما یأتی اھ (ص ۱۷۷ ج ۲)۔

وفیہ ایضاً :- قوله لا یلحق البائن البائن المراد بالبائن الذی لا یلحق هو ما کان بلفظ الکناية اھ (ص ۱۷۷ ج ۲)۔ وما نقلہ الزاہدی عازیاً الی الاسرار لنجم الدین قال : لہا انت بائن ثم قال فی العدة انت طالق ثلاثاً لا یقع الثلاث عند ابی حنیفة ۛ لكون الثلاث بینونة غلیظة فی المعنی وعندہما یقع لكونہا صریحاً فی اللفظ فقد ردہ الشافعی بابلغ رد واحسنہ وقال : قد تقرر ان الزاہدی ینقل الروایات الضعیفة فلا یتابع فیما ینفرد بہ وقد وجد النقل عن الخلاصة والبرازیة وغيرہما بما ینخالقہ كما قدمناہ اھ (ص مذكوره) والمآل

فیہ فاجاد۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر طفر احمد عنانہ

۴ محرم ۱۳۵۷ھ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔

حکم طلاق ثلاث نابالغہ غیر مدخولہ | (سوال) کیا فرماتے ہیں حضرات

علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ زید نے بموجودگی چند اشخاص کے جن میں اس کا بالغ لڑکا مسمیٰ عمرو بھی موجود تھا بدون اسکے استخراج واستیذان کے ایک طلاق نامہ اسکی طرف سے لکھوایا جس کا عنوان اور رسم یہ تھا »میں مسمیٰ عمرو ولد زید نے اپنی نابالغہ غیر مدخولہ بیوی سماءہ فلانہ بنت فلاں کو تین طلاق دی« بعد تکمیل کے باپ نے بیٹا کو حکم دیا کہ اس پر بائیں ہاتھ کے انگوٹھا سے نشان کر دے۔ چونکہ لڑکا امی تھا دستخط کر نہیں سکتا تھا اسلئے اس نے آجکل کے گورنمنٹی دستور کے موافق اس پر نشان انگوٹھا کا کر دیا اور نشان کر نیکا اسکو اقرار ہے اور اسکو طلاق نامہ کے مضمون سے بھی پوری واقفیت ہے اس حالت میں اسکی زوجہ پر تینوں طلاقیں واقع ہونگی یا نہیں؟ اور اب اگر عمرو اس عورت سے نکاح کرنا چاہے تو بلا حلالہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ طلاق واقع نہیں ہوئی اسلئے کہ دستخط یا ختم نہیں ہے (اور انگوٹھے کی نشان مستحدث ہے) اور نکاح بلا تحلیل جائز ہے اور دوسرے ایک شخص کا خیال ہے کہ انگوٹھے کا نشان بجائے ختم کے ہے لہذا نکاح بلا تحلیل درست نہیں۔ بدینوا توجروا۔

الجواب :- فی الشامیۃ: (ص ۴۰۴ ج ۲) ولو استکتب کتاباً بطلاقها وقرأه علی الزوج فاخذہ الزوج وختمه وعنونه وبعث به اليها فاتاها وقع وان اقر الزوج انه كتابه او قال للرجل ابعث به اليها او قال له اكتب نسخه وابعث بها اليها وان لم يقرأ ولو يقيم بينة لكنه وصف الامر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة وكذا كل كتاب لو يكتبه ولو يملأه بنفسه لا يقع الطلاق ما لو يقرأ انه كتابه اھ ملخصاً۔

جب زوج کو مضمون طلاق نامہ سے خبردار ہوتے ہوئے اس کا اقرار ہے کہ وہ

نشان انگشت اس کا ہے اور نشان انگشت ہمارے عرف میں دستخط سے بھی زیادہ مستند ہے تو صورت مسئلہ میں تین طلاقیں واقع ہو گئیں ختم سے ہر وہ نشان مراد ہے جو کہ نسبت کرنے کیلئے کافی ہو یہ نہیں کہ ختم کے علاوہ دوسرے نشانات معتبر نہوں شریعت نے ختم کی کوئی خاص صورت متعین نہیں کی چنانچہ بعض مہر کرتے ہیں بعض دستخط صاف کرتے ہیں بعض دستخط اپنی خاص روش پر بخط طغرا کرتے ہیں تو جو شخص نشان انگشت کو ختم نہیں کہتا وہ دستخط کی قسم ثانی کو کیا کہے گا اور ختم کو ان تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے ساتھ کس دلیل سے مقید کرے گا ہمارے نزدیک ختم کا مدار عرف پر ہے جس طریقہ کو عرفاً ختم سمجھتے ہوں اس سے تحریر خاتم کی طرف منسوب ہو جائیگی اور آجکل نشان انگشت سب سے زیادہ ہے فلا شک فی کو نہ ختم۔ پس عمرو کو بدون علامہ اس عورت سے نکاح جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

احقر عبد الکریم مکتہ لدی عفی عنہ
۲۶ شوال ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۲۶ شوال ۱۴۳۳ھ

”ایک دو تین طلاق“ کہنے سے طلاق (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان
مغلطہ واقع ہوگی۔ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی بیوی

بد کام کرتے ہوئے دوسرے پر دوسرے نے دیکھا اور اس وجہ سے ان کے اقارب میں سے کسی نے انکو سخت مارا اور لعن طعن کیا کہ تو کیوں اسکو کچھ نہیں کہتا اب شوہر غصہ ہو کہ عام مجلس میں یہ الفاظ کہنے پر اقرار کرتا ہے اور انکے ساتھ چار آدمی ہی کہتے ہیں وہ الفاظ یہ ہیں دو ایک دو تین طلاق بائن ”اب اس میں طلاق ہوگی یا نہیں؟“ کیونکہ لفظ ”دی“ رہ گیا مگر ایک آدمی ”دی“ لفظ کہنے پر بھی گواہی دیتا ہے اب چار گواہ کے مقابل میں ایک کا معتبر سمجھا جاوے گا یا نہیں اور ”دی“ لفظ کہنے کی صورت پر بھی طلاق ہوگی یا نہیں کیونکہ نہ بیوی کو مخاطب بنایا نہ جس سے طلاق لفظ کا مبتدا ہو جاتا اور نہ ”دی“ لفظ کہا جس سے طلاق کی خبر ہو بظاہر مبتدا نہ ہونے پر مہمل کلام معلوم ہوتا ہے اسلئے لوگ اختلاف کرتے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی۔ اب کتب معتبرہ سے جواب روانہ فرما کر سرفراز کریں اور اگر ایک کا قول معتبر مانا جائے تو کچھ شبہ ہی نہیں

الاضافۃ مع انه لو اراد طلاقها تكون الاضافة موجودة ويكون المعنى فانی
حلفت بالطلاق منك او بطلاقك ولا يلزم كون الاضافة صريحة كلامه
لما في البحث لو قال طالق فقبل له من عنيت فقال امرأتی طلقت
امراته (ص ۵۰۵ - ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ قرینہ ہوتے ہوئے بھی قول زوج کی طرف رجوع کیا جائیگا۔
کیونکہ ”لا تخرج من الدار الخ“ کے بعد ”فانی حلفت بالطلاق“ کہنے پر بھی بدون
قول زوج اس مخاطبہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور سکران کے جزئیہ مذکورہ میں اس کا
دوڑنا اور کامیاب نہ ہونے پر یہ کہنا قرینہ ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ۔ ۲۲ محرم ۱۳۳۲ھ

دو بیویوں کو کہا ”دونوں کو ایک دو تین (سوال) زید کی دو بیوی ہیں آمنہ وفاطمہ
طلاق دی ہوں“ تو دونوں پر طلاق خانگی خصومت کی جہت سے ایک دن وہ اپنی
مغلطہ واقع ہو جائیگی۔ چھوٹی بیوی فاطمہ کو تہدیداً و تشدیداً کہا کہ ”تم

دونوں کو طلاق دوں گا“ اس وقت بڑی بیوی تیس چالیس ہاتھ فاصلہ پر بڑے گھر میں
بیمار پڑی تھی۔ دو ایک لحظہ بعد بنگلہ زبان میں کہا کہ ”ایک دو طلاق دیتا ہوں“ ترجمہ
اس کا بزبان بنگلہ یہ ہے (ایک دوئی طلاق دیتے سی) وہ جملہ بزبان بنگلہ اس نے
کہی تھی یعنی۔ عجل۔ کوئی مرلی عورت اس سے روکی اور کہی کہ کیا کرتے ہو یا اس پر وہ زید
نے کہا کہ ”دونوں کو ایک دو تین طلاق دی ہوں“ مگر بنگلہ میں اس چینی کہا عبارت
بنگلہ) ”دونوں زن کے ایک دوئی تین طلاق دیسی تما کے دیاسی“ لیکن نفس الامر میں
زید نے اس سے آگے یا پیچھے کوئی بیوی کو طلاق کبھی نہیں دی ہے اب اس حالت میں زید
کے دونوں کلام آخر سے انشاء طلاق ہوتی ہے یا اخبار کذب من الطلاق؟ از روئے
ہدایت پروری کے لوجہ اللہ خلاصہ جواب شافی و کافی تحریر فرما کہ سرفراز فرمائیں اور اللہ تعالیٰ
سے اجر اس کا لیویں۔ اور صاف طور سے یہ بھی تحریر فرماویں کہ زید نے دونوں بیویاں یا کہ
دونوں بیوی سے کوئی ایک بیوی مطلقہ ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع نہیں ہوئی ہے تو کوئی
طلاق زیادہ پر تصدیق دون — عرض گزار ہندہ محمد حسن الزمان مختار غفرلہ الستار بڑتلی چالنگام۔

علیٰ یہاں عبارت بنگلہ تھی ۱۲

الجواب :- اگر جملہ مذکورہ فی السؤال سے زید خبر عن الماضي کذباً مراد لینے کا دعویٰ کرتا ہے تب بھی قضاء مقبول نہیں بلکہ دونوں بیویوں پر تین تین طلاق ہو گئیں۔
 کما فی الشامی (ص ۶۹۲ ج ۲) و اما ما فی اکراه الخائبة لو اكره على ان يقترب بالطلاق فاقرب لا يقع كما لو اقرب بالطلاق هانلاً او كادباً فقال فی البحر ان مراده بعد الوقوع فی المشبه به عدم ديانة ثم نقل عن البنانية و القنينة لو ادا به الخبر عن الماضي كذباً لا يقع ديانة الخ
 اور اس امر میں عورت چونکہ بمنزلہ قاضی کے ہے اسلئے اگر عورت نے خود سن لیا یا شہادت معتبرہ سے اسکو زوج کا کہنا ثابت ہو گیا تو اس کو اس مرد کے پاس رہنا جائز نہیں۔ فقط والمرا علم۔

الحق عبد الکریم عفی عنہ خانقاہ امدادیہ
 تھانہ بھون - ۱۵، جمادی الاول ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح
 ظفر محمد عفا اللہ عنہ
 ۱۶ جمادی الاول ۱۴۲۷ھ

طلاق مغلفہ کی ایک صورت (سوال) ایک شخص نے حالت غضب میں اپنی بیوی سے جھگڑتے ہوئے درآ سخا لیکہ وہ بیوی وہاں موجود تھی یہ کہا، ایک طلاق دو طلاق دی، نیت یہ تھی کہ دو طلاق واقع ہوئی۔ اور پیچھے لیا جائے اسمیں زجر ہو جائیگی۔ اس کے بعد وہ عورت دوسری جگہ رہی اب اس میں اس عورت پر دو طلاق واقع ہوئی یا تین طلاق یعنی دو طلاق واقع ہو کر رجعت کر سکتا ہے؟ یا تین طلاق واقع ہو کر حرام ہو گئی؟
 (۲) بعینہ سوال اول ہے فرق یہ ہے کہ «ایک طلاق دو طلاق دی میں» لفظاً خطاب کر کے کہا یعنی «تجھ کو ایک طلاق دو طلاق دی» اس سوال سے غرض یہ ہے کہ واقعہ مندرجہ بالا میں لفظاً خطاب اور عدم خطاب میں حکماً کچھ فرق ہے یا نہیں؟ حالانکہ بیوی وہاں موجود تھی۔ راقم بندہ محمد عبدالرحمن عفی عنہ۔ بنگال۔

الجواب :- فی الشامی (ص ۶۹۲ ج ۲) ولا يلزم كون الاضافة صريحة في كلامه لما في البحر لو قال طالق فقل له من عنيت فقال امرأتی طلقت امرأته اهـ
 وفي العالمگیرية : (ص ۵۷ ج ۲) ولو قال : «تراك طلاق» وسكت

ثُمَّ قَالَ: «وَدُو» يَقَعُ الثَّلَاثُ وَلَوْ قَالَ: «دُو» «بَغَيْرِ الْوَاوِ»، وَإِنْ نَوَى الْعُطْفَ يَقَعُ الثَّلَاثُ وَإِنْ لَوِ يَنْوِي يَقَعُ وَاحِدَةً كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ «ایک طلاق دو طلاق دی» اور «تھکوا ایک طلاق دو طلاق دی» میں کوئی فرق نہیں دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی، اور ایک طلاق دو طلاق، میں جب عطف کی نیت نہیں کی تو تین طلاق واقع نہیں ہوئی بلکہ دو واقع ہوئیں۔ واللہ اعلم۔

اس تحریر کے بعد شبہ ہوا اور عالمگیریہ (جلد ۲-ج ۲) میں یہ جزئیہ ملا۔

لَوْ قَالَ: لِمَدْخُولَةِ أَنْتَ طَالِقٌ وَاحِدَةً لَا بِلِثْنَتَيْنِ يَقَعُ الثَّلَاثُ وَلَوْ

قَالَ: ذَلِكَ لَغَيْرِ الْمَدْخُولَةِ يَقَعُ وَاحِدَةً۔ اس بناء پر صورت مسئلہ میں تین طلاق واقع ہو گئیں اور عالمگیریہ کا پہلا جزئیہ اس واقعہ کے مطابق نہیں کیونکہ وہاں سکوت کی وجہ سے «دو» کا لفظ مہمل رہا جبکہ اسکے ساتھ لفظاً حرف عطف نہ ہو یا عطف کی نیت نہ کی ہو۔ کتبہ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح: ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۹ رجب ۱۴۲۷ھ

«یک دوسہ طلاق ہستی» (سوال) مولانا صاحب! السلام علیکم الخ
سے ایک طلاق واقع ہوگی یا تین۔ از جانب رسول شاہ عرض آ نسبت کہ یک مسئلہ

واقع شدہ کہ در حال آن اکثر عالمان این وطن حیران و متفکر اند جناب اگر حل آن بعبارت کتاب کنند منت و احسان باشد عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور خواہید شد۔ آن مسئلہ این است کہ شخصی زن خود را گفت کہ «یک دوسہ طلاق ہستی» باین لفظ یک طلاق واقع شود یا سہ طلاق واقع شود بعض عالمان این وطن میگویند کہ یک طلاق واقع شود و بعض عالمان میگویند کہ سہ طلاق واقع شود باین تو جبر و ا۔ عالمان این وطن قائلین یک طلاق و قائلین سہ طلاق دلیل ندارند ہر کسے قیاساً میگوید و ہر چہ میگوید اگر د۔ ثل فریقین بودے نوشتہ ارسال کہ دمی بر شما امید است کہ تسلی دہندہ ارسال کنید کہ تسلیہ ہمہ ملامان شود۔

المرسل رسول شاہ موضع ڈھوڑہ مسجد کلاں ضلع کوہاٹ ڈاکخانہ خاص۔

الجواب :- صورت مسئلہ میں تین طلاق واقع ہو چکیں۔

کما قال فی خلاصة الفتاوی: (ص ۸ ج ۲) ولوقال: «اگر فلا نہ بزنی کنم از من بیک طلاق و دو طلاق و سه طلاق» فتزوجها تطلق واحدة ولو قال: «یک و دو سه» ثم تزوجها يقع الثلاث وتقام هذا فی خزانة الواقعات ۱ھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب لفظ طلاق کو «یک و دو و سه» کے بعد ذکر کیا جائے تو غیر مدخولہ پر بھی تین طلاق واقع ہوتی ہیں۔ و المدخولة بها بالاولیٰ اور اگر ہر عدد کے بعد لفظ طلاق مذکور ہو جیسا کہ جزئیہ اولیٰ میں ہے تو غیر مدخولہ پر ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور مدخولہ پر اس صورت میں بھی تین طلاق واقع ہونگی چونکہ صورت مسئلہ میں لفظ طلاق کو مجموعہ اعداد کے بعد ذکر کیا گیا ہے لہذا ہر حال میں تین طلاق واقع ہو گئیں خواہ وہ عورت مدخولہ بھا ہو یا غیر مدخول بھا۔ واللہ اعلم۔

حقرہ الاحقر ظفر احمد رفاعہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔ ۱۷ شعبان ۱۳۵۷ھ

طلاق مغلفہ کی ایک صورت کا حکم [سوال] علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔ نقل طلاق نامہ منسلکہ استفتاء ارسال حضور ہے جسکو مرد نے اپنی سوتیلی ماں کے کہنے سے رجسٹری کے ذریعہ اپنی عورت کو مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۲۷ء کو بھیجا جسکے ملنے کا اس نے انکار کیا۔ بعد ازاں خاوند کو معلوم ہونے پر اسی طلاق نامہ کی نقل بذریعہ پوسٹ کارڈ رجسٹری شدہ شوہر نے بھیجا اس کو بھی عورت نے لینے سے انکار کیا اور واپس کر دیا عورت بدستور با عصمت اپنی والدہ کے ساتھ اپنے میکہ میں بیٹھی ہے اور طلاق سے انکار ہے خواہش شوہر کے پاس جائینکی ظاہر کرتی ہے آیا طلاق پڑی یا نہیں پڑی تو رجوع کیسے کیا جائے و صلح کیسے ہو۔ از لکھنؤ ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۷ء۔

نقل طلاق نامہ :- مسماة فلانة بنت فلاں صاحبہ! تم عرصہ سے اپنے طریقہ کو تبدیل کر کے بد اخلاقی و بد زبانی و نافرمانی برداری سے پیش آتی رہیں۔ بلکہ شور و غل و بدتمیزی کی گفتگو رہی محلہ کے مجمع عام میں بے حجابانہ کر کے طلاق مانگی آخر کار مع کل زیورات و پارہ جات اپنی پھوپھی کی بیماری کا موقع حاصل کر کے اپنی والدہ اور نانی کے ہمراہ اپنے میکہ چلی گئیں اور پھر واپس نہیں آئیں۔ ابھی تک حیلہ و حوالہ کرتی رہیں تمہارے والد بزرگوار کو بھی

خط لکھا تھا انہوں نے بھی سمجھانے نیکی کوئی کاروائی نہیں کی معلوم ہوتا ہے کہ تم نے انکو بھی اپنا ہم خیال بنالیا چونکہ اس سے پیشتر بھی تم مجھ سے خواہش طلاق کر چکی ہو لہذا تمہاری مرضی کے موافق بحالت صحت و ثبات عقل تمکو اپنی زوجیت سے علیحدہ کرتا ہوں۔ اور طلاق دیتا ہوں۔ اور طلاق دیتا ہوں اور طلاق نامہ ہذا بذریعہ رجسٹری روانہ کرتا ہوں۔

مسماة فلانة بنت فلاں تمکو مجھ.... نے طلاق بائن دی

مسماة فلانة بنت فلاں تمکو مجھ.... نے طلاق بائن دی

مسماة فلانة بنت فلاں تمکو مجھ.... نے طلاق بائن دی

واضح ہو کہ جو زیور طلائی و نقری تم میرا بیگی ہو اور جسکی ہرست تمہاری دستخطی موجود ہے وہ واپس کر دو۔ تاکید جانو۔

العبد شوہر

مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۲۷ء

گواہ علی بکر

گواہ علی زید

الجواب :- صورت مسئلہ میں مسماة پر طلاق بائن مغلف پڑ گئی اور نکاح فسخ ہو گیا بعد عدت کے وہ دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے اور اس شوہر سے بدون تحلیل کے نکاح جائز نہیں کیونکہ طلاق نامہ میں بعد مذاکرہ طلاق کے اول یہ لفظ یہ لکھا ہے "کہ تمکو اپنی زوجیت سے علیحدہ کرتا ہوں" اس ایک طلاق بائن واقع ہو گئی ہے بعد لکھا ہے "اور طلاق دیتا ہوں" یہ گویا صریح ہے مگر اس سے دوسری طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ بظاہر یہ پہلے جملہ کی تفسیر ہے مگر یہ کہ اس سے زوج نے تکریر طلاق کا قصد کیا ہو تو دوسری اس سے بھی واقع ہو جائیگی اس کے بعد زوج نے مسماة کو مخاطب کر کے تین دفعہ یہ جملہ لکھا ہے "مسماة فلانة بنت فلاں تمکو مجھ نے طلاق بائن دی" یہ گویا طلاق بائن ہے مگر بالفاظ صریح ہے اس لئے بائن کو لاحق ہوگا اور چونکہ تین بار تکرار کیا ہے اس لئے تین طلاق واقع ہو کر ایک زائد ہو جائیگی۔

قال فی الطحاوی و فی حاشیة الدر: والمراد بالبائن الذی لا یلحق

البائن، البائن بلفظ الکنایات فلو کان بائنا بغير ھایقع۔ الی قال — ولو

خلعھا ثم قال: انت طالق بائن وقع الثانی وان کان بائنا لان وقوعه

بانت طالق وهو صریح ویلغو قوله بائن لعدم الحاجة اليه لان الصریح
بعد البائن بائن اه (ص ۲۱۸-ج ۲) والله اعلم.

حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه از تھانہ بھون

خانقاہ امدادیہ - ۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ

دو بیویوں کو مخاطب کر کے کہا "شمارا
یک طلاق، دو طلاق، سہ طلاق دادم"
تو دونوں پر طلاق مغلظہ قضاء واقع
ہو جائیگی۔

(سوال) چہ می فرمایند علماء دین و فضلاء
شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے مسیحی علی اعظم
دو زن دارد روزے بمعاملہ خانگی در میان ہر دو
زن منازعت افتادہ بود درین اثناء علی اعظم

در خشم و طیش آمدہ گفت شمارا یک طلاق دادم کہے گفت این چہ طلاق دادی طلاق نشر
بمجرد شنیدن این کلام قدمے چند پیش و پس رفتہ باز گفت "شمارا ایک طلاق - دو طلاق -
سہ طلاق دادم"، پس در صورت مذکورہ بالا زنان علی اعظم مطلقہ سہ طلاق شدند یا ہر طلاق
بر ہر دو زن منقسم شدہ جداگانہ واقع شود یا نہ؟ — مخفی مباد کہ مطلق را پر سیدہ شد کہ
نیت تو چہ بود گفت نیت من تقسیم نہ بود - بینیوا تو جروا عند اللہ اجرًا عظیمًا -

عرضگذار خاکسار عبدالرؤف مدرس مدرسہ مداری پور ضلع فرید پور۔

الجواب :- قال فی الہندیۃ نقلًا عن فتح القدیر، ولو قال: لا ربح
انتن طوالق ثلاثًا ینوی ان الثلاث بینھن فہو یدین فیما بینہ و
اللہ فتطلق کل واحدة واحدة اه

وفیہ ایضاً :- عن المحيط للسرخی :- ولو قال: لا ربح نوة انتن
طالقات ثلاثًا یتع علی کل واحدة ثلاثًا اه (ص ۶۰ - ج ۲) -

پس در صورت مسئلہ قضاء سہ طلاق بر ہر زن واقع شدہ و اگر زوج نیت
تقسیم کردی دیا نہ نیت او قبول گشتہ و چون نیت تقسیم ہم نکرد پس دیا نہ نیز
ہر دو زوجہ اش مطلقہ ثلاثہ مغلظہ گشتہ - فلا یجوز لہ النکاح باحدہما
الا بعد ان تنز وجہا بن وج آخر و تنقضی عدتھما منہ بعد
طلاقہ - واللہ تعالیٰ اعلم - حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ ۱۳ شعبان ۱۴۲۶ھ

(سوال) مذاکرۃ طلاق میں شوہر نے کہا: «ایک دو تین» تو طلاق مغلطہ واقع ہو جائیگی۔
 بیوی سے کہا کہ «میں تجھ کو کل کو طلاق تکیہ ملن کھڑے کر کے دوں گا» اس نے جواب میں سب و شتم کر کے کہا کہ «تو ابھی طلاق

دیدے» شوہر نے پھر جواب میں کہا کہ «ایک دو تین» اور بعد اسکے کہا کہ «جا گھر سے چلی جا» اور بعد میں لوگوں نے شوہر کو ملامت وغیرہ کی کہ تم نے کیوں طلاق دی تو اس نے کہا کہ میں نے دل سے طلاقیں نہیں کہیں بلکہ خوف اور ڈرائیکے واسطے کہی ہیں۔ آیا ایسی صورت میں طلاقیں واقع ہو گئیں یا نہیں؟ حوالہ کتب مع عبارت ارسال فرمائیں عنایت ہوگی بسینوا جزاکم اللہ رب الجلیل۔

الجواب :- صورت مسئلہ میں اس شخص کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔
 قال فی الخلاصۃ: وفي الفتاوی: قال لامرأته: «ترایکے وتراسہ» او قال: «تویکے توسہ» قال ابو القاسم الصفار لا يقع شیء وقال الصدر الشہید: يقع اذا نوى وبه یفتی قال القاضی: وینبغی ان یکون الجواب علی التفصیل ان کان ذالک فی حال مذاکرۃ الطلاق او فی حال الغضب يقع الطلاق وان لم یکن لا یقع الا بالنیۃ کما قال فی العربیۃ انت واحدة اھ (صفحہ ۹۷) قلت: وقد وجدت المذاکرۃ فی الصورۃ المستول عنها واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

خانقاہ امدادیہ - ۱۹ صفر ۱۳۷۰ھ

(سوال) دو بیویوں کو مخاطب کر کے کہا: «اللہ کا حکم۔ شمار اسے طلاق دو» اور ایک تیس طلاق واقع ہوگی یا ایک ایک طلاق۔
 چہ می فرمایند علماء دین و مفتیان شرع متین اندرین مسئلہ کہ مستثنیٰ غنومیاں دوزن می داشت روزے ہر دوزنش در امرے تنازعہ می کردند و گفتگو ہای بسیار و قال وقیل بیشمار می نمودند مستثنیٰ مذکور از مسجد

آمدہ چون ایشانرا در مشاجرت و منازعت دید گفت: «اللہ کا حکم شمار اسے طلاق دو» پس استفسار از علماء کرام این است آیا ہر دوز و زوجہ مستثنیٰ مذکور سہ طلاق مطلقہ خواہد شد یا نہ؟ بسینوا تو جروا۔

الجواب :- اقول وبالله التوفیق۔ در صورت مرقوم ہر دوز و زوجہ

غنومیاں سے سے طلاق مطلقہ خواہ شدہ لفظ "اللہ کا حکم" در عرف این دیار معنی سوگند
بند استعمال می شود پس حسب قاعدہ مسلمہ - بناء الیمین علی العرف - معنای این شد کہ
سوگند بخدا شمارا سے طلاق وادم پس چونکہ در قول مطلق ہر یک از منکوحہ اش مخاطبہ مستقلہ اش
ہر یک از انیان سے طلاق مطلقہ خواہد گردید۔

كما في الهندية :- ولوقال لاربعة نسوة له انتن طالقات ثلاثاً
يقع على كل واحدة ثلاث ولا يخفى على من له البصارة ان وقوع
الطلاق في هذه الصورة مبني على ان كل واحدة منهن مخاطبة
مستقلة هكذا ههنا والله اعلم وعلمه اعم واتم.

حرره الاحقر ولايت حسين عفا عنه

المدرس في المدرسة الاسلامية النواكها لية - ۱۲ شوال ۱۳۲۸ھ

(نوٹ) اس جواب پر اور بھی چند علماء بنگال کی تصویب اور دستخط تھے۔

تنقیح انرا جامع امداد الاحکام

در صورت مسئلہ از نیت زوج سوال باید کرد اگر ایقاع طلاقات ثلاث بر ہر زوجہ قصد کردہ
بود بر ہر زوجہ سے طلاق واقع شد چنانچہ مفتی نوشتہ و اگر ہر دو را در سے طلاق شریک کردہ -
نیت تقسیم کردہ بود سوال بار دیگر باید فرستاد۔

فقد قال: في الهندية: بعد العبارة التي ذكرها المفتي ولوقال لاربعة:
انتن طوالتی ثلاثاً بنوی ان الثلاث بینهن فهو یدین فیما بینہ و بین
الله تعالى فتطلق كل واحدة واحدة كذا في الفتح اهـ (ص ۶۰ ج ۲)
والله اعلم وعلمه اتم واحكم۔

حرره الاحقر طفر احمد عفا عنه از تھانہ بھون ۱۵ خرم ۱۳۲۸ھ

”تم دونوں کو تین طلاق دیدی“ (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ
کچھ سے ہر ایک بیوی پر تین طلاق ایک شخص کی دو بیوی آپس میں بھگے رہی تھیں مرد نے طیش
واقع ہوگی یا کیسے۔ میں آکر کہا کہ ”تم دونوں کو تین طلاق دیدی“ جب مرد

سے چند روز کے بعد پوچھا گیا کہ آیا ہر ایک بیوی کو تین طلاق دینا مقصود تھا یا ڈیڑھ ڈیڑھ
اس نے جواب میں کہا مجھے یاد نہیں آتی کہ میری کیا نیت تھی اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں پر

کتنی طلاق واقع ہونگی؟ ہماری ملکی اصطلاح میں جب کوئی کہے کہ تم دونوں کو تین روپیہ دیا۔ مراد اس سے نصفاً نصفی ہوتی ہے کیا طلاق میں اصطلاح ملکی ملحوظ نہ ہوگی؟ فتاویٰ ہندیہ میں ہے۔

لو قال لثلاث نسوة له انتن طوالق ثلاثاً او طلقتكن ثلاثاً يقع علی كل واحدة ثلاث ولا ينقسم بخلاف لو قال: او قعت بینكن ثلاثاً فانها تقسم بینهن فتقع علی كل واحدة طلقه۔ مراد ایراد سے یہ ہے کہ اس مرد کے قول کے تعریب حسب اصطلاح ملک ہند، طلقتكما ثلاثاً ہوگی یا او قعت بینكما ثلاث تطلقا ہوگی؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد فیض الرحمن میمن سنگی۔

تنقیح :- ہمارے محاورہ میں صورت مسئلہ میں دونوں بیویوں پر تین تین طلاق واقع کرنا مفہوم ہوتا ہے اگر سائل کا عرف تقسیم ہو موجب ہے تو علماء بنگال سے رجوع مناسب ہے وافضلہم عندی مولانا محمد اسحاق البردوانی استاد الدینیات بکلیہ ڈھاکہ پانچ بھائی گھاٹ لین: واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظفر احمد عفاعنہ ۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

مطلقہ ثلاث اگر مرتد ہو کر پھر مسلمان ہو جائے (سوال) اگر مطلقہ بطلاق مغلطہ معاذ اللہ تو طلاق ثلاثہ کا حکم باطل ہو جائیگا یا نہیں۔ مرتد ہو جائے اور پھر وہ اسلام قبول کرے تو

اس ارتداد کی وجہ سے حکم طلاق ثلاثہ کا بھی باطل ہو گا یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں زوج اول بلا حلالہ اپنی مطلقہ سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ والسلام

نیاز مند۔ محمد سٹول عفی عنہ ۱۱ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ

الجواب :- فی العالمگیریہ :- (ص ۱۲۹ ج ۲) ولوارتدت المطلقہ ثلاثاً ولحق بدار الحرب ثم استرقها او طلق زوجہ الامۃ ثنتين ثم ملكها ففي هاتين لا يحل له الوطى الا بعد زوج آخر۔ كذا فی النہر الفائق۔

وفی الدر :- لا شترائط الزوج بالنص فلا يحلها وطء المولى ولا ملك امة بعد طلقتين او حرة بعد ثلاث واردة وسی اھر۔ وقال الشامی :- ای لو طلقها ثنتين وهی امة ثم ملكها او ثلاثاً وهی

حرة فارتدت ولحققت بدار الحرب ثم سبيت وملكها لا يحل له الوطى
بملك اليمين حتى ين وجهاً فيدخل بها الزوج ثم يطلقها كما في الفتح (ص ۲۸ ج ۲)
ان روایات فقہیہ سے صراحت معلوم ہوا کہ ارتداد سے مطلقہ ثلاث کا حکم نہیں بدلتا پس جو
عورت مطلقہ ثلاث مرتد ہو کر مسلمان ہو جائے اس کا نکاح بدون حلالہ کے زوج اول سے
حرام ہے۔۔۔ کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۲۸۷ھ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔

ماں کو مخاطب کر کے کہا "ماں تیری بہو کو () کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان
تین طلاق" تو بیوی پر تین طلاق واقع ہو جائیگی۔ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کو اس کی بیوی اور
بھاوج نے کھانا لاکر دیا۔ کھانے میں کچھ خرابی دیکھ کر غصہ میں زید نے اپنی والدہ کو آواز دیکر
کہا "ماں تیری بہو کو تین طلاق" اس صورت میں زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ زید
واقعہ کے بعد سال بھر تک اپنی بیوی کے ساتھ کھاتا پیتا رہا اس خیال میں کہ بیوی پر طلاق واقع
نہیں ہوئی۔ مہربانی فرما کر مع دلیل جواب سے مشرف فرمایا جائے اور اگر طلاق واقع ہو گئی تو
زید کو کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجس واجزا کما لا یحکم فی الدارین خیراً۔

الجواب :- اس صورت میں طلاق مغلطہ واقع ہو چکی ہے اس عورت کو اب تک
جو رکھا سخت گناہ کا مرتکب ہوا اب فوراً الگ کر دینا واجب ہے بڑی حیرت ہے کہ اس طرح صاف
صاف الفاظ کہہ کر بھی یوں سمجھ لیا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ونظیرہ ما فی العالمگیریۃ: (ص ۶۱ ج ۲) ولوضو الی امرأۃ اجنبیۃ
وقال: احدا کما طالق الی ان قال۔ ولو قال فی هذه الصورة طلقت احدا کما
طلقت امرأۃ من غیر نیۃ ذکرہ فی طلاق الاصل۔ واللہ اعلم۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ۔ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ ۲۸ ربیع الاول ۱۲۸۷ھ

”میں اسکو چھوڑ چکا، وہ میری بیوی نہیں ہے،“
مولاؑ و آقاؑ حضرت حکیم الامت دامت
مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں، وہ میری طرف سے
آزاد ہے،“ کا حکم۔
برکاتہم۔ السلام علیکم۔
حضرت! اس معاملہ میں ہر ایک فریق

بحث کر رہا ہے اور حضرت استاذ مولانا محمد حسن صاحب (قاضی بھوپال) دام فیوضہم نے مکرر سر کر رہے۔ شامی۔ عالمگیری وغیرہ ملاحظہ فرمایا لیکن فریق مخالف اپنے خلاف فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتا ہے۔ حضرت سے عرض ہے کہ لوجہ اللہ تعالیٰ مفصل و مدلل امر حق واضح فرمادیں۔ ہر ایک فریق حضرت سے نیک عقیدت رکھتے ہیں اُمید ہے کہ حضرت کے فتویٰ سے ان میں اصلاح ہو جائیگی شہادت حسب ذیل لکھے جا رہے ہیں۔

فریق اول :- زید کا کہنا ان الفاظ کا کسی شہادت وغیرہ سے ثابت نہیں بلکہ صرف دھوکہ سے اقرار کرا لیا گیا ہے زید کو نیت نہ تھی غایت فی الباب پہلے لفظ سے طلاق رجعی ہوئی ہے اور بقیہ سے تاکید ہے اور زید نے معافی چاہ لی ہے لہذا رجعت ہو چکی۔

فریق ثانی :- ہر ایک لفظ سے ایک ایک طلاق واقع ہو چکی ہے اور اقرار کے بعد دھوکہ اور عدم نیت وغیرہ کا حیلہ کرنا باب الطلاق میں کچھ مفید نہیں کیونکہ عاقل بالغ کا اقرار ہے اور اس اقرار کے بعد شہادت کی کوئی ضرورت نہیں پہلے لفظ سے رجعی اور بقیہ سے تاکید کہنا لغو ہے حضرت عمرؓ نے تین طلاق کو تین ہی رکھا ہے اور اسی پر عمل ہے لہذا مغلطہ ہو چکی۔ اب بلا حلالہ کے نکاح زید سے ہندہ کا نہیں ہو سکتا۔

ہر ایک فریق اپنی اپنی کہتا ہے اور حضرت قاضی صاحب کے فیصلہ سے بھی آگے جا رہا ہے حضرت کے فتویٰ سے انشاء اللہ تعالیٰ اصلاح کی اُمید ہے۔ خادم عبدالصمد۔

الاستفتاء : زید نے اپنی اہلیہ کے متعلق محکمہ قضاء بھوپال میں ۱۸ نومبر ۱۳۱۷ء کو درخواست پیش کی اور اپنا بیان لکھوایا۔

درخواست کا مضمون | میری اہلیہ مسماۃ ہندہ اور میرے درمیان کئی سال سے باہمی نزاع تھا اور اس زمانہ میں مصلحین و مفسرین کے ذریعہ سے جانیں کو اور ان کے اعزہ کو مختلف اقسام کی باتیں پہنچتی رہیں جیسے کہ باہمی نزاع کی صورت میں ہوتا ہے اور معاملہ استقدر طول پکڑ گیا تھا کہ ہر ایک فریق نے دوسرے سے بالکل ہی رشتہ داری توڑ کر قطع تعلق کر لیا تھا حتیٰ کہ اسی غصہ کی حالت میں، میں نے اپنی اہلیہ مذکورہ کے متعلق یہ بھی کہہ دیا تھا کہ ”میں اسکو چھوڑ چکا، وہ میری بیوی نہیں ہے، مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں، وہ میری طرف سے آزاد ہے،“ بالآخر میں نے اپنے خسر صاحب کے پاس جا کر معافی چاہی اور آئندہ کیلئے پھر تعلقات قائم کر نیکی استدعا کی اس پر صاحب موصوف نے مجھ سے فرمایا کہ معاملہ بہت

طویل ہو چکا ہے اور میرا دل اب تم سے رشتہ کر نیکو نہیں چاہتا خیر میں نے انکو راضی کر لیا
خارجا سنا ہے کہ خسر صاحب نے شکایت کی کوئی درخواست عالی خدمت میں آئی ہے اس لئے
عرض ہے کہ چونکہ باہمی ہمارا فیصلہ طے ہو چکا ہے اور آئندہ بھی باہمی مصالحت ہو سکی اور یہ
درخواست نہ میں نے دی ہے نہ میرے کسی عزیز نے لہذا عرض ہے کہ اس درخواست پر کوئی
کاروائی نہ فرمائی جائے بلکہ عرضی ہذا پر شرعی حکم صادر فرمادیا جائے تاکہ ہم اسپر دل و جان
سے عمل کر سکیں۔

بیان کا مضمون : یہ درخواست میں نے لکھوائی ہے اسپر میرے قلمی دستخط
ہیں میں نے اس وقت درخواست کو سن لیا اس میں وہ باتیں لکھی ہیں جو میں نے لکھوائی
ہیں جو مثل میرے معاملہ کی تیار ہوئی تھی اسپر کوئی کاروائی نہ کی جائے اسقدر روٹا دیا
فیصلہ شرعی فرمادیا جائے۔

جناب قاضی صاحب کے فیصلہ کا خلاصہ :- شرعاً ان الفاظ سے کہ جو الفاظ
زید نے اپنی اہلیہ مسماۃ ہندہ کی نسبت کہے ہیں۔ مسماۃ پر ایک طلاق بائن واقع ہو گئی
اس لئے بدون نکاح جدید وہ مسماۃ زید کے حق میں حلال نہیں ہو سکتی۔ ۱۲ نومبر ۱۳۳۷
پھر ۱۴ نومبر ۱۳۳۷ کو زید نے دوسری درخواست اس مضمون کی پیش کی کہ وہ ۸
نومبر والی درخواست نہ میں نے لکھی اور نہ کسی سے لکھوائی بلکہ خسر صاحب نے کسی سے لکھوائی
اور مجھے دھوکہ دیکر مجھ سے دستخط کرائے اور مجھے یہ اطمینان دلایا کہ ہم تفریق نہیں چاہتے
ہیں۔ بلکہ رخصت کر دیں گے ان کے اعتماد اور خوف بزرگی کی وجہ سے میں نے دستخط کئے اور
پیش کر دی لہذا ان حالات پر غور فرما کر فیصلہ پر نظر ثانی فرمادیا جائے۔ اس ثانی
درخواست کے ساتھ زید نے اس مضمون کا بیان لکھوایا۔ سابق درخواست میں نے جو
۸ نومبر ۱۳۳۷ کو پیش کی تھی درخواست مذکورہ پر میرے قلمی دستخط ہیں محکمہ قضا میں پیش
کرنے پر مجھے درخواست مذکورہ پڑھ کر سنائی گئی تھی۔ میں نے درخواست مذکورہ کو
سنکر یہ بیان کیا تھا کہ یہ درخواست میں لکھوائی ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ درخواست
میں نے نہیں لکھوائی تھی بلکہ یہ درخواست میرے خسر نے کسی سے لکھوا کر مجھ سے دستخط
کرائے تھے اور کہا تھا کہ محکمہ قضا میں جو معاملہ پیش ہو گیا ہے اسکے واپس کرنے
کیلئے یہ درخواست دی جاتی ہے۔

بعد نظر ثانی جناب قاضی صاحب کے فیصلہ کا خلاصہ :-

زید کی پہلی درخواست پر جبکہ فریقین کو فیصلہ سنا دیا گیا تو زید پھر درخواست پیش کی زید اس ثانی درخواست میں لکھتا ہے کہ میرے خسر نے مجھ کو دھوکہ دیکر تحریر پر دستخط کر لئے وہ کلمات نسبت چھوڑنے اور بے تعلق ہو جانے زوجہ کے نہیں کہے لیکن زید ثانی درخواست پیش کر کے اپنے بیان میں خود تسلیم کر رہا ہے کہ پہلی درخواست میں نے محکمہ قضاء میں پیش کی تھی درخواست مذکورہ پر میرے قلمی دستخط ہیں محکمہ قضاء میں پیش کرنے پر مجھے درخواست مذکورہ پڑھ کر سنائی گئی تھی میں نے درخواست مذکورہ سن کر بیان کیا تھا کہ یہ درخواست میں نے لکھوائی ہے۔ الی آخر۔ یہ بیان اسکی ثانی درخواست کے مضمون کے خلاف ہے ہر حال مجموعہ روڈاد سے یہ تو ثابت ہے کہ الفاظ متعلق ”چھوڑ دینے زوجہ بے تعلق و آزادی“ کے کہہ دینے اور لکھوا دینے کو زید تسلیم کرتا ہے خواہ برضا و رغبت ہو یا بدون رضا خسر کے بہکانے اور دھوکہ دینے سے چونکہ شریعت میں بصورت جد و ہزل و مذاق و اکراہ ہر طور پر الفاظ طلاق کہہ دینے یا تحریر کر دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے لہذا ایک طلاق بائن مسماۃ ہندہ پر ضرور واقع ہو گئی اسلئے بعد نظر ثانی فیصلہ سابق میں ترمیم یا تنسیخ کی حاجت نہیں ہے وہی فیصلہ نافذ ہے۔ اسکے بعد ۱۰ دسمبر ۱۳۸۷ کو زید نے عدالت میں رخصتی زوجہ کا دعویٰ دائر کیا کہ میری اہلیہ اپنے باپ کے گھر سے آتی ہیں رخصت کرادی جائے۔ ہندہ کی طرف سے جواب دعویٰ پیش ہوا کہ بقیصلہ شرعی ہندہ زید پر حرام ہو چکی ہے لہذا اب رخصت کیسی؟۔ اور زید کی ۸ نومبر والی درخواست اور اسکے ساتھ کے اول بیان کی نقل اور جناب قاضی صاحب کے فیصلہ کی نقل بھی پیش کی تو زید نے اس درخواست کو مع اس بیان کے تسلیم کی لیکن قاضی صاحب فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا پس دریافت طلب یہ ہے کہ

- (۱) صورت مسئلہ میں طلاق رجعی ہوئی یا بائن یا مغلظہ۔ کیا اگر زید کہے کہ میری ان الفاظ سے طلاق کی نیت ہی نہ تھی تو بھی طلاق واقع ہو جائیگی؟
- (۲) دھوکہ وغیرہ کے عذرات مذکورہ شرعاً مسموع کیوں نہیں ہیں اور محض بیانات وغیرہ مذکورہ کی بناء پر طلاق کا حکم کیوں لگایا جاتا ہے۔ شہادت سے اس کا ثبوت کیوں نہ لیا جائے کہ یہ الفاظ زید کے ہیں یا نہیں۔

(۳) بر تقدیر طلاق رجعی زید کا اپنے خسر کے پاس جا کر معافی چاہنا اور پھر تعلقات کی استدعا کرنا یہ رجعت ہے یا نہیں؟ جواب مدلل و مشرح مع حوالہ کتب صادر فرمایا جائے کہ فریقین کی تسلی کر کے انکی صلح کرادی جائے۔

خادم عبدالصمد ساکن اسلام پورہ بھوپال۔

الجواب :- اس سوال سے معلوم ہوا کہ خاوند نے چار جملے بحالت غصہ استعمال کر نیکا اقرار کیا ہے اسلئے اولاً ان چاروں جملوں کا الگ الگ حکم لکھا جاتا ہے اسکے بعد سب کو ملانے سے جو نتیجہ ہوا اسکو تحریر کیا جائیگا۔

پہلا جملہ یہ ہے کہ ”میں اسکو چھوڑ چکا“ اسکے متعلق عالمگیری میں ہے :

اذا قال الرجل لامرأته ”بہشتم ترا“ ولم یقل ”ارزنی“ فان كان فی

حالة غضب ومذاکره الطلاق فواحدة یملك الرجعة وان نوى بائناً او ثلاثاً فهو كما نوى وقول محمد فی هذا کقول ابی یوسف کذا فی المحيط :-

اس سے معلوم ہوا کہ اگر غصہ اور مذاکرہ طلاق کی صورت میں یہ جملہ استعمال کیا جائے تو بدون نیت بھی رجعی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

دوسرا جملہ یہ ہے کہ :- ”وہ میری بیوی نہیں ہے“ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر خاوند نے نیت کی ہو تو رجعی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اگر نیت نہیں کی تو اس جملہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی خواہ یہ جملہ غصہ اور مذاکرہ طلاق کی حالت میں کہا ہو خواہ بدون غصہ و تذکرہ طلاق کہا ہو ہر حالت میں نیت شرط ہے۔

کما هو مصرح فی الفتاویٰ الشامیة : ص ۴۷ تحت قول الدر : لست لی بامرأة (الی ان قال) طلاق ان نواه :- لان الجملة تصلح لانشاء الطلاق كما تصلح لانكاره فیتعین الاول بالنية وقید بالنية لانه لا یقع بدونها اتفاقاً لكونه من الکنايات و اشار الی انه لا یقوم مقامها دلالة الحال لان ذالك فیما یصلح جواباً فقط وهو الفاظ لیس هذا منها و اشار بقوله طلاق الی ان الواقع بهذه الکناية رجعی کذا فی البحر من باب الکنايات اهـ

تیسرا جملہ یہ ہے کہ ”مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں“ سو اس کا حکم کہیں مصرح تو ملا

نہیں مگر قواعد سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غضب و مذاکرہ کی حالت میں بلا نیت بھی اس فقرہ سے ایک طلاق رجعی واقع ہو جاتی ہے۔ دلیل وقوع کی یہ ہے کہ یہ کنایہ ملحقہ ہے »اعتدی« وغیرہ کے ساتھ کیونکہ وہ متحمل سبب و رد نہیں بلکہ جواب محض کے واسطے ہے اور »اعتدی« وغیرہ کا یہ حکم ہے کہ غضب و مذاکرہ میں بدون نیت وقوع ہو جاتی ہے۔ کما هو مصرح فی الدر وغیرہ من کتب الفقہ۔ اور رجعی ہونیکی یہ وجہ ہے کہ اس جملہ میں لفظ طلاق نکالنا پڑتا ہے یعنی پورا کلام یوں سمجھا جائیگا کہ »مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ میں اس کو طلاق دے چکا« اور جو کنایہ ایسا ہو اس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔

کما قال صاحب البحر (ص ۲۹۹ ج ۳): ولما كانت العلة في وقوع الرجعي بهذه الالفاظ الثلاثة (ای اعتدی واستبرئ رحمك و انت واحدة) وجود الطلاق مقتضى او مضمرا علم ان لا حصی فی کلامہ بل کل کنایۃ کان فیہا ذکر الطلاق كانت داخلۃ فی کلامہ ویقع بہا الرجعی بالاولی الخ۔ وایضاً یعلوم ذالک من کلام الشامی صراحة ولكن کلام البحر اصرح منه فلذا لک اختارته۔

اور چونکہ جملہ یہ ہے کہ »وہ میری طرف سے آزاد ہے« اس کنایہ کا حکم در مختار میں صریح موجود ہے کہ غضب و مذاکرہ میں بدون نیت بھی طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے۔ ونصبہ هذا ویقع بباقیہا ای باقی الفاظ الکئیات المذكورة البائن ص ۲۶۔ وایضاً قال ویقع بالآخرین وان لم یبنوا لان مع الدلالة لا یصدق قضاء فی نفی النیة لانها اقوی لكونها ظاهرة والنیة باطنة اه (ص ۲۵)۔ تمام جملوں کا جدا گانہ حکم معلوم ہونے کے بعد اب اسکی ضرورت ہے کہ طلاق کے چند جملے جمع ہو جائیں تو کیا حکم ہوگا سو اس کا یہ قاعدہ ہے کہ۔ الصریح یلحق الصریح والباءن، والباءن یلحق الصریح لا البائن۔ متون کی یہی عبارت ہے مگر اس کا حل کسی قدر وقت سے خالی نہیں اس واسطے بدائع کی عبارت نقل کرتا ہوں جو بالکل واضح ہے۔

وہی ہذا المرأة لا تخلوا ما ان كانت معتدة من طلاق رجعی
او بائن او خلع فان كانت معتدة من طلاق رجعی یقع الطلاق علیہا
سواء كان صریحاً او کنایۃ لقیام المالك من كل وجه وان كانت معتدة
من طلاق بائن او خلع وہی المبانة او المختلعة فیلحقها صریح
الطلاق عند اصحابنا واما الکناية فهل یلحقها یُنظر ان كانت
رجعیۃ وہی الفاظ اعتدی واستبرئ رحمک وانت واحدة یلحقها في
ظاهر الرواية - وجه ظاهر الرواية ان الواقع بهذا النوع من الکناية
رجعی فکان فی معنی الصریح فیلحق الخلع والإبانة في العدة
کا الصریح وان كانت بائنة کقوله انت بائن ونحوه ونوی الطلاق
لا یلحقها بلا خلاف لان الإبانة قطع الوصلة والوصلة منقطعة
فلا یتصور قطعها ثانیاً بخلاف الطلاق لانه ازالة القید وازالة
حل المحلیة وكل ذالک قائم اھ ملخصاً (ص ۱۳۳ - ج ۳)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ طلاق بائن کے بعد کنایات بوائن سے تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔
باقی سب صورتوں میں طلاق کے بعد طلاق واقع ہو جاتی ہے یعنی رجعی کے بعد تو صریح کنایہ رجعی
بائن سب طرح کی طلاق واقع ہوتی ہے اور طلاق بائن کے بعد صریح طلاق کی دونوں قسم واقع
ہوتی ہیں۔ خواہ رجعی ہو یا بائن اور کنایہ کی فقط ایک قسم یعنی رجعی واقع ہوتی ہے۔

اب صورت سوال میں غور کیا جائے تو واضح ہو جائیگا کہ جملہ اولیٰ سے ایک طلاق رجعی
واقع ہو گئی تھی اور جملہ ثانیہ میں نیت شرط تھی جس کا غاوند کو اقرار نہیں ہے اس واسطے وہ
بے اثر رہا اور جملہ ثالثہ سے دوسری طلاق رجعی واقع ہو گئی اور جملہ رابعہ سے تیسری طلاق
ہو چکی جو فی نفسہ بائن تھی مگر بوجہ ثالثہ ہو نیکی مغلطہ ہو گئی۔ واللہ اعلم بالصواب
والیہ المرجع والمآب۔

تتمۃ الجواب: یہ بات تو جواب ہی سے معلوم ہو گئی کہ زید ان تمام جملوں میں
نیت نہ ہو نیکی کا جو عذر کر رہا ہے وہ شرعاً مسموع نہیں اب دو عذر اور باقی رہے ایک یہ کہ:
یہ اقرار خلاف واقع تھا۔ زید نے مصلحت جھوٹ بولا تھا۔ دوسرا یہ کہ پہلے جملے سے طلاق
رجعی واقع مانی جائے اور بقیہ سے تاکید اور معافی مانگنے کو رجعت قرار دیا جائے سو عذر

اول کا جواب اس جزئیہ سے ہو جاتا ہے۔

ولو اقر بالطلاق كاذباً او هانلاً وقع قضاء لا ديانته اه شامی عن البحر
وقال الشامی ویأتی تمامہ۔ ثوبین تحت قول الدر (او هانلاً) مستوف۔

اور دوسرے عذر کا جواب یہ ہے۔

فی الدر المختار: لو كر لفظ الطلاق وقع الكل وان نوى التاكيد
دين وقال العلامة الشامی رحمه الله تحته ای وقع الكل قضاء وكذا
اذا اطلق اشباه۔

اور خسر سے معافی مانگنا اول تو رجعت نہیں دوسرے مغلفہ کے بعد رجعت سے کیا کام
چل سکتا ہے۔ غرض یہ کہ زید جو اقرار پہلی درخواست میں کر چکا ہے اسکی رُو سے تین طلاق
ہو چکیں اور اس کے عذر سب باطل ہیں۔ فقط والسلام۔

تنبیہ :- جو حکم شرعی اس سوال کی بناء پر ہمیں معلوم ہوا وہ مع دلائل تحریر
کر دیا گیا ہے باقی جناب قاضی صاحب نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے متعلق بدون پورا فیصلہ
اور اسکی وجہ دیکھ کچھ لکھنا ممکن نہیں ہے اگر قاضی صاحب کی روئداد میں اس سوال سے
زائد کوئی بات ہو تب تو اختلاف جواب کا اختلاف واقعہ کی بناء پر ہوگا ورنہ اگر باوجود اتحاد
سوال و جواب اختلاف ہو تو یہ بہتر ہے کہ یہ جواب قاضی صاحب کے ملاحظہ سے گزار دیا جائے
اور ان کا جواب یہاں روانہ کر دیا جائے تاکہ جانبین کو غور کا موقع ملے۔ واللہ اعلم و علمائنا و اعلم۔

الجواب مع التنبیه صحیح
اشرف علی۔ ۴ جمادی الاول ۱۴۱۵ھ
کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون۔ مورخہ ۳ جمادی الاول ۱۴۱۵ھ

» طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی « کہا تو (سوال) ما قولکم رحمکم اللہ
باتفاق آئمہ اربعہ طلاق مغلفہ ہو جائیگی۔

میں اپنی عورت کو کہا کہ » میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی « اور
تخمیناً تین چار سال سے اس عورت کا حیض بند ہے اور نہ حال میں وہ سن ایسا کی حد تک پہنچی
ہے پس اس تین بار کہنے سے تین طلاق ہوئیں گی یا نہیں؟ اور اگر حنفی مذہب میں واقع ہوئی اور
شافعی مذہب میں مثلاً واقع نہ ہوئی تو حنفی کو شافعی مذہب پر اس صورت خاص میں عمل
کر نیکی رخصت دی جائیگی یا نہیں؟ بینوا قوجروا۔

جواب آمدہ مع السؤال :-

هو المصوب :- ہاں! حضرت مولانا عبدالحی صاحب مرحوم اپنی کتاب مجموعہ فتاویٰ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاق واقع ہونگی اور بغیر تحلیل کے نکاح درست نہ ہوگا مگر بوقت ضرورت کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا دشوار ہو اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہو تقلید کسی امام کی کریگا تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا نظیر اسکی مسئلہ نکاح زوجہ مفقود و عدت ممتدہ الطھر موجود ہے کہ حنفیہ عند الضرورت قول امام مالک پر عمل کرنیکو درست رکھتے ہیں چنانچہ رد المحتار میں مفصلاً مذکور ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ وہ کسی عالم شافعی سے استفسار کر کے اسکے فتویٰ پر عمل کرے۔ واللہ اعلم۔ حررہ عبدالحی عفا عنہ

اور تائید اس فتویٰ کا قول صاحب رد المحتار علیہ رحمۃ اللہ الغفار ہے فی ص ۶۱۸

لوقضی مالکی بذالك نفذ كما في البعد والنهر وقد نظمه شيخنا

الخير الرملي الخ -

وفي رد المحتار : لانه مجتهد فيه وهذا كله موافق لما في البزازیة قال العلامة : والفتوى في زماننا على قول مالك -

وفي موضع آخر :- اما في بلاد لا يوجد فيها مالكي يحكوبه فالضرورة متحققة -

پس مولانا عبدالحی صاحب مرحوم کی رائے اور رد مختار و شامی صاحب کی رائے سے استفاد ہوتا ہے کہ ضرورت اگر مطلق ثلاثہ امام شافعی صاحب کے فتویٰ پر عمل کرے تو اسکی بیوی از سر نو پھر حلال ہو جائیگی۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و حکمہ احکم۔

برضیہ منہ نظیر مخفی مباد کہ مستثنیٰ سمن میاں ولد عبد الکریم مرحوم ساکن بالنکازن خود را در حالت شدت غضب سه طلاق داده بود و بعد خواست که بار دیگر آن زن مطلقہ را بعد تحلیلش اورا در نکاح خود آر د لیکن آن زن مذکورہ در ممتدۃ الطھر مبتلاست و ہنوز در منزله سن ایاس نرسیدہ و علیگی آن زن مطلقہ یا مرد مطلق بوجہ کثرت اولاد از بطن آن زن مطلقہ بسیار دشوار۔ لہذا این ہمہ ضرورتہا پیش نظر داشتہ دریں صورت خاص بر مذهب شافعی رحمۃ اللہ علیہ حکم داده شد یعنی بعد تجدید نکاح فیما بینہما باز سر نو زندگانی نمایند زیراچہ «الضرورات تبیح المحظورات» کہ در اصول حضرات احناف جمہم اللہ

تعالیٰ مشہور و معروف و اظہر من الشمس است پس از ماہرین فقہ و اصول شریعت غراء و مر جوست کہ درین مسئلہ خاص از منظر تحقیق و تدقیق کاروائی فرمایند کہ واقعیت فہم طلب تا از دائرہ عدل و انصاف تجاوز نفرمایند باقی عند التلاقی وانا لله الباقی۔

راقم الحروف ابو الحسن محمد فرقان غفرلہ ولوالدیہ المنان
ساکن سری دھرا پرگنہ پنچمکھٹہ کلاں سہٹ۔

قد علمت حقیقۃ الواقعة حیث کان عن ضرورة مستوفیة و اذا
ثبتت الضرورة واشتدت الحاجة الى ذلك صح النقل الى ای مذهب من
المذاهب الاربعۃ كما افقی به قاری الهدایة و غیرہ و لیس للحنفی
ولا غیرہ ابطالہ هذا هو المفتی به عند المحققین من علمائنا۔ واللہ اعلم
وانا العبد المذنب محمد اکرام غفرلہ ولوالدیہ اسلام من مضافا کیم گنج الملوک سری دھرا

لا مریت فیہ

الجواب كما حذرہ المجیب صحیح

محمد محفوظ الترحمن عفا عنہ

معین الدین احمد عفی عنہ

الجواب بالصواب

لا ریب فیہ

محمد شرافت علی عفی عنہ۔

محمد طاہر عفا عنہ

جواب از خانقاہ امدادیہ

مولانا لکھنوی سے اس مقام پر سخت لغزش ہوئی ہے انکے کلام میں دو جزو ہیں۔

اول یہ کہ: زوجہ مفقود کی طرح یہاں بھی ضرورت ہے اور یہ دونوں مخدوش ہیں امام
شافعیؒ کی طرف اس قول کی نسبت بالکل غلط ہے۔ ائمہ اربعہ اور جمہور خلف و سلف کا صورت
مذکورہ میں وقوع ثلاث پر اتفاق ہے جیسا کہ شرح مسلم للنووی اور فتح الباری سے واضح ہے اور
توحد طلاق کا قول اجماع صحابہ کے خلاف ہے ہرگز قابل عمل نہیں دلائل دیکھنے کا شوق ہو تو
فتح الباری اور عمدة القاری ملاحظہ فرمائیں۔ و نیز حضرت حکیم الامت مدظلہم العالی کا رسالہ
» رد التوحد « (جو رسالہ النور ماہ شوال و ذی قعدہ ۱۱۵۵ھ میں شائع ہو چکا ہے) قابل ملاحظہ
ہے اور زوجہ مفقود پر اس کو قیاس کرنا بھی ہرگز صحیح نہیں کیونکہ وہاں مذهب مالک اختیار
نہ کریں تو اسکے واسطے کوئی سبیل ہی نہیں اور یہاں ایسا نہیں بلکہ اس خاوند کے علاوہ دوسرے
اشخاص سے نکاح کر سکتی ہے اسی شخص پر کوئی ضرورت موقوف نہیں اگر یہ مرجعے تو کیا کرے؟

اگر ایسی ضرورتوں کا لحاظ کیا جائے تو ہر شخص اس کا دعویٰ کر سکتا ہے غرض یہ کہ یہ فتویٰ بالکل غلط ہے اس پر عمل کرنا بالکل جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔ مؤرخہ ۲۱ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ

حکم الدیانۃ للاثاث اذا سمع من (تنبیہ) اس جواب کا مبنی اس تشریح من الاذواج الطلقات الثلاث

محمد یوسف کے قول ”میں تو کے طلاق دیہیوں“ کے معنی کی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ”میں نے تجھ کو طلاق دی“ اگر ان کی یہ تشریح صحیح ہے اور اسی بناء پر عورت کو یقین کلی ہے کہ محمد یوسف نے اسکو دسوں مرتبہ طلاق دی۔ تو جواب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا اور اگر یہ تشریح صحیح نہیں بلکہ اس لفظ میں اہل محاورہ کے نزدیک معنی ماضی کے ساتھ معنی مستقبل کا بھی احتمال ہے جیسا کہ علماء ثلاثہ میں سے بعض نے یہ احتمال اپنی ایک تحریر میں ظاہر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ”میں نے تو کے طلاق دیہیوں“ کے معنی ”میں تجھ کو طلاق دیدوں“ بھی ہو سکتے ہیں تو اس کا فیصلہ وہاں کے اہل محاورات ہی کر سکتے ہیں کہ میں وہاں کے محاورات سے واقف نہیں اور اگر اس کلام میں یہ احتمال تھا تو علماء ثلاثہ کو اپنی تحریری فیصلہ میں اس احتمال سے تعرض لازم تھا اس احتمال کے ہوتے ہوئے جزم کے ساتھ یہ لکھنا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ”میں تجھ کو طلاق دی“ بہت سخت مسامحت ہے جو اہل علم و اہل افتاء سے نہایت بعید ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون۔ ۱۲ رجب ۱۴۲۲ھ

(نوٹ :-) اس فتویٰ پر بعض علماء نے کلام کیا ہے جو درج کیا جاتا ہے۔ ۱۲ ظفر

قسط اول باسمہ سبحانہ

خلاصہ | مسماۃ صغریٰ نے دعویٰ کیا کہ میرے شوہر محمد یوسف نے مجھے دسوں مرتبہ کہا کہ ”میں تو کے طلاق دیدیوں“ تین قبول کر لی تھی۔ (یعنی میں نے تجھ کو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ہے) پھر میرے ساتھ جماع کیا۔ مدعی علیہ نے ایقاع طلاق کا انکار کیا۔ مدعیہ سے شہادت طلب کی گئی مگر وہ شہادت پیش کرنے سے قاصر رہی ”مدعی علیہ“ کو حلف دیا گیا اور اس کے حلف کے بعد حکم نے فیصلہ صادر کیا کہ طلاق ثابت نہیں ہوئی مگر کسی نے عورت مذکورہ کو فتویٰ دیدیا کہ تم عدت گزارنے کے بعد دوسرے آدمی کے ساتھ نکاح کر سکتی ہو چنانچہ مسماۃ مذکورہ نکاح پر

آمادہ ہوئی اور اس کا شوہر فوجداری مقدمہ دائر کر نیکی تیاری کرنے لگا اس لئے ذیل میں اس حادثہ الفتویٰ پر بقدر ضرورت بحث کی گئی ہے۔

(تنبیہ) میں تو کے طلاق دیہیوں الخ، ایک ایسا لفظ ہے جو بوجہ کے ادنیٰ تغیر سے کبھی ماضی کا صبیغہ اور کبھی مستقبل کا صبیغہ بن سکتا ہے جیسا کہ مقامی زبان دان حضرات کا بیان ہے۔

بیان محمد عبید | ”میں تو کے طلاق دیہیوں میں قبول کر رہی تھی“ (یعنی میں نے تجھ کو طلاق دی کیا تو قبول کرتی ہے) دسوں مرتبہ کہا اسکے بعد جماع کیا اور یہ کہا کہ آج آخری ہے اسکے بعد یہ کہا کہ ہم صبح ہر دیکر مبارک پور جائینگے کام کرنے نہیں جائینگے دوکان پر۔ گواہ کوئی نہیں۔ علامت نشان انگوٹھا صغریٰ بنت ولی جان بقلم محمد ادریس

بیان محمد ادریس | میرے سامنے لڑکی نے بار بار وہی الفاظ کہا جو وہ بیان کرتی ہے محمد یوسف نے ایک مرتبہ انکار کیا اسکے والد کے مارنے کیلئے اٹھنے پر اسکے علاوہ کچھ نہیں کہا۔ نشان انگوٹھا محمد ادریس پسر فتح محمد

بیان مدعی علیہ | میں نے جماع کے بعد کہا کہ یہ آخری ہے۔ جماع سے پہلے میں نے طلاق کا کوئی لفظ نہیں کہا بعد میں کہا کہ میں مبارک پور صبح کو جاؤنگا وہاں ایک میرے دوست ان سے روپیہ لاؤنگا اگر وہ روپیہ دیں گے تو طلاق دیدونگا اور اگر نہیں دینگے تو اسکے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ میرا بیان ہے۔ محمد یوسف بقلم خود تاریخ ۲۴ جون ۱۳۰۵

فیصلہ حکم | حکم نے زبانی فیصلہ صادر کیا کہ طلاق ثابت نہیں ہوئی اور مولوی اسلام الحق صاحب نے فریقین کو ذیل کی تحریر لکھ کر دیدی۔

مولوی اسلام الحق کی لکھی ہوئی تحریر | ہم دستخط کنندگان کے سامنے ایک عورت مسماۃ صغریٰ بنت ولی جان نے آکر یہ بیان کیا کہ میرے شوہر مسشی محمد یوسف نے رات کے وقت دسوں مرتبہ یہ لفظ کہا کہ ”میں تو کے طلاق دیہیوں“ (اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تجھ کو طلاق دی) اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا ہو تو اسکی عورت مطلقہ مغلفہ ہو گئی اسکو چاہئے کہ اپنی بیوی سے دیانہ علیحدہ رہے مگر چونکہ محمد یوسف بار بار دریافت کرنے پر اس لفظ کے کہنے سے بالکل انکار کرتا ہے بلکہ حلفیہ دریافت کرنے پر بھی انکار ہی کرتا ہے اور خود مذکورہ شرعی بینہ سے اپنے دعویٰ کو ثابت نہیں کر سکی اس لئے طلاق ثابت نہیں ہوئی۔ والعلم عند اللہ۔ محمد اسلام الحق عفی عنہ مدرس مدرسہ دارالعلوم ملو۔

محمد صابر۔ میرک شاہ عفا اللہ عنہ

استفتاء جو عورت مذکورہ نے مکرر کیا | کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بیان مذکورہ بالا سے طلاق ثابت نہیں ہوئی لیکن مجھے یقین کلیہ ہے کہ محمد یوسف نے مجھے دسوں مرتبہ طلاق دی اور میں پھر حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ محمد یوسف نے مجھے طلاق نہ دی ہو لہذا یہ امر دریافت طلب ہے اب مجھے محمد یوسف کے ساتھ رہنے میں کوئی گناہ تو نہ ہوگا؟

سائلہ مسماة صفری بنت ولی جان۔

الجواب :- (تمہید) فریقین نے جن کا بیان ملے ملے میں درج ہے میرے پاس دعوی طلاق کا مرفوعہ کیا۔ زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے میں نے مولانا مولوی محمد اسلام الحق صاحب اور مولانا محمد صابر صاحب کو اثناء تحقیقات میں اپنے ساتھ شامل رکھا۔ اور جو الفاظ مقامی زبان میں کہے گئے انکے ترجمہ میں بھی ان ہی دونوں حضرات کے کہنے پر اعتماد کیا۔ مدعیہ مسماة صفری بنت ولی جان نے دعوی کیا کہ میرے شوہر نے مجھے دسوں مرتبہ کہہ دیا کہ میں نے تجھ کو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ہے؟ محمد یوسف شوہر مسماة مذکورہ نے ایتقان طلاق کا انکار کیا اور صرف اس کا اقرار کیا کہ جماع کے بعد طلاق کا وعدہ کیا بشرطیکہ مبارکپور کے دوست سے مہر ادا کرنے کیلئے روپیہ مل جائے مدعیہ کے پاس بینہ (شہادت) نہیں شوہر کو قسم کیلئے کہا گیا جو اس نے کھائی اس لئے عدم ثبوت طلاق کا حکم شرعی فریقین کو سنایا گیا اور تحریر طلب کرنے پر مولانا اسلام الحق صاحب نے فریقین کو تحریر بھی دیدی جس میں انفرادی طور پر شوہر کو نصیحت بھی کی گئی ہے اور جانبین کو بالاشتراك عدم ثبوت طلاق کا حکم بتایا گیا اس تحریر پر میرے اور مولوی محمد صابر صاحب کے بھی دستخط کرائے گئے تحریر مذکور وصول کرنے کے بعد مسماة مذکورہ کی طرف سے استفتاء مندرجہ بالا ملے میرے سامنے و نیز بعض دوسرے علماء کے سامنے پیش کیا گیا جس میں وہ دیانت کا حکم اپنے متعلق دریافت کرتی ہے چونکہ اس مسئلہ میں دیانت کے پہلو متعدد ہیں اس لئے ذیل میں انکو درج کیا جاتا ہے اور اوپر کا حکم یک سلسلہ تحکیم فریقین کو دیا گیا ہے جو اس مسئلہ میں قضاء کا پہلو ہے اور اب جو کچھ لکھا جائیگا وہ محض ان احکام شرعیہ کا اظہار ہوگا جو اس مسئلہ میں انفرادی احکام کی حیثیت سے کتب فقہ میں منقول ہیں جیسے اس مسئلہ میں دیانت کا پہلو سمجھنا چاہئے جیسا کہ آگے آتا ہے۔

رجوع باصل مقصد :-

تمہید مذکور کے بعد سائلہ مذکورہ کو بالخصوص اور ناظرین کو علی العموم اطلاع دی جاتی ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف واقع ہوا ہے اس لئے جس قدر مسائل و اقوال ہم کو اس باب میں

معلوم ہو سکے انکو ذیل میں درج کر کے آخر میں بتایا جائیگا کہ اقوال مذکورہ میں سے سائل کو کونسا قول اختیار کرنا چاہئے و نیز یہ کہ سائل کے بیان کے متعلق کتب فقہ میں دیانۃ کیا احکام ہیں جن پر انکو دیانۃ عمل کرنا ضروری ہے مسائل واقوال یہ ہیں۔

(قول اول) جس عورت نے اپنے شوہر سے یہ سنا کہ اس نے اسے طلاق دیدی ہے، اور عورت مذکورہ شوہر کو اپنے سے دور کرنے اور روکنے پر بجز اس کے کہ اسکو قتل کرے قادر نہیں تو اسکو شوہر کے قتل کے ارتکاب کی اجازت ہے مگر خودکشی جائز نہیں۔

(ب) (اور جندی فرماتے ہیں کہ عورت مذکورہ کو قاضی کے پاس مرافعہ کرنا چاہئے اگر وہاں شوہر نے طلاق کا انکار حلفاً کر لیا اور عورت شہادت پیش نہ کر سکی تو گناہ مرد پر ہے اور اگر ارتکاب کریگی تو وہ بھی مباح ہے۔

(ج) عورت مذکورہ کو کسی حال میں شوہر مذکور کے قتل کا ارتکاب حلال نہیں بلکہ گناہ کا ذمہ دار شوہر ہوگا۔

(د، ھ) اوپر کے تینوں اقوال میں سے قول ثالث کو صاحب درمختار نے مفتی بہ قرار دیا ہے اور پہلے قول کے ذیل میں شامی نے محیط سے نقل کیا ہے کہ عورت مذکورہ کو سزاوار ہے کہ اپنا مال و متاع و بیکر شوہر سے اپنے آپ کو خلاص کرے یا یہ کہ اس سے بھاگ جائے اور اگر اسکی قدرت نہیں رکھتی ہے تو اس وقت قتل کریگی جبکہ یہ یقین ہو جائے کہ وہ وطنی کریگا۔ مگر دواء کے ساتھ ورنہ تیز آلہ کے ساتھ قتل کے ارتکاب کی صورت میں قصاص واجب ہوگا۔

یہ پانچ اقوال درمختار اور شامی کی عبارات ذیل سے اخذ کئے گئے۔

سمعت من زوجها انه طلقها ولا تقدر على منعها

ع خط کشیدہ الفاظ میں غور طلب یہ ہے کہ اقرار بالطلاق اور تلفظ بالطلاق میں فرق ہے و نیز یہ کہ زیر بحث مسئلہ ثانی ہے نہ کہ اول۔

من نفسها الا بقتله لها قتله بدواء ولا تقتل نفسها،
وقال الا وزجدي ترفع الامر للقاضي فان حلف
ولا بينة فالاثم عليه وان قتله فلا شيء عليها و
قيل لا تقتله وبه يفتي كما في التتارخانيه وشرح
الوهبانيه عن الملقط اي والاثر عليه كما مر (دس)
(قوله لها قتله) قال في المحيط وينبغي لها ان
تفتدي بما لها او تهرب منه وان لم تقدر قتله متى
علمت انه يقر بها الخ (شامی ص ۴۸ ج ۲)

قوله وان قتله الخ افاذا باحة الامرین (شامی ص ۴۹ ج ۲)

(ق) اگر عورت کو شوہر نے تین طلاق دیدیں
پھر منکر ہوا تو عورت مذکورہ کو اس وقت جبکہ
شوہر مذکور سفر میں ہوگا اعتداد کے بعد دیانۃ
جائز ہے کہ کسی دوسرے کے ساتھ مخفی طور پر نکاح
کر کے حلالہ کرے اور شوہر مذکور کی واپسی پر اسے
یہ بہانہ کرے کہ میرے قلب میں شک پیدا ہو رہا ہے
تجدید ایجاب و قبول کر کے اسی کے پاس رہنے لگے
لیکن قنہ میں اس مسئلہ کو مختلف فیہا قرار
دیدیا گیا ہے کہ بھاگ جانے پر قادر ہونکی صورت
میں عورت مذکورہ کو دیانۃ تزویج مذکور کے
اجازت نہیں کیونکہ جب اسکی تفریق کے ساتھ
قضاء قاضی صادر نہ ہوئے اس وقت تک وہ
شوہر اول کی زوجیت کے حکم میں برابر عکڑی ہوئی
رہے گی۔

(ب) اگر عورت نے شوہر سے طلاق کے الفاظ
سن لئے مگر شوہر نے حلفاً انکار کیا اور قاضی نے

(بج) لوطلقها ثلاثاً وانكر لها ان
تتزوج بآخر وتحلل نفسها سرا منه
اذ غاب في سفر فاذا رجع التمس منه
تجديد النكاح لشكاه - وقد ذكر في
القنية خلافاً لفرق ولا يصل بانها ان
قدرة على الهرب لم يسعها ان تعتد وتزوج
بآخر لانها في حكم زوجته الخ - والحاصل انه
على جواب شمس الاسلام.... يحل لها ان
تتزوج فيما بينها وبين الله وعلى جواب
الباقيين لا يحل - (اقول اعديانة لانه
نفى لما اثبت قبله عبد).... وقد نقل في
القنية عن شرح السرخسي.... طلق امرأته ثلاثاً و
غاب عنها فلها ان تتزوج.... بعد العدة ديانۃ و
نقل آخرا انه لا يجوز في المذهب الصحيح -

(بج) وكذا لك سمعته طلقها ثم
بجد وحلف الخ

عورت کو شوہر کے سپرد کر دیا تو عورت مذکورہ کو نہ تو اس کے ساتھ رہنا جائز ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔

ان دونوں قولوں کے کا خلاصہ بقول علامہ بدیع کے یہ ہے کہ اوز جندی نسفی وغیرہا کے نزدیک دیانۃ نکاح ثانی حلال ہے اور باقی فقہاء کے نزدیک دیانۃ بھی نکاح ثانی حلال نہیں۔

(ح) شوہر نے عورت کو تین طلاقیں دیدیں پھر سفر میں چلا گیا اسکی عورت عدت کے بعد دوسرا نکاح دیانۃ ایک قول کے مطابق کر سکتی ہے مگر دوسری نقل کے مطابق مذہب صحیح یہ ہے کہ دیانۃ بھی نکاح ثانی ناجائز ہے اور دیانۃ بھی نکاح ثانی کے عدم جواز اور حرمت کو مذہب صحیح قرار دینے والے علماء ترجیح دیتے ہیں۔

(ط) مرد نے تعلیق طلاق کر لیا اور شرط بھی پائی گئی جس کا علم و یقین عورت کو ہو گیا مگر مرد کو یہ گمان ہے کہ شرط نہیں پائی گئی اور ساتھ ہی ساتھ عورت کو اس کا بھی ظن غالب ہے کہ اگر وہ مرد کو خبر دے گی تو وہ تعلیق ہی کا انکار کرے گا۔ تو اس صورت میں جب کبھی مرد غائب ہو جائے یعنی کسی سبب سے عورت مذکورہ کو اعتداد کے بعد حلالہ کی اجازت دیانۃ ہوگی مگر قضاء نہ ہوگی یہ قول تو عمر نسفی کا ہے لیکن وہ اس کے ساتھ فتویٰ دینے کی اجازت اس عورت کے ساتھ

(بحر) قال یعنی البدیع والحاصل انه علی جواب شمس الاسلام الاوز جندی ونجم الدین نسفی والسید ابی شجاع و ابی حامد السرخسی یحل لها ان تتزوج بزواج آخر فیما بینہا و بین اللہ و علی جواب الباقرین لا یحل اھدای ان تتزوج بزواج آخر فی ما بینہا الخ (عبد)

(بحر) وقد نقل فی القیۃ... ما صورته طلق امرأة ثلاثاً وغاب عنها فلها ان تتزوج بزواج آخر دیانۃ ونقل آخر انه لا یجوز فی المذہب الصحیح۔

قال حلف بثلاث

مخصوص کرتے ہیں جو قابل وثوق و اعتبار ہوتا قابل اعتبار عورت کو وہ اس حکم کے ساتھ فتویٰ نہیں دیتے ہیں کیونکہ عورت مذکورہ کو نکاح دوم کرنے کی اجازت دینے کے بارے میں ممدوح نے سید ابوشجاع سے دو مرتبہ دریافت کیا آپ نے ایک مرتبہ جواز کا حکم لکھ دیا دوسری مرتبہ فرمایا کہ جائز نہیں اور تطبیق کی صورت بقول عمر نسفی یہ ہے کہ جواز کا حکم صرف اس عورت کیلئے آپ نے دیدیا جو قابل اعتبار اور قابل وثوق ہو۔

(بھی) دو شاہدوں نے شہادت دیدی کہ عورت کو اس کے شوہر نے تین طلاقیں دیدیں تو اگر اس کا شوہر سفر میں ہو نیکی وجہ سے اس سے غائب ہے تو اس کو نکاح دوم کی گنجائش ہے اور اگر شوہر سفر میں نہیں تو عورت مذکورہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی ہے۔

مسئلہ کی یہ صورتیں (۶ سے ۱۰ تک) بحوالہ رائے کی عبارت ذیل سے اخذ کی گئیں
 قالوا: لو طلقها وانكر لها ان تتزوج باخرو وتحلل نفسها سرامنه اذا غاب في سفر فاذا رجع التمسك منه بتجديد النكاح لشك خالج قلبها لا لانكار الزوج النكاح وقد ذكر في القنية خلافاً فرقم لواصل بانها ان قدرت على الهروب منه لم يسعها ان تعتد وتتزوج باخراً لانها في حكم زوجية الاول قبل القضاء بالفرقة ثم من شمس الاسلام الا وزجندی وقال: قالوا هذا في القضاء ولها ذلك ديانة وكذلك ان سمعت طلقها ثلاثاً ثم جحد وحلف انه لم يفعل وردھا القاضي عليه لم يسعها المقام معه ولم يسعها ان تتزوج بغيره ايضاً قال يعني البديع والحاصل انه على جواب شمس الاسلام لا وزجندی و

نجمر الدين النسفي والسيد ابي شجاع وابي حامد والسرخسي يحل لها ان
تتزوج بنزوج آخر فيما بينها وبين الله تعالى وعلى جواب الباقيين لا
يحل اهـ قال المصنف وقد نقل في القنية قبل ذلك عن شرح
السرخسي ما صورته طلق امرأته ثلاثا وغابت عنها فلها ان تتزوج
بنزوج آخر بعد العدة ديانته ونقل آخر انه لا يجوز في المذهب الصحيح
اهـ قلت: انما روى شمس الاثمة الا ورجندي وهو موافق لما تقدم عنه
والقائل بانه المذهب الصحيح العللاء الترجمان ثورقوبده لعمر النسفي
وقال: حلف بثلاثة فظن انه لو يحنث وعلمت الحنث وظنت انها لو
اخبرته ينكح اليمين فاذا غابت انها بسبب من الاسباب فلها التحلل
ديانته لا قضاء قال عمر النسفي سألت عنها السيد ابا شجاع فكتب انه يجوز
ثم سأله بعد مدة فقال انه لا يجوز والظاهر انه انما اجاب في امرأة يوثق
بها اهـ كذا في شرح المنظومة وفي البزارية شهد ان زوجها طلقها ثلاثا
ان كان غائبا ساغ لها ان تتزوج باخر وان كان حاضرا لان الزوج انك
احتيج الى القضاء بالفرقة ولا يجوز القضاء بها الا بحضرة الزوج اهـ وفيها
سمعت بطلاق زوجها اياها ثلاثا ولا تقدر على منعه الا بقتله ان علمت
انه يقربها تقتله بالدواء ولا تقتل نفسها وذكر الازن جندی انها ترفع
الامر الى القاضي فان لو يكن لها بينة تحلفه فان حلف فلا ثور عليه وان
قتلته فلا شيء عليها والباثن كالثلث اهـ وفي التارخانية:
وسئل الشيخ ابو القاسم عن امرأة سمعت من زوجها انه طلقها ثلاثا
ولا تقدر ان تمنعه نفسها هل يسعها ان تقتله في الوقت الذي يريد
ان يقربها ولا تقدر على منعه الا بالقتل فقال لها ان تقتله وهكذا
كان فتوى الامام شيخ الاسلام عطاء بن حمزة ابي شجاع وكان القاضي
الامام الاسبيجاني يقول لها ان تقتله وفي الملتقط وعليها الفتوى
وفي فتاوى الشيخ الامام محمد بن الوليد السمرقندي في مناقب ابي
حنيفة عن عبد الله بن المبارك عن ابي حنيفة ان لها ان تقتله.

وفي المحيط في مسألة النظر: وينبغي لها ان تفتدي بمالها او تهرب منه فان لم تقدر قتلته متى علمت ان يقربها ولم يكن ينبغي ان تقتله بالدواء وليس لها ان تقتل نفسها قلت: قال في المنتقى وان قتلته بالآلة يجب القصاص اهـ (بحر - ص ۶۱-۶۲ ج ۲)

(یٰ) جب عورت کے پاس دو شاہد شہادت دیدیں کہ اس کے شوہر نے اسکو تین طلاقیں دیدی ہیں اور شوہر انکار کرتا ہے پھر دونوں شاہد مر گئے یا پردیس چلے گئے اور قاضی کے سامنے ان سے شہادت دلانے کا موقع نہیں ملا تو عورت مذکورہ کو نہ تو یہ جائز ہے کہ شوہر مذکور کے پاس رہے اور نہ یہ جائز ہے کہ اسکو جماع کرنے کا موقع دیدے پھر اگر قاضی کے سامنے مرافعہ ہوا اور زوج منکر نے حلف اٹھائی۔ شاہد بھی مر چکے ہیں اور قاضی نے عورت مذکورہ کو شوہر مذکور کے سپرد کر دیا تو اسکو جائز نہیں کہ شوہر مذکور کے پاس رہے بلکہ مال و پیر اپنے آپ کو خلاص کرے یا بھاگ جائے اور جب بھاگ جائیگی تو دیانۃ عدت گزار کر دوسرے نکاح کی گنجائش ہے جیسا کہ محیط میں مذکور ہے۔

(نوٹ) اس صورت ملا میں وضع مسئلہ یوں ہے کہ عورت کے سامنے دو شاہد عدل (یعنی دو معتبر اور دیندار مرد) اداء شہادت کریں کہ اُسے زوج نے تین طلاقیں دیدیں اور مانحن فیہ میں عورت نے خود اپنے شوہر سے سندھے کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ہے؟ اسلئے یہ مسئلہ (ملا) زیر بحث حادثہ سے متفاوت ہے لیکن فی الجملۃ تشابہ کی بنا پر اس کا اندراج یہاں مناسب معلوم ہوا تاکہ مسئلہ کے دوسرا پہلو بھی سامنے آجائیں۔

یہ مسئلہ (ملا) عالمگیری کی عبارت ذیل سے اخذ کیا گیا:

واذا شهد عند المرأة شاهدان عدلان ان زوجها طلقها ثلاثاً وهو بمجحد ذلك ثمراتاً او غابا قبل ان يشهدا عند القاضي لو يسعها ان تقوم معه وان تدعه يقربها فان حلف الزوج على ذلك والشهود قد ماتوا فردها القاضي عليه لا يسعها المقام معه وينبغي لها ان تفتدي بمالها او تهرب منه فان لم تقدر على ذلك قتلته متى علمت انه يقربها لكن ينبغي ان تقتله بالدواء وليس لها ان تقتل نفسها واذا

هربت منه لم يسعها ان تعتد وتزوج بزواج آخر قال الشيخ شمس الائمة
الحلواني في كتاب الاستحسان هذا جواب الحكم واما فيما بينها وبين الله
تعالى اذا هربت فلها ان تعتد وتزوج بزواج آخر كذا في المحيط (علل كبرى طه)
تبصره :- اقوال مذكوره میں سے قول اول و نیز قول دوم کی شق ثانی یعنی قتل کی
اجازت کا قول بوجہ ذیل ناقابل عمل ہے اول اسلئے کہ اجازت قتل کے مقابلہ میں
حرمت و عدم جواز کے قول کو مفتی یہ قرار دیدیا گیا ہے۔ وقیل لا تقتله۔۔۔۔۔ وبہ
یفتی، درمختار باب الرجعة۔ لا یسعها قتله وبہ یفتی۔ درمختار کتاب
الرضاع۔۔۔۔۔ دوسرے اسلئے کہ اگر یہی صورت بجائے عورت کے مرد کو پیش آجائے
تو اسکو عورت کے قتل کی اجازت کسی قول میں نہیں دی گئی ہے جیسا کہ درمختار میں ہے۔
لو لم یقدر هو ان یتخلص عنها ولو غاب سحرته ورددته الیہا لایحل لها
قتلہا و یبعد عنها جہدہ اھ۔۔۔۔۔ لہذا عورت کو بھی قتل کی اجازت نہیں
ہونی چاہئے۔

تیسرے یہ اسلئے کہ عورت کو اس مسئلہ میں خودکشی سے منع کیا گیا ہے اور نہ کھلانے
کی صورت میں حکومت وقت قتل کی سزا دے سکتی ہے۔ (جہاں تک مجھے معلوم ہے)
لہذا قتل کی اجازت کسی حال میں نہیں ہونی چاہئے پس عورت کو کسی طرح بھی یہ جائز نہیں
کہ شوہر کو قتل کر نیکارادہ کرے اور قول مذکور کو صاحب شامی کا قول معتد قرار دینے کا
مطلب یہ ہے کہ اسکی نقل و روایت صحیح ہے نہ یہ مفتی یہ ہونے کے لحاظ سے اسپر عمل کرنا
جائز ہے، واللہ اعلم۔

قول ششم و نیز وہ تمام صورتیں جن میں عورت کو دیا نہ اختیار دیا گیا ہے کہ حلالہ
کی غرض سے کسی شخص کے ساتھ شوہر کو بے خبر رکھ کر نکاح کر لگی یہ سب اقوال صاحب
درمختار کے نزدیک غیر صحیح ہیں جیسا کہ باب الایلاء سے پہلے درمختار میں مذکور ہے،
وفیہا شہدا انہ طلقھا ثلاثا لہا التزوج باخر للتحلیل لو غائب انتھی
قلت یعنی دیا نہ، والصحیح عدم الجواز فنیۃ یعنی جب دو شاہد طلاق کے
شہادت دیدینگے اور شوہر غائب ہو تو عورت حلالہ کی غرض سے دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔
صاحب دراس مسئلہ کو بزاز یہ سے نقل کر کے فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ جواز نکاح

دیانت کا حکم ہے اور صحیح یہ ہے کہ عورت مذکورہ کو دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں، جیسا کہ قنیہ میں مذکور ہے۔ اور صاحب درمختار کے اس قول پر علامہ ابن عابدین نے اشکال وارد کیا ہے مگر وہ محض بحث ہے اسلئے اسکے ساتھ فتویٰ دینا ہرگز جائز نہیں جیسا کہ اہل فن اور اصحاب مناسبت پر واضح ہے۔ علاوہ برآں یہ بھی زیر بحث حادثہ میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ جس مسئلہ پر بحث مذکور کی گئی ہے اسکی صورت یہ ہے کہ عورت کو دو مرد وزن کی شہادت عادلہ سے طلاق کا علم ہو جائے۔ اور زیر بحث مسئلہ میں عورت کو اس کے سوا کوئی علم نہیں کہ اسکے زعم کے مطابق اسکے شوہر نے اس سے دسوں مرتبہ یہ کہدیا کہ میں نے تجھ کو طلاق دیدی الخ جیسا کہ آگے آئیگا۔ مذکورہ بالا مقام کے علاوہ باب الرضاع کے آخر میں بھی صاحب درمختار نے نکاح ثانی کو ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ احباب سے استفسار کرنے پر معلوم ہو سکا ہے اس قسم کے فتوے دینے والے اور اس پر عمل کرنے والے سب کے سب فوجداری دفعات کی زد میں آتے ہیں اور وہ دفعات عموماً اس مسئلہ کے حکم اور قضاء کے پہلو کے اعتبار سے شریعت کے خلاف بھی نہیں لہذا ایسے فتاوے کا نتیجہ اگر ایک طرف زنا کاری اور اغواء کے عموم و فشوکی صورت میں نمودار ہوگا۔ تو دوسری طرف مقدمہ بازی اور گرفتاریوں کی بھرمار قانونی گرفت۔ شیوع فتن و فساد کی شکل میں سامنے آکر اسلام اور اہل اسلام و نیز علماء اسلام کے لئے نہایت ناشائستہ اثرات کا مٹر ہوگا۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔ ارباب فتویٰ کو ایسے مواقع پر فتح القدیر کے اس مسئلہ کا خصوصیت کے ساتھ لحاظ رکھنا چاہئے۔ والحق ان علی المفتی ان ینظر فی خصوص الوقائع۔ اور اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ اس قول کے مطابق فتویٰ دینے میں اخذ بالا حوط کا تحقق ہوتا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اقوال مندرجہ بالا میں سے بہت سے ایسے اقوال ہیں جو اس قول سے کہیں زیادہ احوط ہیں۔ علاوہ برآں زیر بحث حادثہ میں اخذ بالا حوط کا تحقق بھی محل تامل ہے کیونکہ اگر عورت قول ثالث کے مطابق عمل کرے شوہر منکر کے ساتھ زوجیت کے تعلقات کو بھی قائم رکھگی تب بھی ایسا واقعہ بہت ہی شاذ و نادر پیش آتا ہے کہ مرد اس طرح طلاق دیدے کہ وہاں کوئی شاہد نہ ہو اور پھر طلاق دینے کا انکار بھی کرے برعکس آں جب یہ فتویٰ عام ہوگا کہ جو عورت یہ کہیگی کہ مجھے علم و یقین ہے کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دیدی ہے ایسی

عورت کو دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کر نیکی اجازت دیدی جاتی ہے تو زمانہ کے بد معاش اور
برہہ فروش ایسے فتاویٰ کو اپنے پیشہ کا خاص ذریعہ بنائینگے کیونکہ تجربہ سے معلوم ہو چکا ہے
کہ برہہ فروشوں کے گروہ اس قسم کی جعلی سرگرمیوں کو عموماً اپنے کام کا ذریعہ بناتے ہیں لیکن
تمام پہلو ٹھیک کرنے میں انکو صعوبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اسلئے ایسے سہل الوصول ہتھیار
کو کیوں وہ ہاتھ سے جانے دیں گے۔ لہذا ایسے فتاویٰ کے اصدار سے اجتناب اولیٰ والزم ہے۔
عالمگیری میں ہے۔ **ويحرم التساهل في الفتاوى واتباع الجبل ان فسدت
الاغراض وسوال من عرف بذلك الخ (ص ۳۹۹ ج ۳)**

یعنی فتویٰ دینے میں تساہل برتنا اور اغراض فاسدہ کا ہوتے ہوئے حیلے قائم کرنے
حرام ہیں اسبطرح جو لوگ ایسے فتویٰ تیار کرتے ہیں ان سے مسئلہ پوچھنا بھی حرام ہے۔
بوجہ مندرجہ بالا مسماۃ صغریٰ کو اس قول پر عمل کرنا جائز نہیں مگر سنا گیا ہے کہ مسماۃ مذکورہ
کو کسی صاحب نے ذیل کا فتویٰ دیدیا ہے جسکی نقل بعینہ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

”صورت مسئلہ میں جب عورت کو یقین ہے کہ اسکے شوہر نے اسکو طلاق مغلظہ دیدی تو
اسکو جائز نہیں کہ اس شوہر کو اپنے اوپر قابو دے بلکہ اس سے علیحدہ ہو جائے اور عدت کے
بعد کسی اور سے نکاح کرے دوسرا شوہر ہم بستری کے بعد اگر اسکو طلاق دیدے اور عدت گذر
جائے تو وہ پھر محمد یوسف سے نکاح کر سکتی ہے اگر اس سے نکاح کرنا چاہے اور اگر اس سے
نکاح کی طلب نہ ہو تو جس سے نکاح کرے اس کے پاس رہے۔“

اس فتویٰ میں صاحب فتویٰ کا یہ فرمانا کہ جب عورت کو یقین ہے کہ اس کے شوہر نے
اسکو طلاق مغلظہ دیدی ہے الخ مسئلہ مذکورہ بالا یعنی والحق ان علی المفتی ان
ینظر فی خصوص الوقائع الخ کی رو سے قابل اعتراض ہے اسلئے کہ صاحب فتویٰ
کے سامنے صغریٰ نے وہ بیان رکھا جس میں اسکے دعویٰ کے الفاظ کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے
کہ ”میں نے تجھکو طلاق دی“ پھر وہ استفتاء میں حلفیہ کہتی ہے کہ ”مجھے ذرا بھی شبہ
نہیں کہ محمد یوسف نے مجھے طلاق نہ دی ہو“ اسلئے صاحب فتویٰ کو مستفتیہ کے پیش
کردہ الفاظ میں غور کر نیکی ضرورت تھی کہ ایسے الفاظ کا فقہاء کے نزدیک کیا حکم ہے
نہ کہ یہ لکھنا کہ جب عورت کو یقین ہے الخ کیونکہ ”جب“ اذا کا ترجمہ ہے اور
یہ ترجمہ خود علماء ثلاثہ نے کیا ہے وہی اسکی صحت کے ذمہ دار ہیں۔

اذا کا لفظ جزم کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے گو یا صاحب فتویٰ نے بھی مستفتیہ کے بیان سے اس حکم کا یقین کیا جس کا زعم بظاہر مستفتیہ نے کیا ہے حالانکہ مستفتیہ نے الفاظ پیش کر کے حکم دریافت کیا تھا چنانچہ اس سے مستفتیہ کے حواریین نے وقوع طلاق بالیقین کا حکم قطعی سمجھ لیا ہر کیف جب مسماۃ صغریٰ کو دیانت کا حکم بتلانا ہے اور اس میں بعض احباب کو اتنا اصرار ہے کہ ہندوستان میں علماء و مجرا حکام دیانت کے کوئی فتویٰ ہی صادر نہیں کر سکتے ہیں تو الفاظ مذکورہ میں بھی دیانت کا پہلو ملحوظ رکھنا ضروری ہے اسلئے ”میں نے تجھ کو طلاق دی“ کا ترجمہ فارسی میں یہ ہے کہ ”من ترا طلاق دادم“ اور قاضی خان میں مذکور ہے کہ اگر ان الفاظ سے ایقاع طلاق کی نیت کر لی تو طلاق واقع ہوگی اور اگر تفویض طلاق کی نیت ہوگی تو طلاق نہیں پڑیگی اور اگر تفویض کی نیت نہ ہو تو طلاق پڑیگی۔

وان قال لها ”من ترا طلاق دادم“ ان نوى الايقاع يقع وان نوى التفويض لا يقع وان لم ينو التفويض يكون ايقاعاً ولو قال لها، لك الطلاق قال ابو حنيفة ”ان عني به التفويض يدین و اذا قامت من مجلسها بطل (خانیۃ برہامش عالمگیری ط ۲۳۹ و ۲۴۰ ج ۲)“

خلاصہ یہ کہ ”میں نے تجھ کو طلاق دی“ کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ میں تمہارے سپرد طلاق کو کر دی ہے۔ پس اگر تم اپنے آپ کو مطلقہ بنا چاہتی ہو تو ایقاع طلاق اپنے اوپر کر سکتی ہو اور اس صورت میں مجلس میں صغریٰ اپنے آپ کو مطلقہ نہ بنا نا تفویض مذکور کو سلب کرتا ہے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ جو بیان مسماۃ صغریٰ کا ہمارے پاس اسکے عکس انگوٹھا کے ساتھ محفوظ ہے اس سے یہی شق معلوم ہوتی ہے کیونکہ مسماۃ صغریٰ کہتی ہے کہ مجھ سے محمد یوسف نے یہ بھی دریافت کیا کہ کیا تم طلاق قبول کرتی ہو؟ اور اپنا کوئی جواب قولاً بیان نہیں کرتی تھی بلکہ اسکے جماع اور اپنی تمکین کا ذکر کرتی ہے لہذا دیانت کا فتویٰ دینے والا مفتی شرعاً اس کا مکلف ہے کہ اس احتمال کو نظر انداز نہ کرے

عہ عربی میں نہ کہ اردو میں۔ عہ اردو میں یہ لفظ محتمل تفویض نہیں۔ عہ اردو میں یہ معنی غلط ہیں۔

عہ قضاء و قانونا ایسا شخص مردود الشہادت ہے جو اولاً بیان میں قیہ بیان نہ کرے بعد میں اضافہ کرے۔

عہ یہ بھی علماء ثلاثہ کے اول بیان میں نہیں ہے لہذا یہ اضافہ بھی قضاء رد ہے۔

خصوصاً جبکہ محمد یوسف کہتا ہے کہ میں نے جماع کے بعد اس سے طلاق دینے کا وعدہ اس صورت میں کیا تھا کہ مبارک پور جا کر اداء مہر کیلئے رقم اپنے دوست سے وصول کر سکوں۔ بالفرض اگر الفاظ مذکورہ کو ایقاع طلاق پر ہی محمول کیا جائے تب بھی حکم دیانت اس میں صرف وہی نہیں جو صاحب فتویٰ نے تحریر فرمایا ہے بلکہ ایک احتمال یہ ہے کہ محمد یوسف نے پہلی مرتبہ ایقاع طلاق اور دوسری و تیسری و چوتھی سے لیکر جتنے مرتبہ تکرار کیا اس سے افہام کا ارادہ کیا ہو چنانچہ اگر وہ اس بیان کی تصدیق کرتا اور پھر یہی دعویٰ کرتا تو دیانت اسکی تصدیق کی جاتی خصوصاً اس صورت میں کہ "ما نحن فیہ" میں اس کا قرینہ موجود ہے جس کا اعتبار کرنا شرعاً ضروری ہے کیونکہ اگر ہم فرض کر لیں کہ پہلی مرتبہ کہنے سے محمد یوسف نے ایقاع طلاق مراد لی ہوگی اور باقی مراتب سے افہام تو اس صورت میں جو جماع بعد میں واقع ہوا وہ حلال ہوگا اور مانا جائیگا کہ اس نے جماع کے ساتھ رجعت بالفعل کر لی۔ اور اگر ایسا نہ ہوا ہو تو صغریٰ کے بیان کے مطابق جماع مذکور اس صورت میں حرام واقع ہوا ہوگا کہ الفاظ مذکورہ سے تین طلاق واقع ہو چکی ہوں۔ قاضی خان میں ہے:

وجل قال لامرأته انت طالق انت طالق انت طالق وقال عنیت بالاولی الطلاق وبالثانیۃ والثالثۃ افہاماً صدق دیانتہ (ص ۲۴ ج ۲ - برہامش عالمگیری) راقم الحروف کہتا ہے کہ دسوں مرتبہ کہنا افہام کا قرینہ ہے کیونکہ سہ طلاق واقع کرنے کیلئے تین مرتبہ کہنا یا ایک ہی مرتبہ سہ طلاق واقع کرنا کافی ہو سکتا ہے لہذا الاحوالہ تین سے زائد مراتب کو افہام و تاکید پر حمل کرنا ضروری ہے اسلئے اس جماع کو جو مسماۃ صغریٰ کے بیان کے مطابق بعد میں واقع ہوا فعل حلال پر محمول کر نیکی غرض سے پہلی مرتبہ کے علاوہ تمام مراتب کو افہام پر حمل کرنا قواعد شرعیہ کے ساتھ اوفق ہے کیونکہ مسلمانوں کے افعال کو جہان شک ممکن ہو فعل مشروع پر محمول کرنا شرعاً معمول بہ ہے ان احتمالات کے ہوتے ہوئے مسماۃ صغریٰ کو جرمت مغلفہ کا یقین کرنا یا اسکو ایسا یقین رکھنے پر کسی کی تصویب کرنا بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ تکرار طلاق سے عورت کو تکرار ہی سمجھنا لازم ہے الموعۃ کالقاضی لا تقبل الا الظاہ۔ ۲۔ جماع کا ذکر قضاء قبول نہیں کیونکہ بعد میں اضافہ کیا گیا ہے اور عورت منکر ہے۔ ۳۔ سبحان اللہ کی سادہ قرینہ ہے کیا یہ نہیں کہہ سکتے کہ غصہ میں حد سے تجاوز کر گیا۔ ۴۔ قاضی کو اور عورت کو ایسا کرنا جائز نہیں اور فتویٰ عدت کو دیا جا رہا ہے۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم۔۔۔۔۔ بلکہ اگر صغریٰ اپنے بیان میں صادقہ ہو تو اسکو صرف یہ یقین رکھنا جائز ہے کہ الفاظ مذکورہ میں نے اپنے کان سے سن لئے ہیں نہ یہ کہ ان الفاظ سے دیانت کی تاثیر حرمیت مغلطہ پر بھی یقین کر لے کیونکہ الصریح یلحق الصریح قضاء کا حکم ہے لہذا اگر وہ قضاء کی تابع رہنا چاہتی ہے تو اس کا دعویٰ بسبب عدم بیتہ کے ساقط الاعتبار ہو چکا ہے اور اگر وہ دیانت پر عمل کرنا چاہتی ہے تو ظنوا بالموثنین خیرا کے مطابق اسکو اپنے شوہر کے اقوال و افعال کو سب سے پہلے اُن محامل پر محمول کرنا چاہئے جو شریعت کے مطابق ہوں و نیز جب احتمالات مذکورہ کی بناء پر وقوع طلاق مشکوک ہو تو اسکو زوال نکاح کا یقین کرنا شرعاً ممکن نہیں کیونکہ شک سے یقین زائل نہیں ہوتا ہے۔ قال فی الاشباہ: "البیقین لا یزول بالشک" اسلئے اصول شرعیہ کے خلاف زوال نکاح کا ظن رکھنا اس کو جائز نہیں، قال تعالیٰ: ان بعض الظن اثم۔

یہاں تک فتویٰ مذکورہ کے حصہ اول پر بحث کی گئی۔ اب رہا اس کا حصہ دوم جس میں صاحب فتویٰ نے مسماۃ صغریٰ کو عدت گزار کر دوسرے نکاح کا حکم دیدیا ہے سوا اسکے متعلق اوپر تفصیل بحث ہو چکی ہے اسلئے اعادہ کی ضرورت نہیں بلکہ صرف اسقدر کہنا کافی ہے کہ یہ قول صاحب درمختار کے نزدیک غیر صحیح اور علاوہ تہجانی کے نزدیک مذہب صحیح کا خلاف ہے اور اس کا مذہب صحیح کا خلاف ہونا قنیہ اور شرح وہبانیہ اور درمختار و نیز شامی میں مذکور و منقول ہے اور صاحب درمختار نے اسکے غیر صحیح ہونے پر جزم کیا اور صاحب شامی کے نزدیک غیر ہونیکو قضاء کے ساتھ مخصوص کرنا درمختار کی صریح و صاف عبارات کو ملحوظ رکھ کر خلاف ظاہر کا ارتکاب ہے (ص ۴۹ ج ۲) علاوہ برآں اس سے مفاسد عدیدہ پیدا ہو سکتے ہیں، چنانچہ جس مقام میں زیر بحث حادثہ پیش آیا ہے وہاں کے متعلق سنا گیا ہے کہ اس مسئلہ پر کسی مولوی صاحب نے پیشتر ایک عورت کو جس کے پاس دعویٰ طلاق پر شہادت نہ تھی محض اس بناء پر شوہر مدعی علیہ سے جدا ہونیکا حکم دیدیا کہ وہ کہتی ہے کہ مجھے طلاق کا یقین ہے چنانچہ عورت مذکورہ نے دوسری جگہ شادی بھی کی ہے اور اب تک وہ اس دوسرے شوہر کے ساتھ بود و باش کرتی ہے پھر کچھ عرصہ بعد دوسری عورت نے بھی یہی فتویٰ حاصل کیا مگر وہ مرگئی ورنہ وہ بھی اس وقت دوسرے مرد کے پاس ہوتی اور زیر بحث حادثہ تیسرا واقعہ ہے جس میں عورت دوسرے نکاح کی تیاری کرنے لگی تھی مگر راقم کے خلاف کر نیکی وجہ سے

اُسے قدرے جھجک پیدا ہو گئی ہے اور اسکے مال کا کوئی فیصلہ ابھی کرنا ممکن نہیں۔ پس مفاسد عدیدہ کا وقوع بھی ہو چکا ہے تو میرے نزدیک اس جیسے حوادث میں اقوال و مسائل مذکورہ میں سے کسی ایسے قول کے ساتھ فتویٰ دینا چاہئے جو مفاسد سے خالی ہو۔ مثلاً زیر بحث مسئلہ میں صغریٰ کو اولاً یہ فتویٰ دینا چاہئے کہ وہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائے اور نشوز کا ارتکاب چھوڑ دے کیونکہ اسکے وقوع طلاق پر کوئی دلیل معتبر شرعی موجود نہیں، اور اگر بالفرض وہ اس سے جدا ہونے پر ہی تل گئی ہے تو قول چہارم کے مطابق وہ صرف مال ادا کر کے اپنے آپ کو جدا کر نیکی کو شش کرے خصوصاً جبکہ زیر بحث حادثہ میں بتایا بھی جاتا ہے کہ مسماۃ صغریٰ کل کے کل زیورات بیکر شوہر سے بھاگ گئی ہے ہر کیف اسکو بحالت موجودہ کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کر نیکی اجازت دینا شرعاً کسی طرح بھی صحیح نہیں اور اسے قضاء یا دیانۃً یہ جائز نہیں کہ محمد یوسف سے طلاق حاصل کئے بدون کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرے اور اگر ایسا کرے گی تو وہ نکاح قواعد شرعیہ کے مطابق باطل ہوگا کیونکہ محمد یوسف کے ساتھ اس کا نکاح متحقق ہونا ایک امر متیقن ہے جسکے زوال پر مسائل دیانت اور قواعد قضاء دونوں کے لحاظ سے بجز شکوک و اوہام کے اور کوئی دلیل شرعی قائم نہیں لہذا دوسرے نکاح نکاح علی النکاح صادق آئیگا۔

ایضاً ایک اور وجہ بھی مسماۃ صغریٰ کو سہ طلاق کے وقوع کے دعویٰ میں کاذب ہرانی ہے کیونکہ اگر صغریٰ کو تین طلاق کے وقوع کا جزم و یقین ہوتا تو وہ شوہر کو وطی کرنے نہیں دیتی پس اس کا یہ اقدام (علی التمکین) اسکی تکذیب کرتا ہے، بدائع میں ایک اور مسئلہ کے ضمن میں مذکور ہے "انما يجعل القول قولها اذا لم يسبق منها ما يكذبها وقد سبق منها ما يكذبها قولها وهو اقدمها على النكاح من الزوج لان شيئاً من ذلك لا يجوز الا بعد التزوج بنوع آخر والدخول بها فكان علمها مناقضاً لقولها فلا يقبل (بدائع ص ۱۹۹ ج ۲)

راقم الحروف کہتا ہے کہ صغریٰ کا دسوں مرتبہ یہ لفظ سننا کہ "میں نے تجھکو طلاق دیدی الخ" پھر اسکے بعد محمد یوسف کو وطی کرنے دینا اس امر کیلئے کافی ہے کہ صغریٰ کو سہ طلاق

علم یہ فتویٰ بالکل غلط ہوگا جبکہ عورت کو طلاق ثلاثہ کا یقین ہے اس پر کبھی بھی فتویٰ نہیں دیا۔ ظفر علیہ جب عورت خود ثلاث سن چکی ہے تو یقین زائل بہ یقین ہو گیا ہے یقین لا یزول بالشك کا یہاں موقع نہیں ہے۔ ظفر۔

کے وقوع کا علم یقین نہیں تھا اور اگر وہ اس یقین و علم کا دعویٰ کرتی ہے تو تمکین و طہی
اسکی تکذیب کرتی ہے کیونکہ وقوع ثلاث کے بعد حلالہ کے بدولن یہ فعل جائز نہیں ہو سکتا ہے
ایضاً زبان دان اور متدین علماء کے کہنے کے مطابق مسماۃ صغریٰ کا بیان کردہ لفظ
(میں تو کے طلاق دیہیوں الخ) میں دیہیوں ایک ایسا لفظ ہے جو لب و لہجہ کے ادنیٰ تغیر
سے کبھی ماضی اور کبھی مستقبل کا صیغہ بن سکتا ہے لہذا محمد یوسف کا بیان کہ ”میں نے وعدہ
طلاق کیا“ نظر انداز نہ نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ اس احتمال کو ناشی عن الدلیل ماننا بھی صحیح
ہے کہ مسماۃ صغریٰ نے صیغہ (لب و لہجہ کی تفاوت کی وجہ سے) صیغہ ماضی سمجھ لیا ہو۔ اور
اسمیں محمد یوسف کی تصدیق کرنا شرعاً و دیناً نہ بھی صحیح ہے۔ قال النبی صلی اللہ
علیہ وسلم: من ناقصات العقل والدين. واللہ اعلم و علمہ اتم اجاب
بہ الملتجی الی اللہ مختار اللہ. (المدعو)

میرک شاہ عفا اللہ عنہ و عافاہ

خادم الطلبة بدارالعلوم ممبئی

ضلع اعظم گڑھ - ۵-۶-۵۸ھ - یوم الاحد

(نوٹ) اس کلام پر یہاں سے یہ جواب لکھا گیا۔ ظفر

الجواب

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے جو فتویٰ دیا گیا ہے اس کا اولاً وہ تحریر ہے
جو علماء ثلاثہ کے دستخط سے مزین ہے (جن میں سے ایک صاحب کے یعنی آپ کے
دستخط کو ہم بخوبی پہچانتے ہیں) جو انہوں نے واقعہ مذکورہ میں بطور فیصلہ کے لکھا ہے
اس تحریر میں ہم دسوں مرتبہ یہ لفظ کہا کہ ”میں تو کے طلاق دیہیوں“ کی تشریح یوں کی گئی
ہے کہ ”میں نے تجھ کو طلاق دی“ اس کے بعد تین قبول کرے تھی کا اضافہ نہیں ہے جو طویل

علم حفظت شیئا و غابت اشیاء قال فی العالمگیریۃ عن النہایہ و لو قالت للاول
حلت فتنزوحها ثم قالت انانی لم یکن دخل بی فان کانت عالمة بشرائط الحل
للأول لم تصدق والا فتصدق ص ۱۲۹ ج ۲ - بدائع کی عبارت میں یہ قید رکھی ہے جس پر نہایت
نے تنبیہ کی ہے پس یہاں بھی عورت کو بوجہ جمل کے صادق کہا جائے گی۔ ظفر

تحریر میں بڑھایا گیا ہے اور اس سے تفویض کا احتمال پیدا کیا گیا ہے اگر یہ احتمال تھا تو فیصلہ کی تحریر میں اس کا لحاظ واجب تھا اور یہ زیادت حذف کرنا جائز نہ تھی فیصلہ کی تحریر میں علماء ثلاثہ نے اس لفظ کے تکرار کو موجب طلاق مغلظ تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا ہو تو اسکی عورت مطلقہ مغلظ ہو گئی اسکو چاہئے کہ اپنی بیوی مذکورہ سے دیانہ علیحدہ رہے یہ بھی اسکی دلیل ہے کہ میں تو کے طلاق دیہیوں کے بعد اصل بیان میں ”تین قبول کرے تھی“ نہیں ہے ورنہ دیانہ بھی وقوع طلاق ثلاث کا جزم نہیں ہو سکتا کیونکہ اس زیادت سے کلام محتمل تفویض ہو جاتا ہے حالانکہ علماء ثلاثہ بر تقدیر صحت قول وقوع طلاق مغلظ کا دیانہ جزم کر رہے ہیں۔ پھر یہ امر موجب حیرت ہے کہ شوہر کے واقعی ایسا کہنے کی صورت میں بھی اسکو محض دیانہ علیحدگی کا مشورہ دینے اور قضاء اس پر علیحدگی واجب نہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ مطلب ہے کہ عورت کو باوجود طلاق مغلظ دینے کے اپنے سے جدا کرنا مرد کے ذمہ اس وقت تک واجب نہیں جب تک قاضی تفریق نہ کرے اور اسکو یہ جائز ہے کہ دیانہ اس سے علیحدہ رہے اور صورت اپنے نکاح میں باقی رکھے اگر یہ مطلب ہے تو بدھتہ باطل ہے اور اگر یہ مراد نہیں تو دیانہ علیحدہ رہنے کا اس صورت میں کیا مطلب ہے جبکہ شوہر واقعی اسکو طلاق مغلظ دے چکا ہے۔

اسکے بعد علماء ثلاثہ نے حکم قضا بیان کیا ہے چونکہ شوہر اس لفظ کے کہنے سے انکار کرتا ہے اور عورت بینہ قائم نہیں کر سکی اسلئے طلاق ثابت نہیں ہوئی قضاء ان کا یہ حکم صحیح ہے اس سے کسی کو انکار نہیں اسکے بعد عورت نے اپنے متعلق استفتاء کیا ہے کہ بیان مذکورہ بالا سے طلاق ثابت نہیں ہوئی۔ لیکن مجھے یقین کلیہ ہے کہ محمد یوسف نے مجھے دسوں مرتبہ طلاق دی اور میں پھر حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں کہ محمد یوسف نے مجھے طلاق نہ دی ہو، چونکہ علماء ثلاثہ کی فیصلہ کن تحریر میں مسامحہ کے الفاظ مذکورہ تھے اسکی تشریح بھی علماء ثلاثہ نے کر دی تھی اب مستفتیہ سے الفاظ طلاق دریافت کر نیکی ضرورت باقی نہ تھی کہ اس کا سوال اس بیان پر مبنی تھا اور وہ صاف کہتی

علم یہاں یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ ہمارے محاورہ میں ”میں تمکو طلاق دی“ طلقنتک کا ترجمہ جس میں تفویض کا احتمال اصلاً نہیں۔ فارسی میں ”ترا طلاق دادم“ اگر محتمل تفویض ہو تو اس سے اردو میں یہ احتمال نہیں چل سکتا۔ ظفر۔ علم یقین کلی مراد ہے۔

ہے کہ مجھے یقین کلی ہے کہ محمد یوسف نے مجھے دسوں مرتبہ طلاق دی۔ اس پر عجیب کا یہ قول مبنی ہے کہ صورت مسئلہ میں جب عورت کو یقین ہے کہ اسکے شوہر نے اسکو طلاق مغلظ دیدی ہے الخ یہاں ”جب“ کے معنی ”جس حالت میں“ کے ہیں اسکو ”اذا“ کا ترجمہ قرار دیکر جزم پر محمول کرنا طرز افتاء سے نکل جانا ہے دوسرے ”ان و اذا“ کا جو فرق لغت عربیہ میں ہے وہ اردو میں جاری نہیں یہاں بکثرت اکثر کی جگہ جب اور جب کی جگہ اگر مستعمل ہوتا ہے ہر حال مستفتیہ کو خود اسکی ذات کیلئے فتویٰ دیانت کا یہاں سے یہ دیا گیا (اگرچہ وہ اپنے دعویٰ کو بینہ سے ثابت نہ کر سکی مگر) جب اسکو یقین ہے کہ شوہر نے طلاق مغلظ اسکو دیدی ہے تو اسکو جائز نہیں کہ اس شوہر کو اپنے اوپر قابو دے (یہ حکم ان تمام روایات میں جو جناب نے نقل کی ہیں متفق علیہ ہیں) بلکہ اس سے علیحدہ ہو جائے (یہ بھی تمام روایات میں متفق علیہ ہے) اور عدت کے بعد کسی اور سے نکاح کرے (اس میں آپ نے مختلف روایات نقل کی ہیں مگر ہمارے نزدیک محض اختلاف روایات نقل کرنا کافی نہیں درایت سے ان میں تامل لازم ہے ہم اس اختلاف کو قضاء و دیانت کا اختلاف سمجھتے ہیں یعنی قضاء اسکو نکاح جائز نہیں کیونکہ ثبوت طلاق نہیں ہوا اور دیانۃً جائز ہے کیونکہ دیانۃً عورت کے نزدیک فیما بینہا و بین اللہ طلاق مغلظ ثابت ہے۔ والشیء اذا ثبت ثبت بلوازمہ ومن لازم ما لطلاق المغلظ ارتفاع النکاح وحل المتزوج بزواج آخر۔ اس کے کچھ معنی نہیں کہ اس صورت میں عورت کو تمکین زوج سے منع کیا جائے اور اس سے علیحدگی واجب کی جائے اور نکاح کی اجازت نہ دی جائے پس یقیناً جن لوگوں نے اسکو نکاح بزواج آخر سے منع کیا ہے ان کا قول قضاء پر مبنی ہے اور اگر کسی نے دیانۃً بھی اسکو تزوج بزواج آخر سے اس صورت میں منع کیا ہے تو اس کا قول نص کے خلاف ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ، نص میں طلاق مغلظ کے بعد عورت کو زوج اول پر حرام کر کے اسکو زوج آخر سے نکاح کا حق دیا گیا ہے جس میں تنکح کی اضافت عورت ہی کی طرف کی گئی ہے۔

اب رہی وہ مصالح و مضار جن پر اخیر میں روشنی ڈالی گئی ہے تو ان کے متعلق عرض ہے کہ جس طرح اس صورت میں عورتوں کو دیانۃً اجازت نکاح دینے میں ایک مفسدہ نظر آتا ہے اسی طرح دیانۃً اجازت نکاح نہ دینے میں دوسرا مفسدہ ہے کہ

جب شوہروں کو یہ معلوم ہوگا کہ جب تک شوہر طلاق کا اقرار نہ کرے اس وقت تک عورت اس سے علیحدہ نہ ہو سکے گی وہ طلاق کو کھیل بنالیں گے اور طلاق مغلفہ کے بعد زنا کاری میں مبتلا رہیں گے اور عورتیں ان کے ظلم سے عاجز ہو کر ارتداد پر مجبور ہونگی جسکی نظائر بکثرت موجود ہیں۔ یہاں یہ کہ بعض علماء نے دیانت کے اس فتویٰ کو عورت موثوق بھا کے ساتھ مخصوص کیا ہے تو یہ رائے قابل تسلیم ہے مگر موثوق بھا کا معیار کیا ہوگا؟ کیا مفتی اسکی تحقیق کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دشوار ہے اسلئے ہمارے نزدیک آجکل معیار یہی ہے کہ جو عورتیں ان معاملات میں علماء سے رجوع کرتی ہیں وہ موثوق بھا ہیں فاسق عورتوں کو نہ طلاق مغلفہ کی پروا ہے نہ بدون طلاق حاصل کئے کسی سے تعلق پیدا کر لینے میں حجاب نہ فتویٰ شرعی پر عمل کرنے کی ضرورت پھر جب فتویٰ کو عورت کے یقین کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے کہ جبکہ اسکو طلاق مغلفہ کا یقین ہے تو حکم یہ ہے اگر وہ اس میں غلط بیانی کرے گی عند اللہ خود ذمہ دار ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون

۱۲ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ

(نوٹ) اسکے بعد جواب الجواب مولوی میرک شاہ صاحب کے پاس سے موصول ہوا جو درج ذیل ہے۔

جواب الجواب مع الجواب المجمع

باسمہ تعالیٰ

قسط دوم

(تمہید) ایک عورت مسماة صفریٰ اور اسکے زوج نے دعویٰ طلاق میں مجھے حکم بنایا مگر زبان نہ جاننے کی وجہ سے میں نے مولانا محمد صابر صاحب اور مولانا اسلام الحق صاحب کو اثناء تحقیقات میں شامل کیا مدعیہ نے طلاق کا دعویٰ کیا مگر شہادت پیش نہ کر سکی مدعی علیہ کو منکر ہونے کی وجہ سے حلف دیکر میں نے زبانی فیصلہ عدم ثبوت طلاق کا دیدیا۔

(ب) ہر فریق نے تحریر مانگی تو میں نے مولانا اسلام الحق صاحب

سے کہدیا کہ آپ حکم شرعی سے انکو مطلع کریں اس پر موصوف نے وہ دستخط تمام تحریر سے متعلق

تحریر لکھدی جسے علماء ثلاثہ کی تحریر سے تعبیر کیا جا رہا ہے لکھنے کے بعد فریقین کے اطمینان کیلئے میرے دستخط بھی اس پر کرائے لیکن میرے دستخط کا تعلق درحقیقت صرف عدم ثبوت طلاق کے حکم کے ساتھ تھا۔ جو میں نے بہ حیثیت حکم کے دیا تھا مگر مخالف کو حق پہنچتا ہے کہ وہ میرا حکم نامہ اس کو قرار دیکر مجھ پر اعتراض کرے لیکن اسکے باوجود میں نے اصلی واقعہ کو اظہار کیا تاکہ جس کو میری دیانت پر اعتبار ہو وہ اعتبار کرے اور جو اسکی پوری ذمہ داری میرے اوپر ڈالنا چاہے اسکو بھی میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ البتہ اظہار واقعہ کرنا میرے نزدیک ضروری تھا جو کیا۔

(ج) اصلی واقعہ یہ ہے کہ فریقین نے ملافہ اس طرح کیا تھا کہ گویا ہم پر دونوں کو اعتماد ہے اسلئے تحریر مذکور کے متعلق میں نے یہ خیال نہ کیا کہ یہی تحریر محل مناظرہ ہوگی اسلئے اگر اس میں کوئی کوتاہی تھی تو اس کا خیال میں نے نہیں کیا (مثلاً اسکے کہ "کیا تو قبول کرتے ہو" کہ یہ عورت کے بیان میں موجود تھا مگر مولانا اسلام الحق صاحب نے اسکو حذف کیا اور میں نے اس کا کوئی خیال نہ کیا کیونکہ خیال تھا کہ فریقین کو ہماری دیانت اور تحقیق پر اعتماد ہے اسلئے وہ تحریر انکے عمل کیلئے دیدی گئی تھی۔ مگر ان میں سے جس فریق نے اسکو اپنے جذبات کا خلاف سمجھا اس نے اسکو موضوع مناظرہ بنایا۔

(ح) چونکہ اس میں گفتگو کی طوالت کا احتمال ہے اسلئے حصہ گذشتہ کو قسط اول اور اس حصہ کو قسط دوم سے موسوم کرتا ہوں۔ (۵) مدعیہ کا بیان قلم بند کرا کے اس پر انگوٹھا اس کا ثبت ہے اس طرح مدعی علیہ اور محمد ادریس کا بیان بھی انکے دستخطوں کے ساتھ موجود ہے صرف حکم شرعی کا اصدار میں نے اتنا ہی کیا تھا۔ اسلئے میری گزارش ہے کہ بہ حیثیت تحکیم میرا حکم صرف عدم

مگر ہر حال میں تحریر ناقص نہ ہونا چاہئے، صاحب اعتماد کو بھی ناقص تحریر دینے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ دوسروں کو اسے شک میں ڈالنے کا موقع ملتا ہے۔

ثبوت طلاق کو مان لیا جائے (مگر اسکی پابندی صرف ان پر واجب ہے جو میرے اظہار کو صادق و صحیح تسلیم کرنے پر آمادہ ہوں۔ انتہی التہید۔

جواب الاجوبۃ

وہ بھی حکماً آپ ہی کی تحریر ہے کما مر۔

مگر وہ جاہل ہے اسکو آپ کے حذف سے یہ گمان ہو سکتا ہے کہ حصہ محذوف کو حکم میں دخل نہیں ہے۔

میری طویل تحریر کے جواب میں یہ فرمانا کہ »کیا تو قبول کرتی ہے؟« اضافہ ہے اسلئے میرے اوپر موجب اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ میرے قلم سے طویل تحریر سے پہلے کوئی تحریر نہیں نکلی ہاں مولانا اسلام الحق صاحب کی تحریر پر میرے دستخط ضرور ہوتے جسکی کیفیت تمہید میں لکھ دی گئی۔ اسلئے آپ (یعنی مولانا ظفر صاحب) کے پہلے فتویٰ میں اگر اس فقرہ کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے تو اسپر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا بلکہ اسپر جس نے سوال کیا اس کو چاہئے تھا کہ عورت کا وہ بیان جو اس کے نشان انگوٹھا کے ساتھ ہمارے پاس موجود ہے وہ سارا انکی خدمت میں بھیج دیتا۔

مگر جس پر دستخط کئے اس میں نہ دکھلایا حالانکہ وہ فیصلہ کن تحریر تھی اسلئے آئندہ ایسی ناقص تحریر پر ص ص

اسی طرح الصافاً میرے اوپر بھی اعتراض نہ ہونا چاہئے کیونکہ میں نے جو تحریر اپنے قلم سے لکھی اس میں میں نے فقرہ کو دکھایا۔

ص ص دستخط کرنے سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہئے واقعہ یہ ہے کہ میں نے آپ کے دستخط دیکھ کر ہی محمد یوسف کے الفاظ پر تنقیح کی ضرورت نہ سمجھی کیونکہ میں آپ سے واقف ہوں کہ ماہر الشرفہیم و سلیم ہیں بدون کافی تحقیق کے کسی تحریر پر دستخط نہ کریں گے جب آپ کی دستخطی تحریر میں الفاظ زوج کی تشریح اور اس کا بوجہ نکرار موجب طلاق مغلط ہونا دیکھ لیا اس وقت دیانت کا فتویٰ دیا اور اسکو آپ کے فتویٰ کا معارض نہ سمجھا کیونکہ آپ بطور حکم کے عدم وقوع طلاق کے فیصلہ پر مجبور تھے کیونکہ جب مسماۃ صغریٰ کے بیان پر فتویٰ دینا ہے تو یہ فقرہ نہایت اہم ہے ہر حال جس تحریر کو علماء ثلاثہ کی تحریر فرمایا گیا ہے اصل

واقعہ پر مطلع ہونے کے بعد اسکی حیثیت محسوس کر کے مسماۃ صفری کے بیان پر متوجہ ہونے کی ضرورت ہے لہذا موضوع بحث میری طویل تحریر کو بنائیکی درخواست کرتا ہوں۔ کیونکہ میرا مقصود مناظرہ نہیں بلکہ مسئلہ کی اصلیت واقعہ میں حکم صواب کا معلوم کرنا اور اسکو مسلمانوں تک پہنچانا ہے۔ فاقول وباللہ التوفیق۔

مسماۃ صفری کا یہ بیان ہے کہ میں نے اپنے شوہر سے دسوں دفعہ سنا کہ ”میں نے تو کے طلاق دیہیوں کیا تو قبول کرے تھی“؟ پھر اس نے جماع کیا اور کہا کہ یہ آخری ہے الخ اور شوہر کا بیان یہ ہے کہ میں نے جماع سے پہلے طلاق کا کوئی لفظ نہیں کہا بلکہ جماع کے بعد عورت سے وعدہ کیا کہ طلاق دوں گا الخ۔ عورت کے پاس شہادت نہیں شوہر نے ایقاع طلاق کا انکار کر کے حلف اٹھائی۔ حکم کو بحیثیت حکم بجز اسکے کہ وہ عدم ثبوت طلاق کا فیصلہ دیدے اور کوئی حکم صادر کرنا واجب نہیں تھا اور نہیں اس وجوب کو مولانا (ظفر صاحب) نے ظاہر کیا ہے کیونکہ حکم بمنزلہ قاضی ہوتا ہے (تفسیرہ (ای التحکیم) تصبیح غیر محاکمات فیکون فیما بین الخصمین کالقاضی فی حق کافۃ الناس۔ عالمگیری ج ۳ ص ۳۶۸)۔ مگر اس وجوب کو ہمارے حاسدوں نے مولانا ظفر احمد صاحب کے فتویٰ کی تصدیق کے سلسلہ میں اسلئے لکھ دیا کہ ہم پر اعتراض کریں اور جن عوام پر اس قسم کی حرکات سے انہوں نے تسلط پایا ہے انکے سامنے ہمارے فیصلہ شرعی کو غلط ثابت کریں چنانچہ انکی تصدیق کی عبارت کا ابتدائی حصہ یہ ہے ”جوابات مولانا ظفر احمد صاحب نے لکھی ہیں صحیح ہے اور پہلے مفتیوں پر بھی اس کا اظہار واجب تھا الخ“

چونکہ فقرہ تعریضاً لکھا گیا اور اسکے بعد عوام کو سمجھا یا گیا جس سے علماء ثلاثہ کو عوام نے و نیز مسماۃ صفری کے حمایتیوں نے مورد سب و شتم بنایا۔

انہوں نے مفتیوں پر وجوب کو ظاہر کیا ہے و لا نزاع فیہ حکم پر واجب نہیں کہا پس ممکن ہے کہ انہوں نے علماء ثلاثہ کو مفتی سمجھا ہو قاضی نہ سمجھا ہو۔

عوام کا یہ فعل معصیت ہے۔

بلکہ ان میں سے بعض پر حملے کی سازشیں ہو رہی ہیں اسلئے یہ لہر بالصراحت محتاج بیان ہے کہ کیا حکم پر اس کا اظہار بھی واجب تھا یا یہ کہ حساد کا ایسا لکھنا صحیح نہیں ہے درآن حالیکہ قاضی شریح کا یہ مقولہ بھی السنۃ علماء پر دائر و سائر ہے کہ مسند قضاء پر متمکن ہونیکی حالت میں جب کسی نے ان سے فتویٰ دریافت کیا تو یہ جواب دیا »انی اقضی و لست افقی« اس بارے میں اپنی صریح رائے تحریر فرما کر ایک نزاع بے معنی کو ختم کرادیجئے۔ کیونکہ اس پیوند کو اب آپ کے فتویٰ کو جزو بنا کر کام میں لایا جاتا ہے۔

حکم پر قضاء کا اظہار واجب ہے فتویٰ دیانت بوقت قضا ظاہر کرنا واجب نہیں۔ بلکہ خلاف حکم قضاء ہے۔

دیانت و قضا کا تراجم

مسائل دیانت فقہ کی اصطلاح میں ان مسائل کو کہتے ہیں جن میں انفرادی حکم بتایا جائے اور قضاء میں سخن حکم بالظاہر کے قاعدہ کے مطابق فریقین کو اجتماعی حیثیت سے حکم شرعی کا پابند کیا جاتا ہے ان دونوں حکموں میں کبھی نزاع نہیں ہوتا ہے اور کبھی ہوتا ہے مثلاً کسی نے رویت ہلال کر لی اور قاضی نے اسکی شہادت رد کر دی تو اسکو دیانتاً روزے رکھنے ہونگے اگرچہ تمام لوگ مفطر ہی رہیں اس میں کوئی نزاع نہیں اور تراجم کی صورتوں میں سے زیر بحث حادثہ بھی ہے جس میں شوہر حلفاً ایقاع طلاق کا انکار کرتا ہے اور زوجہ حلفاً بیان کرتی ہے کہ میں نے الفاظ طلاق اس سے سن لئے اس لئے قاضی اور حکم کا حکم یہ ہوگا کہ طلاق ثابت نہ ہوئی اور عورت کو شوہر کے پاس جانے کا حکم قاضی کو قضاء کے سلسلہ میں دینا پڑے گا۔ کیونکہ اس کے پاس دعویٰ ثابت نہ ہوا اور یہی منصب حکم کا بھی ہے۔ (قولہ عند قاض هل المحکم مثله؟۔ قلت: الظاهر نفعولانہما لهما فرق ابینہما فی انہ لا یحکم بقضا ص و حد و دية علی عاقلۃ الخ (شامی مشکج۔ ۲) لیکن اس علوۃ میں چار آدمی دیانت کے سلسلے میں استفتاء کر سکتے ہیں ایک وہ عورت جس نے الفاظ طلاق خود سن لئے کہ وہ اب کیا کرے جبکہ اس کا دعویٰ عدم شہادت کی وجہ سے ثابت نہ ہوا اور اگر اسکو وقوع طلاق کا فتویٰ دیا جائے تو دوسرے کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ دوئم اس کا شوہر جس نے طلاق کا ایقاع ہرگز نہیں کیا ہے کہ وہ اس عورت کو اپنے پاس

پکڑ لیگا اور جبراً اس کو اپنی زوجہ بنائے رکھیگا یا یہ کہ جو فتویٰ اسکی عورت کو دیا نہ دیا گیا ہے وہ اسپر بھی حاوی ہے۔ تیسرا وہ مرد جس کے ساتھ عورت مذکورہ دوسری شادی کرنا چاہیگی کہ کیا اسکو شرعاً جائز ہے کہ عورت مذکورہ کو مطلقہ سمجھے (بناءً علی اقرارھا) یا اس پر یہ واجب ہے کہ اس کو منکوحۃ الغیر جان لے (بناءً علی بیانہ وانکارہ مع الیمین) چوتھے وہ تمام لوگ جو مدعیہ اور مدعی علیہ کے علاوہ ہیں کہ آیا انکو وقوع طلاق کا عقیدہ رکھنا چاہئے یا عدم وقوع کا و نیز اگر عورت نے اس فتویٰ پر عمل کرنے کا ارادہ کیا جو اسکو دیا جائے (کہ وہ شوہر مذکور سے جدا ہے یا جدا ہی رہے اور نکاح دوم بھی کر سکتی ہے) تو کیا عورت مذکورہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کو یہ جائز ہے کہ عورت کی حمایت کریں اور شوہر سے جدا رہنے میں اسکی اعانت کریں درآں حالیکہ شوہر کو اس کے بیان کے مطابق دیانت کے سلسلہ میں یہ فتویٰ دیا گیا ہوگا کہ اسکی عورت ناشزہ ہے تو اعانت کرنے والے اگر عورت کے فتویٰ کے مطابق معین علی الطاعۃ ہیں تو مرد کو جو فتویٰ دیا گیا ہے اسکے مطابق معین علی المعصیت والنشوز ہونگے اسی طرح جس مفتی نے مرد کو اسکے بیان حلفی کی بناء پر یہ فتویٰ دیا ہو کہ عورت تمہاری منکوحہ ہے اور اسکی جدائی نشوز ہے تم اسکو جبراً اپنے پاس رکھ سکتے ہو یا جس حکم نے عدم ثبوت طلاق کا حکم دیا ہو تو کیا عورت کے علاوہ کسی مسلمان کو یہ جائز ہے کہ مفتی مذکور یا حکم مذکور کو گالیاں دلائے یہ عمل معصیت ہے یا دیدے اور انکے خلاف مظاہرے کرے اور انکو بدنام کر کے بازار میں انکو بدنام کر نیکلئے آڑے بنائے اور لٹھ بند غنڈوں کو اپنے حمایتیوں کی معیت میں مذکورہ بالا مفتی یا حکم کی آبروریزی کیلئے بالواسطہ یا بلاواسطہ کوشش کرے۔

اسی طرح اگر مرد نے عورت مذکورہ کو اپنی منکوحہ غیر مطلقہ سمجھ کر اسکو جبراً اپنے پاس رکھنے کا ارادہ کیا تو دوسرے لوگوں کو اسکی اعانت کرنی جائز ہے یا موجب معصیت ہے؟

میرے نزدیک واللہ اعلم بالصواب ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ علیک بخویصۃ نفسک کے مطابق مرد کو جائز ہے کہ عورت کو فیما بینہ و بین

اللہ اپنی منکوحہ غیر مطلقہ سمجھے اور بشرط اقتدار اسکے ساتھ منکوحہ غیر مطلقہ کے معاملات برت لے اور عورت کو ضروری ہے کہ وہ فیما بینھا و بین اللہ اپنے آپ کو مرد سے جدا سمجھے اور حتی المقدور جدا رکھے بشرطیکہ اسکو کسی نے ایسا فتویٰ دیدیا ہو اور ان دونوں کے علاوہ کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ واقعہ سے باخبر ہونیکی صورت میں عورت مذکورہ کے ساتھ نکاح کرے کیونکہ عورت مذکورہ کا بذریعہ نکاح کے مرد مذکور کی منکوحہ ہونا بالیقین معلوم ہے اور یہ معلوم ہونیکے بعد عورت کا حلفیہ بیان بلا شہادت کے زوال نکاح کیلئے دلیل یقینی نہیں لہذا تیسرے آدمی کو نکاح و زوال نکاح

مذکورین کے متعلق الیقین لایزول بالشک کی پابندی ضروری ہے اسلئے کسی مسلمان کو اسکے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں ہونا چاہئے چنانچہ تحقق و یقین زوجیت کے بعد بتصل زوال زوجیت کے عدم تحقق کی صورت میں بقاء زوجیت کا حکم شافی کی عبارت ذیل سے تقریباً بالتصریح معلوم ہوتا ہے جو ایک اور مسئلہ کے ذیل میں کتاب مذکور میں مذکور ہے۔ قلت: و اما الجواب بان وقوع الطلاق لا احتیاط فی الفروج فهو مشترك الا لزام علی انه لا احتیاط فی التفريق بعد تحقق الزوجية بمجرد التلفظ بلفظ مهمل او مصحف بل الاحتیاط بقاء الزوجية حتى يتحقق المزيل (شامی ص ۳۷ ج ۲)

حدیث کا تعلق دیانات سے نہیں بلکہ قضاء سے ہے لفظ لو يعطى الناس اس کا قرینہ ہے دیانۃ صاحب دعویٰ اگر حق پر ہے اسکو اپنا حق جس طرح ہوسکے وصول کرنا جائز ہے مسئلہ الظفر بجنس

یہی حکم مدعیہ اور مدعی علیہ کے علاوہ دیگر تمام مسلمانوں کا بھی ہونا چاہئے کہ وہ نکاح کو متحقق سمجھیں جسکی دلیل انکے لئے استصحاب حال اور الیقین لایزول بالشک و نیز الاحتیاط بقاء الزوجية حتى يتحقق المزيل وغیرہ ہے اور عورت کو وقوع طلاق کی مدعیہ سمجھ لیں لیکن اسکی کسی قسم کی حمایت کرنا خلاف شرع سمجھ لیں کیونکہ مدعی کو محض اسکے دعویٰ کی بنا پر کچھ دینا شرعاً جائز نہیں۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ بَعِثَ
النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَا دَعَى نَاسٌ دَعَاءَ
رِجَالٍ وَأَمْوَالَهُمْ وَلَكِنَّ الْيَمِينَ عَلَى
الْمَدْعَى عَلَيْهِ (مسلم)

اس حدیث سے ما نحن فیہ کے متعلق یہ
بھی معلوم ہوا کہ عورت کا قسم کھا کر بیان کرنا
بے اثر ہے کیونکہ اس پر حلف عائد نہیں ہوتا ہے
بلکہ اس کا قسم کھا کر بیان کرنا اسکے لئے مضر
ہو سکتا ہے۔ و یحلفون ولا یستحلفون
اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ محض دعویٰ کرنے سے
مدعی کو کچھ نہیں دیا جاسکتا ہے۔

اور یہ کچھ نہ دینا، جس طرح بالاتفاق قاضی
کیلئے تنفیذ کی حیثیت سے معمول یہ ہے اسی طرح غیوضی
یعنی عام مسلمین کیلئے اعتقاد و اعانت کی حیثیت سے
واجب العمل ہونا چاہئے کیونکہ الفاظ میں کوئی
خصوص موجود نہیں۔ اسی طرح دوسری احادیث
بھی ہیں جن میں بے سوچے سمجھے اصل واقعہ سے
بے خبر ہو کر کسی کی جانب داری کی مذمت
وارد ہوئی ہے۔

حقہ ملاحظہ ہو دیانہ جن لوگوں کے
نزدیک قاضی کا فیصلہ اور
شوہر کا بیان صحیح ہے وہ اس
پر اعتقاد و عمل کے مکلف ہیں
اور جن کے نزدیک عورت کا
بیان صحیح ہے لکونھا ثقہ عندهم
وہ اسکے بیان پر اعتقاد و عمل
کر سکتے ہیں مکاسیاتی اور دیانہ
میں خبر واحد پر عمل جائز ہے۔

یعنی قضاء

لیکن اگر کسی کو عورت کے بیان پر
بوجہ اسکے صدق کے وثوق ہو وہ
اسکے قول پر اپنے قلب کی شہادت
سے عمل کر سکتا ہے قال فی الدرر:
قالت امرأة طلقني زوجي وانقضت
عدي لا باس ان ينكحها اه قال الشافعي
عن الحانية: ان كانت ثقة اولم تكن
ودفع في قلبه صدقها فلا باس بان
يتزوجها اه

منكوتہ الغیر دعوی طلاق کرتی ہے اور اسکو قبول
کیا جاتا ہے حالانکہ ثبوت نکاح متبین ہے
اور طلاق کا دعویٰ صرف عورت کی طرف سے ہے
آپ کے قاعدہ پر یہ دعویٰ قابل قبول نہ ہونا چاہئے
تھا مگر شہادت قلب سے قبول جائز ہے پھر یہ

ما نحن فیہ میں مسماۃ صغریٰ
کو دیانہ کی فتویٰ دینا چاہئے یہ مخصوص
توجہ اور غور کا محتاج ہے کیونکہ اس کا
شوہر ایقاع کا منکر ہے اسلئے صرف ان
الفاظ پر فتویٰ کا ترتیب ضروری ہے جو اس

کہدئے ہیں۔ اور میرے نزدیک اسکو
بوجہ ذیل دیانہ بھی وقوع طلاق کا
فتویٰ نہیں دینا چاہئے، اول اسلئے
کہ اگر اسکے پیش کردہ الفاظ کے معنی یہ
لئے جائیں کہ میں نے تجھکو طلاق دی اور اس سے
طلاق کا مفہوم لیا جائے یا اعطاء و تفویض کا تو یہ
طلقتک کا مرادف ہے جو صریح طلاق کے الفاظ
میں سے ہے اور صریح کے ساتھ وقوع طلاق کا
حکم الصریح یلحق الصریح کے مطابق دینا
قضاء صحیح ہے دیانہ نیت تاکید اسمیں مسموع
و مقبول ہے کما فی الشافی وغیرہ۔

شوہر نیت تاکید کا مدعی نہیں ہے۔

گو شوہر مدعی تاکید نہ ہو

تاکید کا دعویٰ خود اختراع نہیں
ہو سکتا جب تک شوہر دعویٰ نہ
کرے اور جہاں تکرار کو تاکید پر
حمل کرنا دیانہ صحیح مانا گیا ہے
وہاں یہ بھی تصریح ہے کہ المرأة کا
القاضی عورت کو جائز نہیں ہے کہ
تکرار کو تاکید پر حمل کرے عورت جب
طلاق مکرر سے اسکو طلاق متعدد
پر حمل کرنا واجب ہے۔ (شامی ج ۲
باب الکنایات)۔

یہاں دسوں مرتبہ کہنا اور پھر بقول مدعیہ
کے و طی کرنا (جسکی تمکین مدعیہ نے بھی کر لی) شرعی
طور پر مجبور کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کو ایقاع پر
اور باقی مرات کو اخبار و تاکید پر (جیسا کہ
غصہ کی حالت میں ایسا ہوا ہی کرتا ہے) محمول
کرنا چاہئے جس سے ایک طلاق رجعی واقع
ہوگی پھر اس وقت جماع کرنا رجعت بالفعل
پر محمول کرنے سے دو مسلمانوں کو مرتکب فعل حرام
قرار دینے سے بھی بچنا ہے اور ایک فتنہ عظیمہ سے
بھی نجات حاصل ہو سکتی ہے

قال فی الہندیۃ: رجل قال لامرأۃ:
انت طالق انت طالق انت طالق
وقال عینت بالاولی الطلاق وبالثانیۃ
والثالثۃ افہامہا صدق دیانہ ص ۲۴ ج ۲

وفي البدائع: الامين انما يصدق فيما لا يخالف الظاهر فاما فيما يخالف الظاهر فلا يقبل ص ۹۹۔

بدائع کی عبارت میں ایک قید رہ گئی ہے جسکو عالمگیریہ میں نہایت سے نقل کیا ہے

قال: فان كانت عالمة بشرائط الحل الاول لم تصدق والا فتصدق اه ص ۱۲۹ ج ۲۔

پس یہاں عورت کو بوجہ جہل کے صادق مانا جائیگا۔ لا سیما فی دار الحرب۔

زیر بحث مسئلہ میں مدعیہ کا یہ دعویٰ نہیں کہ مجھے تین طلاق کے وقوع کا علم ہے بلکہ دسوں مرتبہ وہ الفاظ سننے کا دعویٰ کرتی ہے جن میں چند احتمالات ہیں منجملہ آں ایک احتمال کے مطابق وہ طلاق صریح کے الفاظ ہو سکتے ہیں پھر ان کا دسوں مرتبہ مکرر ہو جانا اور پھر فوراً ہی وطی کا متحقق ہو جانا اس امر کو ظاہر ٹھہراتا ہے کہ ایقاع بالواحدة کے بعد تکرار للافہام والتاکید ہوئی جس کے بعد رجعت کا تحقق ہوا۔

دوم، ”دیہیوں“ کا لفظ یہاں کے اہل زبان کے کہنے کے مطابق لب ولہجہ کے ادنیٰ تغیر کے ساتھ ماضی سے مضارع اور مضارع سے ماضی بن سکتا ہے اور مدعی علیہ کا یہ بیان کہ میں نے جماع کے بعد طلاق دینے کا وعدہ کیا ارادۃ مضارع کے احتمال کو تقویت دیتا ہے جس کے بعد صرف تقدم وتأخر جماع میں مدعیہ اور مدعی علیہ کے درمیان اختلاف باقی رہتا ہے اس لئے اس شخص کو جس سے عورت اس لفظ کی بنا پر حکم طلب کرتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتی ہے کہ میں نے اس کے بعد جماع بھی کیا یہ امر ضروری ہے کہ وہ ایسے لفظ کی بناء پر عورت کو وقوع طلاق کے تیقن کا فتویٰ نہ دے جس کا تیقن اس نے اہل زبان ہونے کے باوجود اس وقت خود بھی نہ کیا جیسا کہ تمکین وطی سے معلوم ہوتا ہے اور اس قدر متقارب بیان (مدعی اور مدعی

میرے سامنے جو تحریر علماء ثلاثہ کے دستخط سے آئی تھی اور اس میں نہ جماع کا ذکر تھا نہ اس احتمال استقبال کا بلکہ جزم کے ساتھ اسکی تشریح صیغہ

علیہ کا) سامنے آنیکے بعد اگر ثالث اس احتمال کو قوی قرار دیدے کہ ”دیہیوں“ کا تلفظ فی الواقع وہی رہا ہوگا جو مستقبل پر دلالت کرتا ہے اور جماع کے تقدم و تاخر میں اسی پر نسیان کا گمان غالب رکھنا شریعت کے مطابق سمجھے تو یہ بھی اصول شرعیہ سے مستبعد نہیں لہذا یقین کی گنجائش یہاں بھی نہیں اور ان تضل احدهما فتذكر احدهما الاخری و نیز هن ناقصات العقل الخ جیسے مویات سے اس احتمال کی تائید ہوتی ہے اور چونکہ وہ صرف ایک لفظ پیش کرتی ہے ماضی یا مضارع کا لفظ ہونیکا کوئی دعویٰ اس سے صادر نہیں ہوا پھر اس سے وطی کا اقرار بھی کر لیا اسلئے اس احتمال کو رد کرنیکی کوئی وجہ نہیں

اور اگر وہ صیغہ ماضی کا ہی (بالفرض) دعویٰ کرے گی (کیونکہ اب تک اس نے یہ دعویٰ نہیں کیا) تب ہی اسکی تمکین وطی اسکی تکذیب کیلئے کافی ہونی چاہئے جیسا کہ بدائع سے ابھی منقول ہوا، انما یصدق فیما لا ینخالغہ الظاہ الخ پھر مدعیہ ہی کا یہ لفظ کہ کیا تو قبول کرتی ہے؟ بتاتا ہے کہ اسکی رائے میں بھی زوج نے ایسا لفظ کہہ دیا ہے جس میں عورت کی رائے کو دخل ہو سکتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ایقاع طلاق میں مرد مستبد علی سبیل الانشاء مستقبل ہے اسلئے عورت کے الفاظ کے مطابق بھی ”دیہیوں“ کو ایقاع کے علاوہ کسی اور مفہوم پر محمول کرنا ضروری معلوم

تمکین وطی عدم علم بحکم التکرار پر بھی محمول ہو سکتا ہے عورت کو معلوم نہ تھا کہ اس لفظ کے تکرار سے طلاق مغلط ہو گئی یہ کیسے کہا جائے کہ وہ اسکو مضارع پر محمول کرتی تھی۔

ہوتا ہے۔

سوم۔ طلاق دیدی۔ یہ اردو کا ایک محاورہ ہے اور اردو فی الحقیقت کوئی مستقل زبان نہیں بلکہ ہندوستان کی قدیم زبان اور عربی و فارسی کے الفاظ سے ایک زبان بن گئی تھی جسے کہتے ہیں۔ اہل ذوق اور علماء ادب اسکی تائید کریں گے کہ طلاق دینا اردو میں طلاق داؤں سے آیا ہے جو فارسی کا محاورہ ہے اور طلاق دادن فارسی میں اس طرح ایقاع طلاق کیلئے مستعمل ہے جس طرح طلاق دینا اردو میں تطلیق کے معنی میں مستعمل ہے۔ صراح میں تطلیق کے معانی میں مذکور ہے طلاق دادن زن را۔ یعنی تطلیق کا ترجمہ یہ ہے کہ طلاق دادن زن را۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو طلاق دادن کے اصلی معنی تفویض طلاق کے ہی ہیں۔

یہ مسلم نہیں بلکہ اصلی معنی طلاق واقع کردن ہیں اس لفظ میں تفویض کے معنی اردو ولے جاتے بھی نہیں پھر وہ اصل معنی کیسے ہوئے۔

ہاں اس کا استعمال ایقاع طلاق میں کثیر و متعارف ہو گیا ہے یہاں تک کہ بلا قرینہ اس سے ایقاع ہی مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ معانی متعارف کا قاعدہ ہے لیکن چونکہ اس سے تفویض طلاق مراد لینا اصل لغت سے مستلزم خروج نہیں ہے اسلئے اگر کوئی شخص طلاق دادم کہہ کر یہ دعویٰ کرے کہ میری نیت تفویض طلاق کی تھی تو فقہاء کے تصریح کے مطابق اسکی تصدیق کی جاسکتی ہے۔
وان قال لها: «من طلاق ترا دادم» ان
نوی الا یقاع یقع و ان نوی التفویض
لا یقع و ان لم ینوی التفویض یمکن

بل هو خروج عن اللغة
کعامت

ایقاعاً الخ (قاضی خان برہامش عالمگیری

ص ۲۱۹ و ۲۲۰ ج ۲ - ۲)

اسی طرح طلاق دینے کی اصلی معنی تفویض کے ہونے چاہئے تھے جو متروک الاستعمال ہیں لیکن چونکہ اصل وضع کے لحاظ سے انکو مراد لے سکتے ہیں اسلئے اگر نیت تفویض کا دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ بھی مسموع ہونا چاہئے خصوصاً اس صورت میں کہ ”تجھے طلاق ہے“ کے مضمون کو ادا کرنے والے الفاظ میں بھی ابو حنیفہؒ کے نزدیک

نیت تفویض کا دعویٰ دیانۃً قابل تصدیق ہے جیسا کہ مسئلہ مندرجہ بالا کے ساتھ ہی قاضی خان میں مذکور ہے ولو قال لہا لک الطلاق قال ابو حنیفۃ ان عنی بلم التفویض یدین واذا قامت من مجلسہا بطل الخ صفحہ مذکورہ۔

بہر کیف قاضی خان کے مسئلہ مذکورہ بالا کو فارسی سے مخصوص کرنا اور اردو میں تفویض کی نیت سے بھی روک دینا اور وہ بھی دیانۃً اسلئے صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ کی اصل وضع اس سے اباد نہیں کرتی۔ صرف استعمال متعارف مانع ہے جس کا نتیجہ مسئلہ بالا میں پہلے ہی موجود ہے یعنی یہ کہ تصدیق کو دیانت کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے۔ بہر کیف میں نے تجھکو طلاق دیدی الفاظ کی اصل وضع کے لحاظ سے تفویض پر محمول ہو سکتا ہے۔

پھر ان الفاظ کے بعد حسب بیان مدعیہ زوج کا و طی کرنا اور خود مدعیہ کا تمکین کرنا ایک

یہ بھی فارسی میں ہو سکتا ہے اردو میں تجھے طلاق میں تفویض کی نیت مسموع نہ ہوگی کیونکہ یہاں یہ لفظ تفویض میں اصلاً مستعمل نہیں

بل ہو آپ عنہ لعدم معرفۃ اهل اللسان هذا المعنی بهذا اللفظ۔

اگر شوہر نے دعویٰ تفویض بھی نہ کیا ہو؟ انصاف کیا جائے جہاں دیانۃً نیت تفویض معتبر ہے وہاں یہ بھی تو شرط ہے کہ شوہر تفویض کا مدعی ہو۔

اگرچہ شوہر نے تفویض کا دعویٰ بھی نہ کیا ہو خواہ مخواہ اسکے سر

تفویض کو لگا دیا جائے۔

قوی قرینہ ہے کہ الفاظ مذکورہ کو اسلئے قاضی خان کے مسئلہ محمولہ بالا پر محمول کرنا چاہئے۔

تمکین کا اس نے اقرار نہیں کیا اور وطی کو عدم علم بالحکم پر حمل کرنا ظاہر ہے جہلاء ایسا ہی کرتے ہیں۔

کہ اس صورت میں زوجین مذکورین کا یہ فعل حلال ہو گا ورنہ انکے فعل کو فعل حرام پر محمول کرنا پڑے گا جسکی کوئی وجہ شرعی موجود نہیں۔ یہاں تک کہ خود زوجہ بھی اس کا دعویٰ نہیں کرتی ہے کہ زوج مذکور نے ایقاع طلاق کیا تھا بلکہ وہ اس کے الفاظ کو پیش کر کے ارباب فتویٰ سے حکم شرعی طلب کرتی ہے اور ساتھ ہی یہ اقرار کرتی ہے کہ ان الفاظ کے بعد شوہر نے وطی کر لی اور میں نے تمکین کی۔ اسکے

ہاں یہ قرینہ ہو سکتا ہے مگر افسوس کہ علماء ثلاثہ نے اپنی دستخطی تحریر میں اسکو حذف کر دیا جس کی وجہ سے مفتی کو اس احتمال سے تعارض کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

علاوہ مدعیہ کے بیان میں یہ بھی ہے کہ کیا تو قبول کرتی ہے؟ جو تفویض کا ایک اور قرینہ ہو سکتا ہے ۱۔ سلئے احتیاط اسی میں ہے کہ فقرہ

مذکورہ کو تفویض پر محمول کیا اور قاضی خان کا مسئلہ مذکورہ بالا جو عالمگیری وغیرہ میں بھی لیا گیا ہے محمول بھا بنایا جائے خصوصاً اس لحاظ سے کہ جن عبارات سے عورت کے جواز نکاح ثانی پر استدلال کیا جاتا ہے

جیسا کہ بعض مقامی لوگ کہتے ہیں وہ عموماً صورت زیر بحث سے متفاوت ہیں۔ مثلاً سمعت من زوجها انه طلقها ولا تقدر علی منعها من نفسها الا بقتله قتله الخ اس مسئلہ میں زوج کو عورت کے سامنے مقر بالطلاق قرار دیدیا گیا ہے

جس میں عورت پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ مرد کو اسکے اقرار کی بناء پر ایقاع طلاق کا فاعل جان لے کیونکہ اقرار الانسان حجة علیه ایک قاعدہ مسلمہ ہے مگر

تکریر الفاظ طلاق خود اقرار ایقاع طلاق ہے جیسا آگے آتا ہے۔

ما نحن فیہ میں زوج نے عورت کے سامنے چند الفاظ کہہ دیے ہیں نہ کہ اقرار بالطلاق کیا ہے اسلئے عورت کے پاس کوئی شرعی ثبوت ہے کہ وہ زوج کو ایقاع طلاق کا فاعل سمجھے خصوصاً جب زوج ایقاع کا منکر ہے اور عورت نے جو الفاظ سن لئے ہیں ان میں احتمالات موجود ہیں۔ لو طلقها وانکر لها ان تتروج و یجلی نفسها سراً۔ اسمیں اولاً نکاح کی علی الاطلاق اجازت نہیں بلکہ مخفی طور پر محض حلالہ کی غرض سے جس پر زوج کو ہرگز اطلاع نہ ہونی چاہئے۔

سرا کی قید اسلئے ہے کہ علانیہ نکاح میں شوہر دعویٰ کر دے گا۔ نہ اسلئے کہ علانیہ نکاح جائز نہیں جو نکاح سرا جائز ہے وہ علناً بھی جائز ہے سرا کی قید محض بطور مشورہ ہے تاکہ ضرر سے محفوظ رہے۔

مگر عورت کو ایقاع طلاق کا یقین ہے جیسا کہ اس نے استفتاء میں ظاہر کیا ہے

ثانیاً طلقها صیغہ جزم ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مرد نے ایقاع طلاق بالیقین کر لیا اور ما نحن فیہ میں جو الفاظ عورت نے سن لئے ان کی کیفیت اوپر گزر چکی ہے۔

شہدان زوجہا طلقها الخ اسمیں دو شاہد کا عورت کے پاس شہادت دیدینا مذکور ہے جو حجت شرعی ہے مگر ما نحن فیہ میں یہ مفقود ہے اس طرح عالمگیر کے مسئلہ میں بھی۔ واذا شهد عند المرأة شاهدان عدلان الخ مذکور ہے اسلئے صورت زیر بحث پر وہ مسئلہ بھی صادق نہیں آ سکتا ہے غرضیکہ مذکورہ بالا چاروں عبارات میں سے تین عبارتوں کو زیر بحث صورت سے کوئی تعلق نہیں البتہ ۷ کو فی الجملہ انطباق ہے لیکن پھر بھی وہ مشکوک ہے۔

وجہ شک کچھ نہیں۔ کامر

علاوہ برآں اس کا حکم کسی دوسرے کے ساتھ علی التابید نکاح کر نیکا نہیں۔ واللہ اعلم

علی التابید کی قید کس لئے؟ کیا نکاح

وعلمہ انہ۔

على التسليم

اگر تسلیم کیا جائے کہ مسماۃ صفریٰ نے جو

الفاظ اپنے شوہر محمد یوسف سے سن لئے ہیں وہ ایقاع طلاق ثلاث کیلئے کافی ہیں تو سوال

یہ ہے کہ عدم ثبوت کی

وجہ سے جب اس کا دعویٰ

ثابت نہ ہوا تو اس کو

اقوال و مسائل منقولہ

میں سے کس قول کے ساتھ

فتویٰ دیا جاسکتا ہے؟

طوالت سے بچنے کی عرض سے ہم اس قول کو زیر

بحث لاتے ہیں جس میں اس کو کسی دوسرے کے ساتھ

عدت کے بعد نکاح کرنیکی اجازت دیدی گئی ہے اس

قول کو کسی نے مفتی بہ نہیں کہہ دیا ہے (علی ما علمہ

بعد التتبع)۔ صاحب دُر مختار نے اس کو

بالتصریح غیر صحیح قرار دیدیا ہے۔ کہا قال

قبیل باب الایلاء و فیہا شہدا انہ

طلقھا ثلاثا لھا التزوج باخر للتخلیل لو

غائباً اھ قلت یعنی دیانۃً والصحیح

عدم الجواز۔ قتیہ۔ اس پر شامی نے بحثاً

اشکال وارد کیا ہے لیکن اولاً وہ بحث ہے نقل

ہیں۔ ثانیاً اس کا تعلق عدم تصحیح کے ساتھ

ہے جس سے وجود تصحیح یا نقل تصحیح لازم نہیں

آتی پھر باب الرضاع کے آخر میں اس قول کو

تخلیل مؤبد نہیں ہوتا۔ موقت ہوتا ہے؟

یہ علی التسلیم نہیں بلکہ آپ کی دستخطی تحریر

میں آپ کا اور آپ کے اہل زبان

رفقاء کا مصرح بہ ہے اس کے سوا

کوئی دوسرا احتمال اس تحریر میں نہیں بیان کیا گیا کیا

اہل زبان علماء کو یہ جائز تھا کہ جس کلام میں بعد کو اس قدر

احتمالات نکالے جاتے ہیں اپنی فیصلہ کن تحریر میں بالجزم

اس کو موجب طلاق مغلطہ ظاہر کر دیں اور آپ بھی اس پر

دستخط کر دیں اور آئندہ کیلئے مفتیوں کو غلطی میں ڈالیں

تو پھر ان پر اعتراض کریں اور اپنی کوتاہی کو تسلیم نہ کریں۔

هو مقتضى اطلاق المتنون

كما صرح به في البحر وهو

مقتضى اطلاق نص الكتاب

كما مر

لو سلمنا عدم صحته فانما هو

فيما اذا شهد عندنا اثنان لما

فيه من القضاء على الغائب

لا فيما اذا سمعت المرأة

منه الطلاق هذا هو الذي

نبه عليه الشامي في باب

الرجعة فليتنبه له

بصیغہ تملیض نقل کر کے اسکے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ وقیل: لہا التزوج دیانۃ شرح وہابیۃ۔ شامی اس کا ضعیف عند المصنف ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ قولہ: وقیل: لہا التزوج الخ اشارۃ الخی ضعفہ کما فی شرح الوہابیۃ الخ۔

پھر اسکو قضاء کے ساتھ مخصوص کر نیکی تاویل کو خلاف ظاہر قرار دیتے ہیں لہذا کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے کہ اس غیر مصحح قول کے ساتھ فتویٰ دیا جائے خصوصاً اس لحاظ سے کہ اس پر فتویٰ دینے سے کوئی نفع بھی نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ عورت کے علاوہ۔ جس جس مسلمان کو معلوم ہوگا کہ مرد ایقاع طلاق کا منکر ہے کسی حال میں بھی اسکو عورت مذکورہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ نکاح متحقق ہو چکا ہے اور زوال نکاح پر کوئی شرعی بینہ اور حجت موجود نہیں جسکی پابندی عورت کے علاوہ دوسروں پر ضروری ہو۔ جیسا کہ البیقین لایزول بالشک و دیگر اس قسم کے نصوص سے معلوم ہوتا ہے جنکو گذشتہ سطور میں نقل کیا گیا ہے اسکے علاوہ

بحر الرائق کی عبارت ذیل سے بھی اسمیں مدد ملتی ہے جو اختلاف ثنّین و ثلاث کے متعلق کتاب مذکور میں مذکور ہے و فیہا سمع رجل من امرأة (بزازیۃ) انہا مطلقة الثلاث۔ والزوج یقول لابل مطلقة الثنّین لایسع لمن سمع منها ان یحضر نکاحها و یمنعہا ما استطاع۔ بحر۔ ان یتزوج امرأة فشهد عنده (مہاج۔ ۴)

محمول علی انہ لایسعه ان یحضر نکاحها بهذا الرجل و هو الظاہر و لیس معناه لایسعه ان یحضر نکاحها بخیرہ بدلیل ما بعدہ اراد ان یتزوج امرأة فشهد عنده

یعنی جس مرد نے عورت سے یہ سنا کہ وہ مطلقۃ الثلاث ہے مگر اس کا شوہر کہتا ہے کہ وہ مطلقۃ ثلاث نہیں بلکہ اس کو صرف دو طلاقوں سے حرام کیا گیا ہے تو جس شخص نے عورت سے قول مذکور سنا ہے اس کو حلال نہیں کہ اگر عورت دوسرا نکاح کرے گی تو اس کو کرنے دے یا اس مجلس میں شامل ہو جائے۔

اسی طرح قنہ کے یہ الفاظ بھی قابل غور ہیں
وعلى جواب الباقرين لا يحل ونقل آخر
انه لا يجوز في المذهب الصحيح والقائل
بانه المذهب الصحيح العلماء الترجيح في
كما في البحث -

خلاصہ یہ کہ عورت مذکورہ کو نکاح کی اجازت جس قول میں دیدی گئی ہے اسکی تضعیف میں نقول عدیدہ موجود و منقول ہیں اور اسکی تصحیح کیلئے کسی کا ایک حرف بھی نہیں ملتا اور نہ ہی کہیں اسکو وہ بیفتی وغیرہ کے ساتھ مقید کیا گیا ہے محض چند علماء کا قول اسکو قرار دیکر قنہ میں و علی جواب الباقرین لا یحل سے ظاہر کیا گیا ہے کہ باقی علماء عدم حل نکاح کے قائل ہیں۔

لہذا عالمگیری کی وہ عبارت جو کتاب الطلاق میں ہے مذهب صحیح پر مبنی نہیں اگرچہ عالمگیری کے کتاب القضاء میں نکاح کا ذکر اس مسئلہ میں نہیں کیا گیا ہے۔ واذا ادعت المرأة على زوجها انه ابانها بثلاث او بواحدة فبحد الزوج فحلفه القاضي فحلف فان

او عند القاضي ان لها زوجاً
فتزوجها لا يفرق اهو بدليل
ما ذكره عن البرازية ايضا قالت
طلقت ثلاثاً ثم ارادت تزويج
نفسها منه ليس لها ذلك اصرق
عليه امر كذب نفسها اهو

علمت ان الامر كما قالت لا تسعها الاقامة
معه و لا ان تأخذ ميراثها كذا في النهاية
(ص ۲۳ ج ۳)

ایضاً :- اور اگر نکاح دوم کے قول کی
تصحیح و عدم تصحیح سے قطع نظر کیا جائے تب بھی
مسماة صغریٰ کے حق میں مسئلہ کی ترتیب یہ ہونی
چاہیے کہ وہ مال و بیکر خلع حاصل کرے (جیسا کہ
مولانا ظفر احمد صاحب کے دوسرے فتویٰ میں
بھی مصرح ہے) اسلئے کہ محیط میں سب سے پہلے
عورت مذکورہ کو افتداء بالمال کا ہی حکم دیدیا گیا
ہے اور راقم الحروف بھی اول روز سے یہی کہہ رہا ہے
کہ اگر مسماة صغریٰ کو محمد یوسف سے جدا ہونے پر
اصرار ہے تو کچھ دے دلا کہ اس سے اپنے آپ کو خلاص
کرے۔ لیکن چونکہ اس صورت میں قضاء میں
سکون پیدا ہو سکتا ہے اسلئے جو لوگ فتنہ اور شور
شغب بالخصوص مخالفت کے دلدادہ وہ اسطر
اسطرف آنے نہیں دینے۔

وفی المحيط :- ویذبغی لها ان تفتدی
بمالها او تهرب منه فان لم تقدر قتلتہ
الخ اس ترتیب کو صاحب شامی نے بھی اختیار
کیا ہے۔

الحاصل (الف) جو الفاظ صغریٰ نے
اول والا ہمارے سامنے بیان کیا اور ہمارے
دارالافتاء کے رجسٹر میں وہ مع نشانہائے انگوٹھا
موجود ہیں انکو سامنے رکھ کر فتویٰ دینا مطلوب ہے

لا یخفی علی الفطن ان
او للتخبیر فلا یجب علیها
الافتداء لو قدرت
علی الہرب

کیونکہ ہمارے بغیر کسی کے پاس فریقین کے اصلی بیانات نہیں بلکہ دوسرے لوگ محض ہوائی گھوڑوں پر دوڑ رہے ہیں حالانکہ انکو ہمارے یہاں سے وہ بیانات مل بھی سکتے تھے لیکن جب تحقیق حق مقصود ہی نہ ہو تو ایسے راستے کیوں اختیار کیے جائیں جس سے فتنہ فرو ہو۔

(ب) میرا فیصلہ شرعیہ جو بسلسلہ تحکیم زبانی بتایا تھا صرف یہ ہے کہ طلاق ثابت نہ ہوئی اس سے زیادہ یہ حکم بتانا کہ صغریٰ کی طلاق چونکہ ثابت نہ ہوئی اسلئے اسکو دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے ہرگز میرے لئے جائز نہ تھا جس نے اس چیز کو ہمارے اوپر واجب سمجھا ہے وہ غلط کہہ رہا ہے۔
(ج) دیانہ صغریٰ کو اسلئے وقوع طلاق کا یقین رکھنا جائز نہیں کہ اس نے جو الفاظ سن لئے ہیں وہ وقوع طلاق کی قطعی دلیل حادثہ کے تمام پہلوؤں اور الفاظ کی تمام کیفیات و احتمالات کو ملحوظ رکھ کر نہیں ہو سکتے ہیں اسلئے زوال نکاح مشکوک ہے۔

نعم لو یکن ذالک واجبا علی
الحکوم فی مجلس الحکوم و لکن
کان ذالک واجبا لو
استفتتت المرأة فی غیر مجلس
الحکوم عن حکم الدیانة لھا
ان صانت الواقعة کما فی کتاب
الحکوم و الافکان الواجب
الرجوع عن کتاب الحکوم و
الافتاء بما کان عندکم من
الواقعة التي اودعتموها فی
الخريطة و لم تبینوها
فی الحکم۔

مگر افسوس ہے کہ علماء ثلاثہ کی دستخطی تحریر میں ان الفاظ کو موجب طلاق مغلظ کہا گیا ہے اور کوئی احتمال ظاہر نہیں کیا گیا محض عدم بینہ کی وجہ سے عدم ثبوت طلاق کا حکم قضاء بیان کیا گیا۔ مستفتی جاہل ہے جب علماء نے اس کے پورے بیان میں سے کچھ الفاظ حذف کر دئے تو وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ الفاظ محذوفہ کو حکم طلاق میں کوئی دخل نہیں ہے اس لئے تو علماء نے انکو حذف کیا اگر بقیہ الفاظ سے حکم مسئلہ پر اثر پڑتا تھا تو ان کے

(د) جس عورت کو وقوع طلاق اور زوال نکاح کا یقین حاصل ہوا اسکو سب سے پہلے یہ حکم ہے کہ مال دیکر شوہر منکر سے اپنے آپ کو

خلاص کرے اگر وہ ایسا نہیں کر سکتی ہے تو پھر فقہاء کے دوسرے اقوال کی طرف منتقل ہو سکتی ہے۔

حذف کی کوئی وجہ نہ تھی فیصلہ کرنے والے کا فرض ہے کہ مدعی اور مدعی علیہ دونوں کا پورا بیان لکھ کر فیصلہ دے۔

۱۔ سکے اولاً واجب ہو نیکی کوئی دلیل نہیں۔ ففی المحيط : ینبغی لها ان تفتدی کالها او تهرب ای تفعل ای ذالک انشاءت و قدرت علیہ ولذا افتیتها بالمفارقة عنه مرة و بالافتداء اخری۔

(۵) دوسرے اقوال میں سے یہ قول کہ اسکو ہر وہ کے بعد کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے قول صحیح نہیں۔

قلت هو مقتضى اطلاق المتن و نص الكتاب

اسلئے دوسرے اقوال پر اسکی ترجیح کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ ہی کسی نے اسکو راجح قرار دیا ہے۔

(۶) جس عورت کو طلاق کا یقین ہے مگر شہادت سے اسکو ثابت نہ کر سکے اسکو دیانہ اپنے آپ کو مطلق سمجھنا چاہئے لیکن اسکے علاوہ کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ اسکی کسی قسم کی حمایت کرے کیونکہ نکاح سابق ایک امر یقینی ہے جسکے زوال کیلئے عورت کا یقین یا دعویٰ کافی نہیں بلکہ مسلمانوں کو صرف یہ جائز ہے کہ وہ عورت مذکورہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ وقوع طلاق کا دعویٰ کرتی ہے جس کا صدق و کذب اسکے علاوہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ ہم کو اس میں کوئی رائے زنی کا حق نہیں اس طرح کسی مسلمان کو یہ علم رکھتے ہوئے کہ یہ عورت فلاں آدمی کی منکوحہ تھی جو طلاق کا منکر ہے ہرگز حلال نہیں کہ اس کے ساتھ نکاح کرے بلکہ اگر یہ عورت نکاح کرنے لگ جائے تو جس کو واقعہ معلوم ہے اور مرد سے اس نے ایقان طلاق کا انکار سنا ہے اسکو لازم ہے کہ عورت کو نکاح ثانی کرنے

سے روکے اور اگر وہ نہیں رکتی ہے تو مجلس نکاح میں ہرگز شرکت نہ کرے جیسا کہ بحر کے مسئلہ مندرجہ بالا میں مصرح ہے۔

وقدم ما فيه فتذكر

الجواب المفصل وانه لقول فصل

مکرمی المحترم مولانا محمد میرک شاہ صاحب دام فضلہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ حضرت والا
کو نہ فرصت ہے نہ اتنی قوت ہے کہ ایسی طویل تحریریں باریک قلم کی لکھی ہوئی ملاحظہ
فرمائیں اسلئے حضرت کو آئندہ تکلیف دینا نہ چاہئے۔ جواباً معروض ہے کہ مجھے جناب
کے متعلق یہ یقین ہے آپ کو حضرت والا سے تعلق ہے اور اس واسطے سے اس ناچیز
کے ساتھ بھی تعلق ہے اور یہ تعلق مانع اظہار حق نہ ہونا چاہئے بلکہ زیادہ موجب اظہار
حق ہونا چاہئے کہ اس کا مبنی محض حب فی اللہ وحب اللہ ہے اگر میرے اظہار حق
سے کسی مخالف جماعت کو خوشی کا موقع ملا ہے مجھے اسکی پرواہ نہ کرنا چاہئے کہ میرے ذمہ
بہر حال اظہار حق واجب ہے خواہ اس سے کسی کو خوشی ہو یا کسی کو رنج ہو۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى
أَنْفُسِكُمْ الْآيَةُ : اور دراصل یہی تعلق جو آپ کے ساتھ ہے سبب ہوا میرے اس
فتویٰ پر جواب لکھنے کا ورنہ میں چونکہ مؤدب اعظم گروہ کے محاورت دیہات سے ناواقف
ہوں ضرور اس فتویٰ پر تنقیح کرتا اور مستفتی سے سوال کرتا کہ اس لفظ کے معنی اہل
محاورہ سے معلوم کر کے لکھوں مگر جب استفتاء کے ساتھ آپکی دستخطی تحریر دیکھی جس میں
محمد یوسف کے لفظ ”میں تو کے طلاق دیہیوں“ کی تشریح جزم کے ساتھ ”میں نے تجھکو
طلاق دی“ سے کی گئی تھی اور اس کے بعد صاف لکھا تھا کہ اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا
تھا تو اسکی عورت مطلقہ مغلطہ ہو گئی تو مجھے سائل سے طلب تشریح کی یا تنقیح کی ضرورت
محسوس نہ ہوئی۔ میرے وہم میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مدعیہ نے محمد یوسف کے الفاظ کچھ اور بھی
بیان کئے تھے جو آپ کی دستخطی تحریر میں حذف کئے گئے اور دفتر میں محفوظ رکھے گئے ہیں کیونکہ
اہل علم کا فرض ہے کہ فیصلہ کی تحریر میں مدعی و مدعی علیہ کا پورا بیان لکھ کر فیصلہ کریں تاکہ
خود فریقین کو بھی یہ مغالطہ نہ ہو کہ عبارت محذوفہ کو حکم واقعہ میں کچھ دخل نہیں اور کسی

ذی علم کے سامنے اس تحریر کو پیش کریں تو اسکو بھی مغالطہ ہو وہ کیسے سمجھ سکتا ہے کہ جس عبارت کو یہاں جزم کے ساتھ ایک معنی سے مشروح کیا گیا ہے وہ دفتر کی عبارت سے مل کر دوسرے معنی کو بھی تحمل ہو سکتی ہے اور جن الفاظ کے تکرار کو یہاں جزم موجب طلاق مغلطہ کہا گیا ہے وہ عبارت محفوظہ سے لیکر جزم موجب طلاق مغلطہ نہیں رہی ہے چونکہ میر جواب کا سنی آپکی دستخطی تحریر اور اسکی تشریح تھی اسلئے میں نے مستفتی کو لکھ دیا ہے کہ میرے جواب کا مبنی وہ تشریح ہے جو علماء ثلاثہ نے اپنے تحریری فیصلہ میں کی ہے اگر انکی یہ تشریح صحیح ہے اور اس بناء پر عورت کو یقین کلی ہے کہ محمد یوسف نے اس کو دسوں مرتبہ طلاق دی تو جواب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا اور اگر یہ تشریح صحیح نہیں بلکہ ان الفاظ میں اہل محاورہ کے نزدیک معنی ماضی کے ساتھ مستقبل کا بھی احتمال ہے جیسا کہ علماء ثلاثہ میں سے بعض نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے تو اس کا فیصلہ وہاں کے اہل محاورات ہی کر سکتے ہیں کہ میں وہاں کے محاورات سے واقف نہیں۔

اور یہ تنبیہ میں نے اپنے اسی فتویٰ پر لکھ دی ہے جو اولاً یہاں سے دیا گیا تھا اور مستفتی نے ثانیاً اسکو حضرت اقدس کے دستخط کیلئے واپس کیا تھا امید ہے کہ میری اس تنبیہ سے شور و شر کم ہو جائیگا کیونکہ میں نے اپنے فتویٰ کو آپکی تشریح پر مبنی کیا ہے اب آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس تشریح میں ہم سے کوتاہی ہوئی کہ مدعیہ اور مدعی علیہ کا پورا بیان نہ لکھا گیا اور جزم کے ساتھ صرف ایک معنی کو ظاہر کر دیا۔ دوسرے احتمالات سے تعرض نہ کیا گیا اور چونکہ ظفر نے ہماری تشریح پر مدار رکھا ہے تو اب ہم مدعیہ کے پورے الفاظ پر دوسری تشریح کرتے ہیں اور تشریح اول سے رجوع کرتے ہیں آپ اس تشریح اول سے رجوع کا اعلان کر دیں گے تو یقیناً شور و شر جاتا رہے گا۔ اور آپ پر یہ اعلان واجب ہے فان التوبة بقدر الحوبة اليسر باليسر والعلانية بالعلانية اور آپ کے اس اعلان کے بعد میں بھی اپنے فتویٰ سے رجوع کر لوں گا کیونکہ وہ تو آپکی اس دستخطی تحریر ہی پر مبنی ہے اور اگر آپ کو اس فیصلہ کن تحریر سے رجوع کا اعلان دشوار ہو تو پھر مدعیہ کے ان الفاظ کی بناء پر جو آپ کے دفتر میں محفوظ ہیں یہ عرض ہے کہ اگر واقعہ یہی ہے کہ محمد یوسف نے دسوں مرتبہ یوں کہا ہے کہ ”میں تو کے طلاق دیہیوں تین قبول کرے بھی“ اور اہل محاورہ کے نزدیک اسکے یہ معنی ہیں کہ ”میں تجھکو طلاق دیدوں تو قبول کرتی ہے“ تو اس صورت میں ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی آپ اپنے

لوگوں میں سے کسی کو فرما دیجئے کہ وہ یہی الفاظ لکھ کر استفتاء کرے میں اس کو یہی جواب دیدونگا جو اس وقت لکھ رہا ہوں جس سے میرے دونوں فتوے متعارض ہو جائیں گے۔
واذا تعارضتا سقط۔

باقی آپ نے بہ سبیل تنزیل اُن الفاظ کو تسلیم کرتے ہوئے جو فیصلہ کی تحریر میں درج کئے ہیں اس تشریح کو مانتے ہوئے جو اس میں کی گئی ہے جس قدر بحث کی ہے وہ میرے نزدیک صحیح نہیں۔

سب سے پہلے آپ نے ”طلاق دی“ میں احتمال تفویض نکالا ہے یہ اصلاً صحیح نہیں ہماری زبان میں لفظ ”تجھ کو طلاق دی“ بالکل صریح ہے ان الفاظ سے ہمارے یہاں تفویض نہیں کی جاتی پھر احتمال تفویض کیلئے متکلم کا دعویٰ شرط ہے متکلم تفویض کا مدعی نہیں پھر آپ نے تکرار طلاق میں دیانہ احتمال تاکید نکالا ہے مگر قضاء یہ احتمال رد ہے۔
والمراة كالقاضي كما صرح حواہ۔ پس عورت کے حق میں یہ احتمال ہرگز مفید نہیں بالخصوص جبکہ شوہر مدعی تاکید بھی نہیں۔ پھر آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ طلاق مغلفہ کے بعد عورت کو بدون تفریق قاضی کے نکاح ثانی کا اختیار ہونا جبکہ شوہر منکر ہو مفتی یہ نہیں ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔

قال في البحر: واطلق فثمل ما اذا كان الزوج الاول معترفاً بالطلاق الثلاث او منكرأ بعد ان كان الواقع الطلاق الثلاث ولهذا قالوا لو طلقها ثلاثاً وانكر لها ان تتزوج بآخر وتحلل نفسها ستاً منه الخ۔

بحر نے انکار زوج کی صورت میں بھی عورت کو نکاح ثانی کا اختیار دیا ہے اور اس کو اطلاق متون کا مدلول قرار دیا ہے مفتی یہ ہونے کیلئے اور کیا چاہئے؟ جبکہ اطلاق متون سے ایک مسئلہ ثابت ہے وہ متون سے ہی ثابت ہے اور متون کا مفتی بھا ہونا معلوم، اس میں قید سراً سے آپ کا یہ کہنا کہ نکاح علنی جائز نہیں یا تحلیل سے یہ مفہوم نکالنا کہ نکاح مؤبد جائز نہیں انصاف اور فقہ سے بہت بعید ہے قید سراً کا بطور مشورہ ہونا واضح ہے کیونکہ جب شوہر منکر ہے وہ علانیہ نکاح کو بذریعہ قاضی کے روک دینا اگلی عبارت اس کی خود دلیل ہے، فلیراجع۔ ورنہ خود غور فرمایا جائے کہ جو

چیز سزا جائز ہے اسکو اعلان کرنا شرعاً کیوں حرام ہوگا؟ اور نکاح تحلیل یقیناً مؤید ہوتا ہے کیونکہ نکاح موقت باطل ہے۔ پھر میں لکھ چکا ہوں کہ نص قرآن کا مقتضی یہی ہے فلا تحل لہ من بعد حتی تسکح زوفاً غیرہ۔ اضاف النکاح الی المرأة واطلق فلہا ان تتزوج بزواج آخر اعترف الاول بالطلاق وانکر اذا کان الواقع الطلاق الثلاث — اور صورت مسئلہ میں آپکی تشریح ہے کہ زوج نے ”میں نے تجھکو طلاق دی“ کہا اور تصریح ہے کہ اس کا تکرار موجب طلاق مغلظ ہے اور عورت اپنا یقین کلی بیان کرتی ہے کہ زوج نے مجھکو دسوں مرتبہ طلاق دی تو اب شرط ”بعد“ کا الواقع الطلاق الثلاث کے تحقق میں کیا کلام رہا؟

اسکے بعد آپکو لو شہد عندها عدلان علی الرضاع بینہما وطلاقہا ثلاثاً وہی یجد الی قوله ولا التزوج بآخر وقیل لہا التزوج دیانۃ اشار الی ضعفہ کما فی القنیۃ عن العلاء الترجانی انه لا یجوز فی المذہب الصحیح وجزم بہ الشارح فی آخر باب الرجعة ”سے مسئلہ مبعوث عنہا میں شبہ ہوا ہے کہ سماع مرآة کی صورت بھی اسکو دیانۃ نکاح ثانی جائز نہیں حالانکہ یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ شہادت کی صورت میں عورت اپنے کو مطلقۃ الثلاث سمجھنے میں بظاہر قضاء علی الغائب کرتی ہے لانہا کالقاضی فی هذا الباب۔ اور قضاء علی الغائب میں اختلاف ہو سکتا ہے اسلئے اس صورت میں اقوال مشائخ مختلف ہو گئے۔ لیکن سماع کی صورت میں اس قسم کا کوئی احتمال نہیں اسلئے وہاں یہ کہنا کہ دیانۃ عورت کو نکاح بآخر جائز نہیں صحیح نہیں۔ شامی نے صاحب درر کی اس مسامحت پر تنبیہ کی ہے کہ انہوں نے صورت شہادت کے اختلاف کو صورت سماع میں بھی جاری کر دیا حالانکہ قیاس مع الفارق ہے چنانچہ ”سمعت من زوجہا انه طلقها (ای ثلاثاً) ولا تقدر علی منعه من نفسها الی کے تحت لکھا ہے۔

وفی الفتاوی السراجیۃ :- اذا خبرها ثقتہ ان الزوج طلقها وهو غائب وسعها ان تعتد وتزوج ولم یقیدہ بالدیانۃ اھ۔ کذا فی شرح عم وجملہ علی انہا سمعت من زوجہا الاقرار بطلاقہا کما فعلہ الفاضل بعید و انما معناه انہا سمعت منہ الطلاق سواء اعترف بہ بعد ذلک وانکر فافہم۔ ظفر۔

الوہابیۃ — قلت: ہذا تائید لقول الائتمة المذكورین (شمس الائتمة
الاوزجندی ونحوالدين النفسى والسيد ابى شجاع والسرخسى والقائلين بانه يحل
لها التزوج بزواج آخر فيما بينهما وبين الله فيما اذا شهدا انه طلقها ثلاثا)
فانه اذا حل لها التزوج باخبار ثقة فيحل لها التحليل هنا بالاولى اذا
سمعت الطلاق او شهد به مدلان مندها بل صرحوا بان لها التزوج اذا
اتاه كتاب منه بطلاقها ولو على يد غير ثقة ان غلب على ظنها انه حق و
ظاهر الاطلاق جوازہ فی القضاء حتى لو علم بها القاضي بتركها فتصحیح
عدم الجواز هنا مشكل الا ان يحمل على القضاء (قلت: وای تصحیح اصرح
من هذا حيث صرحوا بذلك في مسألة الكتاب ونحوها ۱۲- ظفر) نعم لو
طلقها وهو مقيم معها بعاشرها معاشرة الا زواج ليس لها التزوج لعدم
القضاء عدتها منه كما سيأتى بيانه في العدة (ص ۹۶ ج ۲) لان العدة منه
لا تنقضى الا بالمفارقة لا بالمجامعة فافهم۔

یہر حال شہادۃ عدلین کی صورت میں بھی صحیح ہے کہ عورت کو تزوج باخر جائز ہے
جبکہ وہ زوج اول سے الگ ہو کر عدت گزار دی اور قضاء علی الغائب کا جو شبہ ہے وہ اس لئے
باطل ہے کہ اس صورت میں عورت قضاء نہیں کر رہی ہے کیونکہ بحث دیانت میں ہے کہ فیما
بینہا وبين الله نکاح کو جائز کہا جا رہا ہے شوہر پر قضاء نہیں کر رہی ہے اس لئے قاضی
کو بھی علم کے بعد اس میں دخل دینے کا حق نہیں (الا اذا دفع اليه الزوج فله ان
يقضى بما ثبت عنده) قال الشافعي عن الولوالجية عن الفصولين: اخبرها
عدل او غير عدل فانها باكتاب من زوجها بطلاق ولا تدرى انه كتابه
اولا ان اكبر رأيها انه حق فلا باس بالتزوج اهـ۔ وتقدم قبيل الايلاء
ان هذا في الديانة ثم رأيت بخط السائحاني عن جامع الفتاوى شهادتان
ان الغائب طلق زوجته لا تقبل في الحكم بطلاق الغائب وتقبل في حق
سكوت الحاكم في انها تعد وتزوج باخر اهـ وحاصله انه يسوغ للحاكم
السكوت لانه امر ديني لا اثبات الطلاق لانه حكم على الغائب فلا يصح
الخ ۱۲ قبيل فصل الحداد۔

جب شہادت عدلین کی صورت میں دیانہ یہ حکم ہے تو سماع میں بدرجہ اولیٰ اور غالباً علماء ترجمانی نے صورت شہادت میں عدم جواز کو صحیح اسی بناء پر کہا ہے کہ اس صورت میں عورت قضاء علی الغائب کرتی ہے مگر یہ خیال باطل ہے بلکہ وہ ایک امر دیانہ کا ارتکاب کر رہی ہے اثبات طلاق سے اسکے فعل کو کچھ تعلق نہیں اس لئے ائمہ مذکورین نے دیانہ نکاح یا آخر کی اجازت دی ہے اور صورت سماع طلاق میں تو علماء ترجمانی کا خلاف بھی منقول نہیں فلا یصح قیاسہ علیہا فافہم۔ اور اگر اس میں بھی ان کا اختلاف کسی نے نقل کیا ہے تو یقیناً مسامحت سے خالی نہیں یا اسکو قضاء پر محمول کیا جائے گا کما قالہ العلامة الشامی۔

اسکے بعد آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ صاحب بزازیہ کے نزدیک حرمت کے تمام وجوہ میں عورت کا قول قابل اعتبار نہیں۔ حالانکہ اصل جزئیہ یہ ہے۔ انہا اذا قالت: هذا ابني رضاعاً واصررت عليه له ان يتزوجها لان الحرمة ليست اليها قالوا بـ يغني في جميع الوجوه جس کا حاصل یہ ہے کہ عورت کے دعویٰ رضاع سے مرد پر وہ عورت حرام نہیں ہوتی کیونکہ ثبوت رضاع تنہا ایک عورت کے قول سے نہیں ہوتا۔ لان الحرمة ليست اليها کے یہی معنی ہیں نہ وہ جو آپ نے سمجھے ہیں۔ اسکے بعد صاحب درکات تبعا للصدر الشہید یہ کہنا مفادہ انہا لو اقوت بالثلاث من رجل حل لها تزوجه یقیناً۔ قیاس قلب و عکس ہے بزازیہ نے مسئلہ رضاع میں مرد کو نکاح کی اجازت دی تھی نہ کہ عورت کو اس سے یہ تو استفادہ ہو سکتا ہے کہ صورت دعویٰ طلاق ثلاث میں مرد کو اس مدعیہ سے نکاح جائز ہو جبکہ اسکے نزدیک عورت کا دعویٰ صحیح نہ ہو کیونکہ تنہا اسکے قول سے ثبوت طلاق نہیں ہو سکتا لیکن یہ اخذ کرنا کہ عورت کو بھی اس سے نکاح جائز ہے کس طرح استفادہ نہیں ہوتا۔ بس ان حضرات کے کلام کی تصحیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ ان کے کلام کو قضاء پر محمول کیا جائے یعنی قضاء عورت کو اقدام علی النکاح سے نہ روکا جائے گا کیونکہ قضاء ثبوت طلاق ثلاث نہیں ہوا۔ مگر باکہ دیانہ بھی عورت کو ایسا جائز ہے اور دیانہ بھی اسکو نہ روکا جائیگا یہ ہرگز بزازیہ کے جزئیہ سے استفادہ نہیں ہو سکتا اور جو ایسا دعویٰ کرے وہ مبطل ہے صاحب بحر نے بزازیہ سے نقل کیا ہے قالت: طلقني ثلاثا ثم ارادت تزويج نفسها منه ليس لها ذلك

اصرت علیہ ام کذبت نفسها اھ (ص ۹۵ ج ۳) هذا هو الموافق
 لاصول — اس کے بعد آپ کا یہ کہنا کہ مجموعی طور پر ان سب حضرات کی عبارات میں
 کہیں یہ نہیں ہے کہ عورت مذکورہ عالمہ بالطلاق ہو کر خود بخود ہی کسی دوسرے کے ساتھ
 نکاح کر سکتی ہے الخ اس کا جواب یہ ہے کہ جن عبارات میں ان تنزوج باخر وتحلل
 نفسها سراھنہ الخ مذکور ہے وہ اس پر ناطق ہیں نیز جو عبارات شامی سے ابھی نقل ہوئی
 ہیں جو قبیل فصل الحداد میں مذکور ہیں وہ اس پر شاہد ہیں اور اطلاق متون سے صاحب بحر
 نے اسی کو اخذ کیا ہے اور نص، حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ بھی اس پر دال ہے فافہم اور اسی
 سے آپ کے اس سوال کا جواب بھی ہو گیا کہ لا یفتی بغير الرجح فی مذہبہ و
 ان الحکمو والفتی بالقول المرجوح جہل اخرج للجماع الخ میں مبتلا ہو چکا کہ
 صورت مسئلہ میں جواز نکاح باخر ہی راجح اور صحیح ہے۔ صورت سماع طلاق میں اس کے
 خلاف کوئی قول منقول نہیں اور اگر منقول ہو تو قضاء پر محمول ہو گا نہ دیانت پر کما قالہ
 الشامی والخلاف الذی ذکرتموہ انما هو فی الشہادۃ عند المرأة وقد
 تقدم ما فیہ فتذكر

آخر میں آپ نے محمد یوسف کے قول سے احتمال استقبال وغیرہ بیان کرتے ہوئے لکھا
 ہے کہ دیانت کا فتویٰ دینے والا مفتی شرعاً اس کا مکلف ہے کہ اس احتمال کو نظر انداز نہ کرے
 اس کا جواب تمہید میں دے چکا ہوں کہ شرعاً آپ کے ذمہ بھی یہ اعلان واجب ہے کہ ہماری
 دستخطی تحریر جو مدعیہ کے پاس ہے وہ ناقض اور موجب مغالطہ ہے اسلئے اس کا اعتبار نہ کیا جائے۔
 مفتی دیانت نے تو آپ کی اسی دستخطی تحریر پر جواب کو مبنی کیا ہے: "فان صحیحاً فصیح
 وان باطلاً فباطل"

اسکے بعد آپ نے عورت کی تمکین کو اسکے دعویٰ طلاقات ثلاث کا مکذب قرار دیا ہے
 اس کا بھی وہی جواب ہے کہ مفتی دیانت کے سامنے جماع یا تمکین علی الجماع کا کوئی ذکر نہیں تھا
 اور ہوتا بھی تو اس کو مکذب قرار دینا اسلئے صحیح نہیں کہ عورت جاہل ہے ممکن ہے کہ اس کو
 قبل استفتاء حرمت مغلطہ کا علم نہ ہوا ہو اور وارحرب میں ایسا جہل عفو ہے لہذا

عہ بلکہ آپ نے جو "تجھ کو طلاق دی" میں اور اسکے تکرار میں احتمالات واہیہ نکالے ہیں ان پر نظر کر کے تو دارالاسلام
 میں بھی عورت کو تمکین میں معذور سمجھنا چاہئے کیونکہ آپ کے نزدیک تو صریح لفظ طلاق کا تکرار (بقیہ اگلے صفحہ پر)

تکذیب کا دعویٰ نہیں چل سکتا۔ اب یہ بحث باقی رہ گئی کہ جب عورت طلاق ثلاث کی مدعی ہو اور مرد منکر ہو اور عورت کے پاس بیہ نہ ہو تو دوسروں کو انکے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیئے یہ تو اوپر ظاہر ہو چکا کہ اس عورت کو دوسرا نکاح جائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو بھی اس سے نکاح جائز ہے مگر اس میں تفصیل ہے جن لوگوں کو شوہر کا انکار معلوم نہیں صرف عورت کا دعویٰ معلوم ہے کہ مجھے طلاق ہو چکی ہے یا شوہر کا انکار معلوم ہے مگر ان کے قلب کو عورت کا صدق اور مرد کا کذب لگتا ہے ان کو نکاح جائز ہے اور جن کے دل کو عورت کا کذب اور مرد کا صدق لگے یا دونوں مساوی ہوں ان کو نکاح جائز نہیں آپ نے بزاز یہ سے جو جزئیہ نقل کیا ہے۔ سمع رجل من امرأہ انہا مطلقۃ الثلاث والزواج یقول لا بل مطلقۃ الثنتين لا یصح لمن سمع منها ان یحضر نکاحها۔ ویمنعها ما استطاع۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسے مرد سے اس عورت کا نکاح جدید کیا جائے تو اس میں حاضر نہ ہو بلکہ لوگوں کو اس سے روکے۔ یہ مطلب نہیں کہ کسی دوسرے سے نکاح ہو جب بھی روکے کیونکہ جب عورت کا مطلق ہونا ثابت ہے خواہ مطلقۃ الثلاث ہو یا مطلقۃ الثنتين تو دوسرے مرد سے نکاح میں کیا اشکال ہے اشکال تو ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس عورت کا نکاح اسی مرد سے ہو جس سے عورت نے مطلقۃ الثلاث ہونے کا دعویٰ کیا ہے پس یہ جزئیہ آپ کی دلیل نہیں بلکہ میری دلیل ہے کہ مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس مرد سے اس عورت کا نکاح نہ ہونے دیں جس نے مطلقۃ الثلاث ہونا بیان کیا ہے بلکہ اس سے اسکو روکیں۔ اگرچہ مرد یہ کہتا ہو کہ میں نے طلاق نہیں دی یا دودی ہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس باب میں عورت کا قول معتبر ہے نہ مرد کا کما سیأتی صریحاً انشاء اللہ تعالیٰ۔ اللہم الا ان یقضی القاضی بعد وقوع الطلاق فلا تمنع من نکاحه قضاءً ونمنع دیانہ فافہم اسی کے بعد بحر میں یہ جزئیہ بھی منقول ہے۔ اراد ان یتزوج امرأۃ فشهد عندہ او عند القاضی ان لہا زوجاً فتن وجہا لا یفرق انتہی (ملک ج-۳)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ باب نکاح و طلاق میں عورت کا قول مقبول ہے جو عورت اپنی کو غیر ذات زوج کہتی ہے اس سے نکاح کرنا ہر مرد کو جائز ہے اگرچہ (بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بھی جزماً موجب وقوع طلاق مغلط نہ رہا بلکہ متحمل احتمالات ہے پس اگر کوئی عورت قبل فتویٰ مفتی دیانت وقوع طلاق مغلط سے جاہل رہے تو کیا تعجب ہے۔ ظفر

اس کے یا قاضی کے پاس شہادت بھی گزرے کہ اس کے شوہر ہے مگر چونکہ شہادت علی الغائب ہے جس سے نکاح کا ثبوت نہیں ہوا اس لئے اگر کوئی اس سے نکاح کرے گا تفریق نہ کی جائیگی۔ اور دیانۃً جواز اور عدم جواز کا مدار شہادت قلب پر ہوگا اگر مرد کے دل کو عورت کا قول لگے تو نکاح جائز ہے شوہر کا قول لگے تو ناجائز ہے۔

رہا یہ اشکال کہ زوج اول کا نکاح صورت مسئلہ میں ثابت بالیقین تھا تو عورت کے دعویٰ طلاق سے کیونکر مرتفع ہوگا فان الیقین لا ینزول بالشک۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس کو عورت کے صدق میں شک ہو اس کو اس سے نکاح جائز نہیں اور جس کے دل کو عورت کا صدق لگے وہاں زوال الیقین بالشک کا تحقق نہیں بلکہ زوال الیقین بالیقین ہے ورنہ لازم آئیگا کہ جس عورت کے پاس ایک ثقہ خبر لائے یا کوئی ثقہ یا غیر ثقہ اسکے شوہر کا خط لائے کہ اس نے طلاق دیدی ہے اس صورت میں عورت کو مطلقاً نکاح ثانی جائز نہ ہو کیونکہ نکاح اول ثابت بالیقین تھا اور خبر واحد یا کتاب غیر موثوق بہ سے یقین زائل نہیں ہو سکتا مگر اوپر گزر چکا کہ عورت کے دل کو اگر یہ بات لگ جائے کہ خبر سچی ہے تو اس کو نکاح باختر جائز ہے یہ قید اسی لئے لگائی ہے تاکہ یقین زائل بالیقین ہو جب خبر یا کتاب کا عورت کے دل کو لگنا اس کے حق میں مجوز نکاح ہے۔ تو دوسروں کے دل کو عورت کی بات لگنا بھی ان کے حق میں مجوز نکاح ہے۔

قال فی البحر :- و اشار بقبول قولہا الى انه لا عبرة بقول الزوج الثاني حتى لو قال لم ادخل بها او كان النكاح فاسداً وكذبته فالمعتبر قولها، ولو قال الزوج الاول لها ذلك (بعد ان نكحها) يعتبر قوله في حق الفرقه كانه طلقها لا في حقها حتى يجب لها نصف المسمى او كما ان دخل بها. و اشار بقوله ان غلب على ظنه صدقها الى ان عدالتها ليست شرطاً ولهذا قال في البدائع وكافي الحاکم وغيرهما لا بأس ان يصدقها اذا كانت ثقة عنده او وقع في قلبه صدقها وبقبول قول المطلقة التي هي منكوبة رجل قالت للآخر: طلقني زوجي وانقضت عدتي جاز تصديقها اذا وقع في الظن صدقها عدلة كانت ام لا اه (مشج-۴) ولها عه هذا ما وعدته قبل في قولي وسيأتي صريحاً ان شاء الله تعالى. ظفر۔

نظائر کثیرہ فی الفقہ لا تخفی علی من مارسہ
 صورت مسئلہ میں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حکم بمنزلہ قاضی ہے عین قاضی نہیں
 حکم کا فیصلہ عام نہیں ہوتا قاضی کا فیصلہ عام ہوتا ہے پس قاضی نے اگر ایسی عورت
 کے متعلق جو زوج سے مطلقۃ الثلاثہ ہونے کی مدعی ہے غیر مطلقہ ہونے کا فیصلہ کر دیا
 تو قضاء سب مسلمانوں کو اس کا غیر مطلقہ ہونا ظاہر میں ماننا پڑے گا اور کسی کو اس سے
 نکاح کی اجازت نہ دی جائیگی مگر حکم کے فیصلہ سے ظاہر میں بھی سب پر ماننا لازم نہیں
 ومن ادعی فعلیہ البیان قال فی العنايۃ : ان الحكم ادنی منزلة من
 القاضي لاقتضاء حکم علی من رضی بحکم و عموم ولایۃ القاضي فاذا رفع
 حکمہ الی القاضي فوافق مذہبہ امضاء وان خالفہ ابطالہ بخلاف حکم
 الحاكم كما تقدم فانه لا يبطله الثاني وان خالف مذہبہ لعموم ولایۃ
 فكان قضاءه حجة فی حق الكل فلا يجوز لقاض آخر ان يبطله ويرده اه
 جب ظاہر میں بھی فیصلہ حکم کی مخالفت جائز ہے تو دیانۃ فیما بینہ و بین
 اللہ بدرجہ اولیٰ جائز ہے پس عامہ مسلمین نہ انکار زوج کی وجہ سے مدعیہ طلاق ثلاثہ
 کے نکاح سے منوع ہو سکتے ہیں نہ فیصلہ حکم کی وجہ سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب
 رقم بقلم اسیر وصمة ذنبہ والمہ ظفر احمد التھانوی عفا اللہ عنہ۔ ۲۰ ج ۲ ص ۵۵۔

انرا شرف علی۔ السلام علیکم۔ نظر غائر کی نہ فرصت نہ قوت باقی سرسری
 نظر سے یہ تحقیق اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے لیکن آئندہ بہتر یہ ہے کہ اس سلسلہ
 کو ختم کیا جائے جو حق معلوم ہو عمل کیجئے اور اگر کسی وجہ سے سلسلہ کو ختم نہیں کیا جاسکتا
 تو اقل درجہ مجھ کو واسطہ نہ بنایا جائے۔ مولوی ظفر احمد سے خود اجازت لیکر ان سے
 مکاتبت کی جائے۔ والسلام۔ از تھانہ بھون۔

تمہ سوال بالا

سوال :- صفری نے بیان کیا کہ میرے شوہر نے دسوں مرتبہ مجھے یہ الفاظ
 کہہ دیئے "میں تو کے طلاق دیہیوں تو قبول کری ہے"؟ ان الفاظ میں "دیہیوں" کے
 کے لفظ میں ادنیٰ تغیر لب و لہجہ سے ماضی و مستقبل کا فرق پیدا ہو سکتا ہے اس تغیر کو

ملفوظ رکھ کر عبارت مذکورہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ میں نے تجھ کو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ہے؟ دوسرے یہ کہ میں تجھ کو طلاق دوں گا کیا تو قبول کرتی ہے؟ صفری کا یہ بھی بیان ہے کہ شوہر نے اس کے بعد میرے ساتھ جماع کیا اھ۔ مگر شوہر محمد یوسف نے ایقاع طلاق کا حلفاً انکار اور وعدہ طلاق کا اقرار کر لیا۔ صفری اقامت بدینہ سے قاصر رہی اسلئے محکم نے جس کے پاس فریقین نے مرافعہ کیا تھا عدم ثبوت طلاق کا فیصلہ صادر کر دیا۔ فریقین نے جب تحریر طلب کر لی تو تحقیقات صدر میں حصہ لینے والے علماء میں سے ایک صاحب نے محض اس بناء پر کہ فریقین کو بتائے ہوئے فیصلہ پر عمل کرنا ہے ایک تحریر مع تصدیقات دیگر علماء کے لکھ دی جس میں عدم ثبوت طلاق کا فیصلہ مذکورہ ظاہر کر دیا گیا ساتھ ہی ساتھ شوہر کو بھی نصیحت کر دی کہ اگر فی الواقع اس نے یہ الفاظ کہہ گئے ہوں تو اسکو عورت سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ ان الفاظ سے قضاء تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں اور چونکہ تحریر مذکور دیتے وقت اس کا مطلقاً خیال نہیں تھا کہ تحریر مذکور کو فریقین میں سے کوئی فریق موضوع بحث بنائیگا اور دوسرے علماء کے سامنے پیش کریگا اسی وجہ سے عورت کے بیان کردہ الفاظ کا اہم حصہ (کیا تو قبول کرتی ہے) اس میں درج نہیں کیا گیا۔ اس طرح تشریح کا دوسرا پہلو بھی ظاہر نہیں کیا گیا بلکہ صرف اس پہلو کو درج کیا گیا جو مدعیہ کے حق میں زیادہ سے زیادہ مفید ہو سکتا تھا اور اسی کو بسبب عدم شہادت اور بناء برانکار و حلف شوہر کے ساقط الاعتبار قرار دیکر فیصلہ کا اظہار کیا گیا کہ طلاق ثابت نہ ہوئی۔ جس ادارہ کے علماء نے یہ تحریر صادر کی اسکے معاندین نے صفری کو سکھا کہ فیصلہ مذکورہ سے باغی اور منحرف بنادیا اور ادارہ مذکور کو بدنام کرنیکی غرض سے تحریر بالا کو جناب کے پاس بھیج دیا (حالانکہ وہ اصل بیانات کو بھی ادارہ مذکورہ سے حاصل کر سکتے تھے) اور غالباً جناب کو بھی اس سے بے خبر رکھ دیا گیا کہ یہ تحریر بالکل سرسری طور پر لکھ دی گئی ہے اور یہ کہ اصل واقعہ اور کامل بیانات کو مکمل طور پر حاصل کرنے کی کوشش کئے بدون ہی ہم اس تحریر کو روانہ کرتے ہیں (اسکی اطلاع آپ کو نہیں دی) اسلئے پورا واقعہ لکھ کر التماس ہے کہ فریقین کے بیانات میں غور فرما کر حکم شرعی سے آگاہ فرمایا جائے کہ آیا الفاظ صدر سے بصورت ثبوت بھی وقوع طلاق متیقن ہے یا مشکوک؟ اگر مشکوک ہے تو کیا اس سے محمد یوسف کا نکاح زائل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو صفری کا دوسرا نکاح کرنے کے لئے تیاری کرنا اور

دوسروں کا اسکو تیار کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں اور جو لوگ اس کو آمادہ کرتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟
(نوٹ) بیانات مندرجہ بالا مع نشانہائے تراکشت و دستخط بعینہ موجود ہیں۔
محمد سلیم عفا اللہ عنہ۔

الجواب :- اگر صورت واقعہ وہی ہے جو اس سوال میں درج ہے تو اس صورت میں دیانہ بھی وقوع طلاق کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا جیسا کفضاء بوجہ انکار زوج و عدم اقامت بینہ از جانب مدعیہ طلاق کا ثبوت نہیں ہوا کیونکہ محمد یوسف کا یہ قول ”میں تو کے طلاق دیہوں تو قبول کری ہے بظاہر تفویض کو محتمل ہے مگر بیان واقعہ میں فریقین کے درمیان سخت اختلاف ہے مستفتی اول نے اولاً جب علماء ثلاثہ کی فیصلہ کن تحریر بھیجی جس میں زوج کے الفاظ وہ نہ تھے جو اس سوال میں درج ہیں وہ الفاظ ”کیا تو قبول کرتے ہے“ سے خالی تھی تو اسکو متنبہ کیا گیا کہ زوج کے پورے الفاظ لکھ کر بھیجو جو علماء ثلاثہ کے دفتر میں محفوظ ہیں تو اس نے یہ جواب دیا کہ ”جناب والا نے تحریر فرمایا تھا کہ محمد یوسف اور صفری کے اصل بیان کی نقل لیکر بھیجو اسلئے میں نے اس کے وصول کرنیکی کوشش کی اور مختلف ذرائع سے کام لیا لیکن نقل کسی طرح دستیاب نہ ہو سکی مجبور ہو کر دو آنہ کے ٹکٹ خود حضور کے پاس بھیجتا ہوں کہ تکلیف فرما کر مولوی صاحب سے براہ راست طلب فرمائیں تو شاید مل جائے اتنا میں یقین دلاتا ہوں کہ محمد یوسف اور صفری دونوں کا بیان میرے سامنے ہوا ہے اور میرے ساتھ ساکن کیاری ٹولہ اور حافظہ ساکن ریاست دوباری بھی تھے اور یہ عریضہ لکھنے کے وقت بھی میرے پاس موجود ہیں ہم سب لوگ یقین کے ساتھ جانتے اور بیان کرتے ہیں کہ میاں بیوی کے اصل بیان میں مولوی صاحب کی فیصلہ کن تحریر سے زیادہ کوئی بات نہیں ہے بجز اس بات کے کہ محمد یوسف نے بیان کیا کہ میں نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ کل میں مبارک پور جاؤنگا تو اپنے ایک دوست سے روپیہ مگر حیرت ہے کہ مطبوعہ فتویٰ میں تحریری فیصلہ کے اندر یہ لفظ ”تین قبول کرتی ہے“ بڑھا دیا گیا ہے جو پہلے اس میں نہ تھا اور یہ بھی نہ سوچا گیا کہ اس لفظ کے اضافہ کے بعد علماء ثلاثہ کا یہ قول کہ اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا تو اسکی عورت مطلقہ مغلظہ ہو گئی ہے سراسر غلط ہو جائیگا کیونکہ اس زیادت کے بعد ایقاع طلاق ہی کا جز صحیح نہیں چہ جائیکہ ایقاع ثلث کا بلکہ مداء نیت پر ہو گا اور زوج سرے سے طلاق کا منکر ہے فیا اسفالعلم و اھلہ۔ ظفر

لاؤنگا اور تم کو مہر خرچہ دیکر تمکو طلاق دیدونگا دوسری بات یہ کہ اسی رات میں جماع کی حالت میں کہا تھا کہ یہ آخری جماع ہے لیکن یہ بات بھی اس نے اپنے سے نہیں بلکہ مولوی..... صاحب کے تلقین کرنے سے کہی تھی صغریٰ کے بیان میں صرف یہ بات زائد ہے کہ مولوی..... صاحب نے اس سے پوچھا کہ اس رات کو تم نے جماع بھی کیا تھا؟ صغریٰ نے کہا ہاں اس زائد بات کا حال یہ ہے کہ جب عورتوں نے صغریٰ سے پوچھا کہ تو یوسف کے طلاق دینے کے بعد اس کے پاس سوئے کیوں؟ تو اس نے کہا کہ یہ بات کون کہتا ہے؟ میں ہرگز نہیں سوئی عورتوں نے کہا کہ تو نے جماع کا اقرار کیا ہے؟ تب اس نے کہا کہ میں نے اس کا مطلب برتن وغیرہ جمع کر کے دھونا سمجھا تھا ہر حال اصل بیان میں اس سے زیادہ اور کوئی چیز نہیں ہے جس رات کو یہ واقعہ پیش آیا اسکی صبح ہی کو صغریٰ محمد یوسف کے گھر سے چلی آئی اور جب محمد یوسف اور اس کے باپ صغریٰ کو لینے گئے تو اس نے سارا قصہ کہ سنایا اور محمد یوسف خاموشی سے سنتا رہا ایک دفعہ بھی طلاق دینے سے انکار نہیں کیا لیکن جب اسکے باپ نے کہا کہ ”تب تو سب قصہ ہی ختم ہو گیا اب اس سے مہر خرچہ وصول کرو“ یہ کہا اور اٹھ کر ایک تھپر محمد یوسف کو مارتا تب اس نے کہا کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے۔ اس واقعہ کے شاہد محمد ادریس ہیں ان کا بیان بھی مولوی..... صاحب کے پاس قلمبند ہے اب اگر واقعہ یہ ہے جو مستفتی اول نے لکھا ہے تو دیا نہ طلاق مغلط ہو چکی جس کا حکم وہ ہے جو میرے پہلے فتویٰ میں ہے۔ فریقین خدا سے ڈر کر جو صورت واقع ہو اس کے موافق فتویٰ پر عمل کریں۔ واللہ اعلم بالصواب

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون ۲۵ رجب ۱۳۵۸ھ

قال الموفق في المغني: وان اختلفا في عدد الطلاق فالقول قوله صما ذكرناه (ان البينة على المدعي واليمين على من انكر هذا هو حكم القضاء) فاذا طلق ثلاثا وسمعت ذلك وانكر او ثبت ذلك عندها بقول عدلين لم يحل لها تمكينه من نفسها وعليها ان تفر منه ما استطاعت وتمتنع منه اذا ارادها وتفتدي منه ان قدرت قال احمد: لا يسعها ان تقيم معه وقال ايضا تفتدي منه بما تقدر عليه فان اجبرت على ذلك فلا تنزل له ولا تقدر به وتهرب ان قدرت وان شهد عنده عدلان غير متهمين

عہ اس کا حاصل زوج کا طلاق سے انکار ہے اور یہ بات فیصلہ کن تحریر میں بھی موجود تھی۔ فلا تعارض۔ ظفر

فلا تقير معه وهذا قول أكثر أهل العلم قال جابر بن زيد وحماد بن أبي سليمان وابن سيرين تفرمته ما استطاعت وتفتدي منه بكل ما يمكن وقال الثوري وأبو حنيفة وأبو يوسف وأبو عبيد تفرمته وقال مالك لا تنزين له ولا تبدى له شيئاً من شعرها ولا عديتها ولا يصيبها إلا وهي مكروهة - وروى عن الحسن والزهرى والنخعي يستحلف ثم يكون الاثر عليه والصحيح ما قاله الأولون لأن هذه تعلم أنها اجنبية منه محرمة عليه فوجب عليها الامتناع والفرار منه كسائر الاجنبيات وكذا الوتن وجهاتز ويحبا باطلاً وسلمت اليه فالحكم في هذا كله كالحكم في المطلقة ثلاثاً

ولو طلقها ثلاثاً ثم جحد طلاقها لم تترثه نص عليه أحمد وبه قال قتادة وأبو حنيفة وأبو يوسف والشافعي وابن المنذر وقال الحسن تترثه لأنها في حكم الزوجات ظاهراً ولما أنها تعلم أنها اجنبية فلم تترثه كسائر الاجنبيات وقال أحمد في رواية أبي طالب تهرب منه ولا تنزوح حتى يظهر طلاقها ويعلم ذلك يحكى فيديها فتزد عليه وتعاقب وإن مات ولو يبر بطلاقها لا تترثه لا تأخذ ما ليس لها تفرمته ولا تخرج من البلد ولكن تختفى في بلد هاقيل له فإن بعض الناس قتال تقتله هي بمنزلة منيد فعن نفسه فلم يعجبه ذلك فمنعها من النزوح قبل ثبوت طلاقها لأنها في ظاهر الحكم زوجة هذا المطلق فإذا تزوجت غيره وجب عليها في ظاهر الشرع العقوبة والرد إلى الأول ويجتمع عليها زوجان هذا بظاهر الأمر وذلك بباطنه ولو يأذن لها في الخروج من

ع لا يخفى على العاقل أن قوله لا تنزوح لا يدل على حرمة النزوح لو تزوجت وإنما هو مجرد مشورة صيانة من العقاب الديني كما يدل على ذلك قوله فتزد عليه وتعاقب ظفر - عه تقييده بظاهر الشرع دليل على أن لا عقوبة عليها في الباطن - ظفر سه صريح في أنها لو تزوجت كان الآخر زوجها في الباطن وهذا هو معنى صحة النكاح - ظفر

البلد لان ذلك يقوى التهمة في نشوزها ولا في قتله قصد الان الدافع عن
نفسه لا يقتل قصداً فاما ان قصدت الدفع من نفسها قال الى نفسه فلا اثر
عليها ولا ضمان في الباطن فاما في الظاهر فانها تؤخذ بحكم القتل ما لم
يثبت صدقها اهـ ص ٢٣ جـ ٨ وفي كل ذلك دلالة على ان القول بان
يستحلف الزوج ثم يكون الاثر عليه ليس من اقوال الاثمة الاربعة
في شئ واكثر اهل العلم على خلافه وانما هو قول الحسن ومن وافقه
والصحيح ما قاله الاكثرون فمن اتى بهذا القول ممن سماه الجهلاء
بامام الهند فهو جاهل لا معرفة له بصحيح القول من سقيم وفيه
دلالة ايضاً على ان المرأة اذا سمعت من زوجها الطلاق الثلاث وثبت
ذلك عندها بقول عدلين وانكره الزوج ومجد فالمرأة اجنبية منه محرمة
عليه في الباطن لا يحل لها تمكينه من نفسها ولا الاقامة عنده كسائر الاجنبيات
ومن ادعى انه يستلزم كون الطلاق بيد المرأة وان لها ايقاعه على نفسها فقد
بغى على نفسه بالجهل والسفه فان الطلاق انما هو بيد الزوج وليس معناه ان
لا يثبت حكمه ما لم يقرب به فلو طلق ومجد ثبت حكم الطلاق لعدم توقف
وقوعه على اعترافه به الا ترى انه لو زنى بامرأته وانكره هل يحل لها
ان تمكث من نفسها؟ كلا فهل لاحد ان يقول ان ذلك يستلزم كون الفرقة
بيد المرأة سلمنا فماذا يقول لو قبلت المرأة ابن زوجها او مكنته من نفسها
وانكره الزوج فهل يجوز لها ان تقيم معه وتعاشره معاشرة الأزواج؟ فافهم
وفيه دلالة ايضاً على انها لا ترثه لانها تعلم انها اجنبية عنه كسائر
الاجنبيات ومقتضى هذا التعليل انها لو تزوجت بأخ جاز لها ذلك ديانةً
ويكون الاخر زوجها بالباطن وانما منعها احمد من الزوج مخافة ان
يحيى الاول فيدعيها فترد عليه وتعاقب وكذا يجتمع عليها زوجان هذا
بظاهر الامر وذاك بباطنه فلو امتنت من محيى الاول وادعائه اياها
لكونها في منعة من قومها او لكونها في بلدة لا قاضى بها لم تمنع من الزوج
وهذا هو قول اصحابنا الحنفية شكر الله سعيهم قال المحقق في فتح القدير

سئل نجر الدين النسفي عن رجل حلف بالطلاق الثلاث وظن انه لم يحنث فافقت المرأة بوقوع الثلاث وخافت ان اعلمته بذلك ان ينكر هل لها ان تستحل بعدها يفارقها بسفر وتامره اذا حضر بتجديد العقد قال نعم ديانته اهـ (ص ٣٢٤) لم يذكر فيه خلافاً وابن الهمام اعرف الناس بمذهب ابي حنيفة واختلاف اصحابه (فهو يقول الجاهل الذي لقبه السفهاء بامام الهند بان ابن الهمام ونجم الدين النسفي كلاهما جاهلان او مفسدان ؟ كلا بل الجاهل من جهلهمما والمفسد من نسبها الى الفساد) وفي قوله : وخافت الخ دلالة على انها لو لم تخف منه جاز لها ان تستحل علانية لان كل ما جاز سرّاً فهو جائز علناً اذا لم يكن في الاعلان به فتنة وقد عرف ان نكاح التحليل مؤبد ليس بموقت اصلاً . فمن ادعى انها لا يجوز لها ان تتزوج باخر علانية مطلقاً فقد خلع ربة العلم والفقه عن عنقه وهذه حادثة الفترى افقتت فيها بان المرأة اذا سمعت من زوجها الطلاق الثلاث لم يحل لها تمكينه من نفسها وعليها ان تفر منه وتخرج من بيته او تفتدي منه ان قدرت ولها ان تعتد وتتزوج باخر بعد العدة وتحلل نفسها فان طلقها فلها ان ترجع الى الاول فخالفتني في ذلك بعض من لامس له بالفقه وتثبت باقوال من لقبه السفهاء بامام الهند ونحوه وهو ملحد في دين الله محرف لكلامه يدل على ذلك تفسيره بالهندية ويشهد عليه اعماله واحواله واحتج بان الطلاق بيد الزوج لا بيد المرأة والزوج منكر للطلاق فهي امرأتها في القضاء فلا يجوز لها ان تعتد وتتزوج بغيره ديانته ولا قضاء ما لم يقر الزوج بالطلاق او تختلع منه وادعى ان الافتاء بالتزويج بغيره خلاف المذهب الصحيح ولا دليل يدل على ذلك من الكتاب والسنة واقوال الفقهاء فاجبت بان ذلك هو مقتضى قول الله عز وجل فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره فقد دل على ان الطلاق الثلاث يحرم المرأة على الاول ويبح لها ان تنكح زوجاً غيره مطلقاً سواء اقربه الزوج او اكره وهو قول اكثر اهل العلم ما خلا الحسن البصري ومن وافقه وهذا هو مقتضى اطلاق المتن قال في البحر واطلق فمثل ما اذا كان الزوج الاول معترفاً

بالطلاق الثلاث او منكر بعد ان كان الواقع الطلاق الثلاث ولهذا قالوا
 لو طلقها ثلاثاً وانكر لها ان تتزوج بآخر وتحلل نفسها سرّاً منه (وما كان
 مباحاً سرّاً فهو مباح علناً وانما اشاروا عليها بالتحليل سرّاً لان القاضي لا يقبل
 قولها من غير بينة ولو تزوجت علناً ردها القاضي الى الاول وعاقبها وعاقب
 الزوج الثاني كما هو ظاهر) اذا غاب في سفر فاذا رجع التمس منه تجديد النكاح
 لشك خالج قلبها (وهذا هو ما ذكره المحقق في الفتح ولو يذكر فيه خلافاً كما مر)
 وقد ذكر في القنية خلافاً (ولا عبرة بنقله ما لو يتأيد بنقل غيره من الثقات و
 اما مجرد ذكر صاحب البحر وصاحب الدر قول القنية فلا يدل على بثوث الخلاف
 في المسئلة) فرقم لا يصل بانها ان قدرت على الهروب منه لو يسعها ان تقعد
 وتتزوج بآخر لانها في حكم زوجية الاول قبل القضاء بالفرفة ثم رمن
 شمس الائمة الا وزجدي وقال قالوا هذا في القضاء ولها ذلك ديانة (هذا
 هو الذي افتيت به وجمعت به بين القولين وصرح به العلامة الشامي فماذا
 يقول الذي لقبه السفهاء بامام الهند في شمس الائمة الا وزجدي هل هو
 جاهل او مفسد؟ قائلهم ان يؤفكون. فتباً للعقول المحكوسة والقلوب
 المنكوسة حيث ردتته قائلة بان ذلك من ابحاث الشامي ولا عبرة بابحاث ابن
 الهمام فما ظنك بمن هو دونه ولا يشك عاقل في انه ليس من ابحاث الشامي
 قط وانما هو من اقرال المشائخ منقول عن كثيرين منهم) قال وكذلك ان
 سمعته طلقها ثلاثاً ثم جحد وحلف انه لم يفعل وردها القاضي عليه لو
 يسعها المقام معه ولم يسعها ان تتزوج بغيره ايضاً (لانها لو تزوجت بعد
 ما ردها القاضي على الاول اجتمع عليها زوجان هذا بظاهر الامر وذلك
 بباطنه فلا دلالة فيه على عدم جواز التزوج لو امنت من رد القاضي اياها
 عليه لكونها في منعة من قومها او ببلدة لا قاضي بها فافهم) قال يعني البديع
 والحاصل انه على جواب شمس الاسلام الا وزجدي ونجوم الدين النسفي و
 السيد ابى شجاع وابى حامد والسرخسي يحمل لها ان تتزوج بزواج آخر فيما
 بينها وبين الله تعالى (فماذا يقول الذي لقبه السفهاء بامام الهند في

هؤلاء الاجلة الفقهاء هل كانوا كلهم مفسدين او جهلاء؟ فانهم قد افتوا بما
 افتييت به واتبعوا ما اقتديت به) وعلى جواب الباقيين لا يحل انتهى (قلت جواب
 الباقيين مقيد بما اذارد ها القاضي على الاول او خافت ان يرد ها عليه فلا تزوج
 علناً وانما تحلل نفسها سرا كما تقدم) وفي الفتاوى السراجية: اذا خبرها ثقة
 ان الزوج طلقها وهو غائب وسعها ان تعتد وتزوج ولو يقيده بالديانة
 (فكيف لو شهد عندها عدلان او سمعت الطلاق بأذنيها) قال المصنف (اي صاحب
 الكثر) وقد نقل — (الى) طلق امرأته ثلاثاً وغاب عنها فلها ان تتزوج
 بزواج آخر بعد العدة — ونقل آخر انه لا يجوز في المذهب الصحيح
 اه قلت: انما رقم شمس الأئمة الاوزجندی وهو الموافق لما تقدم عنه (قلت:
 هو قول السرخسي ايضاً كما مر) والقائل بانه المذهب الصحيح العلامة الترجاني
 (قلت: هذا هو حجة الخصم الذي خالفني في حادثة الفتوى وزعم ان العدول
 عن المذهب الصحيح يا طل ولو يدر لمسكين ان المذهب الصحيح لا يثبت بنقل
 صاحب القنية وحده ولا بقول العلامة الترجاني فحسبه فهل يجوز لعاقل
 ان يتهم شمس الأئمة الاوزجندی ونجم الدين النسفي والسيد ابا شجاع و
 ابا حامد والسرخسي وهم ائمة اجلة اعلام مشهورون بنقل المذهب و
 معرفتهم بالافتاء بخلاف المذهب الصحيح ويجعل ما ذكره العلامة الترجاني
 مذهباً صحيحاً؟ كلا فان حمل على القضاء فذاك والا فهو مشكل مخالف
 لتصريحات الفقهاء كافة كما قاله العلامة الشامي واذا كان كذلك فلا
 يكون ما قاله الترجاني مذهباً صحيحاً ما لم يتبين حاله ويعرف طبقته في
 الفقهاء فانه كما اظن رجل مجهول لاسيماً والناقل عنه هو صاحب القنية
 وحده ولا عبرة بنقله ما لم يتأيد بنقل غيره من الثقات كما هو معروف
 عند الفقهاء) ثم رقم بعده لعمر النسفي وقال حلف بثلاثة فظن انه لم
 يحنث وعلمت الحنث وظننت انها لو اخبرته بترك اليمين فاذا غاب عنها بسبب
 من الاسباب فلها التحلل ديانة لا قضاء (هذا هو الذي نقله المحقق عن
 نجم الدين النسفي ولم يذكر فيه خلافاً وهو اعرف الناس بمذهب الحنفية و

(اصوله) قال عمر النسي سألته عنها السيد ابا شجاع فكتب انه يجوز ثوباً لثمة بعد مدة فقال انه لا يجوز والظاهر انه انما اجاب في امرأة لا يوثق بها اه كذا في شرح المنظومة رقلت: ويحتمل انه افق بالديانة مرة وبالقتل اخرى وافق مرة فيمن قدرت على الفرار من الزوج الاول وامنت الرد عليه واخرى فيمن لم تقدر على ذلك فافهم).

وفي البزازية: شهد رقلت: واما اذا كانت ببلدة لا قاضى بها فحضور الزوج وغيبته سواء لانه انكر لم يحتج الى القضاء بالفرقة كما لا يخفى وهذا اذا شهد بالطلاق الثلاث واحد واما اذا شهد به ثقتان فهو اذا سمعته باذنيها يجب عليها ان تفر منه ولها ان تزوج بأخر سر التحلل به نفسها اذا كانت ببلدة بها قاض يخاف ان يردّها على الاول او علناً ان امتن ذلك كله لانها تعلم انها اجنبية منه محرمة عليه فلها من الحكم ما للاجنبيات ومن ادعى غير ذلك فعليه البيان) وفيها سمعت بطلاق زوجها اياها ثلاثاً ولا تقدر على منعه الا بقتله ان علمت انه يقربها تقتله بالداء ولا تقتل نفسها (صرح في كونه اجنبياً عنها فيما بينهما وبين الله تعالى) وذكر الا وزجدي انها ترفع الامر الى القاضي فان لم يكن لها بينة تخلفه فان حلف فالا شر عليه (قد تقدم انه ليس من اقوال الائمة الاربعة في شئ وليس بصحيح وانما هو قول الحسن البصري ومن وافقه وخالفه في ذلك اكثر اهل العلم) وان قتلت فلا شئ عليها والبائن كالثلث (صرح في انها لا تحل للاول بعد حلفه ايضاً والا لم يجز لها ان تقتله) وفي التارخانية وسئل الشيخ ابو القاسم عن امرأة سمعت من زوجها انه طلقها ثلاثاً ولا تقدر ان تمنعه نفسها بل يسعى ان يقتله في الوقت الذي الذي يريد ان يقربها ولا تقدر على منعه الا بالقتل فقال لها ان تقتله وهكذا كان فتوى الشيخ الامام شيخ الاسلام عطاء بن حمزة ابي شجاع وكان القاضي الامام الاسيحي يقول ليس لها ان تقتله وفي الملتقط وعليه الفتوى (محمول على انها لا تقتله

قصد الآن الدافع لا يقصد القتل ولها ان تدفعه عن نفسها بما يمكن ولو آل
الى نفسه فلا شئ عليها في الباطن كما مر في قول احمد (وفي فتاوى الشيخ الامام
محمد بن الوليد السمرقندي في مناقب ابي حنيفة من عبد الله بن المبارك عن
ابي حنيفة ان لها ان تقتله وفي المحيط في مسألة النظر وينبغي لها ان تقتدي
بما لها وتهرب منه فان لو تقدر قتلت متى علمت انه يقربها ولكن ينبغي
ان تقتله بالدواء وليس لها ان تقتل نفسها قلت: قال في الملتقى وان قتله بالآلة
يجب عليها القصاص اهـ (مشج ٢-٣) (لانها في ظاهر الحكم قتلت زوجها عمداً
وان كانت في الباطن قد قتلت من اراد ان يزن بها فلا ينبغي ان تقتله بالآلة
كيلا تقتل به وفي كل ذلك من الاقوال دلالة صريحة على كون المرأة اجنبية
عن زوجها محرمة عليه اذا سمعت منه الطلاق الثلاث او شهد به عدلان
فلها ان تعتد وتزوج بأخر سرا وتحلل نفسها لو خافت ان يدعيها فتزد
عليه وتعاقب او علناً لو امتن ذلك ولو تخلف ولا يجوز لها المقام عنده ولا
ان تجدد بينها وبينه عقد النكاح حتى تنكح زوجاً غيره قال في البرازية سمع
رجل من امرأة انها مطلقة الثلاث والزوج يقول لابل مطلقة اثنتين لا يبيع
من سمع منها ان يحضر نكاحها (اي بهذا المطلق) ويمنعها ما استطاع اهـ
من البحر (مشج ٥-٥) واما حمل الخصم هذا القول على معنى انه لا يبيع لمن سمع
منها ان يحضر نكاحها بأخر غير المطلق لكونها زوجة المطلق حكماً وقضاءً
فتاويل باطل قطعاً اما أولاً فلان صاحب البحر انما ذكره في تأييد ما ذكره
قبل من قبول قول المرأة دون الزوج ولا يخفى ان قبول قول المرأة انما هو
في المنع من حضور نكاحها بهذا المطلق لكونها تدعى حرمتها عليه واما ثانياً
فلان التاويل الذي ذكره الخصم يردده ما في البحر بعد ذلك عن البرازية ايضاً
وفيهما قالت طلقني ثلاثاً شرارادت تزويج نفسها منه (لكونه ينكح المطلق الثلاث)
ليس لها ذلك اصرت عليه امر كذبت نفسها اهـ مشج ٣-٣ واذ لم يكن لها ذلك
وجب على من سمع منها ان يمنعها من النكاح بهذا المطلق ما استطاع واذ شهد
عند المرأة شاهدان عدلان ان زوجها طلقها ثلاثاً وهو يجحد ذلك لو بيعها

ان تقوم معه وان تدعه يقربها فان حلف الزوج على ذلك فردها القاضى عليه
لا يسعها المقام معه وينبغي لها ان تفتدى بما لها وتهرب منه فان لم تقدر على
ذلك قتلتها متى علمت انه يقربها لكن ينبغي ان تقتله بالدواء وليس لها ان
تقتل نفسها واذا هربت منه لم يسعها ان تتزوج بزواج آخر قال الشيخ شمس
الائمة الحلواني في كتاب الاستحسان هذا جواب الحكم واما فيما بينها وبين الله
تعالى اذا هربت فلها ان تقتد وتتزوج بزواج آخر كذا في المحيط اه عن العالم كبرى
ص ٢٠٢ ج ٢ - قلت: وهذا الذي ذكره من حكم الديانة مسكوت عنه في قول محمد
وأكثر العلماء وقد صرح به المشايخ الاعلام وحكم القضاء هو المراد بقول
العلاء الترجما في انه لا يجوز لها التزوج بآخر في المذهب الصحيح اه اى هو
المذهب الصحيح قضاء لادبانية ولكن هذا آخر الكلام مع الخصم الا لدفع الغم
والعلم بالله الملك العلام والصلوة والسلام على سيد الانام سيدنا النبي
محمد على الدوام وعلى آله واصحابه البررة الكرام الى يوم القيام والحمد لله
الذى بعزته وجلاله ونعمته تتم الصالحات

حرره الاحقر ظفر احمد عفاعته - ٢٤ رجب ١٢٥٠ هـ

ازتهانه بهون

فصل فی الخلع واحکامہ والطلاق علی مال

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس
خلع لے سکتی ہے یا نہیں مسئلہ میں (۱) کہ اپنے ماں باپ کے کہنے پر عورت خلع لے سکتی ہے؟

(۲) عورت ماں باپ کے گھر میں ہے۔

(۳) عورت مہر کے ساتھ خلع چاہتی ہے کیا درست ہے؟

(۴) شوہر کہے کہ میری شادی کا خرچہ عورت دے تو خلع دیتا ہوں اس کا کہنا جائز ہے؟

الجواب :- (۱) محض والدین کے کہنے سے عورت کو خلع لینا جائز نہیں بلکہ اس وقت
جائز ہے جبکہ عورت یہ جان لے کہ مجھے اس شوہر کے ساتھ موافقت اور نباہ نہیں ہو سکتا

قال فی الدر: ولا بأس به عند الحاجة للشقاق بعد الموافق اه

(۲) اگر عورت ماں باپ کو وکیل بنادے تو وہ اسکی طرف سے وکالت خلع لے سکتے ہیں۔

(۳) اگر بضرورت خلع لے رہی ہے تو مہر کے ساتھ خلع کرنا جائز ہے۔

(۴) اگر زیادتی مرد کی جانب سے ہے تو اسکو بشرط معافی مہر کرنا بھی جائز نہیں اس سے
زیادہ کی شرط کرنا تو بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوگی اور اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہے تو بشرط معافی
مہر تو بلا کراہت جائز ہے اور اس سے زیادہ لینا مکروہ تنزیہی ہے

قال فی الدر: وکره تحريماً اخذ شيئاً ويلحق به الابراء اعمالها عليه ان
لشذوان ان نشزت لا ولمنه نشوز ايضاً ولو باكثر مما اعطاها على الوجه و
تعبير الملتقى بلا بأس به يفيد انها تنزيهية وبه يحصل التوفيق اه (ص ۹۲۳)

بشرط معافی مہر طلاق کی ایک صورت (سوال) اگر کوئی شخص یہ شرط کرے کہ تم میری
لڑکی کو طلاق دیدو وہ شخص اس شرط پر طلاق دیدے کہ ”تم مہر کا دعویٰ نہ کرو تو طلاق“ کیا یہ
طلاق مقبول ہوگی۔ اگر وہ مہر کا پھر دعویٰ کرے تو کیا طلاق واقع ہوگی؟

الجواب :- ان الفاظ سے ابھی طلاق کا وقوع نہیں ہوا چاہے دوسرے
فریق دعویٰ مہر کرے یا نہ کرے بلکہ وقوع طلاق اس شخص کی موت کے وقت ہوگا جسے شوہر نے

یہ کہا ہے کہ اگر تم مہر کا دعویٰ نہ کرو لانا چھ یظہر عدم ادا عامہ یا اس وقت ہوگا جبکہ دوسرا شخص مہر سے شوہر کی برائت اور اپنا لا دعویٰ ہونا پوری بخشگی کے ساتھ چند گواہوں کے سامنے تحریر کر دے کہ عرفاً اس سے بھی دعویٰ کا عدم متحقق ہو جاتا ہے اور محاورہ کے موافق اگر اس شخص سے جس نے یہ قول زبان سے کہا ہے کہ ”اگر تم مہر کا دعویٰ نہ کرو تو طلاق“ اس طرح کی تحریر کے بعد دریافت کیا جائے کہ آیا تیری شرط متحقق ہو گئی یا نہیں؟ تو وہ ضرور کہہ دے گا کہ ہاں، اب شرط متحقق ہو گئی کیونکہ مقصود اس قول سے کہ ”اگر تم مہر کا دعویٰ نہ کرو“ یہ ہے کہ مجھے عدم دعویٰ کا اطمینان ہو جائے جسکی ایک صورت موت بھی ہے اور عرفاً ایک صورت یہ بھی ہے جسکو محاورات میں عدم دعویٰ کا مصداق سمجھتے ہیں ومثل ذلك يعتبر في الكلام وفي الفتاوى رجل عاتبت امرأة في شرب الشراب فقال: ان تركت شربه ابدأ فانت طالق ان كان يعزم ان لا يترك شربه لا يثبت وان كان لا يشربها كذا في الخلاصة اه من العالمگریة (ص ۱۱۰ ج ۲) فقد جعل عزم الشرب شرباً مع تركه ظاهراً تبعاً للمحاوره والعرف فينبغي ان يكون في الصورة المذكورة ايضاً كذلك فان اقرار الرجل عند الحاكم ببراءة الخصوم من المهر والشهادة على كتابته بالبراءة منه وان الكاتب لا يستحق دعوى على ذلك اصلاً بمنزلة عدم الدعوى عرفاً وهذا هو الذي يريد المتكلم بقوله اگر تو دعویٰ نہ کرے

قال في الدر وغيره: في ان لو اطلقك يقع في آخر عمره الخ والله اعلم
حورہ الاحقر ظفر احمد عفا الله عنه

۲۹ شعبان ۱۴۲۸ھ

(سوال) ہمارے شہر کا ایک شخص مسشی بہ میر عالم شوہر بذریعہ خط اپنے باپ کو وکیل بالخلع بنا دے اور عورت کا اس سے خلع کا مطالبہ کرنا اور ایسی صورت میں خلع کے بعد نکاح ثانی کرنا۔

اس عرصہ میں اسکی کتابت ہم سے رہی اس کے خط سے ہم بخوبی واقف ہیں شناخت کر سکتے ہیں اسکی منکوہ وطن میں تھی جسکو وہ بغیر شادی کے سسرال کے گھر چھوڑ گیا تھا ایک سال ہوا کہ میر عالم کی خوشدامن نے لڑکی کو دوسری جگہ دینا چاہا میر عالم کے والد سے کہا کہ یا تو اسکو بلاؤ آکر شادی کرے یا میری لڑکی کو طلاق دیدے کہ میں دوسری جگہ شادی کروں والد میر عالم نے خط و کتابت شروع کی کبھی وہ

آنیکا وعدہ کرتا اور کبھی وہ طلاق کا وعدہ کرتا آخر والد کے مجبور کرنے پر اس نے لکھ دیا کہ یہ عورت میرے کام کی نہیں میں شادی نہیں کرتا آپ میری طرف سے مختار ہیں اتنا روپیہ اگر دیوے تو بیشک کر دو آپ کا فیصلہ مجھے منظور ہو گا یہ خط سابقہ تحریروں کے موافق تھا مشابہ تام حتی کہ ہم نے اسی کا ظن کر کے والد سے طلاق دلوائی۔ اور خلع وصول کر لیا والد نے فارغ خطی لکھ دی ہے اب میں مسماۃ کا دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میں شہر گرامام ہوں اور کل واقعات اور خط و کتابت سے اور مشابہت خطوط سے اور دیگر قرائن سے ظن غالب صحت ہے اور ایک مولوی صاحب دوسرے شہر کے الخطی شبہ الخط سے استدلال کر کے مختار نامہ کو غلط قرار دیتے ہیں فریقین میں کوئی نزاع نہیں فقط مولوی صاحب معترض ہیں۔

(۱) کیا مختار نامہ صحیح اور طلاق واقع ہوئی ہے اور اس کا نکاح میں دوسری جگہ پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟

(۲) اگر سابقہ تحریر غیر معتبر عند الشرع ہے تو رجسٹری خطوط سے یا اور کسی طریق سے ہم اسکی قلمی فارغ خطی منگا کر دوسری جگہ نکاح کر کے دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- (۱) قال فی الخلاصة :- والکتابۃ علی ثلثة اوجه ان کتب علی وجه الرسالة وهو ان یکتب علی صحیفۃ مصدر مصنوعاً وثبت ذلک باقراره و بیئۃ فہو کا الخطاب اھ

وفیہ ایضاً :- ولو جحد الزوج الکتاب وقامت علیہ البینۃ انه کتب بیدہ فرق بینہما اھ (ص ۹۱ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ معاملات میں خط اس وقت حجت ہے جبکہ کاتب کے اقرار یا بیئۃ سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ اس کا خط ہے نیز اگر کاتب خط کا انکار کر دے تو محض تشابہ خط سے اسکو مجبور نہیں کیا جاسکتا بلکہ بیئۃ عاقلۃ (یعنی دو گواہ) اگر شہادت دی کہ یہ خط کاتب نے ہمارے سامنے لکھا ہے اس وقت اسکو مجبور کیا جاسکتا ہے۔ اور باقی مکتوب الیہ کو اسکے خط کی شناخت ہونا اور اس سے غلبہ ظن ہونا یہ معاملات میں کافی نہیں البتہ دیانات میں کافی ہے پس صورت مسئلہ میں یہ خلع اس وقت صحیح و نافذ ہو گا جبکہ میر عالم اقرار کرے کہ یہ خط میرا ہی ہے یا دو مسلمان عادل گواہی دیں کہ اس نے ہمارے سامنے لکھا ہے جب تک وہ اقرار نہ کرے یا بیئۃ قائم نہ ہو اس وقت تک اس عورت کا نکاح دوسری جگہ نہ کیا جائے۔

(۲) رجسٹری خطوط اور قلمی فارغ خطی بھی تحریر ہی ہونگی اس کے لئے بھی اقرار یا بیہیہ کی ضرورت ہوگی۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۵ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ

رسالہ قطع اللہ حاج فی بعض احکام الخلع والطلاق
(سوالات) مکرم و محترم سید
وتعدد الزوجات، (خلع طلاق مغلف اور تعدد
ازواج کے متعلق چند سوالات)
مولانا اشرف علی صاحب دام الطافکم:
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں خدمت سانی میں چند استفسارات پیش کر کے آپ کی اسلامی اخوت اور قومی ہمدردی سے متوقع ہوں کہ آپ اپنے اوقات عزیز کے چند لمحہ صرف کر کے حتی المقدور جلد ان کے جواب دینے کی کوشش کرینگے جواب کی آسانی کیلئے سوالات کے سامنے نصف کالم سادہ چھوڑ دیا ہے تاکہ آپ کو سوالات نقل کر نیکی زحمت نہ ہو اور ان کے محاذ میں صرف جواب لکھ کر یہاں بھیج دیا جائے اگرچہ یہ تمام سوال ضروری معلوم ہوتے ہیں تاہم اگر آپ کو کسی سوال کا جواب دینے میں کسی وجہ سے تاہل ہو تو اسے چھوڑ کر بقیہ کا جواب تحریر فرما دیا جائے میں آپ کی اس تکلیف کا (مجاہد ریاست) شکر گزار ہوں گا۔ فقط خیر طلب ضیاء العلوم مفتی محمد انوار علی ایم اے منشی فاضل سکریٹری صحت عامہ و تعلیمات گورنمنٹ بھوپال عبدالرزاق۔ ۲۹ نومبر ۲۰۰۸ء متعلق خلع :-

(۱) کیا حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتحيات کے عہد مبارک میں خلع کا کوئی واقعہ ہوا تھا۔؟

(۲) اگر ہوا تھا تو اس کا فیصلہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ یا کسی اور نے؟

(۳) اس فیصلہ میں تفریق محض سائلہ کی خواہش کی بناء پر کی گئی تھی یا اس کے وجہ و اسباب کی تحقیق کر نیلے بعد اس کی بناء پر حکم صادر فرمایا گیا تھا۔؟

(۴) اس میں تفریق کا مرد کو حکم دیا گیا تھا یا اس کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

(۵) تفریق کے ساتھ کوئی شرط لازم کی گئی تھی یا نہیں؟

(۶) زمانہ بعد میں فتویٰ اس فیصلے کے مطابق رہا یا اس میں کچھ ترمیم کی گئی؟

(۷) اگر کچھ ترمیم ہوئی تو کیا اور کن وجوہ اور دلائل کی بناء پر ایسا کیا گیا؟

مع تصار السوال والجواب قدرا معتدا بہم جملہ سیدی حکیم الامتہ رسالہ مستقلة وسماہ بدہ ظفر

متعلق طلاق مغالطہ

(۱) کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں طلاق مغالطہ کے واقعات پیش آئے تھے اور اگر آئے تھے تو انکی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک کیا تھا۔

(۲) کیا ایک وقت میں تین طلاقیں دینا آیت "الطلاق مرتان" کے خلاف نہیں ہے؟

(۳) عہد خلفائے راشدین کا دستور العمل کیا تھا؟

(۴) آئمہ اربعہ کے اس بارہ میں اقوال کیا ہیں؟

(۵) آپ کی ذاتی رائے اس معاملہ میں کیا ہے؟

متعلق تعدد اذواج

قرآن حکیم نے ایک بیوی کے ہوتے ہوئے مزید نکاح ایک خاص شرط پر مشروط کیا ہے لیکن بالعموم اب لوگ اس کا خیال کئے بغیر محض نفسانی خواہشات کی بناء پر ایسا کرتے ہیں اور فرمان الہی "فان خفتوا لا تعدلوا فواحدة" کو فراموش کیے ہوئے ہیں اس لئے اگر کوئی اسلامی ریاست قرآن کے فرمان کی اتباع میں قانوناً کوئی ایسی قید عائد کرے کہ مثلاً کوئی شخص جب تک اپنی ضرورت اور استطاعت عدل کی بابت قاضی کو اطمینان دلا کر اس کی اجازت حاصل نہ کرے تب تک وہ اس کا مجاز نہ ہو۔ تو کیا آپ کی رائے میں یہ مناسب ہوگا یہاں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ہمارے یہاں قانوناً ہر نکاح محکمہ قضا کی اجازت کا محتاج ہے اور اگر کوئی شخص اجازت کے بغیر نکاح پڑھ دے تو فریقین کے ساتھ وہ بھی ملزم قرار دیا جاتا ہے اسلئے اگر بالفرض مجوزہ بالا صورت آپ کے نزدیک نامناسب ہو تو کیا پھر مجوزہ حالت معاملات مذہبی میں مداخلت نہیں ہے۔ اسکی نسبت آپ کا کیا خیال ہے فقط

الجواب واللہ الموفق للصواب

تقریباً جواب سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ سوال جس صورت سے کیا گیا ہے وہ خلاف قاعدہ ہے کیونکہ کسی معاملہ کے متعلق یہ دریافت کرنا کہ اس کا کوئی واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیش آیا تھا یا نہیں۔ محض امر زائد ہے۔ قانون اسلام مکمل قانون ہے اس میں قیامت تک پیش آنے والے واقعات کا حکم موجود ہے خواہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آئے ہوں یا نہ آئے ہوں اور ظاہر ہے کہ جو قانون قیامت تک کے واقعات کو محیط ہو گا وہ صرف ان واقعات کے ساتھ مخصوص کیونکہ

ہو سکتا ہے جو حضورؐ کے زمانہ میں پیش آئے ہوں

دوسرے : فاضل مستفتی کو معلوم ہے کہ اس زمانہ میں مجتہد کوئی نہیں بلکہ جملہ علماء مقلد ہیں جو اس قانون کے موافق جو مجتہدین اُمت قرآن و احادیث سے مستنبط کر کے مدون کر گئے ہیں فتوے دیتے ہیں پس ان علماء مقلدین سے یہ سوال کرنا کہ اس واقعہ میں حضورؐ نے کیا فیصلہ کیا اور یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا تھا یا نہیں ؟ امر زائد ہے بلکہ ان سے تو صرف اتنا سوال کیا جا سکتا ہے کہ ائمہ مجتہدین نے قرآن و حدیث سے مستنبط کر کے جو قانون اسلام مدون کیا ہے اس میں اس واقعہ کے متعلق کیا حکم ہے ؟ پس جس صورت کے سوال ہمارے سامنے ہے اس صورت پر جواب دینا ہمارے ذمہ لازم نہیں مگر تبرعاً محض اس غرض سے ہم فاضل مستفتی کے ہر سوال کا جواب دیتے ہیں کہ شاید کسی کو مجتہد کا ماخذ اور دلیل معلوم کرنے کا شوق ہو تو اس کا یہ شوق بھی پورا ہو جائے اس ضروری گزارش کے بعد ہم سوالات کا جواب شروع کرتے ہیں والٹر الموفق

جواب سوال اول متعلق خلع

محترم سائل نے اس کے متعلق متعدد سوالات کئے ہیں اور یہ کچھ ظاہر نہیں کیا کہ ان سوالات کثیرہ کا منشا کیا ہے ؟ بظاہر ہم نے جو ان کا منشا سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ سائل محترم خلع کو اور تفریق بالخلع کو حاکم کے فیصلہ پر منحصر رکھنا چاہتے ہیں اور یہ کہ بدون فیصلہ حاکم کے خلع معتبر نہ ہو اگر یہی منشا ہے جو ہم سمجھتے ہیں تو سائل محترم کو معلوم ہونا چاہئے کہ شرعاً خلع حاکم اسلام کی اطلاع اور اس کے فیصلہ پر موقوف نہیں بلکہ بدون علم حاکم و بغیر اطلاع حاکم بھی مرد اپنی بیوی سے یا زوجہ اپنے مرد سے بتراضی خلع کر سکتی ہے اور جب زوجین بتراضی باہم خلع کر لیں تو خلع سے ایک طلاق بائن عورت پر واقع ہو جائیگی اگر اس سے زائد کا نام نہ لیا گیا ہو یا زوج نے زائد کی نیت نہ کی ہو اور اگر دو یا تین طلاق پر خلع کیا گیا ہو تو جس عدد کا نام لیا گیا ہے وہی واقع ہوگا یا زوج نے لفظ خلع سے تین طلاق کا قصد کیا ہو تو تین ہی واقع ہونگی :

قال فی الہندیۃ :- الخلع ازالة ملك النکاح ببدل بلفظ الخلع کذا فی فتح القدير . و شرطه شرط الطلاق وحكمه وقوع الطلاق البائن کذا فی التبيين ويصح بنية الثلاث فيه - حضرة السلطان ليس بشرط لجواز الخلع عند عامة العلماء والصحيح قولهم کذا فی البدائع : اذا تشاق الزوجان او خافا ان لا

یقیم احدود الله فلا بأس بان تفتدى نفسها منه بمال يخلعها به فاذا فعل
ذلك وقع تطليقة بامنة ولنزولها المال كذا في الهداية اه (ص ۱۳۰ ج ۲)
وفي رحمة الامة : والتفق العلماء على ان المرأة اذا كرّحت زوجها بقبیح
منظور او سوء عشرة جاز لها ان تخلعه على عوض وان لم يكن من ذلك بشئ
وتراضيا على الخلع من غير سبب جاز ولو يكره الخ (مكتا)
اب اس کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

روى مالك في الموطا والشافعي عنه عن هشام عن ابيه عن جهمان عن امر
بكرة الاسلمة انها اختلعت من زوجها عبد الله بن خالد بن اسيد ثرا تيا
عثمان في ذلك فقال هي تطليقة الا ان تكون سميت شيئا فهو ما سميت اه كذا
في التلخيص الجيد (ص ۳۱۶ ج ۲)

اس سے صرف ثابت ہے کہ زوجین نے بدون اطلاع حاکم کے خلع کر لیا پھر حضرت عثمان کی طرف
رجوع کیا تو انہوں نے فرمایا کہ خلع ایک طلاق ہے مگر یہ کہ اس سے زائد کا نام لیا گیا ہو تو جو کہا گیا ہو
وہی واقع ہوگا۔ معلوم ہوا کہ تفریق خلع کا مدار حاکم کی تفریق پر نہیں بلکہ لفظ خلع خود ایک طلاق ہے
امام مالک نے موطا میں روایت کیا ہے۔ عن رافع ان ربيع بنت معوذ بن عفراء جاءت هي
وعصمها الى عبد الله بن عمر فاخبرته انها اختلعت من زوجها في زمان عثمان بن عفان
فبلغ ذلك عثمان فلم ينكره وقال عبد الله بن عمر عدتها المطلقة اه (ص ۳۰۰ ج ۲
مع الزرقاني)

اس میں بھی تصریح ہے کہ زوجین نے بدون اطلاع حاکم خلع کر لیا جب حضرت خلیفہ کو
اسکی خبر پہونچی تو آپ نے اس پر انکار نہیں کیا اور عبد اللہ بن عمر نے خلع کو طلاق قرار دیا پس خلع کو یا
تفریق بالخلع کو فیصلہ حاکم پر موقوف کرنا غلط ہے اور اگر ایسا کیا گیا تو یہ مداخلت فی الدین میں
داخل ہوگا۔ اب میں محترم مستفتی کے سوالات کا جواب بھی دینا چاہتا ہوں جو خلع کے متعلق انہوں نے
کئے ہیں۔

قال الحافظ وهغه احمد بجهمان اه قلت: قال الحافظ في التقریب مدنی قدیم مقبول من
الثالثة اه وفي تهذيب التهذيب ذكره مسلم في الطبقة الاولى من اهل المدينة وذكره ابن حبان
في الثقات (ص ۲۰ ج ۲) فالحدیث صحیح ولا اقل ان يكون حسنا۔ ظفر۔

(الف) ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی خلع کا واقعہ پیش آیا ہے جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے اور اس سے پہلے اس امر کی تصریح کر دی ہے۔

واجاز عمر الخلع دون السلطان ای بغیب اذ نہ کہ حضرت عمرؓ نے خلع کو بدون اطلاع حاکم و سلطان کے بھی جائز قرار دیا ہے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں مصنف ابن ابی شیبہ سے اسکو موصولاً اس طرح روایت کیا ہے کہ بشر بن مروان (حاکم مدینہ) کے پاس ایک مرد و عورت کے خلع کا واقعہ پیش ہوا تو اس نے خلع کو جائز قرار نہ دیا، تو عبد اللہ بن شہاب خولانی نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے خلع کو جائز قرار دیا ہے اور طحاوی نے کہا ہے کہ جو لوگ خلع کو اذن سلطان پر موقوف رکھتے ہیں ان کا قول شاذ ہے جم غفیر کے مخالف ہے اور قیاساً بھی غلط ہے کیونکہ جب طلاق بدون اذن حاکم کے جائز ہے تو ایسے ہی خلع ہے (مشکوٰۃ ج ۹-۱۰) تفصیل اس واقعہ کی جو حضورؐ کے زمانہ میں واقعہ ہوا تھا یہ ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا یا رسول اللہ میں ثابت بن قیس کے دین اور اخلاق میں عیب بیان کرنا نہیں چاہتی لیکن میں (اُن کے نکاح میں رہ کر) اسلام میں کفر کا اندیشہ کرتی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان کا باغ انکو واپس کر دو گی؟ کہا، ہاں، تو حضورؐ نے (ثابت بن قیس سے) فرمایا کہ باغ کو قبول کر لو اور اسکو طلاق دیدیہ بخاری کی روایت کا ترجمہ ہے اور نسائی کی روایت میں یہ ہے کہ ثابت بن قیس نے کسی بات پر اپنی بیوی کو مارا تھا اور ہاتھ توڑ دیا تھا۔ اور عبد الرزاق کی روایت میں یہ ہے کہ بیوی نے حضورؐ سے عرض کیا کہ مجھ کو خدا نے جو حسن و جمال دیا ہے وہ آپ کو معلوم ہے اور ثابت بن قیس بد صورت ہے۔ اور یہ جو کہا کہ مجھ کو اسلام میں کفر کا اندیشہ ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ میں انکے ساتھ اسلامی قاعدہ کے موافق بناہ نہیں کر سکتی بلکہ اندیشہ ہے کہ اُن کی نافرمانی کروں اور شوہر کی نافرمانی اسلام کے خلاف ہے اور یہ کافر عورتوں کا کام ہے ذکرہ الحافظ فی الفتح۔ واللہ اعلم

(ب) اس واقعہ میں یہ ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع کا فیصلہ فرمایا مگر اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ بدون حضورؐ کے فیصلہ کے خلع نہ ہو سکتا تھا بلکہ اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ عورت نے اپنے شوہر سے بلا واسطہ اس معاملہ کی گفتگو کی ہی نہیں بلکہ وہ ابتداءً خود حضورؐ کے پاس آگئی۔ اور چونکہ زوجین میں باہم خلع کی کچھ گفتگو نہیں ہوئی تھی اسلئے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول عورت سے دریافت کیا کہ تم مہر واپس کر سکتی ہو جب وہ اس پر راضی ہو گئی تو حضور نے مرد سے فرمایا کہ اپنا باغ لیکر اس کو طلاق دیدنو۔ اور اگر زوجین میں خلع کی گفتگو پہلے ہو جاتی تو پھر طلاق کے حکم ضرورت نہ تھی کیونکہ خلع خود ہی طلاق ہے (ج) اس واقعہ میں محض سائلہ کی خواہش کی بناء پر تفریق کی گئی اور اسکے وجوہ و اسباب کی تحقیق کی ضرورت اسلئے نہیں ہوئی کہ سائلہ نے خود وہ اسباب بیان کر دیئے تھے جنکی بناء پر وہ خلع چاہتی تھی۔

(ح) اس واقعہ میں مرد کو تفریق کا حکم دیا گیا تھا مگر یہ حکم وجوب کیلئے نہ تھا بلکہ بطور ارشاد و اصلاح کے تھا۔ قالہ الحافظ فی الفتح (ص ۳۵ ج - ۹) مرد پر عورت کی درخواست کے بعد خلع کا قبول کرنا واجب نہیں بلکہ اس کو اختیار ہے کہ قبول کرے یا نہ کرے اور حاکم شوہر کو قبول خلع پر مجبور بھی نہیں کر سکتا الا اذا كان ظالماً معروفاً به۔ کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ خلع طلاق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ انما يملك الطلاق من اخذ بالساق رواہ ابن ماجہ والدارقطنی (مقاصد ص ۵۲) قلت: و اسنادہ حسن۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ طلاق شوہر کے قبضہ میں ہے یہ قول اس امر کی دلیل ہے کہ حضور کا واقعہ خلع میں ثابت بن قیس کو طلاق کا حکم فرمانا بطور مشورہ کے تھا بطور ایجاب کے نہ تھا۔

(۵) اس واقعہ میں تفریق کے ساتھ صرف یہ شرط تھی کہ وہ باغ واپس کرے دو جو شوہر نے مہر میں دیا ہے اور یہ شرط اسلئے کی گئی کہ اس واقعہ میں خود عورت کی طرف سے مفارقت کی درخواست تھی اور اسی کو شوہر سے نفرت تھی شوہر کو اس سے نفرت نہ تھی۔ نہ شوہر کی طرف سے اس پر کچھ زیادتی تھی اور اس صورت میں ائمہ مذاہب کا یہی مذہب ہے جو حدیث میں ہے کہ مرد کو مہر واپس کر لینا بلکہ اس سے زائد لینا بھی جائز ہے جبکہ عورت خوشی سے زائد دینے پر راضی ہو اور اگر مرد کی زیادتی ہو یا طرفین کی زیادتی ہو تو اس کا حکم دوسرا ہے جو فقہ میں مفصل مذکور ہے

(و) حضرات ائمہ محدثین نے احادیث کے خلاف فتویٰ کبھی نہیں دیا یہ اور

عہ والذی ورد فی الروایات انه ضربها فان ذالك یحق لكون المرأة نافرة عنه مبغضة له ولا یبعد من مثلها الا باء عن المضاجعة وللزوج حق ان یضربها علی ذالك۔ ظفر۔

بات ہے کہ ناواقف لوگ حدیث کا غلط مطلب سمجھ کر ائمہ مجتہدین کے فتویٰ کو حدیث کی خلاف سمجھیں یا کسی مسئلہ کا مدار ایک ہی حدیث پر رکھیں اور دوسری روایات پر نظر نہ کریں۔
(ذ) ترمیم کچھ نہیں ہوئی حضرات مجتہدین نے ایک ہی حدیث پر مسئلہ کا مدار نہیں رکھا بلکہ اس کے ساتھ دوسری احادیث کو اور صحابہ کے اقوال کو ملا کر قانون خلع کو مکمل طور سے مدون کیا ہے۔

جواب سوال دوم متعلق طلاق مغلطہ

اس مسئلہ میں جملہ ائمہ مذاہب کا قول یہ ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے تو اگر وہ مدخولہ ہے تو اس پر تین طلاق واقع ہو جائیگی خواہ تفریقاً دی یا مجموعۃً اور اگر غیر مدخولہ ہے تو اگر مجموعۃً ایک لفظ سے تین طلاق دی ہیں تو اس پر تینوں واقع ہوں گی۔ اور اگر تفریقاً تین لفظوں سے تین طلاقیں دی ہیں تو اس پر ایک واقع ہوگی اور دو لغو ہو جائیگی۔

قال الزرقانی فی شرح الموطا: والجمهور علی وقوع الثلاث بل حکى ابن عبد البر الاجماع قائلًا ان خلافه شاذ لا يلتفت اليه اه (ص ۳۵-۳۶)
وقال الحافظ فی الفتح: ويحتمل ان يكون مراده اى مراد البخارى بعدم الجواز من قال لا يقع الطلاق اذا وقعها مجموعة للنهي عنه وهو قول الشيعة وبعض اهل الظاهر اه (ص ۳۱۰-ج ۹)

اس سے معلوم ہوا کہ بجز شیعہ اور بعض اہل ظاہر کے تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ تین طلاقیں مجموعۃً دینے سے تین ہی واقع ہوں گی۔ البتہ تین طلاق مجموعۃً یا ایک مجلس میں دینا مکروہ تحریمی ہے اگر کسی کو تین طلاق ہی دینا ہو تو تفریق کے ساتھ ایک ایک طلاق ایک ایک طہر میں دے سعید بن منصور نے بسند صحیح حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا تو حضرت عمرؓ کے کمر پر دڑے لگاتے تھے، ذکرہ الحافظ فی الفتح (صفحہ مذکور)

اب محترم مستفتی کے سوالات کا جواب دیتا ہوں۔

(الف) ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی دو واقعہ طلاق مغلطہ کے واقع ہوئے ہیں ایک واقعہ سنن نسائی میں محمود بن لبید انصاریؓ کی روایت سے

مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہونچی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہیں تو حضور غضبناک ہو کر (خطبہ کیلئے) کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ میرے سامنے ہی کتاب اللہ کے ساتھ ہوا لعب کیا جانے لگا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا، یا رسول اللہ! کیا میں اس کو قتل ہی نہ کر دوں اھ؟ اسپر آپ خاموش ہو گئے یہ حدیث فتح الباری میں حافظ نے نقل کر کے اس کے رواقہ کو ثقہ کہا ہے اور "نیل الاوطار" میں ابن کثیر سے اسکی سند کا جید ہونا نقل کیا ہے اور جوہر نفی میں اسکو صحیح کہا ہے اس سے بہ بات تو ظاہر ہے کہ تین طلاق ایک دم سے دینا خلاف شریعت ہے اور حرام کے قریب ہے رہا یہ کہ تین ایک دم سے دینے میں تین واقع ہونگی یا ایک؟ اس سے یہ حدیث ساکت ہے۔

دوسرا واقعہ رکانہ بن عبد برید کا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تھیں پھر انکو رنج ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا آپ نے پوچھا کہ تم نے کیونکر طلاق دی ہے کہا ایک مجلس میں تین طلاق دی ہیں حضور نے فرمایا وہ تو ایک ہی ہے اگر چاہو رجوع کر لو چنانچہ انہوں نے رجعت کر لی اسکو محمد بن اسحاق صاحب مغازی نے روایت کیا ہے مگر ائمہ حدیث نے اسکو ضعیف کہا ہے کیونکہ اس کے الفاظ میں اضطراب و اختلاف ہے بعض روایات میں یہ وارد ہوا ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو بلفظ البتہ سے تین طلاق دی تھی اور یہ لفظ چونکہ قطع تعلق کو بتلاتا ہے اور اسی وجہ سے بعض تابعین لفظ البتہ سے تین طلاق واقع کرتے تھے تو کسی راوی نے اسکو روایت بالمعنی کر کے یوں تعبیر کر دیا کہ رکانہ نے تین طلاق دی تھیں اوداؤد نے فرمایا ہے کہ راجح یہی ہے کہ رکانہ نے طلاق بلفظ البتہ دی تھی جیسا کہ حافظ فتح الباری میں ذکر فرمایا ہے اور اسکی نیت ایک طلاق کی تھی اسلئے اسکو ایک قرار دیا اور علامہ زرقانی نے فرمایا ہے کہ رکانہ کی حدیث کے الفاظ مختلف ہیں، فاذا تعارضنا تساقطا (مک ج-۳)

(ب) ہاں ایک وقت میں تین طلاق دینا خلاف کتاب اللہ ضرور ہے جو ایسا کرتا ہے سخت گناہ کا مرتکب ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ تین طلاق دینے سے تین واقع ہو مگر کسنا اعمال میں حضرت علی کی روایت میں ہے کہ جو شخص قطعی طلاق دیگا ہم اسپر تین طلاق لازم کر دیں گے (مک ج-۵) ظفر۔

نہ ہوں یقیناً تین ہونگی کما مر ذکر الاجماع علیہ

(ج) عہد خلفائے راشدین میں جو شخص تین طلاق دیتا تھا اسکی بیوی پر تین طلاق ہی واقع سمجھی جاتی تھی مگر اس کے ساتھ اس شخص کو سزا بھی دی جاتی اور صحیح مسلم میں جو ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور عہد صدیق میں اور شروع زمانہ خلافت فاروقی میں تین طلاق کو ایک شمار کرتے تھے تو اسکے اندر بعض روایات میں یہ قید بھی ہے کہ جب عورت غیر مدخولہ ہوتی تو تین کو ایک قرار دیتے تھے (رواہ ابو داؤد کما فی الفتح لابن حجر ص ۳۱۷ ج ۳) وسکت عنہ (اور زین کی روایت میں یہ لفظ ہے »کان ابن عباس یقول اذا قال انت طالق انت طالق فہی

واحدة ان اراد التوكيد للاولی و كانت غیس مدخول بها کذا فی جمع الفوائد (ط ۲۳ ج ۱) — پس یہ حدیث جمہور کے خلاف نہیں کیونکہ تطبیق ثلاث بتفریق کلمات میں جمہور بھی اس کے قائل ہیں کہ اگر زوجہ غیر مدخولہ ہو تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور مدخولہ ہو تو ویانہ ایک ہی ہوگی اگر وہ نیت ناکید کا مدعی ہو۔ اور قضاء تین واقع ہونگی واللہ اعلم (د) ائمہ کے اقوال اوپر گزر چکے

(۵) دین میں کسی عالم کی ذاتی رائے کی کچھ وقعت نہیں۔ فان الدین لیس بالرائی (جواب سوال سوم متعلق تعدد ازواج)

اس مسئلہ میں یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ مرد کو چار عورتوں سے نکاح کرنا مطلقاً جائز ہے خواہ اسکو چار کی واقعی ضرورت ہو یا محض خواہش نفسانی کی بناء پر ایسا کرے گو افضل یہی ہے کہ بلا ضرورت چار نکاح نہ کرے »احترازاً من الجور و ادخال الغم علی الاولی« لیکن اگر کوئی محض خواہش نفسانی سے ایسا کرے تو اسکو حق جائز سے روکنے کا کسی کو حق نہیں حدیث میں ہے »لعوب للمختا بین مثل النکاح« رواہ ابن ماجہ والحاکم و سندہ صحیح (شرح جامع الصغیر للسیوطی ص ۱۹۲ ج ۳) — اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مرد کو کسی عورت سے محبت ہو جائے یا بالعکس تو انکو باہم نکاح کر لینا چاہئے »و

عہ ملاحظہ ہو فتح الباری ص ۳۱۵ تا ص ۳۱۹ جلد ۹ جس میں حضرت ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ سند صحیح سے نقل کیا گیا ہے اور ملاحظہ ہو کنز العمال ج ۵ جس میں حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ و امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ طرق متعده سے مذکور ہیں۔ ظفر۔

اخرج الشيخان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: «ما طاب لکون من النساء» وادرسے جس میں چارہ نکاح کی ترغیب دی گئی ہے مگر مال اور جمال کی بناء پر نکاح کرنے سے بھی منع نہیں کیا گیا۔ نہ اسکو حرام کہا گیا اور خود نص میں «ما طاب لکون من النساء» وادرسے جس میں چارہ نکاح کو محض دل کی خوشی اور پسندیدگی کی بناء پر جائز کیا گیا ہے۔ نیز نص میں «لا تخل لک النکاح من بعد ولان تبدل بہن ازواج ولو اعجبک حسنھن» اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعدد ازواج محض اعجاب حسن کی بناء پر بھی جائز تھا گو آپ اس وجہ سے کوئی نکاح بھی نہ کیا ہو مگر آپ کیلئے جائز ضرورتاً پھر نو بیویوں کے بعد آپ کو اس سے منع کر دیا گیا غرض نصوص شریعت سے خواہش نفسانی کی بناء پر بھی تعدد ازواج کی اجازت ظاہر ہے۔ اور اسکے ساتھ عدل کو بھی فرض کیا گیا ہے مگر عدل کو شرط صحت نکاح نہیں قرار دیا گیا بلکہ شریعت نے اس کے متعلق صرف وعید پر اکتفا کیا ہے۔

فقہی الحدیث: عن ابی ہریرۃ اذا كانت عند الرجل امرأتان فلو بعدل بینھما جاء یوم القیامة وشقہ ما ئل او ساقط رواہ احمد والدارمی واصحاب السنن والحاکمو واللفظ لہ وابن حبان وصححہ الحاکم علی شرط الشیخین وابن دقین العید (ص ۳۱۲ ج ۲- تلخیص حبیب)

پس تعدد ازواج کی صورت میں شوہر پر جو عدل واجب ہے وہ دیانہ واجب ہے قاضی اور حاکم کو اس میں باز پرس یا دست اندازی کا کچھ حق نہیں حکام کا صرف اتنا فرض ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر کی شکایت کرے تو شوہر کو نان و نفقہ دینے پر مجبور کریں اور عمر بھر میں ایک دفعہ مقاربت پر۔ اس سے زائد پر حاکم شوہر کو مجبور نہیں کر سکتا (ملاحظہ شامی باب القسم ص ۶۵ تا ص ۶۵ ج ۲) — ہاں اسکو نصیحت کر دے کہ اپنی بیوی کے حقوق پوری طرح ادا کرنا چاہئے اور اگر وہ اس پر ظلم کرتا ہو تو ظلم سے رو کرے۔

اس معروض کے بعد سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلامی ریاست کو تعدد ازواج کے بارہ میں قانوناً اس قسم کی قیود عائد کرنا کہ جب تک قاضی کو ضرورت اور استطاعت عدل کا اطمینان دلا کر اسکی اجازت حاصل نہ کریں تب تک کوئی اس کا مجاز نہ ہو۔ یقیناً

مداخلت فی الدین و تفسیق علی المسلمین فیما وسع الشریعہ میں داخل ہے۔ اسی طرح ہر نکاح کا محکمہ قضاء کی اجازت کا محتاج ہونا اور جو بدون قاضی کی اجازت کے نکاح پڑھ دے اسکو مع فریقین کے ملزم قرار دینا بھی صریح مداخلت فی الدین ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض صحابہ نے مدینہ کے اندر بدون حضور کی اطلاع کے نکاح کیا ہے اور ان پر کوئی انکار نہیں کیا گیا چنانچہ عبدالرحمن بن عوف کا واقعہ ہر نکاح مشہور و معروف ہے۔

البتہ اگر نکاح خوالوں کی جہالت کی وجہ سے نکاحوں میں گڑ بڑ ہوتی ہو تو اس قید کے عائد کرنیکا مضائقہ نہیں کہ جو شخص جب تک احکام نکاح سے واقف نہ ہو اور اسکی سند اسکے پاس نہ ہو اس وقت تک کسی کا نکاح نہ پڑھے ورنہ مجرم ہوگا کیونکہ اسکی نظیر زمانہ صحابہ میں موجود ہے حضرت عمرؓ نے قانون نافذ کیا تھا "لا یجلس فی سوقنا الا فقیہ او حکما قال ولا احض الا ان موضعہ" کہ ہمارے بازار میں بجز اس شخص کے جو فقہ سے واقف ہو بیچ و شراء کیلئے کوئی نہ بیٹھے باقی ہر نکاح کو محکمہ قضا کی اجازت کا محتاج کر دینا یہ بالکل خلاف شریعت ہے اور مسلمانوں کو تنگی میں ڈالنا ہے جو یقیناً مداخلت فی الدین ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔ ۲۳-ج ۲ ص ۲۷

عہ قلت : قد اخرجہ الترمذی عن عمر بلفظ لا یبیع فی سوقنا الا من قد تفقہ فی الدین کذا فی جمع الفوائد (ص ۲۷ ج ۱) ظفر۔

فصل فی فسخ النکاح عند کون الزوج مفقوداً أو عیناً أو متعیناً فی النفقة أو مجنوناً

زوجہ مجنون کا حکم | (سوال) ایک شخص دیوانہ ہو گیا ہے طلاق وغیرہ سے بے خبر ہے اسکی بیوی علیحدہ ہونا چاہتی ہے علیحدگی کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟
الجواب :- نہ مجنون کی طلاق معتبر ہے اور نہ جنون کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا حق ہے اسلئے علیحدگی کی کوئی صورت نہیں۔

کما فی الدر :- لا یقع طلاق المولوی علی امراة عبده والمجنون الخ شامی ص ۶۹۹
ولا یتخیر احد الزوجین بعیب الآخر ولو فاحشاً لمجنون وجذا مر الخ (جلد ۲ - شامی) واللہ اعلم
کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ ۱۰ صفر ۱۳۵۵ھ

زوجہ مجنون کا حکم | (سوال) ایک مسئلہ میں پیچیدگی پڑ گئی جسکی وجہ سے پریشانی بڑھ گئی ہے صورت واقعہ یہ ہے کہ ایک لڑکی نابالغ کا عقد نکاح ایک نابالغ لڑکے سے فریقین کے والدین نے کر دیا لڑکے کی عمر ۲ سال کی اور دختر کی عمر ۵ سال اب اس نکاح کو عرصہ ۸ سال کا ہو گیا اب دختر کی عمر ۱۳ سال اور لڑکے کی عمر ۱۲ سال ہے مگر اب یہ معلوم ہوا کہ لڑکا لا یعقل محض ہے اس وقت تک نہ تو وہ کچھ زبان سے بولتا ہے اور نہ کچھ سمجھتا ہے اور نہ اسکو کچھ کھانے پینے کا ہوش ہے اسکی والدہ اسکو جبراً کچھ کھلا پلا دیتی ہے بچپن میں لڑکے کے نہ بولنے کا والدین کو کچھ خیال نہ ہوا جوں جوں وہ بڑھتا گیا اسکے نہ بولنے کی حالت دیوانگی معلوم ہوتی گئی۔ لڑکی کی عمر ۱۳ سال ہے وہ ایسے دیوانہ لا یعقل کے ساتھ اپنی عمر کس طرح گزار سکتی ہے؟ ایسی حالت میں مطابق شرع

شریف ان میں تفریق ہو سکتی ہے یا نہیں؟ فریقین کے والدین جنکی ولایت میں عقد ہوا زندہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ بموجب احکام شرع ان میں تفریق ہو جائے اور دختر کا عقد کسی دیگر شخص سے کر دیا جائے۔ امید کہ آنجناب اس معروضہ کے جواب سے جلد مستاز فرمائیں گے۔ مکرر عرض یہ ہے کہ لڑکے کو نگرانی میں رکھا جاتا ہے اگر اسکو نگرانی میں نہ رکھا جائے تو وہ بھاگتا ہے۔ محمد حسین منیجر طلسمی پریس میرٹھ

الجواب :- صورت مسئلہ میں ائمہ حنفیہ میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ و امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک شوہر کے مجنون ہونیکی صورت میں زوجہ کو حق فسخ نکاح حاصل نہیں۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک حق فسخ حاصل ہے، پس اگر کوئی مسلمان حاکم جس کو ایسے مقدمہ کی سماعت کا اختیار ہو خواہ حکومت انگریزی کا ہو یا ریاست دیسی کا اس نکاح کو امام محمد رحمہ اللہ کے مذہب کی بناء پر فسخ کر دے تو فسخ ہو سکتا ہے اور چونکہ فریقین اس نکاح کے فسخ پر رضامند ہیں اسلئے غالب ہے کہ حکام کو اس کے فسخ کرنے میں تامل بھی نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

حررہ حبیب احمد کیرانوی

مقیم تھانہ بھون خالقہ امدادیہ

۲۲ محرم ۱۳۲۷ھ

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ :-
زوجہ عنین کا حکم اور اسکی عدت اور مہر کا بیان

نامرد ہے اور قطعی عورت کے کام کا نہیں ہے اور اکثر معالجات کرنے کے باوجود مایوس العلاج ہے وہ اپنی بیوی کو کہ جس کے ساتھ عقد ہوا۔ ۱۵۔۱۶ سال ہوئے نفقہ نہیں دیتا اور نہ اپنے پاس رکھتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے اس وجہ سے لڑکی کے والدین اسکی بے کسی سے سخت پریشان ہیں اور مسامحہ بھی زید کے نامرد ہونیکے باعث نالاں ہے اور بعد عقد کے اپنی زندگی والدین کے یہاں گزارتی ہے اب اسکے والدین عقد ثانی کرنا چاہتے ہیں اس صورت میں شارع علیہ السلام کا کیا حکم ہے؟ اور جدائی زن و شوہر میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) مطلقہ عنین کو عدت کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا

مرسلہ مرزا حنیف بیگ قصبہ وڈاک خانہ سیانہ ضلع بلند شہر

الجواب :- صورت مذکورہ میں مسماۃ کو کسی حاکم مسلم کی عدالت میں زوج کے عتیب ہونیکا دعویٰ کر کے فسخ نکاح کی درخواست کرنی چاہئے اور حاکم مسلم کو چاہئے کہ جب عورت ایسا دعویٰ کرے تو وہ زوج سے دریافت کرے کہ نکاح کے بعد سے اب تک تو نے کسی وقت زوجہ سے صحبت کی ہے یا نہیں؟ اگر وہ اقرار کرے کہ میں نے ایک بار بھی اس سے صحبت نہیں کیا وہ دعویٰ کرے کہ میں نے صحبت کی ہے لیکن عورت یہ کہے کہ میں اب تک باکرہ ہوں اور ایک عورت یا دو عورتیں اپنے مشاہدہ سے اسکی تصدیق کر دیں کہ بیشک یہ باکرہ ہے دونوں صورتوں میں حاکم مسلم شوہر کو ایک سال کی مہلت دے کہ اگر ایک سال کے اندر اندر تو نے زوجہ سے صحبت کی تو فیرونہ میں نکاح فسخ کر دو نگا پھر اگر مہلت دینے کے بعد بھی اُس نے سال بھر میں صحبت نہ کی تو حاکم عورت کو اختیار دیدے کہ چاہے تو شوہر کے پاس رہنا منظور کرے یا علیحدہ ہونا منظور کرے تجھے اختیار ہے حاکم کے اختیار دیدینے کے بعد جب عورت یہ کہدے کہ میں اس سے علیحدہ ہونا اختیار کرتی ہوں تو عورت نے یہ کہدینے سے طلاق بائن پڑ جائیگی اور بہتر یہ ہے کہ حاکم بھی اپنی زبان سے یہ کہدے کہ میں نے دونوں میں تفریق کر دی۔

قال فی البدائع : ص ۳۲۵ - ج ۲ - وان اختلفت الفرقة فرق القاضي بينهما كذا ذكره الكرخي ولو يذکر الخلاف و ظاهر هذا الكلام يقتضي انه لا تقع الفرقة بنفس الاختيار و ذكر القاضي في شرحه مختصر الطحاوي انه تقع الفرقة بنفس الاختيار في ظاهر الرواية ولا يحتاج الى القضاء كخيار المعتقة وخيار المخيرة اه قلت : واخترت هذه الرواية لكونها ارفق بالناس (۲) اگر عنین زوجہ کے ساتھ خالی جگہ (مکان) میں یکجا بھی نہیں ہوا اور خلوت صحیحہ کے شرائط نہیں پائے گئے ہیں تب تو عورت کو عدت نہ کرنی پڑیگی اور اگر خلوت صحیحہ ہو چکی ہے تو اس پر عدت لازم ہوگی عدت کے بعد وہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے

فی البدائع :- ولها المهر كاملاً وعليها العدة بالاجماع ان كان الزوج قد خلو بها وان كان لم يخل بها فلا عدة عليها ولها نصف المهر ان كان مسقطاً اه (ص ۳۲۶ ج ۲)

اور عورت کو دونوں صورت میں ہر بھی ملیگا خلوت ہو چکنے کی صورت میں پورا

پورا اور خلوت نہ ہونی کی صورت میں آدھا ملیگا۔ واللہ اعلم
(تنبیہ) حاکم مسلم اگر عدالت انگریزی کا ہو وہ بھی کافی ہے بشرطیکہ حکومت
کی طرف سے اس کو اس مقدمہ میں شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیدیا گیا ہو اور اگر پہلے سے
اختیار نہ دیا گیا ہو تو درخواست دیکر اس کو اختیار حاصل کر لینا چاہیے یا گورنمنٹ
اس مقدمہ کو کسی عالم کے پاس بھیج دے اور اس کو حکم شرعی کے مطابق فیصلہ کا اختیار دیدے
یا مسماۃ کسی اسلامی ریاست کے قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کرے سب صورتوں میں یہ
نکاح فسخ ہو سکتا ہے فقط

ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۱۔ صفر ۱۳۸۵ھ

مفقود الخیر پر موت کا حکم کرنے کیلئے (سوال) حضرت اقدس مدظلہ تعالیٰ۔ بعد آداب و تسلیمات
قضاء قاضی شرط ہے کے گزارش ہے ایک استفتاء بری سال سے بندہ کے پاس

آیا ہے۔ صورت واقعہ یہ ہے کہ ۶۔ آدمی بولبشر دریا کے کنارہ ایک جنگل میں جوان لوگوں
کے مکان سے قریب ہے اور لب دریا ہے بڑی بڑی لکڑیاں جنگل سے کاٹ کر اور ان کو رسیاں
اور درختوں کے بیل سے باندھ کر اور اس کے ساتھ ایک کشتی کو رسیوں سے باندھ کر یہ لوگ
اپنے مکان کی طرف لکڑیوں کو لانے لگے یہ دریا بہت عظیم الشان اور موآج ہے اور خلیج
بنگال میں جاگرا ہے طغیانی کے وقت سات آٹھ میل سے بھی زیادہ چوڑا ہو جاتا ہے جب
وہ لوگ مکان کی طرف آرہے تھے قضا کا طوفان اٹھا کشتی میں سے ہوانے ایک چٹائی
اڑا کر دور پھینک دی۔ کشتی پر دو آدمی تھے وہ دونوں کشتی کو لکڑیوں کے مجموعہ سے
الگ کر کے چٹائی لینے کیلئے گئے اور چار آدمی لکڑیوں پر رہے اتنے زور سے طوفان ہونے
لگا کہ کشتی اور لکڑی پھر یکجا نہ ہو سکی اور لکڑی والے الگ بے قابو اور کشتی والے الگ
بے قابو۔ جو ملاح اور کشتیوں میں تھے جو ماہی گیروں کی کشتی کہلاتی ہے اور وہ بزم ملاحان
کم ڈوبتی ہیں وہ بھی ان لکڑیوں کو تھام نہ سکے اور آٹھ دس بجے رات تک مختلف جگہوں کے
ماہی گیروں نے ان چاروں کی آوازیں سنیں مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی روکنے کی اور جب آخر رات
تک طوفان تھا اور روز روشن ہوا تو وہ دونوں کشتی والے کہاں کہاں سے مارے مارے
پھیر کر گھر واپس آئے لیکن وہ چاروں بے سراغ ہو گئے اور لکڑیوں کا بھی پتہ نہیں ماہی گیر
لوگ کہتے ہیں کہ وہ لکڑیاں زور سے سمندر کی طرف جا رہی تھیں اس واقعہ کو تیرہ مہینہ

گذرا لیکن اول چاروں کا اب تک پتہ نہیں ان چاروں کی بیویاں جوان جوان موجود ہیں تو ان کا کیا حکم ہے؟۔ در مختار ص ۳۰۳ میں ہے "اختار الزیلعی تفویضہ الی الامام۔ وفي الشامية :- علی هذا القول وقال الزیلعی لانه یختلف باختلاف البلاد وكذا غلبة الظن تختلف باختلاف الاشخاص فان الملك العظيم اذا انقطع خبره يغلب علی الظن فی ادنی مدة انه قد مات ومقتضاه انه یجتهد ویحكم القرائن الظاهرة الدالة علی موته وعلی هذا یتنبی ما فی جامع الفتاوی حیث قال واذا فقد فی المہلکة فموتہ غالب فیحكموبہ کما فقد فی وقت الملاقة مع العدو او مع قطاع الطريق او سافر علی المرض الغالب هلاکہ او کان سفراً فی البحر وما شبه ذالک حکم بموتہ لانه الغالب فی هذه الحالات وان کان بین احتمالین واحتمال موتہ ناش عن دلیل لا احتمال حیوۃ الخ۔ بموجب اس روایت کے اس حادثہ خاص میں گمان موت کا غالب ہے مہلکہ ہے، چاروں کا ایک ساتھ گم ہونا، مکان کے قریب گم ہونا، کشتی والوں کا لوٹنا اور ان کا نہ لوٹنا۔ بنگال کا دریا پر خطر اور عظیم الشان ہونا بنگال میں ایسے واقعات کا ان دریاؤں میں ہوتے رہنا۔ سمندر کے دہانے سے قریب ہونا۔ اور حسب تصریح صاحب جامع الفتاوی بحر کا واقعہ ہونا حضرت اقدس کی کیا رائے ہے اور قاضی تو ہے نہیں پس مولویان انکے قائم مقام سمجھے جائیں گے؟ اسکے سوا کیا چارہ پس حضرت والا کی رائے بھی موافق روایت مذکورہ ہو تو ابھی حکم موت کیا جائے یا چار سال بعد حسب روایت امام مالک؟ مگر مشکل یہ ہے کہ مدونہ میں قضائے قاضی شرط لکھی ہے بہر حال حضور کے ارشاد کا انتظار ہے۔ اگر میرا خیال غلط ہے تو تنبیہ فرمایا جائے۔

الجواب :- اس مسئلہ میں بجز قضاء حاکم مسلم کوئی چارہ نہیں اگر کوئی حاکم مسلم انگریزی حکومت ہی کی طرف سے ہو اور اس مقدمہ کا فیصلہ کرے بشرطیکہ اس کو اختیار بھی اس مقدمہ کے پورے حاصل ہوں اور حکم بالموت کر دے تو اسی وقت وہ عورتیں نکاح سے خارج ہو کر بعد عدت موت نکاح ثانی کر سکتی ہیں مولویوں کا فیصلہ حکم کا فیصلہ ہو گا۔ اور حکم کی ولایت غائب پر نہیں ہوتی لہذا وہ حکم علی الغائب کا اختیار نہیں رکھتا۔ واللہ اعلم۔ ظفر احمد عفا عنہ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ چھ شخص مفلس دریائے شور کے کنارہ کے جنگل سے قضاۃ قاضی شرط ہے

لکڑی چن کر چار تو دے اس دریا کے پانی پر جمع کر کے سخت باندھی قضا را اندھیری رات کو سخت طوفان ہوا تند ہوا چلنے لگی ان میں سے دو شخص جو اپنے ساتھ کے توشہ لدا ہوا کشتی پر سوار تھے ہوا اور پانی کے سیلاب نے انکو تو دے سے جدا کر کے سمندر کے کنارہ پہ ڈال دیا یہ دونوں مع کشتی سلامت گھر واپس آئے باقی چار شخص جو تو دے پر رہ گئے تھے طوفان اور طغیانی کپانی نے چاروں تو دونوں کو سمندر میں کہاں کہاں بہا لیگیا معلوم نہیں۔ واللہ علیم و بکل شیئی خبیر، اب ایک سال سے زیادہ عرصہ ہوا ہے کہ باوجود بہت تفتیش و تلاش کے اس مہلکہ میں گرنے والوں کی کوئی خبر نہیں ملی اب ان چار شخص مہلکہ میں گرا ہوا ہیزم کش مفلسوں کیلئے شرعاً حکم مردہ کا ہو گا یا زندہ کا اور انکی بیویوں کو نکاح ثانی کی اجازت شریعت دیتی ہے یا نہیں؟ اور حضرات علماء کی خدمت میں یہ بھی قابل غور ہے کہ ایسی حالت پر سمندر کے مہلکہ میں گرا ہوا کوئی کبھی زندہ رہ سکتا نہیں۔

الجواب :- الحمد للہ والصلوة والسلام علی نبیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔ ہاں ایسے خوفناک مہلکہ میں گرا ہوا تو انکے لئے شرعاً البتہ موت کا حکم ہے جیسا کہ تفہیم بیان کیا اسکو علامہ ابن عابدین اور حاشیہ در المختار میں بیان مفقود کے تحت جامع الفتاویٰ سے نقل کیا ہے۔ واذا فقد فی المہلکۃ فوتہ غالب فیحکموبہ کما اذا فقد فی وقت الملاقاة مع العدو او مع قطاع الطريق او سافر علی المرض الغالب ہلاکہ او کان سفرہ فی البحر وما اشبه ذالک حکم بموتہ لانہ الغالب فی هذه الحالات وان کان بین احتمالین و احتمال موتہ ناش عن دلیل لا احتمال حیاتہ لان هذا الاحتمال کا احتمال ما اذا بلغ المفقود مقدار ما لا یعیش علی حسب ما اختلفوا فی مقدارہ نقل عن الغنیۃ۔

مخفی و محتجب نہیں ہے کہ اشخاص مذکورین سوال کی موت پر بڑی دلیل ہے طوفان کے وقت سمندر میں تو دے ہیزم کے ساتھ بے توشہ بھجانا اور مفلس شخصوں کا حالت حیات میں برس روز تک اپنے اہل و عیال سے منقطع انحر رہنا مستبعد ہے پس

جب اشخاص مذکورین سوال کیلئے شرعاً حکم موت ہے تو البتہ انکی ازواج کیلئے بھی شرعاً تزویج
ثانی کی تجویز ہے اور یہ حکم کوئی بادشاہ یا امیر کیلئے خاص نہیں بلکہ قرائن اور اجتہاد اسمیں
اصل چیز ہے

کما فی الشامی :- ومقتضاه انه یجتهد و یحکم بالقرائن الظاہرة
الدالة علی موته اھ هذا ما تیسر من الجواب مختصراً فمن شاء
الاستقصاء فلیراجع الی کتب الفقه - الکاتب الحقیق الفقیر المذنب
الراجی الی رحمة ربہ الباری ابوسعید محمد عبد الغفور سلمہ الشکور :-
(الکلام علی الجواب المذکور)

مجیب سلمہ نے شامی کی جس عبارت کا حوالہ اپنے جواب میں دیا ہے اس سے صراحتاً
یہ امر واضح ہے کہ صورتِ مسئلہ میں حکم بالموت قاضی یا امام کر سکتا ہے بدون قضاء
کے حکم بالموت نہیں ہو سکتا۔ درمختار میں ہے۔

واختار الزیلعی تفویضہ للامام اھ۔ علامہ شامی اس قول کے تحت
فرماتے ہیں۔ (قوله واختار الزیلعی تفویضہ للامام) قال فی الفتح
فای وقت رای المصلحة حکم بموته قال فی النہر : وفي البینا بیع :
قیل : یفوض الی رای القاضی ولا تقدیر فیہ فی ظاہر الروایة ، وفي
القنیة : جعل هذا روایة عن الامام اھ۔ قلت : والظاهر ان هذا
غیر خارج عن ظاہر الروایة ایضاً بل هو اقرب الیہ من القول
بالتقدیر لانه فسرہ فی شرح الوہابیة بان ینظر ویجتهد ویفعل ما
یغلب علی ظنہ فلا یقول بالتقدیر لانه لم یرد بہ الشرع بل ینظر
فی الاقران وفي الزمان والمان ویجتهد ثم نقل عن مغنی الحنابلة
حکایة عن الشافعی ومحمد وانه المشہور عن مالک وابی حنیفة وابی یوسف
وقال الزیلعی لانه یختلف باختلاف البلاد وكذا غلبة الظن
تختلف باختلاف الاشخاص فان الملك العظیم اذا القطع خبرہ
یغلب علی الظن فی ادنی مدة انه قد مات اھ
اس عبارت کا حاصل صرف یہ ہے کہ حکم بموت المفقود کیلئے تقدیر موت

کی ضرورت نہیں بلکہ یہ امر مفوض الی رای القاضی والا امام ہے قاضی اور امام کو نظر و اجتہاد سے جس وقت موت مفقود کا غلبہ ظن ہو جائے حکم بالموت کر دے اس کے بعد شافی میں وہ عبارت ہے جو مجیب سلمہ نے نقل کی ہے جس میں یجتہد ویحکو الفرائض الظاہرة الخ اور فی حکم بموتہ کی ضمیریں سب امام و قاضی کی طرف راجع ہیں۔ یعنی قاضی کو اجتہاد سے کام لینا چاہیے اور فرائض ظاہرہ کو حکم بنا نا چاہئے اور اسی پر جامع فتاویٰ کی عبارت کو مبنی کیا ہے کہ جب مفقود مہلکہ میں گم ہو جائے تو اسکی موت کا حکم لگایا جائے یعنی قاضی و امام کو حکم لگا دینا چاہئے اس عبارت سے یہ کی طرح مفہوم نہیں ہوتا کہ محض مفتی کا حکم بالموت کافی ہے اور قضاء کی ضرورت نہیں علامہ شافعی نے اس عبارت کے خاتمہ پر لکھا ہے فلذا قلنا ان هذا مبني على ما قال له الزيلعي تأمل (ص ۵۱۱ و ۵۱۲) اور امام زیلعی کا قول اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ انکے نزدیک تفویض الی رای الامام مختار ہے اور شافی ص ۵۱۲ ج ۳ میں ہے۔ قلت لکن المبتدأ من العبارة ان المنصوص عليه في المذهب الثاني ثمرات عبارة الواقعات عن القنية ان هذا ای ماروی عن ابی حنیفة من تفویض موتہ الی رای القاضی نص علی انه انما یحکم بموتہ بقضاء الخ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بصورت فقد فی المہلکة قضاء قاضی یا حکم امام ضروری ہے اس کے بغیر حکم بالموت نہیں ہو سکتا پس مجیب سلمہ کا یہ کہنا کہ یہ حکم بادشاہ یا امیر کیلئے خاص نہیں کی طرح صحیح نہیں واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۰ رجاری الاولی ۱۴۲۸ھ

شہر عین کا حکم | (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و حامیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا لڑکا اور عرو کی لڑکی کے درمیان قبل بلوغت شادی ہوئی اب زوجین سن بلوغ کو پہنچ گئے جسکو عرصہ چھ برس کا ہوا مگر ان دونوں میں کوئی سروکار نہیں ہے تحقیقات سے معلوم ہوا کہ لڑکا نامرد ہے عمر و ایسی حالت میں چاہتا ہے کہ دونوں میں علیحدگی ہو جائے مگر زید کا لڑکا بوجہ خفت طلاق دینا نہیں چاہتا ہے ایسی حالت میں

کیا کرنا چاہئے مطابق شرع شریف حکم تحریر فرمایا جائے۔

المسئل۔ عبدالعظیم یارچہ فروش شہر آ رہ چوگ

الجواب :- صورت مسئلہ میں لڑکی کو چاہئے کہ وہ حکومت میں استغاثہ کرے کہ میرا شوہر نامرد ہے اسلئے میں چاہتی ہوں کہ میرا مقدمہ کسی حاکم مسلم کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ شرعی حکم مطابق اس کا فیصلہ کر دے حاکم غیر مسلم کا فیصلہ اس صورت میں معتبر نہیں جب حکومت کی طرف سے کسی حاکم مسلم کے سپرد یہ مقدمہ کر دیا جائے تو عورت اسکے سامنے دعویٰ کرے کہ میرا شوہر نامرد ہے اسلئے میں اس سے علیحدگی چاہتی ہوں حاکم شوہر سے دریافت کرے اگر وہ بھی اپنے نامرد ہونیکا اقرار کرے تو حاکم اسکو پورے ایک سال شمسی کی مہلت دے جس میں عورت و مرد کے ایام مرض محسوب نہ ہونگے نہ وہ ایام محسوب ہونگے جن میں عورت شوہر سے بدون اسکے اذن کے غائب رہے اس سال کے اندر اندر اگر علاج وغیرہ کر کے ایک بار بھی شوہر نے بیوی سے صحبت کر لی تو پھر عورت کو اس دعویٰ جدائی کا حق نہ رہے گا اور اگر سال بھر وہ عورت کے پاس نہ پہنچ سکا اور صحبت نہ کر سکا اور اقرار کر لیا کہ میں نے اس عرصہ میں بیوی سے صحبت نہیں کی تو حاکم مسلم ان دونوں میں تفریق کر دے یعنی یہ کہہ دے کہ میں تم دونوں کا نکاح توڑتا ہوں حاکم کے اس کہنے سے عورت پر طلاق یا ثن واقع ہو جائیگی عدت کے بعد وہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اور اگر شوہر نے اپنے نامرد ہونیکا اقرار نہ کیا بلکہ دعویٰ کیا کہ میں نے عورت سے وطی کی ہے تو حاکم مسلم معتبر دانیوں سے کہے کہ وہ لڑکی کو دیکھیں اور بتلائیں کہ وہ باکرہ ہے یا شبیبہ اگر وہ کہیں کہ لڑکی شبیبہ ہے تو پھر اس عورت کا دعویٰ جدائی صحیح نہ ہوگا اور اگر وہ باکرہ بتلائیں تو حاکم مسلم عورت کے دعویٰ کو صحیح سمجھ کر شوہر کو ایک سال کی مہلت دیگا جیسا کہ اوپر گذرا اور سال تمام ہو نیلے بعد اگر شوہر و عورت میں اختلاف ہوا عورت نے کہا کہ اس نے مجھ سے وطی نہیں کی اور مرد نے کہا کہ میں نے وطی کی ہے تو حاکم اس وقت بھی دانیوں سے کہیگا کہ وہ عورت کو دیکھیں اور دیکھ کر بتلائیں اگر وہ کہیں کہ یہ شبیبہ ہے تو عورت کا دعویٰ جدائی صحیح نہ ہوگا اور اگر باکرہ بتلائیں تو حاکم مسلم عورت سے قسم لیکر ان دونوں میں تفریق کر دے تفریق کرنے سے عورت پر طلاق واقع ہو جائیگی اور عدت کے بعد دوسرے شخص سے وہ نکاح کر سکیگی۔

قال فافتاوی الحامدیة :- لا یفرق بینہما بمجرد دعواہا انہ
عنین مالہ یتثبت عنہ با قرارہ او بقول النساء انہا بکر فیوجل من وقت
المرافعة سنة كاملة ولا یحسب منها ایام مرضہ ولا مرضہا ولا ایام غیبتہا
عنہ ولو لحجما وهر و بہا منہ فان وطئ والا بانہ بالتفریق ان طلبت
وتاجیل العنین لا یتكون الا عند قاضی مصر او مدينة كما افقی بذالك
الخبیر الرملی ۱۷ھ (ص ۳۳ ج ۱) واللہ اعلم

حرره الاحقر ظفر احمد - ۲۰ رجب ۱۲۷۰ھ

زوجہ مجنون کا حکم (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ
آمنہ بنت حاجی عبدالغنی صاحب کا شوہر مسشی اسماعیل عرصہ چار پانچ سال سے بالکل
دیوانہ ہو گیا ہے بہت علاج معالجہ کرایا۔ لیکن اچھا نہیں ہوا اور نہ آئندہ امید مسماۃ
مذکورہ بالکل جو ان ہے کیا ایسی صورت میں مسماۃ نکاح ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟ بحوالہ
کتب تحریر فرمائیں بیٹو توجروا۔

الراقم حاجی عبدالغنی صاحب از دیر اول بندر کاٹھیاواڑ
الجواب :- صورت مسئلہ میں مسماۃ مذکورہ کے نکاح ثانی کی صرف ایک صورت ہے
کہ کوئی مسلمان حاکم جو اس قسم کے مسائل کے فیصلہ کا اختیار حکومت کی طرف سے رکھتا ہو
اپنے اختیار حاکمانہ سے تفریق کر دے بعد تفریق حاکم مسماۃ عدت تین حیض پوری کر کے
نکاح کر سکتی ہے اسکے بغیر کوئی صورت نکاح ثانی کی نہیں اور حاکم مسلم اس صورت میں
ایک سال کی مہلت دینے کے بعد تفریق کر سکتا ہے اسکے بغیر نہیں۔

وفی العالمکیریة :- قال محمدان کان الجنون حادثاً بوجله سنة كالعنة
لنریخیہ المرأة بعد الحول اذا لم یبرأ وان کان مطلقاً فلو کالجبء نأخذ کذا
فی الحاوی القدسی ۱۷ھ (ص ۱۵۷ ج ۲) واللہ اعلم

حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه

المقیم خانقاہ امدایہ تھانہ بھون ۲۷ صفر ۱۲۷۰ھ

زوجہ مفقود کے نکاح ثانی کی (سوال) ایک شخص اپنی بیوی کو گھر میں چھوڑ
ایک صورت کا حکم کہ سفر میں چلا گیا تھا۔ برس دو برس کے بعد لگاتار دو تین

خبر اسکی موت کی آئی۔ پس اس کا ایک حقیقی بھائی تھا اس نے تیسری خبر کے بعد اس عورت کے ساتھ بعد انقضائے عدت موت نکاح کر لیا۔ پھر دو ایک برس کے بعد اس کا بھائی سفر سے بیماری کی حالت میں گھر آیا اور اپنی عورت کو اپنے پاس لے گیا مگر بسبب مرض کے اس سے ہم بستر نہ ہو سکا دو تین مہینہ کے بعد اسی بیماری میں اسکی موت واقع ہوئی اب اس صورت میں حکم شرعی کیا ہے؟ اس عورت کو نکاح ثانی جو زوج اول کا بھائی ہے بغیر نکاح کے اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ میں اگر مفقود کے بھائی نے نکاح اس وقت کیا ہے جبکہ متواتر خبر موت سے اسکو ظن غالب موت کا ہو گیا تھا تو اس صورت میں اسکو زوجہ مفقود سے نکاح کرنے میں گناہ نہیں ہوا اور اگر ان خبروں پر اسکو وثوق نہ تھا تو گناہ ہوا۔ بہر حال جب شوہر اول زندہ واپس آ گیا تو معلوم ہوا کہ نکاح ثانی صحیح واقع نہ ہوا تھا لہذا اب شوہر اول کی موت کے بعد شوہر ثانی اس عورت سے بعد عدت نکاح کر سکتا ہے بدون تجدید نکاح کے اسکو نہیں لے جاسکتا اور اس وقت عورت کو پورا اختیار ہے کہ خواہ وہ شوہر ثانی سے نکاح کرے یا اسکے علاوہ کسی اور سے نکاح کرے شوہر ثانی نکاح ثانی کی وجہ سے اسکو اپنے ساتھ نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا کیونکہ علم حیات مفقود سے وہ نکاح باطل و لغو ہو گیا و طی بالشیہ سے زیادہ اسکی کوئی حیثیت نہیں۔

فی الہندیۃ :- غاب من زوجہ البکر سنتین فتزوجت وجماعت باولاد او نعلی الیہا زوجہا فتزوجت بآخر فولدت فالولد عند الامام الاول نفاه او ادعاه او ادعاه الثانی او نفاه لاقول من ستۃ اشہر او اکثر من سنتین وللزوج الثانی ان یدفع الزکاة الیہم وتقبل شہادۃ تہملہ فی الوجیز للکردری وروی عبد الکریم الجرجانی عن ابی حنیفۃ ان الاولاد للزوج البشانی راجع الی هذا القول وعلیہ الفتویٰ کذا فی التجنیس ۱ھ (ص ۴۰ - ج ۲) تعلم بطلاق النکاح الثانی بعلم حیاۃ الاول رأیی واما الاختلاف فی حکم الاولاد ودجوعہ الی انہا للثانی فلیجعل و طی الثانی و طی بشیۃ هذا والله اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۲۹ صفر ۱۳۳۵ھ

زوجہ مفقود کے نکاح ثانی اور (سوال) عمرو کو عرصہ تین چار سال کا ہوا کہ لاپتہ ہے
واپسی مفقود کی ایک صورت اب عمرو کی منکوحہ خالدہ کے بسر اوقات کیلئے کوئی وسیلہ نہ رہا اسلئے

خالدہ نے زید سے نکاح کر لیا کیا یہ نکاح صحیح ہے؟ — بعد ازیں دو ایک بچہ بھی زید کے یہاں
بعد نکاح کے پیدا ہوئے اس قدر مدت گزرنے کے بعد عمرو بھی چلا آیا اس صورت میں عورت
و بچہ کس کو ملیں گے انکے لئے نکاح اول کافی ہے یا کہ نکاح ثانی کی ضرورت
ہے؟

الجواب :- عمرو کا نکاح باقی ہے اور عورت اسی کی ہے دوبارہ نکاح کر نیکی
ضرورت نہیں اور زید کا نکاح صحیح نہیں ہوا لیکن اولاد زید ہی کی ہے

كما في الدر المختار :- (غاب عن امرأته فتنزجحت بآخر وولدت اولاداً)
ثم جاء الزوج الاول (فالاولاد للثاني على المذهب) الذي رجع اليه الامام
وعليه الفتوى كما في الخانية والجوهرية والكافي وغيرها وقال الشامي
تحت قوله (حكى اربعة اقوال) لان الولد للفراس الحقيقي وان كان فاسداً
(الى ان قال) : وانما وضع المسئلة في الولد اذا المرأة ترد الى الاول اجماعاً
اه (ص ۱۰۳۸ - ج ۲) -

وفي العالمگیریة :- (ص ۴۰ - ج ۲) غاب عن زوجته البكر سنتين
فتنزجت وجاءت بالاولاد (الى ان قال) وروی عبد الكريم الجرجاني
عن ابي حنيفة ان الاولاد للزوج الثاني ورجع الى هذا القول وعليه
الفتوى كذا في التجنيس (الى ان قال) ولو كان الاول حاضراً - والمسئلة
بحالها فالولد للاول كذا في الوجيز للكرخي - قلت :- فما قال الشامي
تحت قول الدر (فلا عدة في باطل) اما نکاح منکوحۃ الغیر معتد بہ
فالدخول فيه لا يوجب العدة ان علم انها للغیر الخ يحمل على العلم
اليقيني وهو منتف في زوجة الغائب (المفقود) والله اعلم

اور عورت پر عدت بھی واجب ہے یعنی زوج ثانی (زید) سے علیحدگی کے بعد عدت
گزرنے تک عمرو کو صحبت وغیرہ جائز نہیں

وان فرق بعد الدخول كان عليها الاعتداد من وقت الفرقة

لا من وقت الوطی وکذا لو كانت الفرقة بغیر قضاء (قاضی خان ص ۲۶ ج ۲)

واللہ اعلم

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ

عبدالکریم عفی عنہ

۵، ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ

۵، ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ

زوجہ مجنون کا حکم (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ

ہندہ کا عقد نکاح دس سال کی عمر میں زید سے ہو گیا اور زید نکاح سے تقریباً عرصہ ایک سال کے بعد دیوانہ ہو گیا اور اب تک اسکی حالت بدستور خراب ہے اور بظاہر کوئی امید تندرست ہونے کی نہیں ہے نکاح کو ہوئے تقریباً عرصہ دس سال کا ہو گیا لڑکی کی عمر بیس سال ہے دوران شادی لڑکی صرف دس پانچ روز کیلئے شوہر کے مکان پر گئی تھی۔ باقی اس وقت اپنے والدین کے پاس ہے اور اس کے والدین بھی خورد و نوش وغیرہ کے کفیل ہیں اب ایسی صورت میں مسماۃ کا نکاح دوسری جگہ کر دیا جائے یا نہیں؟ بعض علماء سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ایسے نکاح کو حاکم شرع سے فسخ کر اگر دوسری جگہ نکاح کر سکتا ہے مگر یہاں کوئی حاکم شرع یا عدالت شرعی ایسی نہیں ہے جو فیصلہ مطابق شریعت کر سکے اگر کسی اسلامی ریاست کے قاضی شرع سے نکاح فسخ کر دیا جائے تو نکاح فسخ ہو جائیگا۔ اسمیں کیا ہونا چاہئے۔ فقط عبد الشکور پٹواری بلند شہر بالائے کوٹ کھال منھاراں۔

تنقیح :- جنون زید کے بعد ہندہ نے نکاح زید میں رہنے پر رضامندی ظاہر کی تھی یا نہیں؟ اور ظاہر رضامندی کے وقت ہندہ بالغ تھی یا نابالغ؟ مفصل لکھا جائے کہ ہندہ نے بعد جنون زید کیا کیا؟

جواب تنقیح :- ہندہ بوقت جنون زید نابالغ تھی اور جب بالغ ہوئی تو زید کے نکاح میں رہنے پر رضامندی ظاہر نہیں کی بلکہ اپنا عقد شافی کرنا چاہتی ہے۔

الجواب :- اگر کسی اسلامی ریاست میں ہندہ اور شوہر مجنون مع اسکے ولی کے پہنچ جائیں اور ہندہ فسخ نکاح کا مطالبہ کرے اور قاضی فریقین کے سامنے عقد نکاح کو فسخ کر دے تو فسخ ہو جائیگا۔ بشرطیکہ تا جیل عین کے موافق ایک سال کی مہلت دینے کے بعد فسخ کرے۔

کما صرح فی العالمگیریۃ :- (باقی صرف ایک فریق کے جانے سے کچھ نہ ہوگا)

لان قضاء القاضی لا ینفذ فیما لیس فی ولایتہ واذ اتحاكما وترا نعاى الخصمان
کلاهما فقد دخلا فی ولایتہ - واللہ اعلم

حرمہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۵ شعبان ۱۳۲۲ھ

(سوال) جس عورت کا شوہر غائب ہو اور نفقہ نہ بھیجتا ہو اس کا نکاح
فسخ کرنا اور اسکے لئے عوام کی طرف سے قاضی مقرر کرنا۔

اندرونیکہ در دیار ما اکثر کسان در رنگون وغیرہ رفتہ بعضے نکاح ثانی کردہ و بعضے با قلاشی و ضیق دستی و

شراب خوری مبتلا شدہ رخت اقامت می اندازند و پراے زوجہ ہائے آنان بوجہ خوراک و پوشاک چیزے نمی فرسند و نہ رجعت بسوئے خانہ ہائے می سازند و نہ طلاق می دهند و بعض در دیار خود سکونت ورزیدہ باز دواج زنی دیگرہ اوقات می گذارند و زن اول را نہ در خانہ دارے خود می آرند و نہ از زوجیت خود جدا می سازند پس بانو ہائے ایشان بکھت عدم حصول نفقہ و سکنی و البسہ یک قلم عاجزہ و مجبورہ گشتہ اکثر بفعل شنیع مثل زنا کاری و پردہ دری مبتلا می شوند و بعضے با مرد دیگر از خانہ خود ہایرون شدہ بجرائم علانیہ گرفتاری گشتند پس اندرین صورت ہائے مذکورہ خائون ہا بیچارہان را هیچ صورت مہینت ہست یا نہ؟ و بوقت ضرورت شدیدہ بمذہب و مسلک امام دیگر عمل کردن جائز ہست یا نہ؟ و درین ریاست و حکومت نصاری کہ قاضی شرعی مفقود ہست علماء محلہ را با اتفاق ساکنان محلہ و باشندگان قریہ حسب قول فقہاء و یکون القاضی قاضیا بتراضی المسلمین مقرر کردہ تفریق بین ایشان میتوان کرد یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب هو الموافق بالحق والصواب

در صورت مسئلہ تفریق بین زوجین نزد امام ما جائز نیست کیف ما کان۔
کما فی الدر المختار: ولا یفرق بینہما بعجزہ عنہا بانواع الثلاثۃ الخ اما امام شافعی وقتیکہ زوج معسر و مفلس باشد یا غائب گردد و تفریق جائزہ داشتہ اند۔ کما فی فیہا ایضاً: وجوزہ الشافعی باعسار الزوج و بتضررہا

عہ کذا فی رد المحتار ط ۱ ج ۱۔ تحت قول الدر باب الجمعہ ونصب العامة الخطیب۔ عبدالکریم

بغيبة ولو قضى به حنفى لم ينفذ نعم لو امر شافعياً فقضى به نفذ
 اذا لم ير لش الامر والمأمور بحر. وفي رد المحتار: تحت قول الدر
 المختار: نعم لو امر شافعياً ثم اعلم ان مشائخنا استحسنا ان ينصب
 القاضي الحنفى نائباً من مذهب المتفرق بينهما اذا كان الزوج حاضراً
 وافي عن الطلاق لان دفع الحاجة الدائمة لا يتيسر بالاستدانة
 اذا الظاهر انها لا تجدد من يقرضها وغنى الزوج مالا امر متوهم
 التفريق ضروري اذا طلبته وان كان غائباً لا يفرق لان عجزه غير معلوم
 حال غيبة ثم بعد نقل اختلاف الفقهاء ذكر والحاصل ان التفريق
 بالعجز عن النفقة جائز عند الشافعي حال حضرة الزوج وكذا حال
 غيبة مطلقاً الى قوله وذكر في الفتح انه يمكن الفسخ بغير طريق
 اثبات عجزه بل بمعنى فقدته وهو ان تتعذر النفقة عليها. وفي شرح
 الوقاية اما عند الشافعي فالقاضي يفرق بينهما لانه لما عجز عن الامساك
 بالمعروف ينوب القاضي منابه في التسريح بالاحسان واصحابنا لما شاهدوا
 الضرورة في التفريق لان دفع الحاجة الدائمة لا يتيسر بالاستدانة
 والظاهر انها لا تجدد من يقرضها وغنى الزوج في المال امر متوهم
 استحسنا ان ينصب القاضي نائباً شافعي المذهب يفرق بينهما انتهى
 — ولوقت ضرورة شديده بر مذهب امام ديگر حنفى را عمل کردن جائز و درست است
 كما يفهم من رد المحتار حاشية الدر المختار: وذكر ابن وهبان في منظومته
 انه لو افتى بقول مالك في الضرورة يجوز واعترضه شارحها ابن
 الشحنة بانه لا ضرورة للحنفي الى ذلك وقال الشارح في الدر المنقحة هذا
 ليس باول لقول القهستاني لو افتى به في موضع الضرورة لا بأس به
 على ما اظن انتهى ملخصاً والله اعلم وهكذا في النظم فلو افتى به
 في موضع الضرورة ينبغي لا بأس به على ما اظن انتهى — وبناء بر قول
 فقهاء. ويصير القاضي قاضياً يتراضى المسلمين كما في رد المحتار: اگر
 امان اتفاق شده عالمی متدین را قاضی مقرر سازند و فلوسے بوجہ رشوت نہ گیرد

وخالصةً بالله تفرق كرده دهند امید عند الشما جور شوند۔ والشر اعلم بالصواب و
عنده ام الكتاب۔ محمد عبد الحكيم غفر له الكريم۔

ليس للاحناف ان يفتوا بخلاف مذهب امامهم ولكن لما كانت الضرورة
داعية الى رفع الحاجة الدائمة كما حرره المجيب فينبغي للحنفي ان يفتي
للتفريق بينهما دفعاً للضرورة الشديدة۔ كتبه العبد الضعيف الراجي
الى رحمة ربه الودود ابو المحمود ومحمد عبد المعبود نكافى الحنفى۔
ليس للمقلد ان يفتي بخير قول امامه وعند الضرورة يذنب ان ينصب۔
قاضياً في مذهبه صورة واقعة فيقضى بما هو واقع له وفيما لم يوجد
قاض على الوصف المذكور والضرورة داعية فله حنفى ان يفتي بقول
غير امامه دفعاً للحاجة : بنده محمد ناظر غفر له

ان مست الحاجة كما حرر المفتي جداً فالحكم لغير المذهب لرفع
الضرورة ودفع الفتنة هو عين اتباع المذهب كما لا يخفى على ارباب
الدراية والله اعلم۔ عزيز الرحمن عفى عنه ازدار العلوم ديوبند۔

التنقيد على الجواب

فرد المختار بعد قوله وان كان غائباً لا يفرق لان عجزه غير معلوم
حال غيبته المذكورة في الجواب وان قضى بالتفريق لا ينفذ قضاءه لانه
ليس في مجتهد فيه لان العجز لم يثبت اهـ ونقل في البحر اختلاف
المشائخ وان الصحيح كما في الذخيرة عدم النفاذ لظهور مجازفة الشهود
كما في العمادية والفتح وذكر في قضاء الاشباه في المسائل التي لا ينفذ
فيها قضاء القاضي ان منها التفريق للعجز عن الاتفاق غائباً على الصحيح
لاحضراً اهـ (ص ۱۰۸۰ ج ۲) پس مجيب نے "ثم بعد نقل اختلاف الفقهاء"
میں ایک مختصر عبارت کے ذکر پر اکتفا کیا اور اس اختلاف فقہاء کو نقل نہ کیا اسمیں سوال
اس کے کیا مصلحت ہے کہ پوری عبارت نقل کرنے میں اپنے مدعا کے خلاف تصحیح صریح
موجود تھی اسلئے مبہم لکھ دیا تا کہ تصدیق کرنے والوں کو اس تحریر سے اتفاق ہو سکے۔ افسوس!
کہ مجیب کی طرح مصدقین نے بھی اس عبارت متروکہ کی طرف خیال نہ فرمایا اگر اس عبارت کے

ترک سے اختصار مقصود تھا تو بعد نقل اختلاف الفقہاء کے ساتھ و لصحیح عدم النفاذ بھی لکھ دینا لازم تھا غرض یہ ہے کہ زوجہ غائب کی تفریق مذہب صحیح پر کسی طرح نہیں ہو سکتی باقی حاضر معسر کی زوجہ کے متعلق ضرورت شدید کے وقت قول ”نعم لو امر شافعیاً فقضی بہ نفذ“ صحیح ہے ای بشرائط لیکن اس کے واسطے قاضی کی ضرورت ہے اور قاضی مقام سوال میں موجود نہیں اس واسطے یہ صورت بھی متصور نہیں اور مجیب نے جو صورت تحریر کی ہے کہ ”یصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین“ وہ صحیح نہیں کیونکہ اس جزیئہ کو صورت مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ قول مذکور جمعہ کے باب میں ہے پوری عبارت شامی باب الجمعہ کی یہ ہے ”فلو الولاة کفار أیجوز للمسلمین إقامة الجمعة ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین“ اور دیگر کتب فقہ میں بھی ایسا ہی ہے پس اس ”القاضی“ میں لام عہد ہے یعنی قاضی جمعہ۔ اور صورت مسئلہ کو جمعہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ لان الجمعة من العبادات والتفریق من المعاملات وشتان بینہما۔ بلکہ فیصلہ کنندہ قاضی ہونے کیلئے حکومت کی طرف سے امر ضروری ہے صرف مسلمانوں کے تقرر و انتخاب سے قاضی نہیں ہو سکتا

کما فی العالمگیریۃ (ص ۱۶۲ ج ۳): اذا اجتمع اهل بلدة علی رجل و جعلوه قاضیاً یقضی فیما بینہم لا یصیر قاضیاً و اذا اجتمعوا علی رجل و عقدوا معہ عقد السلطنة او عقد الخلافة یصیر خلیفة و سلطاناً کذا فی المحيط اھ و قال العلامة الشامی فی کتاب القضاء:۔ تحت قول الدر: (ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجار) ای الظالم و هذا ظاهر فی اختصاص تولیة القضاء بالسلطان ونحوہ كالخليفة لو اجتمعوا اهل بلدة علی تولیة واحد القضاء لم یصح بخلاف مالو و لو اسلطاً بعد موت سلطانہم کما فی البزازیة۔ مخر و تمامہ فیہ۔ اور اسکے بعد گو علامہ موصوف نے فرمایا ہے۔ قلت۔ ہذا حیث لا ضرورة والا فلہم تولیة القاضی ایضاً کما یاتی بعدہ لیکن آگے چلکر درمختار میں بھی صرف تقرر والی و امام جمعہ کا ذکر ہے قاضی کا کوئی ذکر نہیں اور شامی نے بھی تاتارخانیہ و فتح القدیر سے جو عبارات نقل کی ہیں ان میں بھی براہ راست اہل اسلام کو اس کا اختیار نہیں دیا کہ معاملات کا فیصلہ کرنے والا قاضی

مقرر کر سکتے ہیں بلکہ صرف امام وقاضی جمعہ ہی کا اختیار دیا ہے اور تقرر قاضی کی یہ صورت تجویز فرمائی گئی ہے کہ اول اہل اسلام کسی مسلمان کو والی بنادیں پھر وہ والی کسی کو قاضی کا عہدہ سپرد کرے۔ عبارات یہ ہیں۔

وفي الدر المختار: ولوفقه والی لغلبة كفار وجب على المسلمين تعيين والی وامام للجمعة فتح (تاتارخانیہ) الاسلام ليس بشرط فيه ای فی السلطان الذی یقلد وبلاد الاسلام التي فی ایدی الکفرة لاشك انها بلاد الاسلام لا بلاد دار الحرب لانهم لم يظهر وا فيها حکم الکفر والقضاة مسلمون والملوك الذین یطیعونهم عن ضرورة مسلمون ولو كانت عن غير ضرورة منهم ففساق وكل مصرفیه والی من جهتهم تجوز فيه اقامة الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقليد القضاة وتزويج الايامی لاستیلاء المسلم علیه واما اطاعة الکفر فذاك مخادعة واما بلاد علیها ولالة کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین ویجب علیهم ان یلتسوا والیاً مسلماً منهم اه

وفي الشامية ایضاً: وعزاه مسکین فی شرحه الی الاصل ونحوه فی جامع الفصولین (فتح القدیر) واذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبة الآن یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیاً فیولی قاضیاً او یکون هو الذی یقضى بدینهم وکذا ینصبوا اماماً یصلی بهم الجمعة اه

کتب مذکورہ کے علاوہ دیگر کتب فقہ میں بھی بہت تلاش کیا گیا مگر امام جمعہ کے سوا براہ راست قاضی کا تقرر مسلمانوں کے سپرد ہونا کسی جگہ منظر سے نہیں گذر سب ہی لکھتے ہیں کہ یا تو غیر مسلم حاکم کی منظوری سے نصب قاضی ہو سکتا ہے یا اول اہل اسلام کسی کو باقاعدہ قیود و شرائط کے ساتھ والی بنادیں پھر اس والی کی طرف سے تقرر ہو سکتا ہے۔ اور راز اس میں

عہ قیود و شرائط بوقت ضرورت کتب فقہ میں ملاحظہ ہوں اس جگہ ایک شرط کا ذکر ضروری ہے وہ یہ کہ امیر والی باختیار و صاحب اقتدار ہو۔ دلیل اسکی یہ ہے کہ کتب مذہب میں امام کیلئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ معلوم ہوتا ہے کہ وال با اختیار کا تقرر ہونے کے بعد اگر کوئی اختلاف کرے تو وہ جرم بھارت میں
ماخوذ ہو سکتا ہے اور اگر تقرر قاضی من العامہ کے بعد کچھ لوگ اختلاف کر کے دوسرا قاضی مقرر کر لیں
یا ویسے ہی اس قاضی کا حکم نہ مانیں تو اس کا کچھ علاج نہیں۔ پس اس سے واضح ہو گیا کہ قاضی کو
براہ راست مقرر کیا جائے تو اس کو قوت تنفیذ حاصل نہیں ہو سکتی اور بلا قوت تنفیذ کسی کا
نام قاضی رکھ دینا محض بیکار ہے۔ لہذا جواب مولوی عبدالمجید صاحب کا لکھا ہوا صحیح نہیں بلکہ سوال کا صحیح جواب ہے
ہے کہ صورت مسئلہ میں سے بعض صورتوں میں بوجہ قاضی نہ ہونے کے تفریق نہیں ہو سکتی اور
قاضی خود مسلمان مقرر کریں تو وہ قاضی نہیں ہو سکتا اور بعض صورتوں میں قاضی کو بھی
تفریق کا حق حاصل نہیں

(خاتمہ) اس مختصر تحریر سے یہ تو واضح ہو گیا کہ روایات فقہ نصب القاضی من
العامہ کی عدم صحت پر متفق ہیں۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم
نعم التحقیق و بالقبول حقیق
اشرف علی ۲۶ رمضان ۱۴۲۷ھ
تھانہ بھون ضلع مظفر نگر۔ ۲۶ رمضان ۱۴۲۷ھ

آخر الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ

۲۶ رمضان ۱۴۲۷ھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہ شرط مصرح ہے چنانچہ شرح عقائد میں ہے "سائسا اسی مالکا للتصرف فی
امور المسلمین بقوة رأیه ورویتہ ومعونۃ بأسد وشوکتہ قادراً بعلمہ وعدمہ وکفایتہ
وشجاعتہ علی تنفیذ الاحکام وحفظ حدود دار الاسلام وانضاف المظلوم من الظالم۔
اور علت اسکی یہ لکھی ہے۔ اذا اخلال بهذه الامور محل الغرض من نصب الامام اور ان امور
کی مذمت لکھی ہے۔ "والمسلمون لا بد لهم من امام يقوم بتنفيذ احكامهم واقامة حدودهم
وسد ثغورهم وتحمين جيوشهم واخذ صدقاتهم وقهر المتغلبية والمتلصصة وقطاع
الطريق واقامة الجمع والاعياد وقطع المنازعات الواقعة بين العباد وقبول الشهادات
القائمة على الحقوق وتزويج الصغار والصغار الذين لا اولياء لهم وقسمة الغنائم
ونحو ذلك من الامور التي لا يتولاها احاد الامة اہ اور والی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ (۱) چودہ سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ زید ملک نیپال میں بجرم قتل عمد ماخوذ ہوا اور اب گزشتہ سال اسکو حبس دوام کی سزا ہو گئی اپیل میں بھی ناکامی ہوئی اور فیصلہ بحال رہا اب تک زید کی بیوی باوجود طرح طرح کی تکلیفوں کے صرف اس اُمید پر کہ شاید میرا شوہر رہا ہو جائے بیٹھی رہی لیکن اب جبکہ اسکی سزا ہو جائیکے باعث اسکی اُمید رہائی بالکل منقطع ہو چکی ہے تو زید کی بیوی کا مستقبل نہایت ہی تاریک نظر آتا ہے اور اسکو طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور اسکے میکہ والد بچہ نان و نفقہ کا بار نہیں اٹھا سکتے وہ سخت مصیبت میں ہے بیوی کی عمر ۲۵ سال ہے اس کا شوہر زید جو ریاست نیپال میں حبس دوام کی سزا بھگت رہا ہے نہایت ہی شریعہ آدی ہے اور باوجود سخت کوششوں کے بھی وہ طلاق دینے پر کسی طرح رضا مند نہیں ہوتا ، معاملہ چونکہ ایک دیسی ریاست کا ہے وہ بھی نیپال جیسی ریاست جہاں معمولی معمولی باتوں کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دامیری انہیں اغراض کے واسطے مقرر کیا جاتا ہے اسواسطے قوت و شوکت امور متعلقہ کی تنفیذ پر شرط ہونا لازم ہے۔ کمالا یحفظ علی من لاہ ادنیٰ فہو۔ اور سخت حیرت ہے کہ بعض لوگ اس شرط اعظم کو اڑاتے ہیں اور اس پر اس سے استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدا میں شوکت و غلبہ حاصل نہ تھا حالانکہ آپ اول ہی سے امام واجب الطاعت تھے ان حضرات کو اول تو یہ خیال فرمانا چاہئے کہ یہ زمانہ اجتہاد کا نہیں اور تصریحات مذہب کے بعد قیاس کا حق نہیں دوسرے یہ غور کرنا لازم ہے کہ انبیاء کرام مامور من اللہ ہوتے ہیں اور یہ گفتگو منصوص من العباد میں ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں علاوہ ازیں ایک امر قابل توجہ یہ بھی ہے کہ اگر نصب امام و والی کیلئے قوت و شوکت شرط نہیں تو کتب فقہ میں ایسے احکام درج کیوں گئے جن میں فقدان امام مفروض ہے بے ملکی تو اب کے تقرر کا کیا شکل ہے جس کے نہ ہونے سے طرح طرح کے مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے اور علماء و ہندو دیگر ہمالک چین وغیرہ نے اس طرف التفات کیوں نہ کیا ایسا زمانہ تو کوئی آیا نہیں جس میں صرف زبان سے کسی کو امام یا والی دامیر کا خطاب دیدینا غیر ممکن ہو گیا ہو پھر علمائے اسلام بالخصوص مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ وغیرہ سلمہ اکابر کا اس فریضہ مذہبی کو ترک کرنے میں کیونکر معذور ہو سکتے ہیں ایسی کھلی بات میں زیادہ گفتگو کرتے ہوئے شرم آتی ہے اس قدر تحریر کی بھی حاجت نہ تھی مگر ضرورت زمانہ نے مجبور کیا کہ غلط مسائل شائع ہو رہے ہیں اور ان پر بلاسوچے سمجھے دلائل قائم کئے جاتے ہیں اسلئے بقدر ضرورت یہ مضمون حاشیہ پر لکھ رہا ہے۔ فقط والسلام۔

فیصلہ کیلئے ایک طویل زمانہ درکار ہوتا ہے جس کا اندازہ اسی مقدمہ سے کیا جاسکتا ہے کہ چودہ سال میں زید کے مقدمہ کا فیصلہ ہوا اسلئے وہاں کے حکام کے ذریعہ سے زید سے جبراً طلاق حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہے اگر ایسی کوشش کی جائے تو نتیجہ پیدا ہونے تک زید کی بیوی کی عمر تباہ ہو جائیگی اسلئے برائے کرم پورے غور و فکر کے بعد فرمائیں کہ آیا صورتِ مسئلہ مشرحہ میں زید کی بیوی بغیر طلاق کے نکاحِ ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟ اگر صورتِ مذکورہ میں عورت اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے تو اسکی شکل کیا ہوگی؟ جبکہ ہمارے یہاں انگریزی حکومت ہے اور زید ایک دیسی ریاست میں محبوس ہے

(۷) مسلمان کلکٹر ضلع یا مسلمان ڈپٹی کلکٹر قاضی تسلیم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ —

المستفتی۔ شیخ چھیدی عبد الحمید قصبہ لار محلہ دکن

ضلع گورکھپور۔ مرقوم ۳ جولائی ۱۹۲۷ء

الجواب :- یہ شخص مفقود نہیں کیونکہ مفقود وہ ہے جسکی موت و حیات کا علم نہ ہو اور اس شخص کی جگہ بھی معلوم ہے حیات بھی معلوم ہے لہذا یہ مفقود نہیں بلکہ ضاربِ غیبتہ ہے اور اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک فرقتِ بین الزوجین نہیں ہو سکتی اور امام مالکؒ کا قول چار سال کی مدت کا مفقود کے بارے میں ہے اور یہ شخص مفقود نہیں پس اس صورت میں امام مالکؒ کے نزدیک بھی وسعت نہیں لہذا زید کی بیوی بدون زید کی طلاق یا موت کے کسی دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی۔

قال فی الدر :- ولا یفرق بینہما بعجزہ عنہا بانوا عہا الثلاثۃ
(ای الماکول والملبوس والمسکن ۱۲- ش) ولا بعدمرا یفاکھ حقہا لو غائباً
ولو موسراً (قال الشامی المناسب ولو معسراً) وجوزہ الشافعی باعسار
الزوج وبتضررها بغیبتہ ولو قضی بہ حنفی (ای علی الغائب) لم
ینفذ لو امر شافعیاً تقضی بہ نفذاہ (مکناج ۲)

وفیہ ایضاً :- فی باب المفقود - ہو شرعاً غائب لم یدرأ حی ہو
فیتوقع أم میت اودع اللحد البلقع اھ قال الشامی عن البحر: فالمداس
انما هو علی الجہل بحیاتہ وموتہ لا علی الجہل بمکانہ اھ (ص ۵۰۷ ج ۳)
اور اس صورت میں عورت کو اور اسکے والدین کو اس مصیبت پر صبر کرنا چاہیے

جیسا کہ اس صورت میں صبر کرنے جبکہ لڑکی کا کسی جگہ سے پیغام ہی نہ آتا اور نکاح ہی نہ ہوا ہوتا۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

محرم الحرام ۱۴۳۸ھ

(سوال) مرجع العلماء جناب مولانا

صاحب زید مجدہم۔ بعد تحفہ تعظیبات معروض
ایک۔ ہمارے فقہ کی کتب حنفیہ مثل جامع الرموز
وغیرہ میں اور نیز حضرت بابرکت نے فتاویٰ ابراہیم
میں افادہ فرمایا ہے کہ روز فقدان سے مفقود کی

تفریق زوجہ مفقود کیلئے دارالاسلام
میں قضاء و قاضی شرط ہے اور یہ کہ حیار
سال کی مدت انتظار بعد رفع الی الحاکم
سے شمار ہوگی، اور دارالحرب میں مالکیہ کا
وہی مذہب ہے جو حنفیہ کا ہے۔

عورت بحکم حاکم مسلم زوج کو حکمی موت میں داخل کر کے عدت گزار کر نکاح کر سکتی ہے
مگر مدونہ کبریٰ تصنیف امام مالک ص ۹۲ طبع مصری میں ہے کہ وہ چار برس
بحکم حاکم گذرنے ضروری ہیں سوائے حکم حاکم کے مرور سنین کا کوئی اعتبار نہیں اگرچہ بیس برس
گذر گئے ہوں وہ عبارت یہ ہے "ضرب اجل المفقود، قلت :- رأیت امرأة
المفقود الطبرانی رابع سنین فی قول مالک بنیر امر السلطان (قال)
قال مالک: لا وان اقامت عشرين سنة ثم رفعت امرها الى السلطان
نظر فيها وكتب الى موضعه الذي خرج اليه فاذا يبس منه ضرب لها
من تلك الساعة اربع سنين (سحنون) عن ابن وهب عن عبد الجبار
بن عمر عن ابن شهاب ان عمر بن الخطاب ضرب للمفقود من يوم جارت
امرأتها اربع سنين ثم امرها ان تعتد عدة المتوفى عنها زوجها ثم تصنع
فی نفسها ما شارت اذا انقضت۔ وقال ربيعة بن ابی عبد الرحمن: المفقود
الذي لا يبلغه السلطان ولا كتاب سلطان فيه قد اضل اهله وماله
فی الارض فلا يدري ابن هو وقد تلوموا فی طلبه والمسئلة عنه فلم
يوجد فذاك الذي يضرب الامام فيما بلغنا لامرأتها الاجل ثم تعتد
بعد هاء عدة الوفاة اه

ذرقانی علی الموطا للامام مالکؒ میں بھی مرور چار سال بامر سلطان کو

ثابت رکھا ہے اور یہی عبارت نقل کی گئی اب عرض یہ ہے کہ ہمارے فقہ حنفی میں مالکی مذہب کی نقل کرنے میں غلطی اور مسامحت کی ہے جیسا کہ صاحب جامع الرموز متنازع مشہور ہے اور غالباً اس مسئلہ میں سب کا پیشوا بھی وہی معلوم ہوتا ہے یا کوئی اور جواب ہو سکتا ہے جس سے کہ ہماری کتب حنفیہ کی نقل درست اور مرور چار برس کا روز فقدان زوج سے مراد ہو یا سلطان یا نہ۔ بعض فضلاء راہ پیور وغیرہ فرماتے ہیں کہ جامع الرموز کا مطلق چار برس کا کہنا اگرچہ بغیر سلطانی امر کے ہو کتب مالکیہ کے خلاف ہے اور اپنے مذہب پر صاحب مذہب ہی کو پوری اطلاع ہوتی ہے نہ کہ غیر کو جیسا کہ ہدایہ میں نسبت علت متعہ بطرف امام مالک صاحب نسبت کرنا مخالف تھا کتب مالکیہ کے لہذا احناف نے رد کر دیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب :- بے شک مذہب مالک کی نقل وہی معتبر ہے جو کتب مالکیہ میں موجود ہے مدونہ کی عبارت جیسا کہ سوال میں مذکور ہے اور میں نے خود بھی اسکو مدونہ میں دیکھا ہے اس امر میں صریح ہے کہ زوجۃ المفقود چار سال قضاء حاکم و امر حاکم کے بعد گناہ اس سے پہلے اس کا چار سال یا بیس سال گزارنا معتبر نہیں۔

وقال الحافظ ابن حجر في الفتح أيضاً: ان مذهب الزهري في امرأة المفقود انها تربع أربع سنين وقد اخرج عبد الرزاق وسعيد بن منصور وابن أبي شيبة باسناد صحيح عن عمرو وثبت أيضاً عن ابن عمرو ابن عباس قال لا تنتظر أربع سنين وثبت أيضاً عن عثمان وابن مسعود في رواية وعن جمع من التابعين كالنخعي وعطاء والزهري ومكحول والشعبي واتفق أكثرهم على ان التأجيل من يوم ترفع امرها للحاكم وعلى انها تعتد عدة الوفاة بعد مضي الأربع سنين ولم يفرق أكثرهم بين احوال الفقد الا ما تقدم عن سعيد بن المسيب (قال اذا فقد في الصف عند القتال تربعت امرأته سنة واذا فقد في غير الصف فاربع سنين) وفرق مالك بين من فقد في الحرب فتؤجل الاجل المذكور (اي أربع سنين) وبين من فقد في غير الحرب فلا تؤجل بل تنتظر مضي العمر الذي يغلب على الظن انه لا يعيش أكثر منه وقال احمد والحق ان من غاب عن اهله فلم يعلم

خبرہ لاتاجیل فیہ وانما یؤجل من فقد فی الحرب و فی البحر او نحو ذلک
وجاء عن علی اذا فقدت زوجها لم تزوج حتی یقدم او یموت وقال عبد الرزاق
بلغنی عن ابن مسعود انه وافق علیاً فی امرأة المفقود انہا تنتظرہ ابدًا ومن
طریق النخعی لا تزوج حتی ستین عمرہ وهو قول فقہاء الکوفۃ والشافعی
وبعض اصحاب الحدیث (ھـ) (مشکج - ۹)

اس سے معلوم ہوا کہ زوجہ مفقود کیلئے ائمہ اربعہ میں سے امام احمد و مالک چار سال
کے انتظار کے قائل ہیں۔ مگر دونوں کے نزدیک تاجیل امام شرط ہے بدو تاجیل امام کے
چار سال گذرنا معتبر نہیں اور ان کے نزدیک بھی تاجیل باربع سنیں ہر مفقود کیلئے نہیں بلکہ
مفقود فی الحرب و نحوہا کیلئے ہے اور مفقود فی غیر الحرب کیلئے وہ بھی امام ابو حنیفہ و شافعی
کی طرح موت اقران کے قائل ہیں یہ تو اصل مسئلہ کی تحقیق تھی اور حضرت حکیم الامت نے
اپنے فتاویٰ میں کسی جگہ قضاء قاضی کا مذہب مالک میں مشروط ہونا ضرور ظاہر فرمایا ہے جیسا کہ
مجھے یاد پڑتا ہے اور مصنفین حنفیہ کا اس شرط کو ظاہر نہ فرمانا یا تو بوجہ اختلاف روایات
مالک کے ہے ممکن ہے کہ ان سے کسی روایت میں یہ شرط مروی نہ ہو جس سے حنفیہ نے اطلاق
سمجھا اور مالکیہ نے دوسری روایت سے اسکو مقید سمجھا یا بوجہ قلت ہمارست بفقہ مالک کے ہے
اور حنفیہ کی طرح مالکیہ و شافعیہ و حنابلہ بھی حنفیہ کے مذہب کے بیان میں ایسی غلطیاں بکثرت
کرتے ہیں کہ خاص کو عام مقید کو مطلق بیان کر دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ - ۲ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ

قلت: والذی صرح بہ الشیخ حکیم الامتہ فی بعض فتاواہ ما نقلہ من
کتاب شرح الشیخ الدردیر علی مختصر الشیخ الخلیل فی المذہب المالکی و
نصہ ولزوجة المفقود الرفع للقاضی والوالی ودالی الماء وهو الساعی ای
جائی الزکوة والا فلجماعة المسلمین فیؤجل الحرام بعین سنین ان
دامت نفقتہا من مالہ والا طلق علیہ لعدم النفقة من حین العجز من
خبرہ بالبحث عنہ فی الاماکن التي یظن ذهابہ لولیہا فی البلد ان بان
یرسل الحاكم رسولا بکتاب الحاكم تلک الاماکن مشتمل علی صفة الرجل
وحرقتہ ونسبہ لیفتش عنہ فیہا ثم بعد الاجل کائن بعد کشف الحاكم

عن امره ولو يعلم خبره اعتدت عدة كالأقاة (أي حكم دردار الاسلام بوجوبه)
 در آن کتاب تصریح است و بعد چند سطر حکم مقابلش یعنی زوج مفقود در دار الکفر می آرد هکذا
 و بقیت زوجة الاسیر و زوجة مفقود ارض الشریک للتعمیر ان دامت نفقتها
 و الا فلها التطلیق كما لو خشي النفا و هو (ای) التعمیر سبعون سنة من
 يوم ولد اه ملك الى ملك

و فی مقدمات ابن رشد القاضی المالکی قال مفقود هو الذی یغیب
 فینقطع اثره و لا یعلم خبره و هو علی اربعة اوجه مفقود فی بلاد المسلمین
 و مفقود فی بلاد العدو و مفقود فی صف المسلمین فی قتال العدو و مفقود
 فی حرب المسلمین فی الفتن التي تكون بينهم فاما المفقود فی بلاد المسلمین
 فالحکوفیه اذا رفعت امرأة امرها الى الامام ان یکلفها اثبات الزوجية
 و المغیب فاذا اثبت ذلك عنده کتب الى والی البلد الذی یظن انه
 فیه او الى البلد الجامع ان لم یظن به فی بلد بعینه متبعثاً عنه و یعرفه
 فی کتابه الیه باسمه و نسبه و صفته و متجره و یکتب هو بذالك الى نواحی
 بلده فاذا ورد علی الامام جواب کتابه بانه لم یعلم له خبر ولا وجد له اثر
 ضرب لامرأته اجلا اربعة اعوام ان کان حراً او عامین ان کان عبدا
 ینفق علیها فیها من ماله و فی مختصر ابن عبد الحکیوم ان الاجل یضرب من
 يوم الرفع ^ص قال : و اما المفقود فی بلاد الحرب فحکمه حکم الاسیر و لا
 تتزوج امرأته و لا یقسم ماله حتی یعلم موته او یاتی علیه من الزمان
 ما لا یحیی الی مثله فی قول اصحابنا کلهم حاشا شهب فانه حکمه بحکم
 المفقود فی المال و الزوجة جمیعاً و اختلف فیمن ذهب فی البحر الى بلاد
 الحرب ثم فقد فقیل انه کالمفقود فی بلاد المسلمین لا مکان ان تكون
 الدیج قدرته الى بلاد المسلمین الا ان یعلم انه جاز فی بعض جهات الروم
 (مثلاً) ثم فقد بعد ذلك و قیل انه کالمفقود فی بلاد الحرب اه ثم
 فصل فی حکم المفقود فی صف المسلمین فی قتال العدو و فی القتال بین
 المسلمین و ذکر ان فی ذالك روايات مختلفة ففی بعضها له حکم المفقود

فی دارالاسلام وفی بعضہا لہ حکم المقتول فتتلو مرامن أنتہ سنة او نحو ذالک
وفی بعضہا لہ حکم الاسیر وقد تقدم والله تعالیٰ اعلم۔ قلت: وبہ
تبیین ان قول مالک فی المفقود کقولنا فی غالب الاحوال الا فی الذی فقد فی دار
الاسلام فیضرب لامراتہ الاجل عنده بعد الرفع الی الحاکم من یوم الرفع
او من یوم مرور وجواب کتابہ الی البلد ان ولس للمراة عنده ان تنتظر
اربعة اعوام بنفسہا کما افقی بذالک بعض العلماء بالہند اخذا بقول
مالک وهو خطأ صریح۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفاعنہ ، ربیع الاول ۱۳۸۶ھ

حکم زوجہ مجنون مفقود (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس
مسئلہ میں کہ بمبئی میں ایک شخص دیوانہ ہو گیا اور احمد آباد کے قریب میران داتا صاحب کا مزار
ہے جہاں ایسے دیوانوں کو بغرض حصول شفا لوگ لیجاتے ہیں چنانچہ شخص مذکور دیوانے کی
زوجہ اس دیوانے کو اپنے ہمراہ لیکر میران داتا صاحب کے مزار پر لیجانی کے واسطے ریل میں
سوار ہو گئی راستہ میں عورت مذکور سو گئی جب بیدار ہوئی تو اپنے زوج دیوانے کو نہ پایا عورت
نے پہلے تو خود بہت جستجو کی بعد ازاں انعامی اشتہار بھی چھپوایا بعد ازاں عورت کے اقارب نے
اجمیر دہلی تک سفر کر کے بھی اس شخص دیوانے کی جستجو کی اس واقعہ کو تقریباً پانچ سال کا عرصہ
ہو چکا ہے مگر اب تک اس شخص دیوانے کا کچھ پتہ نہیں ملا اب عورت مذکورہ چونکہ جوان بہرہ
سالہ ہے اور نان ونفقہ سے بھی تنگ ہے اس واسطے بصورت مذکورہ کسی دوسرے شخص
سے وہ عورت نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

العبد ہاشم بن آدم کوسیٹی۔ العبد اسماعیل احمد۔ شاہد احمد بن محمد

الجواب :- نہیں کر سکتی البتہ اگر حکام انگریزی کسی مسلمان حاکم کو ایسے مقدمہ
میں شرعی فیصلہ کرنیکا اور اس مفقود کے حکم بالموت کا اختیار باقاعدہ دیدیں تو پھر سوال کیا
جائے اسکی تدبیر بتلائی جائیگی۔ بشرف علی

تتمہ سوال بالا

بعد از سلام مسنون عرض ہے کہ مفقود مذکور اور اسکی زوجہ ہر دور یا سنت مانگر
دل کے رہنے والے ہیں بوجہ روزگار کے بمبئی میں رہتے تھے زوج کے مفقود ہونیکے بعد زوجہ

اپنے اصلی وطن مانگر دل میں چلی آئی۔ اب عرض یہ ہے کہ یہاں کارٹیس مسلمان اور حاکم با اختیار ہے اپنے رعایا پر جو قانون چاہے نافذ کر سکتا ہے اور گورنمنٹ نے بھی حاکم مذکور کے اختیار مذکور کو تسلیم کیا ہوا ہے صرف سہولت کیلئے حاکم نے اپنے قلم رو میں قانون انگریزی کو جاری کر رکھا ہے اب حاکم مذکور مفقود مذکور کی نسبت (جو کہ علاقہ انگریزی میں مفقود ہوا ہے) حکم بالموت کر سکتا ہے یا نہیں؟ فتاویٰ امدادیہ ج ۳ - ص ۸۰ - سطر ۱۳ پس بناءً علیہ دین ملک آں حکام کہ برائے ایں غرض از سرکار مامور کردہ می شود اگر مسلمان باشند در حکم قضاة هستند مثل ڈپٹی وغیرہ نیز ص ۸۰ - سطر ۲۲ اگر قاضی شرعی است کہ برائے فضل خصوصیات مقرر کردہ شد قضاة نافذ می شود نیز ص ۸۰ سطر ۱۳ صورت ثانیہ (یعنی جہاں کفار کی طرف سے حاکم مسلمان ہو) میں فسخ معتبر نہ ہوگا بینوا توجروا۔

الجواب من جامع امداد الاحکام

صورت مسئلہ میں عورت اس واقعہ کا مرافعہ حاکم مسلم مانگر دل کی عدالت میں کرے پھر حاکم مذکور کو چاہئے کہ مفقود کی تلاش و تفتیش کرے اگر مایوسی ہو جائے اور اسکے ظن غالب میں مفقود کی موت راجح ہو تو تاریخ مرافعہ سے چار سال کے بعد حکم بالموت کر سکتا ہے علی مذهب مالک و علی مذهبنا ایضا فان الزیلعی اختیار تفویضہ الی رای الحاکم (در ص ۱۵۵ ج ۳) — پھر حکم بالموت کے بعد چار ماہ دس دن عدت و فیات کے پوری کر کے نکاح کر سکتی ہے۔ قلت: ولما کان المفقود فی وطنہ فی ولایۃ هذا الحاکم المسلم یجعل کانه مفقود دار الاسلام ولو سلم انه مفقود دار الحرب فان الملك الحربی اذن له فی الحکم بین الناس الذین هم فی الاصل تحت ولايتہ وان سکنت بلاد الحرب للمکسب بما هو الظاهر من اصولهم والله اعلم۔

و فی المدونة: قال مالک، فی الاسیر: یققد فی ارض العدو انه لیس بمنزلة المفقود لانه فی ارض العدو وقد عرف انه قد اسر ولا یتطیع الوالی ان یتخب عنه فی ارض العدو فلیس هو بمنزلة من فقد فی ارض الاسلام (ص ۹۸ ج ۲) — قلت: وهل اذا کان فقد فی ارض الحرب و ملکها مسلم للسلطان المسلم فهو کالاسیر ام لا الظاهر الثانی لا مکان

الاستخبار عنه فی ارض المسالرو اللہ اعلم۔

حدرہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ امدادیہ۔ ۱۱ شوال ۱۳۶۶ھ

صورت تفریق زوجہ عین (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ اندازاً تیرہ چودہ سال کا مقضی ہوا کہ محمد سعادت علی ساکن حال جھانگیر آباد بھوپال نے اپنے دختر کا عقد اپنے رشتہ دار نامی محمد کرم علی صاحب ساکن ضلع میرٹھ سے کر دیا تھا۔ اتفاق سے شوہر نامہ زوجین نکلا اس وجہ سے اسکو ندامت ہوئی اور وہ اپنے وطن چلا گیا۔ مدعیہ کے باپ نے بعد تین چار سال کے محکمہ قضا بھوپال میں چارہ جوں بابت مملو خلاص کی محکمہ موصوف سے باضابطہ ذریعہ عدالت مافوق مدعا علیہ طلب کیا گیا مگر وہ باوجود طلبی اور تین چار سال گزر جانے کے حاضر نہ ہوا محکمہ قضا نے مقدمہ خارج فرمایا کہ بلا حاضری مدعا علیہ تصفیہ جدائی زوجین غیر ممکن ہے اور محکمہ افتاء بھوپال نے فتویٰ تحریر فرمایا کہ شریعت عزاداد رسی مطلوبان و فیصلہ خلافت ہر قسم سے کہیں عاجز نہیں اور علاقہ غیر کی صورت میں علاج شرعی ہو سکتا ہے جو بذریعہ کتاب القاضی الی القاضی کے حسب معروض بالا کاروائیاں تکمیل ہو سکتی ہیں یعنی باضابطہ میعاد ایک سال دیگر اطلاع دی جائے اور بحالت عدم حاضری مدعا علیہ ہدایت جلد تک باب العین جدائی ممکن ہے اسپر فرمانروائے بھوپال سے بنام قاضی صاحب بھوپال مکرر تحقیقات کا حکم فرمایا گیا قاضی صاحب سابق نے بعد ایک دو سال کے مکرر خارج فرمایا کہ بلا حاضری مدعا علیہ تصفیہ نہیں ہو سکتا مجبوراً باپ مدعا علیہ نے جا بجائے فتوے علماء دین سے حاصل کر کے خدمت میں قاضی صاحب حال پیش کی کہ جس میں یہ بھی تحریر تھا کہ مدعا علیہ کو باضابطہ میعاد ایک سالہ اطلاع دی جانے پر اور بحالت عدم حاضری مدعا علیہ علیحدگی زوجین بروئے شریعت شریف جائز ہے تب محکمہ قضا نے ذریعہ استخبارات و اخبارات اعلان کیا اور ایک حکم باضابطہ اطلاعاً مدعا علیہ کو دیا کہ اگر اس مرتبہ مدعا علیہ حاضر نہ ہوا تو یہ سمجھا جائیگا کہ مدعا علیہ کو علیحدگی منظور ہے اور اسے بروئے شریعت شریف حکم قطعی علیحدگی زوجین دیا جائیگا تاہم مدعا علیہ اندامیعا و مقررہ حاضر نہ ہوا۔ بعد میعاد باپ مدعا علیہ کو بلوایا جائے۔ چنانچہ تب وہ حاضر ہوا اور ایک ہندو ڈاکٹر کا سٹیفیکٹ بھی لا کر پیش کیا کہ میں اب اچھا ہوں۔ اس پر باپ مدعیہ نے جب کہا جناب کے سٹیفیکٹ ڈاکٹر کا فر کا شریعت عزاداد میں جائز نہیں بمقابلہ

تحقیقات شرعیہ کے اور جس حال میں آپ خود عالم و حاکم محکمہ قضا رہیں اور حکیم بھی ہیں مدعا علیہ کا معائنہ بھی کرا سکتے ہیں ایسی صورت میں یہ سٹیفیکٹ کافر کا دیا ہوا اور عدم موجودگی فریقین و عدالت کے حاصل کیا گیا ہے کب جائز سمجھا جاسکتا ہے اسپر قاضی صاحب نے بخیال دور اندیشی اہل برادری ہونیکے مقدمہ خارج فرما دیا اور مثل داخل دفتر فرمادی اور کوئی تصفیہ نہ فرمایا مدعا علیہ مع باپ کے واپس وطن خود چلا گیا اسی طرح زمانہ عقد سے اس وقت تک عرصہ چودہ سال کا ہو گا نہ تصفیہ کیا گیا نہ نان و نفقہ دیا گیا۔ اسی عرصہ میں والدین مدعا علیہ کا انتقال ہو گیا اور ماں مدعیہ کا انتقال ہو گیا صرف باپ مدعیہ جو ضعیف العمر بیکا رخا نہ نشین بیمار ہے اگر وہ بھی قضا کر گیا تو کوئی سرپرست مدعیہ کا نظر نہیں آتا ایسی صورت میں شریعت کیا حکم دیتی ہے کہ جس حالت میں مدعیہ کو نہ جانا منظور ہے نہ مدعا علیہ کو کوئی ضرورت لاحق ہوئی۔ جائے غور ہے۔ کہ استقدر عرصہ گزر جانے پر اور جوانی مدعا علیہ اتر جانے تک کوئی برائی بھلائی یا خواہش تک نہ معلوم ہو جیسا زمانہ ابتداء میں معصوم صفت نابالغ تھا تا این دم نابالغ موجود ہے اور نہ نان و نفقہ دے اگر دعویٰ نان و نفقہ کیا جائے تو یہ اندیشہ ہے کہ سابقہ دعویٰ پر عرصہ چودہ سال کا گزر گیا دوبارہ پر عمر زوجہ درکار ہے اس وقت بجز سرپرست و کفیل باپ خود مدعیہ کے کوئی دوسرا نظر نہیں آتا ایسی حالت میں بجز گلو خلاصی مدعیہ کیونکر اوقات بسر ممکن ہے اس واسطے براہ خدا و رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جلد سے جلد اس بارہ میں فتویٰ مرحمت فرمایا جائے جو مدعا علیہ کو پہونچ کر مدعیہ و باپ مدعیہ جو چراغ سحر ہے تا وقت دعا گو رہیگی اور اللہ جل شانہ جزائے خیر دیگا واجب جان کر عرض کیا گیا۔

سائل۔ طفیل احمد برادر چچا زاد مدعیہ ساکن جھانگیر آباد بھوپال

الجواب :- قال فی البدائع فی باب العنین : و اذا ثبت رای بعد التاجیل سنة) انه لم یطأها ا ما باعترافه و اما بظهور البکاره فان القاضی یخیرها فان الصحابة رضی اللہ عنہم خیر و اما امرأة العنین و لنا فیہم قدوة فان شاعت اختارت الزوج الی ان قال فان اختارت المقام مع الزوج بطل حقها و لم یکن لها خصومة فی هذا النکاح ابدالما ذکرنا انها رضیت بالعیب فسقط خيارها و ان اختارت الفرقة فرق القاضی بینہما کذا ذکرہ الکرخی و لم یذکر الخلاف و ظاهر هذا الکلام یرقتضی انه لا تنفع الفرقة

بنفس الاختیار فی ظاہر الروایۃ (رای بعد تخیر القاضی ایہا) ولا ینحتاج الی
 القضاء کخیار المعتقہ وخیار المخیر وروی الحسن عن ابی حنیفۃ انہ لا تقع
 الفرقة ما لم یقل القاضی فرقت بینکما وجعلہ بمنزلۃ خیار البلوغ ہکذا
 ذکر و ذکر فی بعض المواضع ان فی قول ابی حنیفۃ ما روی الحسن عنہ
 وما ذکر فی ظاہر الروایۃ قولہما وجہ روایۃ الحسن ان هذا الفرقة بطلان
 لا خلاف بین اصحابنا وانما المخالف فیہ الشافعی فانما فسخ عنہ والمسئلة
 ان شاء الله تعالى تأقی فی موضعہا والقاضی یقوم مقام الزوج ولان هذه
 الفرقة ینخص بسببہا القاضی وهو التاجیل لان التأجیل لا یکون الا
 من القاضی فکذا الفرقة المتعلقة بہ كفرقة اللعان وجہ المذكور
 فی ظاہر الروایۃ ان تخیر المرأة من القاضی تفویض الطلاق الیہا فان
 اختیارها الفرقة تقریقا من القاضی من حیث المعنی لا منہا اھ (ص ۳۲۵ و
 ۳۲۶ ج ۲) قلت: وفيہ دلالة على انه لا بد من تخیر القاضی
 للمرأة بین القيام مع الزوج والفرقة منہ اتفاقا بین اصحابنا
 خلاف ما یوہمه کلام الشافعی فی هذا المقام - والله در صاحب
 البدائع فما افصح بیانہ وما ابلغ کلامہ وان الخلاف فی انہ هل
 یتوقف الفرقة بعد تخیر القاضی علی قولہ فرقت بینکما ولا فروایۃ
 الحسن عن ابی حنیفۃ وهی التي اختارها اصحاب المتون انہ لا بد
 من تفریق القاضی بل تقع الفرقة باختيار المرأة لنفسها بعد ما خیرها
 القاضی وهو المذكور فی ظاہر الروایۃ - والله اعلم

مسئلہ عین میں قاضی کا مہلت دینا مرد کو اور مہلت دینے کے بعد عورت کو
 قیام مع الزوج اور آزادی نفس میں مختار بنانا ضروری ہے اسکے بغیر عورت نکاح سے
 نہیں نکل سکتی پھر امام صاحب کے نزدیک قاضی کے اختیار دینے کے بعد جب عورت آزادی
 نفس کو اختیار کرے قاضی کا یوں کہنا بھی ضروری ہے کہ میں نے تم دونوں میں تفریق کر دی

عہ صرح بہ فی البحر والفتح والہندیہ ان تأجیل غیر القاضی باطل وکذا تأجیل المرأة - ظفر -

اور صاحبیں کے نزدیک اسکے کہنے کی ضرورت نہیں بلکہ قاضی کے اختیار دینے کے بعد جب عورت اپنے نفس کی آزادی کو اختیار کر لے تو اسی طلاق پڑ جائیگی۔

چونکہ صورت مسئلہ میں قاضی سے عورت کو آزادی نفس اختیار کر لینے کا اختیار نہیں دیا نہ یوں کہا کہ میں نے تم دونوں میں تفریق کر دی اسلئے ابھی تک یہ عورت شوہر کے نکاح میں ہے دوسرے کسی مرد سے نکاح نہیں کر سکتی فلتصبر ولتصب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

انرتھانہ بھون ۳۲ رذی الحجہ ۱۳۷۵ھ

رسالہ "غایۃ المقصود فی نہایۃ المفقود" (سوال) کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے تحقیق مذہب مالکؒ در زوجہ مفقود

صغرنی میں محمد سرور ولد عبدالرحمن کو نکاح یعنی ایجاب و قبول کر دی رو برو گواہاں کے بعد خطبہ اور نکاح کے محمد سرور کہیں چلا گیا ہے عرصہ قریباً چھ سال گزر چکے ہیں اسکے زندہ ہونے اور مرنے کی خبر کسی نے آج تک نہیں دی اور لڑکی اپنی جگہ کہتی ہے کہ والد نے مجھے قید کر دیا ہے کہ کہیں شادی بیاہ کر کے مجھ کو نہیں دیا اور نہ دیتا ہے اور جوان چار پانچ سال کی ہوں اور نہ ہمارے خاوند مذکورہ نے کوئی خبر نیک و بد بھیجی ہے اور اسکے والدین روپیٹ کر صبر کر رہے ہیں اور ہم گرفتار والدین کے شرم و حیا میں کب تک رہونگی یہ مشکل امر ہے بینوا تو جروا فی الدارین۔

الجواب :- اگر مسماۃ سید خانم کا شوہر مفقود الخیر ہو گیا ہے اور کچھ پتہ اسکے مرنے، جینے کا نہیں ہے تو اسکو قاضی، اگر قاضی نہ ہو تو جماعت مسلمین، چار سال کی مہلت دیں اور شوہر کی تلاش میں کوشش کریں اگر اس عرصہ میں بھی شوہر کا پتہ نہ چلے تو چار سال کے بعد مسماۃ مذکورہ عدت و نفات چار مہینہ دس دن پورے کر کے نکاح ثانی کو سکتی ہے بدون مہاجرین قاضی یا جماعت مسلمین کے عورت کو نکاح ثانی کو ناجائز نہیں ہے اور یہ مذہب مالکؒ کا ہے حنفیہ نے بھی بضرورت اسپر فتویٰ دیا ہے

وفی المدونة الکبریٰ، قلت: رأیت امرأة المفقود اتعتد بعد الاربع سنین فی قول مالک بغیر امر السلطان قال: قال مالک رحمہ اللہ: لا وان اقامت عشرين سنة ثم رقت امرها الى السلطان نظریہا وکتب الی موضعہ الذی خرج الیہا فان ینس ضرب لہا من

تلك الساعة اربع سنين الخ - والله اعلم

الجواب صحيح

كتبه مسعود احمد عفا الله عنه

مدرس لسان خان عفى عنه

والاعلام ديوبند - ١٨ محرم ١٣٢٥ هـ

(الكلام على الجواب المذكور)

سيدي ومولائي المحترم زادت معاليكم واقدروا الى حضار الاعتاب تحيات منها
سيد الانام عليه وعلى آله افضل الصلوات واكرم التسليمات من المفضل المنعم
ومن بعد فابدي لسياد تكموان العلماء ههنا كانوا يفتون الزوجة المفقود حسب ما ذكره
العلامة ابن عابدين بمذهب المالكية كما افاده مولانا عبد الحى الكهنوى وحضرت مولانا
الكنگوهى قدس الله سرهما العزيز فكانوا يقولون انه ان مضى على فقده اربع سنين
وتحقق الفقد حسب القواعد الشرعية فليحكم الحاكم الاسلامى او من جعل حاكماً
بالتحكيم بموت المفقود ويامر الزوجة ان تعتد عدة الوفاة ومثل هذا مذكور فى الفتاوى
الامدادية وكان مفتى هذه الديار ويجاوز هذا ويفتى بان المسلمين اذا لم يجدوا حاكماً او
محكماً كذا لك فليعملوا بفتوى الامام مالك من كبار انفسهم قد جرى هذا العمل والفتوى
الى ما شاء الله ثم احدث بعض العلماء ههنا تشديداً فقال: اذا فرغ امر زوجة المفقود الى حاكم
او جماعة المسلمين فليتفقوا وتفقدوا جديداً فان لم يبين امره فليوجل من بعد ذلك اربع سنين
وان مضى قبل الرفع عشرون او اربعون سنة فاذا كملت المرأة مدة اربعين سنة تعتد عدة
الوفاة ثم تزوج وقال: ان المذكور فى كتب المالكية هكذا وقد عابرة المدونة كما هي مذكورة
فى الجواب قدمت الى داهيك هذه الفتوى للتصحيح فانكرتها ورأيت ان المدونة وان كانت
من الكتب القديمة المعتبرة لدى المالكية ولكنها غير مفتى بها لديهم ولا يعتمد عليها من كل الوجوه
وانما يعتمدون على مختصر الخليل وشرحه فينبغى ان ينظر اليه ويفتى به - قلت: ان الظن ان مراد
صاحب المدونة ان امر المفقود لا يتم شرعاً اى لا يتحقق فقده الشرعى الا بعد مسامى السلاطين
ومن تاب من ابهم فانهم فى الازمنة السالفة لدى قلته الوسائل لهم الذين كانوا قادرين على معرفة
المفقود حق المعرفة فالحاصل ان هذه القيود انما هي لتحقيق الفقد فان ثبت
الفقد فى زماننا الذى كثر فيه الوسائل ويقدر فيه احاد الناس على
ما كان لا يقدر على مثله فى الماضى السلاطين والملوك فلا حاجة

حينئذ إلى التأجيل بعد رفع المسئلة وبعد مضي المدة التي تطول على أربع سنين من لدن الفقد الشرعي - وكيف ما كان فإن المقصد من عبارة المدونة تحقيق الفقد فإذا ثبت الفقد الطويل قبل ذلك فلا حاجة حينئذ إلى التأجيل ثم على التسليم نقول إن الديار الهندية حيث كانت خالية عن السلطان الإسلامي ونائبه فإنما يتيسر فيها الرفع بعده إلى جماعة المسلمين إذا أحادهم ولا شك أن المرأة رفعت أمرها إليهم منذ فقدت زوجها أو بعد مدة يسيرة من حيث صاروا يفتقدونه بما تيسر لديهم فينبغي أن تعتبر المدة منذ الافتقاد ثم بعد ذلك كله وتسليم الأمور بأجها مترجت المالكية أن المرأة إنما تؤمر بالتأجيل إن كان لديها نفقة من زوجها فأما إذا لم يكن لديها النفقة فليحكم عليها بالطلاق بسجود الرفع كما هو في عبارة الخليل وشرحه فياستدعى إن المصائب التي تنزلت بالديار الهندية إنما ترجع عامتها إلى عدم النفقة وصعوباتها فحاجة إلى التأجيل والانتظار الشديد وإنما احتجنا إلى مذهب مالك رحمه الله والافتاء به للضرورات الشديدة الحادثة في زماننا فالمرجو من مكارم أخلاقكم أن تنظروا إلى ما ذكره الداعي الحقير واطلعونا بما يلزم حتى نجرى التصحيحات والفتاوى بمقتضاها وهذه عبارة الخليل وشرحه :

فصل في زوجه المفقود الرفع للقاضي والى والى الماء والإفجاعة المسلمين فيؤجل إلى أربع سنين إن دامت نفقتها والعبد نصفها من العجز عن خبرة ثم اعتدت كالوفاة وسقطت بها النفقة ولا يحتاج فيها لأذن وليس لها البقاء بعدها وقد رطلق بدخول الثاني فحل للأول إن طلقها اثنتين فإن جاء أو تبين أنه حتى أومات فكالولي إن بقدر الحاجة -

وقال في شرح الدردير: فصل لذكر المفقود وأقسامه الأربعة (قوله والمفقود) أي ببطلان دار الإسلام بدليل ما يذكر في غيره حرّة أو أمة صغيرة أو كبيرة الرفع للقاضي والى أي حاكم السياسة والى الماء وهو الساعي أي جاني الزكاة إن وجد واحد منهم فليجاعة المسلمين من صالحى بلدها ولها أن لا ترفع وترضى بالمقام معه في عصمته حتى يتضح أمره أو تموت وظاهرة أنها مخيرة في الرفع لأحد الثلاثة والنقل أنها إن أرادت الرفع وجدت الثلاثة وجب للقاضي فإن رفعت لغيره حرم عليها وصح وإن رفعت لجماعة المسلمين مع وجود القاضي بطل فإن لم يوجد قاض فتخير فيها فإن رفعت لجماعة المسلمين

مع وجودها فالظاهر الصحة فيؤجل الحر أربع سنين إن دامت نفقتها من ماله وإلا طلق عليه لعدم النفقة ويؤجل العبد نصفها سنتين من حين العجز عن خيره بالبحث عنه في الأماكن التي يظن ذهابه إليها من البلدان بأن يرسل الحاكم رسولا بكتاب لحاكم تلك الأماكن مشتمل على صفة الرجل وحرفته ونسبه - ليفتش عنه فيها ثم بعد الأجل الكائن بعد كشف الحاكم عن امره ولم يعلم خيره اعتدت عدة كالوفاة أي عدة الوفاة للحرّة بأربعة أشهر وعشر والأمة لشهرين وخمس ليال على ما تقدّم ولو غير مدخول بها لأنه يقدر موته فلا نفقة لها فيها كما قال وسقطت بها أي فيها أي العدة النفقة ولا تحتاج الزوجة فيها أي العدة بعد فراغ الأجل لإذن من الحاكم لأن أذنه حصل بضرب الأجل أو لا وليس لها البقاء أي اختيار البقاء في عصمته بعدها أي بعد الشروع فيها على المعتمد وبعد الفراغ اتفاقاً وقد رطلق من المفقود حين الشروع في العدة يفتيها عليه يتحقق وقوعه بدخول الزوج الثاني عليها حتى لو جاء الأول قبل دخول الثاني كان أحق وبعد الدخول بانت من الأولى وتأخذ منه جميع المهر وإن لم يكن قد دخل بها التشكيل تقدير هذا الطلاق بأنه لا حاجة له مع تقدير موته وعدّتها عدة الوفاة فتحل للأول وهو المفقود إن كان قد طلقها اثنتين أو بقدر الحاجة وقال في بيان القسم الثاني من المفقود هو مفقود غير بلاد الإسلام ما نصّه وزوجته الأسير وزوجته مفقود أرض الشرك للتعير إن دامت نفقتها والأفلها التطلق كما لو خشيتا الزنا وهو أي التعير أي مدته سبعون من يوم ولد وتسميها العرب وقاقة الأعناق واختار الشيخان ثمانين وحكم بخمس وسبعين بقدر الحاجة -

المثبت بأذيال الكرام

احقر الطلبة حسين احمد غفرله من ديوبند

في ١٥ من صفر ١٣٤٧ هـ

الجواب عن مسألة المفقود

من جامع إمداد الأحكام

أما بعد فإني أحمد الله اليك الذي لا اله الا هو وأصلّي وأسلم على سيّدنا النبي

محمد سيد الرسل وخيره إليه من خلقه وعلى آله وأصحابه البررة الكرام إلى يوم
القيامة -

وأما مسألة زوجة المفقود فسمعت سيدي حكيم الأمة دام مجده وعلاؤه أنه
راى فتوى بخط حضرة شيخ وقتهم مولانا الكنكوهي قدس الله سره وهو يعرف خطه حق
المعرفة وهي منقولة بعد جوابي وفيها صرح الشيخ رحمه الله بكون ذلك مقيداً بحكم
الحاكم نعم قد اطلق القول في ذلك مولانا عبدالحى رحمه الله في فتاواه وقال : إن
امرأة المفقود تترتب أربع سنين ثم تعتد بعد ذلك عدة الوفاة - ولنا فيه نظر
لكون المدار في ذلك على الافتاء بمذهب مالك وليس مذهب به كذلك مطلقاً
كما صرح به في المدونة وأما قولكم أطال الله بقاءكم ان المدونة وان كانت
من الكتب القديمة المعتبرة لدى المالكية ولكنها غير مفتى بها إلخ - فيخالف قول
الحافظ ابن حجر في تعجيل المنفعة (مك) ولقه ليس الامر عند المالكية كما ذكر (الحسيني
أن المؤطا لمالك هو مذهب الذي يدين الله به اتباعه ويقلدونه) بل اعتمداهم
في الأحكام والفتوى على ما رواه ابن قاسم عن مالك سواء وافق ما في المؤطا أم لا
إلخ ولا يخفى أن رواية ابن القاسم عن مالك هو ما في المدونة لسحنون وأيضاً
فإن عبارة المدونة صريحة في أن امرأة المفقود لا تعتد إلا أربع سنين في قول
مالك بغير أمر السلطان وإن أقامت عشرين سنة ثم رفعت أمرها إلى السلطان
نظر فيها - وكتب إلى موضعه الذي خرج إليه فإذا يئس منه ضرب لها من تلك
الساعة أربع سنين إلخ مبيهاً - وعبارة مختصر الخليل وشرحه ليست بصريحة في
خلاف ذلك أنها لا تعتد إلا أربع سنين من وقت فقده لا من وقت الرفع وأما قولكم
وكيفما كان فإن المقصد من عبارة المدونة تحقيق الفقد إلخ فلا سبيل لنا إلى ذلك
مالم ينص عليه الإمام أو أحد من أصحابه لاحتمال أن يكون وجهه ذلك أن
المعتبر هو الرفع إلى السلطان دون غيره كما قال علماؤنا أن المعتبر من البينة واليمين ما

منه فلينظر الفتوى التي رأيتموها للشيخ بالاطلاق هل هي مكتوبة بخطه أو بخط غيره فإن المعتقد
عليها هي التي تكون بخطه - منه

يكون منهما بين يدي القاضي في مجلس حكمه دون ما سواه كيف لا وقد قال مالك رحمه الله وإن أقامت عشرين سنة ثم رفعت أمرها إلى السلطان نظر فيها الخ ولا يخفى أن بمثل تلك المدة الطويلة لا يكون الفقد خافياً على جماعة المسلمين من صالحى بلدها الذين تفقدوه بما تيسر لديهم فلو كان الرفع إلى جماعة المسلمين معتبراً عندة لم يقتل ما قال لوجود الرفع إلى الجماعة في تلك المدة بلا شك وأما قولكم قد صرحت المالكية أن المرأة إن سأتوأم بالتاجيل إن كان لديها نفقة من زوجها وإلا فيحكم عليها بالطلاق بسجود الرفع ففيه أنا لا نذكر ذلك ولكن الكلام في أن الحاكم عليها بالطلاق من هو والرفع المعتبر كيف هو والذي تحصل لنا من المدونة أن الرفع لا يعتبر إلا إلى السلطان (وفي حكمه نائبه) وهو الذي يوجب لها الاجل ويقع بانقضاء الطلاق عليها والله أعلم وبعد ذلك ظنه فقد صرح في المدونة وفي المقدمات لابن رشد أن المفقود في بلاد الحرب حكمه حكم الأسير لا تزوج امرأته ولا يقسم ماله حتى يعلم موته أو يأتي عليه من الزمان ما لا يجبي إلى مثله في قول المالكية كلهم حاشا استهب اهـ (ص ١٥٦) فكيف يجوز الافتاء بأن يعتد الأربع سنين من وقت الفقد أو الرفع إلى جماعة المسلمين في الهند مع كونها دار الحرب فليس ذلك من مذهب مالك في شئ والذي ذكره في مختصر الخليل وشرحه أن زوجة مفقود أرض الحرب إن لم يكن لها نفقة من زوجها فلها التطلق فهذا إذا كانت الزوجة في دار الإسلام وفقد الزوج في أرض الحرب كما هو ظاهر مما ذكره في علة التعمير وأما إذا كان الزوج والزوجتان كلاهما من أهل أرض الحرب فلم نرفيه نقلاً عن المالكية ولا يجوز الافتاء بالقياس في مذهب الغير هذا فاللزام في هذه المسئلة الاستفتاء من علماء المالكية بالحرمين فهم أئمة بمذهب مالك منا معشر الحنفية فيستفسر عنهم حكم زوجة المفقود في دار الحرب كالحند وهل يضرب لها الاجل أربع سنين أم لا تتزوج حتى يأتي عليه من الزمان ما لا يجبي إلى مثله وإن الرفع لا بد وأن يكون لدى القاضي أو الحاكم أو يكتفى إلى جماعة المسلمين أو المحكم أيضاً فيفتى بمثل فتواهم - والله تعالى أعلم

حرره الاحقر خادكم كرم الاصفى طهرا محمد عفا عنه

٩ ر صفر ١٣٤٧ هـ

التتمة الاولى : ثم راجعت شرح الزرقاني على الموطن وهو من متأخري المالكية من اصحاب القرن الحادي عشر فوجدته قد قال في شرح حديث مالك عن يحيى بن سعيد عن ابن المسيب ان عمر بن الخطاب قال : أيتها امرأة فقدت زوجها فلم تدري أين هو فانها تنتظر أربع سنين إلّا ما نقصه تنتظر أربع سنين من العجز عن خبره لأنها غاية أمد الحمل ولانها التي تبلغها المكاتب في بلاد الإسلام سيراً ورجوعاً وضعت الأول بقول مالك لو أقامت عشرين سنة ثم رفعت تستأنف لها الأجل وبأنها اذا كانت صغيرة أو آيسة أو الزوج صغيراً تضرب الأربع ولاجل منها والثاني بقول مالك أيضاً تستأنف الأربع من بعد الياس وانها من يوم الرفع ولو رجع الكاشف بعد سنة انتظرت تمام الأربع ولو كانت العلة كونها أمد الكشف لم تنتظر تمامها وقيل : لاعلة له إلا الاتباع واستحسن اهـ (ص ٢٥٥) قلت : وبهذا اظهر ضعف العلة التي ذكرتموها أن مراد المدونة ان امرأ المفقود لا يتم شرعاً أى لا يتحقق فقده الشرعى الا بعد مساعي السلاطين ومن ناب منابهم إلّا بل الظاهر أن علة الاتباع لا غير - وفي الزرقاني أيضاً : في الفرق بين امرأة المفقود وبين التي بلغها طلاق زوجها وهو غائب أن الأولى تقوت على الزوج الأول بدخول الثاني والثانية لا تقوت بدخوله على راي اللخمي وعلل الفرق بأنه لم يكن في هذه (أى التي بلغها طلاق زوجها) أمر ولا قضية من حاكم بخلاف امرأة المفقود اهـ (ص ٢٥٥) وهذا يدل على أن أمر الحاكم وقضيته في امرأة المفقود أمر متفق عليه عند المالكية فان الفرق لا يعقل إلا بالمفتق عليه كما هو ظاهر. والله تعالى أعلم وهو أيضاً مقتضى القياس - ففي الدر المختار : عن واقعات المفتين معزياً للقنية انه انما يحكم بموته بالقضاء لانه امر محتمل فمال ينضم إليه القضاء لا يكون حجة اهـ والقضاء الذي هو حجة إنما هو قضاء القاضي أو نائبه دون جماعة المسلمين من صالحى البلد كما لا يخفى فان جماعة المسلمين لا ولاية لهم على أحد بخلاف القاضي أو نائبه .

نقل جواب مسئة مفقود از حضرت مولانا گنگوہی جو کہ از قاضی عبدالحق حاصل شد و حضرت حکیم الامت خط مولانا شناخته این فتوی را در ابد الفتاوی ملحق ساخته .

یہ فتویٰ رسالۃ الامداد - ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ ج - ۶ ص ۲۲ میں طبع ہو چکا اور اس کا اصل مسودہ امداد الفتاویٰ قلمی میں موجود ہے۔

جس وقت سے کہ خبر زوج کی گم ہے کہ بعد تحقیق اس کا کہیں نشان نہیں ملا اس وقت سے کامل چار سال کر کے حاکم مسلمان تفریق کر دے بعد تفریق کے دس روز اور چار ماہ وہ عورت عدت کرے اور پھر نکاح دوسرے سے کر دیا جائے۔ یہ مذہب امام مالک کا ہے اس پر فتویٰ اس وقت میں دیا جاتا ہے واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ گنگوہی

مہر

قلت : وفيه تصريح باشتراط قضاء القاضى للمقريق وبان الاربع سنين بتبدئ من وقت اليأس عن المفقود وبعد التفتيش عنه بقى ان هذا التفتيش يكفى من أحاد المسلمين اولاً بعد من تفتيش الحاكم بعد المرافعة - فكلام الشيخ ساكت عنه و صرح كلام المدونة بالشق الثاني ولم يرفى كتب الماكنية ما يخالفه صريحاً فهو المعتمد حتى يحدث الله بعد ذلك أمراً - والسلام ظفر احمد عفا عنه

التممة الثانية : فإن قيل : لو أقامت حكومة الهند لمسلميها قضاة مسلمين لفصل المقدمات التي يحتاج فيها إلى قضاء القاضى فهل لا يجوز لهؤلاء القضاة الحكم بمذهب مالك في امرأة المفقود كما هو ظاهر ما ذكرته عن المدونة والمقدمات لا بن رشد ان اعداد الاربع سنين انما هولاء وجه مفقود دار الاسلام دون دار الحرب بل لها التعمير اي تربيص زمان لا يجئى إلى مثله وهو سبعون سنة - قلنا : لو وجد في الهند قضاة مسلمون كما هو المسئول من الحكومة وزجوا الله تعالى الظفر به فلا حاجة لنا إذن بالقضاء بمذهب مالك بل يقضى القضاة بمذهب أبي حنيفة المختار للزيلعي وهو أن ضرب الأجل فيه مضمون إلى رأى الامام ولا تقدير فيه في ظاهر الرواية كما فى المينابيع قال فى الفتح : فإى وقت رأى المصلحة حكم بموته (شامى ج ۵) وأيضاً فعلة الفرق بين مفقود دار الاسلام ومفقود دار الحرب عند مالك كونه فى دار العدو ولا يستطيع الولى

أن يستخبر عنه في أرض العدو فليس هو بمنزلة من فقد في دار الإسلام كما هو في المدونة (ص ۹۱) وإذا وجدت في دار الحرب قضاة مسلمون انتفت حلة الفرق فالظاهر كون حكمها سواء وأيضا فما ذكرناه عن المدونة والمقدمات من الفرق بين مفقود دار الإسلام ودار الحرب صورته أن يكون المفقود في أرض الحرب وزوجته في دار الإسلام وأما إن كان كلاهما في أرض الحرب فلم نجد في ذلك نقلاً عن المالكية وأيضا إذا قام ملك دار الحرب لأهلها المسلمين قضاة منهم فم لا يصح القول بكونها دار الحرب إلا على قول البعض وعند بعضهم قصير بذلك أرض الإسلام هذا - والله الحمد على متواتر إحسانه والآنعام وعلى سيدنا النبي محمد صلى الله عليه وسلم أفضل الصلاة وأزكى السلام وعلى آله وأصحابه البررة الكرام إلى يوم القيام بل إلى بقاء دار السلام.

حكم زوجة مفقود وتحقيق مذهب مالكية | سوال: سیدی و

مولائی المحترم - زادت معالیکم - أقدم الیکم تحیات ستماسید الانام علیہ وعلى آله وصحبه الصلوة والسلام و اظهار غایة الاشتیاق للتم الا تامل الاقدم فامروض علی سمو مقامکم انی کنت ارسلت حسب الامر السامی استفتاء إلى علماء المالکیة باملدینة المنورة سابقا فحاء الجواب المنسلک المطوی فی هذا الظرف فذلک مرسل إلى سیادتکم حق تنظروا فیہ فتقیدونا بما یلزم علینا لدی الافتاء وارسلوا لنا بعینہم حتی یکون سنداً لدینا - هؤلاء یصرحون بأن الحكم فی هذه الدیار کا حکم بالدیار الاسلامیة للمفاقد وازواجهم و حیث أن اکثر المفاقد لا یتصرحون نفقة لآزواجهم و فی غالب الاحیان یحشی علیہم من الفتن ما لا یخفی علی مثل جنابکم فهل یصح ان یفتی بالتطلیق ام لا ؟ - حین احمد غفرله

الجواب : ازنا کاره اشرف علی معنی عنہ بخد مت بابرکت مکرمی معظی دام فیضہم السلام علیکم زید عنایتہ - مجھ کو علم کافی تو کبھی بھی حاصل نہیں ہوا اور جب سے علم ظاہری کی خدمت سے محروم ہوں وہ ناتمام علم بھی اور زیادہ ناتمام ہو گیا اس لئے مولوی ظفر احمد کو سب سوال و جواب دیدئے ان کی تحریر پیش خدمت ہے اور وہ تحریر میرے بھی جی کو لگتی ہے - واللہ اعلم .

(بقیر سوال بالا)

حيث أن ساداتنا الفقهاء اختلفوا بمذهب المالكية في زوجة المفقود لأجل الشدائد والفتن الواقعة في زماننا وقد رأينا الافتاء بترخيص أربع سنين بعد العرض على الحاكم أو جماعة المسلمين ثم تفتيشهم ثم حكمهم بالترخيص المذكور ثم عدتها عدة الوفاة مما لا يُسَمِّنُ وَلَا يُغْنِي عَنْ جُوع ولا يدفع المضرة فلم لا يفتى بالتطليق كما هو مصرح في مكتب المالكية ونصوصهم مقدمة بين أيديكم .

سیدی مندمدہ مدیدہ اُستھی الحضور علی الأختاب ولكن الزمان لا يساعد في حيث إن الأوان أو أن آخر السنة والكتب إلى هذه الساعة لم تصل إلى نهايتها بل بقي لها مقدار عظيم . وبناء عليه يذهب الكثير من الاوقات الخارجة في التدريس حتى بعد العشاء ومع ذلك فإن يتر الله تعالى أحضر ليا إلى الجمعة في المستقبل وعلى الله التكاليف والرجاء ان لا تنسوا اخويكم منكم عن الدعوات الصالحة فانه في غاية من الاحتياج إلى دعواتكم وأنظاركم القيء وتوجه همكم العالية - لانتم مركز الآمال آمين
سائل بالا

الجواب : اس لطف و عنایت کا شکریہ گزار ہوں ، گوشت کرگزار سے بھی معذور ہوں اور اس کے صلہ میں بجز دعا کے کیا کر سکتا ہوں اگر معذور نہ ہوتا تو خود حاضر ہو کر شکریہ گزار کرنا ۔ آپ کی زیارت کو سعادت سمجھتا ہوں مگر کوئی حرج یا کلفت بھی گوارا نہیں اگر بدون اس کے مشرف فرمایا جائے تو زہے قسمت ۔ اگر وقت معلوم ہو جائے تو اسٹیشن پر حاضر ہوں اب تو بہت قریب ہو گیا ہے ۔ باقی دعا کی استدعا کرتا ہوں ۔ والسلام
اشرف علی

فتاوى علماء مالكية از مدينة منوره زاده الله شرفاً ونوراً متعلقة زوجة المفقود

استفتاء

ما قول ساداتنا المالكية ابطال بقاءهم ونفع المسلمين بعلومهم، آمين
في هذه المسائل الآتية :

(١) امرأة مسلمة فقدت زوجها منذ سنين ولم يتبين امره مع كثرة التفتيش والتفتير هل يجوز لها بعد مضي أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج بزوج آخر أم لا بد من رفع الأمر إلى الوالي أو الحاكم أو جماعة المسلمين ثم تفتش ذلك المرفوع إليه فإذا يئس بحكم بعد ذلك بانتظارها أربع سنين فإن لم يتبين تعتد عدة الوفاة كما يفهم من المدونة ومختصر الخليل وشرحه للدردير أم كيف الحكم؟

(٢) هل يلزم حكم الحاكم أو حكم جماعة المسلمين لانتظار أربع سنين أم يصح ذلك بغير الحكم أيضاً؟

(٣) بلاد اسلامية استولى عليها الكفار منذ مدة مديدة وفقدت مسلمة من أهلها زوجها فيها وليس هنالك حاكم اسلامي يفصل الاحكام حسب القوانين الشرعية فكيف السبيل لها هنالك؟ وفي أي قسم من الأقسام الأربعة المذكورة للمفقود في مختصر الخليل يكون عداؤه؟ وهل يصح للمرأة هنالك بعد مضي أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج أم سبيلها التعمير فقط؟

(٤) هل الصورة الثانية للمفقود المذكورة في مختصر الخليل تقتضى بامرأة كانت من سكان البلاد الاسلامية فذهب زوجها إلى البلاد الشركية ففقد هنالك أم تشتمل القاطنة بالبلاد التي استولى عليها الكفار وبالديار العربية الأصلية أم كيف الأمر؟

(٥) المفقود عنها زوجها سواء كانت من البلاد الاسلامية أو الشرعية إذا لم يترك زوجها عندها نفقة وهي في غاية من الاحتياج والفاقة أو كانت بحيث يخشى عليها الفساد بالعزوبة كيف السبيل لها إذا أرادت التزوج أو أراد أهلها ذلك؟

(٦) المفقود عنها زوجها إذا لم يكن عندها النفقة وهي محتاجة أو يخشى عليها من الفساد هل يصح تطليقها أو فسخ نكاحها بغير حكم الحاكم الشرعي أم لا بد من الحكم؟ وعلى الثاني كيف يعمل بالبلاد الإسلامية التي تغلب عليها الكفار؟ أفيدونا ولكم الاجر الجليل .

الجواب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ - الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله
أما بعد : فالجواب عن المسألة الأولى هو ما فهمتم لانزلتم من أهل الفهم من
المدونة ومختصر الشيخ خليل من أن المفقود عنها زوجها لا بد لها من أحد الأمرين
إما أن ترضى المقام مع زوجها المفقود أو تريد المفارقة فإن أراد لها فلا بد لها من
رفع أمرها إما إلى القاضي أو إلى الوالي أو إلى والي الماء وإن لم يوجدوا فلجماعة
المسلمين من صالحى بلدها وجيرانها وإما أنها تقتد أو تزوج برجل آخر من غير
رفع أمرها إلى القاضي أو من ذكر فلا قائل بحلّيتها وجوازها لما فيه مالا يخفى من الفساد
ونص المدونة قلت : أى قال سحنون لابن القاسم أرأيت امرأة المفقود أعتدت
الأربع سنين فى قول مالك بغير أمر السلطان؟ قال مالك : لا - قال مالك : وإن
أقامت عشرين سنة ثم رفعت أمرها إلى السلطان نظرفيها وكتب إلى موضعه الذي
خرج إليه فإن يئس منه ضرب لها من تلك الساعة أربع سنين ، فقبل مالك : أعتدت
بعد الأربع سنين أربعة أشهر وعشرة عدة الوفاة من غير أن يأمرها السلطان بذلك
قال : نعم مالها ومال السلطان فى الأربعة أشهر وعشرة التى هى عدة - ونص المختصر
ولزوجة المفقود أشج وهو من غاب فى بلاد الإسلام وانقطع خبره وأمكن
الكشف عنه : الرفع للقاضي والوالى ! ش ! أى وحاكم البلاد ووالى الماء الساعى
لجلب الزكاة ! وإلا فلجماعة المسلمين ! ش ! ولها عدم الرفع والبقاء فى عصمته حتى
يتضح أمره فيوجب الحرّ أربع سنين وإن دامت نفقتها ! ش ! فإن لم تدم
نفقتها فلها التطليق بلا تأجيل وكذا إن خشيت على نفسها الفساد من يوم العجز
عن خبره ثم اعتدت كالوفاة وسقطت بها النفقة ودليل ذلك ما رواه مالك عن يحيى
بن سعيد عن سعيد بن المسيّب عن عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه أنه قال : أيتها امرأة فقدت

زوجها ولم تدراين هو فانها تنتظر أربع سنين ثم تعتد أربع أشهر وعشر ثم تحل وما روى ابن وهب عن عبد الجبار عن ابن شهاب أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه ضرب للمفقود من يوم جاءت أربع سنين ثم أمرها أن تعتد عدة المتوفى عنها زوجها ثم تصنع في نفسها ما شاءت اذا انقضت عدتها وفي الحديث لا ضرر ولا ضرار .

أما المسألة الثانية فجوابها يعلم مما قبلها وهو قول مالك : لا تعتد الأربع سنين بغير أمر السلطان ونقض القاضي ابن فرحون في كتاب تبصرة الحكام في أصول الاقضية ومناهج الاحكام في فصل ما يفتقر الى حكم الحاكم على ان التطبيق على النابئين وغيرهم مما لا بد فيه من حكم الحاكم .

أما المسألة الثالثة : فجوابها والله اعلم أن المرأة المسلمة التي فقدت زوجها في بلاد استولت عليها الكفار مدة مديدة كما في مصر والشام والهند تعتد أربع سنين ثم تعتد عدة الوفاة أربعة أشهر وعشر وزوجها يكون في عداد القسم الأول من أقسام المفقود لانهم عرفوه بانه من غاب وانقطع خبره وامكن الكشف عنه وعرفوا القسم الثاني وهو المفقود في ارض العرب بانه من غاب وانقطع خبره ولم يمكن الكشف عنه لانه فقد في ارض الحرب اما البلاد المذكورة وان كان حاكمها كافرا فلا تكون كأرض حرب من كل وجه لوجود قضاة المسلمين فيها وولاتها وامكان الكشف عنه فانصح بهذا أن حكمها حكم من فقدت زوجها ببلاد الاسلام فلا تنتظر مدة التعمير .

وأما المسألة الرابعة : فيهم جوابها مما قبلها أيضا وهو أنه لا فرق بين المفقود في أرض الاسلام وبين المفقود في البلاد المستعمرة لما قدمنا من وجود قضاة المسلمين فيها وولاتها وامكان الكشف عنه فعلى هذا لا تختص الصورة الثانية المذكورة في المختصر بالمسلمة الكائنة في بلاد الاسلام بل تشمل من كانت في البلاد المستعمرة لكفار لما قدمنا من ان المراد بالشركية البلاد الحربية التي لا يمكن للمسلم الوصول اليها فلا تمكن القضاة من التفتيش فيها لا مطلق البلاد الكفرية لأنها ربما تكون مسلمة أو ذمية وأما القاطنة بالبلاد الشركية الحربية فحكمها هو وزوجها حكم المسيبين فيفقدان الامام من بيت المال ان كان والا فمن ماله بالغاما بالغ والا فكل جميع المسلمين .

وأما المسألة الخامسة : فجوابها ان المفقود عنها اذا لم يترك لها نفقه واحتاجت

غاية الاحتياج او خافت على نفسها الفساد ان لها التطلاق بلا تأجيل كما هو مفهوم الشرط في قول الشيخ خليل في مسألة المفقود وتؤجل اربع سنين ان دامت نفقتها وقال شراحه قاطبة فان لم تقدم نفقتها او خشيت الفساد فلها التطلاق بلا تأجيل فترفع أمرها إلى الحاكم وتثبت عدم النفقة والاحتياج بما يثبت به فيما ان يطلق الحاكم بنفسه أو يأمرها بالتطلاق وهو قول الشيخ خليل فهل يطلق الحاكم أو يأمرها به ؟ قولان وأما ارادة اهلها تزويجها فلا عبرة به ما لم تطلب الفراق بنفسها الا أن تكون سفيهة فيقوم وليها مقامها إذا تحقق لديه ضررها .

وأما المسئلة السادسة : فجوابها انه لا يحل لمن لم يكن عندها نفقة او من خشيت الفساد من النساء ان تطلق نفسها قبل ثبوت ضررها عند الحاكم سواء عدم النفقة أو خشيت الفساد لما تقدم في الجواب عن المسئلة الأولى من جواب مالك وما تقدم في الجواب عن المسئلة الثانية : وهو قول قاضي المدينة ابن فرحون في تبصرته ان التطلاق على الغائبين وغيرهم مما يقتصر إلى حكم الحاكم فلا بد من ثبوت ضررها عند الحاكم فيما ان يطلق الحاكم واما ان يأمرها بتطلاق نفسها وهو قولان مشهوران لكن القول الثاني أقوى لقول رسول الله صلى الله عليه وسلم لبريرة لما اعتقت أنتِ أملك بنفسك إن شئتِ أقمت مع زوجك وإن شئتِ فارقتيه .

وأما قولكم وعلى الثاني كيف يعمل فالجواب عنها ان أحكام قضائهم نافذة ماضية وان كانت توليتهم الصادرة من الكفار باطلة وبهذا افتى الامام ابو عبد الله المارزي لما سئل عن احكام تأقي في زمنه من صقلية من عند قاضيهما أو شهود عدولها فأجاب جواباً طويلاً إلى أن قال : وأما الوجه الثاني وهو تولية الكافر للقضاة والامناء لعجز الناس بعضهم عن بعض فقد ادعى بعض أهل المذهب أنه واجب عقلاً وإن كان باطلاً تولية الكافر لهذا العتاضي إما بطلب الرعية له واقامته لهم لذلك فلا يطرح حكمه وينفذ كما لو لاه سلطان مسلم . وفي كتاب الأيمان في مسألة الحالف لأقضيتهك حقت إلى أجل أقامه شيخ المكان مقام السلطان عند فقدته لما يخاف من فوات القضية وعن مطرف وابن الماجشون فيمن خرج على الإمام وغلب على بلد فولى قاضياً عدلاً فأحكامه نافذة انتهى وفي كتاب بيان وجوب الهجرة للشيخ عثمان فودي الفلاقي المالكي . مانفته : وتولية

الكافر للقاضي باطلة ومع ذلك لا يقدح في تنفيذ أحكامه اذ حجرا الناس بعضهم
عن بعض واجب وفي ذلك يقول الناظم :

تولية الكافر للقضاة باطلة والحكم ذواتا لان حجرا الناس بعضهم على
بعض محتم كقدا فخل.

قلت: اقل احوالهم ان يكونوا كالحكمين أو بمنزلة جماعة المسلمين فقد تقدم
ان المفقود زوجها ترفع أمرها للقاضي أو للوالي وإن لم يجدوا فجماعة المسلمين -
والعلم عند الله وصلى الله على سيدنا محمد وآله وسلم

أمر بكتابتها محمد الطيب ابن اسحاق الأنصاري

الجواب

فتویٰ مالکیہ مرسلہ کو دیکھ کر اس امر میں تو اطمینان ہو گیا کہ مالکیہ کے نزدیک دارالاسلام
میں جماعۃ المسلمین اور جبران صالحین کی طرف مرافعہ بھی مثل مرافعہ الی السلطان کے ہے
مگر کتب مالکیہ کی نصوص سے صراحت یہ معلوم ہو رہا ہے کہ مرافعہ الی السلطان او من فی حکمہ
اور تطلیق و ضرب جل زوجہ مفقود دارالاسلام کے لئے خاص ہے اور زوجہ مفقود ارض
حر کے لئے صرف تعمیر ہے۔ اس کے بارہ میں مفتی مالکیہ نے فتویٰ مرسلہ میں محض اپنے قیاس سے بدو کسی نص مذہب کے
حوالہ کے ہندوستان، مصر و شام کو حکم دارالاسلام قرار دیکر ان بلاد میں بھی نفقہ زوجہ مفقود کو مثل
زوجہ مفقود دارالاسلام کے قرار دیا ہے پس اولاً تو آج کل کے علماء کا قیاس حجت نہیں۔ دوسرے علت اس کی یہ
بیان کی ہے، "لوجود القضاۃ المسلمین فیہا وولاتھم وامکان الکشف عنہ۔ اور علت ہندوستان
میں مفقود ہے کیونکہ یہاں قضاۃ وولاتہ مسلمین موجود نہیں اور انگریزی عدالتوں میں جو حکام
مسلمین موجود ہیں وہ مسئلہ مفقود و امثالہ من مسائل الطلاق والنکاح وغیرہ میں قانون انگریزی
کے پابند ہیں قانون اسلامی کے موافق فیصلہ کے مجاز نہیں۔ فوجودہم کالعدم۔ البتہ اگر گورنمنٹ

عہ لا یقال العلة فی الاصل امکان الکشف وہی موجودة فی الهند وان لم یکن لنا فیہا قضاۃ وولاتہ مسلمون
لانا منع امکان الکشف بدو القضاۃ وولاتہ فان العامة لا تیسر لہا من اسباب الکشف ما یتستر
للحکام کما لا یخفی فان حال الحکومة اذ امروا بالکشف عن أحد ولو کان مخفیاً من کل وجه یکشفونه بالجحد
البلغ والعامة لا یجحدون ولو جحدوا لا یقدرون کما هو شاهد۔ منہ

ہندوستان میں بھی محکمہ قضا کو قائم کر دے اور قضا کو ان مسائل میں قانون اسلام پر فیصلہ کا اختیار دے تو پھر بے شک ہندوستان کے مفقود کو بحکم مفقود دار الاسلام کہنا صحیح ہوگا پس ہندوستان میں مذہب مالک کے موافق زوجہ مفقود کے لئے تطلیق و ضرب اجل متصور نہیں و هذا ما قلناه قبل ونشكركم على ما منتم به علينا من تحشم الاستفتاء من مالكية الحرم النبوي لانتم عنونا للمسلمين وغياثا للمسترشدين - والسلام

حرره خويلدكم طفر احمد عفا الله عنه

ازتھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۵ جمادی الثانی ۱۳۸۷ھ

(نوٹ) اس کے بعد مولانا حسین احمد صاحب نے مالکیہ کے دوسرے فتاویٰ بھیجے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں - ظفر

استفتاء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ما قول ساداتنا المالكية ابطال الله بقاءهم ونفع المسلمين بعلومهم في هذه المسائل الآتية :

(۱) امرأۃ مسلمة فقدت زوجها منذ سنين ولم يتبين امره مع كثرة التفتيش والتنقير هل يجوز لها بعد مضي أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تزوج بزواج آخرا لا بد من رفع الامر الى الوالي أو الحاكم أو جماعة المسلمين ثم تفتيش ذلك المرفوع اليه فاذا يئس بحكم بعد ذلك بانتظارها أربع سنين فان لم يتبين تعتد عدة الوفاة كما يفهم من المدونة ومختصر الخليل وشرحه للدردير أم كيف الحكم؟

(۲) هل يلزم حكم الحاكم أو حكم جماعة المسلمين لانتظار أربع سنين أم يصح ذلك بغير الحكم ايضا؟

(۳) بلاد اسلامية استولى عليها الكفار منذ مدة مديدة وقدت مسلمة من اهلها زوجها فيها وليس هناك حاكم اسلامي يفصل الاحكام حسب القوانين الشرعية فكيف السبيل لها هناك؟ وفي أي قسم من الاقسام الاربعة المذكورة للمفقود في

مختصر الخليل يكون عداؤه؟ وهل يصح للمرأة هناك بعد مضي أربع سنين ان
تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج أم سبيلها التعمير فقط؟

(٤) هل الصورة الثانية للمفقود المذكورة في مختصر الخليل تختص بامرأة
كانت من سكان البلاد الاسلامية فذهب زوجها إلى البلاد الشرقية ففقد
هناك أم تشمل القاطنة بالبلاد التي استولى عليها الكفار وبالديار الحربية
الاصلية أم كيف الأمر؟

(٥) المفقود عنها زوجها سواء كانت من البلاد الاسلامية أو الشرقية
اذ لم يترك زوجها عندها نفقة وهي في غاية من الاحتياج والفاقة أو كانت بحيث
يخشى عليها الفساد بالعزوبة كيف السبيل لها إذا أرادت التزوج أو أراد
أهلها ذلك؟

(٦) المفقود عنها زوجها اذا لم يكن عندها النفقة وهي محتاجة أو يخشى
عليها من الفساد هل يصح تطليقها أو فسخ نكاحها بغير حكم الحاكم الشرعي أم لا بد
من الحكم وعلى الثاني كيف يعمل بالبلاد الاسلامية التي تغلب عليها الكفار؟
أفيدونا ولكم اجر الجزيل

فتوى علامه سعيد بن صدیق مالکی مفتی مالکیہ مدنیہ منورہ

الجواب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(١) الجواب، والله أعلم بالصواب ومن فضله نرتجى الثواب هوأت
نصوص المذهب مطبقة على أن المفقود على ستة أقسام كما ستمر مفصلة
الأحكام وعلى أن زوجته لا بد لها من الرفع إلى القاضي أو الوالي أو من يقوم
مقامهما عند عدمهما من والي الماء أو جماعة المسلمين لأنهم يقومون مقام
الحاكم العدل عند عدمه ولكن عند وجود الثلاثة لا ترفع إلا للقاضي فان
رفعت لغيره مع التمكن من الرفع له حرم عليها ذلك ولن مضى ما فعله ان كان

هو الوالى لاجماعة المسلمين . هذا ما يظهر من كلام ابن عرفة كما قاله الاجمورى
وأما لو رفعت لجماعة المسلمين مع وجود الوالى فالظاهر مضى فعلهم وفى النهورى
وتبعه اللقائى أن ظاهر كلام خليل ان الثلاثة فى مرتبة واحدة الا أن القاضى
أضبط ووجود القاضى أو غيره ممن ذكر مع كونه يجوز أو يأخذ المال الكثير بمزلة
عدمه فتوقع لجماعة المسلمين من صالحى جيرانها وعدولهم وغيرهم لا نهم
كالامام عند عدمه وما يفهم من تعبيرهم بجماعة المسلمين ان الواحد لا يكفي
وكذا الاثنان وبه صرح الاجمورى فعلم أنها ان أرادت الرفع فى شأن
زوجها ووجدت الثلاثة وجب الرفع للقاضى فان رفعت لغيره حرم وصح و
ان رفعت لجماعة المسلمين لم يصح وإن لم يكن قاضى خيّر فيها فان رفعت
لجماعة المسلمين صح على الظاهر وان لم يوجد واحد من الثلاثة رفعت لجماعة
المسلمين . وأهلها منهم وكذا القضاة والأمناء المولون للأحكام من الكفار
المستولين على بلاد المسلمين لعجز الناس بعضهم عن بعض وقد ادعى
أهل المذهب أنه واجب عقلاً وإن كان باطلاً تولية الكافر لهؤلاء القضاة إما
بطلب الرعية له أو إقامته لهم للضرورة لذلك فلا يطرح حكمهم بل ينفذ كما لو
ولاهم سلطان مسلم فتمضى أحكامهم للضرورة ولئلا يزهد الناس فى قبول
توليتهم فتضيع الحقوق وفى كتاب الايمان فى مسألة الخالف ليقضيتك حقه
إلى أجل أقام شيوخ المكان مقام السلطان عند فقده لما يخاف من فوات القضية
وعن مطرف وابن الماجشون فيمن خرج على الامام وغلب على بلد فولّى قاضياً
عدلاً فأحكامه نافذة وقال ابن عرفة : لم يجعلوا قبول الولاية للمتقلب المخالف
للإمام جرحة لخوف تعطيل الاحكام .

(٢) وأما المفقود فى بلاد الاسلام فقد عرفه ابن عرفة بقوله هو من
انقطع خبره ممكن الكشف عنه فالاسير ونحوه ممن لا يمكن الكشف عنه لا يستقى
مفقوداً فى اصطلاح الفقهاء فالمفقود فى بلاد الاسلام فى غير جماعة ولا
وباء إن لم ترض زوجته بالصبر إلى قدومه فلها أن ترفع أمرها إلى الخليفة
أو القاضى أو من يقوم مقامهما فى عدمهما ليفحصوا عن حال زوجها بعد أن

تثبت الزوجية وغيبة الزوج والبقاء في العصمة الى الآن وإذ اثبت ذلك عندهم
كتبوا كتاباً مشتملاً على اسمه ونسبه وصفته إلى حاكم البلد الذي يظن وجوده
فيه وإن لم يظن وجوده في بلد بعينه كتب إلى البلد الجامع واستصوب ابن ناجي
أن أجره الرسول الذي يفحص عن المفقود على الزوجة فإذا انتهى الكشف ورجع
إليه الرسول وأخبره بعدم وقوفه على خبره فالواجب أن يضرب له أجل أربع سنين
للحر وسنتين للعبد وهذا التحرير محض تعبد لفعل عمر بن الخطاب وأجمع عليه
الصحابية ومحل التأجيل المذكور إن كان للمفقود مال تنفق منه للمرأة على نفسها
في الأجل ويزاد على ذلك عدم خشيتها الزنا بلاولى لشدة ضرر ترك الوطى الناشئ
عن الزنا ألا ترى أنها لو أسقطت النفقة على زوجها يلزمها الاسقاط وإن
أسقطت عنه حقها في الوطى لا يلزمها ولها أن ترجع فيه وأيضا النفقة يمكن
تحصيلها من غير الزوج بتسلف ونحوه بخلاف الوطى وإن دامت النفقة ولم تحش
الفتنة فيؤجل الأجل المذكور من يوم ترفع ذلك للحاكم ويرسل في النواحي للكشف
عنه ولا يضرب له الأجل بمجرد الرفع بل بعد تمام الكشف وإلى جميع ما سبق أشار
خليل بقوله ولزوجة المفقود الرفع للقاضي والوالى وإلى الماء وإلى الجماعة
المسلمين فيؤجل أربع سنين إن دامت نفقتها والعبد نصفها من العجز عن خبره
ثم اعتدت كالوفاة وهي أربعة أشهر وعشراً للحره وشهران وخمس ليال مع
أيامها إن كانت رقيقة ويلزمها ما يلزم المتوفى عنها من الأحداد زمن عدتها
ولا نفقة لها زمن عدتها وأما في مدة الأجل فتنفق من مال الزوج وإليه أشار
خليل بقوله وسقطت بها النفقة وليس لها البقاء بعد انقضاء العدة في عصمة
المفقود لأنها أبحث لغيره ولا حجة لها في أنه أحق بها إن قدم لأنها على حكم الفراق
حتى تظهر حياته إذ لو ماتت بعد العدة لم يوقف له إرث منها وأما إن لم
يكن له مال فلها التطلاق عليه بالأعسار من غير تأجيل لكن بعد اثبات ما تقدم
تزيد اثبات العدم واستحقاقها للنفقة وتحلف مع البيينة الشاهدة لها
أنها لم تقبض منه نفقة هذه المدة ولا أسقطتها عنه وبعد ذلك يمكنها الحاكم
من تطلاق نفسها بأن توقعه ويحكم به أو يوقعه الحاكم ومثل المفقود من علم

موضعه وشكت زوجته عدم النفقة يرسل إليه القاضي إما أن تحضر أو ترسل
النفقة أو تطلقها وإلا طلقها الحاكم بل ولو كان حاضراً وعدمت النفقة ثم
بعد الطلاق تعد عدة الطلاق بثلاثة أجراء للحرّة وقرئين للأمة فيمن تحيض و
إلا فثلاثة أشهر للحرّة والزوجة الأمة لاستوائهما في الأشهر.

(٣) وأما زوجة مفقود ارض الشرك ومثلها زوجة الاسير فانها يبتيان
لأنقضاء مدة التعمير وإلى مالها واختل في قدرها فقل سبعون سنة وهو
قول امام مالك وابن القاسم واشهب قال القاضي عبد الوهاب هو الصحيح و
قل ثمانون سنة وحكم بخمس وسبعين سنة وانما لم يضرب لها أجل كزوجة
مفقود ارض الاسلام لتعذر الكشف عن زوجها ومحل بقائها إن دامت نفقتها
كغيرها وإلا فلها التطلق وأما زوجة المفقود في القتال الواقع بين المسلمين
والكفار فإنها تعتد بعد مضي سنة كسنة بعد الفحص عن حاله وأما زوجة
المفقود في معترك المسلمين فتعتد بعد الفراغ من القتال والاستقصاء في
الكشف عنه ولا يضرب لها أجل لأنه يحمل امره على الموت ولذلك يقسم ماله
حين شروعهما في العدة أما لو شهدت البيّنة على أنه خرج من الجيش ولم
تشاهده في المعترك فانه يكون كالمفقود في بلاد المسلمين فيجوز في زوجته
ما تقدم وأما زوجة المفقود في زمن المجاعة أو الوباء أو الكبة أو اسعال فتعتد
بعد ذهاب ذلك المرض وبقي من شك في حاله هل فقد في بلاد المسلمين أو الكفار
لأنقض في حاله. قال الاجهوزي : وينبغي العمل بالأحوط فتعامل زوجته معاملة
زوجة مفقود ارض الشرك بخلاف من سافر في البحر فانقطع خبره فسيبيله سبيل
المفقود إلا أن يكون فقد في شدة ريح والمراكب في المرسى ولم يتبين له خبر فيحكم
بموته لغلبة الظن بفرقه - هذا ملخص أحكام المفقود بأقسامه -

حرره ، رجاءى الاولى سكره

سعيد بن صديق أحسن الله إليه في الفانية والدائمة

ومن عليه وعلى المسلمين بحسن الخاتمة

سعيد بن صديق

فتوى علامه محمد الفهاشم مالكي مفتي مالكيه مكين منوره

استفتاء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ما قول ساداتنا المالكية أطلال الله بقاءهم ونفع المسلمين بعلمهم في

هذا المسائل الآتية :

- (١) امرأة مسلمة فقدت زوجها منذ سنين ولم يتبين أمره مع كثرة التفتيش والتنقير هل يجوز لها بعد مضي أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج بزواج آخر؟ أم لا بد من رفع الأمر إلى الوالي أو الحاكم أو جماعة المسلمين ثم تفتش ذلك المرفوع إليه فإذا يئس بحكم بعد ذلك بانتظار أربع سنين فإن لم يتبين تعتد عدة الوفاة كما يفهم من المدونة ومختصر الخليل وشرحه للدريز أم كيف الحكم؟
- (٢) هل يلزم (أن يشترط) حكم الحاكم أو حكم جماعة المسلمين لانتظار أربع سنين أم يصح ذلك بغير الحكم أيضًا؟
- (٣) بلاد اسلامية استولى عليها الكفار منذ مدة مديدة وفقدت مسلمة من أهلها زوجها فيها وليس هناك حاكم اسلامي يفصل الأحكام حسب القوانين الشرعية فكيف السبيل لها هناك؟ وفي أي قسم من الأقسام الأربعة المذكورة للمفقود في مختصر الخليل يكون عداؤه وهل يصح للمرأة هناك بعد مضي أربع سنين سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج أم سبيلها التعمير فقط؟
- (٤) هل الصورة الثانية للمفقود المذكورة في مختصر الخليل تختص بامرأة كانت من سكان البلاد الاسلامية فذهب زوجها إلى البلاد الشرقية ففقد هناك أم تشمل القاطنة بالبلاد التي استولى عليها الكفار وبالديار الحربية الاصلية أم كيف الأمر؟
- (٥) المفقود عنها زوجها سواء كانت من البلاد الاسلامية أو الشرقية إذا لم يترك زوجها عندها نفقة وهي في غاية من الاحتياج والفاقة أو كانت بحيث يخشى عليها الفساد بالعزوبة كيف لها إذا أرادت التزوج أو أراد أهلها ذلك؟

(٦) المفقود عنها زوجها إذا لم يكن عندها النفقة وهي محتاجة أو يخشى عليها من الفساد هل يصح تطليقها أو فسخ نكاحها بغير حكم الحاكم الشرعي أم لا بد من الحكم؟ وعلى الثاني كيف يعمل بالبلاد الإسلامية التي تغلب عليها الكفار؟ أفيدونا ولكم الاجر الجزيل .

الجواب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَلْحَمْدُ لِمُسْتَحَقِّهِ أَمُّ الضَّلَالَةِ وَالتَّسْلِيمُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَتَابِعِ

مَا وَصَّى بِهِ .

أما السؤال الأول : عن مسلمة فقدت زوجها سنين وبولغ في التفتيش عنه ليتبين فلم ينفع ذلك ولم يظهر أسالم هو أم هالك ؟ فجوابه إذا كان الفقد في أرض الإسلام وله مال ينفق منه على زوجته المتروكة في المقام هو ما في الموطأ والمدونة وغيرها عن مالك عن يحيى بن سعيد أن عمر بن الخطاب قال : أيما امرأة فقدت زوجها فلم تدر أين هو فإنها تنتظر أربع سنين ثم تعتد أربعة أشهر وعشراً ثم تحل وعن ابن وهب أن عمر عمل بذلك ورواه الأئمة مالك والشافعي وأحمد وابن أبي شيبة والبيهقي والدارقطني عن عمرو وعثمان وعلي وابن عباس وابن الزبير رضي الله عنهم . وقال مالك : ينفق على امرأة المفقود من ماله في الأربع سنين لا في العدة . وقال : لا يقسم ميراث هذا المفقود حتى يأتي موته أو يبلغ من الزمان ما لا ييحيى إلى مثله وهو سبعون أو خمس وسبعون أو ثمانون ذكره الشيخ خليل وغيره وفي هذا قال الناظم محمد بن عاصم في تحفة الحكام ومن بأرض المسلمين يفتد فأربع من السنين الأمد وباعتداد الزوجة الحكم جرى تبعصا والمال فيه عمرا .

وقول السائل : هل تعتد لنفسها بعد الأربعة الأعوام عدة الحمام أم ترجع أمورها للحكام أو جماعة الإسلام فجوابه ما في المدونة لسحنون قلت : رأيت امرأة المفقود أعتد الأربع في قول مالك بغير أمر السلطان . قال ابن القاسم قال مالك : لا وإن أقامت عشرين سنة . ثم ذكروا أنها ترفع أمورها للسلطان فيبحث عنه وبعد اليش

يضرب أربع سنين وفي مختصر الشيخ خليل المالكى وشروحه وحواشيه أن لزوجة المفقود
الرفع للقاضى والوالى والى الماء أى جابى الزكوة وإلا فلجماعة المسلمين قيل :
أقلهم ثلاثة من الصلحاء أو واحد عدل عارف يرجع إليه فى المهمات والرجاء .
أما مفقود أرض الشرك والاسير فلا يورث مالها ولا تنكح زوجته إلا بعد التعمير .
وفى حاشية العدوى على الرسالة أن زوجة مفقود أرض الشرك وزوجة الاسير
تبقيا مدة التعمير لتعذر الكشف عن زوجيهما ان دامت نفقتهما وإلا فلهم
التطليق كما إذا خشيتهما على أنفسهما الزنا ومثله فى شرح المختصر وغيرها اعتاق
ام ولده بعد ما النفقة أيضاً دفعا للضرر أو تترقح بمن ينفق عليها . وفى هذا
قال الناظم محمد بن عاصم : وحكم مفقود بأرض الكفر فى غير حرب حكم
من فى الأسر تعيره فى المال والطلاق ممتنع ما بقى الانفاق ،

أما المفقود فى حرب المسلمين مع بعضهم أو فى من الطاعون فيورث وتعتد زوجته عدة الوفاة
بعد انفصال الصفيين ورجوع الخبر إلى البلدين وفى ذلك قال الناظم محمد بن عاصم
وحكم مفقود بأرض الفتن - فى المال والزوجة حكم من فنى مع التلوم لأهل
الملحمة - بقدر ما تنصرف المنهزمة .

وأما المفقود فى حرب المسلمين للكفار فتعتد زوجته عدة الوفاة ويقسم
ما عنده من التركات بعد سنة وشئ من الانتظار وفى ذلك قال الناظم محمد بن عاصم :

وإن يكن فى الحرب فالمشهور	فى ماله والزوجة التعمير
وفيه أقوال لهم معينة	أصحها القول سبعين سنة
وقد أتى القول بضرب عام	من حين يأس منه لا القيام
ويقسم المال على ماته	وزوجه تعتد من وفاته
وذا به القضا فى ائند لس	لمن مضى فمقتضيهام موتس

أما السؤال الثانى : وهو هل يلزم حكم الحاكم أو جماعة المسلمين
بانتظار الأربع سنين أو يصح بلا حكم من المذكورين ؟ فجوابه ما فى شرح الدرر
وحاشيتهم ان رفعت أمرها للقاضى يجبى فان رفعت لوالى السياسة أو لوالى
الماء الجابى الزكوة مع وجود القاضى حرم عليها ذلك وصح الحكم وإن

رفعت لجماعة المسلمين مع وجود القاضي بطل الحكم وان لم يوجد قاضٍ خُيرت في
الرفع للوالي أو السامي فإن رفعت لجماعة المسلمين مع وجودهما فالظاهر الصحة أما
ان كانوا جاثرين بأخذ مال منها ظلماً ليكشفوا لها عن حال زوجها فلها الرفع لجماعة
المسلمين أما أجرة المبعوث لطلب الزوج فقيل على الزوجة وقيل على بيت المال، و
قيل: إن كان لها مال فعليها وإلا فعلى بيت المال - وعند الحنابلة لا يفتقر في ضرب
المدة إلى حاكم البلدة (فائدة عن المسئلة عند زائدة) عند الحنفية لا تطلق
زوجة المفقود ولا يورث ماله إلا بعد سن التعمير مائة وعشرين أو تسعين أو
ثمانين أو سبعين أو ستين أو برأى حاكم المسلمين وعند الحنابلة ان كان ظاهر
غيبة السلامة لا تطلق امرأته ولا يورث في تركته إلا بعد تسعين سنة وإن كان
ظاهر الهلاك فبعد أربع سنين وعند الشافعية في قول الشافعي القديم تطلق
بعد أربع سنين ويورث بعد مدة لا يعيش إلى مثلها - وفي الجديد: لا تطبق
ولا تورث إلا بعد ثبوت موته أو طلاقه لما رواه الشافعي عن علي رضي الله عنه
امرأة المفقود ابتليت فلتصير حتى يأتي يقين موته ولحديث امرأة المفقود امرأته حتى
يأتيها البيان - رواه الدارقطني والبيهقي عن المعيرة بن شعبة لكن الشافعية
والحنابلة كالمالك في جواز تطليقها لعدم النفقة

وأما السؤال الثالث: عن مسلمة فقدت زوجها في بلاد إسلامية استولى
الكافر عليها وحازها وليس هناك حاكم إسلامي كيف تعمل إذا ارادت زواجها؟ فجوابه
ما في الشرح أقرب المسالك للدريد: أن زوجة المفقود في أرض الإسلام تعتد عدة
وفاة ان رفعت أمرها للحاكم ان كان ثمة أو لجماعة المسلمين عند عدمه ولو حكماً
قال: كما في زماننا بمصر اذ لا حاكم فيها شرعي فيكفي الواحد من جماعة المسلمين
ان كان عدلاً عارفاً شأنه أن يرجع إليه في مهمات الأمور بين الناس لا مطلق واحد
وعند الحنابلة لا تفتقر امرأة المفقود إلى حكم حاكم البلدة كما في كشان القناع و
شرح المنتهى للشيخ منصور الحنبلي، وقول السائل: وفي أي قسم للمفقود يكون
هذا؟ جوابه هو أنه من المفقود في بلد الإسلام إذا كانت شعاره فيها تقام -
وفي حاشية الصافي والدسوقي أن بلاد الإسلام لا تصير دار حرب بأخذ الكفار لها

بالقهر ما دامت شعائر الاسلام قائمة بها وعليه يكون اعتدادها عدة الوفاة بعد أربع سنين وانتهاء الكشوفات ويختص حكم المفقود بزوجه الساكنة في بلاد الاسلام او في التي استولى عليها الكفار مع إقامة شعائر الاسلام فيها بين الانام أما الساكنة في البلاد الحربية الاصلية فلا موالاة لنا في أمورها بالكلية .

أما السؤال الرابع عن فسخ نكاح المفقود بعدم النفقة في زمن الترتيب والعود فجوابه ما في شرح الدردير وعبد الباقي والخرشي وغيرها أن المفقود انما يؤجل لامرأته ما دامت نفقتها وإلا طلقت عليه بعدم النفقة وقضى صلى الله عليه وسلم في الرجل لا يجد ما ينفق على امرأته بأن يفرق بينهما - رواه الدارقطني والبيهقي وذكره مالك والشافعي وعلماء الحنابلة عن سعيد بن المسيب واخبرنا ذلك من السنة وعلى ذلك المالكية والشافعية والحنابلة واستحسن متأخروا الحنفية نصب غير حنفى يحكم بذلك للضرورة في حضور الزوج - ذكره صدر الشريعة والكواكبي وابن عابدين وغيرهم .

أما السؤال الخامس عن فسخ نكاح امرأة المفقود بخشية الفساد والزنا فجوابه ما في حاشية العدوى على الرسالة والصاوى على أقرب المسالك وشرحه للدردير أن ضرب الاجل لامرأة المفقود انما هو إذا دامت نفقتها من ماله ولم تخش الفتنة والزنا وإلا فلها التطليق بعدم النفقة او بخوف الزنا .

أما السؤال السادس وهو هل يصح تطليقها أو الفسخ بغير حاكم شرعي وكيف العمل في ذلك في البلاد الاسلامية التي تغلب عليها الكفار بالقوة الظلامية فجوابه ما في الحاشية الصاوى المالكى على أقرب المسالك وكتب الشافعية أن الفسخ بعدم النفقة ونحوها انما يكون بحكم الحاكم أو الحاكم وان لم يكن حاكم فجماعة المسلمين العدول يقومون مقامه في ذلك وفي كل أمر يتعذر فيه الوصول إلى الحاكم العادل والواحد منهم كاف إن كان عدلاً عارفاً يرجع اليه في المهمات عمرنا الله بخبره في الحياة وبعد الممات - وصلى الله وسلم على صاحب المعجزات والكرامات .

العبد الفقير محمد الشهيد بأفغاهاشم بن احمد لازل
مع الاخوان في عناية الصمد .

آخر الجواب

بعد النظر في جميع الفتاوى الواصلة من المدينة المنورة في الباب ، أقول وبالله التوفيق - فتوى علامہ سعید بن صدیق مالکی وفتویٰ علامہ محمد الفاضل مفتی مالکیہ مدینہ منورہ سے امور ذیل مستفاد ہوتے ہیں اور زوجہ مفقود کے لئے اس کے موافق فتویٰ دینے کا مضائقہ نہیں -

(۱) زوجہ مفقود ارض عرب کے لئے جو حکم تعمیری ہو وہ مطلقاً نہیں بلکہ وجود نفقہ و صبر علی البقاء فی العصمة کے ساتھ مقید ہے اور اگر نفقہ نہ ہو یا ہو مگر زوجہ مفقود بقاء فی العصمة پر صابر نہ ہو بلکہ اپنے نفس پر ابتلاء بالزنا کا اندیشہ رکھتی ہو تو اس کے لئے اس صورت میں حکم تعمیر نہیں بلکہ اس کے لئے حکم تطلیق ہے۔ ملاحظہ ہو فتویٰ علامہ سعید بن صدیق من قوله و حمل التأجيل المذكور ان كان للمفقود مال إلى قوله و ان دامت النفقة و لم تحش العنت فيؤجل الاجل المذكور و من قوله و أما زوجة مفقود ارض الشرك و مثلها زوجة الاسير فانهما يبقيان لانقضاء مدة التعمير إلى قوله و حمل بقاءهما ان دامت نفقتهما بغيرهما و الا فلها التطليق - نیز ملاحظہ ہو فتویٰ علامہ محمد الفاضل من قوله اما مفقود ارض الشرك و الأسير إلى قوله و إلا فلها التطليق و إلى قوله تعميره في المال و الطلاق ممتنع ما بقى الاتفاق و من قوله اما السؤال الرابع عن فسخ نكاح المفقود بعدم النفقة إلى قوله و الاطلقت عليه بعدم النفقة و إلى قوله فجوابه ما في حاشية العدوى على الرسالة و الصاوى على أقرب المسالك و شرحه للدردير أن ضرب الاجل لامرأة المفقود الز

(۲) دار الاسلام میں بھی چار سال کی مدت مقرر کرنا اور اس کے بعد عدت و فوات کا پورا کرنا اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ زوجہ مفقود کے لئے نفقہ موجود ہو اور وہ اندیشہ ابتلاء بالزنا سے محفوظ ہو۔ ملاحظہ ہو عبارات متقدمہ جن کا حوالہ علی میں دیا گیا ہے اگر نفقہ موجود نہ ہو یا ہو مگر عورت بقاء فی العصمة پر صابر نہ ہو تو دار الاسلام میں بھی حکم تطلیق مثل زوجہ مفقود دار الحرب ہے البتہ بقاء نفقہ و صبر علی البقاء فی العصمة کی صورت

عہ مراد مجموعہ عبارات ذیل ہے جس میں حکم تعمیر بھی ایک جزو ہے۔

میں دار الحرب و دار الاسلام کا حکم مختلف ہے اور دار الحرب میں اس صورت میں حکم تعمیر ہے اور دار الاسلام میں حکم یہ ہے کہ عورت جس وقت حاکم مسلم و من بکلمہ کی طرف مراجعت کرے تو حاکم مسلم اول مفقود کی تلاش کرے اور مفتش کی اجرت بیت المال کے ذمہ ہے اگر بیت المال ہو ورنہ عورت کے ذمہ ہے پھر بعد اُس کے زوجہ مفقود کے لئے چار سال کی مدت مقرر کرے بعد تمام ہونے چار سال کے عورت عدت و فوات چار ماہ دس دن مع اعداد کے پوری کرے اور عدت و فوات کے لئے حکم حاکم و من بکلمہ شرط نہیں۔

(۳) حکم تطلیق زوجہ مفقود ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اگر شوہر کا مقام معلوم ہو مگر نفقہ نہ پہنچاتا ہو جب بھی حکم ہے۔ ملاحظہ ہو فتویٰ علامہ سعید بن صدیق من قوله و مثل المفقود من علم موضعه و شکت زوجته عدم النفقة إلى قوله بل ولو كان حاضراً و عدمت النفقة المذ و فتویٰ علامہ محمد ہاشم الفامن قوله طریق تطلیق زوجہ المفقود الى آخر الكلام.

(۴) تطلیق یا فسخ بعد عدم النفقة یا بخوف ابتلاء بحکم حاکم مسلم ہوگا اگر حاکم مسلم نہ ہو یا بحکم محکم مسلم یا بحکم جماعت مسلمین مدول ہوگا۔ اور ایک عادل مسلمان بھی حکم کر سکتا ہے جبکہ وہ ایسا شخص ہو جس کی طرف نہات میں رجوع کیا جاتا ہو پھر یا تو حاکم مسلم (و من بکلمہ) عورت پر خود طلاق واقع کر دے یا اس کو اختیار دیدے کہ اپنے نفس پر طلاق واقع کرے اور حاکم مسلم (و من بکلمہ) اس طلاق کو جائز کر دے۔

ملاحظہ ہو فتویٰ علامہ محمد الفاضل ہاشم کی الحاقی عبارت۔ لیکن علامہ سعید بن صدیق نے عدم نفقہ کی صورت میں تطلیق بلا تا جیل کو بھی جائز کہا ہے اور علامہ الفاضل ہاشم نے ایک ماہ کا انتظار یا جو مدت دار اجتہاد حاکم میں مناسب ہو ضروری قرار دی ہے اور خوف عنت کی صورت سے علامہ سعید نے تعرض نہیں کیا کہ اس میں تا جیل ہے یا نہیں۔ اور علامہ ہاشم نے کم از کم ایک سال تک صبر کرنا ضروری فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو فتویٰ علامہ ہاشم صک عبارت الحاق و فتویٰ علامہ سعید بن صدیق من قوله و أما إن لم يكن لهما المال فلهما التطلق عليه بالاعسار و من غير تا جیل اور علامہ محمد طیب نے عدم نفقہ و خوف زنا دونوں حالتوں میں تطلیق بلا تا جیل بیان کی ہے و هذا الفظه و قال شراحه یعنی شرح مختصر الخلیل قاطعة فان لم تدم نفقتها أو خشيت الفساد فلهما التطلاق بلا تا جیل الخ والله تعالى اعلم۔

(۵) طریقہ تطلق یہ ہے کہ عورت حاکم مسلم یا جماعت مسلمین یا واحد عدل مرجوع الیہ فی المہیات کے سامنے دو شاہدوں کی شہادت سے اس بات کا ثبوت دے کہ فلاں شخص سے اس کا نکاح ہوا ہے وہ اس کا شوہر ہے اور وہ اتنی مدت سے غائب ہے اور اس کے لئے کچھ نفقہ نہیں چھوڑا، نہ کسی کو وکیل بالنفقہ بنایا اور نہ عورت نے نفقہ کو معاف و ساقط کیا اور عدم عفو و اسقاط پر حلف کرے اس کے بعد حاکم مسلم یا جو بحکم حاکم ہو یوں کہے کہ میں نے نکاح کو فسخ کر دیا یا یوں کہے کہ میں نے تجھ پر مفقود کی طرف سے طلاق واقع کر دی یا عورت کو امر کرے کہ تو اپنے اوپر طلاق واقع کر لے یا اپنے نکاح کو فسخ کر دے پھر حاکم مسلم عورت کے فعل پر فیصلہ و حکم کر دے۔ یہ صورت تو تطلق و فسخ بعدم النفقہ کی ہے اور بصورت خوف زنا یہ حکم ہے کہ عورت اول شہادت شاہدین سے اپنی زوجیت مع الغائب کا ثبوت دے اور اس کی غیبت کو ثابت کرے اس کے بعد حلف کرے کہ میں اپنی عصمت کی حفاظت سے عاجز ہوں اور ابتلاء بالزنا کا اندیشہ قوی رکھتی ہوں۔ پس اگر عورت نے ایک سال تک صبر کر کے مرافعہ کیا ہو تب تو اس وقت حاکم مسلم و من بحکمہ اس پر طلاق واقع کر دے یا اس کو ایقاع طلاق کا امر کرے اور اگر سال پورا نہ ہوا ہو تو اس کو ایک سال پورا کرنے کا امر کرے بعد سال تمام ہونے کے پھر اس پر طلاق واقع کر دے یا اس کو ایقاع کا امر کرے اور حاکم مسلم و من بحکمہ اس کے ایقاع کے بعد حکم طلاق کر دے اور اس کے بعد عورت مدت طلاق تمام کر کے دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔ ہذا ما ذکرہ العلامة محمد الفاضل فی فتاویٰ عبارت الحاق و مثله فی فتویٰ سعید بن صدیق مل عبارت مخطوطہ۔ و مثله فی فتویٰ العلامة محمد الطیب بن اسحاق میلہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

تقترن : یہ حکم نکاح و طلاق زوجہ مفقود کا ہے رہا تقسیم ترکہ و میراث کا حکم تو اس میں مالکیہ و شافعیہ و حنابلہ سب کے سب حنفیہ کے موافق ہیں الا فی بعض صور المفقود و هو ما اذا کان المفقود فی حال ینقلب علی الظن ہلاکہ۔ فافہم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ
۲۴ رجب ۱۳۳۵ھ

لہ ہذا ما ذکرہ الفاضل و أماً علی ما ذکرہ الآخران فلہا التطلق بلا تأجیل کما مر و لکن الا حوط ما قالہ الفاضل إلا أن یضطر إلى العمل بقول الآخرین فلا بأس به ایضاً۔ ظفر

الجواب الاخير صحيح

بندہ محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ

الجواب صحيح

محمد رسول خان عفا عنہ

الجواب الاخير صحيح

بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ

الجواب الاخير صحيح

حسین احمد غفرلہ

صدر مدرس دارالعلوم دیوبند

الجواب صحيح

بند محمد شفیع غفرلہ

الجواب الاخير هو الصحيح

محمد اعزاز علی غفرلہ

الحاق : طريق تطليق زوجة المفقود أو الغائب الذي تعذر الارسال

اليه أو أرسل اليه فتعاندان كان بعدم النفقة فان الزوجة تثبت بشاهدين
أن فلانا زوجها وغاب عنها ولم يترك لها نفقة ولا وكيلاً بها ولا اسقطتها عنه
وتحلف على ذلك فيقول الحاكم فسمعت نكاحه أو طلقته منه أو يأمرها بذلك
ثم يحكم به وهذا بعد التلوم بنحو شهر أو باجتهاده عند المالكية وفوراً أو متراحياً
عند الحنابلة وبعد ثلاثة أيام عند الشافعية وإن كان لحوفها الزنا وتقررها
بعد الوطئ والغنا مع وجود النفقة والغنا فبعد صبرها سنة فاكثر عند جمل المالكية
وبعد ستة أشهر عند الحنابلة - وفقنا الله إلى الأعمال الزكية -

العبد الفقير محمد الفاضل بن احمد

تلخيص المعلومات | سوال :- نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ - مَا
فِي تَلْخِيصِ الْمَطْلُومَاتِ | قولہ علماء دین (۱) زید کہتا ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے

کہ فلان شخص اپنی بیوی کو چھوڑ کر بے یار و مددگار مفقود الخیر ہو گیا یا فلان شخص اپنی بیوی
سے بے پرواہ ہو گیا اور غیر عورت سے ناجائز تعلق پیدا کر لیا اور عورت گھر میں مجبوس اپنی
مصیبت کے دن بسر کر رہی ہے یا بخصوص مفقود الخیر کی عورت کا تو کوئی دوسرا نکاح
مذہب فقہ حنفیہ کی رو سے ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ نہ تو شوہر نے طلاق دی اور نہ اس کے
مرنے کی خبر مصدقہ طور پر معلوم ہوئی لہذا ضرورت ہے کہ عورتوں کو اس ضروری مسئلہ
سے آگاہ کیا جائے وہ یہ ہے کہ شریعت صاف حکم کرتی ہے کہ اگر عورت نکاح کے وقت
شوہر سے یہ شرط کرے کہ میں نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ جب میں چاہوں گی خود طلاق لے لوں گی

اور مرد قبول کرے تو نکاح بھی صحیح ہو جائیگا اور نیز ایسی عورتوں کو حق حاصل ہوگا کہ جب اس قسم کی کوئی ایذا رسانی کا سامان بہم پہنچایا جائے اور بجز علیحدگی کوئی صورتِ مفرباقتی نہ ہے تو عورت جب چاہے طلاق لے سکتی ہے۔ یہ مسئلہ تمام کتبِ فقہ میں موجود ہے۔ چنانچہ درمختار (باب الامر بالید میں ہے: ”فكهما على أن أمرها بيد صاحبه“ (شامی باب الامر بالید) مفید بہا اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على أن امری بیدی أطلق نفسي كلما أريد أو على أني طالق فقال الزوج: فقلت۔

(البحوالائق) فصل فی الامر بالید۔ ولو بدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على أني طالق أو على أن امری بیدی أطلق نفسي كلما أريد فقال الزوج: قبلت وقع الطلاق وصار الامر بیدها۔

(قاضی خان جلد ۷) فصل فی النکاح علی الشرط: وان ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على أني طالق أو على أن يكون الأمر بیدی أطلق نفسي كلما شئت فقال الزوج: قبلت حاز النکاح۔

(عالمگیری) الباب الثانی فیما ینعقد به النکاح وما لا ینعقد: ان ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على أني طالق أو على أن يكون الأمر بیدی أطلق نفسي كلما شئت فقال الزوج: قبلت حاز النکاح ويقع الطلاق ويكون الأمر بیدها۔

اور احتیاط یہ ہے کہ نکاح کے وقت یہ شرط کی جائے کہ فلاں فلاں اشخاص جو متدین اور معتبر ہوں ان کے ہاتھ میں عورت کا معاملہ ہوگا جب وہ چاہیں طلاق دیدیں اگر شوہر عورت کے حقوقِ زوجیت ادا نہ کرے یا تکلیف پہنچائے یا آئندہ جیسا موقعہ محل ہو تو عورت کو اختیار دیا جائے۔ زید کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب تحریر فرمایا جائے میں نے مختصر کر کے لکھا ہے اصل کتاب جو زید نے چھپوا کر شائع کی ہے وہ بھی برائے مطالعہ ہدیۂ ارسال ہے واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقط

محمد احمد ناظم کتب خانہ احیاء الدین
محله شاہ گنم الہ آباد ۱۲۵

الجواب

اس رسالہ مرسلہ کو دیکھا گیا مسئلہ بالکل صحیح ہے۔ واقعی عورتوں کی بہت سی تکالیف کا اس صورت میں انتظام و انداد ہو جائے گا مگر اس مسئلہ «الامر بالبدن» کے جزئیات بہت دقیق ہیں اس لئے ہر عورت کو وہ الفاظ بتلائے جائیں جن میں کوئی خلجان پیش نہ آئے ہمارے نزدیک بہتر لفظ یہ ہے کہ نکاح کے وقت عورت یا اس کا ولی یا عورت کا وکیل (قاضی نکاح خوان) یوں کہے کہ میں نے مسماۃ فلاں و دختر فلاں کا نکاح تم سے کر دیا اس شرط پر کہ مسماۃ کو اختیار ہو کہ وہ جس وقت چاہے اپنے خاندان یا بستی کے دوسرے برآوردہ نیک آدمیوں سے مشورہ کو موافقت رائے کر کے اپنے اوپر ایک طلاق بائن ایک دفعہ واقع کرے بدو دوسرے برآوردہ نیک آدمیوں کے مشورہ اور موافقت رائے کے عورت کو یہ اختیار نہ ہوگا اھ اگر الفاظ اختیار مثلاً اس طرح ہوئے کہ اگر شوہر نے سال بھر نفقہ وغیرہ نہ دیا یا سال بھر غائب رہا یا اس نے دوسری عورت سے تعلق کر لیا تو مسماۃ کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا تو ان لفظوں سے جو اختیار حاصل ہوتا ہے وہ اس ساعت کے ساتھ مقید ہوتا ہے جس ساعت میں سال تمام ہو کر دوسرا سال شروع ہو یا اس مجلس سے مقید ہوتا ہے جس میں دوسری عورت سے تعلق کا علم ہوا ہے اگر اس ساعت یا اس مجلس میں عورت نے اپنے اوپر طلاق واقع نہ کی تو اب اختیار اس کے ہاتھ میں نہ رہیگا۔ اسی طرح بعض لوگ ایجاب و قبول کے وقت بشرط اختیار کو ظاہر نہیں کرتے بلکہ نکاح سے پہلے کا بن نامہ لکھواتے ہیں اور بعد نکاح کے شوہر سے دستخط کرا لیتے ہیں۔ یہ صورت بھی بعض دفعہ بیکار ثابت ہوتی ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ شرط اختیار ایجاب و قبول کے ساتھ ساتھ ہو اور الفاظ اختیار میں صیغہ شرط عام ہو کہ جس وقت عورت چاہے، اور ایک طلاق بائن سے زیادہ کا اختیار دینا فضول ہے اور ایک دفعہ سے زیادہ اختیار دینا بھی زائد از ضرورت ہے اور عورت کے سوا کسی دوسرے کو بھی اختیار دینا مضر ہے بلکہ عورت ہی کو اختیار دیا جائے مگر اس کے اختیار کو دوسرے برآوردہ نیک آدمیوں کے مشورہ و موافقت رائے سے مشروط کر دیا جائے۔

الدلائل : قال فی العالمگیریۃ ص ۸۱ : إذا قال لها طلقی سواء قال لها إن

شئت أو لا فلها ان تطلق نفسها في ذلك المجلس خاصة وليس له ان يعزلها اه
وفيه ص ۹۱ : الفاظ الشرط - ان واذا - واذا ما - وكل وكلما - ومتى - ومتى ما
ففي هذه الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت اليمين وانتهت لانها لا تقتضي العموم
والتكرار فوجود الفعل مرة تم الشرط وانحلت اليمين فلا يتحقق الحنث بعده إلا في
كلما لانها توجب عموم الافعال اه

وفيه أيضاً : ولو قال لها : أنت طالق متى شئت او متى ماشئت واذا شئت واذا ما
شئت فلها ان تشأ في المجلس وبعد القيام عن المجلس ولوردت لم يكن ردّاً ولا
تطلق نفسها إلا واحدة ولو قال : أنت طالق زمان شئت أو حين شئت فهو
بمثلة قوله إذا شئت فلا يقتصر على المجلس اه ص ۹۲ ولو قال : إن شئت
وشاء فلان تعلق بمشيئتهما - كذا في الكافي .

وفيه أيضاً : ولو قال : اذا مضى هذا الشهر فأمرها ببيع فلان فمضى الشهر
فأمرها ببيده في مجلس علمه وإن علم بعد شهرين لأن التقويض معلق بمضى
الشهر والمعلق بالشرط يصير مرسلاً عند وجود الشرط ولو ارسل التقويض بعد
مضى الشهر يقتصر على مجلس علمه فكذا هذا اه ص ۹۳

ولو قال : أمرك ببيعك إلى عشرة أيام فالأمر ببيدها من هذا الوقت إلى
مضى عشرة أيام ويحفظ قضاء العشرة بالساعات - والله تعالى أعلم .

حرره الاحقر ظفر احمد عفاعنه

ازمخانه بهون - ۲۵ رمضان ۱۳۸۵ھ

تتمہ سوال مذکور | سوال :- ما قولکم علماء دین رحمکم اللہ - زید کہتا ہے
کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بیچاری عورتیں شوہر کے ظلم سے پریشان رہتی ہیں اس طرح
کہ کوئی شخص عورت کو چھوڑ کر مفقود الخبر ہو گیا اور عورت نہایت تکلیف و مصیبت سے گھر
کی چار دیواری میں اپنے انتظار کے دن بسر کر رہی ہے اور مذہب حق حنفیہ کی رو سے
اس کا کوئی دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا کیونکہ نہ تو شوہر نے طلاق دی، نہ اس کے مرنے
کی خبر مصدقہ طور سے معلوم ہوئی۔ نیز ایسا واقعہ بھی ہوتا رہتا ہے کہ فلان شخص اپنی
منکوحہ سے بے پرواہ ہو گیا غیر عورت سے ناجائز تعلق کر لیا نہ تو نان نفقہ کی کفالت

تمام کتب فقہ میں ہے کہ عقد میں وہ شرط لگانا جو منافی عقد نکاح ہو وہ شرط قابل قبول نہیں لہذا زید نے جو نقل کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ بجر کے قول کی مصلحت یہ ہے کہ اگر زید کے قول کو صحیح مانا جائے تو اس میں ایک فساد برپا ہو جائے گا وہ یہ کہ عموماً عورتوں میں آزادی کا مادہ آجکل موجود ہے بس وہ ذرا ذرا سی بات پر طلاق لے لیا کریں گی اور شوہر بیوی میں جو تعلقات رہنا چاہتے وہ نہ رہ سکیں گے۔ نیز نیا چہرہ جو عورتوں کی آزادی کا خواہاں ہیں ان کو اور تقویت ہو جائیگی نیز وہ عورتیں جن کا نکاح بالشرط نہیں ہو رہا ہے وہ بھی طلاق لے لیا کریں گی اگرچہ ان کا طلاق لینا زید کے قول پر صحیح نہ ہوگا مگر غلط فہمی سے شوہر بیوی میں جھگڑا پڑ جائیگا۔ علیٰ ہذا القیاس اور بہت سے فساد پیدا ہوں گے۔ غرض یہ کہ عورتیں آزاد ہو جائیں گی اور وہ مرد جو عورتوں پر ظلم کرتے ہیں ان کے لئے قاضی مقرر ہو جو ان کا فیصلہ کر دیا کرے تو کوئی فساد نہ رہے۔ انتہی کلام بکر۔

سائل عرض کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں یہاں دونوں طرف سے مضمون شائع ہو گئے ہیں کوئی امر محقق طے نہیں ہوتا ہے عوام سخت خلیجان میں ہیں ایک کا معتقد دوسرے کی بدگوئی کرتا ہے اس لئے احقر نے جناب والا کو یہ تمام تحریریں نقل کر کے تحقیق اصل مسئلہ کی چاہی ہے۔ حضرت کے نزدیک جو امر محقق اور مفہوم بہ ہومع حوالہ کتب تحریر فرمائیے تاکہ یہاں الہ آباد میں جو جناب کے خدام ہیں ان کو خصوصاً اور دوسرے لوگوں کو عموماً اطمینان حاصل ہو اللہ تعالیٰ جناب کو اجر عظیم عطا فرمادے۔

السائل : عبدالودود

رانی منڈی الہ آباد فاسٹ کمپنی۔ درزی کی دکان

الجواب

بجر نے مسئلہ میں غور نہیں کیا اور قاضی خان وغیرہ کی ادھوری عبارتیں نقل کر کے خواہ مخواہ لوگوں کو مغالطہ میں ڈالا۔ دراصل جس صورت میں طلاق اور تفویض کو باطل کہا گیا ہے یہ وہ صورت ہے جبکہ مرد ابتداءً یوں کہے کہ میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں اس شرط پر کہ تجھے اپنی ذات کے معاملہ میں اختیار ہوگا اور عورت بعد میں یوں کہے کہ میں نے قبول کیا تو اس صورت میں نکاح صحیح اور تفویض باطل ہے اور اگر عورت کی طرف سے ابتداءً ہو کہ عورت ابتداءً یوں کہے کہ میں تجھ سے نکاح کرتی ہوں اس شرط پر کہ مجھے

اپنے معاملہ کا اختیار ہوگا کہ جب چاہوں طلاق لے لوں تو اس صورت میں جب مرد اس کو بعد نکاح قبول کریگا تو نکاح اور شرط دونوں صحیح ہیں بجز کا یہ کہنا کہ یہ قول صرف فقہ ابو اللیث کی اپنی رائے ہے بالکل غلط ہے یہ محض اگر ابو اللیث کی رائے ہے اور مذہب ابو حنیفہ و محمد و ابو یوسف اس کے خلاف ہے تو وہ اس صورت خاص میں جبکہ شرط کی ابتداء عورت کی طرف سے ہو اور مرد بعد میں قبول کرے کوئی جزئیہ دکھلا دے جس میں تصریح ہو کہ نکاح اور شرط دونوں باطل یا صرف شرط باطل ہے اور نکاح صحیح ہے مگر وہ ہرگز اس کی حجرات نہیں کر سکتا اور جتنے جزئیات بکرنے پیش کئے ہیں وہ اس صورت میں ہیں جبکہ بدارت بالشرط مرد کی طرف سے ہو اور زید نے جس صورت کا اعلان کیا ہے وہ ہے جس میں بدارت بالشرط عورت کی طرف سے ہے۔ چنانچہ زید نے اپنے رسالہ میں جو عبارات فقہیہ بعبارت عربیہ نقل کی ہیں ان میں بدارت بالشرط من الرجل و بدارت بالشرط من المرأة کے احکام مختلف ہونے پر اشارہ موجود ہے النہ اتنی کمی رہ گئی کہ زید نے اردو میں اس فرق پر تنبیہ نہیں کی تاکہ ناقص الاستعداد بھی فرق کو سمجھ جائے۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے : لو بدأت المرأة فقالت : زوجت نفسي منك على أني طالق أو على أن الأمر بيدي أطلق نفسي كلما أريد فقال الزوج : قلت وفتح الطلاق وصار الأمر بيدها ومطلقة الثلاث ينبغي أن تقول هكذا حتى يتقطع طمع المحلل اهـ ص ۱۹۰

قاضی خان میں ہے : وعن هذا قالوا : مطلقة الثلاث إذا أرادت أن تزوج المحلل وخافت أن لا يطلقها فالحيلة لها في ذلك أن تقول زوجت نفسي منك على أن أمري بيدي أطلق نفسي كلما أريد ثم يقبل الزوج فيكون الأمر بيدها بعد النكاح تطلق نفسها متى شاءت اهـ (ص ۱۵۵-۱۵۶) خلاصہ میں ابتداء تعلیق من المرأة کی صورت کو بدون ذکر اختلاف بیان کیا ہے اسی طرح خلاصہ میں اور قاضی خان میں مطلقة الثلاث کے مسئلہ کو جزئاً بدون ذکر خلاف بلکہ سب فقہاء و مشائخ کی طرف منسوب کر کے ذکر کیا ہے پس اس کو صرف فقہ ابو اللیث کی رائے بتلانا غلط ہے اور بکرنے جو یہ قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے کہ عقد میں وہ شرط لگانا جو منافی عقد ہو قابل قبول نہیں ”کلمة محقّی أريد بها الباطل“ کا مصداق ہے۔ نکاح میں اصل یہ ہے کہ نکاح کو معلق

بالشرط کرنا تو باطل ہے اور مقرون بالشرط کرنا جائز ہے۔ معلق بالشرط تو بالکل باطل ہے کہ اس صورت میں نکاح ہی نہ ہوگا جیسے یوں کہے کہ میں نکاح کرتا ہوں اگر میرا باپ راضی ہو یا عورت یوں کہے کہ میں قبول کرتی ہوں اگر میرا باپ راضی ہو مثلاً۔ اور مقرون بالشرط میں حکم یہ ہے کہ شرط صحیح کے ساتھ نکاح مقرون ہو نکاح بھی صحیح اور شرط بھی، اور شرط فاسد کے ساتھ مقرون ہو تو نکاح صحیح اور شرط لغو ہے مثلاً یوں کہے کہ میں اس شرط سے نکاح کرتا ہوں کہ عورت کے لئے مہر نہ ہوگا تو نکاح صحیح اور شرط باطل ہے اور شوہر کے ذمہ مہر مثل ہوگا گو عورت نے عدم مہر کی شرط کو قبول بھی کر لیا ہو کیونکہ نکاح بلا مہر امت کے لئے مشروع نہیں اب اگر بکر کے نزدیک نکاح بشرط تفویض طلاق میں اس لئے شرط باطل ہے کہ وہ اس شرط کو فاسد سمجھتا ہے تو اس کے فساد کی دلیل بیان کرنے کی اس کے نزدیک نکاح کے اندر طلاق مشروع نہیں یا تفویض الی المرأة جائز نہیں یقیناً ہر شخص جانتا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں جس طرح نکاح مشروع ہے طلاق بھی مشروع ہے اور جس طرح بعض اوقات نکاح واجب ہو جاتا ہے اسی طرح بعض دفعہ طلاق بھی واجب ہو جاتی ہے جبکہ مرد حقوق ادا کرنے سے عاجز ہو جائے اور عورت صبر نہ کرنا چاہے۔ جب یہ ہے تو وہ اس شرط کو کس دلیل سے فاسد کہتا ہے اور کیا اس کے نزدیک بیع بشرط الخيار صحیح نہیں اور کیا شرط اختیار سے من لہ الخيار کو بیع کے ابقاء و فسخ کا اختیار حاصل نہیں ہوتا اگر بیع میں شرط اختیار جائز اور من لہ الخيار کو اس سے ابقاء و فسخ عقد کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے تو نکاح میں اگر عورت یہ شرط کرے کہ مجھے اختیار ہوگا جب چاہوں اپنے اوپر طلاق واقع کر لوں تو اس کے باطل کرنے کی کیا وجہ ہے۔ نیز وہ بتلائے کہ نکاح سے پہلے اجنبیہ کی طلاق کو معلق علی النکاح کرنا صحیح ہے یا نہیں مثلاً **إِنْ تَزَوَّجْتُكَ فَإِنَّكَ طَالِقٌ**۔ پھر اس میں اور صورت متنازعہ میں کیا فرق ہے اگر شرط طلاق نکاح سے جمع نہیں ہو سکتی تو یہ تعلیق باطل ہونا چاہیے اخیر میں ہم بکر کو بتلانا چاہتے ہیں کہ نکاح بشرط تفویض الی المرأة جبکہ ابتداء بالشرط عورت کی طرف سے ہو صرف فقہ ابو اللیث کا

۱۔ اس تمثیل سے یہ مقصود نہیں کہ جو احکام بیع بشرط اختیار کے ہیں بعینہ وہی احکام نکاح میں جائز ہیں بلکہ صرف یہ مقصود ہے کہ بکر کا نکاح بشرط تفویض مشروط بشرط منافی کہنا غلط ہے کیونکہ یہ نظریہ بیع بشرط اختیار کی ہے اور اس کو کسی نے شرط فاسد یا شرط منافی نہیں کہا۔ منہ

قول نہیں بلکہ فقیہ نے صرف بدارت من المرأة و بدارت من الزوج کے فرق کو ظاہر کیا ہے ورنہ نفس مسئلہ کہ اگر بدارت من المرأة ہو تو نکاح و شرط دونوں صحیح اور بدارت من الزوج ہو تو نکاح صحیح اور شرط لغو ہے، مسلم بن الفقہار ہے فقیہ نے ان دونوں صورتوں میں فرق کو واضح کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو عالمگیری۔

وفي الهندية : كتاب الحيل ۳۱۱ وحيلة اخرى في اصل المسئلة أن نقول المرأة لمحلل زوجت نفسي منك على أن أُمري بيدي أطلق نفسي كلما أريد ثم يقبل الزوج فيصير الأمر بيدها تطلق نفسها كلما أرادت ولو بدأ المحلل فقال تزوجتك على أن أُمرك بيدك تطلق نفسك كلما تريد فقبلت صحیح النكاح ولا يصير الأمر بيدها وحيلة أخرى أن يقول المحلل للمرأة تزوجتك على أن أُمرك بيدك بعد ما تزوجتك وطلق نفسك كلما تريد فقالت المرأة قبلت يصير الأمر بيدها أيضًا اه

کتاب الحیل میں زوجة المحلل کے لئے یہ حیلہ بلا ذکر خلاف مذکور ہے جس کو فقیہ ابو الیث کے ساتھ خاص کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اب فقیہ نے بدارت من المرأة و بدارت من الزوج کے حکم میں اختلاف کی یہ وجہ بیان کی ہے :

لأن البداءة إذا كانت من الرجل كان الطلاق والتفويض قبل النكاح فلا يصح أمّا إذا كانت من المرأة يصير التفويض بعد النكاح لأن الزوج لما قال بعد كلام المرأة قبلت والجواب يتضمن إعادة ما في السؤال صار كأنه قال قبلت على أنك طالق أو على أن يكون الأمر بيدك فيصير مفوضاً بعد النكاح اه قاضی خان (ص ۲۹۹) وشامی (ص ۲۹۹) قلت : ولذا ان قال الزوج ابتداءً تزوجتك على أن أُمرك بيدك بعد ما تزوجتك وقبلت يصير الأمر بيدها أيضًا لكونه علق التفويض على النكاح فيكون مفوضاً بعدة لا قبله فافهم۔

زہر بکر کا یہ کہنا کہ اس مسئلہ کو صحیح مان لیا جائے تو فساد برپا ہو جائیگا کیونکہ عورتوں میں آزادی کا مادہ آجکل موجود ہے اور نئے چہرے کی اس سے تائید ہوگی جو آزادی نسوان کے خواہاں ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فساد اس مسئلہ کی صورت پر متفرع نہیں کیونکہ یہ مسئلہ تو کتب میں بہت عرصہ سے موجود ہے اور اب تک اس سے کوئی فساد نہیں ہوا فساد کا اصلی

سبب عورتوں کی اصلاح و تعلیم کا اہتمام نہ کرنا ہے۔ نیز مردوں کا دین سے آزاد ہونا اور بہت سے بہت اگر اس مسئلہ کی وجہ سے کچھ فساد ہوگا بھی تو کیا ہوگا اس سے زیادہ تو نہ ہوگا کہ عورت جب چاہے گی طلاق لے لیگی تو طلاق لے لینا کچھ فساد نہیں اور اس سے زیادہ فساد یہ ہو سکتا ہے کہ طلاق کی کثرت ہو جائے گی تو نکاح و طلاق کی کثرت بھی فساد نہیں بلکہ کثرت زنا فساد ہے اور اس مسئلہ کی اشاعت سے زنا کا انسداد ہو جائے گا کیونکہ جو عورت مرد سے راضی نہ ہوگی یا مرد اس کو تنگ کرے یا نفقہ نہ دے گا وہ ان صورتوں میں بسہولت اس کے نکاح سے آزاد ہو کر دوسرا نکاح کر سکے گی یہ تو نہ ہوگا کہ عورت مفقود و زوجۃ العین و زوجۃ الظالم خواہ نفس سے مجبور ہو کر دوسرے شخص سے ناجائز تعلق کر لیتی ہے اس کی کیا وجہ کہ بکر کو مردوں کی اس بے رحمی پر غصہ نہیں آتا اور عورتوں کی مظلومیت دور ہونے سے وہ ناخوش ہے اور جو صورت بکرنے عورتوں کے لئے بیان کی ہے کہ ہندوستان میں قاضی مقرر کیا جائے سو اول تو یہ علماء کے ہاتھ میں نہیں برسوں سے علماء حکومت کو اس طرف متوجہ کر رہے ہیں مگر حکومت توجہ نہیں کرتی اور قاضی مقرر ہو جانے کے بعد بھی عورتوں کی تکالیف کا بالکل یہ انرا نہیں ہو سکتا گو ایک حد تک کم ہو جائیں گے کیونکہ قضاۃ و حکام کا مرثی نہ ہونا یہ بکر کے ہاتھ میں نہیں اور کسی کے بھی قبضہ میں نہیں۔ اب اگر قاضی مرثی ہو اور اس نے مرد سے رشوت لے کر عورت کی فریاد پر توجہ نہ کی تو کیا سبیل ہوگی اس لئے بہتر صورت یہی ہے جو زید نے بیان کی ہے اور اگر ہم تسلیم کر لیں کہ زید نے جس مسئلہ کو ظاہر کیا ہے اس سے فساد بھی برپا ہوں گے تو یہ فساد نفس مسئلہ کی صحت کا نتیجہ نہیں بلکہ اس مسئلہ کی اشاعت کا نتیجہ ہوگا۔ پس بکر کو لازم تھا کہ نفس مسئلہ کا ابطال نہ کرتا بلکہ زید سے یوں کہتا کہ مسئلہ تو صحیح ہے مگر یہ زمانہ اس کی اشاعت کا نہیں کیونکہ اس پر یہ فسادات متفرع ہوں گے مگر اس کے بعد بکر کو ان فسادات کا بھی کوئی سہل انتظام بتلانا چاہیے جو مردوں کے ظلم اور بے پروائی سے عورتوں میں رونما ہو رہا ہے ہیں کہ تمام مدارس کے مفتی عورتوں کی فریاد سنتے سنتے تھک گئے۔ واللہ المستعان فقط

نظر احمد عفا عنہ۔ از تھانہ بھون

۲۲ ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح

اشرف علی

۲۲ ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ

واپسی مفقود کی ایک صورت کا حکم سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ کلثوم حنفی المذہب کا شوہر سولہ برس سے مفقود الخیر رہا اور مفقود الخیری سے سات برس بعد اس نے فتویٰ لے کر اپنے شوہر کے حقیقی چھوٹے بھائی سے نکاح کر لیا اور اس شوہر کے نطفہ سے دو بچے موجود ہیں۔ پہلا شوہر اب آیا اور عورت کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے اور عورت اس کے ساتھ رہنے پر رضامند رہے تو اب عورت کو اس کے ساتھ رہنا چاہیے یا نہیں اگر رہنا چاہیے تو کیا اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت ہے یا وہی اول نکاح کافی ہے ؟ واضح رہے کہ عورت اپنے پہلے شوہر کے ساتھ دو چار مرتبہ رہی۔ جواب باصواب غایت فرماتیں۔ سائل : اللہ دین سبزی فروش محلہ حیدر گنج صدر ضلع سلطان پور اودھ

الجواب

یہ عورت اپنے پہلے شوہر کے ساتھ ہی رہے دوسرے شوہر سے الگ ہو جائے پہلے شوہر کے پاس رہنے کے واسطے دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں بلکہ پہلا نکاح باقی ہے لیکن اس عورت کو دوسرے شوہر سے الگ ہو کر عدت گزارنا ضروری ہے بدون عدت گزارے ہوئے پہلے شوہر کے پاس نہ جائے اور عدت اس کی تین حیض ہے اگر حمل نہ ہوا اور حمل ہو تو عدت وضع حمل ہے اور دوسرے نکاح کے بعد جو اولاد ہوتی ہیں وہ دوسرے شوہر کی اولاد ہیں اور حلالی ہیں جو دوسرے شوہر کی وارث شرعی ہیں۔ فقط ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ

حکم زوجہ مجنون سوال : ایک دوست کی سالی ہے اور اس کے شوہر کو عرصہ گیارہ بارہ سال کا ہوا پاگل ہو گیا ہے کبھی تو گفتگو ہوشیاروں کی سی کرتا ہے کبھی بالکل پاگلوں کی سی۔ مسماۃ علیحدہ ہیں اور کئی بچے بھی ہیں، مسماۃ کی عمر ۲۵ سال ہے۔ کیا اس کی علیحدگی کی کوئی شرعی صورت ہو سکتی ہے ؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ عدالت سے تو علیحدگی ہوگی وہ ہندو کی عدالت ہے یا انگریز کی مسلمان کی نہیں

کیا کوئی صورت ایسی ہو سکتی ہے کہ شرعی علیحدگی تو یہاں ہو جائے اور عدالتی عدالت میں بستہ واقعہ بہت پریشان ہیں اکثر ملاقات کے وقت وہ دوست تذکرہ کرتے ہیں اور پریشانی بیان کرتے ہیں۔ آپ غور کریں اگر کوئی صورت سمجھیں آجائے تو اس سے مطلع فرمادیں۔

المرسل : محمد عثمان دریہ کلاں دہلی

الجواب

اگر محنون ایک مرتبہ بھی ہم بستری کر چکا ہو خواہ جنون سے قبل یا جنون کے بعد تو پھر اس عورت کو تفریق کا حق نہیں رہتا۔ بس صورت مسئلہ میں جب وہ صاحب اولاد ہے تو تفریق کا حق حاصل نہیں، نہ غیلم حاکم کر سکتا ہے نہ مسلم حاکم۔ اور غیر مسلم حاکم کی کسی صورت میں بھی تفریق معتبر نہیں۔ اور یہ صورت بھی کافی نہیں کہ شرعی فیصلہ عالم کر دے اور تفریق غیلم حاکم کر دے الا آنکہ وہ حاکم کسی عالم کو اختیار فیصلہ کا باقاعدہ دیدے۔

فقط والسلام - احقر عبدالکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۲ رجب ۱۳۸۷ھ

ایضاً ایضاً سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ سے نکاح کرنے کے پندرہ سولہ روز کے بعد سفر کو چلا گیا ایک سال کے بعد وہ سفر سے محنون ہو کر گھر واپس آیا اور اسی حالت پر اس کو متواتر پانچ سال گزر گئے ہیں کہ اس کو اپنی زوجہ سے کسی قسم کا تعلق زوجیت نہیں ہے لہذا ہندہ اپنے محنون زوج کے زیر نکل رہنے میں اس کے محنون ہونے کے بعد ہی سے لے کر اس وقت تک برابر ناراضگی ظاہر کرتی ہے۔ حتیٰ کہ اولیاء جب زوج کے مکان پر جانے کے لئے مجبور کرتے ہیں اس وقت جواب دیتی ہے کہ میں خود کشی کر لوں گی مگر اس زوج کے مکان پر ہرگز نہیں جاؤں گی اور ہمیشہ یہ چاہتی ہے کہ کسی طرح اس زوج سے نکاح فسخ ہو جائے۔ اب استفتاء اس امر کا ہے کہ مطابق مذہب حنفی کے اس زوجہ سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتا ہے تو اس کو مفقلاً دلائل و براہین کے ساتھ تحریر فرمایا جائے۔ بیٹوا

توجروا - المستفتی : محمد عنبر علی عفی عنہ

الجواب وهو الموفق للصواب

امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف علیہما الرحمۃ کے نزدیک تو مجنون کی زوجہ کا نکاح جنوں کی وجہ سے فسخ نہیں ہو سکتا اور عموماً کتب فقہ میں انہیں کے مذہب کو لیا ہے۔ فتح القدیر نے اس کی ادلہ اور اس کے خلاف کی ادلہ کا جواب نہایت بسط سے دیا ہے۔ شامی نے بھی اس کو پسند کیا ہے۔ غرض حنفیہ کا قوی و راجح مذہب یہی ہے کہ جنون موجب فسخ و تفریق نہیں ہے۔ البتہ امام محمدؒ کے نزدیک جنون کی وجہ سے تفریق ہو سکتی ہے اور بعض فقہاء نے اس پر فتویٰ بھی دیا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے :

قال محمد : إن كان الجنون حادثاً يؤجله سنة كالعنة ثم تخير المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ أو ان كان مطبقاً فهو كالجب، وبه نأخذ كذا في الحاوی للقدس (ص ۱۵۷)

اس لئے اس قول کو لینے کی بھی گنجائش ہے اور تفریق کا طریقہ یہ ہے کہ عورت قاضی کے پاس درخواست دے، قاضی مجنون کو ایک سال مہلت علاج کے واسطے دے دے۔ بعد ایک سال گزر جانے کے دیکھا جائے اگر تندرست ہو جائے تو فیہا ورنہ عورت اگر چاہے تو تفریق کر دی جائے اور تفریق کے بعد عدت گزار کر کسی شخص سے نکاح ہو سکتا ہے اور گو اس ملک میں بقاعدہ شرعیہ قاضی نہیں ہیں لیکن جو مسلمان حاکم ایسے امور کا فیصلہ کرنے کے واسطے سرکار کی طرف سے اختیار رکھتے ہیں وہ بھی مثل قاضی کے ہیں اس واسطے ایسے جج وغیرہ کے ہاں درخواست دی جائے۔ اور اگر اس جگہ کوئی مسلمان حاکم ایسا نہ ہو جو شریعت کے موافق فیصلہ کر سکے تو پھر اس صورت میں فقہ حنفی کی رو سے تو کوئی صورت تفریق کی معلوم نہیں ہوتی البتہ مالکیہ کے نزدیک ایسی صورت میں دیندار مسلمانوں کی پنچائیت جس میں کوئی معاملہ فہم عالم بھی ہوں ایسے امور کا فیصلہ کر سکتی ہے۔

كما قال الخليل في مختصره : ولزوجة المفقود الرفع للقاضي والوالی و

والی الماء والافتحاحۃ المسلمین اھ (از فتویٰ سعید صدیق مدنی)

اور ضرورت کے موقع پر دوسرے ائمہ کے مذہب پر فتویٰ ہو سکتا ہے جبکہ اپنے مذہب میں کوئی گنجائش نہ نکل سکے اس واسطے اگر اس علاقہ میں مسلمان حاکم ان امور میں اختیار رکھنے والا نہ ہو تو

محلہ یا شہر کی پنچائیت میں معاملہ پیش کر دیا جائے وہ باقاعدہ تحقیقات کر کے ایک سال کی ميعاد مقرر کر دیں اور سال گزرنے پر پھر جمع ہو کر زوج کے حال کی تفتیش کی جائے اگر اس کا جنون زائل نہ ہوا ہو تو عورت کو اس کے نکاح سے الگ کر دیا جائے اور اس تمام کارروائی میں کم از کم ایک معاملہ مہم عالم پنچائیت کے ہمراہ ضرور ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

تنبیہ ضروری: امام محمدؒ کے قول میں کہ جس کو لیکر یہ فتویٰ دیا گیا ہے جنونِ حادث و مطبق کا حکم جداگانہ لکھا ہوا ہے مگر ہم نے مطلقاً ایک سال کی مہلت لکھی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جنونِ مطبق کی تفسیر نماز روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ کے بارے میں تو موجود ہے مگر زوجہ المجنون کے بارے میں جنونِ مطبق کی تفسیر کہیں نہیں ملی اور قیاس کی جرأت نہیں ہے خاص کر جب مطبق کو حادث کا مقابل گردان کر کہیں تفسیر نہ ہو اور محض مطبق کی تفسیر سے یہ لازم نہیں آتا کہ حادث کے مقابلہ میں جب مطبق ہو تب بھی اس کی تفسیر یہی ہے پس احتیاط اس میں ہے کہ مطلقاً تا جیل پر عمل کیا جائے خصوصاً جبکہ پنچائیت فیصلہ کرنے والی ہو کیونکہ پنچائیت کا فیصلہ معتبر ہونا فقہ حنفی میں تو ہے نہیں فقہ مالکی سے اس کا فتویٰ دیا گیا ہے اور مالکیہ کے مذہب میں جنونِ مطبق وغیر مطبق میں کوئی تفصیل نہیں بلکہ صاحب تحفہ نے لکھا ہے: وهو معنی قول خلیل و مجنونہما وان مرّة فی الشهر قبل الدخول وبعده الخ

(از فتویٰ صالح تونسلی مدرس مسجد نبوی) فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم از خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون - مورخہ ۱۰ رجبی الثانی ۱۳۵۷ھ

فصل فی احکام الحرمة المصاهرة

سوتیلی ماں کے مس کرنے کا حکم | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی پہلی بیوی

مسماۃ زینب ایک لڑکا مستی خالد کو چھوڑ کر مر گئی تو زید نے اپنا نکاح ثانی ہندہ سے کیا اور کچھ دنوں کے بعد زید اپنا بیٹا خالد جس کی عمر ۲۵ سال ہے اور بیوی ثانی ہندہ کو چھوڑ کر پرس چلا گیا تو بار بار دیکھا گیا کہ خالد اپنی سوتیلی ماں ہندہ کی چار پائی پر راتوں کو سو رہا ہے اور اکثر مکان خلوت میں دونوں رہا کئے یہاں تک کہ غلبہ نیند سے صبح ہو گئی اور دونوں ایک ہی

چار پائی پر دونوں پائے گئے اس حرکت سے خالد پر زنا کا جرم عائد ہوتا ہے یا کس گناہ کا مرتکب ہوگا اور ہندہ اپنے شوہر زید کی قابل ہے یا حرام ہوگئی ؟

سائل : مخلص حسین مدرس مدرسہ اسلامیہ
قصبہ جلال پور ضلع فیض آباد

الجواب

صورتِ مسئلہ میں خالد پر زنا کی تہمت بلا ثبوت شرعی کے نہیں لگائی جاسکتی۔ اور ہندہ اپنے شوہر پر جب حرام ہوگی جبکہ چند باتوں میں سے ایک بات ثابت ہو جائے
۱۔ یہ کہ خالد نے ہندہ کو یا ہندہ نے خالد کو شہوت کے ساتھ چھوا تھا اور جس حصہ جسم کو چھوا تھا وہ موٹے کپڑے سے مستور نہ تھا
۲۔ یا یہ کہ خالد نے ہندہ سے معانقہ کیا تھا اور معانقہ کے وقت اس کے عضو میں انتشار تھا۔

۳۔ یا ایک نے دوسرے کا بوسہ لیا تھا۔

۴۔ یا خالد نے ہندہ کے پستان چھوئے تھے۔

قال فی العالمگیرية : (ص ۵ و ۶ و ۷ - ج ۲) ولا تثبت بالنظر المسائر الأعضاء إلا بشهوة ولا بمس سائر الأعضاء إلا عن شهوة بخلاف كذا في البدائع وفيه أيضاً : ثم لا فرق في ثبوت الحرمة بالمس بين كونه عامداً أو ناسياً أو مكرهاً أو مخطئاً. كذا في فتح القدير - أو نائماً - كذا في معراج الدراية - وإذا قبلها ثم قال لم يكن عن شهوة أو لمسها أو نظر إلى فرجها ثم قال لم يكن بشهوة فقد ذكر الصديق الشهيد في التقبيل يفتي بثبوت الحرمة ما لم تثبتين أنه قبل بغیر شهوة وفي المس والنظر لا يفتي بالحرمة إلا إذا تثبت أن فعله بشهوة لأن الأصل في التقبيل الشهوة بخلاف المس والنظر - كذا في المحيط - ولو أخذ يثديها وقال : ما كان عن شهوة لا يصدق لأن الغالب خلافه - وفي البقالی ویصدق إذا أنكر الشهوة في المس إلا أن يقوم وآلته منتشرة فيعانقها - كذا في المحيط اهـ

پس اگر ان تین باتوں میں سے ایک کا بھی ثبوت ہو گیا تو ہندہ زید پر حرام ہوگئی

اور اگر یہ باتیں ثابت نہ ہوئیں اور نہ ہندہ و خالد نے اقرار کیا تو زید کو اپنے وجدان سے اگر ظن غالب یہ ہو کہ ہندہ و خالد بہ نیتِ فساد ایک پلنگ پر لیٹے تھے تو اس کو ہندہ کو طلاق دیدینا چاہئے۔ اور اگر ایسا گمان نہ ہو تو نکاح باقی ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ
 مسماۃ چھکن کا نکاح بزمانہ نابالغہ ہمراہ مسمیٰ عمر پسر
 عبد الغنی سے ہوا تھا اس وقت مسماۃ چھکن بعمر سولہ سالہ ہے اور وہ بالغ ہو گئی اور مسمیٰ عمر
 بعمر ۱۲ سال نابالغ ہے۔ مسماۃ چھکن سے اس کا خسر زنا کرتا ہے اور جس کے زنا کرنے کی تصدیق
 زوجہ خسر و داماد خسر و دیگر معتبر مردمان سے ہوئی تو کیا از روئے شریعت مسماۃ چھکن کا نکاح ہمراہ عمر اس
 کے شوہر کے رہایا نہیں ؟ از طرف مسماۃ سوئی۔ پانی پت مخدوم زادگان

الجواب

قال في الدر : وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا
 بعد المتاركة وانقضاء العدة اه
 وفي الشامية : (قوله إلا بعد المتاركة) أي وإن معنى عليها سنون كما في البرازية
 وعبارة الحاوي إلا بعد تفريق القاضى أو بعد المتاركة اه (ص ۴۶۳ ج ۲)
 وفي الشامية ايضاً : قال شمس الائمة السرخسي زعم بعض مشائخنا أن هذا الحكم
 (أي الطلاق) غير مشروع أصلاً في حق الصبي حتى أن امرأته لا تكون محلاً للطلاق وهذا
 وهم عندى فإن الطلاق يملك بملك النكاح إذا ضرر في إثبات أصل الملك بل الضرر
 في الإيقاع حتى إذا تحققت الحاجة أي صحة إيقاع الطلاق من جهة دفع الضرر كان صحيحاً
 فإذا أسلمت زوجته وأبى فرق بينهما وكان طلاقاً عند أبي حنيفة ومحمد وإذا ارتدت والعياذ
 بالله وقعت البينونة وكان طلاقاً في قول محمد وإذا وجدته مجبوراً فخاصمته فرق بينهما و
 كان طلاقاً عند بعض المشايخ اه - قلت : حاصله أنه كالبالغ في وقوع الطلاق منه

له قلت : ولا شك في تحقيق الحاجة إليه في الصورة المسؤولة لدفع الضرر عنه ۱۲ منه

بهذه الاسباب إلا أنه لا يصح إيقاعه منه ابتداءً للضرر عليه ومثله المجنون اه
(ص ۶۳۹ - ج ۲)

وفی الدر : وجوزہ (أی طلاق الصبی) الامام احمد قال الشامی ای إذا كان
مميزاً يعقله بأن يعلم أن زوجته تبين منه كما هو مقرر في متون مذهب فافهم الخ
(ص ۷۰۰ - ج ۲)

صورت مسئلہ میں مسماہ چھکن اپنے شوہر عمر پر حرام ہو گئی اب زندگی بھر وہ اس کے لئے
حلال نہیں ہو سکتی لیکن اس حرمت سے نکاح نہیں ٹوٹا عمر کا نکاح چھکن سے ابھی باقی ہے
اس لئے جب تک عمر بالغ ہو کر طلاق نہ دے یا کوئی قاضی شرع ان دونوں میں تفریق نہ کر دے چھکن
کا نکاح کسی دوسرے سے نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی مسلمان حاکم جس کو اس مقدمہ کے فیصلہ کا
اختیار دیا گیا ہو (گو وہ انگریزی حکومت ہی کی طرف سے ہو) زوجین کے درمیان تفریق کرنے
اور یہ فیصلہ کر دے کہ میں نے اس نکاح کو توڑ دیا تو شوہر کی نابالغی میں بھی مسماہ چھکن پر طلاق
پڑ جائے گی پھر وہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔

تتمۃ الجواب

قال الشامی : وقد علمت أن النكاح لا يرتفع بل يفسد وقد صرحوا في النكاح الفاسد
بأن المتاركة لا تتحقق إلا بالقول إن كانت مدخولاً بها كتركك أو خليت سبيلك وأما
غير المدخول بها فتقبل تكون بالقول وبالترك على قصد عدم العود إليها وقيل لا
تكون إلا بالقول فيها الخ (ص ۲۶۳ - ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مسماہ چھکن کا شوہر اس سے ہم بستر نہ ہوا ہو اور بلوغ کے
بعد بھی ہم بستر نہ ہوا ہو اس کو چھوڑ رکھے اور زبان سے اتنا کہہ دے کہ میں اس سے تعلق رکھنا اور
اس کے پاس جانا نہیں چاہتا تب بھی یہ نکاح بلوغ کے بعد ٹوٹ جائیگا گو بالغ ہو کر شوہر طلاق
نہ بھی دے پس اگر نابالغی کے زمانہ میں کسی حاکم مسلم نے اس نکاح کو فسخ بھی نہ کیا اور عمر کو بالغ
ہونے کے بعد سمجھا دیا جائے کہ یہ لڑکی تجھ پر حلال نہیں رہی اور باتوں باتوں میں وہ اتنا کہہ دے
کہ میں اس سے ہم بستر ہونے اور تعلق رکھنے کا ارادہ نہیں رکھتا تو اتنا کہہ دینے سے بھی مسماہ چھکن
اس کے نکاح سے نکل جائے گی واللہ اعلم

حررہ الاحقر طفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۹ صفر ۱۴۲۰ھ

حرمت مصاہرت میں منفی شہوت کی تحقیق اور لمس بالشہوت کا حکم

سوال : زید نے اپنی خوشدامن سے کچے چاول نمونہ (دیکھنے) کے لئے مانگے اس نے چاول

لیکر زید کے ہاتھ پر رکھ دیئے زید کے دل میں یہ خیال تھا کہ اگر اس کے یعنی خوشدامن کے ساتھ ذرا بھی لمس بالشہوت ہو جائے تو زوجہ حرام ہو جاتی ہے اس لئے وہ بہت احتیاط کرتا تھا لیکن اس وقت جب خوشدامن نے اس کے ہاتھ پر چاول رکھے تو اُسے معاً یہ خیال آیا کہ یہی لمس بالشہوت باعثِ حرمت ہو جاتا ہے کہیں ایسا نہ ہو جائے اس خیال کے آتے ہی اس کے آلہ تناسل میں خفیف سا احساس پیدا ہوا مگر یہ احساس قیامِ آلہ کی حد تک نہیں پہنچا صرف خفیف سا احساس تھا اور میلانِ قلب الی المباشرة بھی ہرگز نہ تھا صرف تصور سے یہ احساس پیدا ہوا۔ زید نے ٹٹولا تو آلہ سُست اور افتادہ تھا مگر کچھ قلیل سی حس تھی جس کے قوی ہونے سے قیام اور انتشار ہو جاتا ہے ممکن ہے کہ اس حس سے پہلے کی نسبت کچھ تغیر پیدا ہوا ہو مگر قیام کی صورت نہ تھی صرف ضعیف سا احساس تھا۔ کتب فقہ میں حدِ شہوت یہ لکھی ہے ”وحد الشهوة انتشار الآلة أو ازدياده ان كانت منتشرة“ عالمگیری ملخصاً

وحد الشهوة تحرك الآلة أو ازدياده (در مختار) زید یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ انتشارِ آلہ کے کیا معنی ہیں اور کیا حد ہے۔ آیا ذرا سا احساس اور تغیر بھی اس میں آجاتا ہے یا نہیں؟ قاموس میں لکھا ہے : ”انتشرف الرجل الغظ“ اور لغوظ کے معنوں میں لکھا ہے :

”لغظ ذكره قام، والغظ الرجل والمرأة علاهما الشبق - شبق: اشتدت غلمته - اور غلمہ میں لکھا ہے : غلم واغتلم: غلب شهوة - غلم البعير: حاج - اس عبارت سے تو معلوم

ہوا کہ انتشار کے معنی سخت شہوت کے ہیں معمولی خیال یا احساس اس میں داخل نہیں لیکن یہ معلوم نہیں کہ فقہاء رحمہم اللہ نے یہ معنی مراد لئے ہیں یا نہیں؟ اور صورتِ مذکورہ میں حرمتِ مصاہرہ ثابت ہوتی ہے یا نہیں۔ نیز زید کو قلیل احساس اس سے پیدا نہیں ہوا کہ وہ خوشدامن کی طرف مائل ہو گیا تھا۔ حاشا وکلاً، یہ خیال اسے عمر بھر کبھی نہیں گزرا بلکہ اس تصور سے کہ ساس سے ایسا فعل باعثِ حرمت ہے۔ اسی تصور سے یہ احساس پیدا ہو گیا۔ ازراہ عنایت دونوں باتوں کا جواب دیں کہ انتشار اور تحرك آلہ کے معنی قیامِ آلہ اور غالب شہوت کے ہیں جیسا کہ قاموس سے سمجھا جاتا ہے یا کچھ اور ہیں اور وہ کیا ہیں اور صورتِ مذکورہ میں زید کی زوجہ کے متعلق کیا حکم ہے؟ والسلام

الجواب

اس صورت میں حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہے اور خفیف سا احساس حدِ شہوت میں داخل نہیں ہے جبکہ میلانِ قلب بھی نہ تھا اور بظاہر چاول ہاتھ میں رکھنے کے وقت بھی نہ تھا بلکہ بعد میں خیال مذکور آکر خفیف احساس سا ہوا جو کہ حدِ شہوت میں داخل نہیں ہے

قال فی الدر المختار : والعبرة للشهوة عند المس والتظر لا بعدها - قال

فی الشامی : فیض اشتراط الشهوة حال المس فلو تمس بغیر شهوة ثم اشتهى عن ذلك لا تحرم علیه ردالمحارص ۲۸۰ - ج ۲ - فقط واللہ اعلم

کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ

مفتی دارالعلوم دیوبند

۴ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

تنقیح

۱۔ یہ شخص جوان ہے یا بوڑھا؟
۲۔ سوال میں یہ مذکور نہیں کہ خوش دامن سے چاول لیتے ہوئے اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے مس ہوا یا نہیں؟ اس کی تشکیک کی جائے۔
۳۔ سوال میں یہ بھی مذکور نہیں کہ آلہ تناسل میں خفیف سا اثر چاول لیتے وقت ہوا یا اس کے بعد میں؟ اس کو بھی واضح کیا جائے

۴۔ سوال میں یہ تو مذکور ہے کہ میلان الی المباشرت ہرگز نہ تھا مگر کیا چاول لیتے ہوئے اس کو التذاذ اور شہوت بھی بالکل نہیں ہوئی کیونکہ التذاذ بدون میلان الی المباشرت کے بھی ہو سکتا ہے۔ ان تنقیحات کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائیگا۔ یہ پرچہ بھی واپس کیا جائے۔ فقط ظفر احمد از تھانہ بھون

جناب مولانا صاحب !

صاحب واقعہ کے مستفسرہ حالات یہ ہیں :

۵۔ یہ شخص جوان، قادر علی المباشرت ہے اور بوقتِ شہوت اچھی طرح سے انتشار

ہوتا ہے۔

۲ چاول لیتے وقت تھوڑا سا مس بلا حائل خوش راہ من کے ہاتھ سے ہوا۔
 ۳ اس کے متعلق یقین نہیں کہ یہ خفیف سا اثر کب پیدا ہوا۔ خیال رائج یہ ہے کہ پہلے
 تصور کی وجہ سے طبیعت میں کچھ ذرا سا اثر تھا اور مس ید کے وقت یقین نہیں کہ اس اثر میں
 اضافہ ہوا یا نہیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ اس شخص نے اپنی بیوی سے جو پاس ہی چارپائی پر پڑی
 تھی اور یہ شخص اس کے پاس دوسرے چارپائی پر بیٹھا تھا چاول دیکھنے کے لئے مانگے،
 بیوی نے اپنی والدہ کو کہہ دیا کہ چاول لادے اس شخص کو فوراً یہ تصور آیا کہ ساس سے مس
 بالشہوت ہونے سے (یا مباشرت کا وقوع ہونے سے) عورت حرام ہو جاتی ہے۔ اس
 نے بہتر ادا دھر ادا دھر دیکھا کہ چاول کپڑے رکھا لوں مگر اور کوئی چیز نہ تھی ناچار اس نے
 ہاتھ پھیلایا اور ساس نے چاول رکھ دی اس وقت طبیعت میں خفیف سا اثر تھا اور غالباً
 پہلے سے پیدا ہوا تھا اور یہ معلوم نہیں کہ مس کے وقت اضافہ ہوا یا نہیں؟
 ۴ التذاذ کے متعلق بھی کچھ یقینی یاد نہیں کہ واقع ہوا یا نہیں؟ صرف تصور سے کچھ
 التذاذ قلب بھی ہوا ہو تو بعید نہیں یقینی امر اتنا ہے کہ خفیف سا احساس تھا فقط جو کچھ
 یاد تھا اور یاد آیا وہ سب لکھ دیا ہے۔ شاید بے اختیاری سے کچھ ذرا سا التذاذ ہوا ہو
 مگر یقین اس کے متعلق نہیں۔ والسلام

الْجَوَابُ مِنْ جَمَاعَةِ اِمْدَادِ الْاَحْكَامِ

صورتِ مسئلہ میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔ کیونکہ مس کے وقت اضافہ
 شہوت کا یقین نہیں۔

قال في الدر المختار: وفي المس لا تحرم ما لم تعلم الشهوة لأن الأصل في

التقبيل الشهوة بخلاف المس (ص ۴۶۲ - ج ۲)

اور شہوت کے معنی بابِ مصاہرت میں تحرکِ آلہ ہے یا از دیا و تحرک۔ اگر پہلے سے
 تحرک موجود ہو اور یہی مراد انتشار سے ہے۔ باقی لغو قوی یا قیام کامل مراد نہیں جیسا کہ

۵ اس مسئلہ کی مزید تفصیل جلد تاسع کے فتاویٰ ماہ ذیقعدہ ۱۳۸۵ میں موجود ہے۔ وہاں ملاحظہ

کیا جائے۔ ظفر احمد

ساتن نے سمجھا ہے کہ سخت شہوت مراد ہے۔

قال الشامی : عن الفتح وفتح علیہ لو انتشر وطلب امرأته فأولج بین فخذی بنتها خطأ لا تحرم أمهما ما لم یزد الا انتشارا (ص ۴۵۹)
اس سے معلوم ہوا کہ اگر عمدًا فحزبت میں ایلاج ہو تو زیادت انتشار کی ضرورت نہ تھی یا پہلے سے منتشر نہ ہوتا اور خطا فحزبت میں ایلاج ہو کر انتشار ہو تب بھی زیادت انتشار کی ضرورت نہ ہوتی والمراد بالملج ایلاج ماکان بدون المس بالید بلا حاصل والا فهو کاف للحرمة۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خالقہ اشرفیہ

۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ

بیٹی سے زنا کیا تو بیوی حرام ہو جائے گی
سوال : مکرم جناب مولوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ایک شخص پوچھتا ہے کہ عرصہ دس سال کا ہوا کہ مجھ سے بیٹی کے ساتھ زنا کا گناہ ہو گیا اور اب تک اس کی ماں میرے پاس ہے اور اولاد بھی ہو رہی ہے۔ میں اس گناہ کا اقرار کرتا ہوں اور جو سزا میری ہو اس کے لئے تیار ہوں۔ اس کی ماں کو الگ کروں تو گھر بار نہ اچڑنے کے لئے یہ بھی ممکن ہے کہ میں اس سے بالکل علیحدہ رہوں لیکن وہ گھر میں رہے اور وہ بال بچوں کی پرورش کرے اور اس کو خرچ دیتا رہوں میں اس سے پردہ کروں یا اس کو طلاق دیکر بالکل کوئی تعلق نہ رکھوں ؟

الجواب : خائفہ امدادیہ ۲۰ جمادی الاول ۱۳۲۳ھ

بیٹی کے ساتھ زنا کرنے سے اس کی ماں مرد پر حرام ہو گئی۔ اب اس سے وطی اور جماع جائز نہیں۔ باقی نکاح بدون فسخ قاضی یا متارکت احد الزوجین کے نہیں ٹوٹتا اور متارکت کے معنی یہ ہیں کہ طلاق دیدے یا مرد و عورت میں سے کوئی یہ کہے کہ میں تجھ سے علاقہ نہیں رکھنا چاہتا۔ سو جب تک تفریق قاضی یا متارکت کا تحقق نہ ہو نکاح نہیں ٹوٹتا پس یہ شخص اپنی بیوی کو اس طرح گھر میں رکھ سکتا ہے کہ اس کے پاس نہ جائے اور نان و نفقہ دیتا رہے بشرطیکہ اس صورت میں یہ اندیشہ نہ ہو کہ کسی وقت مبتلائے جماع ہو جائیگا اور بیوی سے ترک جماع کر کے بدون نکاح رہنے میں اس کی عفت پر بھی اندیشہ نہ ہو اور بیوی

کی عفت پر بھی اندیشہ نہ ہو۔ والسلام

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شریر لڑکا جو سن بلوغت کو نہ پہنچا تھا، عادت شرارت اکثر

حرمتِ مصاہرہ کی ایک صورت کے متعلق مدرسہ بہار پور و خانقاہ امدادیہ کے دو مختلف فتویٰ

جو لڑکیوں میں کھیلا کرتا تھا بطور کھیل کے لڑکیوں سے زنا کی نقل کیا کرتا تھا۔ ایک روز اپنی سوتیلی چچی کے پاس جو جوان تھی لیٹ گیا، رات کا وقت تھا اور چچی اس کی بالکل برہمنہ ہوتی تھی اس سے حسبِ عادت شرارت ہاتھ کی انگلی سے زنا کیا۔ اگر یہ بالغ ہوتا یا اس کو تندی ہوتی تو اصلی زنا کرنے میں اس کے کوئی شک نہ تھا۔ اور عمر کا حال اس عرصہ کا پورے طور سے معلوم نہیں کہ عمر دس برس کی تھی یا کچھ کم و بیش۔ چونکہ اس بات کو اس وقت عرصہ ۲۲ سال بلکہ زیادہ گزر چکا ہے۔ بالغ نہ ہونے کا تو پتہ خوب یاد ہے نہ تو اس عرصہ میں کبھی احتلام ہوتا تھا نہ انزال ہوتا تھا بلکہ تندی بھی شاید نہ ہوتی ہو اگر تندی ہوا کرتی تو ضرور اس وقت بھی ہوتی جس وقت یہ امر انگلی سے ہوا حالانکہ اس وقت اس لڑکے کی چچی کی جب آنکھ کھلی اس نے یہ معاملہ دیکھ کر اس لڑکے کو اپنے پیٹ پر لٹا لیا تب بھی اس کو تندی نہیں ہوئی۔ اس معاملہ کے دس بارہ برس بعد اس کی چچی کی لڑکی پیدا ہوئی۔ جوان ہونے پر اس کی شادی کر دی اب وہ لڑکی بیوہ ہے اس لڑکی سے اس شخص کا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے حسبِ قانونِ شریعت نکاح درست ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب

حامداً و مصلیاً و مسلماً

اقل مدتِ بلوغ لڑکے کی بارہ سال ہے اس سے پیشتر لڑکا بالغ نہیں ہوتا۔ بارہ برس کے بعد جو زمانہ ہوگا وہ زمانہ مراہقیت کا ہوگا جو وطی وغیرہ کے بارہ میں بالغ کا حکم رکھتا ہے۔ چونکہ لڑکے کی عمر اس وقت بارہ برس سے کم تھی اس لئے اس کے اس فعل سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوگی، اس کا نکاح اس عورت کی لڑکی سے شرعاً جائز ہے۔

فی الشامی تحت قولہ : فلو جامع غیر مراہق زوجۃ اُبیہ لم تحرم (فتح)

تتحصل من هذا أنه لا بد في كل منهما من المراهقة و اقله للأمنى تسع
وللذكر اثنا عشر لأن ذلك أقل مدة يمكن فيه البلوغ اه والله أعلم

رقمہ ضیاء احمد عفی عنہ

مورخہ ۱۹ جمادی الاول ۱۴۲۸ھ

صحیح

عبد اللطیف عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

مدیر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

خلیل احمد عفی عنہ

سوال مکرر از سائل بالا

جناب مولانا صاحب ، دام ظلکم ۔ بعد سلام مسنون کے عرض پرداز
ہوں ۔ چونکہ اس واردات کو عرصہ ۲۴ سال سے زیادہ گزر چکا ہے اس لئے عمر کا حال
پورے طور سے معلوم نہیں ۔ آیا عمر لڑکے کی بارہ سال سے کم تھی یا کچھ زیادہ تھی عمر کی نسبت
احتمال ہے ۔ البتہ نابالغ ہونے کا اطمینان پورے طور سے ہے ۔ چونکہ بالغ ہونے کا ثبوت
انزال ہونے پر منحصر ہے اس عرصہ میں انزال مطلق نہ ہوتا تھا یہ خوب یاد ہے اور عمر کی نسبت
اس لئے احتمال ہے کہ اکثر ہم لوگوں میں لڑکے پندرہ سال سے بھی زیادہ عمر میں بالغ ہوتے
ہیں ۔ بارہ تیرہ برس کی عمر میں اکثر شہوت اور انتشار بھی نہیں ہوتا اس لئے قیاساً یہ احتمال
ہے کہ شاید عمر ۱۲ سال کی ہو گئی ہو یا اس سے زیادہ یا کم ہو ۔ اس صورت میں علماء دین
اور مفتیان شرع متین کی نکاح کر لینے کی نسبت کیا رائے ہے ؟ اگر قانون شریعت کے موافق
کوئی صورت نکاح درست ہونے کی ہو تو کر لیا جائے ۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جیسا کہ بلوغ کی اقل مدت بارہ سال ہے ایسا ہی مراهقیت کی بھی اقل مدت
بارہ سال ہے ۔ مراهق اس کو کہتے ہیں جو قریب البلوغ ہو ۔ اور ثبوت حرمت کی اصلی
ہلت وجود شہوت ہے ۔ چونکہ در صورت مسئلہ عمر شخص مذکور کی متعین نہیں اور عدم شہوت
متیقن ہے اس لئے اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی پس زید کا نکاح اس عورت کی لڑکی سے
شرعاً جائز ہوگا ۔ رقمہ ضیاء احمد عفی عنہ ۔ مورخہ ۱۹ جمادی الاول ۱۴۲۸ھ

صحیح

عبد اللطیف

مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

صحیح

خلیل احمد مبنی عنہ

الجواب عن الحائض في الامدات

صورت مسئلہ میں جب عمر کا حال مشکوک ہے کہ بارہ برس سے زیادہ تھی یا بارہ برس تھی یا اس سے کم تھی تو اس شخص کا عمر کے اعتبار سے تو مراہق ہونا مشکوک ہے مگر اس کے افعال سے مراہق ہونا غالب ہے کیونکہ چچی کے ساتھ یہ حرکت بدون شہوت کے عادت نہیں ہو سکتی ایسی شرارت اپنے ہم عمروں کے ساتھ ہوا کرتی ہے وہ بھی جاگتے ہوئے اور بڑے کے ساتھ سوتے ہوئے اس کا منشا محض شرارت نہیں بلکہ شہوت کو بھی دخل ہے اور مراہقیت مشکوک بھی اور موجب بھی باب فروج میں احتیاط لازم ہے۔

قال في الشامية : مس المراهق كالبالغ .

وفي البزازية : المراهق كالبالغ لو جامع اولس بشهوة تثبت حرمة المصاهرة

له (ص ۴۶۱)

وفي الاشباه : اذا كان مراہقاً تحرك آلتہ ویشتهي النساء اھ (۳۲۹)

قال الحموی : الظاهر أن تحرك الآلة يستلزم الاشتہاء فالاشتہاء علة التحرك في نفس الامر والتحرك علة العلم بالاشتہاء اھ

اس سے معلوم ہوا کہ مراہق ہونے کے لئے عورتوں کی طرف خواہش ہونا اصل ہے اور تحرك آله مطلق ہے اس میں تنہی ہونا ضروری نہیں۔

وفي الشامية : ولو شك اطلق واحدة أمّا كثر بنی علی الاقل اھ وعن

الامام الثاني إذا كان لا يدري أثلاث أم أقل يتحرى وان استويا عمل بأشد ذلك عليه اشباه قال ط : وعلى قول الثاني اقتصر قاضي خان ولعله لأنه يعمل بالاحتياط

خصوصاً في باب الفروج اھ - قلت : ويمكن حمل الاول على القضاء والثاني على

الديانة ويؤيده مسئلة المتون في باب التعليق لو قال : إن ولدت ذكراً فأنت

طالق واحدة وان ولدت أنثى فأنت طالق ثنتين فولدتها ولم يدرك الأول تطلق

واحدة قضاء وثلثين تنزهاً أى ديانةً اه (ص ۷۴۵-۷۴۶)

پس صورتِ مسئلہ میں یہ شخص خوب سوچے کہ اس وقت اس کی عمر بارہ سال تھی یا نہیں؟ اور چچی کے ساتھ یہ حرکت کرتے ہوئے شہوت تھی یا نہیں؟ اگر غالب گمان یہ ہو کہ عمر بارہ سال سے کم تھی اور اس فعل کے وقت شہوت نہ تھی تب تو اس کی لڑکی سے قضاء و دینانہ نکاح درست ہے اور اگر کسی ایک طرف گمان غالب نہ ہو بلکہ بارہ سال یا زیادہ یا کم سب کی طرف برابر خیال ہو۔ اسی طرح شہوت و عدم شہوت کا خیال بھی برابر ہو تو اس صورت میں دینانہ اس لڑکی سے نکاح درست نہیں اور اگر غلبہ خیال کا بارہ سال اور شہوت کے وجود کی طرف ہو تب تو کسی طرح بھی نکاح درست نہیں ہذا ینبغی التفصیل فی المقام والحمد للہ الملک المنعم۔

حرره ظفر احمد عفاعنه - از تہانہ بھون

۲۹ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ

<p>شوہر اس اقرار کے بعد کہ اس کے باپ نے اس کی بیوی سے زنا کیا ہے، انکار کرے اور عورت بھی مدعیہ زنا ہو جبکہ خسر انکار کرتا ہے تو اس صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں۔</p>	<p>خلاصہ سوال : اگر زوج اپنی عورت کے متعلق اس امر کا اقرار کر چکا ہو کہ میرے باپ نے اس سے زنا کیا ہے اور بعد میں انکار کر دے اور عورت بھی دعویٰ زنا کرتی ہو اور اس کا خسر نہ کرے تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی یا نہیں؟</p>
--	--

الجواب

فی العالمگیریۃ : (ص ۶ ج ۲) ولواقر بجرمة المصاہرة یؤاخذ بہ ویفرق بینہما (إلی أن قال) والاصرار علی ہذا الاقرار لیس بشرط حتی لورجع عن ذلك وقال کذب قال قاضی لا یصدقہ الخ

اس سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئلہ میں مسماۃ غلام بی بی شیخ غلام پر حرام ہو گئی لہذا اس سے الگ کر دی جائی یعنی قاضی تفریق کر دے یا زوج خود طلاق دیدے یا بدوین طلاق ہی یہ ظاہر کر دے کہ میں نے اس کو ترک کر دیا ہے۔

کما فی الدر مع الشامی : (ص ۲۶۳-۲۶۴) وجرمة المصاہرة لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لہا التزوج بآخر إلا بعد المارکة۔ قال الشامی تحت قوله (إلا بعد المارکة)

أى وإن مضى عليها سنون كما فى البزائرية وعبارة الحاوى الابعد تفريق القاضى أو بعد المتاركة اهـ وقد علمت أن النكاح لا يترفع بل يفسد وقال صاحب الدر (ص ۱۰۶) (او) المتاركة اى اظهار العزم من الزوج (على ترك وطئها) بان يقول بلسانه تركتك بلا طئ ونحوه ومنه الطلاق وانكار النكاح لو بحضورتها والا لا، لا مجرد العزم لو مدخولة اور چونکہ حکم بمنزلہ قاضی ہوتا ہے اس لئے اگر زوج خود جدا نہ کرے تو حکم کے ذمہ بعد ثبوت شرعی تفريق واجب ہے۔

کما فى الدر المختار : بل يجب على القاضى التفريق بينهما۔

وقال الشامى تحت قوله (على القاضى) اى ان لم يتفرقا (ص ۵۷۶) والله اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکريم عفى عنه

۲۶ محرم ۱۴۲۸ھ

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ باپ نے اپنے بیٹے کی عورت کا ہاتھ شہوت سے پکڑا عورت کا ہاتھ چھڑا کر بغرض بچانے عزت کے پڑوس کے مکان میں چلی گئی حالت مذکورہ میں عورت اپنے شوہر پر حلال ہے یا نہیں؟ اور نکاح قائم ہے یا نہیں؟

تنقیح : ہاتھ پکڑا تو نہ تھا؟

جواب تنقیح : ہاتھ پکڑا نہ تھا۔

الجواب

اگر خسر شہوت کے ساتھ بدون کپڑے کے ہاتھ پکڑ لے تو عورت خاوند پر حرام ہو جاتی ہے لیکن جب تک حاکم اسلام علیہ نہ کرے یا زوج طلاق وغیرہ سے جدا نہ کرے اور اس کے بعد عدت نہ گزرے اس وقت تک اور کسی سے نکاح جائز نہیں۔

فی العالمگیریہ (ص ۵-ج ۲) وکذا تحرم المزنی بہا علی آباء الزانی واجدادہ وإن علوا وأتباعہ وإن سفلوا۔ کذا فی فتح القدر۔

وفیه بعد أسطر : وکما ثبت هذه الحرمة بالوطئ ثبت بالمس والتقبیل

مع لیس فی سائر النسخ ولعله غلط ما قاله شیخنا

والتنظر إلى الفرج بشهوة كذا في الذخيرة سواء كان بنكاح أو ملك أو مجور عندنا
كذا في الملتقط.

وفي الدر المختار : وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يجل لها التزوج بآخر
الابعد المتاركة وانقضاء العدة . والله اعلم

احقر عبد الكريم عفى عنه

۱۳ جمادی الاول ۱۲۴۲ھ

جواب میں تفصیل کی ضرورت ہے وہ یہ کہ بیٹے کی عورت شہوت سے پکڑنے کا دعویٰ
کرتی ہے اب خسر سے پوچھا جائے اگر شہوت سے انکار کر دے تو قسم کے ساتھ اس کا قول
معتبر ہے۔

قال الشامي نقلًا عن الجوهر للحدادی : لو مت أو قتل وقال لم اشتهد صدق
إلا إذا كان المسق على الفرج والتقبيل في الغم اه (ص ۲۶۲ ج ۲)

اور اگر شوہر کا باپ خود سرے سے واقعہ ہی کا انکار کرے تو اب یا تو عورت کے پاس
بیٹہ ہے (یعنی دو گواہ) یا نہیں؟ اگر بیٹہ ہے تو اس کے متعلق سوال دوبارہ کیا جائے۔
اور بیٹہ نہیں ہے تو اس عورت کا خاوند اگر عورت کو سچا سمجھے اور اس کا دل گواہی دے کہ
اس کا قول سچا ہے تب تو یہ اس پر حرام ہو جائے گی اور اگر اس کا دل واقعہ کی تصدیق نہ کرے
یا باپ کے متعلق عورت کے ادعاء شہوت کو دل قبول نہ کرے تو حرمت نہ ہوگی۔ کذا
یظہر من الشامیة (ص ۲۵۷ ج ۲) واللہ اعلم۔

ظفر عفا اللہ عنہ

۱۳ جمادی الاول ۱۲۴۲ھ

حرمت مصاہرہ کے متعلق سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع
ایک استفتاء متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے اپنے والد عمر کی منکوحہ
ہندہ سے حسب ذیل واقعات کیا جن کی تفصیل یہ ہے کہ زید عمر کا لڑکا ہے جو کہ پہلی منکوحہ
سے ہے جب زید کی عمر تقریباً سات سال یا اس سے کچھ کم و بیش ہوئی اس وقت عمر نے
دوسرا نکاح ہندہ سے کیا جب ہندہ اپنے خاوند کے گھر آئی تو زید چونکہ چھوٹی عمر کا لڑکا تھا
اس لئے ہندہ اس کو اپنے لڑکے کی طرح محبت کرنے لگی اور زید کو بھی ان سے غایت

انہی ہو گئی اور چونکہ ہندہ نہایت حسینہ جمیلہ نوجوان تھی اس وجہ سے بھی زید کو ان کی طرف طبعی میلان تھا اور بہت ممکن ہے کہ اس میں کچھ کچھ بدننگاہی کا بھی آمیزش ہو۔ غرض جبکہ زید ہمیشہ ہندہ کے پاس سہنے رہنے لگا اور عمر کی زیادتی کی وجہ سے کچھ کچھ شہوت میں بھی زیادتی ہونے لگی اور پھر زید بد چلن لڑکوں کے ساتھ رہ کر (جو کہ اس سے عمر میں بڑے تھے اور بعض اس میں بالغ یا قریب البلوغ بھی تھے) بڑی بڑی باتیں سلکھنے لگا اور دن بدن زید میں بھی ان لڑکوں کی صحبت کی وجہ سے خباثت کی باتیں پیدا ہونے لگیں جب اس نے اپنے باپ کی منکوحہ ہندہ کو بھی بدننگاہی سے دیکھنے لگا اور جتنا اشتہا بڑھتا گیا اتنا ہی اس مرض میں زیادتی ہونے لگی چنانچہ انہی اثناء میں جبکہ اس کی عمر نو یا دس سال کی ہوتی ہندہ نے ایک دفعہ زید کو بوجہ تنہا ہونے کے رات کو اپنے پاس لیا تھا کیونکہ اس وقت زید سے عورتیں نہیں شرماتی تھیں اور ہندہ کو بھی زید کو اپنی طرف میلان بدکا اندیشہ نہ تھا پس زید نے اس کے پاس لیٹ کر غالباً ایک دفعہ سو جانے کے بعد جب آنکھ کھلی تو ہندہ کو سوتی ہوئی پایا تو یہ شرارت کی کہ اپنے رخسار کو ہندہ کے رخسار کے ساتھ اور غالباً اپنے ہونٹ اس کے ہونٹ یا رخسار کے ساتھ اشتہا کے ساتھ ملایا اور ہاتھ سے بھی دیگر اعضاء کے ساتھ مس کیا علاوہ فرج کے اور غالباً پستان کو بھی بوجہ خوف بیدار ہونے کے مس نہیں کیا مگر اس واقعہ کے وقت زید کو انزال تو بالکل نہیں ہوتا کیونکہ منی اس وقت پیدا نہ ہوا تھا البتہ اتنی بات تھی کہ پہلے سے لڑکوں کو دیکھا دیکھی حلق کرنے لگا تھا اول اول تو زید کا کچھ بھی خارج نہ ہوا تھا مگر شاید اس واقعہ کے وقت ایک دو قطرہ مذی کی طرح رقیق یا اس سے کچھ کم و بیش نکلنے لگا تھا۔ کچھ اچھی طرح زید کو یاد نہیں۔ ہاں اس وقت عورت سے وطی کرنے کو جی چاہتا تھا اور غالباً اس واقعہ کے بعد (گو اس کو بعدیت میں ایک گونہ تردد ہے مگر اغلب بھی یاد آتا ہے کہ یہ واقعات پہلے مذکورہ واقعہ کے بعد میں ہوتے اور ممکن ہے کہ بعض دفعہ قبل ہو اور بعض دفعہ بعد میں ایسا ہوا ہو بلکہ اغلباً یہی صورت معلوم ہوتی ہے) بعض بعض دفعہ گھر کے کاموں میں کہ جس میں دو آدمی کی ضرورت ہوتی ہے زید ہندہ کے ساتھ ملکر کام کرتا تھا اور اس میں زید کو حظ آتا تھا اور اگر موقع پاتا تو اپنے بدن کو ہندہ کے بدن کے ساتھ لگا دیتا گو اغلب یہ ہے کہ ملانا کپڑے کے اوپر سے ہوتا تھا اور یاد آتا ہے کہ غالباً ہندہ کے ہاتھ کی چوڑیاں دیکھنے کے بہانے سے اپنے ہاتھ سے بلا حائل کپڑا وغیرہ کے اس کے ہاتھ سے مس کیا تھا لیکن مس کرتے ہی

جب اپنے اندر کچھ اشتہا کی زیادتی دیکھا تو فوراً ہاتھ کو علیحدہ کر لیا تھا اور غلبہ ظن یہی ہے کہ ان تمام واقعات کے وقت زید کی عمر دس یا گیارہ سال سے متجاوز نہ تھی اور برس چھ مہینہ کی زیادتی کی کا بھی احتمال ہے گو احتمال کمی کا زیادہ ہے شاید تحقیق کرنے کی کوشش کرنے سے کچھ صحیح اندازہ لگ جائے ان واقعات کے بعد جب زید میں آثار بلوغ ظاہر ہونے لگے اور غالباً ہندہ کو بھی اس امر کا احساس ہو گیا کہ زید کو میری طرف بڑی میلان اور بد نگاہی ہے ، تب وہ زید سے بہت احتیاط کرنے لگی اور زید بد صحبت لڑکوں کے ساتھ رہ کر رات دن شہوت رانی کے قصوں میں مبتلا ہو گیا چونکہ زید کو مع اس کے ہم مشربوں کے ہندہ پر پہلے سے نگاہ بد جم چکی تھی لیکن اپنی خواہش پوری کرنے کی اور تو کوئی صورت قابو میں نہ تھی آخر میں یہ بات طے کی کہ کسی طرح ہندہ کی فرج کو دیکھ کر اس پر تصور کر کے حلق وغیرہ کیا جائے۔ چنانچہ ایک دفعہ جبکہ ہندہ کے خاوند مکان پر نہ تھا اور رمضان شریف کا زمانہ تھا زید مع اپنے ایک ہم مشرب کے ہندہ کے پاس ارادہ مذکورہ سے جلنے کا قصد کر کے چلا۔ لیکن دوسرا بوجہ خوف وغیرہ کے پیچھے رہ گیا اور زید ہندہ کے پاس پہنچا تو دیکھتا ہے کہ ہندہ جلتی چراغ چھوڑ کر سو رہی ہے اور چونکہ ہندہ کے وضع حمل کا زمانہ نہایت قریب تھا غالباً اس واقعہ کے پندرہ بیس روز بعد ہی ولادت ہوئی شاید اس لئے بھی بہت غافل ہو کر پڑی رہی اور زید نے اس کے پاس آہستہ سے بیٹھ کر مقام مخصوص سے کپڑا اٹھا کر خود گھور گھور کے فرج خارج کو دیکھا اور دوسرے اعضاء کو بھی شہوت کے ساتھ مس کرتا رہا یہاں تک کہ جب ان امور سے ہیجان بہت زیادہ ہو گیا اور خود انزال ہونے کا خوف ہو گیا تو زید وہاں سے بالکل چلے آنے کے ارادہ سے اٹھا لیکن ابھی تک ہندہ کے بستر سے علیحدہ ہونے نہ پایا تھا از خود انزال ہو گیا اور انزال کے وقت ہندہ زید کی ملوس بھا اور منظور الیحا نہ تھی۔ اس کے بعد جب ہیجان کم ہو گیا تو پھر دیکھنے کے ارادہ سے عود کیا کیونکہ مقصود تو صرف فرج کو دیکھنا تھا لیکن دوبارہ جا کر نہ تو ابھی تک کسی عضو کو ہاتھ وغیرہ سے مس کیا اور نہ فرج کو دیکھا اتنے میں ہندہ کو خبر ہو گئی اور ممکن ہے کہ جب وہاں سے جانے لگا تھا اس وقت خبر ہو گئی ہو۔ غرض جاتے ہی جب اس نے زید کو دیکھا دھمکایا تو زید وہاں سے بھاگ گیا اس واقعہ کے بعد کوئی ایسی بات نہیں کی کہ جس سے حرمت مصاہرہ کا شبہ ہو پس ان واقعات مذکورہ سے زید کا ہندہ سے موافق مذہب حنفیہ حرمت مصاہرہ ثابت ہو گئی یا نہ؟ بر تقدیر اول عمر جو کہ زید کا والد ہے اس سے ہندہ کی تفریق واجب ہوگی یا نہیں؟ اور

زید ان گناہوں سے توبۃ النصوح کیونکر حاصل کر سکتا ہے۔ بیٹواتو جروا

الجواب

زید کے جو واقعات دس یا گیارہ سال کی عمر کے لکھے ہیں ان سے تو حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں کیونکہ بارہ سال سے پہلے شرعاً لڑکا مراہق نہیں مانا گیلانہ لا یتصور منه الاجبال وهو الاصل فی حرمة المصاهرة اور جو ایک واقعہ بلوغ کے زمانہ میں نظر الی الفرج اور مساس کا لکھا ہے اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جاتی بوجہ مساس کے نہ بوجہ نظر الی الفرج کے کیونکہ نظر الی الفرج الخارج موجب حرمت نہیں فی الاصح اگر زید کو بعد مساس کے انزال نہ ہو جاتا مگر چونکہ اس کو مساس کے بعد انزال ہو گیا اس لئے اس سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔

قال فی الشامیۃ : لا بد فی کل منہما من سن المراهقة وأقلہ للأثنی تسع وللذکر اثنا عشر لأن ذلك أقل مدة یمكن فیہا البلوغ كما صرحوا بہ فی باب بلوغ الغلام وهذا یوافق ما مر من أن العلة هی الوطئ الذی یكون سبباً للولد أو المس الذی یكون سبباً بهذا الوطئ ولا یخفى أن غیر المراهق منہما لا یتأتی منه الولد اه (ص ۲۶۱ ج ۲) وفي الدر : هذا إذا لم ینزّل فلو أنزل مع مس أو نظر فلا حرمة ، به یفتی ابن کمال وغیرہ اه

قال الشامی : لا یتبع بالانزال تبین أنه غیر مفضّ إلى الوطئ (ہدایہ) قال فی العنایۃ : ومعنی قولہم هذا أن الحرمة عند ابتداء المس بشهوة کان حکمها موقوفاً إلى أن یتبین بالانزال فان أنزل لم تثبت والاشتبہت اه (ص ۲۵۹ ج ۲) وفي التقریر المختار : قول الشارح : هذا إذا لم ینزّل اه أطلق فی الانزال فشمّل ما إذا لو أنزل بمجرّد المس أو بعده ولو بجماع فی زوجته الأخری اه (سندی عن غایۃ البیان ص ۱۸۲) قلت : فیہ تصریح بأن مقارنة الانزال (أی قبل سکون شهوة حادثة بالمس) بالمس غیر شرط ویؤیدہ ما فی فتح العذیر تحت قول الهدایۃ : ولومس فأنزل فتدقّل أنه یوجب الحرمة والصحیح أنه لا یوجبها إلّا ما نصّه ثم شرط الحرمة بالنظر أو المس أن لا ینزّل فان أنزل فالمختار لا تثبت کقول المصنف وشمس الائمة والبرزوی بناءً علی أن الأمر موقوف حال المس إلى ظهور عاقبتہ إن

ظہر انہ لم یُنزل حرمت وإلا لا اھ (ص ۱۳۱)۔ قلت : وعاقبة الشيء ما يعقبه
 لا ما يقارنه فظهر أن مقارنة الانزال بالمس ونحوه ليس بشرط بل الشرط معاقبة
 وتفسيره ما ذكره السندی عن غاية البيان - وأيضاً فقد صرحوا بأن الافضاء والالتیان
 فی الدبر لا یوجبان حرمة المصاهرة ولم یقتدوها بأن لا یكون قبلهما مس ولا نظر
 وإن كان شیئاً منهما فلا ینفصل جسمه عن جسمها حتی ینزل وإن انفصل جسمه عن جسمها
 بعد المس ولو لحل اللباس ثم جامعها وأفضاها أو أتاها فی دبرها حرمت حیث سکتوا
 عن كل ذلك تبين ان المقارنة بین المس والانزال و بین المس والافضاء و بین
 المس والالتیان فی الدبر لیس بشرط بل تكفي تعقب شیئ منها عن المس والنظر لنفی الحرمة
 للعلة التي ذكرها فی العنایة -

تتمہ : یہ تو معلوم ہو گیا کہ انزال مس کے بعد بھی مسقط حرمت ہے اور مقارنت
 شرط نہیں لیکن کیا اس بعدیت کی کوئی حد بھی ہے یا نہیں تو قواعد سے مفہوم ہوتا ہے کہ جب
 تک اس شہوت کو سکون نہ ہو جو مس و نظر سے پیدا ہوئی ہے اس مدت میں اگر انزال ہو گیا تو
 مسقط حرمت ہے ورنہ مسقط حرمت نہیں کیونکہ انزال کو عاقبت المس جب ہی کہہ سکتے ہیں
 جبکہ مس کو انزال میں دخل ہو اور سکون شہوت کے بعد جو انزال ہوگا وہ اس مس کی عاقبت
 نہیں بلکہ کسی دوسرے فعل کی عاقبت ہے اور غالباً درمختار کی عبارت میں ”مع مس او نظر“
 بلفظ معیت اسی کی طرف اشارہ کرنے کے واسطے اطلاق کیا گیا ہو و لم ارہ صریحاً۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر طفر احمد عفا عنہ

۱۲ سوال ۲۶

مصاہرت کی ایک خاص صورت کا حکم | سوال : ایک شخص نے اپنے لڑکے کی عورت

سے فعل بد کرنے کی نیت سے اپنے دل کا راز بیان کیا اور کسی وقت موقع پا کر اس عورت
 سے جو اس کے بیٹے کی زوجہ ہے اس کا ہاتھ پکڑا لیکن دل کی مراد پوری نہ کر سکا اور کتنی راتوں
 کو اس عورت کے بستر کو خالی پا کر اس کے بستر پر جا کر سویا اور اس کے بدن پر ہاتھ رکھا
 لیکن جب عورت مذکور نیت سے بیدار ہوئی فوراً اٹھ کر بھاگی اور اپنی حرمت و عزت کو بچائی
 کسی وقت وہ مرد اس کو اپنے قابو میں نہ لاسکا اور ایک بار اس عورت کو ان کے والد
 کے مکان سے لاتے وقت اسی مرد مذکور نے یعنی اس عورت کے خاوند کے والد نے راستہ

میں اکیلا پا کر اس دن بھی اپنے دل کی باتیں بیان کیں اور بعض بعض دفعہ ہاتھ پکڑ لیا لیکن عورت نے اپنی عزت کو بچائی اور مرد مذکور اس معاملہ کا انکار کرتے ہوئے قرآن شریف کی قسم کھانے کا وعدہ کرتا ہے۔ اب اس عورت کے بارے میں شریعت محمدیہ کا کیا حکم ہے؟ یعنی اس عورت کو رکھنا اس مرد کے لڑکے کے لئے جائز ہے یا نہیں اگر رکھے تو اس کے واسطے نکاح دوبارہ کرنا ہوگا یا نہیں۔ نیز اس عورت پر طلاق ہوئی ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی ان ساری باتوں کا جواب عنایت فرمائیں۔

عرض گزار: خادم، غلام، محمد منصور علی
ساکن مرزا پور ڈاک خانہ شیتوش ضلع شیرہ

تنقیح

۱۔ مندرجہ بالا تینوں واقعات میں عورت کے ہاتھ اور بدن پر کپڑا تھا یا نہیں؟

اور کپڑا باریک تھا یا موٹا؟

۲۔ یہ عورت بالغہ ہے اور یہ جو بیان لکھا ہے تمام عورت کی زبان سے سنا ہے

ان سب باتوں کا کوئی گواہ نہیں؟

۳۔ اس عورت نے اپنے شوہر سے بھی یہ قصہ بیان کیا یا نہیں اور اس شوہر نے

کیا جواب دیا اس کو سچا سمجھا یا جھوٹا؟

جواب تنقیح

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عورت مذکورہ نے یہ تمام قصہ اپنے شوہر سے

بیان کیا تھا اور عورت کی باتوں سے شبہ ہونے کے سبب سے اس عورت مذکورہ کے

شوہر نے اپنے والد سے یہ تمام قصہ دریافت کیا تھا اسی سبب سے اس لڑکے کے والد نے

ان تمام باتوں سے انکار کر کے قرآن شریف کی قسم کھانے کا وعدہ کیا اور یہ واقعہ جب ہوا تھا ان

ایام میں عورت مذکورہ کے پہناوے میں (لباس میں) ہمارے اس ملک کے جولاہے کا بنا ہوا

موٹا کپڑا تھا اور عورت مذکورہ کے بدن میں کپڑا لپٹا تھا اور یہ جو واقعہ عورت نے بیان کیا جھوٹ

کے علاوہ اس قصہ کو قریب ایک برس سات ماہ گزر گئے اور اس کے قصے کو بھی ایک برس

دو ماہ گزر گئے اور یہ عورت اتنی مدت تک اپنے شوہر کی خدمت میں تھی اور شوہر نے اپنی عورت

کی تمام باتوں کو جھوٹا جانا اس وجہ سے شوہر نے اس عورت کو اپنی خدمت میں رکھا تھا۔

عورت کے ہاتھ میں کپڑا تھا یا نہیں اس کو عورت بھی نہیں کہہ سکتی اسے یاد نہیں ہے۔ یہ عورت مذکورہ اور مرد مذکور ایک دوسرے پر جھوٹ بات بیان کرتے ہیں۔ اب حضور نہر یانی فرما کر شریعت کے موافق جواب تحریر فرما کر دل خوش کیجئے

الجواب

تنقیح : عورت صرف چھونے اور ہاتھ پکڑنے کی مدعی ہے یا تقبیل واخذ ثدی و مس فرج، و معانقہ یا انتشار آکہ بلا حائل کی بھی مدعی ہے
اگر صرف چھونے اور ہاتھ پکڑنے کی مدعی ہے اور خسر شہوت کا منکر ہے تو خسر کا قول مع الیمین معتبر ہے عورت کا قول معتبر نہیں بلکہ اس پر بیہ ہے۔ اور اگر تقبیل واخذ ثدی و مس فرج و معانقہ بلا حائل کی بھی مدعی ہے یا ان میں سے کسی ایک کی مدعی ہے تو اب یہ دیکھنا چاہیے کہ خسر ان افعال کا اقرار کر کے شہوت کا منکر ہے یا ان افعال ہی کا منکر ہے اگر ان افعال کا اقرار کر کے شہوت کا منکر ہے تو عورت کا قول معتبر ہے اور اگر ان افعال ہی کا منکر ہے تو خسر کا قول مع الیمین معتبر ہے اور عورت کے ذمہ بیہ ہے پس صورت واقعہ مفصل لکھ کر سوال کیا جائے۔

قال فی الدر : و ان ادعت الشهوة فی تقبيله أو تقبيلها ابنه وأنكرها الرجل فهو مصدق لاهي (لانه ينكر ثبوت الحرمة والقول للنكر شامی) إلا أن يقوم اليها منتشراً آلتها فعاقلها أو يأخذ ثديها أو مس فرجها أو يقبيلها على الفم والحق الكمال الخدين بالفم اهـ (مجلد ۲) والله أعلم
ظفر احمد

تَمَّتِ الْجَوَابُ

قال فی البحر وفتح القدير : وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها ويقع في اكبر رايه صدقها وعلى هذا ينبغي أن يقال : ان في مسه إتياءها لا تحرم على أبيه و ابنه إلا أن يصدقها أو يغلب على ظنهما صدقها ثم رأيت عن أبي يوسف ما يفيد ذلك اهـ (مجلد ۲)

قلت : ولما كان ثبوت الحرمة مشروطاً بالتصديق وإضافات الشرط

فات المشروط فلا تثبت المحرمة بدون التصديق واذا لم تثبت يحل للمرأة القيام
مع زوجها ولكن يحتمل أن يكون المراد الشبوت قضاءً ويؤيده ما في الفتح بعد كلامه
المذكور ثم رأيت أبا يوسف أنه ذكر في الامالي قال امرأة قبلت ابن زوجها وقالت
كان عن شهوة ان كذبها الزوج لا يفرق بينهما ولو صدقها وقعت الفرقة اهـ (ص ۱۳۳)
واقما ديانة فينبغي أن تفتى المرأة بمحرمة تمكينها إتياء على نفسها فلا تمكنه بالرضا
وتسعى في الامتناع منه بالهرب أو بالخلع كما اذا طلقها ثلاثاً وأنكر تطليقة إياها
ولا بيئة لها فانه لا يفرق بينهما قضاءً ويفتى في حق المرأة بالعزيم ووجوب
الامتناع منه - والله اعلم

حزوه الاحقر ظفر احمد عفاعنه - اذ تمناه بهون

۱۴ ذی الحجہ ۱۲۶ھ

خلاصہ یہ کہ صورتِ مسئلہ میں اگر عورت کو خسر کے متعلق شہوت و بدنیتی کا دعویٰ
ہے کہ اس نے شہوت سے اس کو مس کیا ہے اور عورت کے پاس بیٹہ نہیں ہے اور خسر اور
شوہر دونوں عورت کی تکذیب کرتے ہیں تو قضاء اس صورت میں حرمت ثابت نہیں ہوتی اور
ظاہر میں نکاح صحیح ہے لیکن چونکہ عورت کو اپنا سچا ہونا معلوم ہے اس لئے اس کو اپنے حق
میں اس نکاح کو فاسد سمجھنا چاہئے اور اگر ممکن ہو تو شوہر سے علیحدہ ہو جائے اور اپنی رضا سے
شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے بشرطیکہ ایسا کرنے پر وہ قادر ہو اور ضررِ عظیم کا اندیشہ نہ ہو
اگر ضررِ عظیم اور تکلیف کا اندیشہ ہو تو وہ معذور ہے اسلئے تحملِ ضررِ عظیم کی وہ مکلف نہیں
واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنه

۱۴ ذی الحجہ ۱۲۶ھ

حدیث سے حرمت مصاہرت بالزنا کا ثبوت | سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس
مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بہو یعنی اپنے بیٹے کی بیوی سے جبراً زنا کیا تو کیا وہ بیٹے پر
حرام ہو جاتی ہے یا نہ؟ اب بیٹے کو اپنی بیوی سے جماع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کسی صورت
سے اس عورت کو خاوند کے گھر میں رہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو اس کا نکاح
فسخ سمجھا جائیگا یا ضرورت طلاق کی ہوگی؟ بتینواتوجروا۔

عہ افیتنا بد لك اخذًا بقول الشافعي دفعًا للعرج - ظفر

الجواب

حنفیہ کے نزدیک زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اس لئے صورت
مسئلہ میں بیٹے کی بیوی بیٹے پر حرام ہو گئی اور اس کو اس سے جماع و مقدمات جماع سب
حرام ہو گئے لیکن نکاح فسخ نہیں ہوا بلکہ فاسد ہوا جس کا طلاق یا تمارکت سے قطع کر دینا
بیٹے پر واجب ہے اگر اس کی زوجہ دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہو اور اگر وہ نجوشی
اس کے گھر رہنا چاہے اور دونوں احتیاط من المقاربت ومن مقدماتہا پر قادر ہوں اور
بے احتیاطی متعلق ستر عورت و خلوت وغیرہ کا اندیشہ نہ ہو اور گھر میں اس کو رکھنے کی
سخت ضرورت ہو مثلاً وہ صاحب اولاد ہے جن کی پرورش کے لئے اس کا رہنا ضروری
ہے کیونکہ شوہر پرورش اولاد کا کوئی دوسرا سامان نہیں کر سکتا۔ یا کر سکتا ہے مگر خود عورت
کو دوسرے سامان پر اطمینان نہیں تو ان قیود کے ساتھ یہ بھی جائز ہے کہ بیٹا اپنی بیوی کو
طلاق و تمارکت سے الگ نہ کرے بلکہ اپنے ہی گھر میں رکھے اور دونوں باہم پوری احتیاط
رکھیں۔ عورت وجہ و کفین کے سوا باقی جسم کو شوہر سے ہمیشہ مستور رکھے اور کبھی خلوت کا بھی
موقع نہ دے بلکہ ہمیشہ کسی معتبر عورت کے ساتھ گھر میں رہے اور جن لوگوں کو واقعہ زنا کی اطلاع
ہو چکی ہو ان کو اس سے بھی اطلاع کر دیا جائے کہ اب اس عورت کو اس صورت سے گھر میں رکھا
گیا ہے۔ بیوی بنا کر نہیں رکھا گیا۔

وهذا مما يعرف ولا يعرف وإنما ذكرناه توسعة على المضطرو ليس في قيام
المرأة في بيت الزوج بعد حرمتها عليه إلا مثل ما في قيام المستأجرة لخدمة
البيت في بيت المستاجر. اللهم إلا أن يقال فرق بينهما وهو أن الرجل يحتشم
من غير منكوحته وكذا تحتشم هي منه بخلاف ما إذا كانا زوجين قد اختلطا
زماناً قلنا فلاحظ ذلك قيده بالقدرة على التوقي والاحتياط والاضطرار إلى
ذلك وإلا فلا يجوز ويمكن الاستيناس بقوله تعالى : فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَارْتُحْنَ
أُجُورَهُنَّ. الآية. حيث أباح الاسترضاع من المطلقات بعد القضاء عدتهن
فافهم. والاصل في ثبوت حرمة المصاهرة بالزنا قوله صلى الله عليه وسلم
سودة في ولد جارية زمعة : واحتجبي منه يا سودة ! الحديث، وهو متفق عليه.

لأنه صلى الله عليه وسلم لما رأى الشبه بعنتية علم أنه من ماشه فاجراه في الاحتياط مجرى النسب. قال ابن حزم وهو قول الثوري. وفي العالم للخطابي وهو مذهب أصحاب الرأي والاوزاعي وأحمد. قال وفي قوله صلى الله عليه وسلم: احتجبي منه يا سودة! حجة لهم. كذا في الجوهر النقي (ص ۸۵ - ج ۲) وفيه أيضاً قبله (ص ۸۴ - ج ۲) قال ابن حزم: وروينا عن ابن عباس أنه فرق بين رجل وامرأته بعد أن ولدت له سبعة رجال كلهم صار رجلاً يحمل السلاح لأنه كان أصاب من أمها مالا يحل. وروى عبد الرزاق في مصنفه عن عثمان بن سعيد عن قتادة عن عمران بن حصين في الذي يزنى بأمر امرأته قال حرمتا عليه جميعاً اهـ اسناده حسن وهذا أن صحابييين قد صرحا بادل عليه الحديث المرفوع وأقوال الصحابة عندنا حجة وقد رواه ابن حزم عن سعيد بن المسيب وأبي سلمة بن عبد الرحمن وعروة بن الزبير (وهؤلاء كبار التابعين) ورواه ابن أبي شيبة بسند صحيح عن ابن المسيب والحسن وعبد الرزاق وعن عطاء ووطاؤس وابن أبي شيبة عن قتادة وأبي هاشم في الرجل يقتل أمراًته أو ابنتها قال حرمتا عليه ابنته. وعن ابن مغفل (وهو عبد الله صحابي) وعن عكرمة مثله كذا عن الجوهر النقي ملخصاً صحته أو الحسن كما ذكرنا في مقدمة إعلاء السنن، نقلت عن الحافظ ابن حجر في الفتح والتلخيص. والله تعالى أعلم.

حرر كا الاحقر ظفر احمد عفا عنه

از قانده بهون خانفاه امداديه

۲۹ محرم ۱۳۴۵ھ

سوال: ایک شخص مسمیٰ سومر بیان کرتا ہے کہ میری ساس یعنی میری منکوحہ کی ماں ایک شب کو جس میں جب تک مس بالشہوت نہ ہو مطلق مس موجب حرمت نہیں میں نیند میں تھا میرے اوپر آکر چار پائی کے نزدیک کھڑے ہو کر ایک ہاتھ میرے سینے کے اوپر رکھا اور منہ اپنا میرے منہ سے ملایا اس وقت میں بیدار ہو گیا اور مجھ کو کہا کہ میں تیرے ساتھ سوتی ہوں میں نے ان کو کہا کہ یہ کام مجھ سے نہ ہوگا۔ پھر وہ چلی گئی۔ مجھ کو اس وقت شہوت کا انتشار وغیرہ کچھ نہ تھا اس کے بعد ایسے ہی زبانی میرے ساتھ محبت بہت کرتی

ہے اور دیگر لوگوں میں ان دونوں کی آپس میں ظاہری محبت دیکھ کر بُری محبت کی شہرت ہو گئی ہے عورت سے پوچھا گیا کہ تو اپنے داماد کے ساتھ منہ ملایا اور ہاتھ سینے کے اوپر رکھا کہ وہ ایسا کہتا ہے۔ عورت نے کہا کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا وہ میرا داماد ہے مجھ کو اسی کی وجہ سے اس سے محبت ہے، میں نے ہاتھ یا منہ اس پر نہیں لگایا، وہ جھوٹ کہتا ہے اب چونکہ سو مر خود اس بات کا مدعی ہے کہ میرا منہ لگایا اور سونے کے واسطے خواہش کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو شہوت تھی۔ کیا سو مر پر منکوح کی حرمت ثابت ہوتی یا نہیں؟
بندہ فخر الدین۔ گھوٹکی ضلع سکھر (سندھ)

الجواب

صورتِ مسئلہ میں مرد تقبیل کا مدعی نہیں بلکہ صرف اس کا مدعی ہے کہ عورت نے میرے منہ سے منہ لگایا اور تقبیل نہیں بلکہ صرف مس ہے اور مس میں اس وقت تک حرمت نہیں ہوتی جب تک مس بال شہوت نہ ہو اور جب عورت شہوت کی منکر ہے تو اس سے قسم لے لی جائے اگر وہ قسم کھالے تو حرمت نہ ہوگی

سوال: اگر عورت یا مرد ہاتھ لگانے یا بوسہ دینے کا اقرار کرے اور شہوت کا انکار کرے تو فقط ماس کا قول کافی ہے یا قسم پر اس کی شہوت کا انکار قبول ہوگا؟

① اگر دو شاہد گواہی دیں مس اور بوسہ کی مرد اور عورت پر اور وہ عورت یا مرد شہوت کا انکار کریں تو حرمت ثابت ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ مرد کا انتشار بھی شاہدوں کو دیکھنا مشکل ہے اور عورت کی شہوت تو ان کو دیکھنا ناممکن ہے شاید بظاہر مس یا بوسہ کی گواہی دیں گے پھر شہوت کا اقرار یا انکار تو عورت یا مرد پر منحصر ہے اس صورت میں گواہی پر حرمت ثابت ہوگی یا ان کے انکار پر حلت بدستور قائم رہیگی؟

بندہ فخر الدین۔ گھوٹکی ضلع سکھر (سندھ)

الجواب

① بوسہ اگر منہ یا رخسار پر لیا ہے تو صحیح یہ ہے کہ انکار شہوت معتبر نہیں اور بوسہ کے معنی منہ چومنا یا رخسار چومنا ہے صرف منہ سے منہ ملانا یا رخسار پر منہ لگانا بوسہ نہیں اور ہاتھ لگانے میں انکار شہوت معتبر ہے مع الیمین۔ بدون یمین کے منکر کا قول معتبر نہیں۔

② شاہدین کو شہادت علی المس میں مرد کے انتشار اور عورت کی حرکات کا مشاہدہ ضروری ہے اگر وہ مس کی شہادت بدون انتشار کے بیان کریں تو مرد کا انکار معتبر ہوگا مع الیمین مساحت موجب حرمت مصاہرت ہے یا نہیں؟ سوال: زید کی بیوی نے اس کی لڑکی بالغہ یا نابالغہ سے چپٹی کی یعنی جس طرح محبت کرتے ہیں اسی طرح اس نے بھی کسی طریقہ سے اس کے ساتھ ایسا فعل کیا اور اس کے جسم کو دیکھنے سے اس فعل کا یقین ہے تو کیا لڑکی کا حکم بھی مثل لڑکے کے ہے؟ کہ جس طرح ابن الزوج کے ساتھ ایسا فعل کرنے سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اس صورت میں بھی ہوگی یا نہیں بحوالہ کتاب تحریر فرمائیں۔

الجواب

اس صورت میں یعنی مساحت میں حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہو سکتی۔
قال فی الدر: أما غیرها ای غیر المشتہاة المزنیة فلا تثبت الحرمة بها أصلاً کو طی
دبر مطلقاً ای سواء کان بصبی او امرأة اتی رجل رجلاً له ان یتزوج بابنته لأن هذا
الفعل لو کان فی الاناث لا یوجب حرمة المصاهرة ففی الذکر اولى۔ قال الشامی: ان
العلّة هی الوطأ السبب للولد ولم یتحقق فی الصورتین اه (ص ۶۱۱)
قلت: وكذا لم یتحقق الوطأ السبب للولد فی المساحقة أصلاً فلا حرمة بها۔
والله أعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنه از تھانہ مجون
۱۳ ذی قعدہ ۱۴۳۸ھ

هل يجوز للحنفي الافتاء بقول الشافعي
في مسألة المصاهرة ام لا؟ سوال: غیب إهداء السلام والتحية
اللائقة بالمقام۔ فیاستیدی! قد

جاءنا سوال بواقعة تخبرنا فيها ان افتينا فيها بخمرة المصاهرة تخشى الفتن وإن
لم نفت بها لم نجد لها مساعاً في المذهب حسب فهمنا فرعنا الامر الى علوم مقامكم
كي تطمئن الخواطر فهل يجوز لنا ان نفتي فيها بقول الامام الشافعي رحمه الله تعالى؟
فالمرجوع من مكارم اخلاقكم البهية أن تفيدونا بما أراكم الله تعالى لازلتم حلالي
المعاقد داعيكم حسين احمد غفرله من ديوبند

الجواب: الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى۔ ثم السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

وبعد فان لا نجيز العمل بقول سيدنا الشافعي رحمه الله في مسئلة حرمة المصاهرة
بوجوه :

الاول : عدم الحاجة اليه فانه لا ضرر ولا حرج في طلاق امرأة بعينها والمفارقة
عنها والتزوج بغيرها -

والثاني : كثرة المفاسد وتقاعص الفتن في ترك قول الامام في المسئلة فان
العوام اذا علموا بجواز العمل بقول غيره فيها تهووا وعلى الماس والنظر يشبهوا الى
أممات أزواجهم ونحوهن وعلى ارتكاب الزنا ومقدماته بحلائلهم وأبازواج
آبائهم ونحوها والآن يرتدعون من ذلك مخافة على النكاح -

والثالث : قوة قول الامام في المسئلة فقد أجمع الصحابة على حرمة الوطى
بأمة قد وطيت أمها أو بنتها قبلها وما ذلك الا لحرمة المصاهرة وبسط الدلائل
في الجوهر النقي فليراجع - والله تعالى أعلم

حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه

۱۸ ذى قعدة سنه ۱۲۸۰

سوال : یہ ہے کہ ایک عورت نے
دعویٰ و نالشی کی کہ عورت کے زوج کے
باپ نے اس سے بارہا جبراً زنا کیا جس کے
دو گواہ بھی موقع کے ہیں۔ اس سے زنا تو ثابت
عورت دعویٰ کرے کہ خسر نے اس کے ساتھ
بارہا زنا کیا ہے اور شوہر اس کی تصدیق نہ کرے
تو کیا دو گواہوں کی شہادت سے حرمت
مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔

نہیں ہوا مگر حرمت مصاہرت یعنی وہ عورت اس شخص کے بیٹے پر حرام ہوگی یا نہیں؟ جبکہ
اس عورت کا شوہر عورت کے بیان کو بالکل تصدیق نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میرے کسی دشمن
نے یہ جھوٹی تہمت میرے باپ پر کرنے کو میری زوجہ کو تعلیم دی ہے تاکہ وہ مجھ پر حرام ہو جائے
اور وہ دشمن خود اس سے نکاح کر سکے اس حالت میں جبکہ شوہر عورت کے بیان کی تصدیق
نہیں کرتا حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں؟ اور اس عورت کو زوج سے تفریق کی جائیگی

عہ فان من العوام من لا يخاف الله تعالى ولا يتقيه حق ثقاه ولكن اكثرهم يهابون من فساد
انكحتهم أو انكحة اقربائهم من الالباء والابناء

یا نہیں؟ جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔

سائل: ظہور الحق

میرج رجسٹرار وقاضی پوسٹ قاضی پور

الجواب

صورتِ مسئلہ میں قضاءِ حرمتِ مصاہرت کا ثبوت نہیں کیونکہ یہ دو گواہ زنا کے شاہد ہیں اور زنا کے گواہوں کے لئے چار گواہوں سے کم کافی نہیں اس لئے یہ گواہ شرعاً حد کے قابل ہیں۔ اگر قاضی اسلام ہوتا تو ان پر حد جاری کرتا پس ان کی گواہی سے نہ زنا کا ثبوت ہوتا نہ حرمتِ مصاہرت کا۔ البتہ چونکہ صورتِ مسئلہ میں عورت خود مدعی ہے اس لئے دیانۃً عورت کو یہ فتویٰ دیا جائیگا کہ اگر وہ اپنے بیان میں سچی ہے تو اس کو اپنے شوہر سے الگ ہو جانا واجب ہے مگر دوسرے شخص سے نکاح کرنا اس کو جائز نہیں۔ جب تک زوج اس کو طلاق نہ دے یا منارکت کے الفاظ استعمال نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون - ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

بیوی کی سوتیلی ماں سے زنا کیا | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین متین و مفتیان
تو بیوی حرام نہیں ہوگی | شرع میں اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی بکری لڑکی

زبیدہ کے ساتھ ہوتی ہے کچھ دنوں کے بعد زبیدہ کی ماں کا انتقال ہو جاتا ہے اور بکر دوسری شادی کرتا ہے پھر زید اپنی اہلیہ کی سوتیلی ماں سے مرتکب زنا کا ہوتا ہے یا اس کو شہوت کے زور سے ہاتھ لگاتا ہے تو ان دونوں صورتوں میں زبیدہ اپنے خاوند زید پر حرام ہوتی ہے یا نہیں اگر حرام ہوگئی ہے تو حرام ہو جانے کے بعد اگر زید اپنی بیوی زبیدہ سے صحبت کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ عرض کہ ان صورتوں کے متعلق فقہ حنفیہ کی رو سے مفصل جوابات مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

سائل: عبدالرحمن عفا عنہ

الجواب

بیوی کی سوتیلی ماں سے زنا اور مس بال شہوت کرنے سے بیوی شوہر پر حرام نہیں ہوتی مگر زید کو سخت گناہ ہوا جلد اس گناہ سے توبہ کرے ورنہ وبال دنیا و آخرت کے لئے تیار رہے۔ فقط واللہ اعلم
ظفر احمد عفا عنہ ۲۹ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

وطی ربیبہ سے بیوی کا حرام ہونا سوال : اگر کوئی شخص پہلے ایک عورت سے نکاح کرے اور وطی کرتا رہے پھر اس عورت کی پہلے خاوند کی لڑکی سے یعنی ربیبہ سے نکاح جہالتہ کرے اور وطی کرے تو دونوں حرام ہوں گی یا نہیں؟ احمد علی۔ از ہوشیار پور محلہ سنہری مدرسہ سبیل الرحمتہ

الجواب

جس شخص نے اپنی ربیبہ عورت سے ہم بستری وغیرہ کی ہے اس پر اس کی بیوی بھی حرام ہوگئی جیسا کہ پہلے سے ربیبہ حرام ہے کما فی العالمگیریہ : وثبت (أی حرمة المصاهرة) بالوطی حلاً لا کان أو من شبهة أو زنا كذا فی فتاویٰ قاضی خان : فمن زنا بامرأة حرمت علیہ أمتها وإن علت وابتها وإن سفلت (ص ۵۲) التبتہ اگر وطی اور اس کے دواعی میں سے کوئی امر واقع نہ ہوتا تو محض نکاح بنت الزوج سے زوجہ حرام نہ ہوتی۔

کما فی العالمگیریہ ایضاً : وثبت حرمة المصاهرة بالنکاح الصحيح دون الفاسد كذا فی محیط السرخسی۔ فلو تزوجها نكاحاً فاسداً لا تحرم علیہ أمتها بمجرد العقد بل بالوطی هكذا فی البحر الرائق وفيه بعد أسطر : وكما تثبت هذه الحرمة بالوطی تثبت بالمس والتقبيل والنظر إلى الفرج بشهوة۔ كذا فی الذخيرة سواء كان بنكاح أو ملك أو فجور عندنا كذا فی الملتقط قال أصحابنا : الربیبة وغيرها فی ذلك سواء هكذا فی الذخيرة۔ والله اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ

خالقہ امدادیہ اشرفیہ منیع مظہر نگرتھانہ بھون

۱۵ صفر ۱۳۵۵ھ

سوال : ایک غلطی یہ سرزد ہوئی کہ ایک مرتبہ زید کے سینہ میں درد ہونے لگا زید کی پھوپھی جو (زید کی بیوہ بھالو کی ماں ہیں) ازراہ شفقت فرمایا کہ لاؤ میں تمہارے سینہ میں دوا یا تیل کی مالش کر دوں تاکہ درد موقوف ہو جائے چنانچہ زید چٹ لیٹ گیا اور زید کی پھوپھی حرمت مصاہرت کے متعلق چند سوالوں پر مشتمل ایک استفتاء

نے زید کے کمر کی دونوں طرف اپنے دونوں پیروں کو ڈال کر جھکے ہوئے زید کے سینہ پر دو مالش کرنا شروع کر دی اس ہیئت کذاتی سے مالش ہونے کی وجہ سے زید کے عضو مخصوص میں خود بخود ایک خفیف سا انتشار پیدا ہو گیا یعنی عضو میں خفیف ایسا دگی پیدا ہو گئی اور مالش برابر ہوتی رہی اس وقت زید اپنی طبیعت اور اپنے خیال کو دفع کرنے اور دوسری طرف متوجہ کرنے کی برابر کوشش کرتا رہا اس مالش ہونے کے وقت نہ زید کی کوئی نیت خراب تھی اور نہ زید کی پھوپھی کی اور نہ اس قسم کا خیال طرفین میں کبھی پیدا ہوا۔ اور نہ ایسا ہو سکتا تھا اس لئے کہ زید ہمیشہ سے اپنی پھوپھی کو بزرگوں کی طرح سمجھتا ہے مگر اس مالش کے دوران میں محض پیروں کے حامل کر دینے اور اس خاص صورت سے ایک عورت ذات کے ہاتھ سے مالش ہونے کی وجہ سے خود بخود زید کے دل میں کسی خفیف خیال کے گزرنے سے یہ کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

دوسری غلطی یہ ہوئی کہ زید کی پھوپھی غسل کر رہی تھیں یا خانہ میں تھیں زید نے بے احتیاطی سے بغیر آواز دے ہوئے اندر مکان کے چلا آیا۔ یا بغیر کھانسنے ہوئے پاخانہ کے اندر چلا گیا ایسی حالت میں زید نے اپنی پھوپھی کو برہنہ دیکھ لیا مگر زید نے اپنی نگاہ کو جمنے نہیں دیا۔ بلکہ فوراً نظر ہٹا لیا اور اُلٹے پیروں فوراً واپس ہوا جبکہ زید کو یہ معلوم ہو گیا کہ پاخانہ کے اندر کوئی شخص موجود ہے زید کی نظر خاص حصہ جسم یعنی شرمگاہ پر نہیں پڑی بلکہ دیگر حصہ جسم برہنہ پر پڑی۔

تیسری غلطی یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ زید کی پھوپھی کو اپنے پیروں یا ہاتھوں کے کڑے اُترانا مقصود تھا چونکہ کڑے کسی قدر سخت تھے لہذا زید سے یہ کہا کہ بھیا! میرے یہ کڑے اپنے ہاتھ سے ذرا پھیلادو تاکہ آسانی سے اُتر جائیں زید نے اس کی تعمیل کی مگر کڑے اتارتے وقت زید نے اپنی پھوپھی کی پنڈلی کھلی ہوئی دیکھی۔ مگر کوئی شہوانی خیال طرفین میں قطعی نہیں تھا اور نہ اس کا گمان ہو سکتا ہے لہذا زید ان مذکورہ بالا وجوہات کے واقع ہو جانے سے یہ خیال کرتا ہے کہ شاید سسرالی رشتہ قائم ہو گیا ہو اور اب اپنی پھوپھی کی اولاد یعنی بیوہ بھلیج سے نکاح کرنا جائز ہو۔ لہذا حضور والا ازراہ کرم اس مسئلہ پر توجہ فرمائیں اور مفصل جواب جلد ارسال فرمائیں تاکہ زید اس پر کاربند ہوے اور اگر خدا نخواستہ اب اس کے لئے یہ نکاح از روئے مذہب حقیقہ جائز ہے تو مذہب شافعیہ سے اجازت مل سکتی ہے یا نہیں؟

اور کوئی حنفی امام، امام شافعی کے کسی مسئلہ پر عامل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب

- ① اس واقعہ میں چونکہ اس شخص کا خیال اس عورت کی جانب نہ تھا بلکہ محض خیال کی وجہ سے شہوت ہوئی اس لئے اس واقعہ سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔
لما فی الشامیۃ: (ص ۲۵۹-۲۶۰) قلت: ویشرط وقوع الشهوة علیہا لا علی غیرہا لما فی الفیض لو نظر الی فرج ابنتہم بلا شهوة فتمتی جاریۃ مثلہا فوقت لہ الشهوة علی البنت تثبت الحرمة وان وقعت علی من تمناہا فلا۔
البتہ اگر وہ عورت کہتی ہو کہ اس کو اس وقت شہوت تھی تو مفصل بات لکھ کر دوبارہ سوال کریں اور یہ بھی لکھیں کہ زید کو اس عورت کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے یا نہیں ؟
- ② اس واقعہ میں نہ شہوت ہوئی نہ نظر جسم خاص کی طرف اور یہ دونوں شرطیں پس کوئی وجہ حرمت مصاہرت کی نہیں۔
- ③ اس میں بھی مس بلا شہوت ہونے کی وجہ سے حرمت مصاہرہ کا احتمال نہیں ہے غرض ان ہر سہ واقعات میں کوئی واقعہ ایسا نہیں جس سے حرمت مصاہرہ ثابت ہوتی ہو۔ پس زید اس عورت کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھا بھون
۱۶ سوال مشکوٰۃ

الجواب صحیح

و ان ادعت المرأة الشهوة لما فی الدر المختار: وان ادعت الشهوة فی تقبیلہ أو تقبیلہا ابنہ (وانکر الرجل فهو مصدق) لا ہی الخ
وفی الشامی (ص ۲۶۳-۲۶۴) (قوله فهو مصدق) لانه ينکر الحرمة،
والقول للمنکر وهذا ذکرہ فی الذخیرۃ۔ فی المسلا فی التقبیل كما فعل الشارح فانه مخالف لما مشی علیہ المصنف اولا من أنه فی التقبیل یفتی بالحرمة ما لم یظهر عدم الشهوة وقد مناعن الذخیرۃ نفل الخلاف فی ذلك فما هنا مبني علی ما فی بیوع العیون
ظفر احمد عفا عنه

مسئلہ مصاہرت | سوال: واقعہ یہ ہے کہ ایک مسکومہ نے بوجہ متعددہ تکالیف

خانہ داری اپنے شوہر کے مکان سے جا کر اپنے سسر پر تہمت لگا دی کہ اس کے سسر نے اس کے ساتھ زنا کیا منکوحہ مذکورہ کا خاوند بغرض تحصیل علم دین غیر ملک گیا تھا جب وہ پردیس سے مکان میں آیا منکوحہ کے عم حقیقی نے داماد سے کہا کہ لڑکی قرآن مجید پکڑ کر حلف کرتی ہے کہ اس کے سسر نے اس سے زنا کیا لڑکی کی زبان بندی میرے نزدیک باور ہوئی اگر تم کو باور نہ ہو لڑکی سے دریافت کرو۔ تب داماد نے جواب دیا کہ میں بسو اس کرتا ہوں کہ اپنے میری زوجہ کی زبان بندی لی ہے لیکن میں اس وقت کچھ نہیں پوچھوں گا۔ چچا نے کہا یہ لڑکی تمہارے لئے عند القاضی حرام نہ ہوئی کیونکہ کوئی شاہد نہیں تم جاسوس کی طرح گواہ تلاش کرو۔ القصہ! لڑکی کے چچا نے داماد کو حکم دیا کہ تمہاری بیوی ہے کہ تم لے جاؤ۔ لیکن لڑکی کے سوتیلے باپ نے نہیں دیا۔ پھر چچا نے ایک کاغذ بطور زبان بندی کے اپنے ہاتھ سے لکھ کر اس پر داماد کا نام جلی دستخط کر کے ایک مولوی صاحب کے پاس بھیجا اور اس کاغذ میں لکھا ہوا تھا کہ داماد نے واقعہ زنا کی تصدیق کی پس مولوی صاحب مذکور نے لڑکی اور اس کے سسر یعنی مدعیہ و مدعا علیہ سے کچھ بھی دریافت نہ کیا اور ان کی زبان بندی بھی نہیں لی فقط داماد کو بلا کر کہا کہ مطابق نوشتہ ہذا کے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے واقعہ زنا کی تصدیق کی داماد نے جواب دیا نہیں صاحب! میں نے ہرگز واقعہ زنا کی تصدیق نہیں کی بلکہ اپنے چچا سسر کو فقط اتنا بولا ہوں کہ ”میں بسو اس کرتا ہوں اپنے میری زوجہ کی زبان بندی لی ہے“ پس مولوی صاحب مذکور نے اس کاغذ ہی پر اعتماد کر کے زنا کے دعویٰ پر ثبوت حرمت مصاہرت کا ایک فتویٰ لکھ دیا۔ اس مولوی صاحب کے فتویٰ نویسی سے پیشتر دیگر دو مولوی صاحبان یہ حکم دے چکے کہ صورت مسئول عنہا میں حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔

پس استفتاء یہ ہے کہ صورت مرقومۃ الصدر میں بلا ثبوت زنا فقط لڑکی کے چچا کے نوشتہ پر معتد ہو کر حرمت مصاہرہ کا فتویٰ دینا صحیح ہے یا نہیں؟ اور نفس الامر میں بھی صورت مرقومہ میں حرمت ثابت ہوگی یا نہیں؟ جبکہ دو مولوی صاحبان نے عدم ثبوت حرمت کا حکم دیدیا پھر دوسرے مولوی صاحب کو اس کی تردید کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ سوالات زائد ہیں اصل واقعہ کا حکم یہ ہے کہ اس قاضی یا مسلمان حاکم کے پاس

مقدمہ پیش کیا جائے جس کو اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کرنیکا حکومت کی طرف سے اختیار دیا گیا ہو اگر حاکم مسلم اور قاضی نہ ہو تو کسی کہ تراضی طرفین سے حکم بنا لیا جائے جس کے پاس مقدمہ پیش ہو وہ عورت کا دعویٰ سنے اور گواہ طلب کرے اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ یعنی خاوند اور خسر سے حلف لیا جائے اگر گواہوں سے حرمت مصاہرہ ثابت ہو جائے یا خسر اور خاوند میں سے انکار کر دیں تو قاضی حاکم یا حکم تفریق کر دے اور تفریق کے بعد عدت گزار کر عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے بدون تفریق دوسری جگہ نکاح کرنا حرام ہے الا آنکہ خاوند کی طرف سے متارکت ہو جائے۔

کما قال صاحب الدر : لا یحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة .

وفی الشامی عن الحاوی : إلا بعد المتاركة أو تفریق القاضی اه (ص ۶۱۳)

اور اگر مرد ما علیہا حلف کر لیں تو نکاح قائم رہنے کا حکم دیدیا جائے لیکن نکاح قائم رہنے کا حکم دیدینے سے صرف قضاء حلت کا فتویٰ دیا جائے گا مگر دیانۃ حلال ہونے میں تفصیل ہے یعنی جس کو حرمت مصاہرت کا علم ہو اس کے لئے تعلق از دواج رکھنا حلال نہ ہوگا۔ اور جس کو علم نہیں وہ دیانۃ بھی معذور ہے پس واقعہ مسئلہ میں اگر خاوند درحقیقت عورت کی تصدیق کر چکا ہو تو قضاء قاضی کے بعد بھی اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اگر کوئی امر موجب حرمت مصاہرت کا خسر سے سرزد ہو گیا ہے تو اس کو اخفاء جائز نہیں اور چونکہ عورت ایسے واقعہ کی مدعیہ ہے جس سے یقیناً حرمت مصاہرت ہو جاتی ہے اس لئے اس کے واسطے کسی حال میں تکلیف جائز نہیں لیکن اگر کوئی صورت ایسی ہوتی جس میں احتمال ہوتا تو قضاء قاضی کے بعد اس کو تمکین جائز ہو جاتی۔ مثلاً خسر کی جانب سے تقبیل واقع ہوتی اور عورت شہوت ہونے کا دعویٰ کرتی اور خسر حلف سے کہہ دیتا کہ شہوت سے ہرگز نہ تھا تو تمکین حلال رہتی۔

والمسئلة مصرحة في البدائع : حيث قال بعد نقل الاختلاف بين الامام و صاحبیه في نفاذ القضاء باطناً بشهادة الزور فيما هو له ولاية انشائية في الجملة وأجمعوا على انه لو ادعى نكاح امرأة وهي تنكر وتقول أنا أخته من الرضاع أو أنا في

مع خسر سے تو اس بات پر حلف لیا جائے کہ اس نے کوئی فعل موجب حرمت مصاہرہ کا نہیں کیا اور خاوند سے اس پر لیا جائے کہ مجھ کو عورت کی بات پر یقین نہیں آیا۔ منہ

عدة من زوج آخر فشهد بالنكاح شاهدان وقضى القاضى بشها دتھما وللرأة تعلم أنها
كما أخبرت لا يحل لها التمكن (ص ۱۵ ج ۷)

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
از خالقہ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ یکم ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ

حسن المحاضرة في تحقيق بعض
شرائط حرمة المصاهرة

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع
متین اس مسئلہ میں کہ زید کی ایک رشتہ کی پھوپھی جو کہ
عمر میں ادھیڑ اور زید سے بہت زیادہ عمر میں بڑی ہیں۔ زید اپنی ان پھوپھی کی اپنی ماں کے برابر
عزت کرتا ہے اور اسی طرح سے پھوپھی بھی زید کو اپنے لڑکے کی طرح سمجھتی ہیں زید کی پھوپھی کی
ایک لڑکی کا زید کے ایک سگے بڑے بھائی کے ساتھ نکاح ہوا تھا مگر عرصہ تین چار سال کا
ہوا کہ زید کے بڑے بھائی کا انتقال ہو گیا اب زید کی یہ بھالوج بیوہ ہیں اور زید کے بھائی
مرحوم کی اولاد زید کی نگرانی و زیر پرورش ہیں۔ زید اور زید کی بیوہ بھالوج اور اس کی اولاد وغیرہ
ایک ہی گھر میں رہتے سہتے ہیں اور سبہوں کا ایک گھر میں کھانا پینا ہے زید کے دوست و احباب
عزیز و اقارب کی یہ دلی خواہش ہے اور بہت کوشاں ہیں کہ زید کا نکاح زید کی اس بھالوج بیوہ
کے ساتھ ہو جائے تاکہ یہ بیوہ زید کے گھر ہی میں رہے اور گھر کا شیرازہ نہ بکھرنے پائے اور زید کے
بھائی مرحوم کی اولاد جو اس بیوہ سے پیدا ہو۔ ہیں ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور بدستور زید
کی زیر نگرانی رہیں۔ اعزہ کا یہ خیال ہے کہ اس بیوہ کا نکاح اگر کسی غیر جگہ ہو گا تو گھر کا یہ سارا
انتظام منتشر ہو جائیگا اور بچوں کو بھی تکلیف ہوگی نیز بیوہ کا ایسی صورتوں میں کسی دوسری
جگہ نکاح ہونا بھی ایک امر محال سمجھا جاتا ہے۔ اگر اس بیوہ کا نکاح زید کے ساتھ نہ ہوا تو پھر یہ
بیوہ ہمیشہ کے لئے نکاح کرنے سے محروم رہے گی اور ساری زندگی اس کی یوں ہی گزر جائے گی۔
بیوہ بیچاری ابھی نوجوان ہے اور اندازے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بھی یہ خواہش ہے کہ
گھر ہی میں نکاح زید (دیور) کے ساتھ ہو جائے تو بہتر ہے۔ عزیز و اقارب، دوست و احباب
کے مجبور کرنے پر زید بھی راضی ہو گیا ہے کہ وہ اپنی اس بیوہ بھالوج کے ساتھ جو کہ کسی غیر جگہ مذکورہ
بالا وجوہات کی بناء پر نکاح کرنے سے مجبور ہوا ہے نکاح کر کے خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل
کرے مگر افسوس ہے کہ زید چند خاص وجوہات و مشکلات کی بناء پر جو کہ اس سے نادانستگی

اور غلطی سے عرصہ ہوا سرزد ہو گئی تھیں کہ جس کے باعث اس نکاح سے تامل کر رہا ہے
تا وقتیکہ کوئی شرعی حکم صادر نہ ہو اور اطمینان نہ ہو جائے۔

پہلی غلطی یہ سرزد ہوئی کہ ایک مرتبہ زید کے سینہ میں درد ہونے لگا زید کی پھوپھی
مذکورہ نے جو (زید کی بیوہ بھانج کی ماں ہیں) ازراہ شفقت فرمایا کہ لاؤ میں تمہارے سینہ
میں دوایا تیل مالش کروں تاکہ درد موقوف ہو جائے۔ چنانچہ زید چپ لیٹ گیا اور زید کی
پھوپھی نے زید کے کمر کی دونوں طرف اپنے دونوں پیروں کو ڈال کر ٹھکے ہوئے زید کے سینہ پر
مالش شروع کر دی۔ اس ہیئت کذائی میں مالش ہونے کی وجہ سے زید کے عضو مخصوص میں
خود بخود ایک خفیف سا انتشار پیدا ہو گیا یعنی عضو میں خفیف استادگی پیدا ہو گئی اور
مالش برابر ہوتی رہی۔ اس وقت زید اپنی طبیعت اور اپنے خیال کو دفع کرنے اور دوسری
طرف متوجہ کرنے کی برابر کوشش کرتا رہا۔ اس مالش ہونے کے وقت نہ زید کی کوئی نیت خراب
تھی اور نہ زید کی پھوپھی کی۔ اور نہ اس قسم کا خیال طرفین میں کبھی پیدا ہوا اور نہ ایسا ہو سکتا
تھا اس لئے کہ زید ہمیشہ سے اپنی پھوپھی کو بزرگوں کی طرح سمجھتا ہے۔ مگر اس مالش کے
دوران محض کمر میں پیروں کے حائل کر دینے اور اس خاص صورت سے ایک عورت ذات
کے ہاتھ سے مالش ہونے کی وجہ سے خود بخود زید کے دل میں کسی خفیف خیال کے گزرنے
سے یہ کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

دوسری غلطی یہ ہوئی کہ زید کی پھوپھی غسل کر رہی تھیں یا خانہ میں تھیں زید بے
احتیاطی سے بغیر آواز دے ہوئے اندر مکان کے چلا آیا یا بغیر کھانے ہوئے پاخانہ کے
اندر چلا گیا۔ ایسی حالت میں زید نے اپنی پھوپھی کو برہنہ دیکھ لیا مگر زید نے اپنی نگاہ کو جھپٹ
نہیں دیا بلکہ فوراً نظر ہٹالیا اور اُسے پیروں فوراً واپس ہوا جبکہ زید کو یہ معلوم ہو گیا
کہ پاخانہ کے اندر کوئی شخص موجود ہے زید کی نگاہ خاص حصہ جسم یعنی شرنگاہ پر نہیں
پڑی بلکہ دیگر حصہ جسم برہنہ پر پڑی۔

تیسری غلطی یہ ہوئی۔ ایک مرتبہ زید کی پھوپھی کو اپنے پیروں یا ہاتھوں کے کڑے اتروانا
مقصود تھا چونکہ کڑے کسی قدر سخت تھے لہذا زید سے یہ کہا کہ بھیا! میرے یہ کڑے اپنے

ہاتھ سے ذرا پھیلا دو تاکہ آسانی سے اتر جائیں۔ زید نے اس کی تمہیل کی مگر کڑے اتارتے وقت زید نے اپنی پھوپھی کی پنڈلی کھلی ہوئی دیکھی مگر کوئی شہوانی خیال طرفین میں قطعی نہیں تھا اور نہ اس کا گمان ہو سکتا ہے لہذا زید ان مذکورہ بالا وجوہات کے واقع ہو جانے سے یہ خیال کرتا ہے کہ شاید سسرالی رشتہ قائم ہو گیا ہو اب اپنی ان پھوپھی کی اولاد یعنی بیوہ بھالو سے نکاح کرنا ناجائز ہو۔ لہذا حضور والا ازراہ کرم اس مسئلہ پر توجہ فرمائیں اور مفصل جواب جلد ارشاد فرمائیں تاکہ زید اس پر کاربند ہو جائے۔ اور اگر خدا نخواستہ اب اس کے لئے یہ نکاح از روئے مذہب حقیقہ ناجائز ہے تو مذہب شافعیہ سے اجازت مل سکتی ہے یا نہیں۔ اور کوئی حنفی امام شافعی کے کسی مسئلہ پر عامل ہو سکتا ہے یا نہیں؟

فقط والسلام۔ خادم فضل حق صدیقی

متعلم گورنمنٹ ہائی اسکول بہرائچ (اودھ) درجہ نہم سکشن (ب)

تنقیحات

- ① پاؤں کس جگہ رکھے اور زید کے بدن سے اس عورت کا کون کون جسم لگا ہوا تھا؟
- ② آخر کچھ نہ کچھ خیال تو دل میں اس وقت ہو گا خواہ اس عورت کا یا کسی اور عورت کا؟
- ③ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاً خود بخود اسی کی طرف خیال ہوا تھا بعد میں دوسری طرف متوجہ کیلئے جو واقعہ ہو مفصل لکھا جائے۔
- ④ کیا یہ اندازے سے لکھا ہے یا اس سے دریافت کر کے لکھا ہے؟
- ⑤ اس خیال کی تشریح کی جائے جب مسئلہ لکھا جاسکتا ہے۔

جواب تنقیح

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مسئلہ دریافت طلب میں جو خاص باتیں دریافت فرمائی گئی ہیں اس کے متعلق عرض ہے :

- ① زید اپنے سینہ پر مالش کرانے کے لئے زمین پر ایک چٹائی پر پیڑ بیٹھا کر کے چٹ لیتا گیا اور زید کی پھوپھی نے اپنا ایک پاؤں زید کے ایک کولے کے قریب اور دوسرا پاؤں دوسرے کولے کے قریب رکھا اور گھٹنے اور سر پر اٹھائے ہوئے کمر سے خمیدہ ہو کر جس طرح زمین پر سے کوئی چیز جھک کر اٹھاتے ہیں زید کے سینہ پر ہاتھوں سے مالش کرنے لگیں یعنی زید عورت کے دونوں پیروں کے درمیان لیٹا ہوا تھا اور عورت کے دونوں

پاؤں زمین پر تھے صرف دونوں ہاتھ زید کے سینہ پر مالش کر رہے تھے اس کے سوا کوئی اور حصہ جسم زید کے بدن سے نہیں لگا ہوا تھا۔

② چونکہ اس واقعہ کو ہوتے بہت عرصہ ہو چکا ہے تاہم زید اپنی یادداشت اور ذہن پر زور دیکر یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ اس وقت دل میں کسی عورت کا خیال نہیں ہوا تھا نہ اس عورت کا اور نہ کسی دوسری عورت کا لیکن جس طرح کسی شہوت انگیز خیال سے کسی حیوان یا انسان کی شہوت انگیز کوئی حرکت کی طرف دیکھنے سے یا عضو مخصوص میں کسی کا ہاتھ لگ جانے سے از خود یہ کیفیت پیدا ہو جایا کرتی ہے حالانکہ اس وقت دیکھنے والے کی یہ نیت نہیں ہوتی کہ جس کی طرف دیکھا ہے یا عضو میں جس کا ہاتھ چھو گیا ہے اس سے کوئی ناجائز فعل کرے اگر عورت زید کے سر ہانے بیٹھ کر سینہ پر مالش کرتی تو یہ کیفیت ہرگز پیدا نہ ہوتی لیکن چونکہ عورت اس خاص شکل سے زید کے جسم کے مقابل کھڑی ہو گئی اس لئے زید نے اس وقت اپنے دل میں یہ محسوس کیا کہ جس طرح ایک عورت ایک مرد کے اوپر آتی ہے اسی طرح مرد بھی عورت کے جسم کے اوپر آیا کرتا ہے بس ان وسوسات نے زید کے خیال کو منتشر کر دیا اور اسی وجہ سے زید میں یہ کیفیت خود بخود پیدا ہوئی اور اسی پیدا شدہ خیال کو دفع کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر جو باتیں خاص جوش و شہوت کی حالت میں پیدا ہوا کرتی ہیں یعنی کامل ایستادگی یا بے خودی وغیرہ وہ قطعی نہیں تھیں۔ زید شروع سے آخر تک بے حس و حرکت زمین پر لیٹا رہا چونکہ زید کی پھوپھی ایک دیندار اور پابندِ صوم و صلوٰۃ عورت ہیں حج بھی کر چکی ہیں سن رسیدہ ہیں اور گھر میں مثل بزرگوں کے سمجھی جاتی ہیں۔ مگر جاہل ہیں۔ انہوں نے محض اپنی سادہ لوحی سے اور زید کو اپنا چھوٹا بیٹا خیال کر کے اس کے سینہ پر اس طرح بے احتیاطی سے مالش کرنے لگیں۔ بتقاضائے سن اور ان کی خداترسی کی وجہ سے ان کی نیت و ارادہ پر یہ کسی طرح شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے دل میں ذرہ برابر بھی کوئی بڑا خیال پیدا ہوا ہوگا اور نہ کبھی اس قسم کی کوئی حرکت ان سے ظہور میں آئی اس لئے ان کا خیال دریافت کر کے نہیں لکھا گیا۔ بلکہ یقینی طور پر اندازہ کر کے لکھا گیا۔ زید اپنی پھوپھی سے اس قسم کی شرمناک بات کو سبب ان کی بزرگی کے دریافت بھی نہیں کر سکتا ہے۔ فقط والسلام۔

خادم فضل حق صدیقی

الجواب

صورتِ مسئلہ میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔

بدلیل ما فی الشامیۃ : فتمنی جاریۃ مثلہا فوقعت الشهوة علی من تمناھا فلا اھ (ص ۲۵۹)

پس سائل کو اس پھوپھی کی لڑکی سے نکاح جائز ہے۔ اور سوال اول کے واقعہ سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔

وأيضاً فإن حد الشهوة في حق الشاب ان ينتشر عضو أو يزداد انتشاراً ومعنى الانتشار الانفاظ كما في القاموس ونفط ذكره أي قام والفظ الرجل علاه الشيق ولم يوجد في الصورة المسئول عنها الانتشار وإنما وجدت حركة خفيفة من غير شيق وقيام فقط

وفی قاضی خان : و دلیل الشهوة علی قول أبي الحسن القمی انتشار الآلة عند ذلك ان لم يكن منتشرًا قبل ذلك وان كانت منتشرة قبل ذلك فعلامة الشهوة زيادة الانتشار والشدة ثم ذكر معنى الشهوة في حق الشيق والعينين ثم قال ، وقال عامة العلماء : الشهوة أن يميل قلبه إليها ويشتهي أن يواقعها اھ (ص ۱۶۸) والله تعالى أعلم

ظفر احمد مفاعنه از تہانہ بھون

۵ ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ

تنبیہ : جواب مذکور لکھنے کے بعد حضرت حکیم الامت دام مجدہم کی خدمت میں بغرضِ ملاحظہ پیش کیا گیا تو فرمایا کہ جواب کا مدار دو باتوں پر ہے :

ایک یہ کہ شہوتِ محرمہ میں انتشار بمعنی نفوذ تام شرط ہے مجھے اس میں کلام ہے۔

دوسری یہ کہ : انتشار کے ساتھ عورت ملبوسہ یا منظورہ الی فرجہا کی طرف رغبتِ جماع و خواہشِ موافقت شرط ہے۔ مجھے اس میں بھی کلام ہے بلکہ صرف لمس و نظر سے دل میں ہیجان ہو جانا اور عضو میں حرکت پیدا ہو جانا شہوتِ محرمہ کے لئے کافی ہے گو ملبوسہ و منظورہ کے جماع سے ذہن خالی ہو۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ یہ ہیجان

غیر ملموسہ و غیر منظورہ کی طرف منصرف نہ ہوا ہو اگر لمس ہوا اور خواہش جماع غیر ملموسہ سے ہوتی تو حرمت نہ ہوگی اور اگر کسی سے بھی خواہش جماع نہ ہوتی مگر لمس سے دل میں ہیجان اور عضو میں حرکت پیدا ہوتی تو حرمت ہو جائیگی، احقر نے عرض کیا کہ قاضی خان کی عبارت اس باب میں صریح ہے کہ ملموسہ و منظورہ کے ساتھ شہوت جماع شرط ہے فرمایا، ممکن ہے کہ دیشتھی ان یواقعا بطور تمثیل کے لکھ دیا ہو۔ اس کے بعد رائے ہوتی کہ اس سوال کو دوسرے علماء کے پاس بھیجا جائے تو یہ سوال عبارت ذیل مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے علماء کے پاس بھیجا گیا جو مع ان کے جوابات کے درج کیا جاتا ہے۔

سوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء دین اس مسئلہ میں کہ حرمت مصاہرت کیلئے جو مس باشہوة حنفیہ کے نزدیک کافی ہے اس میں شہوت کی حقیقت کیا ہے۔ یعنی جن علماء نے صرف اشتہاء قلب و میلان قلب کو کافی نہیں سمجھا بلکہ انتشار عضو یا زیادت انتشار عضو کو شرط قرار دیا ہے ان کے نزدیک انتشار سے کیا مراد ہے؟ آیا عضو میں کسی قدر حرکت پیدا ہو جانا جو پہلے نہ تھی کافی ہے یا پوری طرح عضو کا قائم ہو جانا شرط ہے اور از زیادت انتشار کے یہ معنی ہیں کہ حرکت سابقہ کے بعد عضو کو قیام ہو جائے یا یہ مراد ہے کہ قیام کے بعد عضو میں شدت آجائے۔ دوسری بات قابل تحقیق یہ ہے کہ کیا شہوت کے یہ معنی ہیں کہ جس عورت کو پھول ہے اس کی طرف میلان ہو اور اس سے محامعت کی خواہش ہو؟ یا چھونے کے بعد گو یہ خیال پیدا نہ ہوا ہو مگر اس سے لذت حاصل ہوئی اور اس سے عضو میں انتشار پیدا ہو گیا۔ یہ بھی حرمت کے لئے کافی ہے؟ کیونکہ بعض دفعہ مس کرنے والے کو ملموسہ کی طرف کسی قسم کا خیال نہیں ہوتا مگر جوانی کی وجہ سے خود مس کی لذت سے عضو میں انتشار ہو جاتا ہے جیسا کہ دو جانوروں کو محامعت کرتے ہوئے دیکھ کر جوان کو انتشار ہو جاتا ہے حالانکہ ان میں کسی کے ساتھ محامعت کا خیال اس کو نہیں ہوتا۔ عبارات فقہیہ اس باب میں مختلف ہیں اس لئے تردد ہو گیا۔

عالمگیری میں ہے: وحد الشہوة انتشار الالة او ازدياده ان كانت منتشرة قاضی خان میں ہے: ودليل الشہوة انتشار الالة عند ذلك ان لم يكن منتشراً وان كانت منتشرة فعلامة الشہوة زيادة الانتشار والشدّة (ص ۱۶۸)

اور قاموس میں ہے: انتشار الرجل الغط ذكره اور لغوط کے معنی لکھا ہے لفظ ذكره

قامر و افطال الرجل والمرأة علاها الشبق - شبق اشتدت علمته - اور علمہ میں لکھا ہے
علم واعتلم غلب شہوتہ - علم البعیر حاج -

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہوت کی تفسیر انتشار ہے اور انتشار لغت میں قیام ذکر
کو کہتے ہیں اور قاضی خان نے از دیار انتشار کی تفسیر شدت سے کی ہے۔ اس کا مقتضا
یہ ہے کہ اگر مس بال شہوت ہو مگر عضو میں قیام پورا نہ ہو بلکہ کسی قدر حرکت ہو تو عورت مصاہر
نہ ہوگی۔ مگر در مختار میں ہے: الشهوة تحرك الآلة او از دیارہ - اس سے معلوم ہوتا
ہے کہ عضو میں حرکت پیدا ہو جانا شہوت محرمہ کے لئے کافی ہے۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ در مختار کی عبارت میں تحرک سے مراد انتشار کا درجہ
مذکورہ ہے یا عالمگیری و قاضی خان کی عبارت میں انتشار سے مراد تحرک ہے۔ نیز یہ کہ فقہاء
کی عبارت میں انتشار سے وہی مراد ہے جو لغت میں مذکور ہے۔ یا ان کے نزدیک انتشار کلی
مشکل ہے کہ قیام کامل سے کم درجہ پر بھی صادق آسکتا ہے۔

نیز شامی میں ہے: قلت: ويشترط وقوع الشهوة عليها لا على غيرها لما في
الفيض: لو نظر الى فرج ابنته بلا شهوة فتمت جارية مثلها فوقع له الشهوة
على البنت ثبتت الحرمة وإن وقعت على من تمتها (مع بقاء النظر الى فرج
البنت كما في قاضی خان) فلا اھ (ص ۴۵۹) وقاضی خان ص ۱۶۸ میں ہے: وقال
عامة العلماء: الشهوة ان يميل قلبه اليها ويشتي أن يواقعها اھ - قاضی خان کی
عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شہوت محرمہ میں عورت ملوسہ کی طرف قصد جماع کے ساتھ
میلان ضروری ہے۔ شامی کی عبارت بھی بظاہر اس کی مؤید ہے۔ مگر شامی کی عبارت میں
یہ احتمال جاری ہو سکتا ہے کہ وقوع الشهوة علیہا اس وقت شرط ہے جبکہ خلودہن نہ
ہو بلکہ دوسری طرف ذہن کو منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ اگر مس و نظر سے شہوت پیدا
ہونے کے وقت ذہن خالی ہو کہ نہ منظورہ و ملوسہ سے مجامعت کا خیال ہو نہ غیر سے مگر مس و
نظر سے شہوت پیدا ہو گئی اس کے حکم سے عبارت شامیہ ساکت ہے۔ امید ہے کہ ہر دو سوال
مراجعت کتب کے بعد واضح طور سے حل کئے جائیں کہ اس میں خلجان ہے۔ فقط

المستفتی: ظفر احمد غفاعة خادم دار الافتاء

بالتقاء الامدادية تھانہ بھون

۹ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ

الجواب

حامداً ومصلياً وسلماً۔ مس اور نظریں شہوت کی حد جو کہ درمختار میں لکھی ہے
 ”وحدھا فيما تحرك آله أو زیادتہ یعنی“ علامہ شامی اس کے تحت لکھتے ہیں ”قوله أو زیادتہ
 أي زيادة التحرك ان كان موجوداً قبلهما على هذا“ عالمگیری کی عبارت
 ”وحدھا الشهوة انتشار الآلة أو ازدياده إن كانت منتشرة“ اور اس کے بعد قاضی خان کی
 عبارت ”ودليل الشهوة انتشار الآلة عند ذلك ان لم يكن منتشراً وإن كان منتشراً
 فعلاية الشهوة زيادة الانتشار والشدّة“ ہر سہ کتب مذکورہ بالا کی عبارت سے یہ
 ظاہر ہوتا ہے کہ اگر پہلے شہوت بالکل نہ ہو تو ابتدائے حد شہوت یہ ہوگی کہ انتشار پیدا
 ہو جائے۔ چنانچہ عالمگیری و قاضی خان کی عبارتوں میں صریح انتشار کا لفظ واقع ہے۔ صاحب
 درمختار نے انتشار کی بجائے ”تحرك الآلة“ اور ”زیادتہ“ بولا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے
 کہ انتشار سے اس موقع میں تحرك الآلة ہی مراد ہے اور چونکہ تحرك الآلة کے بعد دو درجہ اور
 باقی ہیں ایک قیام ذکر دوسرا شدت پس تحرك الآلة کے بعد زیادہ التحرك یا زیادہ انتشار
 سے یقیناً قیام ذکر مراد ہوگا یعنی اگر تحرك آله پہلے سے ہو تو حرمت کے تحقق کے لئے یہ ضروری
 ہوگا کہ نظر اور مس کی وجہ سے قیام ذکر ہو جائے اور اگر قیام ذکر پہلے سے موجود ہے تو اب تحقق
 حرمت کے لئے شدت ضروری ہوگی۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ مس اور نظر سے پہلے جو حالت
 تھی اگر بعد المس والنظر وہی حالت رہی تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی اور اگر اس میں
 تغیر ہو کر ترقی ہو گئی تو حرمت ثابت ہو جائے گی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ انتشار عرب میں عام
 ہے شہوت کی تینوں حالتوں پر انتشار کا اطلاق ہوتا ہے اس لئے فقہاء کے کلام میں دوسری مرتبہ
 کو زیادہ الانتشار کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اگر انتشار ایک حالت کے ساتھ مخصوص ہوتا تو اس سے
 اعلیٰ مرتبہ کو زیادہ الانتشار کے ساتھ تعبیر نہ کرتے بلکہ شدت یا کسی اور لفظ سے تعبیر کرتے
 دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر انتشار کو قیام ذکر کے ساتھ خاص کیا جائے اور زیادہ انتشار سے
 شدت مراد لی جائے تو انتشار کے اول مرتبہ یعنی تحرك آله کا کوئی حکم نہیں نکلتا اس وجہ سے کہ
 شہوت معتبرہ کے مقابل جو قول ذکر کیا ہے وہ یہ ہے

في الشامي: وقيل حدّها أن يشقى بقلبه ان لم يكن مشتھياً أو يزداد ان

كان مشتھياً ولا يشترط تحرك الآلة (ص ۲۸۱)

پس جبکہ شہوت غیر معتبرہ کی تعریف میں صرف اشتہاء قلب کو لیا گیا ہے اگر شہوت معتبرہ میں تحرک آلہ معتبر نہ ہوتا تو وہ یقیناً غیر معتبرہ میں داخل کیا جاتا۔ پس شہوت غیر معتبرہ میں اس کو داخل نہ کرنا خود اس امر کا قرینہ ہے کہ ابتدائی مرتبہ شہوت معتبرہ کا تحرک آلہ ہے۔ اس توجیہ پر یہ شبہ البتہ ہوتا ہے کہ فقہاء کی عبارت سے شہوت معتبرہ کے دو بیجے معلوم ہوتے ہیں تحرک آلہ یا زیادت تحرک یا یہ کہا جائے کہ انتشار اور زیادت انتشار اور مذکورہ بالا توجیہ کی بنا پر تین درجے ہو گئے ہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ تحقق حرمت کے لئے چونکہ ایک جبکہ پہلے سے شہوت نہ ہو یا شہوت قلبی ہو یا دو کا وجود (اس صورت میں جبکہ پہلے سے تحرک آلہ یا قیام ذکر ہو) کافی ہے۔ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے اسی لئے صرف دو لفظوں پر اکتفا کیا ہے۔ اور چونکہ ہر دوسری حالت پہلی حالت سے اور کچھ زیادتی پر مشتمل ہوتی ہے اس لئے فقہاء کے کلام میں زیادہ کے ساتھ دوسری حالت کو تعبیر کیا گیا ہے پس اگر پہلے سے تحرک نہ ہو تو زیادت سے مراد قیام ہوگا اور اگر پہلے سے قیام ہو تو زیادت سے مراد شدت ہوگی جیسا کہ قاضی خان کی عبارت سے واضح ہے۔

امرثانی کے متعلق درمختار کا یہ قول : « والعبرة للشهوة عند المس والنظر لا بعد » کافی ہے۔ علامہ شامی اس کے تحت لکھتے ہیں :

عن الفتح : وقوله بشهوة في موضع الحال ليفيد اشتراط الشهوة حال المس ولو مس بغیر شهوة ثم اشتهى عن ذلك المس لا تحرم عليه اه وكذا في النظر كما في البحر : لو اشتهى بعد ما غصّ بصره لا تحرم قلت : ويشترط وقوع الشهوة عليها الخ

پس اگر ابتداءً شہوت بالکل نہ ہو اور مس اور نظر کے وقت شہوت پیدا ہوئی ، یعنی حالت مس اور حالت نظر موجود ہے اور اس سے تحرک آلہ پیدا ہو گیا تو حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر مس کے بعد ہاتھ علیحدہ کر دیا یا نظر دوسری طرف کر لی اور پھر تحرک آلہ ہوا تو اب حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ جس عورت کو ہاتھ لگایا ہے میلان اسی کی طرف ہو اگر دوسرے کی طرف ہوگا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی جیسا کہ مثال کی مندرجہ بالا عبارت سے واضح ہے۔ پس ثبوت حرمت کے لئے دو شرطوں کا وجود ضروری ہے ایک شہوت معتبرہ کا وجود عند المس اور عند النظر دو مملوسہ اور منظورہ کی طرف

میلان اور مجامعت کی خواہش دونوں میں سے اگر کوئی شرط فوت ہو جائے گی حرمت ثابت نہ ہوگی اور مثال کا مقصود اس جزیئہ کے ذکر کرنے سے » ویشترط وقوع الشهوة علیہا لا علی غیرہا « کا اثبات ہے جو عام ہے کہ خلوص ذہن ہو یا نہ ہو جیسا کہ مثال سے ظاہر ہے کیوں کہ نظر الی فرج البنت مطلقاً موجب حرمت نہیں جب تک خاص اسی کی طرف میلان نہ ہو اگر میلان دوسری طرف ہو تو حرمت نہ یہاں ثابت ہوگی اور نہ اس کے حق میں جس کی طرف میلان ہے کیوں کہ جس کی طرف نظر ہے اس کی طرف میلان نہیں اور جس کی طرف میلان ہے اس کی طرف نظر نہیں۔ پس اگر مس اور نظر سے شہوت پیدا ہونے کے وقت ذہن خالی ہو اور حالت مس اور نظر کی بقاء کے وقت ہی ملموسہ اور منظورہ سے مجامعت کا خیال پیدا ہو جائے تو حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر ملموسہ اور منظورہ سے مجامعت کا خیال نہیں ہو خواہ غیبی ہو یا نہ ہو یا نہ ہو تو حسب تصریح » وقوع الشهوة علیہا « اس شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔ کما هو الظاہر۔ واللہ اعلم

رقم ضیاء احمد عفی عنہ

۱۵ ذی قعدہ ۱۴۸۸ھ

الجواب الشانی

از مولانا عبد الرحمن صاحب صدر المدرسین مظاہر العلوم سہارنپور
 ① بظاہر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی خان کی عبارت میں انتشار سے مراد تحرک عضو ہے۔ چنانچہ بدائع الصنائع (ص ۲۶۰ ج ۲) کی عبارت میں انتشار کو بطور عطف تفسیر کے ذکر کیا ہے » وتحرک الآلة وانتشارها هل هو شرط تحقق الشهوة اختلف المشائخ فيه الخ « صاحب بحر کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے (ص ۱۰۱ ج ۳) ولم يذكر المصنف حد الشهوة للاختلاف فقيل لا بد أن تنتشر آلتها إذا لم تكن منتشرة أو تزداد انتشاراً إن كانت منتشرة۔ و قيل حدّها أن يشتهي بقلبه إن لم يكن مشتتاً أو يزداد إن كان مشتتاً ولا يشترط تحرک الآلة وصححه في المحيط الخ ہر دو قولین کے تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قول میں انتشار سے مراد تحرک ہے ورنہ دوسرے قول میں بمقتضائے تقابل ولا يشترط انتشار الآلة کہنا چاہیے تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقہاء کے کلام میں

انتشار سے مراد تحرک ہے جو کلی مشکک ہے استرخاء عضو کے بعد شدت قیام تک کے جتنے مراتب ہیں سب پر صادق ہے یعنی استرخاء کے بعد تشنج اور اس کے مابعد کے سب مراتب تحرک کے افراد ہوں گے۔ اور جمیع مراتب پر انفراداً اور اجتماعاً حرمت مصاہرت مرتب ہوگی۔ اور انتشار مراد وہ نہیں جو لغوین نے لکھا ہے۔ یعنی قیام عضو۔

۲ شامی اور قاضی خان دونوں اشتراط وقوع الشهوة علیہا لا علی غیرہا « میں متفق اللہ ہیں۔ بلکہ لا علی غیرہا سے نفی وقوع الشهوة علی غیرہا کی طرف قاضی خان نے تعرض نہیں کیا جس سے قاضی خان کی عبارت مشعر عموم ہو گئی « ای یمیل قلبہ الیہا ویشتہی ان یواقہا اھ اعم من ان یکون قلبہ فی ہذہ الحالة مائلاً الی غیرہا ام لا » شامی کی عبارت میں صرف ایک ہی احتمال ہے « یمیل قلبہ الیہا ولا یمیل الی غیرہا » البتہ شامی نے جو استدلال میں فیض کی عبارت پیش کی ہے اس عبارت میں وہ احتمال جاری ہو سکتا ہے جس کے متعلق مولانا ظفر احمد صاحب فرماتے ہیں مگر علامہ شامی کا عبارت فیض کے نقل کرنے کے بعد قید عدم خلوا الذہن عند حدوث الشهوة کی طرف تعرض نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ علامہ شامی کے نزدیک اس قید کا اعتبار نہیں (کما ہودابہ فی أمثال ہذہ العبارة من ذکر مفہیم العبارات) ورنہ نقل عبارت کے بعد اس کی طرف حسب عادت تعرض فرماتے۔ نیز شامی کا « قلت : ویشرط الخ » در مختار کی اس عبارت کے ذیل میں « والعبارة للشهوة عند الملت الخ » کہنا بظاہر اسی غرض کے لئے ہے کہ مصنف کی عبارت میں شہوت کا لفظ عام تھا یعنی شہوت منظورہ و ملموسہ وغیرہ دونوں کو شامل تھا شامی صرف اس اطلاق کی تفسیر کے لئے « قلت الخ » فرما رہے ہیں جس سے بظاہر مقصود صرف عموم کا ابطال ہے اور تفسیر ہے۔ باقی عدم خلوا الذہن عند حدوث الشهوة او عند عدم اس کی طرف در مختار کی عبارت میں اشارہ نہ شامی کا مقصود ہے بلکہ اس کے لحاظ سے تعمیم ہی شامی کا مقصود ہے کما مر و اللہ اعلم

نوٹ : اس کے بعد یہ سب تحریرات مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی کو دی گئیں کہ وہ بھی ان کو دیکھ کر اپنی رائے لکھیں۔ انہوں نے جو کچھ تحریر فرمایا وہ بھی درج کیا جاتا ہے۔ - ظفر احمد عفا عنہ

الجواب الثالث : من مولانا حبیب احمد کیرانوی

تحقیق متعلق بہ حرمت مصاہرہ باللس والنظر :

خواہش جماع کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے خواہش اکل اور شہوت کی مثال ایسی ہے

جیسے بھوک۔ پس جس طرح کبھی کسی شے کو بے بھوک کھانا چاہتا ہے یوں ہی کبھی آدمی بلا شہوتِ جماع کی خواہش کرتا ہے۔ پس شہوت نام ہے جماع تقاضائے طبعی کا۔ جیسے بھوک نام ہے خواہشِ غذا کی تقاضائے طبعی کا۔ اور خواہشِ جماع نام ہے تقاضائے نفس اور اس کی رغبت الی الجماع کا اور نہ ثبوت کے لئے رغبت الی الجماع لازم ہے اور رغبتِ جماع کیلئے شہوت ضروری ہے۔ کبھی یہ دونوں جمع ہوتے ہیں اور کبھی ایک دوسرے سے منفک۔ پھر چونکہ جماع ایک ایسا فعل ہے جو کہ طرفین کے ساتھ قائم ہے اس لئے رغبتِ جماع میں خیال طرفِ آخر ضروری ہے اور یہ خیال کبھی علی وجہ التعمین ہوتا ہے جیسے یوں کہ فلاں عورت کے ساتھ میں ایسا کروں اور کبھی لا علی وجہ التعمین۔ مثلاً یوں کہ اسوقت کوئی عورت ہو جس سے میں ایسا کروں۔ جب یہ تفصیل معلوم ہوگی تو اب سمجھنا چاہئے کہ اگر مس و نظری فی حال الشہوة ہے تو اس کی چند صورتیں ہیں :

ایک یہ کہ وہاں شہوت کے ساتھ رغبتِ جماع نہ ہو۔
دوسرے یہ کہ رغبتِ جماع ہو مگر طرفِ آخر متعین نہ ہو۔
تیسرے یہ کہ طرفِ آخر متعین ہو مگر ملموسہ و منظورہ نہ ہو۔ بلکہ غیر ملموسہ و منظورہ ہو۔
چوتھے یہ کہ وہ خاص ملموسہ و منظورہ ہو۔ پہلی تین صورتوں میں بالاتفاق حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہوگی اور چوتھی صورت میں بالاتفاق حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی کیونکہ یہاں شہوت و رغبت دونوں جمع ہیں « و تحرك الآلة لا تنفك عن الشهوة في حال صحة المزاج وفي حال فساد المزاج كالعتين أو عدم الآلة كالمرأة والمحبوب » ہو غیر ضروری اور اگر مس فی حال الرغبة الی الجماع بلا شہوت ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک تو اصلاً حرمت نہ ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک رغبت کے ساتھ شہوت شرط ہے اور بعض کے نزدیک اس میں تفصیل مذکور ہے۔ یعنی اگر خاص ملموسہ و منظورہ سے جماع کی خواہش ہو اور اسی حالت میں لمس و نظر ہو تو حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔ قائلین بالشہوة والا انتشار کا قول : « و يشترط وقوع الشهوة عليها » اور قائلین بالرغبة کا قول : « وحدّ الشهوة أن يميل قلبه إليها ويشتهي جماعها » اس کی کافی دلیل ہیں۔ خلاصہ یہ کہ لمس و نظر عن شہوة میں ملموسہ و منظورہ کا متعین للجماع ہونا بالاتفاق ضروری ہے اور اختلاف صرف تفسیرِ شہوت میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شہوت صرف خواہشِ جماع کا نام ہے خواہ

تحرک آلہ یا تحرک قلب یا ازدیاد تحرک آلہ یا قلب یا اجابتے یا نہ یا اجابتے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ شہوت میں میلان قلب و رغبت نفس کافی نہیں ہے بلکہ شہوت ایسی میلان و رغبت جماع کا نام ہے جس کے ساتھ ہیجان و جوش ہو جس کے لئے بحالت موجودگی آلہ و صحت مزاج تحرک آلہ اور بحالت عدم الشیئین تحرک قلب ضروری ہے۔ یہ دو مشہور قول ہیں۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ شہوت صرف اس خواہش جماع کا نام ہے جس کے ساتھ تحرک آلہ ہو اور تحرک قلب اس کے لئے کافی نہیں۔

» ذهب إليه محمد بن مقاتل الرازي وقال في العناية هو أقرب إلى الفقه والظاهر انه ليس بقول ثالث بل هو داخل في القول الثاني لأن عدم تحرك الآلة إما أن يكون بسبب الغداهما كما في المحبوب والمرأة أو يكون بسبب فساد مزاج الآلة مع صحة مزاج المرأة كما في المجلوق أو يكون بسبب فساد مزاج المرأة كما في الشيخ الكبير والعنينة الاصلی والذى صار مثله لخلية المرض وهو يقول بانتفاء الحرمة في الصورة الثالثة فقط لا في الصورتين الاولىين فيكون قوله مثل قول الآخرين لا غيره ثم أقول ومن جملة ما يدل على اشتراط وقوع الشهوة عليها انه صرح في فتح القدير : بانه لو استيقظ فطلب امرأته فأولج بين فخذي بنتها خطأ لا تحرم عليه الأم ما لم يزداد الانتشار اه لان هذه الشهوة لم تكن واقعة عليها ولما ازداد الانتشار بالايلاج وقع الشهوة عليها وإن كان مخطئاً في ظنه أنها امرأته وقال أيضاً : لو أيقظ زوجته ليجامعها فوصلت يده إلى بنته منها فقرصها بشهوة وهي لمن تشتهي بظن أنها امرأته حرمت عليه الام حرمة مؤبدة ومعناه أنه إن كان الشهوة موجودة قبل وقوع اليد فلا تحرم له لمجرد وقوع اليد لأن الشهوة لم تكن عليها حينئذ بل تحرم بالقرص بالشهوة لوقوع الشهوة عليها اذ ذاك وان لم تكن الشهوة موجودة اذ ذاك فعدم الحرمة بوقوع اليد والحرمة بالقرص ظاهر بوقوع الشهوة عليها حين القرص لا قبلها.

(۱) قال في البدائع : وثبت باللمس فيهما عن شهوة وبالنظر إلى فرجها عن شهوة ولا تثبت بالنظر إلى سائر الأعضاء بشهوة ولا بمس سائر الأعضاء إلا عن شهوة بلا خلاف۔ وتفسير الشهوة هي أن يشتهي بقلبه ويعرف ذلك باقراره

لأنه باطن لا وقوف عليه لغيره وتحرك الآلة وانتشارها هل هو شرط تحقق الشهوة اختلف المشايخ فيه قال بعضهم: شرط، وقال بعضهم: ليس بشرط هو الصحيح لأن المسّ والنظر عن شهوة يتحقق بدون ذلك كالعينين والمحبوب ونحو ذلك اهـ وقال أيضًا: لأن الحرمة انما تثبت عن النكاح لكونه سبباً داعياً إلى الجماع اقامة للسبب مقام المسبب في موضع الاحتياط والقبلة والمباشرة أولى بالتسبب والدعوة من النكاح فكان أولى بإثبات الحرمة اهـ

ان عبارتوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نظر و لمس وہی موجب حرمت ہیں جو کہ مسبب عن الشهوة ہوں «واللمس في حال الشهوة مسبب عن الشهوة» نہیں ویدل علیہ قول اللمس عن شهوة والنظر عن شهوة فان معناه كون اللمس مسبباً عن شهوة والنظر مسبباً عن شهوة قوله: والقبلة والمباشرة في التسبب والدعوة أبلغ من النكاح - پھر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبلہ و لمس جو محرم ہیں تو وہ اس لئے محرم ہیں کہ وہ داعی الی الجماع ہیں اور لمس فی حال الشهوة من غیر میلان القلب الی الملموسة داعی الی جماع الملموسة نہیں لہذا وہ محرم ملموس بھی نہیں۔ اور عبارت شامی: «ويشترط وقوع الشهوة عليها لا على غيرها» میرے نزدیک اس باب میں نص ہے اور یہ احتمال ہے کہ یہ اس وقت شرط ہے جبکہ حدوث شہوت کے وقت خلوص ذہن نہ ہو بلکہ دوسری طرف ذہن کے منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہو اور اگر لمس و نظر سے شہوت پیدا ہونے کے وقت ذہن خالی ہو نہ منظورہ و ملموسہ سے مجامعت کا خیال ہو نہ غیر سے اس میں خلجان ہے اهـ صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں اگر شہوت علی غیرہا متحقق نہیں تو شہوت علیہا بھی تو متحقق نہیں ویشترط وقوع الشهوة عليها مضر ہے ولا فرق بین ان یکون متعلق الشهوة غیرہا اولم یکن هناك متعلق الشهوة اصلاً بعد ان لم یکن متعلق الشهوة ہی الملموسة او المنظورة لانه لا دخل لمتعلق الشهوة بغیر الملموسة والمنظورة و عدمہ فی حرمة الملموسة والمنظورة کما لا یخفی۔

(۲) قال فی رد المختار: أما الشيخ والعين فحدها تحرك قلبه أوز يادته ان كان متحركاً لا مجرد ميلان النفس فانه يوجد فيمن لا شهوة له أصلاً كالشيخ الفاني اهـ

اس سے معلوم ہوا کہ شہوت اور میلانِ نفس میں فرق ہے اور مدارِ حرمت شہوت ہے نہ کہ میلانِ قلب اور چونکہ عادت شہوت تحرکِ آلہ سے منفک نہیں ہو سکتی اسلئے انہوں نے شہوت اور میلانِ قلب میں امتیاز کے لئے تحرکِ آلہ کی شرط لگائی ہے اور کہا کہ اگر تحرکِ آلہ ہوا تو سمجھا جائیگا کہ شہوت ہے ورنہ سمجھا جائیگا کہ شہوت نہیں بلکہ صرف میلانِ نفس ہے جو کہ بلا شہوت کے بھی ہوتا ہے۔ جب یہ حقیقت معلوم ہو گئی تو معلوم ہوا کہ قیام شرط نہیں بلکہ تحرک کافی ہے

وقال فی خلاصة الفتاوی : قال فی المحيط : إن کان شیخاً أو عتیفاً فحد

الشهوة أن یتحرک قلبه بالاشتهاء ان لم یتحرک وان تحرك زاد الاشتهاء وان کان شاباً ان ینتشر آلتہ ویزداد ان کان متحرکاً حکاه العمی عن أصحابنا۔ وإلیہ مال الامام خواهرزادہ والامام السرخسی وکثیر من أصحابنا وهم یشرطون الانتشار وجعلوا الحد أن یشتهی جامعها اه (ج- ۲ ص ۸) والظاهر من قوله : أن المشترطین للانتشار جعلوا حد الانتشار أن یشتهی جامعها وقال فی فتح القدير وما ذکر فی حد الشهوة من أن الصحيح أن تنتشر الآلة أو تزداد الانتشار هول قول السرخسی وشیخ الاسلام وکثیر من المشائخ لم یشرطوا سوى أن یمیل قلبه الیها ویشتهی جامعها اه وهذه العبارة أن ما وقع فی الخلاصة عن قوله : وکثیر من المشائخ وهم یشرطون الحد من خطأ الكاتب والصحيح أن کثیراً من المشائخ لا یشرطون الانتشار وجعلوا الحد أن یشتهی جامعها وبالجملة ظهر من عبارة فتح القدير أن المشائخ متفقون علی أنه یشرط أن یمیل قلبه الیها ویشتهی جامعها وإنما الاختلاف فی اشتراط الانتشار وعدمه ویظهر منه أمران : أحدهما : اشتراط وقوع الشهوة علی الملموسة والمنظورة ، والثانی : عدم اشتراط النغوظ التام لان اشتراط الانتشار انما هو للتمیز من میلان القلب وتمتی الجامع والشهوة۔ والله أعلم

وقوله : ما قال ابن همام : انه فرغ علیہ مالو انتشر وطلب امرأته فأولج بین فحذی بنتها خطأ لا تحرم أمها ما لم یزداد الانتشار اه فلا یصح عندی هذا التفریع علی مذهب من المذهبین لأنه إذا أولج بین فحذیها بالشهوة ظاناً أنها أمها فقد وقع الشهوة علی البنت حقيقة ولا یؤثر الخطأ فی الظن لأنه قصد جامعها مع وجود الشهوة والانتشار فینبغی أن تحرم أمها علی کلا القولین ،

والذين شرطوا زيادة الشهوة عند اللمس والنظر وقت وجود الشهوة قبلهما
فمقصودهم انه يشترط ذلك إذا لم تكن الملموسة والمنظورة مقصودة بالجماع
إذا كان وإن كانت هي المقصودة بالجماع كما في مسألة البنت فلا يشترط فيه الزيادة
بل الشهوة الموجودة عند اللمس والنظر كافٍ في التحريم لوقوع الشهوة عليها في
الواقع بعد ما كانت واقعة على غيرها في الخيال وح ينبغي أن يقيد المسئلة الذي
طلب امرأته للجماع فوق يده على بنته فقرصها بالشهوة بانه لم يكن مشتتاً عند
الطلب والا تحرم عليها أمها بمجرد وقوع اليد عليها لوجود وقوع الشهوة عليها
في الواقع وإن كانت واقعة على أمها في الخيال أو يقال هذا إذا كان يعلم
أنها بنته لم يكن قصد لمسها ولكن وقع يده عليها خطأ فإنه لا تحرم عليه أمها
بمجرد وقوع اليد لعدم وقوع الشهوة على البنت لا في الواقع ولا في الخيال
والظن لكن لما قرصها بالشهوة وقع الشهوة عليها حقيقة فحرم عليه أمها. فتدبر
فيه.

وليعلم أنه إذا هيئت امرأة نفس رجل بحسنها أو كلاهما أو لوجه من
الوجوه بحيث انتشر آلتها وظهرت فيه آثار الشهوة ثم دعاه ذلك الهيجان إلى
تقبيلها فقبلها تثبت الحرمة سواء أراد الجماع أولاً لأن قصد الجماع وإرادته
ليس بشرط في الحرمة وإنما الشرط هو الانبعاث الطبيعي إلى جماعها وقد وجد ذلك لأنه
لا شك في أنه وجد ههنا شهوة لوجود آثارها ولا شك أيضاً في أن معنى الشهوة
هو الاقتضاء الطبيعي للجماع وإيضاً في أن هذه الشهوة عليها لا على غيرها ولا شك
أيضاً في أن هذه الشهوة دعت إلى التقبيل فلا شك في ثبوت الحرمة لتحقيق
سببها وهو اللمس بالشهوة ولا تلتفت إلى قوله أي لم أشته جماعها وإنما اشتبهت
تقبيلها فقط لأنه إن أراد أنه لم يشته جماعها طبعاً فوجود الشهوة عليها مكذب
له لأن الشهوة إنما هو الاقتضاء الطبيعي للجماع وهي لا تنفك عن اقتضاء الجماع كما
لا ينفك الجوع عن اقتضاء الغذاء وإن أراد أنه لم يرد اختياراً ولم يحس
بذلك الاقتضاء الطبيعي فلا يفيد هذا شيئاً لأنه ليس من شرط الحرمة إرادته
وقصده للجماع ولا شعوره بالاقتضاء الطبيعي، نعم إن كانت الشهوة وقعت على

غیرہا ثم قبلها من غیر ان تدعوه هذه الشهوة الى التقبيل لا تثبت الحرمة بهذا التقبيل
لان هذا التقبيل ليست بالشهوة بل في حالة الشهوة ومع الشهوة و فرق بينهما فاحفظه
ينفعك ان شاء الله تعالى . انتهى .

خلاصہ یہ ہے کہ صورتِ مسئلہ میں اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حرمتِ مصاہرت ثابت
نہیں ہوئی صرف علت میں گفتگو ہے۔ احقر نے دو علتیں بیان کی تھیں ایک نفوط تام
نہ ہونا۔ دوسری عورت لایمسہ پر شہوت واقع نہ ہونا۔ علماء ثلاثہ نے پہلی علت کو تسلیم نہیں
کیا دوسری علت کو تسلیم کیا۔ احقر بھی اس معاملہ میں ان کے ساتھ اتفاق کر کے پہلی علت
سے رجوع کرتا ہے اور پہلے میں بھی نفوط تام کو شرط نہ سمجھتا تھا جیسا احقر کا فتویٰ مندرجہ
امداد الاحکام جلد ۷ ص ۲۸۱ سے ظاہر ہے جس میں مفتی صاحب دیوبند کے اس امر کو رد کیا گیا
ہے کہ حرمتِ مصاہرت کے لئے شہوت مع نفوط تام شرط ہے مگر بعد میں مجھے مفتی صاحب
دیوبند کی رائے کی طرف میلان ہو گیا مگر اب علماء ثلاثہ کے بیان سے اپنی پہلی رائے کی صحت
و بختگی واضح ہو گئی فالحمد للہ علی ذلک

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ

۳۰ ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ

(امور تنقیح طلب در حرمتِ مصاہرت)

- ۱۔ شہوتِ مس سے پہلے ہوئی یا مس کے ساتھ یا مس کے بعد؟
- ۲۔ اگر شہوتِ مس سے پہلے تھی تو مس سے حالتِ اولیٰ پر رہی یا زیادہ ہو گئی؟
- ۳۔ عضو میں شہوت سے حرکت ہوئی یا نہیں؟
- ۴۔ شہوتِ ملموسہ یا لایمسہ پر واقع ہوئی یا نہیں یا اس سے جماع کی خواہش ہوئی یا
نہیں یا اس کو چھو کر کسی دوسری عورت سے خواہشِ جماع ہوئی؟
- ۵۔ مجلس میں انزال تو نہیں ہوا۔ یا مجلس کے بعد کون شہوت سے پہلے تو انزال نہیں ہوا
- ۶۔ لمس و مس کن مواقع پر ہوا کیونکہ بعض مواقع کے مس میں دعویٰ عدمِ شہوت
قضاءِ مسموع نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۰ ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ

حکم حرمتِ مصاہرت از تقبیل فم و معانقہ | سوال : ایک عورت دعویٰ کرتی ہے کہ اس کے خسر نے اس کے لب کا بوسہ لیا اور سینہ سے لگایا اور ایک مرتبہ مٹھائی بھی اس کے قبل زبردستی دبا کر سینہ سے لپٹا کر کھلاتی تھی جو اس نے باہر حجرہ سے اگل دی۔ عورت ان واقعات کو شہوتِ نفسانیہ سے بتلاتی ہے اور خسران کا منشا محبت و شفقتِ پدری بتلاتا ہے مگر خسر کی ایک تحریر جو خفیہ طور سے بہو کے نام آئی ہے یہ بتلاتی ہے کہ ان واقعات کا منشا شہوتِ نفسانیہ ہے۔ پس صورتِ مسئلہ میں حرمتِ مصاہرت ثابت ہوئی یا نہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

- ۱۔ قال فی الدر: تزوج بکراً فوجدھا ثیثاً وقالت ابوک فضنی ان صدقھا بابت بلامھر اھ (ص ۲۵۹) والعبرة للشهوة عند المس والنظر لا بعدھا وحدها فیما تحرك آلتہ او زیادته به یفتی اھ (ص ۲۵۹)
- ۲۔ قبل امراته فی ائی موضع کان علی الصحیح جوہرۃ حرمت علیہ امراته ما لم یظهر عدم الشهوة ولو علی الفم كما فهمہ فی الذخیرۃ وفی المس لا تحرم ما لم تعلم الشهوة لان الاصل فی التقبیل الشهوة بخلاف المس والمعانقۃ کالتقبیل وكذا القرص والعق بشهوة (ص ۲۶۲)
- قال الشامی: وفی بیوم العیون خلاف هذا اذا اشترى جاریۃ علی انه بالخیار وقبلھا او نظر الی فرجھا ثم قال لم یکن عن شہوة واراد ردھا صدق ولو كانت مباشرۃ لم یصدق ولو قبل ولم تنتشر آلتہ وقال کان عن غیر شہوة یصدق وقیل لا یصدق ولو قبلھا علی الفم وبہ یفتی۔ فہذا کما تری صریح فی ترجیح التفصیل واما تصحیح الاطلاق الذی ذکرہ الشارح فلم ارہ بغیرہ ثم ذکر الشامی عن القہستانی ما یدل علی المحرمۃ فی التقبیل مطلقاً واستواء فی الفم والحنۃ والذقن والرأس وقیل ان قبل الفم یفتی بها وان قبل غیرہ لا یفتی بها الا اذا ثبتت الشہوة اھ
- قال الشامی: وظاہرہ ترجیح الاطلاق فی التقبیل لکن علمت التصریح بترجیح التفصیل تامل اھ (ص ۲۶۲)

اقول وباللہ التوفیق: صورتِ مسئلہ میں احقر کے نزدیک حرمتِ مصاہرت اس وقت ثابت ہوگی جبکہ عورت یہ دعویٰ بھی کرے کہ جس وقت خسر نے اس کا بوسہ لیا

یا گلے سے لگایا یا سینہ سے لپٹا کر مٹھائی کھلائی اس وقت خیر کے عضو خاص میں انتشار پیدا ہو گیا تھا یا اگر پہلے سے انتشار تھا تو بوسہ لینے اور لپٹانے اور گلے لگانے کے وقت انتشار زیادہ ہو گیا تھا اگر عورت یہ دعویٰ نہیں کرتی تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔ اگر وہ انتشار یا زیادت انتشار کا دعویٰ کرے اور شوہر کا دل قبول کرے کہ یہ سچی ہے تو شوہر پر یہ عورت حرام ہوگئی۔ للجزئیۃ الأولى۔ اور اگر وہ یہ سب دعویٰ کرے اور شوہر کا دل اس کے صدق کو قبول نہ کرے تو مرد پر عورت حرام نہیں۔ مگر اس صورت میں خود عورت کو شوہر سے علیحدگی واجب ہوگی کہ اپنی خوشی سے شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے۔ لان المرأة كالقاضي لا يسع لها الا الحكم بعلمها اور گو بعض فقہاء نے تقبیل و معانقہ میں مطلقاً فتویٰ حرمت کا دیا ہے مگر واقعات پر نظر کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گو بعض دفعہ تقبیل و معانقہ بالمحارم کا داعیہ شہوت سے پیدا ہوتا ہے مگر بعض دفعہ وقت تقبیل و معانقہ کے شہوت باقی نہیں رہتی بوجہ حیا و خوف وغیرہ کے۔ اور شرط حرمت شہوت عند المس والتقبیل ہے نہ شہوت سابقہ نہ لاحقہ ولہذا قید حد الشہوة بزيادة الانتشار اذا كان منتشرًا قبل المس (جزئیہ ثانیہ) واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور اس صورت میں بیٹے کو واجب ہے کہ اپنی بیوی کا باپ سے پردہ کرادے اور خلوت کا کبھی موقع نہ دے اور جس گھر میں بیٹا اور اس کی بیوی رہتے ہیں وہ گھر اگر باپ کی ملک ہے تو اس گھر میں آنے سے باپ کو روکنے کا حق نہیں بلکہ بیٹے پر واجب ہے کہ دوسرا مکان کرایہ پر لے کر رہے یا بیوی کو اس کے باپ کے یہاں رکھے۔ نیز بیٹے کو باپ کا ادب و تعظیم لازم ہے اس میں کوتاہی عملاً نہ کرے گو دل کو نفرت ہو کہ طبعی نفرت معاف ہے۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۵ ذی قعدہ ۱۲۹ھ

فصل فی ارتداد الزوجین أو احدهما

عورت کا "من شریعت تو نخواہم" سوال : چہ می فرمایند علماء دین و مفتیان کہنے کا حکم۔ نیز زوجین کے بت پرستی کرنے اور تین طلاقیں کے بعد ارتداد کا حکم

وگفت تو تماشا مبین زیر کہ تماشا در شریعت ما نامشروع است زوجہ گفت من تماشا دیدم و آئندہ نیز بینم، شریعت تو نخواہم حتی کہ زبیدہ بتقریب تماشا نیروز کفار ہمدان رو از شوہرش پنهان گشتہ تماشا گاہ شامل گردیدہ علانیہ تماشا بدید درین متنازعہ زید وطن اقامتش کہ ملک برہا است فروہشتہ بوطن اصلی خود کہ ملک بنگالہ است بہفت۔ و بوقت نکاح ثانی افواہ افتاد کہ زید زوجہ اولی را ہر کہ مسماۃ زبیدہ است سہ طلاق داد اما گاہے او انکار کند و گاہے اقرار حالانکہ شاید بر آن طلاق یافتہ نشود بعد از ان بملک برہا آمدہ بزبیدہ زناشوی آغاز نہاد و اہل محلہ گرفت نمودند زید بتعلیم کد ام جال بمصاحبت زبیدہ بیت خانہ بر مارفتہ پیش بت سجدہ نمودند و بعد توبہ ہر دو تجدید نکاح ساختہ زناشوی می نمایند و بعد مرور ایام بتحریر سوالات سہ گانہ آئندہ نزدیک مفتی بنگالہ خط نوشت۔

۱۔ استخفاف و انکار شریعت زبیدہ۔

۲۔ بت پرستی زوجین۔

۳۔ سہ طلاق دادن زید زبیدہ را۔ مفتی سوال اول را بالکل ترک ساختہ

سوال دوم و سوم تحریر نمودہ جواب داد کہ سہ طلاق یک طلاق رجعی واقع گردد فقط و مفتی ثانی ہر سہ سوال تحریر ساختہ جواب داد کہ شریک شدن زبیدہ بتماشا نیروز کفار و انکار شریعت ہر دو کفر اند۔ و بمجرد وقوع این افعال نکاح ایشان باطل گردید و بعد از ان بر تقدیر پرستی طلاق زید بزبیدہ واقع نشود۔ دلشش قول رد المحتار است و محملہ المنکوحۃ ای لو معتدۃ عن طلاق رجعی او بائن غیر ثلاث فی حرۃ و ثنتین فی امة او عن فسخ لتفریق لأبواء احدهما عن الاسلام او بارتداد احدهما الخ و زبیدہ انکار شریعت و تماشا بینی خود را اقرار کند و گواہ نیز موجود است اما بعضی از مخالفان

باعث عدم بشمول سوال اول در فتویٰ اول سوال اول رادروغ میگویند اما دلیل شان بیچ نیست اکنون برزید مذکور چه حکم مترتب شود ببنوا بالدلیل۔

الجواب

اگر زبیدہ کی حالت مجموعی بے پابندی شرع ظاہر ہوتی ہے اور غالب گمان یہ ہو کہ اس کے قلب میں شریعت کا استخفاف و بے حرمتی نہیں ہے تو اس کے قول «شریعت تو نخواہم» کا مطلب یہ ہوگا کہ زبیدہ کو شوہر کے قول پر اطمینان اور کامل وثوق نہیں ہوا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے یہی حکم شرعی ہے اس لئے اس نے جواب دیا کہ میں تیری شریعت کو نہیں جانتی اصل شریعت کی تحقیر مراد نہیں اور اگر پہلے سے اس کے افعال سے شریعت کے ساتھ لاپرواہی اور بے اعتنائی آشکارا ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے اور ہنود کے میلہ کی شرکت سے کافر ہونا تغلیظاً فقہاء نے لکھا ہے پس جو لوگ اس کو کفر جانتے ہیں پھر ایسا کرتے ہوں وہ کافر ہیں اور جو جاہل ایسا کرتے ہیں ان کو کافر کہنے میں جلدی نہ کی جائے۔

۲ جیسا زید کے تین طلاق دینے پر گواہ نہیں ہیں تو اس کے اقرار پر بھی گواہ ہیں یا نہیں۔ اگر اس کے اقرار پر دو گواہ ہوں تو ان کو اہوں کو زید کی زوجہ کو مطلع کر دینا واجب ہے کہ زید نے ہمارے سامنے تین طلاق کا اقرار کیا ہے اس صورت میں زبیدہ پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ جو شخص تین طلاق سے واحدہ رجعی کا وقوع بتلاتا ہے وہ غیر مقلد گمراہ ہے اور اگر اقرار پر بھی دو گواہ نہ ہوں اور اقرار زبیدہ کے سامنے بھی نہیں ہوا تو اس صورت میں زبیدہ پر تین طلاق واقع ہونے کا کوئی ثبوت نہیں زبیدہ کو زید کے پاس رہنا جائز ہے۔ لیکن اگر زید نے واقع میں تین طلاق دی ہیں تو اس کو زبیدہ کے ساتھ شوہر کی طرح رہنا حرام ہے

۳ اس کے بعد جو زید اور زبیدہ نے بت کے سامنے سجدہ کیا ہے اس سے دونوں مرتد ہو گئے ان پر توبہ واستغفار و تجدید ایمان لازم ہے۔ وفقہما اللہ لہ و ثبتنا علیہ الی یوم الممات۔ آمین۔ اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر تین طلاق کا ثبوت پہلے ہو چکا ہے یعنی اقرار زید پر کم از کم دو گواہ موجود ہوں تو اس ارتداد سے حلالہ سا نہ ہوگا حلالہ پھر بھی کرنا پڑے گا بدون حلالہ کے تین طلاق کے بعد کسی حال میں نکاح نہیں ہو سکتا۔

قال فی الدر: اوحرة بعد ثلاث وردة ۱۹

قال الشامي : اي لو طلقها ثنتين وهي امة ثم ملكها او ثلاثا وهي حرة فارتدت ولحقت بدار الحرب ثم سبيت. وملكها لا يحل له وطؤها بملك اليمين حتى يزوجه فيدخل بها الزوج فيطلقها اهر (ص ۸۸۶)

ظفر احمد عفا عنه

حکم نکاح مرتدہ کہ بعد از اسلام آوردہ اور اس سے متعلق مزید چند سوالات

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ

زید مسلمان نے ہمراہ مسماۃ زینب مسلمہ نکاح کیا چند سال کے بعد زینب نے رابطہ ناجائز دوستی کا ہمراہ خالد مسلمان پیدا کر لیا اور زینب خالد کے گھر بارادہ بد آنے جانے لگی ایک دن زید نے زینب کو کہا کہ چونکہ خالد تمہارا نامحرم ہے اس کے گھر مت جایا کرو اس پر زینب نے اس کو جواب دیا کہ میں جایا کروں گی اور ہرگز خالد سے باز نہ آؤں گی اس بات کو سن کر خالد کو بھی غصہ آیا اس لئے خالد نے زینب کو کہا کہ تو مذہب نصرانیت (عیسیٰ) اختیار کر لے پھر مذہب عیسائیت اختیار کر لینے کے بعد حکام وقت کے محکمہ میں دعویٰ منسوخی نکاح کا کر لینا جب تمہارا نکاح کو حکام وقت توڑ دیں گے تو بعدہ پھر تم مسلمان ہو جانا پھر تو (یعنی زینب) اور میں (یعنی خالد) آپس میں نکاح شرعی کر لیں گے۔ الغرض خالد نے یہ حیلہ مسماۃ زینب کو سکھلایا بعدہ زینب نے خالد کے کہنے پر مذہب عیسائیوں کے گرجا گھر میں جا کر مذہب عیسائیت اختیار کر لیا اور بعدہ حکام وقت کی عدالت میں باہن مضمون دعویٰ دائر کر دیا کہ میں نے مذہب عیسائیت اختیار کر لیا ہے میرا نکاح زید سے قانوناً توڑ دیا جائے۔ اب التماس ہے کہ براہ نوازش و کرم مندرجہ ذیل مسائل کے جواب سے مشکور و ممنون فرمایا جائے۔

۱ جبکہ زینب نے مذہب عیسائیت اختیار کر لیا ہے کیا بروئے شرع محمدی کے زید اور زینب کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے یا نہ؟ فقہاء تو فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اور مرتدہ کا نکاح نہیں ٹوٹتا بطور مفتی یہ کہے

۲ جبکہ خالد نے مسماۃ زینب کو مذہب عیسائیت اختیار کرنے کے لئے کہا اور اس کے کہنے پر زینب نے مذہب عیسائیت اختیار کر لیا تو خالد بروئے شرع محمدی کے کافر ہو جاتا ہے یا نہ؟ اگر نہیں ہوتا تو رضایا لکفر، کفر کا مطلب کیا ہے؟

۳ صورت متذکرہ میں علاوہ خالد کے جو شخص مسلمان مسماۃ زینب کی امداد دربارہٴ فسخ نکاح کے کر رہے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے کیا ان کو مسماۃ زینب کی امداد کرنی چاہئے یا کہ نہ؟

۴ اگر حکام وقت زید اور زینب کے نکاح کو توڑ دیں اور بعدہ پھر زینب مسلمان ہو جائے تو کیا زینب بروئے شرع محمدی کے خالد ترغیب دہندہ متذکرہ کے نکاح میں آسکے گی یا نہ؟

۵ کیا اگر زینب کسی وقت مذہب عیسائیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو جائے تو کیا اس کی توبہ منظور ہوگی یا نہ؟ اور بصورتِ توبہ منظور ہونے کے اگر زینب مسیحی زید کو نکاح کرنا چاہے تو تجدیدِ نکاح کی جائے گی یا کہ نہ؟

۶ اگر بالفرض زینب نے عدا زبانا تو مذہب عیسائیت اختیار کر لیا ہو لیکن اس کا اعتقاد مذہب اسلام کا ہو تو پھر زینب کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ فقہاء تو فرماتے ہیں کہ اعتقاد کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا کما فی البحر: من تکرر بکلمۃ الکفر ہا زلاً اولاً عیاً کفر عند الکل ولا اعتبار باعتقاده الخ یتنوا بالصحة وبالکتاب توجروا۔

الجواب

۱ نکاح تو ٹوٹ گیا مگر زینب کو زید کے سوا کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے کا حق نہیں بلکہ زید جبر و قہر سے اُس کو اپنے قبضہ میں باندی بنا کر رکھے مگر اس سے مقاربت نہ کرے۔ کیونکہ اس میں روایات مختلف ہیں اس لئے احتیاط کے خلاف ہے اور اس عورت کو مجبور کیا جائے کہ مذہب اسلام کی طرف رجوع کرے اگر وہ اسلام کی طرف رجوع کر لے تو پھر زید اس کو آزاد کرے اس سے نکاح کرے۔ والمسئلة فی الدر مع الشامیۃ ص ۶۶۲ والعالمگیریۃ (ص ۵۱۱)

۲ خالد صورتِ مسئلہ میں کافر ہو گیا۔ تلقینِ کفر کفر ہے صیح بہ فی العالمگیریۃ (ص ۵۱۱)

۳ نکاح تو فسخ ہو گیا لیکن جو لوگ زینب کو زید سے الگ کرنے کی سعی کر رہے ہیں وہ گناہگار ہیں اور اگر وہ زینب کے کفر سے راضی ہیں تو ان کا بھی وہی حکم ہے جو خالد کا اوپر گزرا۔

۴ زینب کو زید کے سوا کسی سے بھی نکاح کرنے کا حق نہیں اس کو زید ہی کے پاس

سہنے پر مجبور کیا جائیگا۔ اگر وہ مرتد نہ ہوتی بلکہ طلاق یا خلع سے الگ ہوتی تو پھر کسی دوسرے سے نکاح کرنے کا حق تھا اب یہ حق ہرگز نہیں۔

۵ ہاں۔ تو یہ ہر وقت قبول ہے اور وہ زید سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح کر دیا جائے بلکہ زینب کو اسی پر مجبور کیا جائے

۶ زبان کا اعتبار اکراہ میں نہیں ہوتا اور جو شخص بدوین اکراہ کے محض نفس کی خواہش یا لعب کے طور پر زبان سے کلمہ کفر نکالے وہ کافر ہے اس وقت اعتقاد کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ دین کے ساتھ لعب اور گھیل کرنا خود کفر ہے واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ از تھا بھون۔ ۲۹ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ

عورتوں کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا۔ سوال: ایک عورت کافرہ کو ایک مجمع

عام میں مسلمان بنایا گیا بعد از مسلمان بنانے کے ایک شخص زید اہل اسلام سے اسی مجمع میں نکاح کر دیا گیا یہ عورت بحالت کفر کافر کے نکاح میں تھی یعنی شادی شدہ تھی مگر اسلام سے قبل چھ ماہ اس عورت کی باقاعدہ ان کی جماعت میں فارغ خطی یعنی ان کے قواعد کے موجب طلاق ہو گئی تھی عین وقت اسلام وہ کسی کے نکاح میں نہ تھی اسلام سے مشرف کر کے اسی مجمع میں نکاح شرعی باقاعدہ پڑھایا گیا یہ عورت تخمیناً ۴۲ سال شوہر اسلامی کے ہمراہ رہی اولاد بھی ہوئیں۔ گردشِ زمن سے ایک اسلامی نے اس سے ناجائز تعلق پیدا کرنے کی غرض سے اس کی بہن کافرہ کو ورغلا یا اس نو مسلمہ کو اس کی بہن کافرہ کی معرفت و وساطت سے بہکا ورغلا کر نکلوا یا۔ زید نکاح نو مسلمہ نے اس شخص پر بھگا کر لیجانے کا مقدمہ دائر کیا اور ناجائز تعلق کرنے کا عورت کو ملزم چھوٹے بچوں کی وجہ سے نہیں بنایا صرف گواہی کے لئے بچا لیا تھا۔ بھگا کر لیجانے والے کو سخت جرم کی سزا میں مبتلا کر دیا جاتا مگر عورت نے اس کو بچانے کی خاطر مصلحت وقت دیکھ کر کورٹ میں کہہ دیا کہ مجھے یہ بھگا کر نہیں لے گیا۔ مجھ سے بد فعلی نہیں کی۔ اور میں تو اس کے نکاح میں نہیں ہوں اور نہ ہی مسلمان ہوئی ہوں اس کے اسلام کا کورٹ کو ثبوت پہنچایا گیا مگر چونکہ مقدمہ دوسرے پر تھا اس کے بھگانے سے انکار پر اس کو رہا کر دیا۔ اس شخص نے موقع پا کر چند اشخاص کے ہمراہ اس عورت کو نائب قاضی کے پاس لیکر پہنچا، کہا کہ اس کو مسلمان کر کے نکاح پڑھا دیجئے۔ نائب قاضی نے دریافت کیا عورت سے کہ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام سکینہ ہے قاضی کو شبہ ہوا کہ یہ لوگ تو مسلمان کر کے

نکاح کرنے کو کہتے تھے اور یہ تو مسلمان معلوم ہوتی ہے۔ ناسب قاضی نے نکاح سے انکار کر دیا وہ لوگ قاضی شہر کے پاس گئے وہاں سے رقعہ لکھوا کر لائے کہ ان کا سر دست نکاح پڑھا دو تب قاضی نے نکاح پڑھایا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ دوسرا نکاح شرعاً صحیح ہو گا یا نہیں؟
 (۲) اگر کوئی عورت مسلمان یا نو مسلمہ کسی اور مسلمان سے نکاح کرنا چاہے اور خاوند نہ چھوڑے تو مسلمان عورت مندر میں چلی جائے یا کفر کا کام کر لے اسی طرح نو مسلمہ اپنے اسلام کا انکار کرے آیا یہ عورتیں اپنے یا ربہکانے والے سے شرعاً نکاح کر سکتی ہیں یا نہیں؟ اور اسی طرح اسلام سے انکار کرنے سے ان کی مراد پوری ہوگی یا نہیں؟ بیتوں اور حروا

الجواب

(۱) اس عورت کا پہلا نکاح تو صحیح ہو گیا کیونکہ وہ اسلام لانے سے پہلے کافر مرد کے نکاح سے علیحدہ ہو چکی تھی اور دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا بلکہ یہ عورت بدستور زید کے نکاح میں ہے بوجہین الاول التردد فی ارتدادھا بقولھا «اور نہ ہی مسلمان ہوتی ہوں» فان الظاهر انما نفت عنها الاسلام كاذبة مصلحة ولم ترد بذلك الخروج عن الاسلام۔ والثاني ما في رد المحتار (جلد ۲۶۹) من فتوى الدبوسی والصفار وغيرهما بعدم وقوع الفرقة بارتداد الزوجة عن زوجها والله تعالى اعلم۔ غرض دوسرے شخص سے اس کا نکاح باقی نہیں رکھا جاسکتا مگر احتیاط یہ ہے کہ دوسرے خاوند سے جبراً طلاق لیکر بعد عدت کے زید سے دوبارہ نکاح کر دیا جائے بشرطیکہ وہ اس عورت کو اب بھی رکھنا چاہتا ہو اور اگر نہ رکھنا چاہتا ہو تو سوال دوبارہ لکھا جائے وھذا اكله بالقواعد ولم نره صريحاً۔

(۲) جو عورت اپنے خاوند سے علیحدہ ہونے کے لئے مرتد ہو اس کا نکاح دوسرے شخص سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کو جبر کر کے پہلے ہی خاوند سے نکاح کرنے پر مجبور کیا جائیگا وافق الدبوسی والصفار بعدم وقوع الفرقة رداً علیہا بآراء ما تقدم۔ والله اعلم۔

ظفر احمد عفاعنہ۔ از تھانہ بھون
 خانقاہ امدادیہ

۱۔ ہدایہ باب الاکراه اور عالمگیریہ میں اخبار عن الکفر کا فیما سے مرتد ہو جائے گی تصریح موجود ہے۔
 ۲۔ انما ذکرنا هذا القول تأييداً واعتقداً للتردد فی ارتداد المرأة ولا نفق به فيما اذا كانت الارتداد قطعاً۔ ظفر

فصل فی الظہار والایلاء واللعان

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ ایک شخص اپنی عورت سے جھگڑا کرتے ہوئے عین جھگڑے میں یہ کہا کہ ”اگر میں تیرے

شوہر نے کہا ”اگر تیرے ساتھ جینا کروں تو تیرے پیٹ سے پیدا ہوئے سریکا کر کے“

ساتھ جینا کروں تو تیرے پیٹ سے پیدا ہوئے سریکا کر کے“ یہ قول اس کا کیسا ہے؟ اس قول سے نکاح فاسد ہوتا ہے یا طلاق واقع ہوتی ہے یا ظہار واقع ہوتا ہے یا لغو ہے؟
بتینوا تو جروا

تنجاور کیل واسل کوچہ عطاران متصل مسجد
مدرس حافظ محمد عبدالجبار علاقہ مدراس

الجواب

یہ قول لغو ہے مگر ایسا کہنا مکروہ ہے اس سے گناہ ہوتا ہے باقی ظہار یا طلاق کچھ نہیں ہوا۔

قال فی الہندیۃ : لو قال : ان وطئتک وطئت امی فلا شیء علیہ اھ
(مک ۱۲ ج ۲ - ۲)

سوال : عرض یہ ہے کہ ایک آدمی نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو کہا کہ میں اگر تمہارے

”تمہارے گھر جاؤں تو ماں کے گھر جاؤں“ نہ طلاق ہے نہ ظہار

گھر میں جاؤں تو اپنی ماں کے گھر جاؤں۔ اور محقق نے یہ بھی اس کے جواب میں کہا کہ میں اگر تم کو بلاؤں تو اپنے باپ کو بلاؤں۔ اس مسئلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ امید ہے کہ بالتوضیح و مدلل بیان کرنے سے غایت درجہ کی مسرت ہوگی۔

سائل : محمد عبدالباری

۵ گوراجاندہ میں مسجد کلکتہ

الجواب

اس لفظ سے کچھ نہیں ہوا نہ ظہار نہ طلاق کیونکہ عورت کے گھر کو ماں کے گھر سے تشبیہ

دینانہ الفاظ ظہار سے ہے نہ الفاظ طلاق سے۔

قال فی الدّر: وان نوئی بانّت علی مثل اقی او کأقی وکذا الوحذف علی خانیة، برا او ظہاراً او طلاقاً صحت نیّتہ ووقع مانواہ لانہ کنایة والاینو شیئاً أوحذف الکاف (بان قال: انت اقی یدلّ علیہ مانذکرہ عن الفتح من انه لابد من التصریح بالاداة (شامی) لغاویکرة قوله: انت اقی یا ابنتی ویا اختی ونحوہ اھ (منہ) قلت: وقوله: ان دخلت بیتک دخلت بیت اقی اھون من قوله: انت اقی فلما لفا هذا عدم اداة التشبیہ فالغاء ذلك اولاً والسرفیہ ان یحذف اداة التشبیہ لا ینفید اللفظ معنی التحریم شرعاً وهو المدار لصحة الظہار والطلاق۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ۔ از تھانہ بھون

۲۱ رجب ۱۳۲۶ھ

بَابُ الْعِلَّةِ

نومسلمہ کی عدت کا حکم | سوال: ایک ہندو عورت مسلمان ہوئی اور وہ کسی شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہے دور روز ہوئے ہیں مسلمان ہوئی تو اس کا نکاح پڑھایا جائے یا کہ نہیں؟ اور اگر پڑھایا جائے تو کب؟ کیا اس کے لئے بھی عدت ہے۔ جو حکم ہو اطلاع بخشیں۔ فقط

محمد حسین عفی عنہ بہاؤ پارہ

الجواب

جب کوئی ہندو عورت مسلمان ہو جائے تو اگر وہ پہلے سے کسی ہندو کے نکاح میں نہ تھی تب تو مسلمان ہوتے ہی اس کا نکاح ہو سکتا ہے اور اگر کسی ہندو کے نکاح میں تھی تو تین حیض گزرنے کے بعد اس کا نکاح پہلے شوھر سے ٹوٹیکا اس سے پہلے وہ اسی کافر کے نکاح میں ہے لہذا اس مدت میں اس کا نکاح کسی مسلمان سے بالکل درست نہ ہوگا۔ پھر تین حیض گزرنے کے بعد جب نکاح ٹوٹ گیا تو اگر کافر نے اس سے صحبت نہ کی تھی صرف نکاح ہی ہوا تھا تو اب دوسری عدت کی ضرورت نہیں اور

اگر صحبت بھی کی تھی تو صاحبین کے نزدیک دوسری عدت کی اور ضرورت ہے اور امام صاحب کے نزدیک ضرورت نہیں۔

قال في عالمگیریہ : و اذا اسلم احد الزوجین فی دار الحرب ولم یكون من اهل الکتاب او کانا والمرأة هی التي اسلمت فانه یتوقف الفطاع النکاح بینها علی مضي ثلاث حیض سواء دخل بها او لم یدخل بها کذا فی الکافی۔
(الی ان قال) وهذه الحیض لا تكون عدّة ولهذا یستوی فیها المدخول بها و غیر المدخول بها ثم اذا وقعت الفرقة قبل الدخول بذلک فلا عدّة علیها وان کان بعد الدخول والمرأة حربیة فذلک وان کانت هی المسلمة فذلک الجواب عند ابی حنیفة رحمہ

ظفر احمد

ارجاء الاولیٰ منکم

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کی بدفعلی دیکھ کر عرصہ تین سال کا ہوا چھوڑ کر پردیس چلا گیا۔ معلوم ہوا کہ اپنے ملک سے تھوڑے فاصلہ پر ہی ہندہ کے رشتہ دار وہاں جا کر زید کو لے آئے ہندہ نے اپنا مہر جو زید نے دیا تھا بخش کر خلع کر لیا۔ ہندہ مذکورہ فعل زنا سے حاملہ بھی ہے آیا اب پہلے شوہر کی عدت کے اندر جس سے وہ زنا کے سبب حاملہ ہوئی ہے اس کے ساتھ نکاح کر دینا جائز ہے۔ یا بعد گزرنے عدت کے؟ اس کا جواب بحوالہ کتب جلد از جلد عنایت فرمائیں

راقم پیش نام عبدالحفیظ عفی عنہ کلبدرد

پوسٹ ضلع شمالی ارکاٹ

الجواب

صورت مسئلہ میں وضع حمل سے پہلے اس عورت کا نکاح کسی سے نہیں ہو سکتا کیونکہ

لہ قولہ فی دار الحرب وکذلک فی دار الاسلام فالعید اتفاق

لہ قولہ والمرأة هی التي اسلمت الخ اما اذا اسلم الزوج فقط لا ینقطع النکاح بعد مضي ثلاث حیض ایضاً لصحة النکاح بالکتابیة بخلاف المشرکة فان زوجها اذا اسلم یقع بینہما فرقة بعد ثلاث حیض

وضع حمل سے پہلے وہ عدت کے اندر ہے اور عدت میں شوہر سابق کا نکاح مرتفع نہیں ہوتا
 قال فی الدر: والحامل مطلقاً ولوامة او کتابیة او من زنا تعتد بالوضع اه
 قال الشامی عن الحاوی الزاہدی: اذا حبلت المعتدة وولدت تنقضی به

العدة سواء كان من المطلق او من زنا اه (ص ۹۹۴ ج ۲)

اور اس حمل کو حمل زنا اور اس کے پیدا ہونے کے بعد بچہ کو ولد الزنا نہیں کہہ سکتے۔
 اگر شوہر اول اس کو حمل زنا نہیں کہتا جب تو ظاہر ہے اور اگر وہ اس کو حمل زنا کہتا ہے
 تو اس کا حکم لعان ہے۔ قاضی شرعی کے سامنے لعان ہو کر جب تفویق ہو جائے اس
 وقت یہ حمل اور ولد زوج اول سے منقطع النسب ہوگا اور بدون اس کے شوہر اول ہی
 کا شمار ہوگا۔

ففی الحدیث المشہور: الولد للفراش وللعاهر الحجر۔ واللہ اعلم
 حرره الاحقر ظفر احمد عفاعنه

۱۸ محرم ۱۳۵۵ھ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان
 شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا نکاح
 عثین کی زوجہ مطلقہ غیر مدخولہ پر
 خلوت صحیحہ کی وجہ سے عدت لازم ہے
 اس کے ماں باپ نے ایک مادر زاد نامرد کے ساتھ کر دیا اس نے کئی سال تک اس
 کے ساتھ نباہ کیا۔ خواہش نے مجبور کیا۔ طلاق لے لی۔ اب اس عورت کو نکاح ثانی کی
 بہت عجلت ہے اور خواہش نے مجبور کر رکھا ہے۔ وہ عدت پورا کرنے کو نہیں مانتی،
 وہ کہتی ہے کہ جب میں اس کے ساتھ کبھی ہم بستر نہیں ہوتی تو پھر عدت کو کیوں پورا کروں
 کا ذہلہ ضلع مظفر نگر شمشیر جنگ

الجواب

قال فی الدر: والخلوة بلا مانع حتی وطبعی وشرعی كالوطئ ولوكان
 الزوج محبواً او عثیناً او خصیاً او خنثیاً ان ظہر حاله فی ثبوت النسب وتاکد
 المهر والنفقة والسكنی والعدة اه (ص ۵۵۹ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ عثین کی بیوی پر بھی عدت واجب ہے جبکہ وہ تنہا مکان
 میں ایک بار شوہر کے پاس رہ چکی ہو گو ہم بستر نہ ہوتی ہو۔
 حرره الاحقر ظفر احمد
 ۱۴ صفر ۱۳۵۵ھ

مسئلہ ممتدة الطهر | سوال : کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی پس اس حالت میں ایک سال گزرا حیض نہیں آیا عمر اس کی ۲۵ سال ہے اب اس عورت نے دوسرے سے نکاح کر لیا۔ نکاح کرنے کے بعد اس مرد کے گھر میں دو حیض آیا اور ایک قبل نکاح کے آیا تھا پھر حیض نہ آنے لگا اب اس نے بھی طلاق دیدی پس اس حالت میں چھ یا سات ماہ گزرا حیض نہیں آیا اب اس عورت سے مرد اول نے نکاح کر لیا۔ نکاح اس کا صحیح ہو یا نہیں؟ حکم صادر فرمائیں۔

تنقیح : اس سوال میں امور ذیل دریافت طلب ہیں ان کا مفصل جواب آنے پر جواب دیا جائیگا۔

- ① مرد اول نے کتنی طلاق دی ایک یا دو یا تین؟
 - ② اس عورت کو حیض طلاق دینے سے قبل کبھی آیا تھا یا نہیں؟
 - ③ طلاق کے کتنے روز بعد وہ حیض آیا جو نکاح ثانی سے قبل لکھا ہے۔
- نوٹ :** اول تو یہ لکھا ہے کہ ایک سال گزرا حیض نہیں آیا اب دوسرے سے نکاح کر لیا پھر لکھا کہ ایک حیض قبل نکاح کے آیا۔ اس میں صریح تعارض ہے۔ لہذا صاف طور پر صحیح واقعہ لکھنا لازم ہے۔

عبد الکریم عفی عنہ۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۱۵۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ

جواب تنقیح

- ① مرد اول نے تین طلاق دی۔
- ② اس عورت کو حیض طلاق دینے کے قبل کبھی نہیں آیا۔
- ③ طلاق کے ایک سال بعد ایک حیض آیا پس دوسرے سے نکاح کر لیا پھر نکاح کے بعد اور دو حیض آیا۔ اب مرد ثانی نے تین طلاق دی پس اس طلاق کے بعد چھ ماہ گزرا بدون حیض کے مرد اول نے نکاح کر لیا۔

الجواب

مرد اول نے جو نکاح کیا ہے وہ صحیح نہیں ہوا کیونکہ زوج ثانی کی طلاق کے بعد عدت (یعنی تین حیض) پوری نہیں ہوئی حالانکہ اس عورت کی عدت تین حیض ہے۔

کما فی الدر المختار، (او بلغت بالسن) وخرج بقوله (ولم تحض) الشابة الممتدة

بالطهر بان حاضت ثم امتد طهرها فتعد بالحیض الى ان تبلغ بسن الاياس - جوهرۃ
وقال الشامی : (قوله : بلغت بالسن) ای خمسة عشر سنة عن العناية ومثلها
لو بلغت بالانزال قبل هذه المدة -

یہ توجیب ہے کہ زوجِ ثانی کا نکاح صحیح ہو گیا ہو ورنہ اس کی طلاق کے بعد تین حیض گزر جانے
پر بھی زوجِ اول سے نکاح جائز نہیں کیونکہ تحلیل کے لئے نکاح صحیح ہونا شرط ہے -

کما فی الدر المختار مع الشامی ص ۸۸ (لا مطلقة بها) بالثلاث (لو حرة وثنین لو امة حتی
یطأها غیره ولو مراہقاً بنکاح) نافذ خرج الفاسد والموقوف -

اور نکاح زوجِ ثانی کی صحت اور بطلان کی تحقیق کی ضرورت پڑے تو امور ذیل مفصل
لکھ کر سوال کیا جائے -

- ① جب زوجِ اول نے طلاق دی تو عورت کی کیا عمر تھی ؟
- ② اگر عمر ۱۵ سال سے کم تھی تو کوئی نشانِ بلوغ پایا گیا تھا یا نہیں ؟
- ③ جو حیض طلاق سے سال بھر بعد آیا اس سے قبل کیا عمر بھر کبھی حیض نہیں آیا ؟ فقط
واللہ اعلم

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ

۱۹ جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ

احقر عبد الکریم عفی عنہ

۱۹ جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ

سوال : مرضعہ (جس کو بوجہ رضاعت حیض بند
رہتا ہے) کی عدت کس طرح شمار ہوگی بوجہ ارضاع
مرضعہ کی عدت کس طرح شمار ہوگی
جبکہ بوجہ رضاع حیض بند رہتا ہے
ولد جو عورت طاہر ہو اس طہر مدت میں وطی کے بعد طلاق دیجائے تو کوئی گناہ تو نہیں آیا
یہ طلاق سُنی ہو سکتی ہے ؟

محمدا ممدوری مددگار مدرس مدرسہ اسلامیہ
قصبہ مدور تعلقہ چیرپال ضلع نلگنڈہ حیدرآباد دکن

الجواب

مرضعہ مطلقہ کی عدت تین حیض ہے چاہے وہ تین حیض تین سال میں آئیں لان ذوات
الحیض عدتھن ثلاثة قروء اور مرضعہ کو طلاق دینا طلاق فی الطہر ہے پس اگر مرضعہ سے حالت

ارضاع میں وطی نہ کی ہو تو یہ طلاق سنت ہوگی ورنہ نہیں لان طلاق السنة ما كان في الطهر
لاوطي فيه ولا يصح قياسه على الحمل فان حمل الحامل لا يتصور ولا كذلك المرضعة۔
ولهذا استثنى الفقهاء الأيسة والصغيرة والحامل فقط حيث قالوا بجواز طلاقهن
عقب الوطى لفقد توهم الحمل ولم يستثنوا المرضع كما يظهر من الدر والشامی ص ۶۸۶
والله اعلم

حرره الاحقر ظفر احمد عفاعنه از تھانہ بھون

خانقاہ اشرفیہ - ۲۰ شعبان ۱۳۶۶ھ

خلع کی عدت ایک حیض ہے یا تین حیض | سوال : خلع کی عدت کتنی ہے؟ تین حیض

ہے یا ایک حیض؟ زید کہتا ہے کہ خلع کی عدت ایک حیض ہے اور نیل الاوطار کے مطابق ۱۴۳ و ۱۴۲
کا حوالہ بھی دیا ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ خلع کی عدت تین حیض ہوگی کیونکہ خلع سے طلاق بائن واقع
ہوتی ہے حکم شرعی کس کے قول کے موافق ہے؟ مع حوالہ کتب حدیث جواب عنایت فرمائیں

الجواب

خلع کی عدت طلاق کی طرح تین حیض ہے جس کی دلیل مؤطا مالک کی یہ روایت ہے
مالك عن نافع ان ربيعة بنت معوذ بن عفرأ جاءت هي وعمتها الى عبد الله بن
عمر فاخبرته انها اختلعت من زوجها في زمن عثمان فبلغ ذلك عثمان بن عفان فلم ينكره
قال عبد الله بن عمر: عدتها عدة المطلقة۔ مالك انه بلغه ان سعيد بن المسيب
وسلمان بن يسار وابن شهاب كانوا يقولون عند المختلعة مثل عدة المطلقة ثلاثة قروء
(ص ۲۱۵)

اور جن لوگوں نے خلع کی عدت ایک حیض بتلائی ہے وہ ابن ماجہ کی ایک روایت سے
استدلال کرتے ہیں مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ اس میں محمد بن اسحاق عبادہ بن الولید
بن عبادہ بن الصامت سے راوی ہے اور وہ مجہول ہیں۔ دوسرے اس میں یہ مذکور ہے
کہ حضرت عثمان نے ربیعہ بنت معوذ بن عفرأ کو ایک حیض کی عدت بتلائی اور ان کا یہ فیصلہ
ثابت بن قیس کی بیوی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے موافق تھا اور ثابت
بن قیس کے متعلق بخاری میں یہ الفاظ ہیں: "قال له: اقبل المديقة وطلقها تطليقة"
جس سے خلع کا حکم طلاق ہونا صاف ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔ حرره ظفر احمد عفاعنه
۲۰ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ

وجوب عدت ثبوت نسب کے تابع ہے | سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ صغریٰ میں اس کا نکاح دوسرے شخص سے ہو چکا تھا اور دخول نہ ہوا تھا بلکہ مسکس بھی نہیں ہوا پس شوہر اول کو کچھ مال دیکر طلاق حاصل کی گئی اب زید جو اس سے نکاح کی تجدید کرے تو آیا انقضائے عدت کا انتظار واجب ہے یا نہیں ؟ اور عدت واجب ہے یا نہیں ؟ شبہ اس سے یہ ہوا کہ لڑکی کا پیدا ہونا حکماً موطوءۃ الاول ہونے کی علامت ہے یا نہیں ؟ - والسلام -

الجواب

صورتِ مسئلہ میں چونکہ نکاح اول کے بعد زوجین میں مقاربت نہیں ہوئی بلکہ اصلاً مسکس نہیں ہوا اور اس کے بعد دوسرے شخص سے نکاح لاحق ہوا اور لڑکی نکاح ثانی سے چھ ماہ بلکہ مدت زائدہ کے بعد پیدا ہوئی جو قولِ مفتی بہ کے موافق زوجِ ثانی سے ثابت النسب ہے تو اس لڑکی کا تولد وطی زوج اول کی دلیل نہ ہوگی اور طلاق زوج اول کے بعد عدت بھی واجب نہ ہوگی کیونکہ وجوب عدت ثبوت نسب کے تابع ہے جب اول سے ثبوت نسب نہیں تو عدت بھی واجب نہیں۔ قال فی الدر: غاب عن امرأته فتزوجت بآخر ولدت اولاداً فالاولاد للثانی علی المذهب (ان انت به لا کثر من ستۃ اشهر من عقد الثانی۔ شامی) وعللہ ابن الملک بانہ المستقرش حقیقۃ فالولد للفراش الحقیقی وان کان فاسداً (۱۳۸) وفي البحر عن الفتح: واذا لم یثبت النسب لم تجب العدة (۱۳۹) قلت: واذا لم تجب العدة لم تجب موطوءۃ للزوج الاول۔ واللہ اعلم حررہ ظفر احمد عفا عنہ ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ

سوال : تین طلاق والی عورت نے عدت گزار کر دوسرے خاوند سے نکاح کیا اور دوسرے شوہر سے صحبت کرانے کے بعد یہ عورت کافرہ ہو گئی تو پہلے شوہر سے جس نے تین طلاقیں دی

مطلقہ ثلاث بعد انقضائے عدت نکاح ثانی اور صحبت کرانے کے مرتد ہو گئی مسلمان ہونے کے بعد زوج اول کے ساتھ بدون عدت پوری کئے نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

ہیں اب بلا عدت پوری کئے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب : عدت پوری کئے بغیر پہلے شوہر سے نکاح نہیں کر سکتی۔

ففي الدر المختار عن كافي الحاكم : وان لحقت المرتدة بدار الحرب كان لزوجهما ان يتزوجا قبل ان تنقضي عدتها وان عادت مسلمة كان لها ان تتزوج من ساعتها اه (ص ۳۳۳) قلت : فقيد الحاق يشتر بانها لا تتزوج من ساعتها بدون الحاق وتباين - والله اعلم - ظفر احمد عفا عنه

۱۳/۱۲/۴۸

زنا کی عدت نہیں ہے | سوال : بے شوہر والی عورت نے زنا کیا کرنے والے کے سوا اور مرد سے بلا عدت پوری کئے نکاح کرنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب

بدون عدت کے نکاح کر سکتی ہے کیونکہ زنا کی کوئی عدت نہیں مگر زنا کے بعد سے ایک حیض آنے تک شوہر اس کے ساتھ جماع نہ کرے (صریح بہ فی الدر)۔ اور اگر اس کو زانی کا حمل رہ گیا ہو تو مجامعت وضع حمل تک جائز نہیں۔ واللہ اعلم

حررہ ظفر احمد عفا عنه

۱۳/۱۲/۴۸

فصل فی الحداد

بغرض دفع غم معتدہ وفات کا گھر سے | سوال : معتدہ وفات جس کو شوہر کی وفات کا بہت صدمہ ہے، تخفیف غم اور دل بہلانے کے لئے صبح سے شام تک کے واسطے اپنے والدین کے مکان پر جا سکتی ہے یا نہیں ؟ شب کے وقت شوہر کے مکان پر رہے گی۔ نیردن میں کسی رشتہ دار بیمار کو دیکھنے یا اس کی تجہیز و تکفین میں شرکت کے لئے جا سکتی ہے یا نہیں ؟

محمد کفایت اللہ عفی عنہ

الجواب

قال فی الدر : وتعتدان ای معتدة طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منه الا ان تخرج او یمنعہما المنزل او تخاف انہما امه او تلف مالہما اولاتجد کراء البیت ونحو ذلك من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیہ اه

وفيه ايضاً قبله : ومعتدة موت تخرج في الجديدين وتبيت اكثر الليل في منزلها لان نفقتها عليها فتحتاج للخروج حتى لو كان عندها كفايتها صارت كالمطلقة فلا يحل لها الخروج "فتح" اهـ (ص ۱۲ ج ۲)

صورتِ مسئلہ میں اگر طبیب حاذق مسلم یہ تجویز کر دے کہ اس بیوہ کو تخفیفِ غم کے لئے اس گھر سے نکلنا اور دوسرے گھر میں جا کر دل بہلانا ضروری ہے ورنہ یہ بیمار ہو جائے گی یا ہلاکت کا اندیشہ ہے تو خروج من البیت جائز ہے۔ پھر اگر دن میں نکلنا کافی ہو تو رات کو مکانِ زوج پر آنا واجب ہوگا ورنہ جب تک ضرورت ہو اس وقت تک رات اور دن بھی دوسرے مکان میں رہ سکتی ہے کیونکہ ضرورتِ شدیدہ اور حاجت کے وقت خروج جائز ہے۔ واللہ اعلم
حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۲۵ شوال ۱۳۴۳ھ

سوال : کیا فرماتے علماء دین اس مسئلہ میں عرصہ دو ماہ کا ہوا کہ زید کا انتقال ہو گیا۔ ایک زوجہ اور دو خور و سال بچے اور کچھ اثاثہ چھوڑا زوجہ زید عدت میں ہے بچے اس کے پاس ہیں جو کچھ اثاثہ تھا وہ سب زید کے بہن بھائیوں نے اپنے قبضہ میں کر لیا زید کی زوجہ اس وقت ہر طرح سے تنگ ہے اور زید کے بھائی اس کو ہر طرح کی تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ زید دوسرے شہر میں رہتا تھا چونکہ زید کی زوجہ کے والدین دوسرے شہر میں سکونت پذیر ہیں اس لئے وہ غیر شہر میں کسی طرح سے بھی اپنی دختر (زوجہ زید) کی امداد نہیں کر سکتے۔ اور زوجہ زید کے والدین کے رشتہ داروں میں وہاں کوئی ایسا ہے کہ عدت تمام ہونے تک زوجہ زید اور اس کے بچوں کی خورد و نوش اور ضروری اخراجات کی خبر گیری کر سکے۔ زوجہ زید کے والدین اب یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنی دختر (زوجہ زید) کو اپنے شہر میں لا کر اس کی اور اس کے بچوں کی خبر گیری کریں۔ از روئے شرع شریف ایسی حالت میں زوجہ زید اور اس کے بچوں کو وہاں سے اپنے شہر میں لانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

قال في الدر : وتعتد ان ای معتدة طلاق وموت في بيت وحبت فيه ولا يخرجان منه الا ان تخرج او ينهدم المنزل او تخاف انهدامه او تلف مالها او لا تجد كراء البيت ونحو ذلك من الضرورات فتخرج الى اقرب موضع اليه

(و حکم ما انتقلت الیہ حکم المسکن الاصلی فلا تخرج منه شامی ص ۱۲۲)
 صورتِ مسئلہ میں زوجہ زید اپنے والدین کے شہر میں جا سکتی ہے کیونکہ مجبوری کی حالت
 ہے پھر اس کو چاہئے کہ والدین کے گھر پہنچ کر عدت پوری کرے اور اس گھر سے قبل اتمامِ عدت بلا
 ضرورت دن کو بھی نہ نکلے اور رات کو نکلنا تو ضرورت سے بھی نہ چاہئے لیکن اضطرار کی حالت
 مثل خوف ہدم وغیرہ ہر حال میں مستثنیٰ ہے۔ فقط

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۰ محرم ۱۳۲۵ھ

ضرورتِ نفقہ کے علاوہ معتدہ وفات | سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین درین مسئلہ کہ
 دوسری ضرورت یا کئے لئے گھر سے نکل سکتی ہے یا نہیں | ایک عورت عدتِ موت گزار رہی ہے اس کا لڑکا
 اور بہن بیمار ہیں اور علاج وغیرہ کے لئے کوئی مرد وغیرہ گھر میں ہے نہیں تو وہ حکیم کو مریضوں
 کی اطلاع کے لئے اور دوا کے لئے جا سکتی ہے یا نہیں ؟ فقط والسلام
 حافظ ولی محمد قنوجی

الجواب

ضرورتِ نفقہ کے علاوہ نکلنے میں اختلاف ہے اس لئے احتیاط اس میں ہے
 کہ صورتِ مذکورہ میں مکان سے باہر نہ جائے لیکن جب دوا وغیرہ کا انتظام کوئی اور نہ
 کرے اور دوا نہ کرنے سے مرض بڑھنے کا اندیشہ ہو یا خود اس عورت کو بدون علاج
 کے پریشانی ہو تو دوسرے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ سخت ضرورت کی مقدار چلی جائے اگر
 ففي البحر الرائق (ص ۱۵۳ ج ۲) بعد فقل كلام فتح البدير (حتى لو كان عندها
 كفايتها صارت كالمطلقة فلا يحل لها ان تخرج لزيارة ولا لغيرها ليلا ولا نهارا)
 فالظاهر من كلامهم جواز خروج المعتدة عن وفاة نهارا ولو كانت قادرة على
 النفقة الخ والله اعلم

احقر عبد الكريم عفى عنه

۱۱ شوال ۱۳۲۲ھ

دو بیویوں میں سے ایک کے مکان پر شوہر کا انتقال ہو جائے جبکہ | سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و
 دوسری بیوی بھی بغرضِ عیادت وہیں مقیم ہو تو وہ عدت کہاں پوری کرے | مفتیانِ شرع متین اس صورت میں کہ

حمد اللہ خاں مرحوم کی دو بیویاں ہیں اور دونوں بیویوں کو ان کے شوہر حمد اللہ خاں نے دو مکانات ان کی سکونت کے واسطے علیحدہ علیحدہ بنا دیئے ہیں جن میں وہ رہتی ہیں اور دونوں مکانات میں فاصلہ تقریباً دو سو قدم کا ہے۔ ایک بیوی مرض الموت حمد اللہ خاں میں دوسری بیوی کے مکان میں جس میں حمد اللہ خاں فوت ہوئے تیمار داری کے واسطے گئی تھی کہ حمد اللہ خاں فوت ہو گئے اور دونوں بیویوں میں موافقت بھی نہیں ہے اب جو بیوی دوسری کے مکان میں اپنے مکان سے گئی ہوئی ہیں ان کو اپنے مکان مسکونہ میں آکر عدت پوری کرنی جائز ہے یا نہیں؟ یا اسی مکان میں جس میں حمد اللہ خاں کی فوتی ہوئی عدت پوری کرنی چاہئے۔ بیٹواتوجروا۔ فقط

سائل : احسان اللہ ولد حمد اللہ خاں مرحوم
از گڑھی عبداللہ خان، ضلع مظفرنگر

الجواب

صورت مسئلہ میں اس بیوی کو اپنے مکان میں چلا جانا جائز ہے۔

قال في الدر: طلقت او مات وهي زائرة في غير مسكنها عادت اليه فوراً
لوجوبه عليها وتعتد ان اى مطلقة او معتدة الموت في بيت وجبت فيه ولا يخرج
منه الا ان تخرج الخ

قال الشامي: (قوله في بيت وجبت فيه) وما يضاف اليها بالسكنى قبل الفرقة الخ
فيه ايضاً: قبل ذلك تحت قوله (ولا تخرج من بيتها الخ) ما نصته والمراد
ما يضاف اليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت (هداية ۱/۱۲۱) والله اعلم
حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه از قمانه بمون
، رجمادی الاول ۱۳۸۵ھ

بَابُ ثُبُوتِ النِّسْبِ مُدَّةَ الْحَمْلِ

حکم نکاح زن مطلقہ کہ حاملہ شد و بیان نسب ولد آن کہ از زوج باشد یا نہ در صورت اقرار و انکار او۔

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین بابت مسئلہ صورت ذیل کے وہ یہ کہ زید ہندہ کو جو کہ باقر کی منکوحہ ہے باقر کے گھر سے پوشیدہ

نکلوا کر بھاگ لایا۔ غالباً عرصہ دو سال سے زید ہی کے پاس ہے اور باقر کو بھی پتہ چل گیا۔ جھگڑا آپس میں یا شاید قانونی چارہ جوئی کی ہوگی، عرصہ سے چلا آرہا ہے آخر نتیجہ یہ نکلا کہ زید کی جانب سے باقر کو کچھ روپیہ دے کر اس سے طلاق لے لی ہے۔ اس عرصہ میں (یعنی بحالت نزاع) ہندہ کو حمل رہا اور ساقط بھی ہو گیا جو کہ نہ معلوم باقر سے تھا یا زید سے وہ تو کہتی ہے کہ زید سے تھا اب وہ دوبارہ پھر حاملہ ہے بظاہر تو یہی خیال گزرتا ہے کہ یہ حمل ثانی تو ضرور زید ہی سے ہوگا اور چونکہ خود بھی اقرار کرتی ہے اور نیز دوسرے باقر کا رہنا دور دوسرے شہر میں ہے اور زید کے گھر میں بلا تکلیف آنا بھی مشکل ہے اب ہندہ اور زید چاہتا ہے کہ ہم دونوں کا نکاح ہو جائے۔

لہذا عرض یہ ہے کہ اس ہندہ کی عدت کیا ہوگی تین حیض یا وضع حمل اور اس صورت میں یہ حمل ثانی زید کا قرار دیا جائیگا یا باقر کا۔ اور چونکہ ثبوت نسب میں احتیاط مزید ہے جیسا کہ حضرت مولانا نے ایک دفعہ رسالہ ”الامداد“ میں تشریح کی تھی کہ میاں کو پردیس میں برس گز گئیں اور گھر میں بچہ پیدا ہو گیا تو اسی کا کہلائیگا اس طرح یہاں بھی یہ احتمال ہو سکتا ہے یا نہیں؟ کہ عجب نہیں ہندہ کا خاوند کسی طریق سے اس سے ہم بستر ہو گیا ہو اور وہاں ہندہ کے اس قول کا اعتبار ہوگا یا نہیں کہ یہ موجودہ حمل زید کا ہے۔ یا باقر سے معلوم کرنے کے بعد باقر کے قول کا اعتبار ہوگا۔ اگر باقر کا قول معتبر ہوگا تو انکار کی صورت میں تہمت کی وجہ سے لعان تو نہ ہوگا اول تو بایں وجہ کہ چونکہ پیشتر اس تحقیق کے طلاق وہ دے چکا۔ عرضیکہ باقر سے تحقیق کی ضرورت ہے یا محض زید اور ہندہ کے قول کا اعتبار ہوگا۔ امید کہ ان کے نکاح و عدت وغیرہ کے متعلق بات تشریح مطلع فرمائیں گے اور اگر حضرت مولانا مدظلہم اللہ تعالیٰ کے دستخط بھی کر دیں تو عوام کے لئے بھی مزید باعث اطمینان ہوگا اور اگر اتفاق سے حضرت سفر میں ہوں تو آں جناب ہی جواب باصواب سے جلد شرف فرمائیں۔ اور وہاں کیا طلاق میں طلاق نامہ تحریر

شدہ مع ثبوت انگوٹھا مہر دستخطوں کے ہو تو محض تحریر کا اعتبار کر لیا جائیگا یا نہیں ؟
 بینوا تو جروا۔ فقط

الجواب

صورتِ مسئلہ میں اس عورت کی عدت وضع حمل ہے قبل وضع حمل زید کو اس سے نکاح کرنا جائز نہیں اور اگر وقتِ طلاق سے چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو وہ باقرہ ہی سے ثابت النسب ہوگا خواہ وہ اقرار کرے یا انکار کرے اور اگر وقتِ طلاق سے چھ ماہ کامل یا زیادہ میں پیدا ہوا مگر دو سال کے اندر اندر ہی پیدا ہو گیا اور اس عرصہ میں عورت نے اپنی عدت تمام ہونے کا بھی دعویٰ نہ کیا تھا تو اس صورت میں بھی لڑکا باقرہ ہی کا ہوگا خواہ یہ مطلقہ رجعی ہو یا مطلقہ بانئہ۔ اور اگر وقتِ طلاق سے دو سال پورے یا زیادہ میں پیدا ہوا تو مطلقہ بانئہ ہونے کی صورت میں بدون اقرار باقرہ ثبوتِ نسب نہ ہوگا اور مطلقہ رجعیہ ہونے کی صورت میں اس وقت بھی نسب زوج سے ثابت ہوگا۔ اور اگر عورت وضع حمل سے پہلے انقضائِ عدت کا دعویٰ کر دے دریاں حالیہ کہ یہ دعویٰ طلاق سے ساٹھ دن یا زیادہ گزر جانے کے بعد ہو تو اگر اس دعویٰ کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا تب بھی شوہر اول ہی سے ثابت النسب ہوگا اور اگر دعویٰ انقضائِ عدت کے بعد چھ ماہ کامل یا زیادہ میں بچہ پیدا ہوا تو پھر باقرہ سے ثبوتِ نسب نہ ہوگا۔ باقی اس صورت میں صندہ اور زید کے اس قول کا اعتبار نہ ہوگا کہ یہ حمل باقرہ کا نہیں بلکہ زید کا ہے اور باقرہ سے پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ وضع حمل سے پہلے صندہ کا نکاح کسی طرح زید سے درست نہیں۔ اور جن صورتوں میں ثبوتِ نسب کا حکم دیا گیا ہے ان میں اگر باقرہ اس حمل کو اپنے سے نفی کرے تو مطلقہ رجعیہ ہونے کی صورت میں لعان کا حکم ہے اور مطلقہ بانئہ کی صورت میں لعان بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ لعان کے لئے بقاء زوجیت شرط ہے۔ بلکہ ہندوستان میں مطلقہ رجعیہ سے بھی لعان نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے لئے دارالاسلام اور قاضی شرط ہے۔ وہاں مستفیضانِ ہمناء۔ اور جلعان نہ ہو سکے تو ولد زوج اول سے ہی ثابت النسب ہوتا ہے اب اس کی نفی کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ البتہ جن صورتوں میں ثبوتِ نسب من الباقر کا حکم دیا گیا ہے اگر ولادت کے بعد باقرہ ولادت ہی کا انکار کر دے اور یہ کہہ دے کہ اس عورت نے کچھ نہیں جنا یہ جھوٹ کہتی ہے کہ میں نے بچہ جنا ہے تو ثبوتِ نسب کے لئے اس میں یہ شرط ہے کہ یا تو طلاق کے وقت حمل ظاہر ہو یا ظاہر نہ ہو مگر زوج نے حمل کا اقرار کر لیا ہو یا اقرار نہ کیا ہو مگر مدت کے اندر ولادت واقع ہونے پر شہادت قائم ہو جائے جس میں صرف دایہ کی شہادت کافی نہیں بلکہ

دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ضروری ہیں اور جب وہ حمل کا یا مدت کے اندر ولادت کا اقرار کرے تو پھر اس کا یہ کہنا کہ یہ بچہ میرا نہیں یا حمل مجھ سے نہ تھا معتبر نہ ہوگا بلکہ لعان کی ضرورت ہوگی مطلقہ رجبیہ میں اور مطلقہ بائنہ میں اس کی بھی ضرورت نہیں اور ہم کہہ چکے ہیں کہ ہندوستان میں لعان نہیں ہو سکتا۔ اس لئے نفی ولد کی کوئی صورت نہیں۔

الدلائل

قال فی الدر : فیثبت نسب ولد معتدة الرجعی ولو بالاشهر لا یاسہا وان ولد لا کثر من سنتین ما لم تقر بمضی العدة والمدة تحتمله (ای تحتمل المضی بان تكون سنتین یوماً علی قول الامام وتسعة وثلاثین علی قولهما ثم جاءت بولد لا یشیت نسیہ إلا اذا جاءت بہ لاقل من ستة اشهر من وقت الاقرار فانه یشیت نسیہ للیقین بقیام الحمل وقت الاقرار فیظهر کذبها وکذا ھذا فی المطلقۃ البائنة والسمتوی عنھا اذا ادعت انفضا ثم جاءت بولد لتما ستة اشهر لا یشیت نسیہ ولاقل یشیت ھ (شامی) کما یشیت بلا دعوی احتیاطاً فی مبنیة جاءت بہ لاقل منھما من وقت الطلاق لجواز وجودہ وقته ولم تقر بمضیھا کما مر ولو لتماھما لا الابدعوتہ لانه التزمہ وان لم تصدقہ المرأة لا فی روایة (ای فی ان الولد منہ ھ شامی) وھی الاوجه ھ (ص ۱۰۲۶ تا ۱۰۲۸ ج ۲)

وفیہ ایضاً : ویثبت نسب ولد المعتدة بموت او طلاق ان جحدت ولادتها بحجة تامة واكتفيا بالقابلة قیل وبرجل او حبل ظاہر وھل تكفی الشهادة بكونه كان ظاهراً فی البحر بحثاً نعم او اقرار الزوج بہ ای بالحبل ولو انكر تعینہ تكفی شهادة القابلة اجماعاً ھ (ص ۱۰۳۰ ج ۲)

وفیہ ایضاً : وسیجی فی الاستیلاء ان الفراش علی اربع مراتب (ضعیف) وھ فراش الامة لا یشیت النسب فیہ الا بالدعوة۔ ومتوسط، وھو فراش امّ الولد فانه یشیت فیہ بلا دعوی لکنہ یشتی بالنفی۔ وقوی، وھو فراش المنکوحۃ ومعتدة الرجعی فانه فیہ لا یشتی الا باللعان۔ واقوی، کفراش معتدة البائن فان الولد لا یشتی فیہ اصلاً لان فیه متوقف علی اللعان وشرائط اللعان الزوجیۃ آھ شامی (مکمل ج ۲)

وفي الدر : فمن قذف في دار الاسلام زوجته (اخرج دارالعرب لاقتطاع
الولاية اه شامى) العفيفة عن فعل الزنا تهمة او من نفى نسب الولد وطالبته
به لاعن اه - ويسقط اللعان بالطلاق البائن ثم لا يعود وكذا يسقط بزناها
ووطيها بشبهة اه

وفي الدر ايضا : ومتى سقط اللعان بوجه ما (كعدم صلاح احدى الشهادتين
او عدم الاحصان شامى) لم ينتف نسيه ابداً اه (ص ۹۷ ج ۲ - باب اللعان)
هذا والله اعلم وعلمه انتقوا حكم

حرره الاحقر ظفر احمد عفا الله عنه - ازتهانه بهون

۱۰ رجب ۱۳۳۵ھ

مدت حمل حنفی کے نزدیک زیادہ سے زیادہ | سوال : عرض اینکه در میان زنان مشہور
دو سال ہے اس پر شبہ اور اس کا جواب | است کہ حمل زن کا ہے خشک شود، بعضے

سہ سال خشک باشد، بعضے چار سال بعضے زیادہ از ان ہم خشک باشد باز در شکم تازه
شود و بچہ تولد شود این سخن درست است یا نہ حال آنکہ در کتب مسطور است کہ " اکثر مدۃ
الحمل سنتان " و این ہم مشہور است کہ تا زمانیکہ حمل خشک باشد زن را حیض ہم میشود
این سخن ہم راست است یا نہ ؟ مع آنکہ در کتب مذکور است کہ " ما رأتہ الحامل من
الدّم فهو استحاضة " بیّنوا توجروا -

السائل : رسول شاہ - ڈاکخانہ نہ و ضلع کوہاٹ
موضع ڈھوڑھ

الجواب

قال الزيلعي : واخرج الدارقطني ومن جهة البيهقي عن الوليد بن مسلم
قال : قلت : لمالك بن انس اى حديث عن عائشة انها قالت : لا تزيد المرأة
في حملها على سنتين قدر ظل المغزل فقال : سبحان الله من يقول هذا هذه
جاءتنا امرأة محمد بن عجلان امرأة صدق وزوجها رجل صدق حملت ثلاثة ابطن
في اثني عشر سنة كل بطن في اربع سنين اه (ص ۵۵ ج ۲ - نصب الراية)
اس سے معلوم ہوا کہ دو سال سے زیادہ مدت تک حمل کا بطن میں رہنا امام مالک

کے نزدیک بھی ممکن ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ عورتوں میں جو حمل کے خشک ہو جانیکا قصہ مشہور ہے یہ بھی کسی درجہ میں اصل رکھتا ہو۔ مگر حنفیہ نے حضرت عائشہؓ کے اثر کی وجہ سے مدت حمل کو دو سال سے زائد نہیں مانا۔

اخرج البيهقي ثم البيهقي في سننها من طريق ابن المبارك عن داود بن عبد الرحمن عن ابن جريج عن جميلة بنت سعد عن عائشةؓ قلت: ما تزيد المرأة في الحمل على سنتين قد ما يتحول ظل عمود المغزل اه (زيلي ص ۵۱ ج ۲) قلت: سند صحيح رجاله رجال الصحيح وجميلة بنت سعد صحابية استشهد ابوها يوم واحد وهي حمل تزوجت زيد بن ثابت الامام ذكرها الحافظ في الاصابة في القسم الاول (ص ۲-ج ۸) - وفي حاشية الهداية والظاهر ان عائشة رضي الله تعالى عنها قالت سمعنا لان العقل لا يهتدى الى معرفة المقادير اه (ص ۲۱۳ ج ۲)

پس جس صورت میں عورتیں یہ دعویٰ کریں کہ حمل خشک ہو گیا تھا حنفیہ وہاں یہ کہیں گے کہ خشک ہونے سے پہلے جس کو تم نے حمل سمجھا تھا وہ حمل ہی نہیں تھا بلکہ نفخ یا پانی ہو گا جس کو غلطی سے حمل سمجھ لیا گیا پھر اس کو خشک مان کر خواہ مخواہ مدت حمل دو سال سے بڑھا دی کیونکہ حمل میں نفخ کا احتمال بھی کچھ بعید نہیں۔

قال في الفتح: اذ يحتمل كونه نفخاً او ماءً وقد اخبرني بعض اهلي عن بعض خواصها انه ظهر بها حمل واستمر الى تسعة اشهر ولم يشككن فيه حتى تهيأت له بتهيئة ثياب المولود ثم اصابها طلق وجلست الداية تحتها فلم تنزل تعصر العصرة بعد العصرة وفي كل عصرة تصب الماء حتى قامت فارغة من غير ولد اه (شامی ص ۲۰۹ ج ۲) - قلت: وهذا هو جوابنا عن واقعة امرأة محمد بن عجلان وهو ظاهر التقرير - والله اعلم

سوال: ہمارے اطراف میں ایک مشکوٰۃ کا حمل چھ یا سات مہینہ کی مدت کے بعد سوکھ گیا اور تین مہینہ کے بعد اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا پھر تین برس کے بعد جس کے اندر مہینہ دو مہینہ کے فاصلہ پر کبھی کبھی خون بھی ظاہر ہوا دوسرے ایک مرد سے بغیر اطلاع دیتے صورت	اکثر مدت حمل کے بعد اور نکاح ثانی سے اقل مدت حمل کے اندر کچھ پیدا ہوا تو اس کا نسب شوہر متوفی سے ثابت ہوگا یا نکاح ثانی سے؟
---	---

صورہ کے ایک قاضی صاحب اور دو گواہ کے مقابل میں نکاح کیا اور نکاح ثانی سے دو مہینہ بعد پھر اگلا حمل ظاہر ہوا خوب احتمال ہے کہ چھ مہینے کے اندر ہی وضع حمل ہوگی۔
اب بحسب شرع شریف کہ اس منکوحہ اور نکاح ثانی پر کیا حکم ہے اور وہ ولد جو کہ مدت مذکورہ میں پیدا ہوئے ثابت النسب کس سے ہے اور حالت مذکورہ میں نکاح منعقد ہوا یا نہیں اگر نہیں ہوا تو قاضی صاحب پر کیا حکم ہے؟ لوجہ الشر جواب عنایت فرما کر منون فرمائیں
توجروا عند اللہ العزیز۔ زیادہ آفتاب ہدایت برسر عالمان تابان و درخشان باد۔
بالتون والصاد۔

الجواب

اگر نکاح ثانی کے بعد چھ ماہ سے قبل بچہ پیدا ہوا تو زوج ثانی کا نہیں ہو سکتا۔
اور چونکہ زوج اول کی وفات سے دو سال بعد اس کی پیدائش ہے اس لئے اس کی طرف بھی منسوب نہیں ہو سکتا۔

فی الدر: (واقلمہا ستۃ اشہرا جماعاً ۵۸) (و) یتبیت نسب ولد معتدۃ
(الموت لاقل منہما من وقتہ) ای الموت و قال الشامی تحت قوله لاقل منہما:
ای من سنتین ص ۱۰۲۹ ج ۲۔

اور جب عدت وفات ختم ہو چکی کیونکہ تین سال گزر چکے وفات زوج کو اور دو سال سے زائد زوج اول کا حمل نہیں رہ سکتا تو اس کا نکاح ثانی جائز ہو گیا مگر چونکہ محض روایات اس کے خلاف بھی ملی ہیں اس لئے احتیاطاً اس عورت کا نکاح بعد وضع حمل کے دوبارہ پڑھ لینا ضروری ہے اگر وضع حمل زوج ثانی کے دخول سے ۶ ماہ سے پہلے ہو۔ اور یہ جواب قواعد سے دیا گیا ہے جزئیہ نہیں ملا لھاذا دوسرے علماء سے بھی دریافت کر لیا جائے۔ واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

الجواب صحیح

۱۶ محرم ۱۴۲۲ھ

نظر احمد عفانہ۔ ۱۶ محرم ۱۴۲۲ھ

تفصیل الجواب

قال فی البحر: (ص ۱۴۳ ج ۱) وان کان (الوضع) لا کثر من سنتین
منذ طلقها الاول ولا قل من ستۃ اشہر منذ دخل الثانی لم یلزم الاول

ولا الثاني بقى ما لو جاءت به لاقل من سنتين من طلاق الاول وستة اشهر من دخول الثاني وينبغي الحاقه بالاول اه

وفي العالم كبرى : عدة الحامل ان تضع حملها كذا في الكافي سواء كانت حاملاً وقت وجوب العدة او جلت بعد الوجوب كذا في قاضى خان وسواء كانت عن طلاق او وفاة او متاركة او وطئ بشبهة كذا في النهر - وسواء كان الحمل ثابت النسب ام لا - ويتصور ذلك فيمن تزوج حاملاً من الزنا كذا في السراج الوهاج اه (ص ۱۵۹ - ۲۵)

اس سے معلوم ہو کہ ۱ زوج اول کی طلاق یا موت سے دو سال بعد اور زوج ثانی کے دخول سے ۶ ماہ پہلے اگر کچھ پیدا ہوا تو وہ کسی سے ثابت النسب نہ ہوگا ۲ انقضاء عدت حاملہ کے لئے وضع حمل شرط ہے خواہ حمل ثابت النسب ہو یا نہ ہو۔ اب رہا یہ کہ نکاح ثانی صحیح ہو یا نہیں تو چونکہ قبل موت زوج اول یہ عورت حاملہ تھی جو خشک ہو گیا تھا اس لئے اس کی عدت وضع حمل کے سوا کچھ نہ تھی اور اس کا نکاح ثانی عدت میں ہوا اس لئے صحیح نہیں۔ رہا یہ کہ حنفیہ کے یہاں تو اکثر مدت حمل دو سال ہے تو اس صورت مسئلہ میں تین سال تک اس کو حاملہ من الاول کیسے مانا جائیگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مدت لزوم نسب کے لئے ہے کہ اس سے زائد میں نسب زوج پر لازم نہ ہوگا باقی انقضاء عدت کے لئے نص سے وضع حمل معین ہے پس خشک حمل کے وضع کے بغیر مقتضاء نص یہ ہے کہ عدت تمام نہ ہوگی

قال ابن عابدين في حاشية البحر : قال في النهر : فرع لومات الحمل في بطنها و مكث مدة بماذا تنقضي عدتها لم ار المسئلة وينبغي ان تبقى معتدة الى ان ينزل او تبلغ مدة الاياس اه - قال بعض الفضلاء قوله او تبلغ مدة الاياس فيه انه مناف الآية فتأمل اه

وفي حاشية الرملی نقلًا عن كتب الشافعية لا تنقضي مع وجوده بعموم الآية

قال : ولا مبالة بتضررها بذلك كما في شرح المنهاج للرملی -

وفي حاشية المنهج لابن قاسم : قال شيخنا الطيلاوى رحمه الله : ائق جماعة عصرنا بتوقف انقضاء عدتها على خروجه والذى اقوله عدم التوقف اذا يش من خروجه لتضررها بمنعها من التزوج اه ولا شئ من قواعد مذهبنا يدفع ما قالوه فاعلم ذلك اه ملخصاً (ص ۱۳۳ ج ۲ - ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ وجود حمل خواہ میت ہی مانع انقضاء عدت ہے اور یہ کہ انقضاء عدت میں دو سال کی مدت معتبر نہیں اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حمل میت حمل ہی نہیں کیونکہ جماعت فقہاء نے اس کو عموم آیت «حَتَّى يَضَعَنَّ حَمْلَهُنَّ» کے تحت میں داخل کر کے مانع انقضاء کہا ہے پس حمل خشک بھی اسی کے مثل ہے بلکہ اس کا حمل ہونا بہ نسبت میت کے اظہر ہے اور جب وہ بوجہ حمل ہونے کے مانع ہے تو اس کا مانع ہونا اولیٰ ہے۔ اور علامہ خیر الدین نے فتویٰ شافعیہ کو نقل کر کے کہا ہے کہ یہ ہمارے قواعد کے خلاف نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ

انقضاء عدت کا دو سال سے زائد مدت پر موقوف ہونا ہمارے قواعد کے خلاف نہیں اس سے اس تاویل کی تائید ہوتی ہے جو احقر نے اول میں لکھی ہے کہ یہ تخصیص مدت لزوم نسب کے لئے ہے۔

وقال في رد المحتار بعد ذكره الاقوال المذكورة وبه ظهرا ان المراد من قوله او تبلى حد الاياس هو الاياس من خروج وجه وهل المراد منه نهاية حد الحمل وهو اربع سنين عند الشافعية وسنتان عندنا او اعم من ذلك محتمل والذي ينبغي العمل بما قاله الجماعة لموافقة صريح الآية اه (ص ۹۹ ج ۲)

اس سے بھی ظاہر ہوا کہ علامہ شامی کے نزدیک اجماع یہی ہے کہ صورت مذکورہ میں انقضاء عدت وضع حمل و خروج مافی البطن پر مطلقاً موقوف ہو اس میں نہایت مدت حمل کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ صریح آیت یہی ہے کہ عدت حاملہ وضع حمل سے

وقد ذكرنا عن العالمكيرية : ان كون الحمل ثابت النسب غير ضروري قلت : وهذا هو الراجح عندى اى مقاله العلامة الشافعي - البتة بحر میں خانیہ سے ایک جزئیہ نقل کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو سال جو مدت حمل مقرر ہے وہ لزوم نسب کے لئے بھی ہے اور انقضاء عدت کے لئے بھی

ونصفه في الخانية : المتوفى عنها زوجها اذا ولدت لاكثر من سنتين من وقت الموت يحكم بانقضاء عدتها قبل الولادة بسنة اشهر و زيادة فتجعل كأنها تزوجت بزواج آخر بعد انقضاء عدتها وحلت من الثاني اه (ص ۱۳ ج ۴) ای لا نسیئ الظن بما بل نجعلها متزوجة سرا كمسئلة الشرق مع المغربية ولا نجعلها حاملا اكثر من سنتين وهذا اوسع والاوّل احوط۔

اس روایت کا مقتضاء یہ ہے کہ صورتِ سوال میں مسماہ مذکورہ کا نکاح ثانی صحیح

ہو گیا۔ بہر حال صحت نکاح ثانی مختلف فیہ ہے لہذا دوبارہ نکاح پڑھ لینا خروج عن الخلاف کے لئے ضروری ہے باقی نکاح خوان کو تو کسی صورت میں بھی گناہ نہیں ہوا کیونکہ اس کو صورت حال کی اطلاع ہی نہ تھی۔ والذی قلنا من صحة النکاح وعدمه كله من القواعد ولم نجد جزئیة صریحة فیہ فلیتحقق و لیحرر من غیرنا ایضاً۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔

از تہانہ بھون۔ ۲۵ محرم ۱۳۴۴ھ

حکم نفی نسب بہمت زنا و بیان احکام نسب | سوال : زید نے اپنی بیوی ہندہ حاملہ کو یہ کہہ کر طلاق دیدی کہ یہ حمل حرام کا ہے میرا نہیں۔ ہندہ اپنے میکہ چلی آئی اور وہیں اس کی لڑکی پیدا ہوئی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ لڑکی زید سے ثابت النسب ہوگی یا نہیں؟ زید اور زید کی والدہ اور اس کے دیگر اعزہ سے بطور وراثت کے کچھ پائے گی یا نہیں؟ قول مفتی بہ تحریر فرمائیں۔

الجواب

صورت مسئلہ میں زید پر لعان واجب ہوتا۔ اگر یہ جگہ دار الاسلام میں ہوتی اور یہاں قاضی اسلام موجود ہوتا جب، بوجہ دار الحرب اور قاضی اسلام نہ ہونے کے لعان نہیں ہو سکتا بلکہ اب تو چونکہ زوجہ طلاق کی عدت پوری ہونے سے مطلقہ بائنہ ہو چکی ہے تو دار الاسلام میں بھی لعان نہیں ہو سکتا۔ تو شوہر کے نفی کرنے سے خل یا ولد مستفی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ لڑکی زید ہی کی لڑکی ہے اور شرعاً وہ زید سے اور زید کے خاندان سے حق وراثت پانے کی کامل مستحق ہے۔

قال فی الدر: الفراش علی اربع مراتب: (الان قال) وقوی وهو فراش المنکوحہ ومعتدة الرجی فانہ فیہ لا ینتفی الاباللعان۔ واقوی، کفراش المعتدة البائن فان الولد لا ینتفی فیہ اصلاً لان نفیہ متوقف علی اللعان ومن شرائط اللعان الزوجیۃ اه (ص ۱۰۲ ج ۲) وفيه ایضاً: متى سقط اللعان بوجه ما (كعدم صلاح احدهما للشهادة او عدم الاصل) لم ینتف نسیہ ابداً اه (ص ۹۷ ج ۲، باب اللعان مع الشامی)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تہانہ بھون

۲۷ رجب ۱۳۴۵ھ

ثبوت نسب کی ایک صورت کا حکم | سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے وطن سے پردیس چلا گیا وہ کہتا ہے کہ قبل روانگی میری، میری

اہلیہ ۵۔ ۶ یوم بیشتر حیض سے فارغ ہوتی بعد فراغت مواصلت ہوتی رہی بعد ازاں ۱۵ ذی الحجہ کو میں پردیس چلا گیا۔ بعد میرے جانے کے ماہ محرم الحرام میں میری زوجہ کو گم ہیضہ ہو گیا زندگی کی امید باقی نہ رہی تین مرتبہ دم رُک گیا لیکن بفضلہ تعالیٰ چھ یوم کے بعد رُوحِ بصحت ہوئی مگر صحت کلی نہ ہوئی کبھی حالت ان کی اچھی اور کبھی طبیعت ناساز ہو جایا کرتی رہی علاج ابتداء سے ہوتا رہا یعنی قرب وجوار کے حکماء و اطباء کا علاج نہایت سعی و کوشش کے ساتھ ہوتا رہا۔ یہ کیفیت مسلسل ایک سال چھ ماہ تک یہی مرض وبا پھر ترقی پذیر ہوا۔ میری زوجہ جیب بالکل لاغر ہو گئی اور نشست و برخاست سے مجبور ہو گئی تو مجھے مطلع کیا اور میری طلبی کے خطوط روانہ کئے۔ میں پردیس سے پورے ایک سال پانچ ماہ ۲۰ یوم کے بعد اپنے وطن پہنچا اور گرد و نواح کے حکماء سے دربارہ علاج مریضہ تذکرہ و مشورہ کیا مگر چونکہ وہ حضرات علاج کر کے پہلے ہی سے مایوس ہو چکے تھے اس لئے ان لوگوں نے مجبوری ظاہر کی مگر ایک صاحب نے جو کہ فی الحال شہر جوینور کے شفا خانہ میں سول سرجن ہیں اور ان کا نام ڈاکٹر محمد حفیظ اللہ ہے مجھے یہ مشورہ دیا کہ تم مریضہ کو اعظم گڑھ کے زنانہ شفا خانہ میں داخل کر دو کیونکہ وہاں ایک تجربہ کار لیڈی ڈاکٹر اس وقت موجود ہے علاج معقول ہو جائیگا ساتھ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اگر خدا نخواستہ وہاں صحت یاب نہ ہو تو پھر جوینور کے شفا خانہ میں کہ جہاں میں خود موجود ہوں لے کر آنا میں وہاں کے زنانہ اسپتال میں داخل کر دوں گا ڈاکٹر موصوف کے مشورہ پر میں نے عمل کیا اور مریضہ کو لیجا کر زنانہ اسپتال شہر اعظم گڑھ میں داخل کر دیا اور بحکم لیڈی ڈاکٹر چند ایام وہیں مریضہ کے قیام کا انتظام کر دیا اور علاج ہونا شروع ہو گیا بعد چند روز کے لیڈی ڈاکٹر نے کہا کہ اب مریضہ کو مکان میں لیجاؤ اور ہر چوتھے روز یہاں سے دوا لیجا کر دے میں نے کچھ مدت تک ایسا بھی کیا اس طرح مریضہ کو رفتہ رفتہ صحت معلوم ہوتی رہی اسی اشارہ میں پہلی لیڈی ڈاکٹر کا تبادلہ کسی دوسرے مقام پر ہو گیا اور ان کے قائم مقام دوسری لیڈی ڈاکٹر آئی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ مریضہ کو لا کر اس کو بھی معائنہ کر دینا چاہئے۔ چنانچہ پھر دوبارہ چند ایام وہیں قیام کر کے علاج کیا تو بظاہر کافی صحت معلوم ہونے لگی۔ ایک دن جدید لیڈی ڈاکٹر نے کہا کہ وہ بیماری یعنی ورم جگر تو جاتا رہا مگر ابھی اور بیماریاں باقی ہیں اور ان بیماریوں کا علاج بھی ممکن ہے مگر چونکہ مریضہ حمل سے ہے اس لئے تا وضع حمل علاج میں ترددات ہیں۔ ورنہ کچھ ضائع ہونے کا اندیشہ ہے اس وجہ سے میری اہلیہ نے کہا کہ ابھی علاج تا وضع حمل ملتوی رکھا جائے

یہ سوچ کر اہلیہ کو مکان میں لایا اور پھر پر دیس چلا گیا۔ اس عرصہ میں بھی صحبت گلہ گلہ ہوتی اور میرے پر دیس جانے کے ۴-۵ یوم کے بعد دختر تولد ہوئی، میں نے ہر طرح حساب کیا تو میرے سفر کو ایک برس گیارہ ماہ کئی دن ہوئے ہیں اور دوسری مرتبہ مکان جانے پر صرف پانچ ماہ اٹھارہ یوم قیام رہا۔ اب عرض یہ ہے کہ یہ لڑکی حرامی ہے یا حلالی؟ مفصل و مستند طریقہ سے ساتھ دلیل کے ارسال فرمایا جائے۔ کیونکہ اس کا جھگڑا و فساد کی حالت روز بروز خطرناک ہوتی جا رہی ہے اس لئے دلیل طلب ہے، اگر کوئی رسالے اس کے متعلق ہوں تو بذریعہ وی۔ پی ارسال فرمائیں ورنہ اس کا نام بھی تحریر میں لایا جائے ممکن ہے کہ فریقین میں صلح قائم ہو جائے لہذا نہایت ادب کے ساتھ عرض خدمت بابرکت ہوں کہ گستاخی معاف فرما کر جواب باصواب میں بہت عجلت فرمائی جائے۔ واجب تھا عرض کیا۔ عورت سے اس کے شوہر کو خاطر ی ہے کہ یہ عورت فرمان بردار اور پارسا ہے۔

المرقوم: ۱۵ جنوری ۱۳۲۹ھ

الجواب: اس لڑکی کے حرامی ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ حنفیہ کے یہاں اکثریت حمل دو سال ہے۔ ایک حمل دو سال تک پیٹ میں رہ سکتا ہے اور اس کی بہت سی نظائر موجود ہیں اور یہ لڑکی شوہر کی موصلت سے دو سال کے اندر اندر پیدا ہوئی ہے پس اس کی حلالی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ محض مدت کے زیادہ ہونے سے بلا وجہ شبہ کرنا جائز نہیں چونکہ زوجہ بعد قیام حمل کے سخت بیمار ہو گئی اور اس کی بیماری مسلسل رہی اس لئے بچہ رحم میں جلدی پرورش نہ ہو سکا، دیر میں پرورش ہوئی اس لئے دیر سے پیدا ہوا اور امام شافعیؒ امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تو چار سال تک بھی حمل پیٹ میں رہ سکتا ہے پس جو لوگ دیر میں بچہ ہونے سے عورتوں پر شبہ کرنے لگتے ہیں اور ان کی اولاد کو حرامی سمجھنے لگتے ہیں وہ سخت جرم و گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔

قال الله تعالى: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ وَقَالَ: إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ۝

وفي الدر المختار و رد المحتار والعالمگیری وغيرهما من كتب الفقه: اکثر مدّة الحمل سنتان بخبر عائشة رضي الله عنها (ما تزيد المرأة في الحمل على سنتين)

وعند الأئمة الثلاثة أربع سنين (ص ۲۵۰ ج ۲) والله اعلم
حورہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ از تھانہ بھون

خانقاہ امدادیہ

۱۰ شعبان ۱۳۵۹ھ

بدون لعان کے نسب منتفی نہیں ہو سکتا
سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین
رحمہم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی منکوحہ
کو طلاق دیدی بعد ایک سال دو ماہ کے اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا لیکن اس نے ایک
شخص کو بوقت حمل تہمت زنا کی لگائی تھی وہ قسم کھا کر بری ہو گیا ہے اب نسب اس لڑکے
کا اس کے شوہر سے ثابت ہو گیا یا نہیں بیٹواتوجروا

المستفتی : محمد عبدالغفور۔ مقام خنڈل بہار پارہ
پوسٹ آفس خنڈل نیا پارہ ضلع اکسا ملک برما

الجواب

صورتِ مسئلہ میں لڑکے کا نسب اس طلاق دینے والے سے ثابت ہے کیونکہ
بدون لعان کے نسب منتفی نہیں ہو سکتا اور واقعہ مذکورہ میں لعان ہوا نہیں بلکہ ان دیار میں
بوجہ قاضی نہ ہونے کے لعان ہوتا ہی نہیں (گو حاکم مسلم جو انگریزوں کے مقرر کئے ہوئے
ہیں وہ قاضی کے حکم میں ہیں مگر جہاں تک مجھ کو معلوم ہے کہ گورنمنٹ نے حکام کو لعان
کا حکم نہیں دیا تاہم اگر لعان ہوا ہو تو سوال دوبارہ بھیجا جائے)

فی العالمگیریہ (ص ۱۵۳ ج ۲) وكذلك اذا كان من اهل اللعان فلم
يتلاعنا فانه لا ينتفى النسب كذا في شرح الطحاوی۔

علاوہ ازیں جو علماء کرام اس ملک کو دار الحرب کہتے ہیں ان کے نزدیک نفی ولد
کی کوئی صورت ممکن نہیں کیونکہ دار الحرب میں لعان نہیں ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

مورخہ ۱۲ ربیع الثانی۔

غیر منکوحہ (داشته) کی اولاد کا ثابت النسب ہونا
عورت اور اس کی اولاد کا میراث سے محروم ہونا
سوال : زید متوفی کے ایک لڑکا اور
لڑکی تو اصلی منکوحہ سے ہیں اور تین لڑکے

ایک لڑکی عورت داشتہ غیر منکوحہ (بغیر نکاح والی) سے ہیں۔ عورت غیر داشتہ اپنے اصل خاوند سے جبراً طلاق لے کر اور کسی جگہ غیر مردوں سے حرام کر کے ڈھائی تین ماہ کا حمل لیکر زید متوفی کے گھر میں رہی اور عورت داشتہ کو جو غیر حرام کا حمل تھا وہ زید متوفی کے یہاں رہ کر ایک حرام کا لڑکا بنا۔ اور اس عورت داشتہ نے زید متوفی کے یہاں رہ کر دو لڑکے اور ایک لڑکی زید متوفی کے نطفہ سے بنا۔ یہ تین لڑکے اور ایک لڑکی زید متوفی کے گھر میں موجود ہیں اور عورت داشتہ کو زید متوفی کے یہاں رہتے ہوئے عرصہ ۳۵ سال کے قریب ہو گیا اور اس عرصہ تک یہ عورت داشتہ زید متوفی کے یہاں بغیر نکاح کے رہی اور اب زید متوفی کا انتقال ہوئے چند ماہ گزر گئے بعد انتقال متوفی کے اس کی اولاد حقیقی اور اولاد عورت داشتہ میں جھگڑا ہوا وراثت پر یہاں تک کہ جھگڑا عدالت میں چلا گیا۔ یہاں پر نکاح خوانی کا یہ قاعدہ ہے، جتنے بھی بچے پوریں نکاح ہوئے وہ سب شہر قاضی کے رجسٹر میں درج ہوتے ہیں چیف عدالت سے نکاح کا رجسٹر طلب کیا تو عورت داشتہ کا مرحوم زید متوفی سے کہیں نکاح ثابت نہیں ہوا۔ اب انصاف عدالت میں یہ ہے کہ شرع محمدی ایک کتاب ہے انگریزی میں، اردو میں اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت ۳۰ یا ۳۵ سال بغیر نکاح کے رہے تو اس کا نکاح سمجھا جائیگا اور وہ اس کی اولاد ورثہ کی مالک ہوگی۔ اب آپ سے دست بستہ گزارش ہے کہ بحوالہ کتب مع نام کتب اور صفحہ کے ارشاد فرمائیں کہ ایسا نکاح جائز سمجھا جائے گا یا ناجائز؟ ورنہ ورثہ کا مالک کون کون ہو سکتا ہے۔ زید متوفی کے ذمہ ایک مہاجن کا کچھ روپیہ قرض تھا۔ زید متوفی نے بوجہ قبضہ جائیداد مہاجن کے اپنے مکانوں کو اس عورت داشتہ کے مہر میں مصنوعی طور پر لکھ دیا کہ مہاجن قبضہ نہ کر سکے اب جس وقت اولاد زید متوفی میں جھگڑا ہوا تو صرف اس سند مصنوعی کے علاوہ اور کوئی نکاح کا ثبوت نہیں۔

السائل: محمد بخش پورچر۔ جے پور

الجواب: خدا کی پناہ! کس قدر تحریف ہے جو فقرہ کتاب "شرع محمدی" کا درج سوال ہے اس کو دیکھتے ہوئے وہ کتاب "برعکس نہند نام زنگی کا فور" کی مصداق ہے۔ یہ قانون صراحتہ شریعت مقدسہ کے خلاف ہے۔ جب تک شرائط کے موافق نکاح نہ ہوا اس وقت تک وہ حرام کاری رہے گی، ہرگز نسب اور نکاح

ثابت نہ ہوگا زیادہ زمانہ گزرنے سے جرم اشد ہو جائیگا نہ کہ اس میں تخفیف۔ یہ بات تو عقل کے بھی بالکل خلاف ہے۔ اس قانون کا خلاف شرع ہونا ایسا بدیہی ہے کہ اس کے لئے کسی حوالہ کی ضرورت نہیں۔ جملہ اہل اسلام کے نزدیک یہ مسئلہ غلط ہے اور ہر کتاب میں اس کے خلاف مسئلہ موجود ہے۔ حتیٰ کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے : **وَاحِلَ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوا بِاَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُصَافِحِينَ**۔ غرض یہ کہ یہ عورت اور اس کی اولاد ہرگز وارث نہیں ہو سکتی۔ باقی رہا دوسرا معاملہ یعنی فرضی طور پر مہر میں جائیداد دیدینا سو اس کے متعلق مفصل واقعہ لکھا جائے تو حکم شرعی بتلایا جائیگا۔ یعنی اس کا غذائی نقل اور اس تحریر کا واقعہ مفصل لکھا جائے گا تب اس کا غنڈہ کے معتبر ہونے نہ ہونے کا مسئلہ بتلایا جائے گا۔ البتہ اتنا ظاہر ہے کہ جب تک نکاح ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک مہر کا ثبوت ممکن نہیں۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ، تھانہ بھون

۴ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

سوال : ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اندر اینکه شخصے زوجہ خود را سه طلاق داده اند باز نکاح خواہد کرد لهذا نکاح ثانی داده اند باؤ دخول نیت طلاق داده است چنانچہ بموافق مذہب ابوحنیفہ درست نشد لهذا نکاح ثالث داده اند باؤ وطی یافت نشد و آن ناح ثالث طلاق داد بعد انقضائ

تین طلاق ملنے کے بعد ایک عورت نے نکاح ثانی کیا۔ زوج نے قبل دخول طلاق دیدی پھر تیسرے شخص سے نکاح کیا، اس نے دخول کے بعد طلاق دی اور انقضائ عدت سے قبل زوج اول نے اس کے ساتھ وطی کیا اور عورت حاملہ ہو گئی تو یہ حمل کس سے تصور ہوگا۔

یک حیض زوج اول مطلق وطی نمود لطفہ قرار گرفت وعدت زوج ثالث تمام نیافت و آن حمل آیا آن زوج او باشد یا زوج ثالث بیٹوا بدلیل الکتاب وتوجروا عند اللہ الملک الوہاب

الجواب

در صورت مسئلہ چونکہ عدت زوج ثالث تمام نشدہ کہ در میان عدت آثار حمل ظاہر گشت لهذا عدت این مطلقہ وضع محل است قبل از وضع حمل نکاح زوج اول باین مطلقہ صحیح نخواہد شد و این حمل از زوج ثالث باشد لان الولد للفراش وللعاهر الحجر۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد۔ از تھانہ بھون۔ ۲۶ ذیقعد ۱۴۱۵ھ

کتاب الرضاع

مسئلہ رضاعت کی ایک صورت | سوال : زینب اور رقیہ دو عورتیں ہیں زینب کا ایک لڑکا بچہ دوسال اور رقیہ کی تین لڑکیاں ہیں اور ایک لڑکا ہے۔ رقیہ کے لڑکے نے زینب کا دودھ پیا اب زینب کے لڑکے کا نکاح رقیہ کی لڑکی سے درست ہے یا نہیں ؟

الجواب

رقیقے جس لڑکے نے زینب کا دودھ پیا ہے وہ تو زینب کی کسی لڑکی سے نکاح نہیں کر سکتا لیکن زینب کا لڑکا رقیہ کی لڑکیوں میں سے جس سے چاہے نکاح کر سکتا ہے کیوں کہ اس نے رقیہ کا دودھ نہیں پیا۔

سوال : اگر ایک لڑکے نے دودھ پیا ہے تو جس نے دودھ پیا ہے وہی حرام ہوگا یا سب حرام ہوں گے ؟

الجواب

جو لڑکا کسی عورت کا دودھ پیتا ہے اس کی اولاد پر وہی حرام ہوتا ہے اس لڑکے کا دوسرا بھائی جس نے دودھ نہیں پیا اس دودھ پلانے والی کی لڑکیوں پر حرام نہ ہوگا۔

مسئلہ رضاعت کی ایک صورت اور اس کا حکم | سوال : مسماۃ احمدیہ اور مسماۃ کلثوم دو عورتیں ہیں۔ مسماۃ احمدیہ کا ایک لڑکا بنام محمد صدیق اور مسماۃ کلثوم کا ایک لڑکا بنام محمد صدیق اور تین لڑکیاں عظیمہ، کلیمہ، فیسحہ مسماۃ کلثوم نے اپنے بیٹے محمد صدیق کو مسماۃ احمدیہ کا دودھ پلایا اس حال میں کہ محمد حسین کی عمر دو ڈھائی سال کی تھی اور محمد صدیق کی عمر چار یا چھ ماہ کی تھی اس صورت میں نکاح محمد حسین کا مسماۃ کلثوم کی کسی لڑکی سے بلا تفصیل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب

محمد حسین کا نکاح مسماۃ کلثوم کی کسی ایک لڑکی سے جس کو وہ چاہے جائز ہے کیونکہ محمد حسین نے مسماۃ کلثوم کا دودھ نہیں پیا ہے اس کے لئے مسماۃ کلثوم کی اولاد حرام نہیں

ایضاً، ایضاً، ایضاً | سوال : مسماۃ فاطمہ کی ایک لڑکی بنام ساثرہ اور مسماۃ فاخرہ

کا ایک لڑکا بنام عین الحق ہے۔ فاطمہ نے عین الحق کو دودھ پلایا اس حال میں کہ عمر عین الحق کی ۵ ماہ کی تھی اور عمر لڑکی فاطمہ کی چھ سال کی تھی اور ایک لڑکا فاخرہ بعد دس سال ہے۔ علاوہ عین الحق کے اب نکاح دختر فاطمہ اور لڑکا فاخرہ جو کہ علاوہ عین الحق کے ہے، درست ہے یا نہیں؟ اس لڑکی سے جس کی عمر ۶ سال کی تھی۔ بینوا بند کتاب توجروا عند اللہ الوضاب۔

عبدالعزیز مدرس مدرسہ اسلامیہ مہوا

بسم اللہ خان۔ ضلع بستی۔ ڈاکٹر بہنڈریا بازار

الجواب

فاخرہ کا جو لڑکا عین الحق کے علاوہ جس نے فاطمہ کا دودھ نہیں پیا اس کا نکاح فاطمہ کی جس لڑکی سے چلے درست ہے اور عین الحق کا نکاح فاطمہ کی کسی لڑکی سے جائز نہیں۔

قال فی الدر: وتخل اخت اخیه رضاعاً یصح اتصالہ بالمصناف کان یكون له اخ نسبی له اخت رضاعیة وبالمصاف الیه کان یكون لاختیه رضاعاً اخت نسباً وبھا وھو ظاھر اه (ص ۶۶۹ ج ۲)

۱۳ شعبان ۱۳۸۵ھ

رضاعی خالہ سے نکاح حرام ہے | سوال: بسمہ تعالیٰ، نجمہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے خالہ کا جھوٹا دودھ پیا خالہ بقضائے الہی فوت ہو گئی اس کے سات سال بعد مادر خالہ سے دوسری لڑکی آسیہ متولد ہوئی پس اس سے زید کا عقد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور خالہ مرحومہ سے ایک بڑی بہن ہے اس سے زید کا عقد ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

جب زید نے خالہ کا دودھ پیا تو خالہ کی ماں اس کی جدہ رضاعیہ اور خالہ کی بہنیں اس کی رضاعی خالہ ہو گئیں لہذا زید کا نکاح خالہ کی کسی بہن سے نہیں ہو سکتا نہ چھوٹی سے نہ بڑی سے۔ « لا ینہی محرمن الرضاع ما یحرم من النسب »

تنہا مرضعہ کی شہادت سے | سوال: نجمہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت مسئلہ میں کہ زید کی دو خالہ زاد بہنیں ہیں ایک چھوٹی خالہ سے جس کا نام «زکیہ» ہے اور دوسری بڑی خالہ سے جس کا نام «علیہ»

ہے اول زید کی نسبت شادی کا خیال اس کے بزرگوں نے "زکیہ" سے کیا مگر والدہ زید رضامند نہ ہوئی اس زمانہ میں زید کی بڑی خالہ نے زید کی پھوپھی سے کہا کہ میں نے ہر چند والدہ زید کو سمجھایا کہ وہ زید کی شادی "زکیہ" سے کر دیں مگر اس کی حماقت ہے وہ کسی طرح راضی نہیں ہوتی اس کے بعد بزرگان زید نے اس کی دوسری خالہ زاد بہن "علیہ" سے اس کی شادی کرنا چاہا مگر اس کی پھوپھی کو شبہ تھا کہ ایک بار "والدہ علیہ" نے زید کو شیر خوارگی کی حالت میں گود میں لیکر اوپر سے آنچل ڈھک لیا تھا تو شاید دودھ پلا دیا ہو "والدہ علیہ" سے اس شبہ کو ظاہر کیا تو اس نے صاف انکار کیا کہ میں نے زید کو دودھ نہیں پلایا اور اس وقت میری لڑکی کی عمر ساڑھے تین سال تھی اور میرے پستان میں دودھ ^{مطلق} نہ تھا اس بیان کے گواہ تین عورتیں اور ایک مرد ہے اب زید کی والدہ "زکیہ" ہی سے زید کی شادی پر رضامند ہیں۔ اس پر زید کی بڑی خالہ یعنی "والدہ علیہ" نے یہ کہا کہ میں نے زید اور زکیہ دونوں کو دودھ پلایا ہے دونوں کی شادی کیسے ہو سکتی ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ آیا اس صورت میں "والدہ علیہ" پہلے زید اور زکیہ کی شادی میں ساعی تھی اور نیز اپنی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کے لئے وہ زید کو دودھ پلانے سے صراحتاً انکار کر چکی تھی اب ان کا یہ دعویٰ کہ میں نے زید اور زکیہ دونوں کو دودھ پلایا ہے شرعاً معتبر ہوگا حالانکہ زید کو دودھ پلانے کا دعویٰ نہ اس سے پہلے انھوں نے کہیں کیا اور نہ کوئی اس کا گواہ ہے بلکہ خود مدعی اس کے خلاف پہلے صاف صاف کہہ چکی ہے۔ **بیتوا تو جبروا**
شریف الحسن عفی عنہ۔ مقیم میرٹھ

مبملاً وحامداً ومصلیاً

صورتِ مسئلہ میں زید کا نکاح مسماۃ "زکیہ" سے بلاشبہ درست ہے۔

قال فی البحر عن الخانیة: وکمالا یفرق بینہما بعد النکاح ولا تثبت الحرمة بشہادتھن وکذا لک قبل النکاح اذا اراد الرجل ان یخطب امرأة فشہدت امرأة قبل النکاح انہا ارضعتها کان فی سعة من تکز بیہا کما لو شہدت بعد النکاح اھ
(ص ۲۳۲ ج ۲) (الی ان قال) فی (ص ۲۳۳ ج ۳) والحاصل ان الروایة قد اختلفت فی اخبار الواحدة قید النکاح وظاہر المتون انه لا یعمل به وکذا الاخبار برضاع طار فلیکن هو المعتمد فی المذهب اھ

وفي تنقيح الفتاوى الحامدية عن التنوير والبحر وغيرها عن القنية :
امراة كانت تعطى ثديها صبية واشتهر ذلك بينهم ثم تقول لم يكن في
ثديي لبن حين القتها ثديي ولا يعلم ذلك الا من جهتها جاز لابنها ان
يتزوج بهذه الصبية اه

وفيه أيضاً : حجة الرضاع حجة المال وهو شهادة عدلين أو عدل وعد لتين
ولا تثبت بشهادة النساء وحدهن لكن ان وقع في قلبه صدق المخبر ترك قبل
العقد او بعده كما في البرازية - قال المنقح الشامي : اي ترك احتياطاً اه (ص ۳۵)
قلت : ولا احتياط في الصورة المستولة لظهور كذبها وغلبة الظن به لوقوع
التناقض في اقوالها فقد اقدمت اولاً على نكاح زيد بهذه الصبية وسعت
له ثم اقدمت على نكاحه ببنتها - وانكرت صريحاً أن تكون أرضعته ثم ادعت
الارضاع بعد مدة فلا يقبل قولها والحال هذه لأنها اقرت بعدم ارضاعها
زيداً ثم ادعت رجوع عن الاقرار والرجوع بعد الاقرار في المعاملات لا يصح وصل
ام فصل كما في حاشية الهداية (ص ۲۲۳ ج ۳)

وفي الدر من باب الاقرار : اذا اقتر بشيء ثم ادعى الخطأ فيه لم يقبل
إلا في مسألة وهذا اقرار الطلاق بناءً على إفتاء المفتي ثم تبين عدم الوقوع
لم يقع ريانة اه (ص ۲۳ ج ۴) لكونها لا يعلمات الرضاع الا من غيرها وليست
المرضعة كذلك فان الارضاع فعلها لا فعله من غيرها فرجوعها عن اقرارها الاول
لا يصح ولا يوجب ايضاً - وفي عدة ارباب الفتوى في نظير هذه المسئلة
ان امراة ادعت الارضاع ثم انكرت ثم اقرت مانقته لا يعمل بالاقرار بعد رجوعها
عنه كما في شرح التنوير للعلائي والرأي له في الاقدم والاجتناب ولا يجب على
الحاكم الشرعي منعه بل لو قضى بالتفريق بشهادة امرأين في الرضاع لم ينفذ قضاءه
كما في شرح التنوير اه (ص ۲۲ ج ۱)

حاصل تمام عبارات کا یہ ہے کہ ایک عورت یا چند عورتوں کے قول سے ثبوتِ رضاعت
نہیں ہو سکتی۔ پس اگر کوئی شخص کسی لڑکی کو پیغامِ نکاح دے اور ایک عورت یہ دعویٰ
کرے کہ میں نے ان دونوں کو دودھ پلایا ہے تو مرد کو حیا نزع ہے کہ اسے جھوٹا سمجھ لے

بحر الرائق نے لکھا ہے کہ حاصل یہ ہے کہ ایک عورت کا قول باب رضاع میں ظاہر روایت کے موافق معتبر نہیں، یہی معتمد ہے مذہب میں۔ فتاویٰ حامدیہ، بحر اور تنویر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ ایک عورت کسی لڑکی کے منہ میں اپنی پستان دیتی ہو اور یہ بات مشہور ہو جائے پھر وہ یہ ہے کہ میری پستان میں دودھ نہ تھا تو اس عورت کے لڑکے کو اس لڑکی سے نکاح جائز ہے۔ فتاویٰ حامدیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ رضاع کا ثبوت دعوادل (نیک) مرد و زن یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں سے ہو سکتا ہے۔ فقط عورتوں کے قول سے نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر مرد کے دل میں مخبر واحد کا صحیح ہونا غالب ہو تو احتیاط یہ ہے کہ نکاح نہ کرے۔ میں کہتا ہوں کہ صورت مسئلہ میں احتیاط کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ جو عورت اب دعویٰ ارضاع کرتی ہے وہ اس سے پہلے خود زید اور زکیہ کے نکاح میں ساعی تھی اور والدہ زید کو اس پر آمادہ کرتی تھی۔ نیز وہی عورت اپنی لڑکی کے ساتھ زید کے نکاح پر راضی اور آمادہ تھیں اور اس وقت یہ کہہ چکی تھی کہ میں نے زید کو دودھ نہیں پلایا اور جب اُسے گود میں لیکر آنچل ڈھکالیا اس وقت میری پستان میں مطلق دودھ نہ تھا کیونکہ اس وقت میرے لڑکی کی عمر ساڑھے تین سال تھی۔ پس جب پہلے صراحۃً ارضاع زید سے انکار کر چکی ہے تو اب اس کا یہ قول جو پہلے قول کے صریح مناقض ہے، قابل قبول نہیں، نہ اس سے کچھ شبہ جواز نکاح میں ہو سکتا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے۔ واللہ اعلم

نعم الجواب دھوعین الصواب
اشرف علی

ظفر احمد عفاعنہ
۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

رضاعت کی ایک صورت | سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور ہندہ کا نکاح ہوا سات سال کا عرصہ ہو چکا اب چند ماہ سے یہ ظاہر ہوا کہ زید اور ہندہ کو حامدہ نے جو ہندہ کی بھانج ہے اور زید کے چچا زاد بھائی کی بیوی ہے ان دونوں کو ایام رضاعت کے اندر دودھ پلایا حامدہ کا بخلف شرعی بیان ہے کہ میں نے ان دونوں کو متواتر دودھ پلایا جبکہ ان دونوں کی عمریں ایک سال کے اندر تھیں۔ ہندہ کے والدین کے حکم سے اور اس حالت میں کہ مجھے

دودھ کی سخت تکلیف تھی اس کے بعد اپنے شوہر کو بھی دودھ پلانے کی اطلاع دے کر ان سے اجازت حاصل کر لی تھی والدہ زید کا بحلف شرعی بیان ہے کہ حامدہ کا زید کو ایک بار دودھ پلانا بذریعہ اس کی کہلائی مجھے معلوم ہے مگر ہندہ کے دودھ پینے کی بابت مجھ کو کوئی علم نہیں۔ نہ میں نے کسی سے سنا۔ شوہر حامدہ کا بحلف بیان ہے کہ حامدہ کا ہندہ کو دودھ پلانا مجھے معلوم ہوا تھا اور مجھ سے اجازت بھی لی گئی تھی لیکن زید کے دودھ پینے کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ اور کوئی شہادت اس رضاعت کے متعلق موجود نہیں ہے پس اس صورت میں رضاعت کے ثبوت یا عدم ثبوت اور اس نکاح کے جواز یا عدم جواز کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور چونکہ یہ مسئلہ حلت و حرمت کا ہے لہذا جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں۔

المکور۔ دو ستر روز ہندہ نے ایک عورت مسماۃ ظہورن ملازمہ حامدہ کو پیش کیا کہ زید کو ایک بار اور ہندہ کو متعدد بار حامدہ کو دودھ پلاتے ہوئے میں نے اپنی آنکھ سے دیکھی ہے اور اس نماز میں بھی میں حامدہ کی ملازمہ تھی۔

الجواب

ثبوت رضاعت کے لئے ایک مرد عادل (نیک پابند شرع) اور دو عورتیں عادلہ (نیک پابند شرع) یا دو مرد عادل ہونے چاہئیں۔ صورت مسئلہ میں حامدہ کے ہندہ اور زید دونوں کو دودھ پلانے پر شرعی شہادت موجود نہیں لہذا زید اور ہندہ کا نکاح فتویٰ شرعی سے جائز ہے اور ان دونوں کو متعلق زوجیت بھی رکھنا جائز ہے لیکن احتیاطاً اس میں ہے کہ زید حالت موجودہ میں ہندہ کو طلاق دیکر الگ کر دے۔ یہ احتیاط استحباب کا درجہ ہے زید پر ایسا کرنا واجب و لازم نہیں بشرطیکہ زید و ہندہ حامدہ کے فعل کی تصدیق نہ کرتے ہوں اور اگر دونوں یا فقط زید حامدہ کے قول کی تصدیق کرتا ہو تو نکاح فاسد ہو جائیگا۔ اگر دونوں تکذیب کرتے ہوں یا صرف زید تکذیب کرتا ہو تو اس صورت میں وہ حکم ہے جو مذکور ہوا کہ نکاح بحالہ باقی ہے گو احتیاطاً پھر بھی علیحدگی میں ہے اور اگر ہندہ تصدیق کرے اور زید تکذیب کرے تب بھی نکاح جائز ہے لیکن اس صورت میں ہندہ زید سے قسم لیگی کہ تو قسم کھا کر کہہ کہ حامدہ نے ہم دونوں کو دودھ نہیں پلایا اگر وہ اس صورت میں قسم کھانے سے انکار کرے تو قاضی شرع ان میں تفریق کر دے۔ اگر قاضی شرع نہ ہو تو مسلمان زید کو طلاق دینے پر مجبور کریں۔ واللہ اعلم

اور اگر وہ قسم کھلے تو پھر اس صورت میں ہندہ کو زید کے پاس رہنا ضروری ہوگا۔ فقط
 قال فی الدر : و حجتہ حجة المال و هی شهادة عدلین او عدل و عدلتین لکن
 لا تقع الفرقة الا بتفريق القاضي (ای ان لم توجد المتاركة - شامی)
 قال فی رد المحتار عن الهندیة : تزوج امرأة فقالت امرأة ارضعتكما فهو علی
 اربعة اوجه : ان صدقاها فسد النکاح وان کذباها و هی عدلة فالتزوة المفارقة
 ویسعه المقام معها و کذا لو شهد غیر عدول او امرأتان او رجل وامرأة وان صدقا
 الرجل و کذبتها فسد النکاح وان بالعکس لا یفسد و لها ان تحلف و یفرق اذ نکل اه
 (ص ۶۷۸ ج ۲) واللہ اعلم

حزرة ظفر احمد عفا عنه از تھانہ بھون

۴۔ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ

تحقیق اختلاف روایات | سوال : ایک عورت مسماة زینب کہتی ہے کہ میں نے
 درباب ثبوت رضاع | مسماة کریمہ کو بسنِ صغیری اپنا دودھ پلایا ہے اور ایک
 عورت دوسری بھی گواہی دیتی ہے کہ ہم نے زینب کو کریمہ کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھا تھا
 دوسرا کوئی گواہ نہیں اب اس زینب کے قول اور دوسری عورت کی گواہی سے اُخ
 زینب کو کریمہ کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور رضاعت ثابت ہے یا نہیں
 اگر نہیں تو ذیل کی عبارت کا کیا مقصد ہے

ففي الفتاوى الهندية والمصرية : و اذا قالت هذا ابني رضاعاً و
 اصرت عليه جازله ان يتزوجها لان الحرمة ليست اليها قالوا : و به يفتى في جميع
 الوجوه كذا في البحر الرائق (ص ۳۷۱ ج ۱)

اور فتاویٰ قاضیخان میں ہے : وان اراد الرجل ان یخطب امرأة فشهدت امرأة
 قبل النکاح انھا ارضعتھا کان فی سعة من تکذیبھا کما لو شهدت بعد النکاح
 اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے : ولا تثبت بشهادة الواحدة سواء كانت اجنبية او
 امراحد الزوجین . انتهى ۔

اگر درست ہے تو زیرین عبارتوں کا کیا مقصد ہے ؟ :

ففي البزازية : صغير وصغيرة بينهما شبهة الرضاع ولا يعلم ذلك حقيقة

لاباس بالنکاح بینہما اذا لم یخبرہ واحد فان اخبرہ واحد عدل ثقہ یؤخذ
بقولہ ولا یجوز النکاح بینہما وان اخبر بعد النکاح فالاحوط ان یفارقہا الخ
اور رد المحتار میں ہے : لو شهدت بہ امرأة قبل النکاح فهو فی سعة من تکذیبہا
لکن فی محرمات الخانیة ان کان قبلہ والمخبر عدل ثقہ لا یجوز النکاح وان بعده وھما
کبیران فالاحوط التنزیہ انتہی۔ بیّنوا توجروا

احقر غلام محمد ملک - قریہ قادر بخش سندھ

الجواب

اصل یہ ہے کہ ثبوت رضاع میں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات سے شہادت
عادلہ واحدہ کا کافی ہونا بھی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اخیر کی عبارات سے مفہوم ہوتا ہے اور ظاہر
روایت جو متون میں مذکور ہے اس کا مقتضایہ ہے کہ بدون دو عادل مرد یا ایک عادل مرد
اور دو عادل عورتوں کے ثبوت رضاع نہیں ہو سکتا اور مذہب میں معتمد بھی یہی ہے۔
قال فی الدر : وجتہ حجة المال وھما شہادة عدلین او عدل وعدلتین اھ
قال الشامی : وافاد انہ لا یشیت بخبر الواحد امرأة کان اورجللاً قبل
العقد او بعده وبہ صرح فی الکافی والنهاية تبعاً لما فی رضاء الخانیة الی ان قال بعد
نقل الروایات المفیدة لثبوتہ بخبر الواحد لکن قال فی البحر بعد ذلك ان ظاہر
المتون انہ لا یعمل بہ مطلقاً فلیکن هو المعتمد فی المذهب - قلت : وایضاً ظاہر
کلام الکافی للحاکم الذی جمع کتب ظاہر الروایة وفرق بینہ وبين قول خبر الواحد
بنجاسة الماء او اللحم - فراجعہ من کتاب الاستحسان اھ (ص ۶۷۸ ج ۲-)
پس صورت مسئلہ میں فتویٰ کی رو سے ان دونوں میں نکاح درست ہے
لیکن تقویٰ اور ورع یہ ہے کہ نکاح نہ کیا جائے اور ہو گیا ہے تو مفارقت کر لی جائے

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ از تھانہ بھون

۲۳ رذی الحجہ ۱۴۲۲ھ

مدت رضاعت کے بعد دودھ پلانے سے رضاعت کا معتبر نہ ہونا
سوال : تین برس کی لڑکی اگر نکاح کے بعد داماد کی ماں یعنی نابالغہ بیٹی نے شوہر کی ماں

کی پستان میں منہ میں ڈالنا بشرطیکہ اس پستان میں مطلقاً دودھ نہیں اب فقط خود شام کی پستان میں منہ دینے سے رضاعی بہن ہوگی یا نہ اور حرام ہوگی یا نہیں ؟

الجواب

صورتِ مسئلہ میں رضاع متحقق نہیں ہوگا کیونکہ رضاع مدتِ رضاع میں دودھ پینے کو کہتے ہیں اور یہاں نہ دودھ پیایا گیا اور نہ وہ بچی اتنی عمر کی ہے جو رضاع کے لئے شرط ہے

وفی تنویر الابصار : حولان ونصف عنده وحولان عندها وهو الاصح (شامی ج ۲ ص ۶۶۱)
وایضاً فیہ : ویشیت التحريم فی المدة وقال الشامي تحت قوله فی المدة فقط
اما بعدها فانه لا یوجب التحريم - بحر (ص ۲۶۲ ج ۲)

وقال الشامي تحت قول الدر : (فلو التقم الخ) وفي القنية امرأة كانت تعطي ثديها صبية واشتهر ذلك بينهم ثم تقول لم يكن في ثديي لبن حين القمتها في ثديي ولم يعلم ذلك الا من جهتها جاز لابنها ان يتزوج بهذه الصبية اه
(ص ۶۶۲ ج ۲) والله اعلم

الاجوبة صحيحة

ظفر احمد عفا الله عنه

۲۶ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ

مسئلہ رضاعت | **سوال** : کیا رضاعت کے ثبوت کے لئے شہادت اس قدر کافی ہے کہ بچہ کو ایک عرصہ تک گود میں پستان منہ میں لیتے دیکھا ہے یا دودھ کا معاینہ ضروری ہے اگر معاینہ ضروری نہیں تو بعض کا کہنا کہ پستان دوھنے سے رقیق سا پانی نکلتا تھا دودھ نہیں تھا اور بعض کا کہنا ہے کہ کچھ بھی نہیں نکلتا تھا محل فی الشہادۃ ہے یا نہیں مرضہ کا انتقال ہو گیا ہے

الجواب

اگر رضاع کا دعویٰ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں کرتی ہوں (جن میں ایک دایہ بھی ہو سکتی ہے) تو ان کا بیان لکھا جائے کہ وہ کیا کہتی ہیں پھر جواب دیا جائیگا

الاجوبة صحيحة

ظفر احمد عفا الله عنه
۸ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

احقر عبد الکریم عفا الله عنه

۸ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

سوال: ایک عورت ایک شیرخوار لڑکا چھوڑ کر مر گئی وہ لڑکا اپنی بیٹے کی اختِ رضاعیہ سے نکاح جائز ہے

حقیقی نانی کا دودھ پیا اور لڑکے کی ایک نابالغہ خالہ ہے اس خالہ کے ساتھ لڑکے کے باپ نے نکاح کیا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

محمد یاسین خان

موضع الکدیہ پوسٹ بوگیہ ضلع جسر

الجواب

فی الدر : (فیجر منه ما یحرم من النسب الام اخیه واخته واخت ابنه) وبنته الخ۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ شخص اپنی سالی سے نکاح کر سکتا ہے

صحیح

ظفر احمد عفاعنہ

۵ رذی قعدہ ۱۴۲۲ھ

احقر عبد الکریم

سوال: ایک عورت آٹا گوندھ رہی تھی اور اس کی پستان سے دودھ نکل کر آٹے میں گر کر مل گیا اب وہ اس گھر کا آٹا کھا سکتی ہے یا نہیں اور کون کون کھا سکتا ہے۔ سنا ہے کہ خاوند کو حرام ہے اور عورت کو مکروہ ہے اور بچوں کو جائز ہے۔ اس مسئلہ سے تفصیل کے ساتھ مطلع کریں۔ فقط

آٹا گوندھتے وقت پستان سے دودھ گر کر آٹے میں مل گیا تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں شوہر اس کو کھا سکتا ہے

زیادہ حدادب۔ پٹیالہ خادم فتح محمد

الجواب

آٹے میں دودھ گرنے سے اس آٹے کا کھانا موجب حرمت نکاح نہ ہوگا لائق لیس فی معنی الرضاع لاسیما بعد اقرانه بالخبر اور نہ اس سے رضاع ثابت ہوگا البتہ دودھ جزوانان ہے جس کا استعمال قصدًا جائز نہیں چاہے کھانے ہی میں ہو پس اس سے احتراز اولیٰ ہے لیکن چونکہ وہ پکتے میں جل جاتیگا اور شئی قلیل ہے اس لئے احتراز واجب نہیں اس کی روٹی سب کو کھانا جائز ہے۔ لما فیہ من الحرج وهو

ظفر احمد از تھانہ بھون

مرفوع عن الامۃ۔ واللہ اعلم

۱۶ شعبان ۱۴۲۵ھ

رضاع کے متعلق ایک مفصل فتویٰ | سوال : بخد مت اقدس حضرت مخدومی و محمدی جاب
مولانا اشرف علی صاحب ادام اللہ بقاء کم و رزقنا اللہ لقاء کم - السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ
مرجو کہ عنایت مربیانہ فرمودہ از ارسال اجوبہ مسئلہ بندہ را مقتضی و ممت از فرمایند - امید کہ
در ارسال اجوبہ دیر نہ فرمایند - اجوبہ مدلل و مؤید عبارات فقہیہ ارشاد فرمایند کہ جمیع علماء و
اسئلہ ذیل رجوع بآن حضرت بابرکت نموده اند صرف بہ آمدن اجوبہ از آن حضرت نزاع و
مخاصمہ دینی ایشان مدفوع و مرفوع خواهد شد -

حقیقت ہمیں طور است کہ در میان ولی محمد نامی و مسماۃ حوا رضاع شتھر شدہ بود از یکی
مولوی صاحب پر سیدند مولوی صاحب تقصص نمود نزد مولوی صاحب مادر ولی محمد و خواہر مرضعہ
گفتند کہ مارا مسماۃ خواہر مرضعہ اولی کہ اکنون فوت شدہ است گفتہ بود کہ من ولی محمد را شیر
خود در مدت رضاع دادہ ام مولوی صاحب گفت چونکہ شہدان دیگر نیستند لہذا ولی محمد را
میرسد کہ با خواہر حوا کہ ہم حوا نام دارد نکاح می تواند کرد ہمیں تحریر را ولی محمد نزد مولوی صاحب
دیگر برد، مولوی صاحب دیگر ولی محمد را گفت تو درین بارہ چہ می گویی ولی محمد قرآن شریف
بہ سر برداشتہ ہمیں اقرار و تصدیق نمود

اقرار و تصدیق ولی محمد و ہوہذا

مراسماۃ باطل کہ زن برادر من است گفتہ کہ تو طفل شیر خوارہ بودی و گریہ میکردی برائے
تکی تو ترا پیش خواہر خود کہ مسماۃ حوا بودی بردم و حوا را می گفتم کہ ولی محمد را پستانہائے خود
بدہ پس مرا حوا می گفت کہ اکنون ولی محمد را شیر خود نوشانیہم یعنی پستانہائے خود دادم اورا
زیر دار و مرا عام مردمان دیگر ہمہ ایگان و خویشان ما ہستند ہم گفتہ کہ تو در صغر (مدت رضاع)
پستانہای حوا با خان محمد کہ پسر حوا بود نوشیدہ اکنون آن مردمان مردہ اند - اکنون من میگویم
کہ آن کسان را کہ مرا گفتہ کہ تو پستانہائے مسماۃ حوا نوشیدہ حکایت و شہادت ایشان
صدق است تا ہنوز نکاح من با حوا ثانیہ (خواہر حوا مرضعہ) نشدہ است باقی نامزدگی
ہست نشان انگشت چپ ولی محمد □ — پس مولوی صاحب دیگر گفت رضاع
ثابت است ولی محمد را نمیرسد کہ با خواہر مسماۃ حوا کہ ہم حوا نام دارد نکاح کند حوا ثانیہ
خالہ رضاعیہ ولی محمد می شود و ولی محمد اقرار مع الثبات و تصدیق شرعیہ نمودہ است -
درین اثنا برگفتہ مولوی صاحب اول اعتماد نمودہ و از گفتہ مولوی صاحب دیگر بی اعتنائی

کرده ولی محمد با خوانش آنکه خواهر مرصعه اوست نکاح نمود. آخر الامر ولی محمد و پدر خوانش
برای فیصله شرعی محکم گرفتند محکم اولاً از ولی محمد پرسید که تو این اقرار و تصدیق نزد
مولوی صاحب فلاں (دیگر) کرده و محکم آن اقرار و تصدیق خواند ولی محمد گفت هر چه درین
بیان مرقوم می باشد مرا تائید نمی شود که همان بیان است یا نه باقی نشان ترا انگشت من پس
محکم از حافظ عبد الله که شاهد بر اقرار و تصدیق او بود پرسید حافظ عبد الله دست
بر قرآن شریف داشته گفت من شاهد می دهم که پیش من ولی محمد نزد مولوی صاحب
دیگر همین اقرار الخ نموده است و در اقرار خود ولی محمد گفت که تقسیم صدق است
و دستخط بر شهادت اقرار من است بعد محکم از مولوی شفیع محمد پرسید آن گفت که من
شاهد می دهم تقسیم که نزد من ولی محمد تحریر مولوی صاحب اول بیاورد چونکه در آن
تحریر بیان ولی محمد مرقوم نه بود از وی پرسیدم او قرآن شریف بر سر داشته اقرار و تصدیق
نمود الخ بعینه نمود پس محکم صاحب خدای داند بر کد این دلیل حکم بجزاز نکاح
نمود هر چند که گفته شد محکم صاحب دلیل در حکم نباید تفتیش نموده و با علماء دیگر صفائی کرده
حکم باید کرد مگر محکم صاحب نه صفائی و تفتیش منظور کرد ورنه از حکم جواز باز ماند. از جوابات
مسئله همین هم مرهون منت فرمایند.

سوال اول: در فتاوی عالمگیریه است در باب رضاع ولو جحد الاقرار فشهدا
علی الاقرار فرق بینهما. مراد ازین اقرار مطلق اقرار است یا اقرار
مع الثبات است؟ گرفتن شهود عند انکار الاقرار در مطلق اقرار است یا در اقرار مع الثبات؟
اگر اقرار رضاع بدون ثبات کرد پس در انکار ازین اقرار هم قاضی را میرسد از گواهی گواهی
شرعی گرفت تفریق نماید یا اقرار مع الثبات شرط گرفتن شهود عند الانکار است و
بدون اقرار مع الثبات در صورت انکار اقرار مطلق شود نمی تواند گرفت.

سوال دوم: در رجوع عن اقرار الرضاع و جحد عن الاقرار فرق است یا نه؟
سوال سوم: چنانچه تصدیق زوج مرصعه را نکاح را فاسد میگرداند کذلک
تصدیق زوج مرصعه در رضاع را نکاح را فاسد نمی گرداند.

سوال چهارم: اگر زوج زوجه خود را گفت هذه اختی و بعده بلا النقطاع
نفس گفت و هو صدق اقرار مع الثبات خواهد شد یا نه یا در اقرار مع الثبات

در میان کلام ”ہذہ اختی“ و میان کلام ”ہو صدق مع انقطاع نفس و تاخیر...“
و مجلس دیگر شرط و ضروری است۔

سوال پنجم : ثبات چنانچہ بالفاظ ”ہو حق او صدق او کما قلت و نحوہ“
محقق می شود یا نہ؟۔ در اشباہ است در باب شہادت ”و ہذا مشروط بہما
اذا المرئیت علی اقرارہ بان قال ہو حق او صدق او کما قلت او شہد علیہ
بذلك شہود الخ“

السائل : بندہ شفیع محمد مسجدی پوسٹ قاضی محمد عارف
تعلقہ میٹر ضلع لاڑکانہ سندھ بمعرفت قاضی عبدالحکیم

الجواب

صورتِ مسئلہ میں چونکہ ولی محمد نے ایک عالم کے سامنے قرآن سر پر رکھ کر اقرار
رضاعت کیا ہے اور یوں کہا ہے کہ : ”من میگویم کہ آن کسان کہ مرا گفتہ اند کہ تو پستانکا
سمتاہ حوا نوشیدہ حکایت و شہادت ایشان صدق است الخ۔ اور اس اقرار
پر دو گواہ موجود ہیں۔ تو اگر یہ دونوں گواہ عادل ہوں تو موشی ولی محمد کا نکاح حوا
ثانی سے درست نہیں ہوا دونوں کو ایک دوسرے سے متارکت و تفریق واجب ہے
قال فی البحر : و ینبغی ان یکون الفساد فی الرضاع الطاری علی النکاح
امّا لو تزوج امرأۃ فشهد عدلان انها اختہ ارتفع النکاح بالکلیۃ حتی لو
وطئها یحد و یجوز لها التزوج بعد العدة من غیر المتارکۃ (من ج ۲ ص ۳)
وقال فی رد المحتار : بخلاف ما اذا شہد علی اقرارہ او قال ہو حق او
نحوہ فانه یدل علی علمہ بصدق الخبر و انه جازم بہ فلا یقبل رجوعہ بعد اھ
(ص ۶۷۷ ج ۲)

سوالات زائدہ کا جواب حسب ذیل ہے

۱ عبارت عالمگیر یہ میں اقرار سے مطلق اقرار مراد ہے اگر کوئی شخص اقرار رضاع کا
منکر ہو جائے تو مطلق اقرار پر شہادت قبول کی جائیگی مگر مشہود علیہ رجوع کر سکتا ہے

عہ عطف علی قولہ قال ہو حق تحت قولہ بان فافہم

اقرار مع الثبات پر شہادت لینے کی ضرورت نہیں اگر مشہود علیہ رجوع نہ کرے اگر مطلق اقرار پر شہادت عادلہ قائم ہوگئی تو قاضی تفریق کر سکتا ہے کیونکہ حجیت اقرار کے لئے ثبات شرط نہیں اگر مقرر نے رجوع نہ کیا ہو بلکہ ثبات کی شرط صرف عدم صحت رجوع کے لئے ہے۔
کما یظهر من الدر والشامیہ وغیرہما من المتن والشرح۔

۲۔ مجود عن الاقرار اور رجوع عن الاقرار میں فرق ظاہر ہے۔ مجود کے یہ معنی ہیں کہ یوں کہے کہ میں نے اقرار ہی نہیں کیا اور رجوع عن الاقرار میں اقرار کو تسلیم کر کے اس اقرار کی تکذیب و تغلیط کرتا ہے کہ میں نے اس اقرار میں غلطی کی تھی صحت رجوع عن الاقرار میں یہ شرط ہے کہ اقرار سابق مع الثبات نہ ہو اور اگر شہادت عادلہ سے اقرار سابق کا مع الثبات والا صریح ہونا ثابت ہو جائے تو رجوع معتبر نہ ہوگا۔

۳۔ ہاں تصدیق مرضعہ و تصدیق شہود رضاع دونوں موجب اقرار رضاع و مستلزم فساد نکاح ہیں لا فادتهما اقرار الرضاع واشباتہ واللہ اعلم۔

۴۔ جب اقرار رضاع کے بعد ”ہو صدق او حق او ہو کما قلت وغوٹن الالفاظ المؤکدة استعمال کئے جائیں خواہ متصل یا منفصلاً تو یہ اقرار مع الثبات ہوگا

لما فی الدر: ولو ثبت علیہ بان قال بعده هو حق کما قلت ونحوہ (ص ۱۶ ج ۲) و قوله بعده یعم المتصل والمنفصل کلیهما وانما یشترط اتحاد المجلس لان التاکید من بیان المقرر و بیان التفسیر والتقریر یجوز موصولاً ومفصولاً کما حقہ الاصولیون (ص ۲۱۱ نوادر)

حزرة الاحقر ظفر احمد عفا عنه

۱۹۔ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ

ضمیمہ متعلق سوال بالا

سوال: در حق شخصے ولی محمد نسبت رضاع از حوا مشہور بود ولی محمد از جہت تحقیق نسبت یک مولوی محمد ملوک نامی را گرفتہ آورد کہ شرعی تحقیق کردہ حکم نماید اگر رضاع ثابت بہجت شرعی شود فہما والا ہمیشہ حوا را نکاح کند مولوی محمد ملوک آمدہ تحقیق کرد و خوب تفتیش نمود معلوم شد کہ مسماہ ہاتل را خبر است ہاتل را طلبید ہاتل گفت کہ من ولی محمد را در خوردگی نزد حوا بردم کہ او را حفظ کند بعدہ وقتیکہ از جہت برداشتن می آمد م حوا می گفت کہ من اورا پستان دادہ ام من بچشم خود گاہے ولی محمد را شیر نوشاندہ از حوا ندیدم بنا بر خبر حوا حکایت رضاع مشہور کردم و بجز ہاتل بیچ

شاید پیدانشد که از رضاع خبر دهد و شهادت ادا کند مولوی صاحب حکم کرد رضاع ثابت نیست و ولی محمد را میرسد که همیشه حواری نکاح کند و تحریر نوشته داد که از مولوی صاحب شفیع محمد شفیع کنا نید آید مولوی شفیع محمد ولی محمد را گفت که من ترا حلف داده می پرسم که تو چه میگوئی؟ بعهده مولوی صاحب او را به مسجد شریف برده کلام الله شریف بر سرش داده پرسید که چه حال هست. در جواب مولوی صاحب الفایکه مولوی صاحب در اقرار نامه نوشته از و نشان قبولیت گرفت اقرار نامه بعینه در زیر ثبت است بنا برین اقرار مولوی محمد شفیع تحریر کرد که رضاع ولی محمد از حوا ثابت است که نزد من تصدیق مخبران کرده و تصدیق اقرار بعهده ولی محمد بر آن اقرار استقیم نماند و اصرار نه کرد بلکه گفت که من اقرار نه کرده ام مرا به نسبت رضاع هیچ خبر نیست مولوی صاحب بر سرم قرآن شریف در مسجد داد از هدایت کلام الله شریف پریشان شدم و ندانستم که چه گفتم بعهده از اقرار. محمود کرده همیشه خود را نکاح کرد از جهت تصفیة این فیصله یک محکم مقرر کرد نزد محکم از ولی محمد پرسید که تو نزد مولوی شفیع محمد تصدیق کرده گفت نه، مولوی شفیع محمد شهادت داد که ولی محمد نزد من تصدیق کرده و دیگر یک شاهد حافظ الله بنامی گفت که من یاد ندارم که اقرار رضاع و تصدیق کرده یا نه؟ بعهده چون اقرار نامه شنید گفت بله این چنین در جواب مولوی شفیع محمد گفت محکم حکم کرد که رضاع ثابت نیست آیا درین صورت حکم محکم صحیح است یا نه؟ و رضاع ولی محمد از حوا ثابت می گردد یا نه و اقرار و تصدیق که ولی محمد کرده بدون اصرار و دوام مثبت رضاع قابل اخذ شهادت میشود یا نه؟ بلکه از جهت عدم اصرار و ثبات تحت نیست و اخذ شهادت بی سود. بینوا تو حوا

الجواب

در صورت مستوله خود اقرار ولی محمد مثبت حکم حرمت رضاع و مفید محرم نیست فضلاً عن التكلف لا ثبانه علیه، زیرا که ولی محمد بر زبان خود نه گفته است که من شیر حوا نوشیده ام یا خواهر حوا خاله رضاعیه ام می باشد بلکه غایه الامر آن است که تصدیق گوایان بگفتن مولوی شفیع محمد نموده و آن نیز اگر چه بموجب تفوه بما لا یفقه کلامی بود که قائل از حقیقت آن آگاه نبود اما اگر تنزل از آن کرده تسلیم تصدیق او کنیم تا هم اقرار رضاع بدان ثابت نمی گردد چه اقرار به تصدیق آن شهود ثبوت می پذیرد که شهادت او شان نیز مثبت رضاع باشد و در صورت مستوله شهادت او شان که حسب سماع است و فقط به اشاعت با تل خبر به اسماع آنان رسیده و خود با تل نیز مقرر بر دیت خود نیست بلکه خبر سماع از خواهر خود حوا میکند

چنانکه فیصله مولوی محمد ملوک صاحب و بیان ولی محمد بر آن دلالت می دارد و لهذا بتصدیق چنین
شهود اقرار بر ضاع ثابت نخواهد شد و اگر ازان هم تنزل نمایم و فرض کنیم که این تصدیق
شهود عیانی است و تصدیق شهود اقرار است چنانکه صاحب در المختار تصدیق شهود را اقرار
گفته است -

حيث قال في كتاب الشهادة واما قوله صدقوا او هم عدول صدقة فانه
اعتراف بالحق فيقضى باقراره انتهى (ص ۴۱ جلد رابع رد المختار مطبع مصری)
تا هم مفید مقصود محرم نیست زیرا که بعد اقرار ثبات مقرب اقرار نیز شرط برائے تفریق بین
الزوجین است و آن درین صورت مفقود است -

قال في الدر المختار (ص ۴۲ جلد ثانی رد المختار مطبع مصری) فی باب الرضاع
قال لزوجه هذه رضیعتی ثم رجع عن قوله صدق لان الرضاع مما يخفى فلا يمنع التناقض
فيه ولو ثبت عليه بان قال بعده هو حق كما قلت ونحوه هكذا فسر الثبات فی الهدایة
وغيرها فرق بینهما انتهى

ولی محمد را که مولوی شفیع محمد اقرار به اجراء کلام کنایه است در آن فقط اقرار است
که رجعت ازان صحیح است و ثبات بر اقرار که بعد از اقرار باشد چنانکه لفظ بعده در
عبارت مذکوره بر آن دلالت می دارد و یافته نمی شود پس حکم مولوی شفیع محمد بحرمت رضاع
با وجود انکار ولی محمد و گفتن او مرا خبری از سخن او نیفتاده که چه گفته من فقط الفاظ را حسب
گفتن او می گفتم خلاف شریعت است

والحاصل ان الثبات على الاقرار هو ان يقول بعد الاقرار انه حق او هو كما قلت او
ما يفيد ذلك المعنى كما تبين من عبارة الدر المختار التي نقلناها سابقاً وكما صرح به في فتح المعين
حاشية المسكين شرح الكنز حيث قال: قال لزوجه هي اتي او اختي او بنتي من الرضاع و
اصر على ذلك بان قال بعده هو حق كما قلت فرق بينهما ولم يصير بل قال أخطأت او نسيت
لم يفرق انتهى فالبعدية المصحح بها في هاتين العبارتين تستلزم ان يكون الاقرار سابقاً
على الثبات ومن المعلوم ان غاية ما يثبت فيما نحن فيه من كلام ولي محمد هو تصديق الشهود
فان ولي محمد قال (ان شهادة الشهود صادقة) فلو جعلتم هذا التصديق اقراراً كما تشهد به
عبارة الدر في كتاب الشهادة فاین اللفظ الدال على الثبات الذي يكون بعد الاقرار

وان جعلتموه ثباتاً على الاقرار فاين الاقرار السابق على الثبات فعلم انه ليس ههنا الا
الاقرار المعزى عن الثبات . قد تقدرا انه يجوز الرجوع عنه . هذا ما ظهر لى فى هذا الباب
والله اعلم بالصواب .

حزرة الفقير محمد ابراهيم الياسينى تجاوز الله عنه

هذا هو الحق الصريح والجواب الصحيح وانا المصدق

نشان مهر

الفقير محمد قاسم المتوطن فى كرهى ياسين

برسر کوثر محمد قائم است

نقل اقرار نامه ولى محمد

مراسمة باتل كه زن برادر من است خبر كرده بود كه ترا از جهت نظردارى نزد همشيره خود
مسماة حوامى بر دم و حوارامى گفتم كه ولى محمد را پستان بده بعه مرامى گفت كه الحال پستان اورا
داده ام و شير نوشانيده ام با خود برداشته بر دم را و ديگر آدميان از حوار و اقرباء نيز عامى گفتند
كه تواز حوا بمعه خان محمد در صفارت پستان نوشيده الحال آن آدميان مرده اند و درين وقت ميگويم
كه آن آدميان كه مرا گفته اند كه تواز حوا شير نوشيده حكايت اوشان و شاهدے راست ست ،
من تا همنوز به حوا صغيره (همشيره حوا كلان كه از و نسبت رضاع مشهور بود) نكاح نكرده ام باقى
نامزدگى شده است .

الجواب من جامع امداد الاحكام

اس سوال میں اور پہلے سوال میں جو مولوی شفیع محمد صاحب نے بھیجا تھا فی الجملہ مخالف ہے ۔
پہلے سوال میں مسماة باتل کو لکھا ہے کہ مرگئی ہے ، اب زندہ نہیں اور اس سوال میں مسماة باتل
کو زندہ ظاہر کیا ہے اور یہ کہ اس کو طلب کر کے اس سے بیان لیا گیا لیکن بہر حال قاعدہ فقہیہ
یہ ہے کہ « المرأ یؤخذ باقرارہ » مستثنی ولى محمد نے مسماہ باتل کا جو بیان اپنے اقرار میں ظاہر
کیا ہے اور اس پر قسم کھائی ہے وہی اس پر حجت ہے ۔ بینہ اور شہادت کی ضرورت تو وہاں
ہو جہاں مقرر کا اقرار موجود نہ ہو ۔ پھر مستثنی ولى محمد نے اپنے اقرار میں صرف مسماہ باتل پر مدعا نہیں
رکھا بلکہ دوسروں سے بھی سماع رضاع بیان کیا ہے کہ مراد دیگر آدميان از حوار و اقرباء نيز عام
مى گفتند کہ تواز حوا بمعه خان محمد در صفارت پستان نوشيده الحال آن آدميان مرده اند اور
مستثنی ولى محمد اگر اسی بیان پر اکتفا کرتا تو اس سے اقرار رضاع بجا ثابت ہو جاتا کیونکہ ولى محمد نے

یہ سب بیان حلف کے ساتھ دیا ہے مگر اس کے بعد کہتے ہیں «درین وقت من میگویم کہ آن آدمیان کہ مرا گفتہ اند کہ تو از حواشیر نوشیدہ حکایت اوشان و شاہدے راست است» اور یہ ثبات ہے مجیب کا اسی کو اقرار سمجھنا اور یہ کہنا کہ اس کے بعد ثبات کہاں ہے نہایت عجیب ہے اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ یہی اقرار ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اقرار مع الثبات ہے اور اس نے جو در مختار کے قول «ولو ثبت علیہ بان قال بعدہ الخ» سے یہ سمجھا ہے کہ ثبات کے لئے اقرار کے بعد ہونا ضروری ہے، صحیح نہیں بلکہ بعد کی قید محض تمثیل و توضیح ہے ورنہ ثبات مع الاقرار بھی ہو سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ابن عابدین علی البحر (ص ۲۳۲ ج ۳)

صریح ہذا النقول و منطوقہا مع العلم بوقوع العطف التفسیری فی الکلام الفصیح شاہد بان المراد بالثبات والدوام والاصرار واحد۔ و بان الثبات علیہ لا یحصل الا بالقول بان یشہد علی نفسه بذلك او یقول حق او کما قلت او فی معناء کقولہ ہو صدق او صواب او صحیح او لا شک فیہ عندی ولا ریب ان قولہ ہو صدق اکدم من قولہ ہو کما قلت اھ

اس میں صاف بتلایا گیا ہے کہ شہادت علی الرضاع یعنی قسم اور شہادت کے لفظ سے رضاع کا اقرار بھی ثبات میں داخل ہے اور ظاہر ہے کہ قسم و شہادت مقسم بہ سے مقدم ہوتی ہے نہ مؤخر اور بحر و درر وغیرہ میں بھی کسی نے «بعدہ» کی قید بیان نہیں کی۔ پس ہمارے نزدیک تفسیر ثبات کی یہی ہے کہ اقرار مؤکد ہو چنانچہ عبارت بحر میں «ہو صدق» کو «ہو کما قلت» سے مؤکد ہونے ہی کی وجہ سے ثبات میں داخل کیا ہے۔ پس اگر اقرار مؤکد ہو گا خواہ یمین سے خواہ اس قول کے ساتھ کہ یہ بیان صحیح ہے تو ثبات کا تحقق ہو جائیگا اور رجوع قبول نہ ہو گا کیونکہ ثبات تاکید ہے اور تاکید مفید حزم ہے۔

قال الشامی: بخلاف ما اذا شهد علی اقرارہ او قال ہو حق او نحوہ فانه یدل علی علمہ بصدق الخبر و انه جازم بہ فلا یقبل رجوعہ بعدہ الخ (ص ۲۳۱)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ ثبات کے بعد اس لئے رجوع صحیح نہیں کہ وہ علم بصدق خبر اور حزم بہ پر دال ہے اور یہ فائدہ ہر اس کلام سے حاصل ہو سکتا ہے جس میں تاکید موجود ہو خواہ اقرار کے ساتھ تاکید ہو یا اقرار سے منفصل ہو پس صورت مسئلہ میں اقرار ولی محمد مع الثبات متحقق ہے۔ اب اس کا اس بیان سے رجوع کرنا اور یہ کہنا کہ میں نے قرآن کی دہشت سے

یہ کہا تھا اور بے خبری میں کہا تھا سب لغو ہے۔ واللہ اعلم
 ظفر احمد عفاعنہ از تھانہ بھون
 ۹ جمادی الاول ۱۴۳۵ھ

مسئلہ رضاعت | سوال : اگر کسی کے درحق اوالبتہ نسبت رضاع مشہور ہو اور اس پر سیدہ شد کہ توجہ می گوئی ؟ اور قرآن شریف برسر داشتہ گفت کہ مرا یک زن خبر کردہ کہ رضاع ہست تصدیق آن قول نہ کرد نہ تکذیب این را اقرار بہ رضاع گفتہ شود یا نہ ؟ بلکہ از جہت اقرار تصدیق ضرور است ؟

الجواب

اس صورت میں محض اخبار رضاع ہے اقرار ثبوت رضاع نہیں۔ کیونکہ قائل نے یہ نہیں کہا کہ میں اس کے قول کی تصدیق کرتا ہوں اور محض ایک عورت کا بیان ثبوت رضاع میں حجت نہیں اور قرآن سر پر رکھنا بدو لفظ قسم کے قسم نہیں اور ہو بھی تو اس سے محض اخبار مرآۃ پر جزم کا اظہار ہوا اس کی تصدیق پر تو جزم نہیں ہوا۔ ہذا ما علمتہ واللہ اعلم
 حذرہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۸ شعبان ۱۴۳۵ھ

رضاعی بھتیجی سے نکاح حرام ہے | سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو آپس میں ایک دوسرے کے علی الترتیب حقیقی ماموں بھانجے ہیں عمرو نے ایام طفولیت میں زید کی والدہ یعنی اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا ہے اس وقت نانی کی عمر ۳۵ سال کی تھی اور جس زمانے میں عمرو نے اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا اس زمانے میں زید کی عمر دو سال کی تھی اب تجویز یہ ہے کہ زید کی جو ایک ہندہ نامی لڑکی ہے اس کو عمرو کی زوجیت میں دیا جائے لہذا اس مسئلہ کا جواب باصواب مع حوالہ کتب مستند تحریر فرما کر ارسال کریں فقط یتینوا توجروا۔ المستفتی : محمد حشمت اللہ ایاضی چوک برہانپور

الجواب

عمرو کا نکاح زید کی کسی لڑکی سے بھی جائز نہیں کیونکہ زید و عمرو رضاعاً بھائی ہو گئے پس زید کی لڑکی عمرو کی بھتیجی ہوتی اور بھتیجی سے نکاح حرام ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب « متفق علیہ »

والمسئلة مصرحة في سائر كتب الفقه والله اعلم

حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۴ شوال

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ تنہا مرضہ کی شہادت ثبوت رضاعت کے لئے کافی نہیں ہے کے ہاں دختر تولد ہوئی۔ ولادت کے وقت اس لڑکی کے منہ میں دانت بھی دو عدد موجود تھے ایسے بچہ کو عام طور پر منخوس خیال کیا جاتا ہے اس لڑکی کے ماموں مسٹی زید کی منشا اپنے بیٹے کے ساتھ اس لڑکی کو منسوب کرنے کی تھی ہندہ بھی رضامند تھی مگر عام طور پر یہ مشہور ہو گیا کہ زید کی بیوی نے ہندہ کی بیٹی کو دودھ اپنا پلا دیا ہے۔ ہندہ فوت ہو گئی ہے اور اس کا خاوند بھی فوت ہو گیا۔ گویا عام خیال کے مطابق اس لڑکی کا منخوس ہونا بھی مسلم ہو گیا مگر زید اپنے خیال پر قائم ہے اور ان خیالات کو لغو قرار دیتا ہے چنانچہ اپنے لڑکے کے ساتھ ہندہ کی لڑکی کا عقد کرنے کا سبب انتظام زید نے درست کر لیا۔ برات آ موجود ہوئی مگر چونکہ سب میں یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ اس لڑکی کو زید کی بیوی نے دودھ پلایا ہے۔ پس ناکح نے عدم جواز کا فتویٰ دیکر نکاح پڑھانے سے انکار کر دیا۔ زید اور دیگر معتبر اشخاص کہتے تھے کہ دراصل دودھ نہیں پلایا گیا۔ یہ صرف اس لڑکی کی نحوست سے بچنے کے لئے زنا نہ وہم کی بنا پر ایک چال کی گئی لوگ کہتے تھے کہ خود زید کی عورت کہہ چکی ہے کہ میں نے دودھ پلایا ہے۔ آخر زید کی بیوی سے دریافت کیا گیا۔ پہلے تو وہ کچھ ہچکچاتی پھر اس نے بھری مجلس میں یہ اس الفاظ اقرار کیا کہ ہندہ کی اس لڑکی کو جبکہ وہ بیسٹا یوم کی تھی ضرور گود میں لیکر اپنی چھاتی اس کے منہ میں دی تھی صرف اس بنا پر کہ یہ منخوس لڑکی میرے بیٹے سے منسوب نہ ہو سکے اور میں نے یہ بات اس غرض سے عام لوگوں میں مشہور کر دی تھی لیکن درحقیقت نہ اس لڑکی نے میری چھاتی دبائی نہ کوئی گھونٹ دودھ کا اس نے پیا۔ فوراً ہی میں نے گود سے ہٹا کر الگ لٹا دیا بعد ازاں ہرگز ہرگز کبھی چھاتی بھی اس کے منہ میں نہیں دی۔

زید کی بیوی نے حلفیہ برسر مجلس مذکورہ بیان دیا جب اس کو عذاب الہی سے ڈرایا گیا اور ایمان جاتے رہنے کا خوف دلایا گیا جب بھی اس نے مذکورہ بیان ہی کی تائید کی اور یہ بھی کہا کہ یہ بیان میرا غلط ہے تو میرا منہ کالا ہو اور جہنم نصیب ہو۔ اس پر ناکح نے ہندہ کی لڑکی کا نکاح زید کے بیٹے کے ساتھ پڑھا دیا کہ از روئے فقہ تین گھونٹ دودھ کے پی لینے

سے بھی مانع نکاح نہیں چہ جائیکہ مرضعہ کے قول کے موافق مطلق کوئی گھونٹ دودھ کا پیسا ہی نہیں۔ اگر یہ جھوٹ کہتی ہے تو اس کا وبال اس کی گردن پر ہوگا۔ ہم نے تحت تمام کردی پس کیا یہ نکاح صحیح ہوگی یا نہیں؟ نیز کیا یہ بات ٹھیک ہے کہ تین گھونٹ تک مانعت یا حرمت نکاح بنتا نہیں؟

الجواب

یہ نکاح صحیح ہو گیا کیونکہ ثبوت رضاع کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے اور صورت مسئلہ میں صرف ہندہ کی شہادت بیان کی جاتی ہے جو نا کافی ہے پھر ہندہ نے بھی صرف چھاتی کا منہ میں دینا بیان کیا ہے، دبانے اور دودھ نکلنے کا اور بچی کے دودھ پینے سے وہ حلف کے ساتھ منکر ہے لہذا رضاع کا ثبوت کسی درجہ میں نہیں ہوا اور افواہی شہرت قابل اعتبار نہیں۔ اسی طرح اس لڑکی کو منحوس سمجھنا ہی جائز نہیں۔ شریعت میں اس نحوست کی کوئی اصل نہیں اور جو لوگ ایسی بے اصل باتوں کے معتقد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کبھی بطور سزا کے دنیا میں ان پر کوئی وبال واقع کر دیتے ہیں پس اس عقیدے سے توبہ کرنا چاہئے۔

حضرات تابعین و تبع تابعین میں بعض بچے ماں کے پیٹ سے دانت نکالے ہوئے پیدا ہوتے اور بڑے درجہ کے عالم ہوتے جن سے آج تک برکتیں پھیل رہی ہیں (منہم الضحاک الراوی عن ابن عباس روی عنہ التفسیر والحديث والقراءة) نیز نکاح کا یہ قول بھی غلط ہے کہ تین گھونٹ سے حرمت رضاع نہیں ہوتی۔ حنفیہ اس کے قائل نہیں۔ ہمارے مذہب میں ایک گھونٹ سے بھی حرمت رضاع ثابت ہو جاتی ہے۔ جبکہ بئینہ سے ثبوت ہو جائے۔ والمسئلة مشہورۃ فی الفقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفانہ از تھانہ بھون

۱۶ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

رضاعت کا ایک مسئلہ | سوال : دو سگی بہنیں ہیں جن دونوں کا نکاح دو سگے بھائیوں سے ہوا ان میں سے ایک کا لڑکا ہے اور دوسری کی ایک لڑکی ہے ان کا ارادہ تھا کہ آپس میں ہی اپنی اولاد کی شادی کریں ان کی نندہ ہے جس کے تعلقات دونوں بھاء و جوں سے کشیدہ ہیں۔ وہ گوارا نہیں کرتی کہ ان کی آپس میں رشتہ داری ہو کر اتحاد بڑھے۔ ایک روز لڑکا والی عورت (بڑی بہن) اپنے بچہ کو سوتا چھوڑ کر کسی کے یہاں چلی گئی بعد میں لڑکا جاگ اٹھا۔ چھوٹی

بہن اور نند مذکورہ اس کے پاس تھی نند نے باصرار ادھر ادھر کی باتیں ملا کر لڑکے کو اس کی خالہ سے (جو لڑکی کی ماں ہے) دودھ پلوادیا جو اپنی لڑکی اس لڑکے کے نکاح میں دینا چاہتی تھی۔ دودھ پلاتے وقت اس کو بالکل یاد نہ رہا کہ مجھے تو اس لڑکے کا اس کے بھائی سے اپنی لڑکی کا رشتہ کرنا ہے۔ بعد میں دوسری بہن نے آکر یاد دلایا۔ مگر لڑکا دودھ پی چکا ہے اور نند اپنا کام کر چکی تھی۔ اب توئی درکار ہے کہ جیسے روزہ میں بھولے سے کھانا کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیا یہ بھول شرعاً معاف ہو کر اب بھی ان دونوں بہنوں کے بچوں کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ والسلام

السائل : عبد المتین۔ از تھانی سر ضلع کرنال

الجواب

صورتِ مسئلہ میں حرمتِ رضاع ثابت ہو گئی۔ اب اس لڑکے کا اس خالہ کی کسی لڑکی سے نکاح جائز نہیں، قطعاً حرام ہے۔ بھول چوک کا اول تو اس قصہ میں کچھ لگاؤ ہی نہیں ہے بلکہ قصداً پلایا ہے۔ بھول چوک تو اس کو کہتے ہیں کہ مثلاً اپنا بچہ سمجھ کر اندھیکر وغیرہ کی وجہ سے دوسرے بچہ کو دودھ پلا دیا جائے۔ دوسرے اس بارے میں بھول چوک معاف نہیں ہوتی۔ البتہ جس لڑکے نے دودھ پیا ہے اس کے بھائی کا اس لڑکی سے نکاح جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔

۲۷ جمادی الاول ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح

وما تضمنته كلام السائل من ان الحرام لا يباح الا لامر واجب غير مسلم فان الفطر في رمضان حرام ومع ذلك فيباح لامر جائز كسر۔ كذا في فتح الباري (جلد ۱-۱) قلت: والاصل فيه ما قاله فقہائنا قد يفتقر ضمناً ما لا يفتقر قصداً (الاشباه ۹۶) واللہ اعلم

ظفر احمد عفاعنہ

۲۷ جمادی الاول ۱۳۸۸ھ

مسئلہ رضاعت | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ ہندو اور صابروہ دونوں حقیقی بہنیں ہیں اور رشید و قادر دو حقیقی برادر۔ صابروہ نے قادر

کی والدہ کا دودھ پیا جبکہ اس کی والدہ بیمار تھی یہاں پر قادر کو صابرہ کی ماں کا دودھ انہیں ایام میں جبکہ اس کا سینہ پکا ہوا تھا کھینچانے کی غرض سے ایک دن دیا گیا کہ قادر ہوشیار ہو گیا تھا طاقت و دودھ نکالنے کی رکھتا تھا ممکن ہے کہ پیا بھی ہو لیکن دوسرے دن علیحدہ کر لیا گیا ۱ کیا یہ دونوں (صابرہ و قادر) بھائی بہن ہوئے جبکہ صورت شک کی ہے ۲ اور نیز کیا ہندہ اور رشید بھی رضاعی بھائی بہن ہوئے جنہوں نے دودھ بالکل ایک دوسرے کی ماں کا نہیں پیا؟۔ صورت مسئلہ ۱ میں عقد ہندہ و رشید کا ہو چکا ہے ایک بچی بھی موجود ہے یہ عقد جائز ہوا یا نہیں اولاد کا کیا حکم ہے؟ اگر یہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہوئے تو کیا اب طلاق کی ضرورت بھی ہوگی؟ بتینواتوجروا۔ خادم محمد نور عفی عنہ

الجواب

ہندہ سے رشید کا نکاح جائز ہے گو قادر کا دودھ پینا متیقن یا مظنون بھی ہو۔
کما فی الشامی (ص ۴۱۹ ج ۲) فرع فی البحر عن آخر الميسوط لو كانت ام البنات
ارضعت احدا البنين وام البنين ارضعت احدا البنات لم يكن للابن المرتضع من ام البنات
ان يتزوج واحدة منهن وكان لاختوته ان يتزوجوا بنات الاخرى الا الابنة التي ارضعتها امهم
وحدھا لانھا اختھن من الرضاۃ فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

ارضا نقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفرنگر

۲۹ ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۵ھ

دو برس سے زائد کی بچہ کو دودھ پلانے سے حرمت رضاع ثابت نہیں ہوتی

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ولیما اور رسول بخش دونوں حقیقی بہن و بھائی ہیں مسماۃ ولیما کا ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شمس الحق رکھا گیا جب شمس الحق کی عمر تین سال کی ہوئی اس وقت شمس الحق کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ اسی دوران رسول بخش کی بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوا اور ضائع ہو گیا اس وقت رسول بخش کی بیوی نے شمس الحق کو دودھ پلایا جس وقت رسول بخش کی بیوی نے دودھ پلایا اس وقت شمس الحق کی عمر تین سال کی تھی بعد ازاں رسول بخش کی بیوی کے دو تین لڑکے پیدا ہو کر ضائع ہو گئے اس کے بعد رسول بخش کی بیوی سے لڑکی پیدا ہوئی۔ اب دونوں میں عقد شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ فقط رسول بخش

۲۱ ذیقعدہ سنہ ۱۴۰۵ھ

الجواب

اگر یہ بات صحیح ہے کہ رسول بخش کی بیوی نے جس وقت شمس الحق کو دودھ پلایا تھا اس وقت شمس الحق کی عمر تین سال کی تھی تو اس صورت میں شمس الحق کا نکاح رسول بخش کی لڑکی سے درست ہے کیونکہ دو برس سے زائد کی بچہ کو دودھ پلانا جائز نہیں اور نہ اس سے حرمت رضاع ثابت ہوتی ہے۔ — فلنه لارضاع بعد الحولين و انما الرضاة من المجاعة صرح به اصحاب المتون من اهل المذهب۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عقانہ از تھانہ بھون خاقانہ امدادیہ

۲۶ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ

باب الحضانة

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ محمد اختر نابالغ پسر منظور حق مرحوم کے عزیز حسب ذیل ہیں :

نابالغ کے حق حضانت و ولایت مال میں دادی، ہمشیرہ اور پھوپھی زاد بھائی میں کون مقدم ہے

۱۔ مستاء شمس النساء۔ حقیقی دادی۔ ۲۔ مستاء حسینہ۔ حقیقی ہمشیرہ۔ ۳۔ انوار احمد۔ حقیقی بہنوئی اور محمد اختر کا پھوپھی زاد بھائی۔ ان میں شرعاً محمد اختر کا ولی فی النکاح یا ولی فی المال کون ہے اور اس ولی کو کیا اختیارات حاصل ہیں۔ ولی فی النکاح اور ولی فی المال دونوں کے متعلق شرعاً جو کچھ حکم ہو مفصل بیان فرمائیں۔

الجواب

صورت مسئلہ میں محمد اختر کا ولی فی النکاح اس کی حقیقی دادی ہے۔

قال فی الدر : فان لم یکن عصبة فالولاية للام ثم لام۔ الاب وفي القنية

عکسہ ۱ھ (ص ۵۱۲ ج ۲)

اور ولی فی النکاح کے اختیارات یہ ہیں کہ بلوغ سے پہلے بدون اس کی اجازت کے بچہ کا نکاح صحیح نہیں ہو سکتا اور ولی فی المال ان ورثاء مذکورین میں سے کوئی نہیں۔

قال فی الشامی : فان الولی فیہ الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی و

ناثیہ فقط ۱ھ (ص ۵۰۹ ج ۲)

پس اگر نابالغ کے باپ نے کسی شخص کو وصی بنایا ہو خواہ انہی ورثہ میں سے یا کسی اور کو وہ ولی فی المال ہوگا ورنہ پھر ولایت مال اس کو ہوگی جس کو حق حضانت حاصل ہو اور صورت مسئلہ میں حق حضانت بھی دادی ہی کو حاصل ہے۔

لما فی الدر: ثم ای بعد الام ام الامر ثم ام الاب اه (ص ۱۵۰ ج ۲)
وقال فی الکفایة: وان لم یکن احد من هؤلاء الاربعة (ای الأب ووصیه
والجد ووصیه) جاز قبض من کان الصبی فی عیالہ وحجره ولم یجز قبض من لم یکن فی
عیالہ لانه اذا کان فی عیالہ فله علیہ ضرب ولایة الخ (ص ۴۹۲ ج ۴ - مع الفتح)
وفی الهدایة: ونوع آخر ما کان من ضرورة حال الصغار وهو شراء مالا بد
للمصغیر منه وبیعہ واجارة الاطار وذلك جائز من یعولہ وینفق علیہ کالآخ
والعم والامر والملقط اذا کان فی حجرهم (ج ۲ ص ۲۶۰)

وفی الحامدیة: قولهم: ان عائل الیتیم یملک بیع مالا بد منه خاص بغير
العقار من نحو المنقولات اما العقار فلیس له بیعہ اه (ص ۲۹۶ ج ۲)
ولی فی المال کے اختیارات یہ ہیں کہ یتیم کو کوئی شخص کچھ ہبہ کرے تو اس پر قبضہ کر کے
اس کی حفاظت کرے یتیم کی جائیداد وغیرہ کی حفاظت کرے۔ خود یا بواسطہ وکیل کے
اور جس چیز کی اُس کے لئے خریدنے کی ضرورت ہو خریدے اور اس کی اشیاء منقولہ میں سے
جس چیز کا بیع کرنا مصلحت ہو اس کی بیع کر دے لیکن جائیداد و مکانات غیر منقولہ کی بیع نہیں کر سکتا
واللہ اعلم۔
حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۱۶ محرم الحرام ۱۴۵ھ

اس صورت میں حق حضانت حقیقی خالہ کو | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ
اور ولایت نکاح نانا حقیقی کو حاصل ہے | میں کہ ایک شخص مسلم سنی حنفی نے تین نابالغ لڑکیاں

(۱۰ سال، ۸ سال، ۵ سال) اور ایک نابالغ لڑکا (۶ سال) بوقت انتقال چھوڑا۔
اور پھر شخص مذکور کی موت کے چھ ماہ بعد ان کی اہلیہ یعنی ان چار بچوں کی ماں بھی گذر گئیں۔
فی الحال ان نابالغ بچوں کے قرابت داروں میں ایک حقیقی پھوپھی نانا حقیقی ایک حقیقی خالہ ہیں۔
حقیقی نانا کے بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں بچوں کی حقیقی نانی ۲۵ سال قبل گذر گئیں
سو بلی نانی موجود ہیں اور سو بلی نانی ہی کے سارے بچے حقیقی نانا کے ساتھ ہیں۔ خالہ حقیقی

کے شوہر جو پیشہ سرکاری ملازمت میں ہیں شہر بشہر بدلتے رہتے ہیں ایک شہر میں دو تین سال بھی مستقل طور پر قیام نہیں کر سکتا۔ بھوپھی نانا لگ بچوں کے ساتھ ہمیشہ بیوہ ہو کر رہ رہی ہیں اور ہمیشہ اپنے بھائی مرحوم (بچوں کے والد) کے ساتھ رہی ہیں اور ایک شہر ہی میں مستقل رہنے والی ہیں، لا ولد ہیں خالہ کے بچے متعدد چھوٹے چھوٹے ہیں لہذا صورت مذکورہ بالا میں بچوں کا ولی شرعاً کون مقرر ہو سکتا ہے اور حق وراثت اور حق حضانت کس کو حاصل ہے؟ بیٹنوا تو جروا۔

الجواب

اگر خالہ حقیقی کے شوہر ان لڑکیوں کے محرم ہوں اور خالہ حقیقی باوجود ایسی ملازمت کے بھی حضانت پر راضی ہو تو خالہ حقیقی حق حضانت میں مقدم ہے ورنہ بھوپھی کو حق حضانت حاصل ہوگا۔

قال فی الدر: ثم الخالات كذلك ای لا یوین لام ثم لاب ثم العات كذلك (ص ۱۰۵۰ ج ۲ مع الشامی)

وفیه: والخاضعة یسقط حقها بنکاح غیر محرمه ای الصغیر وکذا بسکناها عند المبعضین له اه (ص ۱۰۵۲ ج ۲)
اور حق ولایت نکاح نانا حقیقی کو ہے۔

قال الشامی بعد کلام طویل عن فتح القدر و قیاس ما صحیح فی الحجة والاخ من تقدم الجدة تقدم الجدة الفاسدة علی الاخت اه فثبت بهذا ان المذهب ان الجدة الفاسدة بعد الام قبل الاخت اه کلام البحر (ج ۲ ص ۵۱۳) باب الولی واللہ اعلم
حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه از تھانہ بھون

۱۶ محرم ۱۳۵۵ھ

محمد اسماعیل

سوال

احکام حضانت اور یتیم کے مال و زمین میں حاضنہ کے تصرف کا حکم

زوجہ۔ ابنین صغیرین۔ عم وصہر عم۔ ابن العم
عبدالحمید شفا مات اللہ عبد الغفور

اب سوال یہ ہے کہ محمد اسماعیل مرحوم کی زوجہ

ان کے نابالغ دونوں لڑکوں کی ماں ہے اب ان دونوں لڑکوں کی پرورش کے ولی صورت مرقومہ بالا میں سے کون ہوں گے اور نکاح کے کون اور مال و جائیداد کے انتظام و حفاظت

کے ولی کون ہوں گے تحریر فرما کر مندرجہ ثواب حاصل فرمائیں۔

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

من بعض علماء بنگال

محمد اسماعیل مرحوم کے نابالغ دونوں لڑکوں کی پرورش کے ولی لڑکوں کی ماں ہے۔ کذا فی کتاب الخفایہ۔ اور نکاح کے واسطے مرحوم کے دونوں چچے شفاعت اللہ و عبد المجید ولی ہیں مگر عبد المجید ذوالقربتین ہونے کی وجہ سے اقرب ہے۔

در مختار باب الولی میں ہے: الولی فی النکاح العصیۃ بنفسہ و هو من یتصل بالمیت بلا توسط انشی علی ترتیب الارث والمحب۔

اور مال و جائیداد کے انتظام و حفاظت کے بارے میں رد المختار باب الولی میں مذکور ہے: الولی فیہ الاب و وصیہ و الجد و وصیہ و القاضی و نائبہ و قال الطحطاوی فی باب الولی تحت قول صاحب در المختار (لا المال) اما الولی فیہ فالاب و وصیہ و وصی و وصیہ و الجد کذلک و القاضی و وصیہ کما ذکرہ المصنف متناً کما سیأتی۔ پس صورت مسئولہ میں بوجہ فقدان وصی اب و جد کے مال کے انتظام و حفاظت قاضی یا نائب قاضی کے ساتھ متعلق رہیگا۔

اب دوسرا سوال یہ ہے کہ: محمد اسماعیل مرحوم کی اولاد و صغار ریاست پٹنہ غیر مسلم راجہ کے عملداری میں رہنے والے ہیں اور یہاں مسلمان حاکم یا قاضی وغیرہ کچھ نہیں ہیں۔ اب مرحوم کے ترکہ کس کے حوالہ کیا جائے۔

الجواب

مرحوم کے کنبہ والے و محلہ دار سب ملکر کسی کو حکم مقرر کر کے ترکہ کو حکم کی ذمہ داری میں رکھیں کیونکہ حکم اموال کے بارے میں مثل قاضی کے ہے۔ در مختار باب التحکیم میں ہے: والحاصل انه كالقاضي الا في مسائل۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ: عبد المجید محمد اسماعیل مرحوم کے چچا اور سر ذوالقربتین ہے اور کنبہ اور محلہ کے معتدلوگوں میں سے بھی ہے لہذا ان کو نابالغوں کے مال و جائیداد کی حفاظت و انتظام کے لئے حکم بنانے میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر عبد المجید واقعی اوصاف مذکورہ فی السؤال کے ساتھ متصف ہے

تو محلہ والوں کے مشورہ سے مرحوم کی اولادِ صغار عاقل بالغ ہونے تک ان کے مال و جائیداد کی حفاظت و انتظام کے لئے عبد المجید ہی کو حکم بنانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ افضل معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم

راقم سید و احد علی عفا اللہ عنہ ساکن اسلام آباد
ڈاک خانہ کھوالی ضلع ٹبرہ اسٹیٹ

۳۰ / ۱ / ۱۳۵۵ھ

تفصیل الجواب من جامع امداد الاحکام

قال فی الهدایة : و اذا وهب للیتیم هبة فقبضها ولیه وهو الاب ووصی الاب او جد الیتیم او وصیہ جاز لان لهؤلاء ولاية علیه لقيامهم مقام الاب. وان كان فی حجر أمه فقبضها له جائز لان لها الولاية فيما يرجع الی حفظه وحفظ ماله وهذا من بابہ لانه لا یبقی الا بالمال فلا بد من ولاية التحصیل. وقال صاحب الکفایة تحت قوله « لان لهؤلاء الخ » وان لم یکن من هؤلاء ربعة جاز قبض من كان الصبی فی حجره وعیاله ولم یجز قبض من لم یکن فی عیاله لانه اذا كان فی عیاله فله علیه ضرب ولاية الخ (مع فتح القدر ص ۴۹۲ ج ۷-)

وفی الهدایة ایضاً : ونوع آخر ما كان من ضرورة حال الصغار وهو شراء ما لابد للصغیر منه وبیعه واجارة الآطار و ذلك جائز من یعوله وینفق علیه كالاخ والعم والام والملتقط اذا كان فی حجرهم و اذا املك الملتقط هذا النوع فالولی اولى به الا انه لا یشرط فی الولی ان یكون الصبی المذكور فی الفرع الاول (مستقیم) وفی الفتاوی الحامدیة : نعم ویجوز شراء ما لابد للطفل منه وبیعه لایخیه وعمه وامه وملتقطه ان هو فی حجرهم دفعا للضرر عنه وتوجیر امه فقط وكذا ملتقطه علی الاصح (الی ان قال) و جاز ایضاً شراء ما لابد للصغیر منه كالنفقة والكسوة واستیجار الظئر ونحو ذلك وبیعه ای بیع ما لابد منه ایضاً للصغیر لایخ وعم وام هو ای الصغیر فی حجرهم دفعا للضرر عنه اه (ص ۲۹۵ ج ۲)

وفیه ایضاً : ثم ان ما مر من ان عائل الیتیم یملك بیع ما لابد منه خاص بغير العقار من نحو المنقولات فلیس له بیعه ولومع وجود المسوغات لما فی الدر المختار :

وهذا ای بیع العقار للمسوخ لو البائع وصياً لامن قبل امر واخ فانهما لا يملكان
بيع العقار مطلقاً ولا شراء غير طعام وكسوة الخ (ص ۲۹۶ ج ۲)

محبب اول کا یہ جواب تو بالکل صحیح ہے کہ ان صغیرین غیر بالغین کا حق حضانت ماں کو حاصل
ہے البتہ اس میں اتنی تفصیل ہے کہ اگر یہ صغیرین دونوں لڑکے ہیں تو ماں کو حق حضانت
سات برس کی عمر تک ہے۔ جب یہ لڑکے سات سال کے ہو جائیں اس کے بعد حق حضانت
ولی اقرب عصبہ کو ہے اور اگر ان میں سے کوئی لڑکی بھی ہے تو حق حضانت لڑکی کے بالغ ہونے
تک ہے۔

قال في الدر: والحاضنة اما او غيرها أحتق به ای بالغلام حتى يستغنى عن النساء
وقد ربيع وبه يفتى والامر والحجة أحتق بها ای بالصغيرة حتى تحيض ای تسليح
في ظاهرا لرواية اه (ص ۱۰۵۳ ج ۲)

نیز محبب اول کا یہ جواب بھی صحیح ہے کہ ولایت نکاح صغیرین میت کے دونوں
چچا کو حاصل ہے مگر محبب نے ایک چچا کو بوجہ ذوالقربتین ہونے کے جو ترجیح دی ہے اس ترجیح
کی کوئی دلیل بیان نہیں کی اور قواعد سے یہ ترجیح صحیح نہیں کیونکہ علاقہ مصاہرت کو ولایت نکاح میں کچھ دخل نہیں اسکی
وجہ سے ایک عصبہ کو دوسرے عصبہ پر کوئی ترجیح ہو سکتا ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان صغیرین کا ولی ہر چچا بدرجہ مساوی
ہے ان میں سے جو بھی صغیرین کا نکاح اول کرے گا نافذ و معتبر ہوگا بشرطیکہ کفو سے کرے
اگر یہ صغیر لڑکی ہو اور صغار ذکر میں رعایت کفایت مختلف فیہ ہے۔

قال في الدر: ولو زوجها وليان مستويان (كأخوين شقيقين) قدم السابقت
فان لم يدرا او وقعاً بطلا اه (ص ۵۱۵ ج ۲)

قال الشامي تحت قول الدر وان كان المزوج غيرها لا يصح النكاح من غير كفوء
مثل قول الكنز ولو زوج طفله غير كفوء او بغين فاحش صح ولم يجز ذلك لغير الاب والجد
ومقتضاه ان الاخ لو زوج اخاه الصغير امرأة ادنى منه لا يصح وفيه ما مر عن
الشرنبلالی من ان الكفاءة لا تعتبر للزوج اه (ص ۵۰۰ ج ۲)

اور محبب اول نے ولایت مال و حفظ جائیداد کے متعلق جو تکلف کیا ہے اس کی کچھ
ضرورت نہیں بلکہ بر تقدیر فقدان اب وجد و وصی ایشان ولایت حفظ مال و انتظام
جائیداد اس ولی کو حاصل ہے جس کو حق حضانت حاصل ہے جیسا کہ جزئیات مذکورہ سے

مستفاد ہوتا ہے پس صورتِ مسئلہ میں ولایتِ حفظِ مال و انتظامِ جائیداد بھی صغیرین کی ماں کو حاصل ہے جب تک کہ اس کو حقِ حضانت حاصل ہے جس کی حد اوپر مذکور ہو چکی خواہ وہ خود انتظام کرے یا کسی معتبر شخص کو وکیل بنا کر اس کے ذریعہ انتظام کر لے البتہ ماں کو صغیرین کی جائیداد کی بیع کا حق حاصل نہیں اور منقولات میں سے بھی بلا ضرورتِ شدیدہ کسی شے کو بیع نہیں کر سکتی۔ فقط واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ۔

۸ صفر ۱۴۲۵ھ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین رحمہم اللہ اس مسئلہ میں کہ دو لڑکیاں نابالغ یتیم ہیں ماں باپ کا انتقال ہو گیا ہے بچے کے غیر محرم سے حاضنہ کا نکاح مسقط حق حضانت ہے

نانی، دادی بھی زندہ نہیں ہیں لیکن خالائیں اور پھوپھیاں، نین چچا بھی ہیں اور ماموں بھی ابتداء سے ان لڑکیوں کی مھلی خالہ نے ان کو پالا ہے ان کی والدہ مرحومہ کی زندگی میں بھی اور ڈھائی تین مہینہ تک بعد انتقال کے بھی۔ مرتے وقت ان کی والدہ نے اسی خالہ کے حوالہ بھی ان کو کیا تھا۔ یہ مھلی خالہ ان لڑکیوں کی والدہ مرحومہ سے عمر میں بھی بڑی ہے اور شادی بھی مرحومہ کی شادی سے ۵۶ سال قبل ہوئی ہے۔ اس خالہ کی کوئی اولاد نہیں ہے، لا ولد ہے۔ اب ان لڑکیوں کو ان کی والدہ مرحومہ کے انتقال کے ڈھائی تین مہینہ کے بعد ان کی پھوپھیوں نے اپنے یہاں بلا کر روک لیا ہے اور خالہ کے پاس بالکل آنے نہیں دیتی خالہ ان کے فراق میں بہت بے قرار ہے۔ اس نے مثل اولاد کے بچپن سے اب تک پالا ہے محبت کے باعث آب دیدہ بہا کرتی ہے۔ یہ لڑکیاں اپنی والدہ مرحومہ کے ساتھ اور خالائیں سب ایک ہی مکان میں جو ان کے نانا کا ہے اب تک رہتی تھیں اور خالائیں اب بھی اس مکان میں بدستور ہیں، خالہ دعویٰ دار ہے کہ میرا حق سب سے زیادہ ہے یہ لڑکیاں مجھ کو بغرض پرورش ملنی چاہئیں۔ ایک پھوپھی جس کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے اور دوسری پھوپھیوں سے چھوٹی ہے اس کے پاس یہ لڑکیاں اب ہیں وہ پھوپھی بھی اب دعویٰ دار ہوئی ہے کہ لڑکیوں کی پرورش میں کروں گی میرا سب سے زیادہ حق ہے اس واسطے کہ جو خالہ دعویٰ دار ہے و نیز دیگر خالہ پھوپھیاں سب شادی شدہ ہیں اور سب کے شوہر لڑکیوں کے غیر محرم ہیں لہذا سب کے حقوق جاتے رہے صرف اب میں حقدار ہوں جو خالہ دعویٰ دار ہے اس نے بھی شادی کر لی ہے اس کا شوہر بھی لڑکیوں کا محرم نہیں ہے۔ خالہ یہ جواب

ہے کہ میں نے اب دوسرا شوہر نہیں کیا۔ میری شادی کو سولہ برس ہو چکے ہیں پہلے شوہر ہونے سے گودہ لڑکیوں کا نام محرم ہی ہو حق پرورش نہیں جاسکتا کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کو ان کی خالہ کے سپرد فرمایا تھا جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں پیشتر سے تھیں۔ اور فرمایا تھا کہ خالہ بمنزلہ ماں کے ہے۔ اگر پہلے کے شوہر غیر محرم ہونے سے حق جاتا رہتا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیسے اس خالہ کو حوالہ فرماتے حالانکہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کے غیر محرم اور چھیرے بھائی تھے۔ حضرت شاہ اہل اللہ صاحب برادر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے بھی کتب الدقائق کے ترجمے میں جس کا نام ”احسن المسائل کا مل ترجمہ کنز الدقائق“ ہے اور جو مطبع مجیدی کراچی میں ۱۹۱۹ء کو چھپی ہے اس بات کو خوب صاف فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں: پھر اسی (سگی سوتیلی کے) ترتیب غالاتیں۔ اگر غالاتیں بھی نہ ہوں تو اس ترتیب سے پھوپھیاں اور جو عورت بچہ کے غیر محرم سے نکاح کرے تو اس کا حق جاتا رہے گا۔ (ف) یعنی جس سے اب اس عورت نے دوسرا نکاح کیا ہے وہ اس بچہ کا قریبی رشتہ دار نہیں ہے تو اب اس بچہ کی پرورش کرنے میں اس عورت کا حق نہ رہا۔ ص ۱۲۶

تو سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں لڑکیاں کس کو بغرض پرورش ملنی چاہئیں۔ کس کا حق ہے؟ اور خالہ اور پھوپھی میں کس کی بات صحیح اور شرع کے موافق ہے؟ جواب مدلل، مشرح اور مفصل درکار ہے۔ بیٹنوا توحبوا

حسین محمد صالح مچلا از مولین پوسٹ بکس ۱۰۱

الحواب

چھوٹی پھوپھی کا یہ قول صحیح ہے کہ خالہ کا شوہر چونکہ یتیم لڑکیوں کا محرم نہیں ہے اس لئے خالہ کا حق حضانت ساقط ہو گیا۔

قال فی الدر: تثبت للام الا ان تكون مرتدة أو فاجرة او متزوجة بغير محرر الصغير اه

قال فی الشامی: ومثله (فی سقوط حق الحضانة) لو تزوجت باجنبي وصارت الحضانة لغيرها كالاخت فانه لا يلزمها ان تربيہ او ترضعه عند الام (مکمل ج ۲) اور خالہ نے جو دلیل بیان کی ہے اس کی صحت اس پر موقوف ہے کہ اول یہ ثابت کر دے کہ بنت حمزہ کی کوئی پھوپھی بغیر نکاح کے اس وقت موجود تھی اور جب خالہ اور پھوپھی

سب کے سب صغیر یتیم کے نامحرم کے نکاح میں ہوں تو اس صورت میں خالہ مقدم ہوگی پس بصورت موجودہ چھوٹی بھوپھی ان یتیم لڑکیوں کی پرورش کا زیادہ حق رکھتی ہے بشرطیکہ وہ بالغ ہو اور پرورش کے قابل ہو اگر اس چھوٹی بھوپھی نے کسی وقت ان یتیم لڑکیوں کے نامحرم سے نکاح کر لیا تو حق حضانت پھر چچا کی طرف عود کرے گا اگر اس وقت بھی یہ لڑکیاں نابالغ ہوں۔

قال فی الدر: ثم الحالات ثم العات ثم العصباء بتتیب الارث الخ (۲ ج ۱۰۵)

حرره الاحقر ظفر احمد عفاعنه

۲ رجب ۱۳۵۵ھ

سوال: عبد الغفور ایک شخص ہے چچا اپنے حقیقی چچا کے پاس رہتا تھا بعد انتقال چچا کے عبد الغفور کی چچی نے

لڑکا سات سال کا ہو تو ماں کو اس کی پرورش کا حق نہیں بلکہ ولی عصبہ کو ہے

دوسرے شخص سے شادی کر لی جو کہ عبد الغفور کی مرضی کے خلاف ہوئی۔ لیکن یہ عقد ہونے پر کیا کر سکتا تھا چچا کے صرف دو لڑکے ہیں جو نابالغ ہیں ایک کی عمر دس برس ہے اور دوسرے کی عمر بارہ یا تیرہ برس ہے۔ اب عبد الغفور لڑکوں کی پرورش خود کرنا چاہتا ہے اور جس شخص سے عبد الغفور کی چچی نے عقد کیا ہے اس کے ذریعہ سے وہ پرورش کرنا نہیں چاہتا اور یہ ہی عدالت میں عبد الغفور کو بھتیجا قرار دیا گیا ہے سوائے اس ایک بھتیجے کے اور کوئی حقیقی رشتہ دار نہیں ہے۔ اب عدالت نے فتویٰ طلب کیا ہے کہ تم فتویٰ پیش کرو کہ آیا تم اپنے چچا کے لڑکوں کے اور کل مال جائیداد وغیرہ کے شرعی حقدار ہو یا نہیں؟ لہذا براہ کرم جواب فوراً مطلع فرمائیں کہ یہ شخص عینی عبد الغفور اپنے چچا کے لڑکوں کو شرعاً ان کی والدہ سے لیکر خود پرورش کر سکتا ہے یا نہیں؟ عبد الغفور کے چچا کو مرے ہوئے تین برس ہو گئے ہیں اور لڑکے دونوں اپنی والدہ کے پاس ہیں بعد انتقال والد ان کی پرورش آج تک ان کی والدہ ہی نے کی ہے اور جو کچھ مال اسٹا جائیداد چچا کا ہے اس کا مالک کون ہے؟ اور کس کے تحت میں وہ ہے جب تک لڑکے بالغ نہ ہوں۔

عبد الغفور تھانوی بیرون جالوری دروازہ حوبلی جوشی

ابنا داس جی۔ جودھ پور

الجواب

قال فی الدر: والحاضنة اما او غيرها احق به ای بالغلام حتی يستغنى

عن النساء وقد ربيع وبم يفتي لانه الغالب اه

قال الشامي : وفي شرح المجمع : واذا استغنى الغلام عن الخدمة
الاب او الوصي او الولي على اخذه لانه اقدر علوقا ديبه وتعليمه اه
وفي الخلاصة وغيرها : واذا استغنى الغلام وبلغت الجارية فالعصبة
اولى يقدم الاقرب فالاقرب اه (ص ۱۰۵۲ ج ۲)

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ صورت موجودہ میں جب نابالغ بچوں کی عمر ۷ سال سے زیادہ
ہے تو اب ماں کو ان کی پرورش کا حق نہیں بلکہ ان بچوں کے ولی عصبہ کو یعنی میت کے بھتیجے
عبد الغفور کو ان کی پرورش کا حق ہے اور وہی میت کی جائیداد کی حفاظت و انتظام کا حقدار ہے
باقی ملکیت کا اس جائیداد میں اس کو کوئی حق نہیں کیونکہ جب میت کے لڑکے موجود ہیں تو ان کے
سامنے بھتیجے کو میراث کچھ نہیں مل سکتی۔ ہاں وہ ان کے بلوغ تک جائیداد وغیرہ کا انتظام
کر سکتے ہیں اور اس انتظام کا معاوضہ حاکم کی رائے میں جتنا مناسب ہو وہ پاسکتا ہے
اس سے زیادہ اس کو اور کچھ حق نہیں سب میت کے لڑکوں کا
شرعی سے معلوم ہو سکتا ہے۔

از خانقاہ امدادیہ اشرفیہ نہ بھون

۱۳ شعبان ۱۲۳۵ھ

بالغ ہونے تک لڑکیوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے | سوال : جناب مولانا صاحب السلام علیکم
طلاق دی ہوئی عورت کے پاس لڑکیاں جن میں ایک کی عمر چھ سال اور دو کی عمر تین سال
ہے رکھنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور طلاق دی ہوئی عورت اپنے میکے یعنی اپنی ماں کے گھر رہتی ہے
مرد کے مکان سے کوئی نسبت نہیں اور نہ کبھی آئندہ رہ سکتی ہے دونوں لڑکیوں کی نانی وغیرہ کہتی
ہیں کہ ابھی بالکل بچہ ہے یہیں رہیں گی۔ مرد اس وجہ سے دریافت کرنا چاہتا ہے کہ طلاق دی
ہوئی عورت کی بڑی بہن جس کی بیوہ ہونے کو آٹھ دس برس ہوا اس نے ابھی تک دوسرا نکاح
نہیں کیا اس وجہ سے اس کی ساس و سر بہت کرتے ہیں اور محبت سے پہلے کی طرح
رکھ رہے ہیں اسی وجہ سے وہ دوسرا نکاح کرتی ہے اسی خیال سے اگر مرد لڑکیوں کو طلاق
دی ہوئی عورت کے پاس رکھے اور وہیں خرچ بھیجے تو خرچ کی بدولت اور بچوں کی محبت کی وجہ
دوسرا نکاح نہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے لڑکیوں کو طلاق دی ہوئی عورت کے پاس رکھے یا اپنے
ماں باپ یعنی لڑکیوں کے دادا، دادی کے گھر رکھے اور مرد کو پورا یقین ہے کہ اگر خرچ طلاق دی

ہوئی عورت کے پاس گھر جائیگا بچوں کے واسطے تو وہ ہرگز ہرگز دوسرا نکاح نہیں کر سکتی ہے فقط۔ خاک محمد عزیز خطوط نویس الہ آباد سٹی پوسٹ آفس الہ آباد
۱۶ اپریل ۱۹۳۰ء یوم چہار شنبہ

الجواب

جب تک زوجہ مطلقہ دوسرا نکاح نہ کرے اس وقت تک وہ ان لڑکیوں کے بالغ ہونے تک ان کی پرورش کا حق رکھتی ہے۔ باپ کو لازم ہے کہ اس سے لڑکیوں کو بلا وجہ الگ نہ کرے بلکہ لڑکیوں کا خرچ ان کی ماں ہی کے پاس بھیجتا رہے اور جو وجہ شبہ کی سائل نے بیان کی ہے اس سے ماں کا حق پرورش باطل نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ اپنی اولاد کی محبت اور پرورش کی وجہ سے دوسرا نکاح نہ کرے تو اس میں حرج کیا ہے بلکہ اس کو صبر کا اجر ملیگا نکاح ثانی اس عورت پر لازم ہے جو رسم و رواج کی وجہ سے اس سے رکتی ہو حالانکہ اس کو اپنی عفت محفوظ نہ رہنے کا خطرہ ہو اور جس کو یہ خطرہ نہ ہو بلکہ اپنی اولاد کی پرورش کرنے کے لئے اپنے کو خاک میں ملادے اس پر نکاح ثانی لازم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۹ ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ

سوال: ایک عورت سات برس کی لڑکی چھوڑ کر اور اس کو اپنی خالہ کے سپرد کیے مرگئی اور اس لڑکی کے باپ، ماں کی خالہ، دادا، دادی میں کون احق بالحضانہ ہے؟
حسب ذیل اقارب ہیں: ایک ماں کی خالہ مذکورہ جو لڑکی کو خوشی سے پرورش کر رہی ہے اور باپ جو اس مذکورہ کی پرورش پر راضی ہے اور دادا، دادی جو کہ لڑکی کو اس مذکورہ پرورش کنندہ سے لینا چاہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا صورت مذکورہ میں دادا۔ دادی اس لڑکی کو جبراً اس مذکورہ پرورش کنندہ سے شرعاً لے سکتے ہیں یا نہیں؟ بیٹو اتوجروا

الجواب

فی الدر: فی باب الحضانة ثم بعد الامر أمّ الام ثم أمّ الأب وان علت ثم الاخت ثم الخالات ثم العتات ثم خالة الأم ثم خالة الأب ثم عتات الامهات والاباء ثم العصباء بترتيب الارث اه (ص ۱۰۵ ج ۲)

پس صورت مسئلہ میں اس لڑکی کا حق حضانت دادی کو ہے ماں کی خالہ اور باپ کو نہیں

ہے وہ اگر بچہ کی پرورش کرنا چاہیں تو دادی کی اجازت سے کر سکتے ہیں بدون اس کے نہیں
فان لمن له حق الحضانه له اسقاط هذا الحق ايضا - والله اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۳ رذی قعدہ ۱۲۸۸ھ

سوال: فاطمہ مرحومہ کے تعلقات آخر میں خراب
ہو گئے تھے کیونکہ اس کا شوہر باوجود بلانے کے
نہیں آیا تھا۔ چنانچہ مرتے وقت فاطمہ مرحومہ نے
اپنی والدہ کو یہ وصیت کی تھی کہ میرا تمام سامان اور

حاضنہ ایام حضانتہ میں بچے پر صرف
کی ہوئی رقم بچے کے مال سے اس کی
ملک میں اگر مال ہونے لگتی ہے ورنہ
باپ کے ذمہ ایام حضانتہ کا خرچ لازم ہوگا

روپیہ پیسہ اور میرا لڑکا ان سب کو اپنے پاس رکھنا اپنے شوہر کے متعلق یہ کہا تھا کہ اس
کو کچھ نہ دینا جب لڑکا جوان ہو جائے تو سب کچھ اس لڑکے کو دیرینا۔ مرحومہ کی ماں
یعنی بچہ کی نانی نے پرورش کرتے وقت یہ نیت کی تھی کہ اگر لڑکے کے باپ نے مجھ
سے اچھے تعلقات نہ رکھے تو میں اس سے پرورش کا پورا صرفہ لوں گی۔ چنانچہ بچے کے باپ نے
تعلقات خراب کر لئے، ملنا جلنا ترک کر دیا، بچے کو جب دس سال کا ہو گیا تو زبردستی
بذریعہ عدالت بچے کی نانی سے لے لیا بچے کی نانی نے صرفہ پرورش کا مطالبہ بچے کے باپ
سے کیا تو بچے کے باپ نے انکار کر دیا۔ بچہ کی نانی نے پرورش میں اور تعلیم میں اور عقیقہ و
عقنہ کی تقریب میں کافی رقم صرف کی اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بچے کی نانی زبردستی
مہر اور مرحومہ کے دیگر ترکہ سے مذکورہ بالا رقم سے لے سکتی ہے یا نہیں ؟
خادم عبدالمجید

الجواب

چونکہ نانی کو اس صورت میں حق حضانت حاصل تھا اس لئے اس نے جس قدر رقم بچے
کے کھانے کپڑے میں اور تعلیم میں صرف کی ہو وہ بچہ کے حصہ میں سے جو اس کو اپنی ماں کے ترکہ
میں سے ملا ہو لے سکتی ہے اور جو رقم تقریبات میں خرچ کی ہے وہ نہیں لے سکتی
اور شوہر کے حصے میں سے اس وقت لے سکتی ہے جبکہ بچہ کا حصہ نفقہ کے لئے کافی نہ ہو۔

والمسئلة في الشامية ص ۱۴۵ ج ۲ - والله اعلم - از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۶ محرم ۱۲۸۹ھ

سوال: ایک شخص اپنے صغیر لڑکے کا حاضن ہے اور صغیر مالدار ہے اور صغیر کے مال سے صغیر کے لئے باپ اپنا ایندھن لکڑی وغیرہ جلا کر کھانا پکاتا ہے تو کیا باپ کے لئے جائز ہے کہ اس کھانے میں سے اپنی مؤنت اور ایندھن کے عوض میں کچھ کھالیا کرے یا نہیں؟

الجواب

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ
اگر باپ غنی ہے تو اس کو صغیر کے مال میں سے نہ کھانا چاہئے ہاں ایندھن کا عوض نقد لے سکتا ہے جبکہ ایندھن کی مقدار معین صغیر کے لئے جلانے سے پہلے الگ کر دی جائے باقی مؤنت کے عوض نہیں لے سکتا لعدم تحقق الاجارة۔ اور فقیر ہے تو مؤنت کا عوض بھی لے سکتا ہے لا لکونہ ائجرة بل لکون الاب محتاجا الى مالہ۔ اور بدون مؤنت کے بھی حاجت کے وقت بقدر ضرورت کھا سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۷۔ رذی الحجہ ۱۴۰۹ھ

کتاب النفقات

فصل فی نفقة الزوجة وسکناها

زوجہ شوہر کی اجازت کے بغیر | سوال : ہندہ زوجہ زید ہے اور زید پچاس روپیہ اس کا مال خرچ نہیں کر سکتی۔
ماہوار پیدا کرتا ہے تو کیا پورا پچاس روپیہ ماہوار ہندہ کا نفقہ زید کے ذمہ واجب ہیں یا کس قدر؟ اور اگر اس کی پوری آمدنی پچاس روپیہ کی ہندہ کے پاس امانت رہتی ہو تو کیا وہ ان سب کے صرف کر دینے کی بلا رضامندی شوہر خود مالک و مختار ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر ہندہ کو سب سے تم خرچ کرنے کی زید نے اجازت دیدی ہو تو وہ سب صرف کر سکتی ہے ورنہ نہیں اور اجازت دینے کی صورت میں زید کو اپنے باپ کی حق تلفی کا گناہ ہوگا اور اگر ہندہ زید کو اغوا کر رہی ہے کہ تو اپنے باپ کی خدمت نہ کر تو اس کو بھی گناہ ہوگا اور بھائی بہن اگر اپنا بیج نہیں ہیں تو زید کے ذمہ ان کا نفقہ نہیں ہے واللہ اعلم
۲۷ ربیع الثانی

عورت کے ناشزہ ہونے کی صورت میں | سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا بعد چار پانچ ماہ کے ہندہ نے اپنے والدین کے گھر جانے کی غرض سے زید سے دور و نزدیک ہمت چاہی زید نے دور و نزدیک کے اقرار پر ہندہ کو اس کے والدین کے گھر روانہ کیا۔ ہندہ اپنے ماں باپ کے گھر جاتے وقت زیورات وغیرہ جو نکاح کے وقت ڈالے گئے تھے ہمراہ لے کر گئی لیکن ہندہ اپنے اقرار کے موافق دور و نزدیک کے بعد نہیں آئی۔ یہاں تک کہ چار پانچ مہینہ تک آئی نہیں۔ زید بھی ہندہ کے اقرار پر نہ آنے کی وجہ سے خفا ہو کر خاموش ہو گیا بعد دو چار ماہ کے زید نے کسی کو یوں کہلا بھیجا کہ اس وقت تیری مرضی کیا ہے کہ اس طرح اپنے والدین کے گھر بیٹھی ہوئی ہے تو اس کے جواب میں ہندہ یوں کہتی

ہے کہ میں زید سے ناراض ہوں، میرا اس کے پاس آنا نہ ہو سکے گا، مجھے نان و نفقہ اور مہر ادا کرنا چاہئے اور زیورات وغیرہ جو بوقت رواجی ہمراہ لے گئی تھی اس سے انکار کرتی ہے کہ میں کچھ نہیں لایا۔ تمام زیورات وغیرہ زید کے گھر میں ہیں وہ بھی مجھے دینا چاہئے۔ تو زید کہتا ہے کہ ہندہ تو اپنے اقرار پر ثابت نہیں ہے کہ دوروز کے بعد آنے کے اقرار پر ماں باپ کے گھر بیٹھ گئی۔ دوسرے بلوانے پر بے باکانہ طور پر نان و نفقہ اور مہر چاہنا۔ زیورات وغیرہ ہمراہ لیا کر اس سے انکار کرنا اور پھر زیورات کا چاہنا لہذا یہ نان و نفقہ اور مہر کی حجت دار نہیں اور کوئی حق اس کا میرے پاس ثابت نہیں پس دریں صورت زید کا قول صحیح ہے یا ہندہ کا؟

بتینوا بالتفصیل تو حیرا بالآخرۃ -

الجواب

اگر مہر کل موجد ہے تب تو عورت کو قبل از موت زوج یا طلاق، مطالبہ مہر کا کوئی حق نہیں اور اگر بعض معجل ہے تو مہر مختل کے مطالبہ کا ہندہ کو حق حاصل ہے۔ اور نفقہ کا حق یہ ہے کہ اگر مہر کل موجد ہے تو اس کے وصول کرنے کے لئے ہندہ کو زوج سے رکنے کا حق نہیں اس صورت میں وہ ناشزہ ہے جس کے لئے نفقہ نہیں۔ اور اگر کل مہر یا بعض معجل ہے اور هنوز ہندہ کو وصول نہیں ہوا تو اس کے وصول کرنے کے لئے شوہر سے رکنے کا اُسے حق حاصل ہے۔ اس صورت میں وہ ناشزہ نہ ہوگی اس کو نفقہ بھی ملیگا۔ اور اگر مہر مختل اس کو مل چکا ہے تو اب اس کو رکنے کا حق حاصل نہیں ہے وہ ناشزہ ہے جس کے لئے نفقہ نہیں۔

قال فی الخلاصۃ : ولو کان المہر الی أجل لیس لها ان تمنع نفسها لاستيفائه
لا قبل حلول الاجل ولا بعده وكذا لو کان البعض عاجلاً والبعض آجلاً فاستوفى
العاجل (ص ۳۳ ج ۲) واللہ اعلم

۱۸۔ جادی الاول ۱۳۵۴ھ

سوال : زید "گیا" کا رہنے والا ہے۔ اب اس کو تھانہ بھون میں مدت طویلہ قیام کرنے کا ارادہ ہے۔ اس نے اپنی زوجہ کو بھی ساتھ لانا چاہا۔

اگر عورت شوہر کے ساتھ سفر میں جانے سے انکار کر دے تب بھی اس کے لئے نفقہ واجب ہے،

اس نے انکار کر دیا اور ساتھ نہیں آئی۔ اس صورت میں زوجہ کے لئے نفقہ ہے یا نہیں؟

سائل۔ اکرام الحق گیلوی

الجواب

صورت مسئلہ میں زوجہ کے لئے نفقہ ہے۔

قال فی الدر : ویسافر بها بعد اداء کلمہ مؤجلاً ومجلاً اذا کان ماموناً علیها والاّ یؤدکله او لعلیکن ماموناً لایسافر بها وبه یفتی کما فی شرح المجمع واختاره فی ملتقى الابحر ومجمع الفتاوی واعتمده المصنف وبه افئى شیخنا الرملی لکن فی النهر والذی علیہ العمل فی دیارنا انه لایسافر بها جبراً علیها وجرماً به البزارى وغیره وفی المختار وعلیه الفتوی اه

قال فی الشامیة ومثله فی الابحر : ذکر اولاً انه اذا اوقاها المعجل فالفتوی علی انه یسافر بها کما فی جامع الفصولین - وفی الخانیة : وفی الولوالجیة انه ظاهر الروایة ثم ذکر عن الفقیهین ابی القاسم الصغار و ابی الیث انه لیس له السفر مطلقاً بلارضاء لفساد الزمان لانها لاتأمن علی نفسها فی منزلها فکیف اذا خرجت وانه مترج فی المختار بان علیہ الفتوی - وفی المحيط : انه المختار - وفی الولوالجیة : ان جواب ظاهر الروایة کان فی زمانهم اما فی زماننا فلا وقال فجعله من باب اختلاف الحكم باختلاف العصر والزمان ثم قال فقد اختلف الافتاء والاحسن الافتاء بقول الفقیهین من غیر تفصیل واختاره کثیر من مشائخنا کما فی الکافی وعلیه عمل الفقهاء فی زماننا - کما فی النفع الوسائل اه ولا یقال انه اذا اختلف الافتاء لا یعدل من ظاهر الروایة لان ذلك فی ما لا یكون مبنيّاً علی اختلاف الزمان - کما افاده کلام الولوالجیة - وقول البحر فجعله اه

وفیه : وبعد ایفاء المهر اذا اراد ان یمخرجها الی بلاد الغربیة یمنع من ذلك لان الغریب یؤذی ویتضرر لفساد الزمان -

هـ ما اذن الغریب ما اسقاه : کل یوم یهیئہ من یراه

کذا اختاره الفقیہ وبه یفتی - قال القاضی : قول الله تعالی : اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ قَوْلِ الْفَقِيْهِ - قیل : قوله تعالی : وَلَا تَضَارُّوْهُنَّ فِيْ آخِرِهِ دلیل قول الفقیہ لانا قد علمنا من عادة زماننا مضارة قطعیة فی الاعترا ب بها اه (ص ۵۹۰ و ۵۹۱ - ج ۲)

وفی الدر فی باب النفقة : بخلاف ما اذا خرجت من بیت الغصب او ابت
الذهاب الیه او السفر معه او مع اجنبی بعته لينقلها فلها النفقة الخ
قال الشامی : قوله : او السفر معه ای بناءً علی المفتی به من انه ليس له السفر
بها لفساد الزمان فامتناعها بحق قوله او مع اجنبی الخ هذا مفهوم بالاولی لاغما
اذا استحقت النفقة عند امتناعها عن السفر معه فمع الاجنبی بالاولی الخ والله اعلم
(ص ۱۰۶ ج ۲)

۲۶ صفر ۱۴۱۵ھ

سوال : ناشزہ مطلقہ کے نان و نفقہ کا شہر کے ذمہ واجب نہ ہونا : بکر نے اپنی زوجہ ہندہ کو اپنے گھر سے اپنی خوشی سے اپنے حقیقی بھائی بڑے زید کے گھر بھیجا۔ جب بکر لینے گیا تو ہندہ نے بکر کے ساتھ چلنے سے انکار کیا اور ہندہ خلاف مرضی بکر اپنے شوہر کے، زید کے ساتھ جو ہندہ کا نامحرم ہے اور پردہ ضروری ہے رہنا چاہتی ہے بکر نے حسب حکم شرعی ہندہ کو بذریعہ نوٹس اطلاع دیدی کہ زید تیرا نامحرم ہے، پردہ کیا جاوے اور ہندہ کا زید کے ساتھ رہنا ناجائز ہے اور جب تک ہندہ زید کے گھر رہیگی خلاف مرضی شوہر ہے اور شرعاً ناجائز ہے، نان و نفقہ نہیں دیا جائیگا اس نوٹس بکر کی ہندہ نے کچھ پرواہ نہ کی اور نہ حکم شرعی کی تعمیل میں پردہ کیا بدستور زید کے ساتھ ہندہ رہتی ہے اور زید اس کو رکھا ہوا ہے لانے نہیں دیتا۔ بکر سے جھگڑا کرنے کو تیار ہے جبکہ شرعاً زید کو ہندہ کے رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے اور جس کی اطلاع زید کو دی گئی ہے مگر زید حکم شرعی کی کچھ پرواہ نہیں کرتا یہ گمان غالب ہے کہ زید اور ہندہ کا ناجائز تعلق ہو گیا ہے اسی وجہ سے ہندہ خلاف مرضی شوہر و خلاف حکم شرعی نامحرم کے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو ایسی صورتیں اگر بکر ہندہ کو طلاق دیدے تو آیام عدت طلاق کا نان و نفقہ دینا ہوگا یا نہیں؟ سید محمد عابد حسین۔ از اگرہ

الجواب

نفقہ واجب نہ ہوگا البتہ اگر وہ طلاق کے بعد شوہر کے گھر میں چلی آئے تو پھر عدت کا بھی واجب ہوگا۔

قال فی الدر : بخلاف حرّة نشرت فطلقت فعدت .

وفی ردالمحتار: ای ان المرأة اذا نشزت فطلقتها زوجها فلها النفقة والسكنی اذا عادت الى بيت زوجها (الی ان قال) ونكاح المرأة حال الطلاق سبب لوجوب النفقة الا انها فوتت بالنشوز فاذا عادت وجبت اه (ص ۱۰۹۰ ج ۲) والله اعلم

۱۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ

زوجہ اور والدین میں نا اتفاقی کی صورت میں اگر زوجہ علیحدہ گھر کا مطالبہ کرے

سوال: والدین اور زوجہ کے درمیان نا اتفاقی کی صورت میں کیا شوہر اس امر کا

مجاز رکھتا ہے کہ والدین سے علیحدگی اختیار کرے؟

الجواب

قال فی الدر، وفی البحر، عن الخاتمة: یشرط ان لا یكون احد من احماء الزوج یؤذیها اه۔ قال الشامی و ذکر الخصاص ان لها ان تقول لا اسکن مع والدیک واقربائک فی الدار فافرد لی داراً۔ قال صاحب الملتقط هذه الروایة محمولة علی الموسوعة الشریفة وما ذکرنا قبله ان افراد بیت فی الدار کاف انما هو فی المرأة الوسط اعتباراً فی السکنی بالمعروف اه (ص ۱۰۹۲ ج ۲)

اگر زوجہ غنیہ اور شریفہ ہے اور وہ والدین زوج کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی ان سے الگ رہنا چاہتی ہے تو شوہر کے ذمہ واجب ہے کہ اس کو الگ مکان میں رکھے اور اگر زوجہ متوسط الحال ہے تو شوہر پر اس کو جدا گھر میں رکھنا واجب نہیں۔ لیکن اگر وہ اپنی راحت کے لئے جدا رہنا چاہے تو جائز ہے بلکہ اگر ساتھ رہنے میں والدین کے حقوق تعظیم وغیرہ ضائع ہونیکا اندیشہ ہو یا نزاعات کی وجہ سے قطع رحم کا خوف ہو تو الگ ہو جانا ضروری ہے

واللہ اعلم

۱۸ شعبان ۱۳۳۵ھ

حکم نفقہ زوجہ ناشزہ اور کن امور میں زوج کی اطاعت زوج پر واجب ہے،

سوال: کوئی امر خواہ بروئے شریعت ہو یا خلاف شریعت وہ قول علماء ہو، جو کچھ

شوہر بیوی کو حکم کرے وہ حکم بیوی کو ضرور اس پر حق بجانب عمل کرنا چاہئے ورنہ اس کی حکم عدولی پر شوہر کو حق ہے کہ وہ اس عورت کا نان و نفقہ ضرور بند کر دے۔

اس لئے بہ امید طلب جواب شافی درین امور مرقومہ بالامستدعی خدمت عالی

ہوں کہ تردید فتویٰ اس کے معطلی دستخط و مع حوالہ آیت قرآنی و حدیث صحیح و قول علماء سے ضرور پتہ مرحمت فرما کر احقر کو مشکور فرمائیں گے۔

الجواب

عورت کو شوہر کی اطاعت انہی امور میں واجب ہے جو شرعاً مباح ہوں اور اگر وہ نافرمانی کرے تو صرف نافرمانی اور عدول حکمی سے شوہر کو نان و نفقہ بند کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ جب وہ بلا اجازت شوہر کے اس کے گھر سے چلی جائے جب ناشزہ ہوگی۔

قال العلامة عبدالحی ففتاواه ناقلاً عن شرعة الاسلام وعليها ان طيعها في الامور الشرعية ولو امر ان تنقل الحجر من جبل وان لا تخرج من بيته الا باذنه اهـ (ص ۲۳ ج ۲ مع الخلاصة)

قلت: ولكن لو خرجت الى ابويها او الى محارمها في المدة التي لها الخروج فيها وقد ذكرناها في الجواب الثاني فلا تكون ناشزة في الاثم نعم لا تكون لها نفقة حينئذٍ والله اعلم

یکم رجب ۱۳۴۰ھ

سوال: اور یہ بھی تحریر فرمائیں گے کہ شوہر کی رضامندی پر عورت اپنے خویش و اقارب خصوصاً اپنی خالہ کے یہاں اور اپنے حقیقی بھائی کے یہاں جا سکتی ہے یا وہ لوگ مرقوم بالا اس کے یہاں آمد و رفت کر سکتے

سال بھر میں زوجہ کے والدین اور عزیز و اقارب سے ملنے کی مدت اور اس عرصہ کے نفقہ کا حکم

ہیں یا نہیں و یا خط و کتابت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر وہ لوگ طرفین میں سے یہ تعلقات بروئے شریعت رکھ سکتے ہیں تو آمد و رفت کتنے کتنے عرصہ پر کر سکتے ہیں۔ سال بھر میں ایک بار یا دو بار یا مہینہ میں ایک بار یا ہر ہفتہ میں۔ امید کہ شافی جواب سے مطلع فرمائیں گے۔

فقیر حاجی محمد عبداللطیف القادری عفاعنہ

از کلکتہ۔ از ضمیمہ ۵۲

الجواب

والدین سے ایک شہر میں ہفتہ میں ایک بار اور شہر سے باہر ہر مہینہ میں ایک بار عورت کو ملنے کا حق ہے اگر والدین نہ آسکتیں تو وہ خود جا سکتی ہے اور وہ آسکیں تو ہر ہفتہ خود وہی کر

مل جائیں ہاں سال میں دو چار دفعہ جس طرح عرف و دستور ہے خود بھی جاسکتی ہے اور محارم غیر والدین سے شہر کے اندر اور شہر سے باہر سال بھر میں ایک بار ملنے کا عورت کو حق ہے اور محارم کو خط و کتابت کا بھی حق ہے اور وہ عورت کے پاس خود بھی آسکتے ہیں اور شوہر کو یہ حق البتہ ہے کہ ان کو اپنے گھر کے اندر رہنے سے روک دے پس وہ اگر اس سے مل لیں اور بات چیت کر لیں اور کچھ دیر بات کر کے واپس چلے جائیں اگر رات کو بھی رہنا چاہیں تو زوج سے اجازت لینے کی ضرورت ہے۔

قال في الدر: ولا يمنعها من الخروج الى الوالدین في كل جمعة ان لم يقدر اعلی اتیانها علی ما اختاره في الاختیار ولو كان ابوها زناً فاحتاجها فاعلها تعاھده ولو كافراً وان ابی الزوج اه

قال الشافعی: وهل لها النفقة الظاهر لا وان كانت خارجة من بیتہ بحق كما لو خرجت لفرض الحج اه (ص ۱۹۲ ج ۲)

وقال الشافعی: فقوله المختار مقابلة القول بالشهر في دخول المحارم كما افاده في الدر والفتح الى ان قال بعد كلام طويل عن البحر أن الصحيح المفتی به من أنها تخرج للوالدين في كل جمعة باذنه وبدونه وللمحارم في كل سنة مرة باذنه وبدونه اه - وقال قبل ذلك وقد اختار بعض المشائخ منعها من الخروج اليها و اشار الى نقله في شرح المختار والحق الاخذ بقول ابی یوسف اذا كان الابوان بالصفة التي ذكرت (ای لا يقدران علی اتیانها) ولا ينبغي ان يأذن لهما في زیارتها في الحین بعد الحین علی قدر متعارف اما في كل جمعة فهو بعيد اه (ص ۱۹۳ ج ۲) وجمعت بين روايتي الشهر والجمعة بكونهما في بلد الزوج او خارجه ولعله جمع حسن۔

لیکن اگر عورت بلا اذن زوج کے جائے گی تو ظاہر یہ ہے کہ نفقہ کی مستحق

عہ قال في الدر ولا يمنعها من الدخول عليها في كل جمعة وفي غيرها من المحارم في كل سنة - (قلت: صححه الشافعی خلافاً لمن قال له المنع من الدخول) لها الخروج ولها الدخول، زيلی ويمنعهم من الكينونة وفي نسخة من التبوئة. ولفظ مسكين من القرار۔

نہ ہوگی اگرچہ وہ حق جانے کا رکھتی ہے۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون ۲۹ جمادی الثانی

ایسی دو بیویوں کے نفقہ کا حکم جن میں ایک کی اولاد زیادہ ہو

سوال: فیض گنج، فیض رساں حضرت مولانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ احقر کی دو زوجہ ہیں

ایک زوجہ سے ایک لڑکی ہوئی اور دوسری زوجہ سے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی ہے پانچوں لڑکوں میں بڑا لڑکا تقریباً ۱۴ سال ہے اور سب اس سے چھوٹے ہیں۔ میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ میری جو کمائی ہے اس میں سے دونوں زوجہ کو کس طرح سے دوں اور دونوں زوجہ علیحدہ علیحدہ مکان میں رہتی ہیں اور جو لڑکے لڑکیاں ہیں ان کے رشتہ و شادی وغیرہ کا جو خرچ ہوتے دونوں گھروں میں سے کیا جائے یا کہ جن بیوی کی اولاد ہو اس گھر سے خرچ کیا جائے اور زمینداروں میں عام رواج ہے کہ کپاس وغیرہ کھیتوں میں سے چُن کر لاتی ہیں دونوں زوجہ اپنی چنی ہوئی علیحدہ علیحدہ رکھیں یا کہ کس طرح تقسیم کیا جائے۔ تحریر فرمائیں۔ فقط والسلام

مرسلہ احقر میاں حجت الدین از مقام مونہ ڈیو در
جھلا چوہدری محمد حیات خان صاحب ضلع گجرات

الجواب

جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور دونوں صاحب کی اولاد ہوں ان کو زوجین میں مساوات اس طرح کرنا چاہئے کہ ہر زوجہ کا نفقہ الگ مقرر کرے اور اس میں دونوں بیویوں کو برابر رکھے اور اولاد کا نفقہ علیحدہ مقرر کرے اور دونوں کی اولاد کو فرداً فرداً حاجت کے لحاظ سے برابر رکھے یعنی ایک کی ضرورتاً دس روپے میں مہیا ہو سکتی ہوں اس کے دس روپیہ اور ایک کی ضروریات پانچ روپیہ میں مہیا ہوں اس کے پانچ روپیہ مہیا کرے گو مجموعہ ایک کی طرف زیادہ ہو مثلاً ہر بیوی کا ماہوار پندرہ روپیہ مقرر کر دے اور ہر لڑکے لڑکی کا دس روپیہ ماہوار۔ اس

عہدہ اگر عورت شوہر کی اجازت سے جائے چاہے کہیں جائے تو ظاہر ہے کہ عورت مستحق نفقہ ہے مگر یہ کہ شوہر شہر طرے کہ میں نفقہ نہ دوں گا۔ قال فی العالمگیریۃ: الکبیرۃ اذا طلبت النفقة وہی لم تزف الی بیت الزوج فلما اذا لم یطالبها الزوج بالنقلۃ فان کان الزوج طالبها بالنقلۃ فان لم تمتنع عن الانتقال۔

صورت میں زیادہ اولاد والی کی طرف جو زیادہ رقم جائے گی وہ بیوی کے نفقہ میں زیادتی نہیں بلکہ یہ زیادتی اولاد کی وجہ سے ہے اس پر دوسری بیوی اگر اعتراض کرے تو لغو ہے اور متفرق اخراجات شادی وغیرہ کے اس صابطہ سے علیحدہ ہیں جن میں یہ شخص مختار ہے۔ اس جواب سے سائل کے سب سوالات کا جواب نکل آیا۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون۔ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

۳ رجب ۱۴۰۶ھ

فصل فی نفقۃ الاولاد والاباء والامهات

دوسرے شوہر پر بیوی کی پہلی اولاد کا نفقہ شرعاً واجب نہیں۔
(سوال) ہندہ کہتی ہے کہ زوجہ کی اولاد جو دوسرے خاوند رافضی ہے وہ شوہر حال اہل سنت کی اولاد ہے اور شوہر

اہل سنت کو مثل اولاد خود زوجہ کی خدمت واجب ہے۔

الجواب :- دوسرے شوہر پر بیوی کی پہلی اولاد کی خدمت شرعاً واجب نہیں واللہ اعلم

۲۴ ربیع الثانی

باپ اگر حاجتمند ہو تو اس کا نفقہ (سوال) شوہر کے باپ بھائی اہل سنت جو زوجہ کی اولاد غنی اولاد کے ذمہ واجب ہے دختر بالذم منکوحہ والدہ مستطیعہ سے ہر طرح زیادہ حاجت مند ہیں غیر مستحق بتلاقی ہے۔

الجواب :- جب ماں باپ حاجت مند ہوں تو اس کا نفقہ غنی اولاد کے ذمہ واجب ہے

واللہ اعلم

۲۴ ربیع الثانی

رسالہ "خیر الارشاد فی العدل بین الاولاد" (سوال) (۱) اولاد کے ساتھ برابری یعنی اولاد میں برابری اور مساوات کی تحقیق کرنا کس کس امر میں اور کس حد تک شرعاً ضروری ہے اور کس درجہ کی ضروری ہے؟ اگر نابالغ اور بالغ لڑکی اور لڑکے کے حکم میں فرق ہو تو اسکو بھی ظاہر فرمادیا جائے۔ اور آیا یہ برابری ماں کے ذمہ بھی، یا صرف باپ کے ذمہ ہے؟ اور صرف اولاد کے حق میں ہے یا دیگر وارثان شرعی کے حق میں بھی ہے؟

(۲) تبرعات اور نفقات میں برابری کے احکام جدا جدا تحریر فرمائیے جائیں۔

(۳) اس قسم کی برابری بوجہ اولاد کے مختلف الحال ہونے کے بظاہر بہت دشوار ہے، مثلاً ایک کی کم عمر ہے ایک کی زیادہ عمر ہے ایک اپنے پاس ہے ایک دور ہے ایک غنی ہے ایک محتاج ہے ایک کی ضروریات زیادہ ہیں، مثلاً کالج میں پڑھتا ہے ایک کی کم ہیں، مثلاً مکتب میں پڑھتا ہے ایک کی شادی میں کم خرچ ہوتا ہے، ایک کی شادی میں زیادہ ایک لڑکی ہے جس کو جہیز اور

زیور کی ضرورت پڑتی ہے ایک لڑکا ہے جسکی شادی میں ان اخراجات کی ضرورت نہیں، ایک کی شادی آج ہے ایک کی دس برس یا کم و بیش مدت کے بعد ہے غرض حاجات اور حالات استقدر متخالف ہوتے ہیں کہ عطا میں برابری کرنا نہایت دشواری ہے، اگر واجب ہو تو اسکی سہل صورت تجویز فرمائی جائے، اگر ایک بچہ کو اسکی ضد پر ایک پیسہ یا چیز دی تو کیا سب بچوں کو خواہ حاضر ہوں یا غائب ایک ایک پیسہ تقسیم کیا جائے؟

(۴) نانی نانا یا دادی، دادا وغیرہ کے ذمہ تو اس قسم کی برابری ضروری نہیں؟

(۵) اوپر تو صرف چند جزئیات کا حوالہ ہے، دیگر صدہا جزئیات اس معاملہ میں ہو سکتی ہیں علاوہ جواب کلی کے جہاں تک ممکن ہو سکے جزئیات کے متعلق بھی احکام تحریر فرمائے جائیں تاکہ عمل کے وقت دشواری یا خلط نہ ہو چونکہ اس معاملہ میں عام طور پر غفلت ہے اسلئے مفصل اور اگر ضرورت ہو تو مدلل احکام قلمبند فرمادینے کی بظاہر ضرورت معلوم ہوتی ہے تاکہ ہر عاملین کو اس طرف توجہ ہو اور عاملین کو ادائے حقوق میں سہولت ہو۔ بینوا توجروا۔

السائل: خواجہ عزیز الحسن صاحب السسٹنٹ انسپکٹر

مدارس اسلامیہ لکھنؤ، فرنگی محل۔

الجواب :- قال فی الدر، عن الخانیة : ولا بأس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبة لانها عمل القلب وكذا فی العطایا ان لم یقصد به الا ضرار وان قصده یسوی بینهم یعطى البنت كالا بن عند الثانی وعلیه الفتوی ولو وهب فی صحته كل المال للولد جاز وان شأه (ص ۷۵ ج ۲)

وفی البدائع : وینبغی للرجل ان یعدل بین اولاده فی النحل بقوله سبحانه وتعالى : **اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ**، ولما روی ان بشیراً اباً النعمان اتى بالنعمان الی رسول الله صلى الله علیه وسلم الحدیث وهذا اشارة الی العدل بین الاولاد فی النحلة وهو التسوية بینهم ولان فی التسوية تالیف القلوب والتفضیل یورث الوحشة بینهم فكانت التسوية اولی ولو نخل بعضاً وحرّم بعضاً جاز من طریق الحكم لانه تصرف فی خالص ملكه لاحق لاحد فیه الا انه لا یمکن عدلاً سواء كان المحرم فقیهاً تفتیاً او جاهلاً فاستقام علی قول المتقدمین من مشائخنا واما علی قول المتأخرین

منهم لا بأس ان يعطى المتأدين والمتفقين دون الفسقة الفجوة اهـ (ص ١٢٤ ج ٦)
وفي البحر: يكره تفضيل بعض الاولاد على البعض في الهبة حالة
الصحة الا لزيادة فضل له في الدين وان وهب ماله كله لواحد جاز
قضاء وهو أكثر كذا في المحيط، وفي الخلاصة: المختار التسوية بين الذكر
والأنثى في الهبة ولو كان ولده فاستقاراد ان يصرف ماله الى وجه
الخير ويحرمه عن الميراث هذا خير من تركه لان فيه اعانة على المصيبة
ولو كان ولده فاستقار لا يعطى له أكثر من قوت يومه ولو اتخذ لولده ثياباً
ثم اراد ان يدفع الى أخريس له ذلك الا ان يبين وقت الا تخاذانه عارية
اهـ وقال محشي: قال الرملي: وفي الحاوي الزاهدي دفع لولده الصغير
قرضاً فاكل نصفه ثم اخذه منه ودفعه لآخر يضمنه اذا كان دفعه لولده
على وجه التملك واذا دفعه على وجه الاباحة لا يضمن قال عرف به ان
يجرد الدفع من الاب الى الصغير لا يكون تمليكاً وانه حسن اهـ (ص ٢٨٨ ج ٤)
وفي الخلاصة: رجل له ابن وبنت اراد ان يهب لهما شيئاً فالأفضل
ان يجعل للذكر مثل حظ الأنثيين عند محمد وعند أبي يوسف بينهما سواء
هو المختار لورود الآثار ولو اعطى بعض ولده شيئاً دون البعض لزيادة
رؤسده لا بأس به وان كانا سواء لا ينبغي ان يفضل اهـ (ص ٢٨٨ ج ٤ كتاب الهبة)
قلت: ويلحق بالرشد فقره ايضاً كما لا يخفى.
وقال العيني في شرح البخاري: وقال المهلب: وفي الحديث دلالة على
انه لا تلزم المعدلة فيما يجهل غير الاب لولد غيره اهـ (ص ٢٤١ ج ٦)
وفيه ايضاً: احتج به اي بحديث النعمان بن بشير من اوجب التسوية
في عطية الاولاد وبه صرح البخاري وهو قول طاووس والثوري واحمد و
اسحاق وقال به بعض المالكية ثم المشهور عند هؤلاء انها باطلة وعن
احمد يصح ويجب عليه ان يرجع وعنه يجوز التفاضل ان كان له سبب
كاحتياج الولد لزمانته او دينه او نحو ذلك وقال ابو يوسف: تجب
التسوية ان قصد بالتفضيل الاضرار وذهب الجمهور الى ان التسوية مستحبة

فان فضل بعضاً صح وكره وحملوا الامر على الندب والنهي على التنزية واجاب
عن حديث النعمان من حمل الامر بالتسوية على الندب بوجه ذكرها بالفضل
الى ان قال الخامس ان عمل الخليفين ابي بكر وعمر رضي الله عنهما بعد النبي
صلى الله عليه وسلم على عدم التسوية قرينة ظاهرة في ان الامر للندب
اما اثر ابي بكر فاخرجه الطحاوي (بسند صحيح) عن عائشة زوج النبي
صلى الله عليه وآله وان ابا بكر الصديق نحلها جاد عشرين وسقاً من ماله
بالغابة فلما حضرته الوفاة قال: والله يا بنية امان احدم من الناس
احب الى غنى بعدى منك ولا اخضر على فقرا بعدى منك واني كنت نخلتك جاد
عشرين وسقاً فلو كنت جددته واحرزته كان لك وانما هو اليوم مال
الوارث الحديث قال الشافعي وفضل عمر رضي الله تعالى عنه عاصماً بشئ
وفضل ابن عوف ولد امر كلثوم اما اثر عمر فذكره الطحاوي ايضاً كما
ذكره البيهقي عن الشافعي واخرج عبد الله بن وهب في مسنده قال بلغني
عن عمرو بن دينار ان عبد الرحمن بن عوف نخل ابنته من امر كلثوم بنت
بنت عقبة اربعة آلاف درهم وله ولد من غيرها اهر (ص ۲۴۵، ۲۴۶ ج ۶)
ان نصوص سے امور ذیل مستفاد ہوئے

(۱) تسوية بين الاولاد عطايا اور هبات میں ہے نفقات میں نہیں کیونکہ احادیث و
اقوال فقہاء لفظ عطیہ و ہبہ سے مقید ہیں نفقات میں کسی نے وجوب یا استحباب عدل کی تصریح
نہیں کی و قیود الفقہ احترازیہ: تسوية فی النفقة زوجات میں واجب الاولاد کے متعلق اسکی کوئی
تصریح نہیں ملی باوجود تتبع کثیر کے۔

(۲) تسوية بين الاولاد عطايا میں بھی حنفیہ و جمہورائے کے نزدیک واجب نہیں بلکہ مستحب
ہے اور ترک تسوية مکروہ تنزیہی ہے اور اگر قصید اضرار ہو تو مکروہ تحریمی ہے و علیہ یحمل
قول المحيط اثر فیجتمع مع قول العینی و حملوا النهی على التنزیہ۔

(۳) اگر ایک لڑکے یا لڑکی کو کسی خاص وجہ سے ہبہ کیا جائے یا زائد دیا جائے اور دوسروں
کو نہ کیا جائے اور اضرار آخرین کا قصد نہ ہو تو جائز ہے۔

(۴) اگر ایک لڑکے یا لڑکی کو اسکی دینداری یا طلب علم دین وغیرہ کی وجہ سے زیادہ

دیا جائے تو مضائقہ نہیں اسی طرح ایک کو بوجہ فقر کے زیادہ دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔
(۵) فاسق اولاد کو صالح کے برابر دینا لازم نہیں بلکہ فاسق کو قوت سے زیادہ نہ دیا جائے
اب سوالات کے جوابات معروض ہیں

(۱) اولاد کے ساتھ برابری کرنا ان عطایا و ہبات میں مستحب ہے جو ان کی ملک کردی جائیں باقی نفقہ یعنی ماکول و مشرب و ملبوس میں بقدر حاجت متفق علیہ جو کہ مقدار واجب نفقہ کی ہے تسویہ واجب و مستحب نہیں اگرچہ تملیکاً ہو اور قدر واجب قدر کفایت ہے یعنی مایضر بالنقص منہ اور قدر واجب سے زائد نفقہ میں بھی اگر وہ بطور ہبہ کے نہ ہو بلکہ بطریق اباحت و عاریت کے ہو تسویہ نہ لازم ہے نہ مستحب بلکہ باپ کو اختیار ہے کہ جسکو چاہے کھلائے اور جیسا چاہے پہنائے البتہ اگر بطور ہبہ کے قدر واجب سے زائد نفقہ دیا جائے تو رعایت تسویہ مستحب ہے اور قدر واجب سے زائد نفقہ کی اباحت و عاریت میں بھی اگر تفضیل سے اولاد میں وحشت و کراہت کا اندیشہ ہو تو اس میں بھی تسویہ مستحب ہوگا۔ لان علة التسوية في العطایا هي الاحتراز عن الوحشة بينهم والحكم بدور مع علتہ۔
اور یہ تسویہ ماں باپ دونوں کے حق میں ہے دیگر وارثان شرعی کے حق میں نہیں۔ دوسروں کو بلا کراہت جائز ہے کہ ایک شخص کے ایک لڑکے کو دیں یا زائد دیں اور دوسروں کو نہ دیں۔
(۲) اس کا جواب نمبر ایک کے جواب سے معلوم ہو گیا۔

(۳) اس سوال میں نفقات و تبرعات کو خلط کیا گیا ہے سوا و پر گذر چکا کہ نفقات میں تسویہ ضروری نہیں نہ وجوباً نہ استحباباً پس اگر ایک لڑکا کم عمر ہے دوسرا بڑا ہے تو ان دونوں میں نفقہ واجبہ کے اندر کمی و زیادتی بلا کراہت جائز ہے اسی طرح ایک اپنے پاس ہے ایک دور ہے ان میں بھی نفقہ واجبہ کے اندر کمی زیادتی جائز ہے کیونکہ نفقہ واجبہ ہر بیٹے کی قدر کفایت سے مقدر ہے اور اس صورت میں قدر کفایت ہر ایک کی جدا ہے پس رعایت تسویہ ضروری نہیں نہ مستحب۔ رہا یہ کہ ایک غنی ہے، ایک محتاج ہے تو نفقہ واجبہ میں تو تسویہ ضروری نہیں جبکہ نفقہ واجبہ ہر ایک کا متفاوت ہوتا ہو اگر نفقہ واجبہ متفاوت نہ ہو تو جب بھی محتاج کو نفقہ واجبہ سے زائد دینا جائز ہے جبکہ مقصود اسکو نفع پہنچانا ہے اور دوسرے کا اضرار مقصود نہیں اور اگر ایک کالج میں پڑھتا ہے اور ایک مکتب میں تو اگر ان دونوں کا نفقہ واجبہ بھی متفاوت ہو تو اس میں کمی زیادتی کا مضائقہ نہیں اور اگر نفقہ واجبہ متفاوت نہ ہو تو محض کالج میں پڑھنا

زیادت استحقاق کا سبب نہیں کیونکہ یہ طلبِ دین یا رشد و احتیاج سے خارج ہے اس صورت میں مستحب ہے کہ دونوں کو نفقہ واجبہ سے زائد میں برابر رکھا جائے جسکی سہل صورت یہ ہے کہ حتیٰ رقم کا لچ والے کو زائد دی جاتی ہے اسی کے برابر دوسرے کیلئے بعد تملیک کے رقم جمع کر دی جائے یا اسکو محفوظ رکھ کر آئندہ برابری کا قصد رکھا جائے اور شادی میں جو خرچ ہوتا ہے وہ محض تبرع و ہبہ ہے اس میں اولیٰ یہ ہے کہ اسکی رعایت رکھی جائے کہ ایک لڑکے کی شادی میں جتنا خرچ ہوا اتنا ہی دوسرے لڑکے کی شادی میں کیا جائے اور جتنا ایک لڑکی کو جہیز دیا جائے اتنا ہی دوسری کو دیا جائے یعنی ذکر و مذکور کے برابر اور اناث کو اناث کے برابر رکھا جائے اور یہ رعایت اس خرچ میں مستحب ہے جو والد اپنے اختیار سے کرتا ہے اضطراری میں نہیں؛ مثلاً ایک کی شادی قریب جگہ ہوئی۔ دوسرے کی دور جگہ ہوئی جسکی وجہ سے کرایہ آمد و رفت میں تفاوت ہو گیا باقی اسکا مضائقہ نہیں کہ لڑکی کی شادی میں بوجہ جہیز دینے کے لڑکے کی شادی سے زیادہ خرچ ہو جائے کیونکہ یہ تفاوت بھی مثل اضطراری کے ہے لڑکیوں کو بوجہ انکی احتیاج کے کہ وہ کسب سے عاجز ہیں جہیز دیا جاتا ہے اور لڑکوں کو اسکی ضرورت نہیں ہوتی اور عموماً لڑکوں کو اس سے اعتراض بھی نہیں پیدا ہوتا البتہ اگر کسی جگہ لڑکوں کو اسپر اعتراض ہوتا ہو وہاں مستحب ہے کہ ذکر و اناث کی شادی میں بھی تسویہ کیا جائے، بہر حال مدارِ تسویہ خوف و حشت و عدم خوف پر ہے اگر کہیں زیادت سے باہم و حشت کا خطرہ ہو وہاں تسویہ مستحب ہے ورنہ زیادت بلاکہ اہمیت تنزیہیہ جائز ہے جبکہ قصد انفراد نہ ہو اور ایک کو کسی خاص وجہ سے جو شرعاً وجہ معتبر ہو مثلاً رشد و علم و تقویٰ و احتیاج وغیرہ ہو، زیادہ دیا جائے پس اگر ایک بچہ کو اسکی ضد پر پیسہ دیا جائے تو دوسرے چھوٹے بچوں کو بھی دیا جائے جو حاضر ہوں باقی بڑوں کو دینا یا صغار غائبین کو دینا ضروری نہیں کیونکہ ان کو نہ دینے سے تو حش و غیرہ کا خطرہ نہیں۔

(۴) نانا، نانی، یاداداد، دادی کے ذمہ باپ کی موجودگی میں یہ تسویہ ضروری نہیں اور باپ کی عدم موجودگی میں جسکی پرورش میں یہ لڑکے ہوں وہ بمنزلہ باپ کے ہوں اسکو تسویہ مستحب ہے بالتفصیل الذی قدم اور جس کی پرورش میں نہ ہوں ان پر تسویہ لازم نہیں، وهذا بالقیاس ولما ارہ صریحاً لان العائل کالاب فی کثیر من

الاحکام، البتہ اگر نانا، نانی، یا دادا، دادی ایک لڑکی یا لڑکے کی اولاد کو زائد دیں دوسرے کی اولاد کو کم یا دوسرے کی اولاد کو بالکل نہ دیں اور اس تفصیل سے باہم خود نانا، نانی، یا دادا، دادی کی اولاد میں توحش و نفرت پیدا ہونیکا اندیشہ ہوتا تو قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ رعایت تسویہ ان پر بھی لازم ہے یعنی استحباً بالاسلئے کہ عرفاً نواسوں اور پوتوں کو دینا اپنی بیٹی یا بیٹے کو دینا شمار ہوتا ہے فرجع الی تفصیل بعض ولده علی الآخر۔

(۵) چونکہ یہ تسویہ حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے جبکہ قصد اضرار نہ ہو اسلئے جتنی سہولت سے رعایت ہو سکے کی جائے اور زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم
از تھانہ بھون خالقہ اشرفیہ
۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ

فصل فی نفقة ذوی الارحام

بہن کا نفقہ اور اس کے مصارف نکاح (سوال) ہندہ کا شوہر تقریباً پچاس روپیہ بھائی کے ذمہ ہیں یا نہیں
ماہوار پیدا کرتا ہے اور سوائے اسکی زوجہ اور
زوجہ کی اولاد کے باپ بھائی حاجتمندوں کو کچھ نہیں دیتا۔ اب شوہر ہندہ نے اپنی بہن کی شادی اپنے باپ اور اپنی رائے سے بلا شرکت دیگر برادران مفلوک کر دی ہے۔ اب وہ اس شادی کا صرفہ باپ بھائی سے لینا چاہتا ہے تو کیا باپ بھائی اسکے ذمہ دار ہیں یا نہیں؟

الجواب :- اگر اس نے یہ کہہ کر خرچ کیا تھا کہ میں باپ اور بھائیوں سے یہ رقم وصول کر لوں گا اور انہوں نے بھی اسکو قبول کر لیا تھا تب تو ان سے لینے کا حقدار ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ واللہ اعلم

چچا کے ذمہ بھتیجے کے نفقہ کا حکم (سوال) زید کی بیوی کا نواسہ جو اس کے ماں باپ رافضی سے ہے اور جسکو بعد پرورش ہونے کے وہ ماں باپ اپنے پاس رکھیں گے

اور زید کے برادر زادہ حقیقی ہے تو زید کی بیوی اپنے نواسہ کو متبنی بنلا کر اپنے شوہر کی آمدنی سے اس کی تعلیم دلاتی ہے اور اگر اہل سنت زید کا بھائی چاہے کہ میرے بچہ کو بھی تعلیم دی جائے تو زوجہ زید خارج و مانع ہے تو کیا ایسی صورت میں زید کی زوجہ کا نواسہ، زید کی آمدنی سے تعلیم پانیکا مستحق ہے؟ یا برادر زادہ زید مستحق ہے؟ یا دونوں نہیں؟ بیٹو اتوجروا

المستفتی: ظہور الحق ٹیسری ڈاکخانہ ترون ضلع سہارنپور

الجواب :- زید کے ذمہ اسکی بیوی کے نواسہ کا کوئی حق نہیں اور اگر برادر زادہ کا باپ زندہ ہے تو اس کا بھی کچھ حق نہیں اور اگر اس کا باپ زندہ نہیں اور اس کی خبر لینے والا زید کے سوا کوئی نہیں تو زید کے ذمہ اپنے برادر زادہ کی خبر گیری لازم ہوگی واللہ اعلم

۲۷ ربیع الثانی

یتیم کے مال سے اس کے معلم کو تنخواہ (سوال) عرض یہ ہے کہ مسئلہ ذیل کے حکم سے اور ضیافت کرنا جائز ہے یا نہیں۔
واقع فرما کہ سرور فرماویں وہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں محلہ کے سب لوگ ملکر بچوں کی تعلیم کیلئے معلم رکھتے ہیں اس میں یتیمی بھی شامل رہتے ہیں اس میں دریافت یہ ہے کہ جو یتیم کا مال علیحدہ ہے اُس سے اس کے وارث بالغ چچا یا بھائی کیلئے اس یتیم کے مال سے معلم کی تنخواہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو یتیم اپنے بھائی یا چچا کے ساتھ مخلوط ہیں وہ بھائی یا چچا کیلئے یتیم کے مال مخلوط سے معلم کی تنخواہ اور خورد و نوش دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- قال فی الدر: لا ینفق فی تعلیم القرآن والأدب ان تأهل لذلك والا فلینفق علیه بقدر ما یتعلم القراءة الواجبة فی الصلوة محبتی اھ

قال الشامی: وفي الخلاصة وغيرها: ان كان صالحاً لذلك جاز و صار لوجي مأجوراً والا فعليه ان يتكلف في تعليمه قدر ما يقرأ في صلاة اھ فلم یقیده بالقراءة الواجبة تامل۔

وفي القنية: ولا یضمن ما انفق فی المصاهرات بین الیتیم والیتیمه وغیرها فی خلع الخاطب او الخطیبة وفي الضیافات المعتادة والهدایا

المعہودۃ ، وفي الاعیاد ان کان لہ منہ بدو فی اتخاذ ضیافۃ لختہ للاوقات
والجیران ما لم یسرف فیہ وكذا المؤدبہ ومن عنده من الصبیان وكذا
العیدین وقال بعضهم : فی ضیافۃ المؤدب والعیدین اھ (ص ۱۰ ج ۵)
اگر یتیم بزرگ کا تعلیم قرآن و ادب کے قابل ہو یعنی جو پڑھایا جاتا ہے اسکو پڑھ سکتا ہو یا
پڑھ سکنے کی امید بظن غالب ہو تو اسکی تعلیم میں اس کے مال سے معلم کی تنخواہ دینا ولی
کو جائز ہے اور معلم کو تنخواہ لینا بھی جائز ہے اور اگر اس میں تعلیم حاصل کرنے کی قابلیت
نہ ہو تو صرف اتنی مقدار کی تعلیم دی جائے جس سے اسکو نماز پڑھنا آجائے اور اس مقدار
میں اس کے مال سے ولی کو تنخواہ دینا جائز اور معلم کو لینا جائز ہے اسکے بعد جائز نہیں
اور اس میں یتیم مختلط و غیر مختلط دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ واللہ اعلم

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ

حکم نفقة ذوی الارحام (سوال) میری ایک اخیانی بہن گیارہ بارہ برس کی ہے اسکی
والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ شادی ہو گئی ہے خاوند چھوٹا ہے اور بڑ کی بھی بالغ نہیں ہوئی
اور اس کے چار بھائی حقیقی ہیں بڑا بھائی میں ہوں اور حقیقی بھائی میں سے جو بڑا ہے اسکی
شادی ابھی ہوئی ہے معمولی کاروبار کر کے بچوں کا گزارہ کرتا ہے۔ اور بہن اسکے ہمراہ رہتی
ہے مگر بھابی سے جنگ و جدال ہوتی ہے اور بھابی مارتی رہتی ہے اور خدمت بھی زیادہ لیتی ہے
اس لئے بہن پریشان غمگین رہا کرتی ہے اور احقر کو یاد کرتی رہتی ہے اور حقیقی بھائی میں سے
دوسرا بھائی ڈاہیل فارسی وغیرہ پڑھتا ہے بیس برس کی عمر ہے اور اس سے چھوٹا ملازمت
کرتا ہے اور فضول خرچی کرتا ہے ان صورتوں میں ہر ایک پر اس کا نان و نفقہ وغیرہ اور
نگہ رانی وغیرہ ضروری اور فرض ہے یا کسی پر زیادہ ہے؟ اور میں آئندہ سال تعلیم وغیرہ کی غرض
سے رہنا چاہتا ہوں اور اسے بطرح دوسرا بھائی جو ڈاہیل پڑھتا ہے تعلیم کیلئے رہے تو بہن
کا کوئی حق آنیکی وجہ سے گناہگار تو نہ ہونگے؟ بیسوا توجروا

عبدالرحمن انا واطی غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی، رجب

الجواب :- والنفقة لكل ذي رحم محرم (الی قولہ) ووجب ذلک علی قس المیراث (ہدایہ ص ۲۵)

مسئلہ نمبر ۲۳

ہندہ

آخ لہما ۵ آخ لہما ۵ آخ لہما ۵ آخ لہما ۵ آخ لام ۵

صورت مسئلہ میں اس بہن کے نان و نفقہ کے چھ سہام میں سے پانچ حصہ اسکے حقیقی بھائیوں کے ذمہ ہیں اور ایک حصہ اسکے اخیانی بھائی کے ذمہ ہے یعنی جو ان میں سے غنی ہو یا غنی نہ ہو لیکن کمانے والا ہو اگر کوئی حقیقی بھائی اس کا نان و نفقہ نہ دے تو پھر وہ کا عدم قرار پا کر باقی بھائیوں پر اسی نسبت سے نفقہ ہوگا اگر حقیقی بھائی سب کے سب نفقہ نہ دیں تو پھر اخیانی بھائی کے ذمہ کل نفقہ ہوگا جبکہ وہ غنی یا کمانے والا ہو اور سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بہن کو اس کا حقیقی بھائی ساتھ رکھتا ہے اور نان نفقہ دیتا ہے تو اگر وہ تنہا اسکے کل نفقہ کا خوشی سے متحمل ہے تو باقی بھائیوں پر وجوب نفقہ نہیں اور اگر وہ تنہا کل نفقہ دینے پر راضی نہ ہو تو بقیہ حقیقی بھائیوں پر چھ سہام میں سے پانچ سہام میں علی السواء اسکے نفقہ میں شرکت واجب ہے اور اخیانی بھائی پر چھٹے حصہ کی شرکت واجب ہے نیز سب بھائیوں پر اس بہن کو بھاج کے عذاب سے بچانا واجب ہے اور اس میں حقیقی اور اخیانی بھائی سب برابر ہیں انکو چاہیئے کہ بڑے بھائی کو سمجھائیں کہ اپنی بیوی کو ان افعال سے روکے اور کوشش کے ساتھ اس کا انتظام کریں کہ اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو بہن کو کسی اور معتبر عورت کے پاس رکھیں اور سب بھائی حقیقی چھ سہام میں سے پانچ سہام میں شرکت کر کے علی السواء اس کا نفقہ بھیجتے رہیں اور اخیانی بھائی چھٹا حصہ نفقہ کا ادا کرے بشرطیکہ ان میں سے کوئی مُعسر معذور نہ ہو اور اس وقت غنی ہونہ کمانے پر قدرت رکھتا ہو اور جب تک حقیقی بھائی نفقہ میں کوتاہی کریں اخیانی بھائی پر کل نفقہ کا وجوب نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

قال فی الحامدیه: بعد التفصیل فی نفقات الاقارب: القسم السابع اذا كانوا حواشی فقط (ومراد نابا الحواشی من لیس اصلاً ولا فرعاً) يعتبر فیہ الارث ای اہلیتہ وحقیقتہ (اذلا یتحقق الا بعد الموت) وعند الاستواء فی المحرمیة و اہلیة الارث یترجح الوارث حقیقةً فی خال وابن عم علی الخال لانه رحم محرماً هل للوارث عند عدم ابن العم ولا شیء علی ابن العم وان کان المیراث کلہ لہ لانه غیر محرم ولا تجب نفقة علی غیر محرم اصلاً (مثلاً ج-۱) قلت: وفي الصورة المسئلة الاخوة كلهم سواء في المحرمية

واهلية الارث فالنفقة على كلهم على قدر ميراثهم من الاخت كما
قال في الحامدية في العمة والخالة ان النفقة عليهما اثلاثاً
كارتثهما اهـ (صفحة مذكرة) والله اعلم.

(تنبيه) واعلم ان الفقهاء جعلوا المعسر العاجز عن
الكسب كالعدم ولم يجعلوا الموسر الممتنع عن اداء النفقة ولا العاجز
المكسوب كذاك كالعدم لان القاضي يجبرها عليها ولكن بلادنا
لا قاضي فيها ولا يمكن اجبار الممتنع عليهما اصلاً فجعلنا الممتنع
ايضاً كالعدم واوجبنا كل النفقة على الباقيين بقدر ارثهم و
هذا هو الظاهر عندي ولعل الله يحدث بعد ذلك امراً والله اعلم

الرجب سنة ١٢٣٦هـ



ایمداد الاحکام

ایمداد الفتاویٰ کا مجموعہ جو ۱۳۴۰ھ کے بعد کے فتاویٰ پر مشتمل ہے

تالیف

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ

زیر نگرانی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

مکتبہ نوریہ دار العلوم کراچی